پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
مجھے حکمِ اذاں
اُم مریم
WWW.PAKSOCIETY.COM

مجھے حکم اذان

اُم مریم

خاموش فضا تھی کہیں سایہ بھی نہیں تھا
اس شہر میں ہم سا کوئی تنہا بھی نہیں تھا
اونچی سی حویلی میں اُترتا رہا شب بھر
کٹیا میں میری چاند نے جھانکا بھی نہیں تھا

تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو
جس گھڑی سیاہ رات چلے
آسمانوں کا لہو پی کے سیاہ رات چلے
بین کرتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی نکلے
درد کی کاسنی پازیب بجاتی نکلے
پھر نا آسودگی مچلے تو منائے نہ منے
جب کوئی بات بنائے نہ بنے
جب نہ کوئی بات چلے
جس گھڑی ماتمی سنسان سیاہ رات چلے
تم میرے پاس رہو!
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو!

سیاہ تارکول کی سڑک پہ گاڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھتی بالآخر ایک جگہ رک گئی۔ گرونڈ اسکرین پر ہونے والا بوندوں کا رقص جاری تھا۔ نندنی نے بہت چونک کے نگاہ اٹھائی۔ سڑک سے کچھ پرے سرسبز گھاٹیوں اور پتھریلے راستوں سے ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی کسی پراسرار کہانی کی طرح خاموش اور ویران نظر آئی تھی۔ اس پگڈنڈی کا اختتام ایک اونچی پہاڑی پہ جا کے ہوتا تھا۔ جس پہ وہ کالی ماتا کا مندر آباد تھا۔ سیاہ پہاڑی پہ استادہ مندر کی عمارت اس پل دھند لے غبار میں گھری کسی جادوئی بنگلے کی ط دکھائی دے رہی تھی۔ عام دنوں میں بھی یہ راستے د گزار تھے مگر اس پل گویا برستے امبر نے ان کی خوفنا کچھ اور بھی بڑھا دیا تھا۔ پھسلن خطرناک حد تک بڑھ تھی۔ اونچی پہاڑی پہ واقع مندر میں داخل ہونے لیے پہاڑی کے گرد گھومتے اس راستے کو عبور کیا جاتا پہاڑی کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ یہاں کے لوگوں کا عقید اتنی کٹھنائیاں عبور کر کے جو حاجت مند کالی ماتا کے چھوتا ہے وہ من کی مراد پائے بغیر نہیں رہتا۔ وہیں کے احاطے میں ایک گھنٹہ بھی نصب تھا جسے چھونے کے اندر جا بجا لگی گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں۔ یہ بھی وہیں عقیدت مندوں کا خیال بلکہ راسخ یقین تھا یہ گھنٹیاں کے ہاتھ لگنے پہ گنگناتی ہیں جس کی مراد بر آئی ہو یہ معلومات نندنی کو اس کی دوست سنجنا نے پہنچائی تھیں نندنی وہاں جانے کو بے قرار ہو اٹھی تھی مگر ممی کی اجا کے بغیر اس کا وہاں تک پہنچنا مشکل تھا اور ممی اسے اجازت نہیں دے سکتی تھیں ان سے اجازت لینے کا انہیں ساری بات بتلانا تھا جو نندنی کو ہرگز گوارا نہیں جبھی اس نے اس وقت کا انتخاب کیا تھا جب ممی اور طور پر دیو گھر پر نہ ہوں۔ دیو تو صحیح معنوں میں اس کا

بن جانا چاہتا تھا بہت محبت کا دعویٰ تھا دیو کو اس سے جبکہ وہ اسی قدر اس سے چڑتی تھی۔

''میم پلیز آپ یہیں رک کر دیوی جی سے پراتھنا کرلیں۔ راستہ بہت......''

''تم شوفر ہو ہمارے' شوفر ہی رہو۔ سمجھے؟''

نندنی نے ڈرائیور کو جھڑکا۔ نندنی دروازہ ایک جھٹکے سے بند کرکے آگے بڑھ گئی۔ راستہ دشوار گزار اور خطرناک تھا وہاں اکا دکا عقیدت مند نظر آرہے تھے ان میں بھی زیادہ تعداد مردوں کی تھی۔ نندنی بلیو جینز کے اوپر پنک کارڈیگس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے لمبے ریشمی بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے جو ہلکی سی جنبش پہ بکھر بکھر کر سمٹتے تو اس پہ اٹھنے والی نگاہ ٹھٹک جاتی۔ وہ مشرق و مغربی حسن کا بے مثل شاہکار تھی۔ ساڑھے پانچ فٹ قد نازک سراپا اور بے تحاشا اجلی دودھیا رنگت اسے ہزاروں نہیں لاکھوں کے مجمع میں بھی ممتاز رکھاتی تھی اس پہ اس کی کم عمری اس حسن اور جاذبیت کو مزید بڑھا دیتی۔ یہ مندر شہر سے ہٹ کر تھا یہاں عموماً امیر فیملیز پراتنا کے لیے نہیں آیا کرتی تھیں یہ متوسط اور غریب قسم کے لوگوں کا مندر تھا۔ نندنی جیسی لڑکی کو وہاں موجود لوگوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تھا۔ نندنی ایسی نگاہوں کی کسی حد تک عادی تھی۔ اس کا غیر معمولی حسن اس کو ہمیشہ مرکز نگاہ بناتا تھا۔ مگر ایسی جسم کے آر پار ہوتی نظریں نندنی کو ناگوار محسوس ہوئی تھیں۔ اسے اپنے اکیلے آنے کے فیصلے پہ ملال ہوا مگر یہ لمحاتی احساس تھا اگلے پل وہ اس جذبے سے سرشار پھر سڑھیاں عبور کرنے لگی۔ راستہ میں پھسلن تھی وہ تین مرتبہ پھسلی اور چوتھی مرتبہ گرتے گرتے بچی تھی اور بالآخر جب اوپر مندر میں پہنچی تو اس سرد موسم میں بھی اس کی صبیح پیشانی پسینے کے ننھے منھے قطروں سے جگمگا رہی تھی اور سانس پھولی ہوئی تھی۔

مندر کا سارا ماحول نیم تاریک تھا۔ سامنے کالی ماتا کا بھیانک مجسمہ نصب تھا۔ جس پہ نگاہ پڑتے ہی اس کے اندر عقیدت و احترام کی بجائے گھن اور خوف کا احساس جاگا تھا مگر اس نے جھرجھری لے کر اپنے اس احساس اگلے ہی لمحے جھٹک دیا۔ وہاں موجود لوگوں کے انداز میں اس نے پراتھنا کی تھی پھر دونوں ہاتھ پیشانی سے ٹیک کر صدق دل سے گویا ہوئی تھی۔

''میرے من کی مراد پوری ہو میں اسے پالوں جسے ڈھونڈنے کی خواہش میں میں نے خود کو گم کرڈالا ہے بہت تھک گئی ہوں۔'' جانے کتنی دیر تک وہ سسک سسک کر التجائیں اور روتی رہی۔ اسے احساس تک نہ ہوا کتنا وقت بیتا گیا آس پاس موجود لوگ کچھ حیرت کچھ عقیدت بھرے انداز میں اسے اتنی عاجزی سے پراتھنا کرتے دیکھ رہے تھے جب چمکتی ہوئی ٹنڈ والے پنڈت جی نے آکر بہت شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''کالی ماتا کے در پہ آکے کوئی خالی نہیں جاتا۔ سندری تو بھی من کی مراد پالے گی بس ایک تھوڑا سا صبر کرلے۔''

''کتنا صبر پنڈت جی؟ کتنا صبر...... تین سال ہوچکے ہیں اسے دیکھے اسے گنوائے۔'' وہ کچھ اس طرح سے بکھر گئی تھی کہ زار و قطار رو پڑی۔ پنڈت نے بغور اسے دیکھا۔ بھنویں سکیڑ کر آنکھیں چندی کرکے کچھ گھمبیر آواز میں بولا۔

''اگر زیادہ جلدی چاہتی ہے تو کل کی ساری رات یہاں گزار دیوی ماتا کے چرن چوم کر وہ خوش ہوگی تو تیرا کام جلدی بن جائے گا۔'' نندنی نے بہت چونک کر پنڈت کو دیکھا اس کا بے قرار دل ایک لمحے کو سمٹا۔

''واقعی آپ سچ کہہ رہے ہیں پنڈت جی؟''

''ہاں سندری سچ بولتے ہیں ہم......'' پنڈت کی چمک دار نگاہوں نے بہت حریصانہ انداز میں نندنی کے سنگرفی وجود کو تکا تھا نندنی ایک دم سے کچھ ٹھٹک گئی۔ اندر اٹھنے والا جوش یکلخت دھیما پڑ گیا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

''پھر تم آؤ گی نا سندری کسی رات کو؟'' وہ پلٹی تو پنڈت نے سرعت سے سوال کیا تھا۔

''آج تو شاید نہیں میں کل ضرور حاضر ہوں گی پنڈت

جی۔'' نندنی نے آہستگی سے کہا تھا اور باعجلت مندر سے نکل گئی۔ باہر فضا میں ہنوز دھند تھی مگر نندنی کو لگا تھا وہ جیسے برزخ سے نکل آئی ہو ایک لمحہ لگا تھا اسے پنڈت کی غلیظ نظروں کی ہوس پڑھنے میں۔ اس کے اٹھتے قدموں کی رفتار بڑھ گئی۔ اس کا دوبارہ لوٹ کر یہاں آنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔

❁......❁......❁
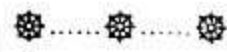
باتھ لے کر وہ باہر آیا تو بیڈ پہ لاپروائی سے پڑا ہوا اس کا سیل فون مسلسل وائبریٹ کررہا تھا۔ عباس نے تولیے سے گیلے بال خشک کرنے کا کام موقوف کیا اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا۔ عین اسی پل کال ڈسکنٹ ہوگئی تھی۔ عباس نے مسڈ کالز چیک کیں۔ پچیس مسڈ کالز تھیں اور ساری کی ساری عریشہ کی۔ اس کے ہونٹوں کی تراش میں دل آویز مسکان بکھر گئی۔ عریشہ کا نمبر پش کرکے اس نے ہینڈ فری سیٹ کیا اور موبائل جینز کی پاکٹ میں ڈال لیا۔

''ہیلو جان عباس!'' پہلی کے بعد دوسری کوشش پہ عریشہ نے کال پک کی تو عباس نے مسکرا کر بات کا آغاز کیا۔

''مجھ سے بات بھی مت کرو تم۔''

''ہائیں مگر وہ کیوں؟'' وہ ٹھٹکا اور سخت احتجاجی انداز اپنالیا۔

''کہاں تھے اب تک؟ فون کرکر کے پاگل ہوتی رہی مگر پروا نہیں تمہیں۔'' وہ بے حد خفا تھی۔ عباس کو اس کی خفگی بھی پیاری لگتی تھی۔ صحیح معنوں میں جان دیتا تھا اس پر۔

''جان من نہا رہا تھا۔ اگر حکم ہو تو سیل وہاں بھی ساتھ لے جایا کروں؟'' فدویانہ انداز بے حد متاثر کن تھا۔ عریشہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''عباس تم بھی نا......''

''صرف تم پہ مرتا ہوں۔'' عباس فی الفور رومینٹک ہوا اور عریشہ حظ لے کر ہنسنے لگی۔

''اتنی دور رہ کر اتنی پیاری ہنسی ہنسو گی تو ہجر کی آگ میں جل کے خاک ہوجاؤں گا۔ کب مکمل طور پر ملو گی ظالم لڑکی۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ عریشہ کی ہنسی زندگی کا احساس بن کر اس کی سماعتوں میں اتری۔

''اگر اتنی آسانی سے تمہارے ہاتھ آگئی تو پھر تمہاری محبتوں کی شدتوں اور گہرائیوں کا اندازہ کیسے ہوگا؟'' اس کی بات سن کر عباس نے طویل تر سانس کھینچا تھا۔ پھر بدمزگی سے گویا ہوا۔

''یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ محبت کی شدتوں کا اندازہ قربتوں سے بھی تو لگایا جاسکتا ہے۔''

''لیکن ہر پریڈ کا الگ چارم ہوتا ہے عباس۔'' عریشہ اپنی منطق پہ ڈٹی رہی۔ پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ چونک کر بولی۔

''عباس تم نے بتایا نہیں کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

''کون سا فیصلہ؟'' عباس اب ڈریسنگ ٹیبل سے ہٹ کر بیڈ تک آگیا تھا۔ بستر پر لیٹ کر اس نے ریموٹ سے ٹی وی آن کرلیا مگر اس کا دھیان اور توجہ عریشہ کی باتوں میں ہی تھی۔

''بس یہ اہمیت ہے تمہارے نزدیک میری باتوں کی' بھول بھی گئے۔'' وہ فوراً ناراض ہوئی اور عباس حیدر کو اسے منانے کے لیے اگلے سات منٹ اس کی منت کرنا پڑی تھی۔ تب وہ احسان جتلاتے ہوئے مانی اور اٹھلا کر بولی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا فلموں میں کام چھوڑ دو۔ عباس مجھے تمہارا غیر عورتوں کے نزدیک رہنا بالکل پسند نہیں

اعتذار

نازیہ کنول نازی ناسازی طبیعت کی باعث سے اس بار ''جھیل' کنارہ' کنکر'' نہ لکھ سکیں ہے۔ اس لیے اس ماہ اُن کا ناول شامل اشاعت نہیں ہے۔ ان شاءاللہ آئندہ ماہ آپ ناول پڑھ سکیں گی۔

ہے۔'' عباس نے اس کی بات کو سنا اور زور سے ہنس پڑا۔
''جیلس ہو رہی ہو؟'' وہ گویا اسے چھیڑ رہا تھا۔ عریشہ نے اعتراف میں تامل نہ کیا۔
''ہو رہی ہوں پھر......''
''گڈ! پھر یہ کہ میں آپ کے حکم کو سر آنکھوں پہ رکھتا ہوں مادام!''
''یعنی تم عباس تم واقعی سچ کہہ رہے ہو تم اب موویز میں کام نہیں کرو گے؟'' عریشہ حیرت و خوشی سے جیسے بے قابو ہو کر چیخی تھی۔ عباس آہستگی سے مسکرا دیا۔
''اگر یقین نہیں آ رہا تو کل اخبار میں پڑھ لینا۔''
''تھینک یو عباس تھینکس فار دس آنر۔'' عریشہ کی آنکھیں اس اہمیت اس محبت کے مظاہرے پہ بے اختیار چھلک اٹھیں۔

وہ ایک عام سی لڑکی تھی۔ جس میں کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ نہ غیر معمولی حسن نہ دولت نہ ذہانت' نہ ہی تعلیم کچھ بھی تو ایسا خاص نہیں تھا کہ عباس حیدر جیسا خاص بے حد حسین اور شاندار لڑکا اس پہ اس انداز میں فریفتہ ہو جاتا' مگر ایسا ہوا تھا تو اس میں کمال عریشہ کے نصیب کا تھا۔ عباس سے اس کی ملاقات اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں ہوئی تھی جو انہوں نے ایک ہوٹل میں سیلیبریٹ کی تھی۔ یہ ایک حادثاتی ملاقات تھی جس میں عباس کو جانے عریشہ میں ایسا کیا نظر آیا تھا کہ وہ اس سے محبت کر بیٹھا۔ عریشہ کی منگنی اپنے کزن سے ہو چکی تھی مگر جب عباس نے اس کے ہاں جا کر شادی کی خواہش ظاہر کی تو عریشہ کے ابا نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا کہ عریشہ ان کے بھتیجے سے منسوب ہے۔ مگر عریشہ اور اس کی والدہ نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا' ایک بڑے جھگڑے کے بعد عریشہ کی امی نے عریشہ کا رشتہ اس کے چچا کے بیٹے سے توڑ کر عباس سے طے کر دیا تھا تو اس کے پیچھے عباس حیدر کی سحر انگیز شخصیت ہی نہیں اس کا مضبوط بیک گراؤنڈ اور شہرت و دولت اہم تھیں۔ عریشہ بھی ماں کی طرح مفاد پرست تھی مگر اس کی ماں تو بے حد لالچی تھی وہ اس سنہرے موقع کو ہرگز گنوانے کے حق میں نہیں تھیں چاہے اس بڑھاپے میں انہوں نے شوہر سے منہ موڑ لیا تھا تو ان کے خیال میں وہ پھر بھی گھاٹے میں نہیں رہی تھیں اور یہ خیال ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ اب تک عریشہ کے ذریعے بہت مال عباس سے حاصل کر چکی تھیں اور ابھی مزید حاصل کرنے کا ارادہ تھا۔ عباس حیدر کی آنکھوں پہ عریشہ کی محبت نے پٹی باندھ دی تھی وہ گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا۔ اسے ہر سمت صرف عریشہ نظر آتی تھی۔ یا پھر عریشہ کی خوشی اسے عزیز تھی۔ عریشہ کے منہ سے نکلی بات چاہے وہ کیسی ہی ہو اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ یہی وہ کام تھا جس کی خاطر عباس نے اپنی فیملی کو چھوڑ دیا تھا اور اب عریشہ نے شوبز سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو عباس نے لمحے کی تاخیر کے بغیر فلموں میں بطور ہیرو کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اپنے عروج کے دور میں یہ فیصلہ اگر اس نے کیا تھا تو اس سے عریشہ کو جتلا رہا تھا کہ وہ اس کی محبت میں کس حد تک آگے چلا گیا تھا۔

عباس کے حوالے سے شائع ہونے والے اس بیان سے اخبارات اور ٹی وی پہ ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ وجہ وضاحتیں پوچھی جا رہی تھیں مگر عباس کی طرف سے خاموشی تھی۔ اس کے لاکھوں شائقین بے قرار تھے ان کا اصرار تھا عباس حیدر کو ہرگز بھی یہ فیصلہ نہیں لینا چاہیے عباس کی جو فلمیں ابھی تکمیل کے مراحل میں تھیں جنہیں وہ سائن کر چکا تھا ان کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر اس کے اس فیصلے کے بعد پریشان ہو گئے تھے مگر ان کے برعکس عریشہ بے حد مطمئن سرشار اور مغرور ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

ملکوال گاؤں کے گدی نشین پیر کرامت علی شاہ کی چار اولادیں ہیں۔ بڑا بیٹا وقاص حیدر جو خالصتاً جاگیردارانہ سوچ رکھنے والا ناک چڑھا مغرور اور فطرتاً اوباش انسان ہے۔ وقاص کے بعد ایک بیٹی ہے پھر عباس حیدر جس کا بے تحاشا حسن اور شائستگی خاندان بھر میں بے مثل ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وہ تین سال پہلے واپس ملکوال آیا تو بڑی کے بعد اس سے چھوٹی بہن کی شادی کی تیاریاں بھی عروج پہ تھیں۔ شادی کی اس تقریب میں عباس حیدر پہ یہ عقدہ کھلا کہ اس کے چچا عنایت علی شاہ کی بڑی بیٹی ایمان کی نسبت وقاص سے جبکہ منجھلی لاریب کی اس سے ان کے والدین نے ان کے بچپن میں ہی طے کر دی تھی۔ عباس حیدر کو یہ بات کچھ بھائی نہیں ہے جبکہ وقاص البتہ ایمان میں خوب دلچسپی لیتا ہے۔ شادی نپٹا کر عباس گاؤں سے شہر کا رخ کرتا ہے اور وہیں کی رنگینیاں اسے گرویدہ کر لیتی ہیں۔ عباس حیدر کی سحر انگیز و غیر معمولی وجاہت کی وجہ سے ہی اسے شوبز سے آفر ہوتی ہے جسے عباس اپنی خوش بختی تصور کرتا ہے اور شوبز کا حصہ بن جاتا ہے۔ عباس کی پہلی فلم ہی باکس آفس پہ سابقہ تمام فلموں کے کامیابی کے ریکارڈ توڑ کر شہرت حاصل کر لی ہے تو وہ ایک دم شہرت اور پسندیدگی کے بام عروج پہ جا پہنچتا ہے۔ یہ بات اس کے لیے جتنی خوشی اور فخر کا باعث بنتی ہے حویلی میں موجود گدی نشین پیر کرامت علی شاہ کے غیظ و غضب کو آواز دیتی ہے۔ پیر صاحب عباس کو انڈسٹری یا انہیں چھوڑنے کے آپشن دیتے ہیں اور عباس انڈسٹری کی بجائے انہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پیر صاحب عالم جلال میں اسے عاق کرنے اور مرتے دم تک اس کی شکل نہ دیکھنے کا اعلان کرتے ہیں جس کے سب سے زیادہ اثرات لاریب اور عباس کی والدہ پر ہی ظاہر ہوتے ہیں یا پھر اس کی بہنوں پہ البتہ وقاص حیدر پر اس بات سے قطعی کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ پیر صاحب کے اس فیصلے پہ دل میں ایک کمینی خوشی محسوس کرتا ہے۔
عباس کا فیصلہ لاریب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے مگر وہ ہرگز ناامید نہیں ہے اس کی تمام دعاؤں میں عباس کو پانے کی التجا ہے اس کے لوٹ آنے کی گزارش ہے۔ وہ عشق کی حد تک اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی ہے مگر عباس تک شاید اس کے جذبوں کی آنچ نہیں پہنچ پائی جبھی وہ ہنوز اس سے بے نیاز اور لاتعلق ہے۔

❁......❁......❁

اگر یہ جان جاؤ تم......
کوئی کیسے اجڑتا ہے کوئی کیسے بکھرتا ہے
تو میرے پاس آنا تم
میری بنجر ہوتی آنکھوں میں جلتے خواب کو تکنا
اور ان کا مرثیہ سننا
اگر ایسے نہیں ممکن!
تو میری زندگی کی ڈائری کو کھول کر پڑھنا......!
کہ اس کے ہر ورق پہ آنسوؤں سے مات لکھی ہے
جو تم سے کہہ نہیں پائی وہی ہر بات لکھی ہے
تمہاری چاہتوں کے نام اپنی ذات لکھی ہے
اگر یہ ڈائری پڑھ کے بھی تم انجان رہتے ہو
تو اس کا ہے یہی
مطلب میری سب التجائیں بس ہواؤں میں معلق ہیں
ابھی کچھ وقت باقی ہے بدل جاؤ پگھل جاؤ
کہیں ایسا نہ ہو یہ وقت ہاتھوں سے پھسل جائے
رستہ ہی بدل جائے
ابھی بھی لوٹ آؤ تم
ابھی تیری وفاؤں پہ میرا ایقان زندہ ہے
یہی ایقان تو اب تک میرے جیون کا حاصل ہے
اگر یہ کھو گیا تو پھر سبھی کچھ چھوٹ جائے گا
مقدر روٹھ جائے گا
تو پھر تم جان جاؤ گے
کوئی کیسے اجڑتا ہے کوئی کیسے بکھرتا ہے!

ابھی کچھ دیر قبل اس کے سیل پر میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے سیل اٹھا کر دیکھا کسی اجنبی نمبر سے بھیجی گئی یہ خوب صورت نظم تھی جسے وہ ایک ٹرانس کی کیفیت کے زیر اثر پڑھتی چلی گئی۔ مگر آخر میں بریکٹ میں لکھا ہوا دیو کا نام اسے بچھو کے ڈنگ کی طرح لگا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکلخت تبدیل ہوئے اور سیل فون اس نے اسی بدمزگی کے ساتھ بستر پہ پٹخ دیا۔ کچھ دیر ہونٹ بھینچے بڑی

رہی پھر کچھ سوچ کر اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ گلاس وال کے باہر سرسبز لان ہلکی دھند کے حصار میں گھرا دھندلا نظر آتا تھا۔ اس نے وہیں ٹھہر کر کچھ توقف کیا پھر لان کی سیڑھیاں اتر کر لان کے آخری حصے میں سنگی بینچ پہ ہاتھ میں کافی کا بھاپ اڑاتا مگ لیے گردوپیش سے لاتعلق نظر آتے دیو کے سامنے جارکی۔ وہ چونکا اور اسے روبرو پا کے جیسے ایک دم خوشگواریت کے احساس میں گھر گیا۔

''نندنی......!''

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم مجھے طیش مت دلایا کرو۔'' وہ بھڑک کر زور سے چلائی۔ دیو ایک دم پزل ہوگیا۔

''سوری وہ پوئٹری مجھے پسند آئی تھی۔ تو......''

''تو اپنے تک رکھتے' مجھے اپنے سستے اور سطحی جذبات پہنچانے کی ضرورت نہیں' تمہیں اندازہ بھی ہے کہ میں تمہیں سخت ناپسند کرتی ہوں۔''

''نندنی پلیز! اس طرح سے میری توہین مت کیا کرو۔ جانتی ہو نا ممی ہماری شادی کرنا چاہتی ہیں' اور انہیں تمہاری نہیں میری ہاں کا انتظار ہے۔ میں اگر آج ہاں کردوں تو وہ کل ہی سگائی کردیں۔'' دیو نے گویا اس پہ اس کی اوقات ظاہر کی تھی۔ نندنی کا صبیح چہرا ایک دم دھواں دھواں سا ہوگیا۔ توہین کے ساتھ بے مائیگی کا احساس بھی بے حد شدید تھا۔ جس نے اسے روہانسا کردیا تھا۔ دیو نے اس کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھا تو اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس اسے ہونٹ بھینچنے پر مجبور کرگیا۔ بلاشبہ اس کے سامنے کھڑی لڑکی اس کے لیے پوری زندگی میں سب سے اہم تھی۔ اس کا جی چاہا تھا وہ نندنی سے معذرت کرے مگر کچھ سوچ کر وہ دانستہ خاموش رہا تھا۔

''یہ تمہاری بھول ہے میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ یاد رکھا کرو کہ ممی ہی نہیں میرے فادر بھی میرے سرپرست ہیں۔ ممی میری اور میرے ڈیڈ کی رضامندی کے بغیر ہرگز ایسا نہیں کرسکتیں۔'' نندنی نے خود کو کمپوز کیا اور گویا اسے آئینہ دکھایا۔ دیو اس کی بات سن کر مسکرادیا یہ مسکراہٹ ایسی ہی تھی جیسے کسی بچی کی کم عقلی کو پاکر پیار کی گئی ہو۔ نندنی کو مزید آگ لگ گئی۔

''اگر تمہیں یہ زعم ہے تو بہت غلط ہے نندنی۔ تمہارے ڈیڈ نے تمہیں ممی کے حوالے کرکے تمہارے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا تھا اس کا مطلب کیا ہوا......؟'' دیو نے توقف کیا نندنی کے چہرے کو دیکھا جو ہونٹ بھینچے جانے کتنا ضبط کیے کھڑی تھی اور پھر گویا ہوا۔

''ممی تمہاری زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے تمہارے ڈیڈ کی مجاز نہیں ہوں گی کیونکہ وہ تمہیں ان کے حوالے کرکے گویا تم سے تمہارے ہر فیصلے سے دستبردار ہوگئے ہیں اور......''

''مگر میں بالغ ہوں' میں اپنی زندگی کا خود فیصلہ کرسکتی ہوں اور میرا یہ فیصلہ ہے کہ تم مجھے کسی بھی صورت قبول نہیں ہو سمجھے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ دیو نے ششپٹا کر کچھ ناگواری سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں' بتاؤ کم صورت ہوں جاہل ہوں یا پھر بے کار؟ آرمی میں بہت اچھی پوسٹ رکھتا ہوں۔ خوش شکل ہوں' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کیا چاہیے تمہیں' اپنی ڈیمانڈ بتاؤ۔'' دیو آج زندگی میں پہلی مرتبہ نندنی سے اس انداز میں بات کررہا تھا۔ نندنی کی آنکھوں میں تپش اتر آئی۔ اس نے تیوری چڑھا کر نظروں سے اسے گھورا۔

''اس کے باوجود تم مجھے پسند نہیں ہو۔ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس مرتبہ اس کا لہجہ دھیما پرسکون تھا مگر دوسرے کو آگ لگا دینے والا۔ دیو کی رنگت پھیکی پڑنے لگی۔

''تم کسی اور کو پسند کرتی ہو نندنی؟'' وہ جیسے کسی کے زیراثر بولا تھا۔ نندنی چونکی اور سنبھل گئی۔ اس بات کی بھنک بھی وہ گھر میں کسی کو پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

''تم جانتے ہو تم کتنے پرسنل ہونے کی کوشش کررہے ہو دیو؟'' اس نے ترشی سے سوال کیا تھا۔ دیو کو ایک بار ہونٹ بھینچنے پڑے۔ نندنی نے اسے تیز اور تنبیہی نظروں سے گھورا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ دیو کی نگاہیں اس کے اٹھتے ہوئے قدموں میں الجھ کر رہ گئیں جو ہر لمحہ فاصلے بڑھا رہے تھے۔

❁......❁......❁
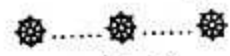
سریتا دیوی اور جارج کی پہلی ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ جارج مقامی تھا جبکہ سریتا دیوی باغرض تعلیم وہاں گئی ہوئی تھیں۔ پہلے دونوں میں دوستی ہوئی تھی پھر محبت اور اس احساس نے دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک کردیا۔ جارج بہت مضبوط بیک گراؤنڈ نہیں رکھتا تھا جبکہ سریتا دیوی کے پتا کی انڈیا میں کئی ملیں تھیں۔ جارج نے سریتا کے اصرار پہ اس کے ساتھ اس کا اپارٹمنٹ شیئر کیا تھا اس کے بعد دونوں نے باہم فیصلہ کیا کہ انہیں ایک ہوجانا چاہیے مگر بیچ میں مذہب دیوار بن کر کھڑا تھا۔ سریتا دیوی اگر ہرگز ہرگز اپنے مذہب کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی تو جارج بھی اپنے مذہب پہ قائم رہنا چاہتا تھا۔ ادھر محبت کی شوریدہ سری تھی کہ دوریوں کو گوارا نہیں کرتی تھی۔ طے یہ پایا کہ دونوں اپنے اپنے مذہب کے پیروکار رہتے ہوئے شادی کے بندھن میں بندھیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ جارج نے سریتا کی تسلی کی خاطر مندر میں اس کے ساتھ پھیرے لیے جبکہ سریتا کو چرچ جاکے جارج کے ساتھ شادی کی رسومات ادا کرنا پڑیں۔ محبتوں کی شدتیں اپنی جگہ مگر سریتا دیوی کے والدین کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات نے سریتا کو مضطرب کرنا شروع کردیا۔ سریتا تذبذب کا شکار رہنے لگی۔ یہی وہ وقت تھا جب ان کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا تھا اور یہاں پہلی بار دونوں کا اختلاف ہوا۔

جارج بیٹے کا نام اپنی پسند اور مذہب کے مطابق جان رکھنا چاہتا تھا جبکہ سریتا اسے ہندو بنانے پہ تلی ہوئی تھی۔ وہ اسے ارجن کا نام دینے پہ مصر تھی۔ خاصی بحث وتکرار کے بعد بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کا نام جان ہوگا البتہ اگلے بچے کا نام رکھنے کا مکمل اختیار سریتا کو حاصل ہوگا۔ سریتا کو جارج سے محبت تھی جبھی وہ اس محبت کی وجہ سے یہ ناگوار کام کرنے پہ مجبور ہوگئی۔ مگر اس کے بعد تو گویا قدم قدم پہ ان کے جھگڑے بڑھنے لگے۔ تین سال بعد جب بچے کو اسکول میں ایڈمٹ کرانے کا مرحلہ آیا تو جارج نے ایک بار پھر اپنی چلائی۔ یہی نہیں بلکہ سریتا نے جب جان کو اپنے مذہب کے مطابق گیتا کی تعلیم دینا چاہی تو جارج ایک بار پھر دیوار بن کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا اصرار بلکہ ضد تھی کہ جان گیتا نہیں سیکھے گا البتہ وہ انجیل پڑھے گا اور چرچ بھی جائے گا۔ جارج کا یہ حکم سریتا کو آگ لگانے کے لیے کافی تھا۔ ایک بڑا جھگڑا ہوا مگر جارج اپنی جگہ سے ایک انچ بھی سرکنے کو تیار نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا سریتا اپنی دوسری اولاد کے معاملے میں ہر قسم کے فیصلے کی مجاز ہوگی۔ سریتا کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا مگر اسے ایک بار پھر چپ سادھنا پڑی تھی تو وجہ اب جارج کی محبت نہیں اپنے والدین کی بے اعتنائی تھی جنہوں نے اس سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر قطع تعلق کرلیا تھا۔ ایک سال مزید گزر گیا۔ جان چار سال کا تھا جب سریتا ایک بار پھر پریگنینٹ ہوئی تو اس کی آنکھوں میں خواب سجنے لگے۔ اس کے دل پہ بہت بوجھ دھرا تھا۔ اس نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا تھا بھگوان اس سے روٹھ گیا ہے۔ وہ بھگوان کو منانا چاہتی تھی جبھی اپنے اگلے بچے کی دنیا میں آمد کی شدت سے منتظر تھی مگر اس وقت اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا جب بچی کی پیدائش پہ جارج اس سے کیے اپنے وعدے سے مکر گیا اور بڑے ٹھسے سے اس نے اپنی بیٹی کا نام کیتھرائن تجویز کیا۔ یہ ایسی بات ہرگز نہیں تھی کہ سریتا اسے برداشت کرلیتی۔ اس مرحلے پر اس نے اپنی زندگی کا دوسرا بڑا فیصلہ کیا اور جارج سے علیحدگی اختیار کرلی۔ جارج کا مسلط کردینے والا اجارہ داری کا انداز سریتا کے اس فیصلے کی وجہ بنا تھا۔ وہ ہر صورت جارج سے اپنے بچے چھین لینا چاہتی تھی۔ جارج کی بھی یہی خواہش تھی۔ دونوں کے بیچ مذہب سے بڑھ کر انا آگئی تھی وہ ایک

جان جارج کو جبکہ کیتھرائن یعنی نندنی سریتا کو مل گئی۔ سریتا نے اس کو غنیمت جانا یوں بھی پانچ سالہ جان سریتا سے زیادہ جارج سے اٹیچ تھا۔ سریتا تمام تعلق توڑ کر واپس انڈیا آ گئی۔ اپنے ماتا پتا کے سامنے رو دھو کر اس نے ان کا دل پسیجنے پر مجبور کر دیا وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ جبھی معافی ملنے میں بھی آسانی رہی۔ ماتا پتا نے اس کی شادی کر دی۔ کرن کو گھر داماد بنا لیا گیا۔ کرن پہلے سے شادی شدہ تھا ایک بیٹے (دیو) کا باپ۔ طے یہ پایا تھا کہ سریتا دیو کو جبکہ کرن نندنی کو قبول کرے گا یوں زندگی ایک نئے ڈھب پہ چل نکلی۔ ادھر جارج نے بھی دوسری شادی کر لی مگر اس نے سریتا کا سکون پھر بھی درہم برہم کیے رکھا۔

کورٹ آرڈر کے تحت وہ نندنی سے ملنے چلا آتا جو کرن کے علاوہ سریتا کے ماتا پتا کو بھی ناگوار گزرتا تھا۔ انہی تینوں افراد کے متفقہ فیصلے کے تحت جارج کو وہاں آنے سے روکنے کی غرض سے جب جارج کو نندنی سے ملنے کی خواہش ہوتی نندنی کو اس کے پاس امریکہ بھیج دیا جاتا۔ برس ہا برس اسی طرح بیت گئے وہ ٹین ایج میں تھی جب انہی یخ بستہ فضاؤں میں اس نے پہلی بار دیو مالائی کہانیوں کے سب سے حسین کردار اپالو جیسے اس اجنبی لڑکے کو دیکھا تھا جس کی مردانہ سحر انگیز پرسنالٹی صحیح معنوں میں نندنی سے اس کا چین قرار سب کچھ چرا کر لے گئی تھی۔ وہ کم عمر تھی مگر محبت کے معاملے میں بہت پختہ نکلی ایک نگاہ کے بدل میں اپنا سب کچھ وار دیا۔ پندرہ سے اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے اس نے کسی مندر کسی چرچ کو نہیں چھوڑا تھا جہاں اس نے اس اجنبی شخص سے ملاپ کی دعا نہ مانگی ہو۔

عشق آتش تھی دن رات جلاتی تھی سلگاتی تھی ہجر و نارسائی لمحہ لمحہ تڑپاتا مگر وصال رت کی بارش تھی کہ مائل بہ کرم نہ تھی۔ وہ اب مایوس ہونے لگی تھی ناامید اور شکستہ......! سوچتی تو خود حیران رہ جاتی بھلا یقین کرنے والی بات تھی بھی کہاں۔ محض ایک جھلک ایک نگاہ اور اپنا آپ گروی رکھ دیا۔

یہ پاگل پن نہیں تھا تو اور کیا تھا...... یہ دیوانگی نہیں تو اور کیا تھا...... وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ حماقت ہی تو کر رہی تھی ناممکن کو ممکن بنانا چاہتی تھی جبھی ہر چھے ماہ بعد اس کا اصرار باپ کے پاس جانے کا بڑھ لگتا۔ کیا ضروری تھا کہ وہ دوبارہ وہاں مل ہی جا حالانکہ وہ اگلے دن اس سے بھی اگلے کئی دن اس جگہ نہیں پورے نیویارک میں قریہ قریہ بھٹک کر پاگلوں طرح اس کی شباہت کھوجتی رہی تھی مگر وہ نہیں ملا تھا اتنے دنوں بعد......! مگر اس کی وحشت تھی کہ سکون ہی لینے دیتی۔

اس پہ ممی کا ارادہ جان کر اسے لگتا تھا کوئی اس کا سولی پہ چڑھا رہا ہو۔ وہ اپنے ڈیڈی کی طرح سے ضد تھی ان کی طرح اپنی بات منوا کر دم لیتی۔ اس تین سال کے عرصے میں وہ آٹھ چکر امریکہ کے لگا آئی تھی۔ ہر وہاں سے دکھ سمیٹ کر واپس لوٹتی تھی۔ ڈیڈ کا رویہ اس ساتھ نارمل ہوتا مام کو اس کی سرے سے پروا نہیں تھی صرف لزا (اس کی سوتیلی بہن) کے ناز اٹھاتی تھیں۔ جان سے بھی بے نیازی برتا کرتی تھیں۔ جان کو کہاں تھی۔ وہ خود انہیں جوتے کی نوک پہ رکھتا تھا۔ نندنی بھائی کو دیکھتی تو انوکھی خوشی اور فخر محسوس کرتی۔ کتنا خو وہ۔ چھ فٹ قد مضبوط آہنی سراپا، تیکھے نقوش اور سبز آنکھیں۔ لڑکیاں اس کی وجاہت پر مرتی تھیں مگر جا بھی نندنی سے لگاؤ نہیں تھا حالانکہ نندنی نے کتنا چاہا اس کے نزدیک ہو اس سے باتیں کرے، دکھ سکھ بتلا مگر جان کے پاس تو کبھی اس کے لیے وقت ہوتا ہی تھا جبکہ وہ کبھی کہ آس بھری نگاہوں سے تکا کرتی۔

"جان تم نے کبھی محبت کی ہے......؟" ایک بار ج نندنی بہت افسردہ تھی اور اس کا جی چاہا تھا کہ کسی کاندھے پہ سر رکھ کے سارے آنسو بہا دے کہ اس کی تلاش کی ناکامی نے اسے بہت نڈھال کر دیا تھا۔ رات گئے تک اکیلی لاؤنج میں پڑی روتی رہی تھی برستے آسمان کی طرح چپ چاپ۔ تب جان پاؤں

ٹھوکر سے دروازہ کھولتا اندر چلا آیا تھا اور نندنی کا جی چاہا تھا وہ بھاگ کر جائے اور اس کے کشادہ سینے پہ سر رکھ کے اندر کا سارا جمع شدہ غبار نکال دے مگر اس کی جان سے اتنی انڈر اسٹینڈنگ نہیں رہی تھی جبھی وہ جھجک کر وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ جان کے جوتے کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے اور خوب صورت کارپٹ پہ اس کے جوتوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے مگر وہ لاپروائی سے صوفے پہ گر کر سگریٹ کے کش لینے لگا جب اچانک نندنی نے اس سے سوال کیا تھا۔ جان چونکا اور سر اونچا کر کے اسے دیکھا بلکہ گھورا۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" اس کا لہجہ کڑا تھا وہ کسی حد تک بدمزاج بھی تھا۔ نندنی گڑبڑا گئی۔

"تم کیچڑ سے بھرے جوتے کارپٹ تک لے آئے ہو جان مام خفا ہو سکتی ہیں۔" اس نے دانستہ بات بدل دی تھی۔ جان کی کشادہ پیشانی پر ناگواری شکنوں کی صورت ابھر آئی۔

"یہ کارپٹ اس کے باپ نے یہاں نہیں بچھوایا اور میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔" نندنی کا رنگ مام کو دروازے پہ دیکھ کر پیلا پڑ گیا تھا۔ مام بد اخلاق تھیں، وہ جان سے عاجز بھی تھیں اور اسے سوتن کی اولاد سمجھ کر سخت ناپسند ہی نہیں بلکہ نفرت بھی کرتی تھیں۔ اس وقت تو لڑائی کا بہانہ تھا سو وہ خوب چلائیں۔ انہیں مفت خورے اور بدتہذیب کہا وہ ایشین تھے اور ان کے نزدیک قابل نفرت۔ یہ جھگڑا کبھی ختم نہ ہوتا اگر ڈیڈ نہ بیچ میں کودتے کہ جان مام کو متواتر جواب دے رہا تھا۔

ڈیڈ نے جان کو ڈانٹا اور مام کو بازو کے حلقے میں سمو کر دھیرے سے سمجھاتے ہوئے کمرے سے چلے گئے۔ جاتے سمے جو فاتحانہ مسکراہٹ مام کی آنکھوں میں نظر آئی تھی اس نے جان کو آگ لگا دی تھی۔ وہ پیر پٹختا راہ میں آئی چیزوں کو ٹھوکریں مارتا اپنے کمرے میں جا گھسا تھا نندنی اپنی تمام ناآسودہ خواہشوں کے ساتھ وہاں ایک بار پھر تنہا رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ تھا
کاغذ کی حویلی ہے بارش کا زمانہ ہے
کیا شرطِ محبت ہے کیا شرطِ فسانہ ہے
آواز بھی زخمی ہے اور گیت بھی گانا ہے
اس پار اترنے کی امید بہت کم ہے
کشتی بھی پرانی ہے طوفان کو بھی آنا ہے
سمجھے یا نہ سمجھے وہ انداز محبت کا
اک شخص کو آنکھوں سے حالِ دل سنانا ہے
معصوم محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

نازسلوش ذشے...... آزاد کشمیر

اس کے نام سے لفظوں میں چاند اترے ہیں
وہ ایک شخص کہ دیکھوں تو آنکھ بھر آئے
جو کھو چکے ہیں انہیں ڈھونڈنا تو ممکن ہے
جو جا چکے ہوں انہیں کوئی کس طرح لائے

لاریب اپنے سامنے کھلے میگزین پر نظریں گاڑے ساکت بیٹھی تھی۔

اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے تصویر کے نیچے موجود عبارت کو پڑھا اور پھر سے عباس کے پہلو میں ہنستی مسکراتی ہوئی اس لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پہ گویا دنیا فتح کر لینے کا احساس خمار بن کر چھایا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی جلن یکلخت بڑھ گئی اور دل خون ہونے لگا۔ شکست و توہین، بے مائیگی اور لاچاری۔ کتنے احساسات تھے جنہوں نے اسے مغلوب کر ڈالا تھا۔ ایک آس تھی جو ٹوٹی تھی، ایک انتظار تھا جو مایوسی کا شکار ہوا تھا۔ وہ تو اپنی ہتھیلیاں دعا کی چوکھٹ پہ ہر لمحہ رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔

عباس کو کھونے کا احساس پاگل کر دینے کو کافی تھا۔ اس کے حواس جیسے جھنجنا اٹھے تھے۔ طیش کا ایک منہ زور ریلا اس کے اندر سے اٹھا اور اس نے میگزین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے جیسے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے رد کیا عباس! مجھے یعنی لاریب شاہ کو؟" اس نے سوچا تو تن بدن توہین کے احساس سے سلگ اٹھا۔

"آئی ہیٹ یو عباس! آئی ہیٹ یو! تم مجھے کیا ٹھکراؤ گے میں خود تمہیں ٹھکرا دوں گی۔ تم کیا سمجھتے ہو لاریب کو تم چھوڑ دو گے تو اسے کوئی نہیں اپنائے گا۔ میں تمہیں بتاؤں گی مسٹر عباس کہ لاریب کو بھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" اس کی سوچیں تک سلگ اٹھی تھیں مگر دل کا ماتم اپنی جگہ تھا اور آنکھیں دل کے درد پہ ازلی وفاداری کا ثبوت فراہم کرتے چھما چھم برسنے لگیں۔ لاریب نے گالوں پہ نمی کا احساس پا کر انتہائی بے دردی سے گال اور آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"میں تمہاری وجہ سے اپنی آنکھوں کو آنسو بہانے کی اجازت بھی نہیں دے سکتی عباس حیدر۔ یہ میری آنکھیں ہیں ان پہ تمہارا بھلا کیا حق اگر انہوں نے تمہارا غم منانے کی کوشش کی تو میں انہیں لمحے کی تاخیر کے بغیر پھوڑ ڈالوں گی......" وہ ہذیانی کیفیت میں مبتلا زور سے چیخی تھی۔ تبھی دروازے پہ مدھم سروں میں دستک ہوئی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر سکندر نے اندر قدم رکھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب وحشتوں کے دریا میں ڈوبتی ابھرتی لاریب نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

سرمئی کھدر کا عوامی سوٹ، سانولی رنگت، گھنے سیاہ بال، لمبا قد، نارمل نقوش مگر بے تحاشا کشش کی حامل بڑی بڑی سحر طراز آنکھیں۔ یہ تھا سکندر حویلی کا ملازم خاص! بابا سائیں کا چہیتا بلکہ وہ تو اسے ملازم کا درجہ دیتے ہی نہ تھے۔ وہ ان کا بے حد خاص بندہ تھا۔ وہ جانے کس خیال کے تحت اسے یک ٹک دیکھنے لگی۔

"بی بی جی! بابا سائیں کہہ رہے ہیں شہر سے آپ کو جو بھی چیزیں اپنی ضرورت کی منگوانی ہیں لسٹ بنا کر دے دیں۔" جھکا ہوا سر فرمانبردار سا انداز وہ خود کو ہرگز بھی ملازم سے بڑھ کر اہمیت نہیں دیتا تھا۔ عجیب غریبانہ عاجزانہ سا انداز تھا۔

"بجو کہاں گم ہوگئی ہیں؟ سکندر کچھ کہہ رہا ہے آپ سے۔" امامہ اسی پل واش روم سے باہر نکلی تولیے میں بال لپیٹے ہوئے تھے۔ چہرے پہ پانی کی بوندیں گلاب پہ شبنم کے قطروں کی طرح ٹھہری بے حد بھلی لگ رہی تھیں۔ جتنی پیاری تھی اس سے کہیں بڑھ کر معصومیت کے باعث اٹریکٹو لگا کرتی۔ لاریب نے چونک کر سر جھٹکا اور نخوت سے منہ پھیر لیا۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے بابا سائیں سے کہہ دو۔" اس نے تنفر سے جواب دیا اور دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ امامہ نے ٹھنڈا سانس بھر کے سکندر کو دیکھا جس کے چہرے پہ عجیب سی بے چارگی تھی۔

"سکندر سوری! تم ایسا کرو پلیز بجو کے پاس چلے جاؤ وہ تمہیں منٹوں میں لسٹ بنا دیں گی۔ ویسے شہر تم جا رہے ہو نا؟ پلیز میرے لیے اشفاق احمد کی کوئی اچھی سی بک لے آنا اوکے۔" سکندر کو تاکید کرنے کے بعد امامہ نے گنگناتے ہوئے تولیہ ہٹا کر بال جھٹک کر موسچرائزر کی بوتل اٹھائی اور اپنے ہاتھوں پہ لگانے لگی۔ سکندر واپس پلٹا تو اس کے چہرے پہ ہی نہیں قدموں میں بھی واضح شکستگی تھی اور کون جانتا تھا یہ شکستگی کسی کی بے نیازی کے سبب تھی۔

❁......❁......❁

چہرے پہ میرے زلف بکھراؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن
دستک پہ میرے ہاتھ کی کھل جاؤ کسی دن
پھولوں کی طرح حسن کی بارش میں نہالوں
بادل کی طرح جھوم کے گھر آؤ کسی دن
خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی گلی سے
پھولوں کی طرح مجھ پہ بکھر جاؤ کسی دن
پھر ہاتھ کو خیرات ملے بند قبا کی
لطف شب وسیع کو دہراؤ کسی دن
گزریں میرے گھر سے تو رک جائیں ستارے
اس طرح میری رات کو چمکاؤ کسی دن
میں اپنی ہر اک سانس اسی رات کو دے دوں
سر رکھ کے میرے سینے پہ سو جاؤ کسی دن

اس غزل کو پڑھتے ایمان کے چہرے پہ لمحوں میں کتنے ہی رنگ اترے تھے۔ خفیف سی خفگی دھنک کی برسات حیا آمیز مسکان، جھینپ اور گھبراہٹ ہر احساس اپنی جگہ اہم تھا وہ ہونٹ بھینچے مسکراہٹ ضبط کر رہی تھی جب اسی وقت اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا۔ جلتی بجھتی اسکرین پہ شرجیل علوی کا نام جگمگا رہا تھا۔ ایمان یکدم سٹپٹا گئی۔ سیل فون ہاتھ میں دبوچے اس نے سب سے پہلے بھاگ کر دروازہ لاک کیا پھر آکر بستر پہ بیٹھی تو سیل فون ہنوز وائبریٹ کر رہا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے جیسے ہی کال پک کی شرجیل کی شرارتی کھنک دار آواز اس کی سماعت میں رس گھول گئی۔

"کیوں فون کیا ہے شر جی؟"

"یہ کیا سوال ہوا؟ کتنی مرتبہ کہا ہے مجھ سے اس طرح مت بلایا کرو۔" شرجیل کا موڈ بگڑا اور ایمان کی جان پہ بن گئی۔

"شرجیل پلیز! ابھی یونیورسٹی میں ہم ساتھ ہی تو تھے نا؟ پھر یہ فون کال، تمہیں پتا ہے نا میں پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہوں اور......"

"یہ سب تمہیں پہلے بھی پتا تھا میری طرف بڑھنے سے قبل ان باریکیوں پہ کیوں غور نہیں کیا؟" وہ جانے کیوں بے تحاشا بھڑک اٹھا۔ ایمان ہونق ہونے لگی۔ شرجیل خود اس کی سمت مائل ہوا تھا۔ اور اس وقت تک جان نہیں چھوڑی تھی جب تک ایمان نے اس کی محبت کو قبول نہیں کرلیا۔ عجیب جنونی قسم کی محبت تھی اس کی بے اعتنائی کو دیکھتے ہوئے اس روز سب کے سامنے شرجیل نے اپنی کلائی بلیڈ سے کاٹ لی تھی اور پتا نہیں ایمان نے اس کی محبت قبول کی تھی یا اس کی شدت کے سامنے خوفزدہ ہو کر گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ مگر وہ اس سے حقیقت نہیں چھپا سکی تھی۔ صاف بتا دیا تھا وہ اپنے تایازاد سے منسوب ہے لہٰذا وہ کوئی امید نہ پالے۔

"تم اسے پسند کرتی ہو؟" شرجیل نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا تھا۔

"کیسے؟" ایمان اس کے تاثرات سے خائف ہونے لگی۔

چلے آؤ

کسی بھی خوب صورت شام میں ملنے چلے آؤ
مجھے اک نظم لکھنی ہے
سنہری دھوپ کے جیسا ترا رنگ روپ اجلا سا
دھلے بارش سے دیکھو تو حسیں پیارے نظارے ہیں
فلک کے استعارے ہیں
یہ تیری آنکھ جیسے ہیں
مجھے اک نظم لکھنی ہے
تری زلفیں ہیں گہری جھولتی پھرتی گھٹاؤں سی
نشیلی آنکھ میں تیری شرابوں کی سی مستی ہے
تمہاری نرم پلکوں پر جو روشن سے ستارے ہیں
مجھے ان کو بھی چھونا ہے
تیرے ان بند ہونٹوں میں چھپی جو مسکراہٹ ہے
یہی تو شاعری ہے بس
مجھے اک نظم لکھنی ہے
تری آنکھیں بہت کچھ بولتی ہیں
تیری باتیں شہد سا گھولتی ہیں
یہ پھولوں پر گری شبنم تیرے گالوں کے جیسی ہے
چمکتی چاندنی جیسی تری روشن جبیں پر بھی
مجھے اک نظم لکھنی ہے
گھنی شاخوں کے پتوں میں چھپا وہ چاند پیارا سا
تیرے چہرے کے جیسا ہے
تیرے اس چاند چہرے پر
مجھے اک نظم لکھنی ہے
کسی خوب صورت شام میں ملنے چلے آؤ

شاعر: ارشد ملک، پسند: صبا نواز بھٹی...... سانگھڑ

"اپنے تایازاد کو؟" شرجیل کی تیوری کے بل گہرے ہونے لگے تھے۔

"اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اسے پسند کیا جائے ایک نمبر کا لفنگا ہے ایک آنکھ نہیں بھاتا مجھے۔" ایمان نے ناک چڑھا کر اپنی رائے دی تھی مگر شرجیل پھر بھی مشکوک رہا تھا۔

"یہی سچ ہے نا ایمی؟" ایمان نے اسے دیکھا پھر ایکدم سے ہنس پڑی تھی۔

"تمہیں یقین کیوں نہیں آتا شرجیل' شاید اگر تم میری زندگی میں نہ آتے تو میں تب بھی اس جیسے اجڈ اور بدتمیز انسان سے شادی نہ کرتی۔" ایمان کے لہجے میں وقاص کے لیے جتنی تلخی اور نخوت تھی اس نے شرجیل کو مطمئن کردیا تھا۔

"اوکے فائن! آئندہ اس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا تم بس میری بیوی بنوگی۔"

"مگر شرجیل.....! بابا سائیں.....وہ شاید ایسا کبھی نہ ہونے دیں۔ یونو ہمارے ہاں برادری سے باہر تو کیا خاندان سے باہر بھی شادیاں نہیں کی جاتیں۔ بہت سخت اصول ہیں ہمارے۔ میں تو پھر لڑکی ہوں' وہاں تو عباس جیسے ہر دل عزیز اور لاڈلے کے لیے بھی قوانین اور اصولوں میں ترمیم نہیں کی گئی۔" وہ خائف ہونے لگی تھی مگر شرجیل کے انداز میں اطمینان تھا جو قابل رشک تھا۔

"یہ تمہارا نہیں میرا ہیڈک ہے ایمان کہ مجھے تمہیں اگر حاصل کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے۔" اس نے ایک فقرے میں معاملہ نپٹا دیا۔ پچھلے ایک سال میں ایمان اس سے اتنی اٹیچ ہوگئی تھی کہ اب اس کے لیے بھی جدائی کا تصور محال تھا۔ شرجیل کی طرف سے اسے اکثر خدشات گھیرنے لگتے۔

"شرجیل تم مجھے چھوڑ تو نہیں دوگے نا؟" وہ وہمی نہیں تھی مگر محبت نے اسے وہمی بنادیا تھا۔

"میں نے کہا نا میری جان عرف دھان پان کہ یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں اپنی فیملی کو تمہارے گھر بھیجوں گا۔"

"اگر بابا سائیں نہ مانے تو......؟" وہ سہم جاتی۔ بھلا پہلے کبھی ایسا ہوا تھا پھر عباس کی مثال سامنے تھی وہ گم کھیت کی مولی تھی۔

"نہ مانے تو ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔"

"بھاگ کر......؟" وہ ششدر ہونے لگتی۔ شرجیل کاندھے اچکا دیتا۔

"اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہوگا نا۔"

"لیکن بھاگی ہوئی لڑکی کا معاشرے میں مقام......"

"معاشرے پہ لعنت بھیجو۔ البتہ اپنی فیملی سے تمہاری عزت کروانا میری ذمہ داری ہے۔"

"خدا کرے بابا سائیں ہی مان جائیں۔ معجزہ ہوجائے۔" وہ دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعا مانگا کرتی تھی۔

"شرجیل......شرجیل......" لائن ڈس کنیکٹ ہوگئی تھی۔ شرجیل نے یقیناً غصے میں فون بند کردیا تھا۔ ایمان نے فی الفور کال بیک کی بیل ہوتی رہی۔ کال پک نہیں کی گئی۔ ایمان نے اس کے نام ٹیکسٹ بھیجا۔

"شرجیل پلیز میرا فون پک کرو۔ پلیز۔" اس نے دوبارہ ٹرائی کیا اس مرتبہ پھر کال کاٹ دی گئی تھی۔ ایمان روہانسی ہونے لگی۔

شرجیل کا رویہ ہمیشہ بہت شدید ہوا کرتا تھا۔ اس کی چھوٹی سی خطا کو بھی وہ ناک سے لکیریں نکلوا کے معاف کیا کرتا تھا۔ ایمان نے ہونٹ کاٹ کر آنسو روکے اور پھر اس کا نمبر ٹرائی کیا۔ دوسری بیل پر کسی نے کال ریسو کرلی تھی۔

"ہیلو شرجیل میری بات......!"

"میں شرجیل نہیں فراز ہوں۔ آپ کون؟" دوسری جانب سے آتی آواز نے ایمان کے وجود میں برف بھردی۔ اس نے آہستگی سے فون بند کردیا۔ فراز نے بے جان ہوجانے والے سیل فون کو کاندھے اچکا کر گھورا اور واپس صوفے پہ اچھال دیا۔ تبھی شرجیل کچن سے چائے کے مگ اٹھائے باہر آیا تھا۔

''بھائی عیاشی اور اکیلے اکیلے......!'' وہ جو للچائی نظریں اس کے بھاپ اڑاتے مگ پہ تھیں۔ شرجیل صاف نظر انداز کر گیا۔

''بھائی یہ ایمان صاحبہ کون ہیں؟'' شرجیل کا ریموٹ سے ٹی وی آن کرتا ہاتھ اسی زاویے پہ چند لمحوں کو ساکن رہ گیا۔ مگر اگلے لمحے وہ نارمل تھا۔

''کہیں ہماری ہونے والی بھابی صاحبہ تو نہیں؟ ویسے آواز تو بہت متاثر کن ہے۔'' وہ اس کے ساتھ جڑ کے بیٹھ گیا۔ شرجیل کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''پیچھے ہٹو میں تمہاری گرل فرینڈ نہیں ہوں سمجھے۔'' وہ بدمزاجی سے چیخا۔ فراز کھسیاہٹ کا شکار ہو کر رہ گیا۔

''میں نہ سہی مگر وہ ایمان صاحبہ تو گرل فرینڈ ہیں نا۔''

''بکومت فراز جاؤ یہاں سے۔'' شرجیل کی پھٹکار کا بھی اس پر اثر نہیں ہوا تھا۔

''مجھے اس کے بارے میں بتائیں نا۔''

''کس کے بارے میں؟'' شرجیل نے دانت پیس کر اسے دیکھا۔

''اپنی گرل فرینڈ ایمان کے بارے میں۔''

''وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔''

''تو پھر میری بھابی ہے کیا؟'' فراز دانت نکوس کر بولا تو شرجیل غصے کے باوجود آہستگی سے مسکرا دیا۔

''ہاں ہے تو نہیں بن جائے گی۔''

''واؤ...... ارادے تو بہت نیک ہیں مگر نظم آپ نے خاصی بے باک قسم کی نہیں بھیجی اسی پہ تو جھگڑا و گڑ انہیں ہو گیا وہ...... گرل اور آپ......''

''ہاں میں لچا لفنگا ہوں' ہے نا؟'' وہ بھڑک کر چیخا۔ فراز نے کچھ حیرانی سے اس کا یہ شدید ردعمل دیکھا تھا۔

''میرا یہ مقصد تو نہیں تھا بھائی۔'' وہ منمنایا۔

''تمہارا جو بھی مقصد ہو تم اٹھو یہاں سے۔'' شرجیل نے بھرپور درشتی سے کہا تو فراز کا چہرا سرخ ہو کر رہ گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ شرجیل نے پہلے ہاتھ میں پکڑا مگ ٹیبل پہ رکھا پھر ریموٹ بھی پٹخ دیا اور سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔ اس کا اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

کوئی دیوار ہے نہ در سائیں
ہم فقیروں کا کیا ہے گھر سائیں
آبلے پڑ گئے ہیں پیروں میں
ختم ہوتا نہیں سفر سائیں
کون رہتا ہے اس خرابے میں
ڈھونڈتی ہے کسے نظر سائیں
اک قیامت گزر گئی مجھ پہ
اور مجھ کو نہیں خبر سائیں
اک بھٹکے ہوئے مسافر کو
اور رہنا ہے دربدر سائیں

بارش برس کے تھم چکی تھی۔ نیم پختہ اونچے نیچے فرش پہ جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ جس میں چڑیاں پر پھڑ پھڑا کر نہانے میں مشغول تھیں۔ ان کی چہچہاہٹ ماحول میں دلفریب سا شور برپا کر چکی تھی دیوار سے لپٹی گلابی پھولوں کی بیل کے پتوں سے ابھی تک پانی قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔ جس پہ نگاہ جمائے بظاہر وہ کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

لاریب کے کتنے مختلف اور دلنشین سے روپ اس کی نگاہوں میں آن سمائے تھے۔ وائٹ یونیفارم میں ملبوس دوپٹہ سلیقے سے شانوں پہ پھیلائے ناگن کی مانند بل کھاتی چوٹی سے نکلتی لٹوں کو جو گستاخانہ انداز میں گالوں کو بار بار چومتی تھیں سر کی ہلکی سی جنبش سے جھٹک کر دور ہٹاتی تو کانوں میں پڑے ٹاپس کا ڈائمنڈ جگمگا اٹھتا۔ سکندر کے لیے فیصلہ کرنا دشوار ہو جایا کرتا۔ زیادہ آب تاب اس کے ٹاپس کے ڈائمنڈ کی ہے یا اس کے صبیح چہرے کی کھلکھلا کر دینے والی چمک میں کبھی جب وہ کسی بات پہ ہنستی تو اس کی ہنسی کی جلترنگ کے ساتھ ساتھ موتی جیسے دانت کیسے حسین لگا کرتے تھے۔ وہ نرم و نازک گڑیا تھی۔ کرسٹل سے بنی بے حد حسین گڑیا جس کی پلکیں شنگرفی ہونٹ مومی سراپا کی خوب صورتی اور کشش

فاطمہ شہزادی

سویٹ سے قارئین آنچل! آپ سب کو میرا ابھرپور سلام۔ کہیے کیسے مزاج ہیں آپ لوگوں کے؟ یقیناً اچھے ہوں گے۔ میرا نام فاطمہ نواز مغل ہے۔ جبھی گھر والے خوشی سے غصے سے اور پیار سے فاطمہ ہی کہہ کر بلاتے ہیں' میرا کوئی نک نیم نہیں ہے۔ پاکستان کے خوب صورت شہر لاہور میں پیدا ہوئی لیکن اب گوجرانوالہ میں رہتی ہوں' ہم چھ بہن بھائی ہیں دو بھائی اور چار بہنیں۔ سب [illegible] مجھ سے بڑے ہیں اور بہت پیار کرتے ہیں۔ میں نے 10th کلاس کے پیپر دیئے ہیں اور مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ 29 دسمبر کو اس خوب صورت اور پُررونق دنیا میں قدم رکھا اس لحاظ سے میرا اسٹار جدی ہے' مجھے کائنات کی خوب صورتی بہت متاثر کرتی ہے مگر اس کائنات میں بسنے والے لوگوں کے حالات زندگی دیکھ کر بہت دکھ اور رنج ہوتا ہے' میرا بس نہیں چلتا کہ سارے لوگوں کے دکھ سمیٹ کر اپنے دامن میں بھر لوں اور اپنے حصے کی تمام خوشیاں ان لوگوں کے نام کر دوں۔ اب آتے ہیں اپنی خوبیوں اور خامیوں کی جانب! خوبیاں یہ ہیں کہ کسی کی دل آزاری نہیں کرتی اور خوش اخلاق اور خوش مزاج ہوں۔ خامیوں میں بہت انا پرست ہوں اور اکثر اس انا کے ہاتھوں نقصان اٹھاتی ہوں' اپنا دکھ کسی سے شیئر نہیں کرتی۔ گھر کے کاموں میں بالکل دلچسپی نہیں' ہر ایک پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کوئی قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ اب کچھ پسند و ناپسند کے بارے میں' مجھے شلوار قمیص' ساڑھی اور جینز بہت پسند ہے۔ کھانے میں دال چاول' بریانی اور بھنڈیاں پسند ہیں۔ رنگوں میں سرخ' کالا' گلابی اور سفید رنگ پسند ہے۔ مجھے تنہائی اچھی لگتی ہے' سردیوں کا موسم بہت متاثر کرتا ہے' برستی ہوئی بارش' ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور دھند دل کو لبھاتی ہے۔ سیر و تفریح کرنے کا بھی بہت شوق ہے' پسندیدہ ممالک میں پاکستان' سعودیہ عرب' دبئی ہیں۔ میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں حج کروں اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں۔ اللہ کرے سب کی یہ جائز اور نیک تمنا پوری ہو آمین۔ میری بیسٹ فرینڈ کا نام فرزانہ ہے۔ جو بہت پیاری ہے۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف' آنچل تو میں نے 9th کلاس سے پڑھنا شروع کیا تھا اور اس مختصر سے عرصہ میں میں نے آنچل کو اپنے بے حد قریب پایا۔ اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں ہوتی ہیں' ہمارے گھر میں میری آپی عاصمہ بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ میں نے آنچل میں بہت ساری لڑکیوں کے تعارف پڑھے جیسا کہ مائرہ ملک' طاہرہ ملک' مدیحہ شاہ اور خصوصاً شمائلہ اکرام کے تعارف نے مجھے بہت متاثر کیا اس لیے میرا بھی دل چاہا کہ اپنا تعارف بھیجوں۔ آنچل کی وہ رائیٹرز جن کی کہانیاں میرے دل کو چھو گئیں ان میں اقراء صغیر احمد' نازیہ کنول' سمیرا شریف' راحت وفا اور عفت سحر طاہر شامل ہیں۔ میرے پسندیدہ ناولز میں "یہ چاہتیں یہ شدتیں' بھیگی پلکوں پر' زندگی دھوپ تم گھنا سایہ' پتھروں کی پلکوں پر" اور "جانِ جاں تو جو کہے" شامل ہیں۔ سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں' مجھے بھی لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میری زندگی بہت زیادہ خوشیوں میں گزر رہی ہے اس سے پہلے کہ آپ مجھ سے بور ہونے لگیں میں جلدی جلدی اپنا تعارف ختم کروں لیکن اپنا پیغام دینا چاہتی ہوں کہ ہمیں اپنی زندگی کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ یہ زندگی خدا کی طرف سے بہت بڑا اور حسین تحفہ ہے ہر انسان کے لیے۔ کبھی کسی کا دل مت دکھائیں' ہمیشہ سب کو خوش رکھنا چاہیے' مجھ سے ملاقات کر کے آپ لوگوں کو کیسا لگا رائے ضرور دیجیے گا' اللہ حافظ۔

ایسی تھی کہ نگاہ خیرہ ہو جائے۔ وہ جتنی حسین اور جاذب نظر تھی پتا نہیں اسی قدر بے حس مغرور اور بے نیاز کیوں تھی۔ سکندر نے زیادہ تر اسے سب سے خفا ہی دیکھا تھا اسے تو خاص طور پر کسی قابل نہیں سمجھتی تھی۔ اس احمق سے انسان کو جو شاید لڑکپن سے نوجوانی میں قدم رکھتے ہی اس کے حسن خوب صورتی اور معصومیت کا اسیر ہو گیا تھا۔ حالانکہ تب وہ کتنی چھوٹی تھی' پورے دس سال کا فرق تھا دونوں کی عمروں میں۔

سکندر نے میٹرک کا امتحان دے رکھا تھا' جب بابا اسے اپنے ساتھ حویلی لے آئے تھے۔ ان دنوں بابا کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی اور زمینوں کا حساب کتاب تو ضروری تھا نا جبھی ان کے حصے کا کام سکندر کو سنبھالنا پڑ گیا۔ اگرچہ اس کی تعلیم متاثر ہوئی مگر گھر کا چولہا بھی تو جلانا تھا نا۔ تب اس نے پہلی بار گلابی نیٹ کے فراک میں تتلیوں کے پیچھے بھاگتی اس بچی کو دیکھا تھا جو گر کر چوٹ لگوا بیٹھی تھی اور حلق پھاڑ پھاڑ کر روتے ہوئے اس نے بابا سائیں کو بوکھلا کے رکھ دیا تھا۔ سکندر نے جانا تھا وہ بابا سائیں کی لاڈلی ہی نہیں خاصی سر چڑھی بھی تھی۔ حالانکہ

اس سے چھوٹی تھی امامہ مگر اس کے مزاج میں بہت تحمل رسانیت اور ٹھہراؤ تھا جبکہ لاریب جذباتی غصیلی اور جلد باز تھی۔ انہی دنوں اماں (لاریب کی والدہ) کی وفات ہوگئی تھی اور بابا سائیں بچیوں کے معاملے میں کچھ زیادہ حساس ہورہے تھے۔ پھر جب بابا صحت مند ہو کے واپس اپنی ڈیوٹی پہ آگئے تب بھی بابا سائیں نے سکندر کو حویلی سے جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

''سکندر ہمیں اپنی اولاد کی طرح سے عزیز ہے۔ احسان بخش' ہماری بچیوں کو بالکل بھائیوں کا سا پیار دیا ہے امامہ تو اس سے بہت ہل گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں سکندر ایسے ہی یہاں رہے۔'' بابا سائیں کی بات پہ بھلا بابا کو کیونکر انکار ہوسکتا تھا۔ سکندر کے وہاں رہنے کی سب سے زیادہ خوشی امامہ کو ہوئی تھی۔ امامہ اور ایمان سکندر سے واقعی بڑے بھائیوں کا سا رویہ رکھتی تھیں مگر سکندر خود کو اپنے مخصوص دائرے سے آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا وہ جانتا تھا وہ ان کا بھائی نہیں بہرحال ملازم ہی ہے البتہ لاریب کا رویہ اس سے دھوپ چھاؤں جیسا ہوتا وہ اس سے صرف تب ہی بات کرتی تھی جب اس سے کام ہوتا' وہ ہرایرے غیرے کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی تھی جب ذرا بڑے ہونے پہ اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ عباس حیدر کا اس سے نجوگ ہوچکا ہے' لاریب کا دماغ کچھ اور بھی عرش معلیٰ پر جا پہنچا تھا۔ عباس حیدر جیسا شاندار لڑکا ہی اس کا شریک حیات ہونے کا حقدار تھا جبکہ سکندر جو جانے کب لاریب کے معاملے میں دل کے ہاتھوں افسردہ تھا عباس حیدر سے اس کی نسبت کے متعلق جان کر کچھ اور بھی ملول رہنے لگا۔ گو کہ وہ جانتا تھا لاریب کو پانا دیوانے کے خواب کے مترادف تھا اس کے باوجود اسے کسی اور کے حوالے سے سوچنا بھی تو اذیت میں بڑھاوا دیتا تھا۔ سکندر جس کے رات دن اس کی سوچوں اور خیالات سے تابندہ تھے وہ اس کی سوچوں سے کتنی لاعلم تھی اور صحیح ہی تو تھا ورنہ وہ اس گستاخی پر سکندر کا حشر بگاڑنے سے بھی نہ چوکتی۔ محبت کرنے والے بھی عجیب ہوتے ہیں' لوگ یونہی انہیں دیوانے کا خطاب نہیں دیتے۔

لاریب کے حوالے سے عباس حیدر کی نسبت کی آگاہی تو تکلیف دہ امر تھا ہی مگر عباس حیدر کی کسی انجان لڑکی سے منگنی کی خبر پہ لاریب کے چہرے کے بجھے رنگ اور اذیتیں بھی تو سکندر کے دل میں پھانس بن کر گڑی تھیں۔ کیسی انوکھی کیفیات کا نام ہے محبت بھی' محبوب کی خوشی ہی سب کچھ لگتی ہے۔ وہ بھی اس کی اداسیوں پہ افسردہ تھا۔

''سکندرے! چاہ لے۔'' ثانیہ کی آواز پہ وہ خیالات کی نگری سے چونک کر باہر آیا۔ ثانیہ اس کے سر پہ آکھڑی ہوئی تھی۔ سبز کناری والی پیالی میں گرما گرم چائے تھی جس کی سنہری رنگت اور دلفریب خوشبو بھی خاص تھی۔

''شکریہ ثانیہ!'' اس نے پیالی تھام لی۔

''رسک لادوں ساتھ یا پراٹھا لوگے۔'' ثانیہ کی سوالیہ نگاہوں میں اس کے لیے کیسی انوکھی سی خوشی اور چاہت کا رنگ تھا۔ ایسا رنگ جو سکندر کو کبھی نظر نہیں آسکا تھا اور ثانیہ کے لبوں پہ حیا کے قفل پڑے رہتے تھے۔ یہ بھی عجیب بات تھی نا وہ اس بات پہ اکثر شاکی ہوا کرتا کیسے ممکن ہے اس کی محبتوں کی تپش لاریب تک نہ پہنچی ہو' اتنی چاہت اتنی محبت بے اثر کیسے ہوسکتی ہے؟ تو ثانیہ بھی ایسا ہی سوچتی تھی اس کے متعلق اس پہ ثانیہ کے جذبے اثر نہ کر ہوسکے تھے تو اس کے لاریب پہ اور لاریب کے عباس پہ یہ تو ایک چین بن گئی تھی مگر اپنی جگہ ہر کوئی نا صرف خود کو مظلوم سمجھ رہا تھا بلکہ حق بجانب بھی۔ بس ایک عباس حیدر ہی تھا ایسا خوش بخت جس نے جو چاہا تھا پا بھی لیا تھا۔

''سکندرے کہاں کھو جاتا ہے تو بیٹھے بٹھائے۔'' ثانیہ کی آواز پہ سکندر نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا اور پیالی واپس رکھ دی۔

''کہیں نہیں۔''

''میری سکھیاں کہتی ہیں سکندرے کی قربت کی ڈوری بہت کمزور ہے۔'' ثانیہ نے چاندی کا چھلا اپنی انگلی میں گھماتے ہوئے کسی قدر جرأت سے کہہ ڈالا۔ برسوں بیت گئے تھے اسے سکندرے کی طرف آس مندانہ نظروں سے تکتے مگر وہ ایسا جامد تھا کہ کبھی بھولے سے اشارہ نہ دیا تھا کسی بھی قسم کا حالانکہ اماں کی بھی دلی خواہش تھی کہ اس کا بیاہ سکندرے سے ہو پر اماں سکندرے سے زبردستی پہ ہرگز آمادہ نہ تھی۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' سکندر نے اچھنبے میں گھر کر ثانیہ کی سانولی سلونی صورت دیکھی جس کی ملاحت دل موہتی تھی۔

''تجھے اس بات کا مطلب بھی نہیں پتا سکندرے۔'' ثانیہ کی نگاہوں کا شاکی پن کچھ اور بھی گہرا ہونے لگا مگر سکندر کا تحیر اپنی جگہ سلامت رہا۔

''اب میں تیری سکھیوں کی باتیں بھلا کیسے سمجھنے لگا؟ وہ سارا دن تیرے کانوں میں کھسر پھسر کرتی ہیں نہ کہ میرے اور نہ ہی مجھے کبھی کوئی الہام ہوا ہے۔'' سکندر نے کسی قدر جھلا کر کہا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ارادہ جانے کا تھا۔ ثانیہ بے تاب سی ہونے لگی۔

''بیٹھ نا...... اتنی جلدی کیوں رہتی ہے تجھے حویلی جانے کی؟''

''تجھے پتا ہے ثانیہ! لاریب اور امامہ بی بی کو مجھے ہی کالج چھوڑنے جانا ہوتا ہے۔ دیر مناسب نہیں۔'' (اور تجھے کیا پتا ثانیہ میرا کتنا جی چاہتا ہے میں ہمیشہ لاریب بی بی کو آنکھوں کی سامنے رکھوں مگر......)

''جا پھر......'' ثانیہ نے منہ پھلا لیا تو سکندر مسکرا دیا تھا اس کا سر تھپکا اور نرمی سے گویا ہوا۔

''میں نے تو تجھے بھی کہا تھا میٹرک کے پیپر دے لے میں تیاری کرادوں گا۔ اب تو بھی کالج جا رہی ہوتی' لاریب بی بی سے دو سال بڑی ہے تو یعنی ایمان بی بی کی ہم عمر مگر گھر بیٹھ گئی ہے ایمان بی بی یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔''

''ہمارا غریبوں کا ان شاہوں سے کیا مقابلہ سکندرے! ہمیں تو ساری عمر چولہا چکی ہی کرنی ہے۔''

ثانیہ جانے کیوں افسردہ وغمگین نظر آنے لگی۔ سکندر نے ٹھنڈا سانس کھینچا تھا۔

"وہ کہتی تو ٹھیک ہے ثانیہ مگر یہ جو دل ہے نا یہ ترستے ہے اور مقام نہیں دیکھتا۔ اس کی ضد بھی عجیب اور فرمائش بھی......" وہ جیسے کہیں دور کھو گیا ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ جیسے ہراساں ہوئی۔

"ہر بات کا مطلب مت پوچھا کرو۔ میں بھی کوئی اتنا عالم فاضل نہیں ہوں جو سمجھانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ دیکھا باتوں میں لگا کر دیر کرادی ابھی مجھے اماں سے دواؤں کا پرچا بھی لینا ہے شہر سے لیتا آؤں گا۔" وہ کلائی پر بندھی گھڑی پہ نگاہ ڈالتے ہی بڑبڑایا اور تیز قدموں سے اندر چلا گیا ثانیہ گہرا سانس بھر کے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو یوں گھورنے لگی جیسے مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کررہی ہو۔

❁......❁......❁

ہاتھ بالوں میں پھیرے تو میں سوجاؤں گا
کوئی قصہ وہ سنائے تو میں سوجاؤں گا
اسے کہنا کہ مجھے نیند نہیں آتی ہے
اپنی بانہوں میں وہ سلائے تو میں سوجاؤں گا
میری پلکوں پہ سجے ہیں کئی راتوں کے دیئے
کوئی پلکوں سے بجھائے تو میں سوجاؤں گا
آخری سانس مجھے موقع دے یہ ذرا
میرا وعدہ ہے کہ وہ آئے تو میں سوجاؤں گا
بعد کی بعد میں دیکھیں گے ابھی اس سے کہو
آج کی رات نہ وہ جائے تو میں سوجاؤں گا

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ مسلسل عرشیہ سے فون پہ محو گفتگو تھا۔ محبت کی ایسی شدت، اتنی چاہت اور اہمیت کبھی کبھی تو عرشیہ بے یقین سی ہوجاتی، اکثر مغرور رہتی مگر کبھی عباس کی یہ دیوانگی یہ والہانہ پن خوفزدہ کردیا کرتا۔ اس وقت بھی وہ خائف ہوگئی تھی۔ جبھی عباس کو سونے کا مشورہ دیا تھا۔ جس کے جواب میں عباس نے اسے یہ غزل سنادی تھی۔

عرشیہ کچھ جھینپی اور کچھ تفاخر سے ہنستی چلی گئی۔ پھر جب اس کی یہ ہنسی تھمی تو بولی۔

"ایسا کیا ہے مجھ میں عباس کہ اتنا چاہتے ہو۔"

"یہی تو بتانا اور سمجھانا چاہتا ہوں، یار شادی تو ہونے دو۔" وہ پھر پٹڑی سے اترنے لگا۔ عرشیہ جھینپ گئی تھی۔

"مجھے تو سچ پوچھو تمہاری محبت خوفزدہ کرنے لگی ہے عباس۔" وہ واقعی متاثر لگ رہی تھی۔ عباس ہنسنے لگا پھر وضاحت دینے کو بولا تھا۔

"عرشیہ تمہیں پتا ہے تم سے پہلے میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی تھی ماسوائے اپنی ذات کے اماں، بابا سائیں مجھے کسی سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا جبھی تو میں نے اپنی خوشی کو اولیت دی اور بہت آسانی سے سب کچھ چھوڑ دیا وہ بہت خاص لڑکی بھی جسے بابا سائیں نے مجھ سے منسوب کیا تھا سب نے کتنا کہا تھا اس جیسی لڑکی مجھے دوبارہ نہیں مل سکتی مگر مجھے پروا نہیں رہی اب میرا جی چاہتا ہے تمہیں سب کے سامنے کھڑا کرکے کہوں دیکھو مجھے ویسی لڑکی ملی ہے جیسی میں چاہتا تھا۔" وہ ایک ٹرانس میں بولتا چلا گیا تھا۔

"عباس کبھی کبھار مجھے بہت ڈر لگتا ہے، یونہ ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی خاطر اپنی اپنی نسبتیں توڑ ڈالی ہیں یعنی دو دلوں کا خون کیا ہے، عباس کہیں ہمیں اس کی سزا......"

"اللہ نہ کرے عرشیہ۔ پلیز ایسی باتیں مت کرو۔" عباس واقعی دہل گیا تھا اور کتنی دیر اسے سمجھاتا رہا جب فون بند کرکے وہ شاور لینے کے خیال سے اٹھا عین اسی پل ملازم نے اس کے دروازے پہ دستک دی تھی۔

"یس کم آن!" عباس نے گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا جہاں فضل دین کھڑا تھا۔

"صاحب راجہ صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اس وقت؟ انہیں کیا ضرورت بلکہ مصیبت آپڑی ہے صبح نہیں ہونی تھی کیا؟" اس نے بارہ بجاتی گھڑی پہ ایک نگاہ ڈال کر بے حد آف موڈ کے ساتھ کہا۔

"صاحب میں نے بھی کہا تھا وہ صبح آجائیں مگر کہنے لگے صبح آپ کے صاحب ہمیں دستیاب نہیں ہوتے۔" فضل دین کی وضاحت پہ اس کا مزاج کچھ اور برہم ہوگیا۔

"انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ آتا ہوں میں۔ اور سنو چائے بھی بنا کر لے جاؤ۔"

"جی صاحب!" فضل دین مستعدی سے پلٹ گیا تو عباس نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے خود کو کمپوز کیا۔ وہ راجہ صاحب کی آمد کے مقصد سے بخوبی آگاہ تھا۔ کچھ سوچا پھر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ راجہ صاحب بہت تپاک اور گرمجوشی سے اس سے اٹھ کر بغلگیر ہوئے۔ ایسا تپاک اور گرمجوشی جس میں چاپلوسی اور غرض پوشیدہ تھی۔ حالانکہ وہ ملک کے جانے مانے ڈائریکٹروں میں شمار ہوتے تھے۔

"بیٹھیے راجہ صاحب!" عباس نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

"معذرت چاہتا ہوں عباس صاحب اس وقت زحمت دینے پہ مگر......"

"اٹس اوکے فرمائیے کس سلسلے میں زحمت فرمائی۔" عباس کا انداز لیا دیا تھا۔ وہ عام ایکٹرز کی طرح پروڈیوسر اور ڈائریکٹرز کے آگے پیچھے نہیں پھرا کرتا تھا۔ اس کا مزاج شاہانہ بے نیازی لیے ہوئے تھا۔ ایسے فلم میں کام کرنے کی آفر ہوئی تھی تو اس نے شوق اور تجسس میں کام کرلیا تھا مگر فلم کی مقبولیت دیکھ کر تمام فلم میکرز خود اس کے پیچھے پھرنے پہ مجبور ہوگئے تھے اور اب عباس کا یہ اچانک فیصلہ تمام فلم بینوں کو متفکر و پریشان کرگیا تھا۔ اس وقت راجہ صاحب کی آمد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

"آپ کو معلوم تو ہے عباس صاحب ہم آپ کے فیصلے سے کتنے اپ سیٹ ہوگئے ہیں۔ لاکھوں کا سرمایہ لگایا ہے، جس فلم پہ کیا وہ ڈوب جائے گا؟" ان کے انداز میں منمناہٹ تھی عباس کو خفت نے آن لیا۔

غزل

خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے
کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے
خطاوار سمجھے گی دنیا تجھے
اب اتنی زیادہ صفائی نہ دے
ہنسو آج اتنا کہ اس شور سے
صدا سسکیوں کی سنائی نہ دے
غلامی کو برکت سمجھنے لگیں
اسیروں کو ایسی رہائی نہ دے
ابھی تو بدن میں لہو ہے بہت
قلم چھین لے روشنائی نہ دے
مجھے ایسی جنت نہیں چاہیے
جہاں سے مدینہ دکھائی نہ دے
خدا ایسے احساس کا نام ہے
رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

کامران خان......کوہاٹ KPK

"مجھے افسوس ہے راجہ صاحب آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کا ایڈوانس آپ کو واپس کردوں گا۔"

"ارے کیسی بیگانوں والی باتیں کرتے ہیں جناب! بس آپ معاہدے کے مطابق ان فلموں کی شوٹ تو کمپلیٹ کرائیں نا۔ ویسے ایسی کون سی وجہ ہے آپ کے اس اتنے بڑے فیصلے کے پیچھے؟" وہ اب کے لجاجت سے بولے تو عباس نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ میں آئندہ کیا کروں گا۔ ویسے آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کی دونوں موویز کی شوٹ جو رہتی ہے کمپلیٹ کرادوں گا۔" عباس کو ایک دم ہی ان پر ترس آگیا تھا۔ عرشیہ کو وہ کسی نہ کسی طریقے سے منالے گا۔ آخر اصول بھی کسی چڑیا کا نام تھا۔

"اوہ ریئلی عباس صاحب! جیوندے رہو سوہنڑیو۔ رب لمبی حیاتی دے۔" راجہ صاحب کو تو گویا ہفت اقلیم کی

دولت مل گئی۔ بے ساختہ دانت نکوس کر زبردستی عباس سے معانقہ کرنے میں مشغول ہوگئے عباس کھسیا کر مسکرادیا۔

''چائے تو پی لیں راجہ صاحب۔'' انہیں جانے کو تیار دیکھ کر عباس نے ٹوکا اسی وقت فضل دین چائے لے کر آیا تھا۔

''ارے نہ جی نہ اب چائے پی تو رات کو الو بن کر جاگوں گا۔ اب چلتا ہوں رب راکھا! بس ذرا اپنے وعدے کو یاد رکھنا عباس صاحب۔'' راجہ صاحب اس سے ایک والہانہ سا مصافحہ کرکے رخصت ہوگئے۔ تو فضل دین نے بے بسی سے ہاتھ میں پکڑی چائے کی ٹرے کو دیکھ کر عباس کو دیکھا تھا۔

''اب چائے کا کیا ہوگا صاحب!''

''تم پی لو فضل دین' اگر رات کو جاگنا ہے تو۔'' وہ مسکرا کر کہتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ فضل دین منہ لٹکا کر ٹرے سمیت کچن کی طرف جارہا تھا۔

❁......❁......❁

گاڑی سبک رفتاری سے راستہ طے کررہی تھی جبکہ اس کا ذہن جیسے ماضی میں الجھا ہوا تھا۔ چار سال قبل جب وہ اعلیٰ ڈگریوں سمیت واپس حویلی آیا تھا تو لاریب نے ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ اسے بغور دیکھا تھا۔ کتنا حسین تھا وہ' کتنا چارمنگ کہ دیکھو تو دھڑکنیں زیروزبر ہونے لگیں۔ وہ ایک سنہرا خواب بن کر اس کی آنکھوں میں بس گیا تھا۔ اس کا لمبا قد اس کا کسرتی وجود' اس کی غضب کی اسمارٹنیس' اس کے مغرور تیکھے نقوش' پورے چہرے پہ حکمرانی کرتی سحر طراز گہری جادو اثر آنکھیں وہ جتنا حسین اور خوبرو تھا اس سے بڑھ کر مغرور تھا۔ کتنی وضاحت کتنی فرصت سے سوچنے لگی تھی وہ اسے۔ جی چاہتا سارا کام چھوڑ کر بس اسے ہی سوچتی جائے اور دل تھا کہ بھرتا ہی نہ تھا۔ پھر آپا کی شادی کی تقریب میں بارہا اس کا عباس سے سامنا ہوا تھا۔ وہ جتنی مقناطیسی کشش کے تحت اس کی جانب کھنچتی عباس اسی قدر لاتعلق نظر آتا تھا وہ مایوں کی رات تھی جب لاریب نے اورنج کلر کا بہت خوب صورت سوٹ پہنا ہوا تھا آپا کو جانے کیا سوجھی تھی کہ عباس کے حوالے سے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ وہ بیر بہوٹی کی طرح سے سرخ پڑگئی تھی۔ پھر اس کی یہی شرماہٹ جھینپ اور چہرے کے حسین رنگوں کو دیکھتے ہوئے ہی آپا کے ساتھ باقی لڑکیاں بھی مل گئی تھیں اور چھیڑ چھیڑ کر لاریب کا ناک میں دم کرچھوڑا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جب عباس کسی کام کی غرض سے وہاں چلا آیا تھا۔

''اس بات کو چھوڑو عباس یہاں بیٹھو لاریب کے پاس۔'' اس کی بات کے جواب میں آپا نے عباس کا ہاتھ پکڑ کر ایک انوکھی فرمائش کی تھی۔

''یہاں بیٹھنے کے لیے کیا یہ ضروری شرط ہے؟'' وہ لاریب کے بجائے آپا کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔ لاریب کے چہرے پہ ایک خفیف سا سایہ لہرا گیا۔ پتا نہیں وہ کیا تھا لڑکے تو ایسے بہانے ڈھونڈا کرتے ہیں۔

''بھئی وہ منگیتر ہے تمہاری! ہم دیکھنا چاہتے ہیں وہ تمہارے ساتھ کیسی لگتی ہے؟'' آپا کی وضاحت پہ جہاں لاریب سرخ پڑگئی تھی عباس ایک دم بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

''آپا پلیز آپ اتنی سی بچی کے سامنے اس قسم کی باتیں مت کریں۔''

''اتنی سی بچی پورے پندرہ سال کی ہے۔ ہوسکتا ہے سال ڈیڑھ سال میں بابا جان تمہاری شادی کرادیں۔'' آپا نے جیسے اس پہ حقیقت آشکار کی مگر وہ جھنجلا گیا تھا۔

''خوامخواہ ہی' مجھے نہیں کرنی اتنی جلدی شادی۔ اور پلیز اس ٹاپک کو فی الحال کلوز کریں میں نے کہا ہے ناں لاریب کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟''

''ہمارے ہاں چھوٹی عمر میں ہی شادیاں ہوتی ہیں عباس۔'' آپا نے جیسے باور کرایا تھا۔

''مگر میں خود پہ ایسے تجربے نہیں ہونے دوں گا۔ لاریب مجھ سے بہت چھوٹی ہے اور......''

''اور کیا؟'' آپا اس کے ہونٹ بھینچ جانے پہ تیکھے انداز میں بولیں۔ باقی سب بھی خاموش اور فکرمند نظر آتی تھیں مگر لاریب کا چہرا تو دھواں ہورہا تھا۔

''اور کچھ نہیں......'' وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا مگر لاریب کے اندر تو خدشے اور واہمے درآئے تھے۔ چھوٹی سی عمر' کچی محبت کا نوخیز سا احساس اس پہ بھی فکرمندی اور تفکرات کی کڑی دھوپ وہ تو جیسے کملا کے رہ گئی۔ وہ ولیمے کی تقریب تھی جب وہ تیار ہوکر بڑی حویلی آئی تو سب سے پہلا سامنا عباس سے ہی ہوا تھا۔ حویلی میں بھی غیر معمولی خاموشی تھی وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

''سب لوگ کہاں ہیں؟ مجھے تیاری میں کچھ دیر ہوگئی تھی بجو نے کہا تھا میں یہاں آجاؤں اکٹھے چلیں گے مگر لگتا ہے وہ مجھے چھوڑ گئیں۔'' وہ آن کی آن میں روہانسی ہوگئی تھی۔ عباس جو اسے بغور دیکھ رہا تھا' آہستگی سے مسکرادیا' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''چھوڑ کر وہ واقعی چلی گئی ہیں مگر میری وجہ سے' وہ چاہتی ہیں کہ تم میرے ساتھ وہاں آؤ۔'' وہ اپنی بات کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگا۔ لاریب کے دل کی حالت غیر ہوگئی' دھڑکنیں کیسے شور مچانے لگی تھیں مگر انا نے اسے مسکرانے خوش ہونے کی اجازت نہیں دی۔

''میرے کچھ چاہنے سے کیا ہوتا ہے بات تو آپ کے چاہنے سے بنتی ہے۔'' وہ منہ پھلا کر روٹھے پن سے بولی تو عباس نے چونک کر بغور اسے دیکھا۔ وہ کم عمر تھی۔ اس عمر کا مخصوص بانکپن نوخیزی اور معصومیت اس کے چہرے پہ ملاحت کی صورت بکھری تھی مگر وہ اپنی عمر سے کچھ آگے نظر آرہی تھی زرق برق لباس' میک اپ اور جیولری کے بے تحاشا استعمال کی وجہ سے۔

''اس دن جو باتیں آپا نے کہیں شاید تم نے ان کا برا مانا ہے لاریب؟''

''ان کی نہیں آپ کی باتوں کا مانا ہے اور مجھے ماننا بھی چاہیے۔'' وہ خاصی خفگی سے جتلا رہی تھی۔ عباس نے ٹھنڈا سانس کھینچ لیا۔

حمد شریف

دل مغموم کو مسرور کردے
دل بے نور کو پُرنور کردے
فروزاں دل میں شمع طور کردے
یہ گوشہ نور سے معمور کردے
مرا ظاہر سنور جائے الٰہی
میرے باطن کی ظلمت دور کردے
مئے وحدت پلا مخمور کردے
محبت کے نشے میں چُور کردے
نہ دل مائل ہو میرا ان کی جانب
جنہیں تیری ادا مغرور کردے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا اس کو بے مقدور کردے

مدیحہ شبیر......شاہ نکڈر

''یہ ایسی باتیں نہیں ہیں کہ تم کرو یا سنو۔ یونو ابھی تم چھوٹی ہو......ایسی عمر......''

''میں کوئی چھوٹی نہیں ہوں۔ میں نے میٹرک کے ایگزام کلیئر کرلیے ہیں۔''

''اچھا میں سمجھا تم ماسٹرز کرچکی ہو۔'' عباس نے آنکھیں پھیلا کر مسکراہٹ ضبط کی تو لاریب کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''آپ میرا مذاق نہیں اڑاسکتے سمجھے آپ۔'' وہ بد مزاجی سے چیخ پڑی تھی مگر عباس کی مسکراہٹ بدستور اس کے ہونٹوں پہ لہرا رہی تھی۔ لاریب ایک نظم یاد آئی ہے مجھے سناؤں؟ تمہارے حسب حال ہے۔'' پھر اس کی اجازت ملنے سے قبل ہی وہ بہت دھیمے اور پرتاثیر لہجے میں سنانے لگا تھا۔

سنو اے چاندی لڑکی!
ابھی تم تتلیاں پکڑو......!
یا پھر گڑیوں سے کھیلو!
یا پھر معصوم سی آنکھوں سے ڈھیروں خوابوں کو دیکھو

فراز و فائز و محسن کی کتابیں مت ابھی پڑھنا!
یہ سب لفظوں کے ساحر ہیں تمہیں الجھا کے رکھ دیں گے
تمہیں معلوم ہی کب ہے!
محبت کے لبادے میں ہوس اور حرص ہوتی ہے
یہ انسانوں کی دنیا ہے
مگر اس سے کہیں بڑھ کر یہاں وحشی درندے ہیں
وہ وحشی جن کی آنکھوں میں......!
مچلتے پیار کے پیچھے ہوس اور حرص ہوتی ہے
ابھی کچی کلی ہو تم ابھی کانٹوں سے مت کھیلو
ابھی اپنی ہتھیلی پہ کسی کا نام مت لکھو
ابھی اپنی کتابوں میں گلابی پھول مت رکھو
ابھی تم تتلیاں پکڑو!
ابھی گڑیوں سے کھیلو تم!

''یہ نصیحت ہے یا حکم؟'' وہ جیسے ہی خاموش ہوا لاریب نے کسی قدر تیکھے چتونوں سے اسے دیکھ کر سوال داغا۔ عباس آہستگی سے مسکرایا تھا۔

''حکم کیوں دوں گا' نصیحت سمجھ سکتی ہو۔'' لاریب بے دردی سے ہونٹ کچلنے لگی۔

''آپ مجھے پسند نہیں کرتے ہیں نا' وہاں امریکہ میں کوئی......''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے لاریب!'' وہ عاجز ہوگیا۔

''تو پھر......!'' لاریب کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہونے لگی تھیں۔

''ہم اس موضوع پہ پھر کبھی بات کریں گے ابھی اٹھو تم دیر ہو رہی ہے۔'' عباس نے جیسے اسے ٹال دیا تھا۔ لاریب نے سمجھا' جانا اور دکھی ہوگئی۔

''تب شاید آپ کے پاس وقت نہیں ہوگا۔'' اس نے شکوہ ضروری سمجھا مگر عباس دانستہ نظر انداز کر گیا۔ آج واقعی وہ وقت تھا وہ بڑی ہوگئی تھی اور کہنے والا اپنی بات بھلا کر اپنے راستے منتخب کرچکا تھا مگر وہ کیا کرتی کہاں جاتی اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ گاڑی حویلی کا گیٹ کراس کرکے گیراج میں آکر رکی تب وہ چونکی تھی اور اپنا بیگ سنبھالتی دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ امامہ کے ہمراہ جب وہ لان عبور کرکے برآمدے میں آئی تو جانے کس سمت سے نکل کر وقاص ایک دم اس کے راستے میں آگیا۔ اگر وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنا بڑھا ہوا قدم پیچھے نہ ہٹا لیتی تو یقیناً اس سے ٹکراؤ ہوچکا ہوتا۔ اپنے اونچے پورے گرانڈیل وجود سمیت مونچھوں کو تاؤ دیتا ہو خباثت زدہ مسکان لیے' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور ان نگاہوں میں ایسا کیا ہوتا تھا جو لاریب کی ساری بہادری ساری بولڈنیس ہوا کردیا کرتا تھا۔ اسے آج تک سمجھ نہ آسکی تھی۔ وہ ایمان کا منگیتر تھا اس کی یہ نظریں اگر ایمان کے لیے ہوتیں تو وجہ سمجھ بھی آتی وہ ایمان کے ساتھ لاریب پہ ایسی نظریں کیوں ڈالتا تھا' وہ ہمیشہ سمجھنے سے قاصر رہی۔ جتلاتی ہوئی طنز آمیز نگاہیں جن میں عجیب سی تپش ہوتی اور ایسا تب سے ہوا تھا جب سے عباس نے ہمیشہ کے لیے حویلی کو چھوڑا تھا۔

کیا یہ مجھے مفت کا مال سمجھتا ہے؟ لاریب نے کئی بار سلگ کر یہ بات سوچی تھی اور بہت کڑھتی تھی عباس کے حوالے سے۔ تلخی اور نفرت اس پل بڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگتی۔

''میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی عباس۔'' اس پل بھی وہ وقاص کو گالیاں دینے کے بعد ایک بار پھر عباس کے تصور سے مخاطب ہوئی تھی۔ اور اپنے کمرے میں آکر بیگ اور چادر اتار کر صوفے پہ پھینک دی۔

''گھٹیا' ذلیل' کمینہ انسان۔ جی چاہتا ہے آنکھیں ہی پھوڑ ڈالوں۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی کر منہ سے لگالی معاً اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کے احساس کو پاکر اس نے بے ساختہ نظر گھمائی تو ہیٹر کے پاس ہاتھ میں کوئی اوزار پکڑے سکندر کھڑا تھا۔ صم مبہوت' اس نے پہلی مرتبہ لاریب کو یوں بغیر دوپٹے کے دیکھا تھا۔ وہ تو صحیح معنوں میں ہوش گنوا بیٹھا تھا' اس کے حسن کی آب و تاب کے آگے۔

''تم کیا کر رہے ہو یہاں؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولی تو سکندر ہڑبڑا سا گیا۔

''وہ بی بی جی ہیٹر خراب ہے بابا سائیں نے کہا تھا چیک کرلوں تو......''

''ہاں میں نے ہی کہا تھا انہیں کرو تم اپنا کام۔'' لاریب نے کچھ نخوت کچھ بے نیازی سے کہا اور غٹاغٹ پانی پینے لگی۔ سکندر نے سکھ کا سانس بھرا کہ اسے خوامخواہ ڈانٹ نہیں دیا۔ پتا نہیں لاریب سے سخت سست سن کر اسے اچھا کیوں نہیں لگتا تھا۔ دل دیوانہ نادان پاگل شیدائی کیوں اس سے نرمی رسان اور شاید محبت کا طلب گار تھا۔ پیچ پیچ محبت! اس کا جی چاہا خود اپنا مذاق اڑا کر ہنسے مگر اتنی تاب کہاں تھی۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔

''اگر تمہیں اس کی رمز سمجھ نہ آئے سکندر تو شہر سے مکینک بلوا لینا گاؤں کی سردی ناقابل برداشت ہے۔ کل ساری رات مجھے نیند نہیں آسکی مارے ٹھنڈ کے۔'' خالی بوتل لاپروائی سے کارپٹ پہ لڑھکا کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ارادہ بال سلجھانے کا تھا اس نے چوٹی کے بل کھولے تو سیاہ مخملیں بالوں کا آبشار پوری پشت پہ بکھر گیا۔ سکندر کن اکھیوں سے اسے تکتا رہا۔ وہ کتنی بے نیاز تھی اس کی موجودگی سے۔ گویا اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا۔ کیا وہ ایک بھرپور جوان مرد نہیں تھا یا پھر لاریب کے نزدیک اس کی اہمیت ہی نہیں تھی۔ دوسری بات صحیح تھی۔ جس نے سکندر کو کچھ اتنا ذہنی طور پہ اپ سیٹ کیا کہ وہ وہاں مزید ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکا تھا۔

''کیا ہوگیا ٹھیک؟'' لاریب نے قدرے چونک کر اسے باہر جاتے دیکھا۔

''نہیں......'' وہ مختصراً بولا تھا۔

''پھر......؟''

''میں مکینک کو بلواؤں گا۔'' سکندر کی آواز ایک دم بھاری ہونے لگی۔ پتا نہیں کیوں۔

''اوکے فائن! تم سکھاں سے کہہ کر مجھے چائے بجھوا دینا۔'' لاریب نے کاندھے جھٹک کر کہا تھا سکندر تیزی سے نکلتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

ہماری کشتیاں تو بے یقینی کے بھنور میں ہیں محسن!
چلو اچھا کیا ہم سے کنارہ کرلیا تم نے......!

''شرجیل پلیز!'' وہ اس کی بے اعتنائی کو سہتی روہانسی ہوگئی تھی۔ صبح سے مجال ہے جو ایک کلاس بھی اٹینڈ کی ہو' پہلے اس کی تلاش میں مارے مارے پھر کے وقت برباد کیا' اب اسے منا منا کر ہاری تھی تو جیسے ضبط کھو بیٹھی۔

''آخر کہا کیا تھا میں نے تم سے جو تم نے اتنا برا مانا لیا۔'' شرجیل نے چپ کا روزہ توڑ دیا تھا۔ ایمان کی کچھ کچھ سانسیں بحال ہوئیں۔

''آئی ایم سوری...... رئیلی سو سوری شرجیل۔'' اس نے باقاعدہ دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ شرجیل کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''اوکے فائن' میں اس سوری کو ایکسیپٹ کرلیتا ہوں مگر میری بھی ایک شرط ہے بولو مان لوگی؟''

''کیا شرط......؟'' وہ خائف ہونے لگی' کچھ کچھ جانتی بھی تو تھی نا۔

''اگر تمہارے بابا سائیں نہ مانے تو ہم بھاگ کر شادی کرلیں گے۔'' شرجیل کے منہ سے نکلنے والی بات نے ایمان کا چہرا تاریک کر ڈالا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

مجھے حکم اذان

اُم مریم

جب کشتی ثابت و سالم تھی، ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے
جو آگ لگائی تھی تم نے، اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے ہے باپ کرسچن جبکہ ماں ہندو ہے۔ نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں مقیم ہے جبکہ سا کا بھائی اپنے باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں پہلے امریکا میں نندنی کسی اجنبی پشین سے ملتی ہے اور اس کا دل اس اجنبی کی فسوں خیز شخصیت کا اسیر ہو جاتا ہے۔ انڈیا واپس آنے کے کئی برس بعد بھی وہ اسے اپنے دل سے نہیں نکال پائی اور ہر جگہ اسے ڈھونڈتی رہتی ہے اور ہر مندر میں جاکے اس کے ملنے کی پراتھنا کرتی ہے۔ کہانی کا دوسرا بڑا کردار عباس ایک جاگیردار گھرانے کا چشم و چراغ و وسیع جائیداد کا مالک ہے۔ اس کے والد بچپن میں اس کی نسبت اپنے چھوٹے بھائی کی بیٹی لاریب سے جبکہ اس کے بڑے بھائی وقاص کی نسبت لاریب کی بڑی بہن ایمان سے طے کر چکے ہیں۔ ایمان اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اپنے یونیورسٹی فیلو شرجیل کو پسند کرتی ہے جبکہ عباس انگلینڈ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد شوبز کی فیلڈ جوائن کر لیتا ہے۔ جس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے گھر والے قطع تعلقی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے جو بچپن سے عباس کے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے بیٹھی ہے۔ عباس فلم انڈسٹری کی ایک مقبول ترین شخصیت بن جاتا ہے اور لاریب کی بجائے عریشہ کو منتخب کرتا ہے۔ جس سے اس کی ملاقات اتفاقیہ طور پر ہوئی ہے مگر مختصری وہ ملاقات اس کے دل میں عریشہ کی محبت بٹھا دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ فلم انڈسٹری تک چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سریتا دیوی (نندنی کی ماں) کے دوسرے شوہر کا پہلا بیٹا نندنی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔

اب آپ آگے پڑھئے

وہ عجیب مشکل میں گرفتار ہوئی تھی۔ یعنی وہی ڈھاک کے تین پات! شاید شرجیل خود بھی جان گیا تھا اس کے بابا سائیں کبھی نہیں مانیں گے۔

''امی پلیز ٹیل می؟'' شرجیل نے اس کے ہاتھوں کو آہستگی سے دبا کر گویا اسے بولنے پر اکسایا۔ وہ مضطرب، بے چین سی ہو کر اسے نم آنکھوں سے تکنے لگی۔ کچھ کہنے سے گریزاں تھی یا اس کے غصے سے خائف تھی مگر یہ بات بھی تو ایسی نہ تھی کہ وہ مان لیتی۔

''میں جانتا ہوں امی یہ سب کچھ تمہارے لیے آسان نہیں ہے۔ کسی بھی شریف اور خوددار لڑکی کے لیے یہ مرحلہ آسان نہیں ہوسکتا مگر..... ذرا سوچو اگر تمہارے بابا سائیں نے انکار کر دیا جو کہ وہ ہر صورت کریں گے ہی تو تم میرے بغیر رہ سکوگی؟ شاید رہ لو مگر امی میں ہرگز تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا' یاد رکھنا اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں خودکشی کرلوں گا۔ میری بات کو مذاق مت سمجھنا ایمان!'' شرجیل کا تند و تیز لہجہ اس کے اندرونی خلفشار کی

واضح عکاسی کررہا تھا ایمان کا دل دہل سا گیا۔

"ایسی باتیں مت کرو شرجیل! میں آل ریڈی بہت پریشان ہوں۔" وہ عاجز ہونے لگی۔

"تمہیں صرف اپنی پریشانی کی پروا ہے میرا خیال نہیں' اور سنو میں آئندہ ایسی بات کبھی نہیں کروں گا اگر تم مجھ سے میرا ساتھ نبھانے کا وعدہ کرلو۔"

"تم مجھے کچھ سوچنے کا موقع تو دو شرجیل ہوسکتا ہے کوئی راہ نکل آئے۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔" ایمان نے کسی قدر رسان سے کہا۔ شرجیل نے گہرا سانس بھر کے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ ہٹالیے۔ ایمان نے خائف نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"تم نے اپنے گھر والوں سے بات کی؟"

"تم نے کی؟" شرجیل نے طنزیہ نگاہیں اس پر جمائیں ایمان بے ساختہ نظریں چرا گئی۔ وہ زہر خند ہوا۔

"پلیز اپنے گھر والوں سے بات کرو۔ انہیں ہمارے ہاں بھیجو پھر دیکھتے ہیں بابا سائیں کیا کہتے ہیں۔" ایمان ایکا ایکی جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی۔ بہرحال یہ طے تھا کہ اسے وقاص حیدر سے شادی نہیں کرنا تھی۔ وہ جس کی نظروں میں اس نے کھلی ڈھلی ہوس دیکھی تھی جس کے چہرے پر ہر دم ایک شیطانیت رقص کرتی تھی۔ اس کی محبت اچھی نہیں تھی وہ جانتی تھی ایک ایسے سطحی سوچ کے مالک انسان کو وہ شریک حیات کے طور پر ہرگز بھی قبول نہیں کرسکتی۔ جس کی نگاہوں میں اس کے لیے یا اس کی بہنوں کے لیے عزت ہو نہ احترام۔ اس نے کئی بار وقاص کی نگاہوں کو لاریب کے علاوہ امامہ کا بھی پوسٹ مارٹم کرتے دیکھا تھا۔ کیا فرق پڑے گا اگر میں وقاص سے منگنی توڑ دوں گی۔ اس سے پہلے عباس بھی تو یہ روایت قائم کرچکا ہے۔ پھر لاریب میں تو کوئی کمی بھی نہیں تھی۔ اس نے جیسے خود کو ڈھارس دلا دی تھی۔

"اور اگر وہاں سے انکار ہوگیا تو......؟" شرجیل نے نخوت سے پوچھا۔ ایمان اپنے خیالات کی یورش سے ابھری اور کچھ توقف سے اس کی بات کا مفہوم سمجھی۔

"اس صورت میں پھر وہی ہوگا شرجیل جو تم چاہتے ہو۔" ایمان نے بات ختم کرکے اس کے چہرے کی جانب نہیں دیکھا وہ جانتی تھی شرجیل کے لیے یہ بات کتنی خوشی کا باعث ہے۔

❀......❀......❀
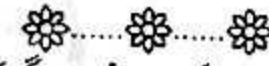
عباس حیدر کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تھی۔ اس کی کوشش تھی اس سے پہلے پہلے شوٹ مکمل کروادے مگر یہ کام لمبا ہوتا جارہا تھا ادھر عریشہ کی جھنجلاہٹ اور خفگی بھی۔ بالآخر عباس کو اس نے فون پر سخت سست سنائی تھیں۔

"یہ ہے تمہاری محبت عباس! بہت شور مچاتے تھے محبت' عشق' جنون' شادی میں چند دن رہ گئے اور تمہیں اتنی بھی فرصت نہیں کہ میرے ساتھ برائیڈل ڈریس ہی پسند کرنے چل سکو۔" وہ غصے میں بولتی چلی گئی تھی۔ عباس کو مان اور استحقاق بھرا یہ انداز بہت بھایا تھا۔ جبھی دل سے مسکرایا تھا۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو؟ میں پاگل ہوں جو بکواس کررہی ہوں؟" وہ جھنجلا کر اس پر الٹ پڑی۔

"میری جان تم چپ کیوں ہو بولو مجھے تمہیں سننا اچھا لگ رہا ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔ جبکہ عریشہ کا موڈ کچھ اور خراب ہوگیا تھا۔

"عباس تم اگر آج شام تک میرے پاس نہیں پہنچے تو پھر اپنا حشر دیکھنا۔" عریشہ نے دھمکی دینے کے بعد فون بند کردیا۔ عباس وہ اہم شوٹ ادھوری چھوڑ کر ڈائریکٹرز کی منت کی پروا کیے بغیر چلا گیا تھا۔

اسی رات عباس عریشہ کے ساتھ شاپنگ مال میں اس کا برائیڈل ڈریس جب چوز کررہا تھا تو ایک اخباری رپورٹر کی اس پر نظر پڑگئی تھی۔ اگلی صبح کے اخبار میں دونوں کی تصویر چھپی تھی۔ شہ سرخی سمیت۔

"مشہور اداکار ساحر عباس حیدر اپنی منگیتر کے ساتھ شادی کا جوڑا پسند کرتے ہوئے۔ انہوں نے اس جوڑے کی خریداری کے چکر میں اپنی شوٹ ادھوری چھوڑ دی۔ ڈائریکٹر کا لاکھوں کا تیار کرایا سیٹ بے کار گیا۔ ساحر اپنی

منگیتر کی خوشی کے آگے ہر کام کو غیر اہم سمجھتے ہیں۔"

لاریب نے یہ خبر اور اس کی تفصیلات اپنے کالج کی لائبریری میں پڑھی تھیں اور اس کے اندر جیسے ببول اگ آئے تھے۔ ایک آگ کا دریا تھا جس میں اس کا وجود غوطے کھاتا رہا تھا۔ دل و دماغ کچھ بھی تو قابو میں نہیں رہا تھا۔ بس رد ہونے ٹھکرائے جانے کا ایک ایسا اذیت انگیز احساس تھا جس کا کوئی انت تھا نہ حساب اسے نہیں خبر ہوسکی وہ کالج سے حویلی تک کیسے پہنچی' اگلے دو دن تک بخار نے اس کی سدھ بدھ بھلائے رکھی تھی۔ تیسرے دن کہیں جاکے وہ حواسوں میں آئی تھی۔

"کیا ہوگیا تھا تمہیں لاریب؟ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کوئی ذہنی شاک پہنچا ہے۔" ایمان کی نگاہوں میں الجھن کے ساتھ پریشانی بھی تھی۔ وہ نظریں چرا گئی۔ جب سے عباس حیدر نے فلم انڈسٹری جوائن کی تھی دونوں حویلیوں میں اخبار یا میگزین کبھی گھسنے نہیں دیا گیا تھا۔ بہت سخت پابندی تھی کاغذ کے ان ٹکڑوں پر وہ اس کے متعلق خبر لاسکتے تھے۔ پھر بھلا عباس کے لیے کوئی گنجائش کہاں تھی۔ پیر کرامت علی شاہ اپنے اصولوں کے اتنے ہی سخت تھے اور بابا سائیں تو ان کے بھائی تھے۔ ان کے ہر کام میں چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز ان کا ساتھ دینے والے ......

"لاریب میری جان کیا دکھ ہے تمہیں؟ مجھے بتاؤ؟" ایمان نے اس کی دہکتی آنکھوں میں مچلتی نمی دیکھی تو بے اختیار تڑپ اٹھی۔

"باجو پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔" اس نے التجا کی تھی۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس سے قبل کہ سرہانے بیٹھی امامہ کو بھی اٹھنے کا اشارہ کرتی دروازہ مدھر سروں میں بج اٹھا۔

"کون ہے آجاؤ۔" ایمان نے گردن موڑ کر دیکھا اگلے لمحے دروازہ وا ہوا اور سکندر کی صورت نظر آئی۔ بڑھی ہوئی شیو' کھدر کا بادامی سوٹ بڑی بڑی آنکھوں میں جیسے کچھ سرخیاں نمایاں تھیں۔

"ایمان بی بی بابا سائیں نے گاڑی تیار کرائی ہے کہہ رہے ہیں لاریب بی بی کو لے آئیے۔" سکندر نے ایک مختصر مگر بے حد خاص قسم کی نگاہ لاریب کے ستے ہوئے چہرے پر ڈال کر ایمان کو مخاطب کیا تو وہ جیسے کچھ یاد آنے پر ایک دم الرٹ ہوگئی۔

"افوہ میں تو بھول گئی تھی بالکل! لاریب اٹھو ہری اپ' آج تمہارا چیک اپ ہوگا۔"

"مگر کیوں؟"

"بھئی تمہارا بخار نہیں اتر رہا بابا سائیں نے شہر کے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے۔ اسپشلسٹ ہے چلو چلو کم آن۔"

"مگر میں اب ٹھیک ہوں پلیز باجو بابا سائیں کو منع کریں میں کہیں نہیں جارہی۔"

"اونہہ لاریب اس طرح نہیں کرتے جانو۔ اٹھو۔" ایمان نے اسے اٹھا کر ہی دم لیا تھا۔ اگلے دن جب وہ کالج جانے کو تیار تھی تو ایمان نے بھی اسے منع کیا تھا مگر وہ کب کسی کی سنتی تھی۔ اس کے اندر تو ایک ہیجان برپا تھا۔ بس نہ چلتا تھا کہیں سے عباس حیدر سامنے آجائے اور وہ اس انسلٹ کا بدلہ لے لے ایسا ممکن نہیں تو پوری دنیا کو آگ لگادے۔ یہ بھی کہاں ممکن تھا۔ ہاں...... ایک اور حل تھا ایک اور طریقہ' عباس کو جتلانے کا اسے بتانے کا کہ وہ اس کی راہ نہیں تک رہی' اسے کوئی کمی نہیں ہے وہ اس سے پہلے شادی کرے گی مگر کس سے' اس کی تیز گام ٹرین کی طرح بھاگتی دوڑتی سوچیں اس مرکز پر آکے ٹھٹکیں۔ بے خیالی ہی بے خیالی تھی۔ اس کے ہاتھ پر گلاب توڑتے ہوئے کانٹا چبھ گیا تھا۔

"سکندر' سکندر۔" ایمان برآمدے کے آخیر میں کھڑی پکار رہی تھی' اس نے چونک کر اس سمت دیکھا۔ سکندر جانے کس کونے سے نکل کر تیز قدموں سے اس کی جانب آیا تھا۔

سفید کھدر کا عوامی سوٹ اونچا پورا قد' چوڑے مضبوط شانے' سیاہ گھنیرے بال' سادہ سے سیاہ چپل۔ وہ اتنا برا تو نہیں تھا بلکہ اچھا خاصا تھا اس نے سوچا اور بے خیالی میں سوچتی چلی گئی۔ وہ اپنی پراگندہ سوچوں' مضطرب خیالوں اور بے ارادہ فیصلوں میں اتنی بے دھیان تھی کہ یہ

بھی خیال نہ رہا وہ سکندر جسے وہ اس حوالے سے سوچ رہی ہے جا ہے ٹھکرائے جانے کے بعد ہی عباس حیدر کے پاسنگ کہیں بھی نہیں ہے وہ ان کا ملازم ہے جسے کل تک وہ خود بھی جوتے کی نوک پر رکھتی آئی تھی۔ یہ اس کی ذہنی تباہی اور خیالات کی ہیجان آمیزی ہی تھی کہ اس نے سکندر کے لیے ایسا سوچا اور اس فیصلے پر عمل کی مہر ثبت کردی تھی۔

''سکندر......!'' اس نے ایمان کے حکم کی تعمیل میں تیزی سے کچن کی سمت جاتے سکندر کو بے ساختہ پکارا۔

''جی لاریب بی بی؟''

''گاڑی نکالو مجھے کالج جانا ہے۔''

''مم مگر بی بی آپ تو......''

''شٹ اپ سکندر! تم جانتے ہو مجھے سوال جواب سے کتنی نفرت ہے جو کہا ہے وہ کرو۔'' وہ اس پر برس پڑی۔ سکندر نے خائف سی نگاہ اس کے لال بھبوکا چہرے پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلایا۔ پاس سے گزرتی سکھاں کو روک کر ایمان کے لیے فریش جوس بھجوانے کا کہا اور خود پورٹیکو کی جانب چلا گیا۔ لاریب کمرے میں آئی بیگ اٹھایا اور کسی سے بھی کچھ کہے بغیر چپ چاپ آ کے سکندر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''تمہیں ہائی کورٹ کا راستا تو معلوم ہوگا سکندر۔ اکثر زمینوں کے کیس کے سلسلے میں آتے جاتے ہو گے۔''

''جی مگر آپ......!'' معاً وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔ شاید اپنی حیثیت کا خیال سوال کرنے سے باز رکھ گیا تھا۔ مگر الجھن ہنوز تھی جسے لاریب نے اگلے لمحے دور کردیا تھا۔

''وہیں چلو ہم کالج نہیں وہاں چلیں گے۔'' وہ بہت رسانیت سے کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جبکہ سکندر کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا۔

''آپ کو وہاں کیا کام ہے آپ مجھے بتایئے پلیز میں خود کرا آؤں گا۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سکندر نے کسی قدر لجاجت سے کہا تھا۔ وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''یہ کام میری موجودگی کے بغیر نہیں ہوسکتا سکندر۔''

''ایسا کون سا کام ہے؟ آپ بتایئے تو......'' سکندر نے الجھ کر بلکہ پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

''نکاح کرانا ہے مجھے تمہارے ساتھ، بولو ہوجائے گا یہ کام میری موجودگی کے بغیر؟'' وہ خود پرسکون رہ کر بھی گویا سکندر کو کسی طاقت ور بم کے دھماکے سے اڑا چکی تھی۔ سکندر کو اپنی سماعتوں پر شبہ محسوس ہوا تھا گاڑی ایک دم لہرائی اور پھر یکلخت رک گئی۔ ایک زور کا جھٹکا لگا تھا...... سکندر کے چہرے پر جیسے تاریکیوں کا سایہ تھا وہ ہنوز اپنے آپ کو فضا میں معلق محسوس کررہا تھا۔ اگر یہ لاریب کا مذاق تھا تو بے حد بھیانک! جس کی تاب نہ لاتے ہوئے سکندر کا دل دھڑکنیں بھول گیا تھا۔

''کیا ہوا شاک کیوں لگا ہے تمہیں؟'' لاریب ہنوز پرسکون تھی۔ اس نے بہت طنزیہ نظروں سے سکندر کو دیکھا جس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔

''بی بی صاحبہ یہ بہت گھٹیا مذاق ہے۔ میں جانتا ہوں میں ایک حقیر انسان ہوں مگر......''

''سکندر بند کرو یہ اپنی تھرڈ کلاس جذباتی تقریر میں مذاق نہیں کررہی۔'' وہ بے ساختہ قسم کی ناگواری سمیت اسے ٹوک گئی۔ سکندر نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''آپ......''

''تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔'' سکندر کے ہونق چہرے کو تکتے ہوئے لاریب کا جی سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔ اف یہ احساس کمتری کے شکار لوگ!

''آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے میرا خیال ہے ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ ویسے آج تو فرسٹ اپریل بھی نہیں کہ میں خود کو فول بنائے جانے کا یقین کرلوں۔''

''سکندر...... بکواس مت کرو تمہارا کیا خیال ہے میں یہ سب مذاق کررہی ہوں؟'' وہ یکایک مشتعل ہو کر چیخی۔

''گاڑی چلاؤ، کورٹ پہنچو جب میں نکاح کے پیپرز پر سائن کروں گی تمہیں از خود یقین آجائے گا۔'' لاریب کے اگلے الفاظ نے سکندر کو فضا میں معلق کردیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر یوں لاریب کو تکنے لگا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ کا گمان ہو۔ لاریب کو بمشکل غصہ ضبط کرنا پڑا۔

''لاریب بی بی! اگر آپ سریس بھی ہیں نا تب بھی سن لیں مجھے اپنی اوقات پتا ہے مجھے نہیں پتا آپ یہ بھیانک مذاق مجھ سے کیوں کررہی ہیں۔ بہرحال میں آپ کا اس میں مزید ساتھ نہیں دے سکتا اور......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی اگلا لمحہ قیامت تھا۔ لاریب نے ایک دم ہسٹریک ہوتے ہوئے پہلے اس کے منہ پر بھرپور تمانچہ مارا پھر اس کا گریبان پکڑ کر بہت زور کا جھٹکا دیتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخ چیخ کر بولتی چلی گئی تھی۔

''تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو! تمہیں پتا ہے تم کسے ٹھکرا رہے ہو؟ لاریب علی شاہ کو...... جس کے پیچھے ایک دنیا دیوانی ہے جو کسی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی اور تم...... تم...... اسے ٹھکرا رہے ہو اس کی بات کو؟'' وہ یقیناً حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ ایک بار پھر غیر ارادی طور پر ہی سکندر کے الفاظ اس کے سسکتے بلکتے احساسات کو ریجیکٹ ہونے کی اذیت سے دوچار کر گئے تھے وہ اذیت جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ یہ اتنا بڑا اسٹیپ لے رہی تھی جذباتیت میں۔ جو بھی تھا بہرحال وہ ایک بار پھر بکھر گئی تھی۔ سکندر کے تو اوسان خطا ہونے لگے وہ خود اس سچویشن میں چکرا کر رہ گیا تھا۔ پہلے تو اسے خود کو سنبھالنا پڑا پھر لاریب کو بڑی دقتوں سے وہ یہ مرحلہ سر کر پایا۔

''آئی ایم سوری! رئیلی ویری سوری بی بی صاحبہ اگر آپ کو میرے الفاظ سے تکلیف پہنچی، میں خود کو کبھی بھی لالے اس مرتبے کے قابل نہیں پاتا، بس یہی وجہ تھی۔'' وہ وضاحتوں پہ وضاحتیں دیتا ہانپنے لگا۔ پانی کی بوتل کا ڈھکن کھول کر اسے پلایا تاکہ وہ کچھ حواسوں میں لوٹے۔

''مجھے آج ابھی یہ نکاح کرنا ہے۔ ہر صورت میں اسے بتانا چاہتی ہوں کہ وہ اکیلا ہی اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا میں بھی کرسکتی ہوں اس سے پہلے کروں گی وہ مجھے اپنا منتظر نہ سمجھے اس نے مجھے ٹھکرایا نہیں، میں اسے بتاؤں گی میں نے اسے ٹھکرایا ہے۔'' وہ واقعی حواسوں میں نہیں تھی جبھی تو وہ باتیں سکندر سے کہہ رہی تھی جن کا سامنا اس نے سالہا سال تک خود بھی نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ نظریں چرائی تھیں، کترائی تھیں، سکندر نے سنا سمجھا اور جیسے اندر تک تھک گیا۔ تو یہ وجہ تھی، اس کا دل گہرے سمندر میں ڈوبنے لگا۔ اتنی ناقدری ایسی بے مائیگی۔

''تم مجھے بتاؤ کرو گے مجھ سے نکاح یا نہیں۔'' انکار کرنے سے قبل جان لینا سکندر کہ میں حویلی واپس نہیں جاؤں گی، یہیں اپنی جان دے دوں گی۔'' وہ ایک بار پھر ہسٹریک ہونے لگی۔ سکندر نے دیکھا اس کی آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔ وہ عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ جبکہ وہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔

''یہ دیکھو میں خودکشی کا سامان ساتھ لے کر چلی تھی اور تمہاری جرأت نہیں کہ مجھے روک سکو۔ اگر میری بات ماننا ہے تو گاڑی کا رخ کورٹ کی طرف موڑ لو ورنہ گاڑی سے باہر نکل کر کھڑے ہوجاؤ، میں ابھی اسی وقت اپنی کلائی کی رگ کاٹ لوں گی۔'' وہ اس ہیجانی کیفیت کے زیر اثر اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ سکندر ہونٹ بھینچے کچھ دیر اسے تکتا رہا پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے کورٹ جانے والی شاہراہ پر ڈال دیا۔ لاریب کے تنے ہوئے چہرے پر ایک آسودہ قسم کی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ابھی وہ اتنی ارزاں تو نہیں تھی کہ کوئی اسے نہ اپناتا۔

❁......❁......❁

اس نے اپنے سامنے کاغذ کے پرزے پر درج نمبر مسکراتے ہوئے ڈائل کیا اور دوسری جانب مدھر سروں میں بجنے والی بیل کی آواز سنتی اپنی دھڑکنیں شمار کرنے لگی۔ دھڑکنیں جن کا غیر معمولی شور اسے جزبز کر گیا تھا۔ بھلا اب کیوں؟ اس نے تو عباس حیدر کو نیچا دکھا دیا تھا۔ اس نے تو عباس حیدر کو اس کی محبت کو اپنے دل سے نوچ کر پھینک دیا تھا پھر یہ دل اس سے بات کرنے اس کی بات سننے کے خیال سے اتنا تاؤلا اور نروس کیوں ہوا جاتا تھا؟ اسے اپنے سوالوں کے جواب نہیں ملے تھے کہ دوسری جانب سے

کال پک کرلی گئی۔

"السلام علیکم! عباس حیدر اسپیکنگ۔" ریسیور سے بھاری، گمبھیر آواز اس کی سماعتوں میں اتری اور اسے جیسے اس کا مقصد ہی نہیں زمان و مکان بھلا گئی۔ وہ جتنا خود ڈشنگ اور ہینڈسم تھا اسی لحاظ سے اس کی آواز کا جادو بولتا تھا۔ اسے لگا وہ گنگ ہوگئی ہے جبکہ عباس دوسری کچھ دیر پکارنے کے بعد جھنجلا کر رابطہ منقطع کرچکا تھا۔ وہ جیسے ہڑبڑا کر گہری نیند سے جاگی اور ششدر ہوکر رہ گئی۔

"یہ مجھے کیا ہوا تھا؟" اس نے خود سے سٹپٹا کر سوال کیا؟

"کیا میں اسے بھلا پائی ہوں جبکہ اس کی آواز نے مجھے میری ہستی فراموش کرا ڈالی۔" وہ گم صم سی اپنی کیفیت کو پرکھتی رہی پھر کچھ سوچ کر پھر سے نمبر ڈائل کیا۔ بیلز جاتی رہیں مگر کسی نے کال ریسیو نہیں کی مگر وہ بھی ڈھیٹ بن گئی۔ آج ہی تو اس سے بات کرنا تھی۔ آج ہی تو اسے جتلانا تھا، سب کچھ وہ کسی سے کم نہیں وہ عباس سے کم نہیں۔ تیسری کے بعد چوتھی مرتبہ ٹرائی کرنے پر کال ریسیو کرلی گئی۔

"ہیلو! کون ہیں آپ؟ کیوں اپنا اور میرا وقت برباد کررہی ہیں؟ اگر کچھ بولنا نہیں تو فون کرنے کا مقصد؟" اس مرتبہ وہ جھنجلا کر بولتا چلا گیا تھا مگر لہجہ اس خفگی میں بھی دھیما اور سبک ہی رہا تھا وہ کتنا ڈیسنٹ کتنا شاندار تھا۔ چار سال قبل لاریب یونہی تو اس پر دل و جان نہیں ہار گئی تھی۔ وہ سنبھلی اور بے ساختہ مسکرائی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے جبھی کال کی ہے اور سنیں میں آپ کی طرح بے کار نہیں ہوں، جو اپنا ٹائم ضائع کرتی پھروں سمجھے آپ؟" اس نے نخوت سے ناک چڑھا کر گویا جتلانا ضروری سمجھا۔ عجیب شاہانہ انداز تھا دوسری جانب یقیناً عباس ششدر ہوا ہوگا مگر اسے بھلا کب پروا تھی۔

"آپ ہیں کون؟ کیوں بات کرنا چاہتی ہیں مجھ سے؟" عباس کے لہجے میں خفیف سی جھنجلاہٹ در آئی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ قبل راجہ صاحب کی کال آئی تھی کہ ایک لڑکی بار بار اصرار کررہی ہے کہ اسے ساحر کا لینڈ لائن نمبر چاہیے۔

"یار صبح سے سر کھایا ہوا ہے میرا پلیز دے دوں بتاؤ؟" اور عباس کے لیے یہ نئی بات نہ تھی لینڈ لائن نمبر پر لڑکیاں اکثر اسے کال کرتی تھیں البتہ وہ موبائل نمبر کسی کو نہیں دیتا تھا۔ جبھی اس نے سرسری انداز میں ہاں کردی تھی۔ مگر اس کالر کا انداز و اطوار سابقہ کالرز سے یکسر مختلف تھا۔ اس کا چونکنا فطری تھا۔

"یہی بتانے والی تھی میں آپ کو اگر آپ مجھے اپنی کوئی فین سمجھنے جارہے ہیں تو اس خیال کو دل سے نکال دیں میں ہرگز بھی اتنی احمق نہیں ہوں کہ ان فضولیات میں پڑوں۔" عباس کو اپنی پیشانی تپتی ہوئی محسوس ہوئی مگر وہ خود پہ جبر کیے اس کی اگلی بات کا منتظر ہوا تھا۔

"جی فرمائیے کیوں کال کی آپ نے؟" اس کی ازلی رواداری اور تربیت اسے ہمیشہ ہر کسی کے ساتھ رکھ رکھاؤ وقار اور شائستگی سے ملنے پر اکساتی تھی۔

"میں لاریب ہوں لاریب علی شاہ! آپ کو اپنی وہ عم زاد یاد تو ہوگی جسے آپ کے بزرگوں نے آپ کی مرضی کے بغیر آپ سے منسوب کردیا تھا۔" اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا جبکہ عباس حیدر یکدم ساکت ہوکر رہ گیا تھا۔ اس کے سان و گمان تک بھی نہیں تھا لاریب اسے اس طرح کال بھی کرسکتی ہے۔

"میں نے محض یہ بتلانے کے لیے آپ کو زحمت دی ہے مسٹر عباس حیدر کہ لاریب علی شاہ اتنی گری پڑی نہیں تھی کہ آپ نے اسے قبول نہیں کیا تو وہ آپ کے نام پہ بیٹھی رہ گئی۔ آپ کی شادی تو جانے کب ہو مگر میں اللہ کے فضل سے کسی کی منکوحہ ہوں۔" اس کا ٹھنڈا اظہار طنزیہ انداز اپنے اندر بہت ترش قسم کی کاٹ لیے ہوئے تھا۔ عباس حیدر یہ سمجھنے سے قطعی قاصر رہا کہ لاریب آخر اسے یہ سب کیوں بتارہی ہے جبکہ اسے اس کے رد کردینے سے کوئی فرق بھی نہیں پڑا۔

"چپ کیوں ہوگئے؟ آپ کو اچھا نہیں لگا کیا کہ آپ کی ٹھکرائی کسی اور کی بیوی بن گئی ہے۔ کیا آپ کی سوچ بھی عام روایتی جاگیرداروں کی طرح ہے؟" وہ اسی تنفر سے اسے پیٹ پیٹ کر طنز کے تیر مار رہی تھی۔ عباس کو ناگواری کے شدید احساس نے گھیر لیا۔ اسے اپنا دفاع کرنا پڑا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی لاریب علی شاہ! میں ہرگز بھی ایسی روایتی سوچ نہیں رکھتا میں نے ہرگز بھی کبھی یہ نہیں سوچا کہ آپ میرے نام پہ جوگ لے لیں۔ میں آپ کی زندگی کے نئے سفر پر آپ کے لیے نیک تمنائیں اور دعائیں کرتا ہوں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔" اس نے جیسے بات ختم کی لاریب کو شاید اس سے ایسی توقع نہیں تھی وہ تو اسے خفت کا شکار کرنا چاہتی تھی ایسا تو کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا اسے بتانا بے کار گیا تھا۔ اب اسے کچھ اور بولنا تھا کہ جس سے اس کی اپنی خفت کم ہوسکے۔ جبھی وہ گلا کھنکار کر گویا ہوئی تھی۔

"او کے اگر آپ کو اتنی ہی خوشی ہوئی ہے تو پھر اس خوش قسمت انسان کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کریں گے بھلا وہ کون ہے کیا نام ہے کیا کرتا ہے؟" اسے اندازہ نہیں ہوا عباس کو نیچا دکھانے کی کوشش میں وہ خود اپنے پھیلائے جال میں پھنسنے جارہی ہے۔ عباس اس کی بات سن کر رواداری سے مسکرا دیا۔ جی ضرور اگر آپ بتائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اونہہ جھوٹا فریبی۔ ماسک چڑھا کر اپنے جذبے مجھ سے چھپاتا ہے اندر سے جل تو لازمی رہا ہوگا۔ اس نے سوچ کی انتہا پہ جاکے سوچا اور بے ساختہ ہنسی۔

"سکندر نام ہے اس کا اور......"

دفعتاً اسے ایکدم بریک لگ گیا تھا۔ کیا کرتا تھا سکندر؟ حویلی کی نوکری۔ کون تھا وہ؟ اس کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا یہ تو سکندر خود بھی نہیں جانتا تھا کیونکہ اسے منشی صاحب کے گھر تک لانے والی وہ ملازمہ کب کی مرگئی تھی اور اس کا نام نشان وہ تو شاید منشی صاحب سے بھی کم خفیہ نہ تھا۔

لاریب کو جیسے اسی پل ہوش آیا۔ لائبریری میں عباس کی ہونے والی شادی کی خبر پڑھ کر عباس کو فون ملانے تک وہ جیسے واقعی حواس گنوائے ہوئے پھر رہی تھی یہ ہیجان یہ وحشت یہ اضطراب یہ رد ہونے کی اذیت اس سے کیا کروا چکی ہے اسے کیسے پابند اور محصور کرچکی ہے اس کا اندازہ اسے اسی پل ہوا تھا۔ یہ کیا کردیا تھا اس نے؟ کیسے کیوں؟ وہ ششدر بھونچکی سی چکراتے سر کے ساتھ خود سے سوال کیے گئی۔

سکندر......سکندر اس کی حویلی کا ملازم، یہ تھا اس کا انتخاب؟

عباس حیدر کا نعم البدل؟ جو کسی بھی لحاظ سے اس کے پاسنگ بھی نہیں تھا۔ یہ اس نے کیا کیا تھا؟ کیسے؟ یہ ہیجان اس سے بھاری قیمت چکا گیا تھا۔ کیسی تھی یہ وحشت جس نے اس کی عقل سمجھ بوجھ سب ضبط کر ڈالی تھی۔ نقصان ہی نقصان تھا۔ اذیت ہی اذیت تھی۔ اسے در و دیوار گرتے اور چھت اپنی جانب لپکتی محسوس ہوئی۔ یہ حقیقت اتنی تلخ اتنی ناقابل یقین تھی کہ برداشت سے باہر وہ اپنی بے جان ہوتی ٹانگوں سمیت وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لٹک جانے والے ریسیور سے عباس کی ہیلو ہیلو کی پکار آتی رہی پھر ریسیور بھی خاموش ہوگیا مگر لاریب کے دماغ میں برپا قیامت نہیں تھمی اس کا پتھرا جانے والا وجود حرکت نہیں کرسکا تھا۔

......☆☆☆......

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں
ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام چلوں
اور سامنے منزل آ جائے
اے جذبۂ دل گر میں چاہوں......

سکندر بہت فریش گنگناتے ہوئے انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا۔ چولہے کے آگے بیٹھی پھونکنی سے آگ جلاتی ثانیہ نے اس کی گنگناہٹ سنی تو اپنا کام ادھورا چھوڑ کر سر اٹھا کر اس کی شکل دیکھی سرشاری و سرمستی کو محسوس کیا اور مسکرا دی۔

''کیابات ہے سکندرے بہت خوش لگ رہا ہے؟''
''صرف خوش نہیں بے حد بے حساب خوش ہوں۔ مجھے تو لگ رہا ہے میں نے دنیا فتح کرلی۔'' وہ بے ساختہ کھلکھلایا' کچھ فاصلے پر مکئی صاف کرتی اماں نے نظریں اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔ وہ بہت کم مسکرایا کرتا تھا کھلکھلانا تو بہت دور کی بات۔

''ماشاء اللہ اللہ خوش شاد رکھے میرے پتر کو ہمیشہ' پر کوئی خوشی کی خبر ہے تو ہمیں بھی بتا۔'' اماں کے چہرے پر اشتیاق درآیا۔

''مجھے تو لگتا ہے اماں اس کی کوئی بڑی لاٹری نکل آئی ہے۔ دیکھو ذرا پانچ کلو کا مٹھائی کا ڈبہ ساتھ لایا ہے۔'' ثانیہ کی نگاہ ابھی ابھی مٹھائی کے ڈبے پر گئی تھی جسے سکندر نے اماں کے سرہانے لاکر رکھا تھا۔

''لاٹری نہیں پرائز بانڈ نکل آیا ہے سمجھ لے اماں میں سالوں سے صرف اس کی دعا ہی مانگتا تھا' بلکہ میں تو اپنی حیثیت سے بڑھ کر دعا مانگتے بھی ڈرتا تھا۔'' وہ جیسے کہیں کھو سا گیا۔ کل وہ سارا دن ملول رہا تھا یہ احساس ذلت اور تکلیف کے احساس کو بڑھاوا دیتا رہا تھا کہ لاریب نے جوش جذبات میں محض عباس کو نیچا دکھانے کو یہ قدم اٹھایا ہے ورنہ وہ ہرگز ہرگز بھی اس کا انتخاب نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر پھر اسے لگا تھا جیسے وہ ربّ کی اس اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کا مرتکب ہو رہا تھا۔ کیسے دل کے نہاں خانوں میں چھپی خواہش کو ربّ نے پورا کیا تھا اور وہ مسبب الاسباب ہے اسی نے تو یہ سبب پیدا فرمایا تھا۔ یہ خیال یہ سوچ اس کا سارا اضطراب بہا کر لے گئی تھی۔ وہ کتنا ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ جو بھی تھا جیسے بھی تھا اس کے لیے تو مقام تشکر مقام عاجزی تھا پھر کیوں وہ خوشی محسوس نہ کرتا۔

''اماں سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹنا اس لیے تو اتنی ساری لایا ہوں۔'' وہ چارپائی پر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اماں نے مسکرا کر اس کی صورت نثار ہونے والی نظروں سے دیکھی۔

''ضرور پتر میں تو سب سے تیری مزید کامیابیوں کی دعا بھی کرواؤں گی۔ پر یہ تو بتا ہے کیا خوشی کی خبر؟'' وہ اس سوال پر ایک دم گڑبڑایا بلکہ تھا وہ تو جواب دینے والا ہی تھا؟ اب ایسے بات سنبھالی بھی نہیں جاسکتی تھی۔ جبھی اسے کوئی نہ کوئی تو بہانہ گھڑنا تھا۔

''اماں وہ میں نے سولہویں جماعت کے پرچے دے رکھے تھے نا بس اسی امتحان میں کامیابی ملی ہے۔ پر تو لوگوں کو نہ بتانا اٹھائیس سال کی عمر میں ایم اے کرنے پر مجھے اپنی ہنسی نہیں اڑوانی۔'' وہ حفظ ماتقدم کے طور پر بولا تو اماں نے برا منالیا۔

''اے ہائے اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے پتر؟ اٹھائیس وروں میں ہی کیا' کیا تو یہاں تو آس پاس کے سارے منڈے ہی نکمے اور جاہل ہیں۔'' اماں کے لہجے میں انوکھا سا فخر درآیا۔ تو سکندر نے مسکرا کر گویا بات ان کی مرضی پہ چھوڑ دی۔

''اماں میں پلیٹیں لے آؤں اندر سے نئی ڈنر سیٹ کی اس میں مٹھائی بانٹ آتی ہوں۔ سب سے پہلے اپنی سہیلی رجو کے گھر دوں گی۔ اماں اس میں ذرا دو لڈو زیادہ ڈال دینا۔ میری بہت گوڑی سہیلی ہے وہ۔''

''چل نی رہن دے۔ آرام سے بیٹھ۔ ڈنر سیٹ کا ڈبہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تام چینی کی پلیٹ لے آ بس اور یہ لڈو نہیں گلاب جامن ہے۔ چار چار سے زیادہ نہیں دوں گی۔'' اماں نے جھاڑ کر رکھ دیا ثانیہ کا منہ لٹک سا گیا۔

''دیکھ سکندرے تیری اتنی بڑی خوشی کے موقع پر بھی اماں مجھے نوی پلیٹیں نہیں نکالنے دے رہی۔'' اس نے جیسے سکندر سے شکایت جڑی۔ سکندر جو لاریب کے متعلق کچھ سوچتے ہوئے دھیمے سے مسکرا رہا تھا ایکدم ہڑبڑا کر چونکا اور سوالیہ نگاہیں ثانیہ پہ جمائیں۔

''کیا کہہ رہی ہو ثانی؟''

''کچھ نہیں پتر نمانی ہے اسے پتا ہی نہیں اس کے جہیز کے لیے خریدا ہے پورے بارہ سو کا۔ اب نکالوں گی دیت کر خراب نہ ہوگا؟ دل چھوٹا کرتی ہے کملی جھلی نہ ہووے بھلا کنج کجھاواں بعد وچ دی تے دونویں ہی استعمال

کرو گے۔'' اماں مسکرا مسکرا کر انوکھی بات کر رہی تھیں جس نے ثانیہ کو شاد کیا تو سکندر کے سر کے دو فٹ اوپر سے گزر گئی۔ بھلا ثانیہ کے جہیز کی چیزیں سکندر نے کہاں استعمال کرنی تھیں۔ خیر اماں یہ نہیں چاہتی کہ ابھی نکالی جائیں تو خیر ہے۔

''ثانیہ تم ویسا ہی کرو جیسے اماں کہہ رہی ہے۔ سیانے غلط نہیں کہا کرتے اچھا پتر!'' کچھ فاصلے پر حقہ گڑگڑاتے بابا نے بھی مداخلت کی ثانیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا ویسے بھی جو بات اماں نے کہی تھی ابا نے تائید کی تھی وہ ایسی پاور فل ٹانک کا کام دیتی تھی کہ ثانیہ کا ملال جاتا رہا۔ وہ خوشی خوشی اندر سے پرانی تام چینی کی پلیٹیں ہی اٹھا لائی۔

''اے ثانی! تجھے آخیر آئی ہے مٹھائی وٹھن کی پہلے سکندرے کو روٹی ٹکر تو دے دے۔'' اماں کو گلاب جامن پلیٹ میں نکالتے خیال آیا تو پھر سے ثانیہ کے لتے لیے۔ ثانیہ کا اشتیاق ایک دم سے دھیما پڑا۔

''جا تو ثانیہ میں کھانا خود نکال لوں گا۔ یہ بھی کوئی کام ہے۔'' سکندر نے اس کا بجھتا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

''کیوں کام نہیں ارے سارے دن کا کھپا ہے۔ اب اتنا سا کام بھی نہیں ہم کر سکتے۔'' بابا نے فوراً سکندر کی حمایت کی، وہ مسکرا دیا۔

''ارے نہیں بابا جانے دیں اسے پھر اندھیرا ہو جائے گا، تو اماں کہاں نکلنے دے گی اسے۔'' اس کی طرف داری پر اماں اور بابا دونوں کو خاموش ہونا پڑا۔ ثانیہ بڑے تانبے کے تھال میں پلیٹیں رکھ کے دستر خوان سے ڈھک کر چلی گئی تو اماں سکندر کے منع کرنے کے باوجود اسے خود کھانا گرم کر کے دینے لگیں۔

''چاء پیئے گا سکندرے؟ ساتھ میں یہ مٹھائی بھی کھالے خود تو نے تو منہ میٹھا کیا نہیں۔'' جس وقت اماں نے یہ بات کہی قریبی مسجد سے مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوئی تھی۔

(اکیلا! کیسے کھالوں یہ مٹھائی تو اس کے ساتھ کھانے کا مزا آئے گا) اس کے چہرے پر ایک خوش کن سا احساس بکھرنے لگا۔

''بولتا نہیں ہے، بنا دوں چاء......؟'' اماں کے سوال پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''اوہو گلاں کرتی رہنا، پوچھتی کیوں ہے، بنا دے پی لے گا۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا بابا نے اماں کو ڈپٹ دیا تھا۔

''بابا آپ بھی تو منہ میٹھا کریں نا، آپ نے بھی نہیں چکھی۔'' سکندر نے باری باری پلیٹ دونوں کے آگے کی۔

''میں تو اپنے پتر کے ویاہ کی مٹھائی رج رج کر کھاواں گی۔ اپنی بیماری کی پروا کیے بغیر۔'' اماں کو شوگر تھی میٹھا سختی سے منع تھا انہوں نے چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا، سکندر مسکرا دیا۔ (آپ کو کیا خبر اماں، یہ میرے ویاہ کی ہی مٹھائی ہے)۔

''اماں ذرا جلدی چائے پیالی میں نکال دو۔ مجھے نماز پڑھنے جانا ہے۔'' سکندر کے فقرے پر اندر آتی ثانیہ نے فی الفور گرفت کر لی۔

''اے ہائے کچھ...... ربّ پہ پیار نہیں آ گیا۔ سکندرے نمازیں پڑھنے لگا ہے ساری۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ سکندر جھینپ سا گیا۔ (تجھے کیا پتا ثانیہ مجھے میرے سوہنے ربّ نے کتنا اور کیسا نواز دیا ہے۔ اتنا شانت ہوا ہوں کہ جی چاہتا ہے عمر بھر سجدے سے سر نہ اٹھاؤں)

''بابا آپ بھی نماز پڑھنے چلیں میرے ساتھ۔'' سکندر نے بڑے بڑے چند گھونٹوں میں پیالی خالی کر کے رکھی اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''او پتر! میں صبح سے پڑھوں گا، اللہ نے چاہا تو......'' بابا نے کھسیا کر کہا تھا سکندر سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد جی بھر کے دعا مانگی کچھ دیر قرآن کی تلاوت کرتا رہا رات کو جب گھر کو لوٹا تو عشا میں تھوڑا ہی ٹائم باقی تھا۔ اماں اور ثانیہ اسے گھر کے باہر ہی کچھ پریشانی کے عالم میں نظر آ گئیں۔

''اماں خیریت؟ یہاں کیوں کھڑی ہیں باہر؟'' وہ تیز قدموں سے نزدیک آتا ہوا بولا تھا۔ دونوں کے چہروں سے اتنا اندازہ تو بہرحال لگا لیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

''سکندرے خیر نہیں ہے پتر، حویلی سے تیرے لیے سندیسا آیا تھا۔ لاریب بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں اسپتال لے جانا ہے۔ جلدی جا۔ خبرے کی ہو یا بی بی کو؟'' اماں کی بات پہ سکندر کا رنگ لمحہ بھر کو اڑ سا گیا۔ ان کی پوری بات سنے بغیر ہی سکندر اندھا دھند حویلی کی سمت بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

❀......❀......❀
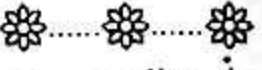
''نندنی...... نندنی بیٹا!'' مام اسے پکارتی ہوئی آ رہی تھیں۔ اس نے سرعت سے پہلے نم گال رگڑ کر آنسوؤں کے نشان مٹائے پھر کتاب بند کر کے تکیے کے نیچے رکھ دی اور سیدھی ہو بیٹھی۔ مام نے اندر آ کے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ہاؤ آر یو سویٹی؟''

''فائن تھینکس۔'' اس نے مختصر ترین جواب دیتے گویا ان کے حوصلے پست کرنے چاہے مگر وہ اسی طرح مسکراتی رہیں۔

''بیٹا دیو کیسا لڑکا ہے؟'' چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اپنے مقصد کی طرف آ گئیں۔ نندنی کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

''وہ آپ کا بیٹا ہے مام! مجھ سے زیادہ آئی تھنک آپ کو ان کے بارے میں پتا ہونا چاہیے۔'' اس کا لہجہ کاٹ دار تھا، مام کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''مجھے تو پتا ہے وہ اچھا شریف لڑکا ہے، سب سے بڑھ کر تمہارا بیٹر ہاف ہے۔ ہمیں اور کیا چاہیے؟''

''مگر مجھے یہ نہیں چاہیے مام مائنڈ اٹ۔'' اس کا ضبط جواب دے گیا وہ چیخ پڑی۔ سریتا دیوی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''یہ بات کرنے کا کون سا انداز ہے نندنی؟'' ان کے ماتھے پر شکنیں بڑھنے لگیں۔ نندنی نے بمشکل خود کو کمپوزڈ کیا۔

''آپ میری پسند اور مرضی کے بغیر میری شادی نہیں کر سکتیں بہرحال۔''

''کیا کمی ہے دیو میں؟'' مام نے بگڑ کر سوال کیا۔ نندنی نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ تلخ بول کر مام کا مزاج مزید برہم نہیں کرنا چاہتی تھی کہ پھر مشکلات بھی اسے ہی سہنا پڑتیں۔ وہ سخت مزاج تھیں۔

''وہ مجھے پسند نہیں، کسی کمی کا ہونا ضروری نہیں ہے مام۔'' اس نے رسانیت سے سمجھانا چاہا مگر مام بھڑک اٹھی تھیں۔

''کون پسند ہے تمہیں؟ اور سنو یہ تمہارے باپ کا ملک نہیں ہے یہ انڈیا ہے یہاں ماتا پتا کی مرضی سے شادیاں ہوا کرتی ہیں سمجھیں۔''

''ہوتی ہوں گی، میری کوئی مجبوری نہیں ہے مام کہ میں ایسا کرتی پھروں۔ آپ مجھے ڈیڈ کے پاس بھجوا دیں میں وہیں رہ لوں گی۔'' وہ پسند والی بات کو جان کر گول کر گئی۔ اس کے باوجود انہیں جیسے آگ لگ گئی تھی۔

''کیوں بھجوا دوں تمہیں اس خبطی کے پاس؟ تاکہ وہ تمہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لے۔''

''مائنڈ یور لینگویج مام! آپ کا ان سے رشتہ ختم ہو گیا ہوگا مگر میرے وہ ڈیڈ ہیں اور رہیں گے۔'' نندنی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ سریتا نے زور سے سر جھٹکا۔

''خیر لعنت بھیجو میں اس ٹاپک کو کلوز کر چکی۔ تم بتاؤ کیا اعتراض ہے دیو سے......''

''مام میں یہ شادی کبھی نہیں کروں گی، چاہے آپ کچھ کر لیں۔'' نندنی نے شدید قسم کے اشتعال کا مظاہرہ کیا تو سریتا بھی آپے سے باہر ہونے لگیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم جو کر سکتی ہو کر لینا میں تمہاری سگائی فکس کر چکی ہوں۔'' انہوں نے اپنی بات کہہ کر نندنی کو حیران کر دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر غیر یقینی سے انہیں تکنے لگی۔

''مجھ سے پوچھے بغیر؟'' اس کا لہجہ سخت احتجاجی ہو گیا۔

''میں نے کہا نا یہ انڈیا ہے یعنی ایشیا یہاں ایسی شادیاں عام ہیں۔'' انہوں نے بے نیازی سے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ نندنی نے طیش میں آتے ہوئے ہاتھ

مار کر ٹیبل پر دھرا کرسٹل واز فرش پر پھینک دیا۔ ایک مہین سا چھنا کا ہوا اور واز کرچیوں کی صورت بکھر گیا۔

"میں مر جاؤں گی ماما مگر آپ کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دوں گی۔" کچھ دیر تک اس نے بکھرے کانچ کو دھندلائی نظروں سے تکا پھر جھک کر کانچ کا ایک نوکیلا ٹکڑا اٹھایا اور بے دردی سے اپنی کلائی کو کاٹ ڈالا۔ بھل بھل بہتا خون تیزی سے اس کے لباس کو نہ صرف رنگین کرنے لگا بلکہ اس پہ نقاہت بھی طاری کرتا جا رہا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے یہ ناقابلِ برداشت درد سہتی رہی پھر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

❀......❀......❀
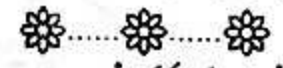
اگر میری محبت نہیں تو کوئی بھی نہیں

اس نے مکمل طور پر غافل ہونے سے قبل بڑبڑانے کے انداز میں جیسے سریتا دیوی سے مخاطب ہو کر کہا تھا مگر وہ تو کیا وہاں تو دور دور تک بھی کوئی نہیں تھا۔

وہ ایک معصوم سی چاہت وہ اک بے نام سی الفت
وہ میری ذات کا حصہ وہ میری زیست کا قصہ
مجھے محسوس ہوتا ہے وہ میرے پاس ہے اب بھی
وہ جب جب یاد آتا ہے نگاہوں میں سماتا ہے
زباں خاموش ہوتی ہے مگر یہ آنکھ روتی ہے
میں خود سے پوچھ لیتا ہوں اُسے کیا پیار تھا مجھ سے؟

فراز نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تو پہلی نگاہ ٹیبل پر رکھی ڈائری پر پڑی۔ صفحات کے درمیان قلم کھلا پڑا تھا مگر شرجیل خود کہیں نہیں تھا۔ فراز نے صفحات پر نگاہ ڈالی پھر کاندھے اچکا دیئے۔ اسی پل شرجیل واش روم سے باہر آیا تھا۔

"یہ تو کسی گم گشتہ محبت کا فسانہ لگتا ہے۔ ایمان صاحبہ کا کیا ہوا؟"

"تم میری اتنی سی آئی ڈی کیوں رکھتے ہو؟" شرجیل نے قہر بار نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ ہر وقت مجھ سے غصے میں بات کیوں کرتے ہیں۔" وہ شاکی ہوا، شرجیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر برش اٹھا کر بال بناتے ہوئے بولا تھا۔

"کبھی پڑھائی بھی کر لیا کرو۔"

"آپ نے ڈبل ڈبل ماسٹرز کر کے کون سے تیر مار لیے جو میں مار لوں گا۔ جب جاب ہی نہیں ملنی تو فائدہ دماغ خراب کرنے کا۔"

"جاب ضروری تو نہیں، ایم بی اے کلیئر کر لو پاپا اور تاؤ جی کے ساتھ بزنس کرنا۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ دو اور دو جمع چار کرنے کا۔" وہ ناک چڑھا کر نخوت سے بولا تو شرجیل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"جاب نہیں کرنی، بزنس نہیں دیکھنا پھر کیا کرنا ہے۔"

"نام کمانا ہے۔ مشہور ہونا ہے، ٹھاٹ سے رہنا ہے۔" وہ مستی میں آ کر جھوم کر گنگنانے لگا۔ شرجیل نے ترچھے انداز میں اسے گھورا۔

"تم شیخ چلی کب سے بن گئے؟"

"بھائی مذاق مت اڑائیں۔ یہ نہ ہو کل مجھ سے آٹو گراف لینے والی قطار میں آپ بھی شامل ہوں۔" وہ کالر کھڑے کر کے اترایا تو شرجیل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کون سی فیلڈ میں جھک مارنے کا ارادہ ہے۔ بھائی اگر کرکٹ کا ارادہ ہے تو رہنے دو یار، صرف ورلڈ کپ کی ٹور ہے اب تو وہ بھی اگر پاکستانی ٹیم کوارٹر فائنل جیت جائے تو...... باقی بیچ کے چار سال کھلاڑیوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ورلڈ کپ چار سال بعد آتا ہے واضح رہے۔"

"میں آپ کو احمق لگتا ہوں۔ مجھے شوبز [illegible] جانا ہے اپنا شہزادہ ہے نا وہاں مائی موسٹ فیورٹ ساحر عباس!" فراز کی آنکھیں چمکنے لگیں تھیں تو شرجیل کی حیرت سے پھٹ سی گئیں۔

"تم شوبز جوائن کرو گے؟ تاؤ اور چاچا کا پتا ہے تمہیں اتنے چھتر ماریں گے کہ سر گنجا کر دیں گے۔" شرجیل نے گویا ڈرایا مگر فراز نے ناک سے مکھی اڑا دی تھی۔

"بھائی آپ بھائی کو بلانے آئے تھے یا یہاں بیٹھ کر گپیں ہانکنے؟ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" تبھی ثناء چلی آئی خفا خفا سی۔ فراز نے کھسیا کر سر پر ہاتھ مارا۔

"سوری مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ چلیں بھائی۔" وہ یکدم اٹھ گیا۔

"کیا پکا ہے ثناء؟" اس کے انداز میں بے دلی کی کیفیت نمایاں تھی۔

"بریانی اور کوفتے ہیں ساتھ میں ٹرائفل، کباب بھی فرائی کیے ہیں۔" ثناء نے مینو بتا کر اس کی شکل دیکھی جس کی بیزاری ہنوز تھی۔

"پھر تو آج تاؤ جی کی موج لگی ہے صحیح معنوں میں۔ میں بہت اسپائسی کھانے پسند نہیں کرتا۔ تم سونے سے قبل ایک گلاس دودھ دے جانا مجھے اور ہاں جب ماما اور پاپا اپنے کمرے میں چلے جائیں تب بتانا مجھے اوکے۔"

"آپ کھانا نہیں کھائیں گے بھائی؟" ثناء کو فوری تشویش ہوئی۔ تاؤ جی کو گھر کے ایک بھی فرد کی کھانے کی محفل سے غیر موجودگی سخت برہم کر دیا کرتی تھی۔ شرجیل سے تو انہیں ویسے ہی بہت ساری شکایات تھیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بھائی میں آپ کے لیے آملیٹ یا جو آپ پسند کریں بنا دیتی ہوں لیکن پلیز رات کا کھانا مت چھوڑا کریں۔" ثناء اس کی سگی بہن نہیں تھی چاچو کی بیٹی تھی مگر شرجیل سے خصوصی لگاؤ تھا اسے۔ شرجیل یہ بات جانتا تھا جبھی بے ساختہ ہی چہرے پہ ایک مشفق سی مسکان بکھر گئی۔

"خواہ مخواہ زحمت کرو گی مائی سسٹر! مجھے واقعی بھوک نہیں۔"

"بھائی تاؤ جی خفا ہوں گے پلیز چند نوالے لے لیجیے گا۔" وہ ملتجی ہوئی تو شرجیل کو ہاں کرنی پڑی تھی۔

"اوکے تم اور کچھ مت بنانا میں سلاد اچھی طرح رائتہ ڈال کر کھاؤں گا اس سے مرچیں کم ہو جائیں گی۔" شرجیل [illegible] کر کہتے ہوئے اس کا سر تھپکا تو وہ یکدم پرسکون [illegible]

"صاحبزادے کو وقت مل گیا فیملی کے لیے؟" وہ

غزل

جیسے کبھی دریا کے کنارے نہیں ملتے
ایسے ہی تو جاں بخت ہمارے نہیں ملتے
کھل جائے نہ تم پر یہ کہیں وصل کی خواہش
ہم تم سے اسی خوف کے مارے نہیں ملتے
وہ پیار ہی کیا اشک جو آنکھوں کو نہ بخشے
وہ عشق ہی کیا جس میں خسارے نہیں ملتے
جب ضبط کے بندھ ٹوٹنے لگتے ہیں میری جاں
آنکھوں کے کناروں کو کنارے نہیں ملتے
لگتا ہے کہ وہ شام بھی ہے شام غریباں
جس دن تیرے ملنے کے اشارے نہیں ملتے
اے دل تیری فریاد یہاں کون سنے گا
ٹوٹے ہوئے پتوں کو سہارے نہیں ملتے
ملنے کو تو ہم روز ہی مل لیتے ہیں سید
لیکن یہ مقدر کے ستارے نہیں ملتے

ثمینہ سید: انتخاب: سیدہ شوال رضا...... لاہور

ڈائننگ ہال میں آیا تو وسیع و عریض میز کی تمام کرسیاں پر ہو چکی تھیں ماسوائے اس کی چیئر کے۔ اس طنز کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سو خاموشی سے نشست سنبھالی۔ تاؤ جی کا اپنا مزاج تھا۔ بڑی چھلکتا متکبرانہ وہ کچھ کچھ منتقم مزاج بھی تھے۔ شرجیل بہت کم ان سے الجھا کرتا البتہ فراز موقع تلاش کیا کرتا پتا نہیں کون کون سے بدلے چکانے تھے اسے ان سے۔ ماما پاپا کی ناراضی کی پروا کیے بغیر ٹھونک بجا کر جواب دیتا۔

"بابا کی جانب سے میں سوری کرتی ہوں شرجی! ان کی بات کا برا نہ مانا کرو۔" صالحہ کی کرسی اس کے مقابل تھی۔ وہ اس کی سمت جھک کر سرگوشی میں بولی۔ شرجیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔ بھوک تو بالکل نہیں تھی۔ اب تو گویا کھانے سے جی ہی اچاٹ ہو گیا۔ صالحہ صاحبہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں مگر وہ شاید اسے دونوں آنکھوں سے پیارا تھا جبھی تو اسے دیکھتے ہی چہرے پر رونق اتر آئی۔ واجبی سے نقوش بھاری بھر کم سراپا، وہ جتنی عام تھی اسی قدر

اداؤں سے بھرپور تھی۔ امی کی ہی نہیں تائی ماں کی بھی بھرپور کوشش تھی کہ وہ شرجیل کو اپنی طرف مائل کرلے۔
''آہم آہم! بھائی ذرا یہ چکن روسٹ کی ڈش تو پکڑائیں۔'' فراز نے صالحہ کو اس کی جانب جھکتے اور سرگوشی کرتے دیکھ لیا تھا۔ انداز میں شرارت تھی' اس کے برعکس شرجیل کے چہرے پر ناگواری و برہمی کا تاثر نمایاں تھا۔ اس نے چکن روسٹ کی سجی سجائی ڈش فراز کو پکڑائی نہیں بلکہ پٹخی تھی۔
''کل میں نے اور چچی جان نے اسٹور کی صفائی کی' ایک بہت پرانا سا ٹرنک بھی نکلا زنگ آلود سا۔ جس میں پرانے زمانے کے بہت خوب صورت سی ساڑھیاں کچھ زیوروں کے خالی ڈبے اور ایک تصویروں کا البم تھا۔ چاچی بیگم نے ہی سب سے تعارف کروایا تھا مگر دو شخصیات ایسی تھیں جنہیں میں سرے سے نہیں جانتی تھی آپ کو پتا ہے بھائی وہ دو لوگ کون تھے؟''
''کھانے کے بعد جب وہ سب نوجوان پارٹی ٹی وی لاؤنج میں اکٹھے بیٹھے تھے تب سمیعہ (فراز' شرجیل اور نبیل کی بہن) نے اچانک کچھ یاد آنے پہ تجسس پھیلاتے ہوئے کہا۔ اس کا بالخصوص مخاطب شرجیل نہیں تھا اس کے باوجود وہ چونک کر اسے تکنے لگا تھا۔
''کس کی تھیں؟'' نبیل نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز دھیمی کی اور حیران ہوکر سوال کیا۔
''آپ کو کیا لگتا ہے بھائی کہ ہمارے خاندان کے تمام افراد بس اتنے ہی تھے؟'' سمیعہ نے کچھ اور بھی تجسس کری ایٹ کیا تو فراز کو غصہ آنے لگا۔
''تم سیدھی طرح سے بات کیوں نہیں کرتی ہو؟ جاسوسی رسالے پڑھ پڑھ کر خود کو بھی انہی کا ایک کردار سمجھنا شروع کردیا ہے۔'' وہ جھلا اٹھا تھا۔ شرجیل نے خفیف سا اسے گھورا پھر چھوٹی بہن کی سمت متوجہ ہوا۔
''نہیں ہمارے خاندان کے دو افراد اور تھے دادا اور دادی جان۔ تم نے انہی کی تصویریں دیکھی ہوں گی۔ میں اور آفاق بھائی ہی تھے تب جب ان کا انتقال ہوگیا۔''
''نہیں نا بھائی! دادا اور دادی کے علاوہ...... ہمارے ایک چاچو...... اور ان کی مسز۔''
''واٹ؟'' فراز زور سے چیخا۔ باقی سب کے بھی منہ کھلے رہ گئے۔
''پھر اب وہ کہاں ہیں؟'' یہ سوال ثناء نے اٹھایا تھا' باقی سب بھی گویا سر ہلا کر تائید کررہے تھے۔
''ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ دونوں کی ہی' مگر بھائی سوچنے کی بات یہ ہے اگر وہ پاپا اور تاؤ چاچو کے سگے بھائی تھے تو پھر ان کا گھر میں کبھی تذکرہ کیوں نہیں ہوا؟ کبھی ان کا نام کیوں نہیں لیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان سے وابستہ چیزوں کو اتنا غیر اہم جان کر اسٹور میں کیوں پھینک دیا گیا۔'' سمیعہ کے لہجے میں اسرار تھا۔ بے چینی و اضطراب تھا فراز نے کچھ کہے بغیر اس کے سر پر ایک چپت لگادی۔
''میں نے کہا نا تم خود کو جاسوسی کہانی کا کردار سمجھنا چھوڑ دو۔''
''فراز تم چپ کرو۔ ممی مجھے بتاؤ گڑیا تم نے چچی جان سے یہ سوال کیا؟'' شرجیل فراز کی نسبت اس معاملے کو سرسری نہیں لے رہا تھا۔ وہ سنجیدہ تھا' جبھی اس نے فراز کو بھی جھڑک دیا۔
''پوچھے تھے بھائی مگر انہوں نے صرف مجھے یہی بتایا کہ یہ ہمارے چچا تھے اور بس' بلکہ میں نے تو محسوس کیا وہ یہ بتا کر بھی جیسے پشیمان ہوگئی ہوں کچھ گھبراہٹ بھی میں نے محسوس کی ان کے انداز میں۔ یوں جیسے منہ سے بات نکل جانے پہ بندہ ٹپٹا جائے۔'' سمیعہ کے تفصیلات فراہم کرنے پہ فراز نے دانت پیس لیے۔
''بھائی آپ بھی کس کی باتوں میں آرہے ہیں۔ آپ کو پتا ہے یہ اکثر ہانکتی ہے۔ رائی کا پہاڑ بنانا کوئی اس سے سیکھے۔''
''اس وقت وہ اسٹیپس مل سکتی ہیں ممی آئی مین میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' شرجیل نے فراز کو صرف گھورنے پر اکتفا کرتے ہوئے سمیعہ کو مخاطب کیا جو یکایک پرجوش نظر آنے لگی۔

''شیور وائی ناٹ بھائی' بی کوز چاچی نے وہ البم ہی نہیں وہ سارا باقی کا سامان اسی بکس میں پھر سے ڈال دیا تھا۔''
''گڑ! پھر میں ضرور دیکھوں گا' اور کون کون دیکھنا پسند فرمائے گا؟'' فراز نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا کتنے ہی ہاتھ کھڑے ہوئے۔ فراز کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ جبھی سمیعہ روہانسی ہوگئی تھی۔
''بھائی دیکھیں ذرا فراز بھائی کو میرا مذاق اڑانے کی کوشش کررہے ہیں۔''
''کوشش! ارے احمق میں تمہارا مذاق اڑا رہا ہوں۔ اونہہ۔'' اس سے پہلے کہ شرجیل کچھ کہتا فراز نے نخوت زدہ انداز میں کہہ کر سمیعہ کو اور چڑایا۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے سخت احتجاجی انداز میں پہلے شرجیل کو دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا پھر فراز کو جس کے ہونٹوں پر دل جلاتی مسکراہٹ تھی وہ اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی واک آؤٹ کرگئی۔ فراز نے کاندھے اچکائے اور ریموٹ نبیل سے جھپٹ کر اپنی پسند کا چینل منتخب کیا اور آواز بڑھادی۔ اعصاب کو کشیدہ کردینے والا میوزک سماعتوں پر ناگوار بوجھ بن کر گرا وہ سب ایک ایک کرکے اٹھنے لگے' نبیل بھی انہی میں سے ایک تھا۔ اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے کچن کے دروازے سے اسے دھانی آنچل کی جھلک دکھائی پڑی تو ارادہ ملتوی کرتا اسی سمت آ گیا۔ وہ رخ پھیرے اپنے کام میں مصروف تھی۔ نرم و نازک گداز سراپا تھا جس میں بانکپن' حسن' جاذبیت اور بے تحاشا معصومیت وہ مکمل تھی ہر رنگ میں وہ گم صم سا ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔ ثناء نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔
''نبیل بھائی! کچھ چاہیے۔'' وہ کم عمر اور نوخیز تھی۔ جبھی شاید اس کی آنکھوں میں مچلتے جذبوں سے مکمل آگاہی حاصل نہیں کرپائی تھی۔
''بھائی!'' نبیل کا حلق اس ایک لفظ سے کڑوا سا ہو جاتا۔ اس وقت بھی اچھا بھلا موڈ غارت ہوگیا۔
''کیا کررہی ہو؟'' وہ گہرا سانس بھر کے بولا۔ (ذرا اور بڑی ہوجاؤ میڈم پھر سب سے پہلا کام تمہیں اس جذبے

سے آ گاہی بخش کردوں گا۔ ہاہ وہ بھی کیسا حسین پل ہوگا۔ حیران سے چہرے پر خوب صورت رنگوں کی برسات کا لمحہ)

"شرجی بھائی کے لیے دودھ میں اوولٹین ملا رہی ہوں۔ آپ پئیں گے؟" ادھر وہی معصومیت اور بے خبری تھی۔

"نہیں البتہ اگر ایک کپ چائے مل جائے بہت اسٹرانگ قسم کی تو......"

"کیوں نہیں بھائی میں ابھی لاتی ہوں۔"

"نہیں میرے کمرے میں مت لانا' میں ٹی وی لاؤنج میں ہوں اوکے۔"

"جی بھائی۔" وہ مسکرا کر فرمانبرداری سے بولی تو نبیل آہستگی سے پلٹ گیا تھا۔ ثناء اپنے کام میں مصروف پھر سے مصروف ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀
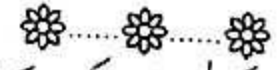
اس نے آنکھیں کھولیں تو بند پلکوں کے پیچھے جمع گرم سیال بہت سرعت سے کنپٹیوں سے ہوتا تکیے میں جذب ہونے لگا۔ ایمان جو پاس ہی تھی اسے روتے دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

"لاریب میری جان! ایسے مت کرو پلیز۔" ایمان نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اور جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

"کیوں بچایا آپ لوگوں نے مجھے کیوں؟ نفرت ہے مجھے خود سے اس زندگی سے' نہیں جینا چاہتی میں۔" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر روتی تکیے پر سر پٹخنے لگی۔ ایمان سے اسے سنبھالنا دشوار ہونے لگا۔

اس کھینچا تانی اور مزاحمت کے باعث اس کی کلائی میں لگی ڈرپ کی سوئی اپنی جگہ سے ہٹ کر وین کو پھاڑتی باہر آ نکلی ساتھ ہی خون بھی جاری ہوگیا۔

"سکندر سکندر! پلیز ڈاکٹر کو بلاؤ۔" ایمان نے سراسیمہ سا ہوتے ہوئے چیخ کر دروازے سے باہر کھڑے سکندر کو پکارا تھا۔

"سکندر......! وہی تو تھا اس بے زاری کا باعث۔" لاریب کے اعصاب پر جیسے کسی نے ایک کوڑا بہت بے دردی سے برسایا تھا۔ وہ گویا بلبلا اٹھی۔ اور بہت بے دردی سے ہونٹوں کو کچلا۔

"باجو فار گاڈ سیک کسی کو مت بلائیں' مجھے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ یونہی ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بولی تھی۔ ایمان نے پلٹ کر دھندآلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں لاریب! کیوں یہ سب کر رہی ہو؟ تمہیں بابا سائیں کی پریشانی کا اندازہ ہے؟ کسی ایک شخص پر آ کے زندگی ختم نہیں ہوجاتی۔ عباس جیسے ہزاروں ملیں گے۔" ایمان کا لہجہ تندی اور شدت لیے تھا۔ لاریب ساکت ہونے لگی۔ (انہیں کیسے پتا چل گیا اتنا چھپانے کے باوجود...... آہ مگر وہ ریجکشن وہ اذیت اور آپ کو کیا پتا باجو! عباس پوری دنیا میں صرف ایک تھا' ایک ہے' کوئی اور اس جیسا نہیں۔ یہ تو ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ کو کیا پتا؟ آپ نے محبت نہیں کی۔ آپ کو کیا پتا آپ نے ہجر نہیں جھیلی۔ آپ نے نارسائی کا عذاب نہیں سہا۔) وہ اذیتوں کے پل صراط طے کرتی رہی۔ تبھی سکندر ڈاکٹر کے ساتھ اندر چلا آیا۔ پریشان' مضطرب اور بے کل بے کل سا۔ اس نے ایک محتاط قسم کی خائف سی نگاہ لاریب پر ڈالی اتنا تو بہرحال وہ بھی جان گیا تھا اس طرح جان پر کیوں کھیلی ہے وہ۔ ساری خوشی ساری سرشاری دھری رہ گئی تھی' وہ پھر سے احساس کمتری' احساس ندامت کا شکار ہونے لگا تھا۔

"بابا سائیں کہاں ہیں؟" ڈاکٹر کو نرس کے ساتھ لاریب کو ٹریٹمنٹ دیتے دیکھ کر ایمان کو خیال آیا تو سوال کیا۔ سکندر سب کچھ بھلائے لاریب کو دیکھ رہا تھا جو آنکھیں موندے نڈھال سی پڑی تھی اس سوال پہ سنبھلا۔

"نماز پڑھنے مسجد گئے ہیں۔" مختصر سا جواب بہت دھیمے انداز میں دے کر وہ پھر سے ہونٹ بھینچ گیا۔ لاریب کے معاملے میں بہت احتیاط برتی گئی تھی۔ خاص طور پر بڑی حویلی پیر کرامت علی شاہ کی فیملی سے۔ وہ صرف بھائی

نہیں بیٹیوں کے سسر بھی تھے اور اس نازک معاملے میں رازداری کی وجہ بھی یہی تھی۔ باہر کے لوگوں میں سے اگر کوئی اور انوالو تھا تو وہ صرف سکندر تھا اور سکندر سے تو کبھی بھی کوئی بات پوشیدہ رکھی ہی نہ گئی تھی۔

"ایمان بی بی ان کا خیال رکھیے' خلاف مزاج فی الحال کوئی بات مت کیجیے گا۔ نقصان کا باعث ہوسکتی ہے۔" ڈاکٹر نرس کے ساتھ کمرے سے گیا تو سکندر نے گویا ایمان سے التجا کی تھی۔ ایمان نے ایک گہرا سانس بھر کے نشآور دواؤں کے زیر اثر غافل ہوجانے والی لاریب کو دیکھا اور افسردگی سے مسکرادی۔

"ہاں سکندر مجھے پتا ہے تم فکر نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں' بابا سائیں نے صدقے کے بکرے کا کہا ہے' آپ کو کچھ کام ہے تو بتادیں۔" وہ سادگی سے استفسار کرتا سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگا۔

"ایسے نازک موقع پر تو صرف دعاؤں کی ضرورت ہے سکندر اگر ہوسکے تو......"

"آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے ایمان بی بی! اس گھر کی عزت پریشانی سب میں میرا حصہ ہے۔" وہ ایمان کی آواز کی بھراہٹ کو محسوس کر کے نرمی سے بولا۔ ایمان کے چہرے پر طمانیت اور تشکر بکھر گیا۔ اس نے ممنون و مشکور نگاہوں سے سکندر کو دیکھا اور آہستگی سے سر ہلا دیا۔ سکندر پلٹ کر جا رہا تھا۔

❀......❀......❀
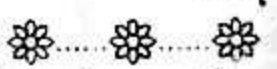
[illegible] معروف شخصیت تھا جبھی اس کی شادی کی تقریبات کو خصوصی کوریج دی گئی تھی۔ عباس نے عریشہ کی تصاویر کو رسائل اور میگزین کی زینت بنانا پسند نہیں کیا تھا بلکہ جہاں تک فوٹوگرافرز اور مووی میکرز کی رسائی عریشہ تک تھی وہ بھی [illegible] تھی۔ البتہ ان کی شادی کا خصوصی چرچا ضرور ہوا تھا۔ ہر چینل لمحے لمحے کی خبر ناظرین تک پہنچا رہا تھا۔ عباس حیدر نے اپنی وہ نئی کوٹھی مہر میں عریشہ کو دی تھی جس میں وہ اسے بیاہ کر لایا تھا۔ عریشہ کی قسمت پہ رشک کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی تو حسد اور

نایاب سید

چپ چاپ گزر جاتی درد کی منزل
جو تم راستے سے بلا نہ لیتے تو

آداب عرض ہے' ہم نایاب سید ہیں' پہچان لیا نا' ہاں کیوں نہیں پہچانیں گے دوست ہوں آپ کی سب سے جدا' ہے نا۔ میں اکلوتی ہوں میرا اسٹار حمل ہے' بہت خوش مزاج ہوں' ہر وقت ہنستی رہتی ہوں۔ دوست بنائے بہت مگر کوئی راس نہیں آیا۔ بس جی اپنی زندگی اب کیسے آپ کے سامنے رکھوں' میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں خواب تو بہت سارے ہیں لیکن ایک خواب جس کی جستجو ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے آخر عقل مند جو ٹھہرے۔ رنگوں میں مجھے سفید رنگ بہت پسند ہے۔ سادہ سا دل ہے ہمارا' کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی لیکن لوگ ہمیں چوٹ ضرور دیتے ہیں۔

ہماری مسکراہٹ ہی چھین لی اس بے وفا زمانے نے
کوئی غور سے دیکھے بھی تو رونا آجاتا ہے

جلن کا شکار لوگ بھی کم نہیں تھے مگر وہ دونوں ہر قسم کے احساس سے بے نیاز بہت خوش' مگن اور سرشار تھے۔ عباس تمام رسموں کی ادائیگی کے بعد اپنے کمرے میں آیا تو ایئرفریشنرز اور گلابوں کی ملی جلی خوشبو نے اس کا استقبال کیا تھا۔ ہزاروں روپے عباس نے صرف بیڈروم کی ڈیکوریشن پر صرف کردیئے تھے۔ ایسی ڈیکوریشن اور آرائش کہ شاید ہی اس سے قبل کی گئی ہو۔ اس رات کو حسین تر بنانے کے لیے عباس نے شہر کے سب سے مہنگے اور مشہور انٹیریئرز سے اپنا ویڈنگ روم ڈیکوریٹ کروایا تھا جبکہ لاکھوں کا فرنیچر اس کے علاوہ تھا۔ جب عریشہ بیڈروم میں داخل ہوئی تو دروازے کے اندر سے خود بخود گلاب کے پھولوں کی اس پہ بارش ہونے لگی اور جب وہ گلاب اور چنبیلی کے اصلی پھولوں سے بھرے بیڈ پر بیٹھی تھی تو اطراف میں مخملیں ہلکے گلابی پردے جن پر خوب صورت گلاب کی کلیاں بنی تھیں نیچے آ گرے اور مسہری چھپر کٹ میں بدل گئی تھی۔ ان کا ڈریسنگ روم انتہائی خوب صورتی سے سجا تھا۔ شیشے کا

حیرت کدہ بنایا گیا تھا چاروں دیواریں شیشے کی تھیں۔ یہ سب کچھ عریشہ پہ اس کی اہمیت اور خاصیت کو خوب اجاگر کر رہا تھا۔ عباس حیدر جب کمرے میں آیا تو اس کی شوخ نگاہوں کے بے باک مچلتے تقاضوں سے عریشہ نے گھبرا کر شرما کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے مگر عباس کی شوخ جسارتوں پہ بند باندھنا اس کے بس سے باہر ہی تو تھا۔ عباس حیدر کی شدتوں اور وارفتگیوں نے ہی تو اسے باور کرایا تھا وہ اس کے نزدیک کس قدر اہم خاص اور ضروری تھی۔

عباس حیدر نے اسے جو رونمائی گفٹ دیا تھا اسے دیکھ کر تو عریشہ صحیح معنوں میں مغرور ہو اٹھی تھی۔ بے حد خوب صورت اصلی ہیرے کا بریسلیٹ اور لاکٹ سیٹ جیسے عباس نے اپنے ہاتھ سے پہنائے تھے۔ عباس نے وائٹ گولڈ میں ڈائمنڈ اور پرل رکھوائے تھے۔ عریشہ کی آنکھیں ان چاہتوں کو پا کر بھیگنے لگی تھیں۔ عباس نے اس کی آنکھوں کی نمی کو محسوس کیا تو بے چین ہو اٹھا تھا۔

"واٹ ہیپنڈ عریشہ!"

"تھنگ!" وہ بھیگی پلکوں سمیت مسکرائی۔

"تم روئیں کیوں؟"

"عباس مجھے تمہاری محبتوں کی شدتیں خوفزدہ کرنے لگی ہیں۔ دامن تنگ پڑتا محسوس ہوتا ہے۔ تمہیں پتا ہے عباس! مجھے چند سال پہلے کسی نے ایک بات کہی تھی۔"

"کیا بات؟" عباس تکیے کے سہارے نیم دراز تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ میں بہت لمبا عرصہ تک خوشیاں نہیں پا سکوں گی۔" وہ افسردہ تھی۔ عباس کی پیشانی پہ ناگواری شکنوں کی صورت سمٹ گئی۔

"یہ کیا فضول بات ہے۔ یونو غیب صرف رب جانتا ہے اور......"

"عباس میں بھی تو ہم پرست نہیں ہوں مگر مجھے ڈر......"

"ہر فضول بات اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ہم ان شاء اللہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور خوش بھی چلو اب مسکراؤ۔" عباس نے اس کا گال نرمی سے سہلا کر کہا تو عریشہ ہنس کے مسکرا دی مگر اس کا دل بھاری ہی رہا تھا۔

❁......❁......❁

آنکھوں پہ بازو رکھے وہ ساکن لیٹی تھی۔ آنکھوں پر دھرا بازو بھی گویا ایک آڑ ایک پردہ تھا ان آنسوؤں کو چھپانے کی غرض سے جو روکے نہ رکتے تھے۔ دل تھا کہ ٹوٹ ٹوٹ کر وجود میں بکھرتا تھا کیسی بے کلی تھی، کیسی بے چینی، اضطراب ایسا گویا وجود کو کند چھری سے کاٹا جاتا ہو اور بے بسی سی بے بسی آنسوؤں پہ اختیار تھا، سو جی بھر کے بہائے تھے مگر جانے یہ غم کا کیسا سورج چڑھا تھا جسے زوال ہی نہ تھا۔ مام اس سے سخت خفا تھیں، یہ ان کی خفگی کی شدید ترین انتہا تھی کہ انہوں نے موت کے منہ سے واپس لوٹ آنے والی نندنی سے کلام کرنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

"ایسا مت کریں مام! اسے ایسی سچویشن میں آپ کی توجہ محبت کے ساتھ آپ کے جذباتی سہارے کی بھی ضرورت ہے۔" انہیں ایسی باتیں سمجھانے والا دیو کے سوا کون ہوسکتا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ بندہ اس کے لیے اتنا مخلص تھا حالانکہ نندنی نے اس کی تحقیر اس کی ذلت میں کبھی بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر اس کا ضبط اس کا استقلال اسے جھنجلانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ شاید اس میں عزت نفس ہے ہی نہیں۔ وہ اکثر سوچتی اور کبھی یہ جان نہ پائی، محبت یونہی بے بس بے کس کر دینے والا جذبہ ہے۔

"میں اسے معاف نہیں کرسکتی دیو۔ ... کی طرح، اس نے بھی مجھے ڈسا تھا نا آج اس نے بھی......"

"مام پلیز! ایسی باتیں مت کریں۔ ... جاگ رہی ہو۔"

"تم مجھ سے فی الحال کچھ مت کہو دیو۔" انہوں نے لجاجت سے کہا مگر دیو باز نہیں آیا اور بار بار خود جیتا۔ مام نے اس سے بات کی تھی پیار بھی کیا مگر کون جانتا تھا نندنی کو کیا چاہیے تھا وہ تو کسی کے بھی بس کی بات نہ تھی شاید۔

"میں کیا کروں؟ کیا کروں میں ایسا کہ وہ مجھے مل جائے۔" اس کا جی چاہا اپنے بال نوچ ڈالے اپنے نقصان پہ بلند آواز سے بین کرے، محبت کی گمشدگی سے بڑھ کر بھی کوئی نقصان ہے؟ نہیں یہ نندنی سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔

"میم آپ جاگ رہی ہیں؟" مہین نسوانی آواز پر وہ جو خیالات کی خارزار وادی میں بھٹک رہی تھی چونک کے متوجہ ہوئی۔ پیازی کلر کا عبایا ہمرنگ بڑے سے اسکارف میں سر تاپا ملفوف وہ ڈاکٹر زینب خان تھی۔ اس کی معالج جس کے ہاتھوں تک پر سیاہ گلوز ہمہ وقت چڑھے رہتے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" نندنی کو اپنی سمت متوجہ پا کر وہ نرمی سے گویا ہوئی تھی۔ نندنی اسے دیکھے گئی۔ آف وائٹ اسکارف سے جھانکتی ان آنکھوں اور سیاہ ریشمی پلکوں کی باڑھ میں اتنا حسن سمٹا ہوا تھا کہ بے اختیار نندنی کا جی اس کا چہرہ دیکھنے کو مچل گیا۔ اپنی خواہش کی اس شوریدہ سری نے خود نندنی کو بھی ششدر کر دیا تھا۔

"مجھے حق تو نہیں ہے نندنی گریوال مگر کہنا چاہوں گی کہ ایسا کیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے خود زندگی جیسی خوب صورت نعمت کو ٹھکرا دیا تھا۔ سوسائیڈ تو کسی مذہب میں بھی اچھا فعل نہیں ہے نا؟" اس کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی بے حد متاثر کن تھی اور لب و لہجہ کا فسوں تو گویا دلوں پر سحر طاری کرتا تھا۔ جانے کیوں نندنی کا دل بھر آیا۔ ڈاکٹر زینب خان نے اس کی آنکھ کی پور سے چھلکتی نمی کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو سہلایا۔

"تم بھی یونہی گریوال!" نندنی نے جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر ڈاکٹر زینب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

"آر یو مسلم ڈاکٹر زینب؟"

"الحمدللہ رب العالمین۔" ڈاکٹر زینب نے نرمی سے کہا مگر نندنی سمجھنے سے قاصر رہی۔ ڈاکٹر زینب کو سر ہلانا پڑا تھا۔

وعدہ

وعدہ یہ تم وفا کرنا جاناں
بس مجھ سے ہی وفا کرنا جاناں
میں بس تجھ سے ہی محبت کرتی ہوں
تو زندگی بھر حقِ محبت ادا کرنا جاناں
یہ زمانہ تو جلتا ہے پیار کرنے والوں سے
تو اس زمانے کی پروا نہ کرنا جاناں
گر آتی ہے موت تو تیری بانہوں میں آئے
میری حیات ہے تیری بانہوں میں مرنا جاناں
تجھے پا کر جہاں بھر کی خوشی پائی ہے
کبھی ہر سُو اداسی وگرنہ جاناں
تیرے بھی دل میں بس میرا خیال رہے
اپنے دل سے مہناز کو کبھی جدا نہ کرنا جاناں

مہناز نجم شہزاد...... حیدرآباد

"میرے فادر کرسچن جبکہ مام ہندو ہیں۔ میں نے دونوں مذاہب کے مطابق اپنی خواہش کی تکمیل مانگی مگر......" وہ بات مکمل نہیں کرسکی۔ اس کی ہچکیاں بڑھنے لگی تھیں ڈاکٹر زینب نے آہستگی اور نرمی سے اس کا ہاتھ سہلایا۔ گویا ڈھارس بندھائی۔

"مجھ پر ایک احسان کردیں ڈاکٹر زینب! مجھے زندگی کی قید سے آزاد کرا دو، پلیز مجھے یہ زندگی نہیں چاہیے۔" وہ ایک دم سے بلک کر بولی۔ تو ڈاکٹر زینب کچھ مضطرب ہونے لگی۔

"نندنی گریوال! خود کو سنبھالیں ابھی آپ جذباتی ہو رہی ہیں ورنہ زندگی میں آپ کے لیے یقیناً بہت کچھ ہے۔"

"مم مگر میں...... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی......" وہ کچھ اور شدتوں سے رو پڑی۔

"کس کے بغیر؟" ڈاکٹر زینب نے پرسکون آواز میں سوال کیا۔

"وہ جو مجھے صرف ایک بار نظر آیا تھا۔ جسے میں نے بہت ڈھونڈا بہت کھوجا مگر...... مجھے اس سے محبت ہے

بہت محبت مگر وہ مجھے نہیں ملتا ایک بار بھی نہیں......" وہ وحشت زدہ ہی نہیں تھی بے ربط بھی تھی۔ ڈاکٹر زینب نے اپنے ہمراہ موجود نرس کو اشارہ کیا جسے سمجھتے ہوئے نرس نے انجکشن میں دوا بھری اور تیار انجکشن ڈاکٹر زینب کے اشارے پہ اس کی بے خبری کے عالم میں نندنی کے بازو میں لگا دیا۔ مسکن دوا کے اثر سے وہ اگلے چند لمحے بعد پرسکون نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

"اب یہ چند گھنٹے بعد اٹھیں گی تو پرسکون ہوں گی ڈونٹ وری۔" ڈاکٹر زینب خان نے سریتا دیوی کو مخاطب کیا جو نندنی کی زبان سے ہونے والے انکشافات سے ساکن و صامت کھڑی تھیں۔ اللہ جانے ڈاکٹر زینب کی بات بھی انہوں نے سنی تھی یا نہیں۔

......☆☆☆......

"لاریب یوں کب تک چلے گا؟" ایمان نے اس کے مقابل بیٹھ کر بہت محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ لاریب کی آنکھیں جو ضبط کی کوشش میں سرخ تھیں۔ بہت تیزی سے بھیگتی چلی گئیں۔ ایمان نے اس کی بدلتی کیفیت دیکھی اور ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"یہ سب کچھ نیا تو نہیں ہے لاریب! چار سال بیت چلے ہیں تم چار سالوں سے جانتی تھیں کہ وہ تمہارا نہیں رہا تمہیں نہیں مل سکتا پھر اب......؟ اب نیا کیا ہوا؟"

"وہ شادی کر چکا ہے باجو! اس آس کو توڑ دیا ہے اس نے جو میرے دل نے کبھی ٹوٹنے نہیں دی تھی۔ میری ساری دعائیں عرش سے بغیر قبولیت کے لوٹا دی گئیں عمر بھر کی نارسائی نصیب ٹھہری ہے اور......" وہ ایک دم یوں خاموش ہوگئی جیسے بروقت خود پہ قابو پایا ہو۔ ایمان اسے بغور دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پہ وحشت اور ہراس یکلخت گہرا ہوگیا تھا جو یقیناً کسی سوچ کسی خیال کی غماز تھی۔

"اور کیا؟ لاریب اس ایک نقصان کے علاوہ اور کون سا نقصان ہوا ہے تمہارا کیا کھویا ہے تم نے مجھے بتاؤ دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔" لاریب کے چہرے پہ لمحہ بھر کو تاریکیاں چھا گئیں۔ اس نے بوکھلا کر ایمان کی صورت دیکھی، وہاں بے خبری تو تھی مگر جاننے کی بے قراری کے ساتھ۔ اس کا بے اوسان پھڑ پھڑاتا دل ذرا سا سنبھلا۔ یہ ایسی بات ہرگز نہیں تھی کہ کسی کو شریک راز کیا جاتا۔ ابھی تو شرمندگی اور پچھتاوے کے کرب سے وہ خود باہر نہیں آسکی تھی۔

"جتنا بڑا بھی دکھ ہو اس کا احساس عمر بھر ساتھ نہیں چلتا۔ وقت ہر زخم پر مرہم رکھتا ہے۔ تم بھی اسے بھول جاؤ گی ڈونٹ وری۔" ایمان نے گویا اسے سمجھایا تھا، وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموش پر ملول سی سر جھکائے ناخن سے ٹیبل کی سطح کھرچتی رہی۔

"تم نے دوا لی...... کھایا بھی یقیناً کچھ نہیں ہوگا؟" ایمان کو خیال آیا پھر کھانے کی ٹرے جوں کی توں دیکھ کر اس نے شاکی نظریں اس پر جمائیں۔

"لاریب تمہیں کیا لگتا ہے اس طرح کرکے تم صرف خود کو نقصان پہنچا رہی ہو؟ بابا سائیں کی پریشانی کا تمہیں اندازہ ہے؟ بہانہ بنایا تھا میں نے کہ وہ سلیپنگ پلز تم نے غلطی سے پھانک لی تھیں۔ اب تمہارے یہ انداز و اطوار ان پہ کیا ثابت کر رہے ہیں تم سمجھ تو سکتی ہو۔"

"باجو آپ مجھے کچھ دیر کے لیے تنہا نہیں چھوڑ سکتیں۔" اس نے عجب بے کسی بے چارگی سے کہا تو ایمان کی آنکھوں میں حدت سمٹ آئی۔

"نہیں ہرگز بھی نہیں۔ میں تمہیں تمہارے حال پہ نہیں چھوڑ سکتی سنا تم نے۔" اس سے قبل کہ لاریب جواب میں کچھ کہتی بابا سائیں کے ساتھ سکندر اور ڈاکٹر صاحب دروازہ ناک کرکے اندر چلے آئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی بیٹا؟" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر سوال کیا۔ لاریب کے اعصاب سکندر کی آمد کے ساتھ ہی کشیدہ ہوگئے تھے۔ سکندر کی بہت محتاط انداز میں اٹھی نگاہ اس کے چہرے پر ہی جمی رہ گئی تھی۔ محض تین چار دنوں میں ہی وہ کیسے نچوڑ کر رکھ دی گئی تھی۔ سحر طراز آنکھوں کے پپوٹے بوجھل اور ورم آلود تھے، آنکھوں کے نیچے سیاہ گہرے حلقے، ستا ہوا چہرہ پپڑی زدہ ہونٹ، سکندر کو جیسے دل پہ گھونسہ لگا تھا۔ وہ کتنی بے دردی سے ہونٹ چبا رہی تھی جیسے خود پر جبر کر رہی ہو اور یہ جبر یقیناً سکندر کی وہاں موجودگی تھی۔ احساس ہوتے ہی وہ الٹے قدموں پلٹا۔

"سکندر کہاں جا رہے ہو؟ ڈاکٹر صاحب جو دوائیں لکھیں گے وہ نسخہ لے کر جانا پتر!" بابا سائیں اس سے کہہ رہے تھے۔ سکندر کو نا چاہتے ہوئے بھی ٹھہرنا پڑا۔ البتہ پھر نظر بھر کے لاریب کی بے بسی کو اس سے دیکھا نہیں گیا تھا۔ شہر کے کیمسٹ سے دوائیں لے کر وہ واپس لوٹا تو بھی اسی کیفیت کے زیر اثر تھا۔

"سکھاں یہ دوائیں بی بی صاحبہ کو پہنچاؤ اور سنو ان سے پوچھنا مزید کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" وہ اس وقت خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ جبھی اب گھر لوٹ جانا چاہتا تھا۔ سکھاں نے اس کا بڑھایا لفافہ تھامنے سے اجتناب برتا تھا اور جلدی سے بولی تھی۔

"سکندر سائیں بڑی بی بی صاحبہ نے کہا تھا آپ آؤ تو آپ کو وہیں ان کے پاس بھیج دوں۔ شاید کچھ کام ہو جی۔" سکھاں کے پیغام نے سکندر کے اندر سرسراتی تھکن کو یکدم بڑھاوا دیا۔ وہ ڈھیلے قدموں سے گریزاں سا ایمان کے کمرے کی جانب آیا۔ حالانکہ جانتا تھا آج کل ہر پل ایمان لاریب کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ پھر بھی وہ جیسے اس صورت حال سے فرار چاہ رہا تھا۔ ایمان کمرے میں نہیں تھی البتہ ملازمہ اس کے کمرے میں موجود تھی اور صفائی کر رہی تھی۔ اسی نے بتایا تھا ایمان لاریب کے کمرے میں ہے۔ سکندر گہرا سانس بھرتا اسی سمت ہو لیا تھا۔

"آجاؤ سکندر۔" دستک کے جواب میں ایمان کی مخصوص سی آواز ابھری گویا اس کی آمد کی منتظر تھی۔ سکندر نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ ایمان، امامہ اور لاریب تینوں ہی موجود تھیں ایمان فروٹ کی باسکٹ سامنے رکھے سیب کاٹ رہی تھی۔

"سائیں میڈیسن بہت دیر لگا دی تم نے؟"

"آپ کو کچھ کام تھا بی بی صاحبہ!" سکندر کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے دواؤں کا لفافہ میز پر رکھ دیا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد مجھے یاد آیا تھا سکندر کہ میرے کچھ سوٹ ٹیلر کے پاس ہیں۔ خیر یہ کارڈ رکھ لو جب شہر جاؤ تو یاد سے لیتے آنا۔" ایمان نے سیب کی چھلی ہوئی قاش پلیٹ میں رکھ کر بیڈ کی دراز سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ جسے سکندر نے ذرا سا جھک کر اٹھا لیا تھا۔

"ابھی آپ کو ضرورت ہے تو میں ابھی لا دیتا ہوں۔ شاپ کھلی ہوگی۔" یہ سعادت مندی اس کی حیثیت کی متقاضی تھی۔ ایمان مسکرا دی۔

"نہیں بھئی اب ایسی خاص ضرورت بھی نہیں۔"

"جی بہتر میں......"

"تم...... تم...... کیوں آرہے ہو بار بار؟ میری بے بسی کا تماشا دیکھنے؟" سکندر کی بات مکمل نہیں ہوسکی تھی، اپنے دھیان میں واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آتی لاریب کی نظر اس پہ پڑی تھی اور وہ جیسے غم و غصے اور نفرت کے ملے جلے احساسات سمیت اسے روبرو پاتے ہی پاگل ہو اٹھی تھی۔ سکندر کو دیکھنا اس کا سامنا کرنا اس وقت گویا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ وہ اس کی شکست اس کی انا و خودداری اور نقصان کا سب سے بڑی وجہ تھا۔ اور اب بار بار اس کا سامنا گویا اسے اپنے منہ پر اپنی ہار محسوس ہو رہی تھی۔ ضبط چھلکا تھا اور وہ ہیجانی ریلے میں بہہ کر ایک بار پھر حواس گنوا چکی تھی۔ سکندر کا گریبان اس کے ہاتھ میں تھا جو اس کے ایک ہی جھٹکے سے دامن تک چرتا چلا گیا۔ ٹوٹتے بٹن یہاں وہاں بکھرے تھے۔ سکندر اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایمان اور امامہ بھی ششدر رہ گئیں۔

(جاری ہے)

مجھے حکم اذان

ام مریم

وہ خواب تھا بکھر گیا' خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا' یہ کیوں بجھا پتا نہیں

ہر ایک دن اداس دن' تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے کہ جیسے کچھ بچا نہیں

آنچل اسٹاف' ڈیئر قارئین اور میری قابلِ احترام ساتھی مصنفین 'السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ! دعا ہے اللہ پاک آپ سب پہ ہمارے پیارے ملک پر اور خاص طور پر کراچی پر ہمیشہ مہربان رہے اور امن وسلامتی اور تحفظ جیسی دولت سے مالا مال فرمائے آمین ثم آمین۔

اپنی شخصیت کے بارے میں آپ کی رائے؟

پہلا ہی سوال اتنا سخت اور کڑا تھا کہ میں مشکل میں پڑ گئی ہوں۔ اپنے بارے میں یہی کہوں گی' بامروت بھی ہوں' غصہ بھی بہت شدید آتا ہے' زیادتی برداشت نہیں کر سکتی' ناانصافی نہیں دیکھ سکتی۔

تعلیمی قابلیت؟

صرف ایف اے کیا ہے' قرآن پاک کو ترجمہ سے پڑھا ہے' یہی اصل اور بہترین علم ہے جس کی بدولت اللہ نے میری زندگی بدل دی۔

تحریری سفر کب شروع کیا؟

تحریری سفر کا آغاز تو کم عمری میں ہو گیا تھا۔ یہ 2000ء کی بات ہے جب پہلی مرتبہ اک نظم کہی تھی پھر 2002ء کی بات ہے جب اگست میں پہلا ناول لکھا۔ وہ تحریر شاید آج بھی میرے پاس پڑی ہو' جسے پڑھ کر میں خود بھی اب ہنستی ہوں مگر پہلے میں پڑھ کر روتی تھی کہ میں کبھی اچھا نہیں لکھ سکتی۔ باقاعدہ چھپنے کا آغاز آنچل سے ہوا دو حصوں کا ناول تھا "بس اک بجن ہرجائی" جو کہ جون 2007ء میں شائع ہوا اور میری توقع اور امیدوں سے کہیں زیادہ پذیرائی اور پسندیدگی حاصل کر گیا۔ یہ کرم تھا اللہ کا' میں نے تعلیم کو خیرباد کہہ کر لکھنے کی جانب توجہ کر لی تھی۔ آنچل سے ہونے والا آغاز آگے بڑھا اور شعاع' کرن' خواتین' حنا' دوشیزہ وغیرہ کی جانب عازم سفر ہوا اور الحمدللہ جاری ہے۔

موجودہ مصروفیات

میری مصروفیات جب سے ناولز چھپنے شروع ہوئے ہیں صرف لکھنا پڑھنا ہی ہے۔ میں اپنی پسندیدہ رائٹرز کو پڑھتی ہوں یا لکھتی ہوں۔ میں اک ناول کو دو سے تین مرتبہ لازمی لکھتی ہوں۔ یہ ساری میری تحریریں ناپختہ ذہن کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں' جنہیں میں اب نئے سرے سے نوک پلک سنوار کر اور کچھ تبدیلیاں کر کے لکھتی ہوں۔ میں نے حنا کے سلسلے وار ناول "میرے ساحرے کہو" کو تین بار' اور "تم آخری جزیرہ ہو" کو دو بار لکھا ہے۔ میں اب آنچل میں چھپنے والے ناول "مجھے ہے حکم اذاں" کو تیسری بار لکھ رہی ہوں' وجہ اپنی تحریر کو مزید نکھار مزید دلکشی دینا ہے۔ میری آئیڈیلز رائٹرز وہ ہیں جن کا معیار پہ سمجھوتہ نہیں' میں بھی ویسا ہی شاندار کام کرنا چاہتی ہوں' یہ اللہ کی ہی مدد ہے کہ میں آج اس مقام پہ ہوں۔

مشاغل و شوق

یہ تو میں بتا ہی چکی ہوں کیا مشاغل ہیں' ہاں شوق مجھے اچھا بننے کا ہے' جو پورا ہی نہیں ہو رہا' ہاہاہا۔ شوق بدلتے رہتے ہیں ویسے امی کے پاس بیٹھنے کا بھی شوق ہے جو ہمیشہ کا ہے' مجھے ان سے بہت محبت ہے' میں ان کو نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں' اللہ پاک میرے بابا اور امی کو صحت تندرستی اور دراز باعمل عمر نصیب فرمائے آمین۔

پسند ناپسند

مجھے سچ بولنا سچ سننا پسند ہے' مجھے ماحول اور فضا میں صفائی اچھی لگتی ہے۔ سلیقہ پسند ہے' محبت پسند ہے' مجھے انڈین موویز' انڈین ڈرامے بالکل پسند نہیں۔ پاکستانی ڈرامے اچھے لگتے ہیں مگر اچھی کہانی اور پسندیدہ اداکاروں کے ساتھ۔ دوست بنانا پسند ہے مگر مجھے مخلص دوست بہت کم ملے' یہی قلق ہے۔

خوبیاں' خامیاں

پھر مشکل سوال خوبیاں...... بہت کم ہیں' سچ بولتی ہوں' مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتی مذاق کرنا ہی نہیں آتا شاید طبیعت کی سنجیدگی کی وجہ سے یہ حس ہی نہیں۔ دین کو سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق ہے تھوڑی سی' یہ بھی اللہ کی مہربانی اور اللہ کی توفیق ہے۔ خامیاں مجھ میں بہت ہیں' بے پرواہوں' معاملہ فہم نہیں ہوں' احمق ہوں بالکل' ہر شے پہ نگاہ بے حد سرسری ہے' آسانی سے کسی سے بھی دھوکہ کھا جاتی ہوں۔ جب لکھتی ہوں تو اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی حتیٰ کہ کھانے کے وقت پہ کھانا بھی نہیں کھاتی' اسی وجہ سے امی کی شدید ناراضی سہنی پڑتی ہے کہ وہ میرے اس جنون کو جو لکھنے کے متعلق ہے بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔

سالگرہ کا دن کیسے مناتی ہیں

آپ یقین کریں کہ آج تک ایک بھی سالگرہ نہیں منائی' بچپن میں امی بابا نے کبھی اس کا اہتمام نہیں کیا۔ یہ غیر شرعی رسم ہے' ہمارا گھرانہ کسی حد تک روایت پسند ہے۔ جب بچپن گزرا تو لڑکپن میں یہ شوق یہ لیکن ضرور تھی مگر امی کی خفگی کے خیال نے یہ قدم اٹھانے کی جرأت نہیں دی' اب باشعور ہونے کے بعد یہ کام اگر نہیں کیا تو وجہ اللہ کی ناراضی ہی ہے۔ آنچل سے مجھے بہت محبت ہے' میں شکر گزار ہوں اپنے رب کی کہ اس نے میری یہ دیرینہ خواہش پوری کی اور میرا یہ ناول آنچل کی ہی زینت بنایا ہے۔ آنچل کو اللہ پاک لمبی زندگی دے' یہ یونہی پھلتا پھولتا اور ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے آمین۔

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے' جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ہے' باپ کرسچن جب کہ ماں ہندو ہے۔ نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں جب کہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں قبل نندنی امریکا میں کسی ایشین مرد سے ملتی ہے' جس کی شخصیت کا سحر اس قدر طاری ہو جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتی رہتی ہے۔ دیو نندنی کی ماں سریتا دیوی کے دوسرے شوہر کا بیٹا نندنی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے' سریتا دیوی نندنی کو دیو سے شادی کرنے کے لیے مجبور کرتی ہیں' جس پر نندنی دل برداشتہ ہو کر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا دوسرا اہم کردار عباس حیدر جس کی نسبت بچپن سے ہی اپنے چچا کی بیٹی لاریب سے طے ہے' اپنی خاندانی روایات کی پاسداری نہ کرتے ہوئے شوبز جوائن کر لیتا ہے' جس پر سارا خاندان اس سے قطع تعلقی اختیار کر لیتا ہے' عباس کے جانے کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے' دوسری طرف عباس عریشہ سے شادی کرتا ہے' ان کی شادی کی خبر سن کے لاریب شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور حویلی کے خاص ملازم سکندر جو گھر کے ایک فرد کی طرح ہے' اسے شادی کے لیے خود پرپوز کرتی ہے' سکندر لاریب کو چپکے چپکے دل میں پسند کرتا ہے اور لاریب کی ذہنی حالت وصدمے کے آگے ہار مانتے ہوئے اس سے کورٹ میرج کر لیتا ہے۔ لاریب عباس کو اپنی اور سکندر کی شادی کی خبر فون پر سناتی ہے' جس پر وہ حسد کرنے کے بجائے مبارک باد دیتا ہے جب ہی لاریب کو شدت سے اپنی غلطی اور سکندر کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے' جس پر وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا تیسرا اہم کردار شرجیل جس کا تعلق جوائنٹ فیملی سے ہے' خاندان میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس کی بجاز ادعلینہ جو واجبی شخصیت کی مالک ہے' شرجیل کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگتی ہے مگر شرجیل پہلے سے ہی ایمان کو پسند کرتا ہے' جس کی نسبت پہلے سے ہی وقاص سے طے ہے' لاریب خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے جب کہ سکندر اس کے انتہائی قدم پر ششدر رہ جاتا ہے۔ لاریب کے گھر آنے کے بعد سکندر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں اور ایمان کے سامنے ہی اس پر بگڑ پڑتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

"کیوں آتے ہو بار بار میرے سامنے؟ بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا؟ اگر تم مجھے یہ باور کرانا چاہتے ہو تو یاد رکھو میں ہاری ہوں نہ ہاروں گی' تم میری جوتی کی نوک پر تھے اور رہو گے تجھے؟" وہ دھان پان سی لڑکی شدت غیظ میں آ کر کچھ اس طرح آپے سے باہر ہوئی کہ سکندر جیسے اونچے قد کے آدمی کی حیثیت گویا اس کے سامنے پلاسٹک کے گڈے سے بڑھ کر

نہیں رہ گئی تھی۔ امامہ اور ایمان کی حیرت وغیر یقینی پر بدحواسی غالب آئی اور دونوں افتاں وخیزاں اٹھ کر گرتی پڑتی ان کی جانب بھاگی تھیں۔

"لاریب...... لاریب چھوڑو اسے۔ پاگل ہوگئی ہو۔ چھوڑو۔" ایمان نے بامشکل اس کے ہاتھوں سے سکندر کا گریبان چھڑوایا۔ اس کوشش میں وہ جیسے ہلکان ہوگئی تھی۔ خود لاریب کی حالت بھی بہتر نہ تھی۔ دھونکنی کی مانند چلتی سانسیں اور اتھل پتھل دھڑکنیں آنسوؤں سے دھندلائی آنکھیں جن کی حدتیں اور سرخیاں بے پناہ تھیں۔

"اسے یہاں سے نکال دیں، بجو ورنہ میں اسے شوٹ کردوں گی یا خود کو...... اسے یہاں سے بھیج دیں۔" وہ اب زور زور سے رو رہی تھی۔ ایمان کو اس پر طیش کے ساتھ رحم بھی آیا۔

"سکندر پلیز تم جاؤ۔" ایمان نے کچھ الجھے اور شرمندہ سے انداز میں سکندر سے نظریں چرا کر کہا۔ سکندر جو سختی سے ہونٹ بھینچے بالکل خاموش کھڑا تھا یونہی لب بستہ پلٹ گیا۔ ایمان نے بستر پر گر کر زار وقطار روتی ہوئی لاریب کو متاسفانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ امامہ اسے سنبھالنے میں مشغول تھی۔ ایمان کچھ دیر اسے تکتی رہی پھر وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔ لاریب کا شدید ترین رویہ اب اسے ٹھٹکا چکا تھا۔ وہ ہرٹ عباس کی وجہ سے تھی مگر اس کا اشتعال سکندر سہہ رہا تھا۔ کیوں؟ اگر وہ یہ کہہ کر دل کو ڈھارس بھی دے لیتی کہ پانی بہہ کر ڈھلان کی سمت ہی جاتا ہے تب بھی سکندر کا خائف انداز اسے مشکوک بنانے لگتا تھا۔ کیا سکندر بھی اس معاملے میں انوالو تھا؟ وہ جتنا سوچتی اسی قدر الجھ رہی تھی۔

"باجو آپ بجو کو سنبھالیں نا یہ روئے جارہی ہیں۔" امامہ گھبرا کر اس کے پاس آئی۔ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا پھر ٹھنڈا سانس بھرا۔

"رونے سے نصیب اگر بدلا کرتے تو دنیا میں شاید کوئی بھی نامراد نہ ہوتا۔ کچھ وقت لگے گا اسے بھی اس حقیقت کو سمجھنے میں۔" اس نے رنجیدگی وتاسف سے کہا اور اٹھ کر لاریب تک آ گئی۔

"عباس حیدر کی زیادتی معاف کرنے کے لائق نہیں ہے لاریب اور میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اپنے طور اس کا بدلہ ضرور لوں گی۔"

"کیا کریں گی آپ؟ کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔" وہ چیخ پڑی۔

"یہ آنے والا وقت بتائے گا میں کیا کروں گی لیکن پلیز لاریب تم خود کو سنبھالو۔ تمہیں بہت اسٹرانگ بننا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"میں بہت ٹوٹ گئی ہوں باجو!" وہ پھر سے سسکیاں بھرنے لگی۔ ایمان نے بڑھ کر اسے خود سے لپٹالیا۔ لاریب تو جیسے سہارے کی منتظر تھی بے ساختہ پھر سے بلک اٹھی۔

"آج ایک ہی بار سارے آنسو بہالو لاریب۔ میں دوبارہ تمہیں کبھی عباس کے لیے روتے نہ دیکھوں۔" وہ نرمی و آہستگی سے اس کا سر تھپکتے ہوئے بولی۔

(اس شخص نے تو میری ساری زندگی کو آنسو بنادیا ہے باجو! آپ کو کیا بتلاؤں میں کیا کر بیٹھی ہوں۔ عباس نے ایسی شکست سے دوچار کیا ہے کہ خود سے نگاہیں ملاتے بھی شرم آتی ہے) وہ اس کے کاندھے سے لگی ہچکیاں بھرتی رہی۔

❁......❁......❁

"کیا سوچا تم نے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں؟" دیو کے منع کرنے کے باوجود بھی سریتا دیوی اگر نندنی کے پاس آ کر اشتعال میں یہ سوال کررہی تھیں تو اس کا مطلب یہی تھا اس انکشاف نے جو آگ ان کے من میں بھڑکائی تھی اس کی تپش کم نہیں ہوئی بلکہ انہیں وہ بڑھ کر الاؤ میں تبدیل ہوتی محسوس ہورہی تھی۔ نندنی نے ایک نظر ان کے تنے ہوئے نقوش والے سخت چہرے کو دیکھا جس پر کسی قسم کی بھی کوئی گنجائش نہیں تھی اور بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سر جھکالیا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے؟" اس کی خاموشی نے گویا صحیح معنوں میں انہیں آگ لگادی تھی جبھی وہ بھڑک کر بولی تھیں۔

"جب آپ سب کچھ جان چکی ہیں تو پھر مجھ سے یہ سب جاننے کا مقصد؟" نندنی کی خاموشی ٹوٹی۔ اس کا لہجہ گہری کاٹ لیے طنز آمیز تھا۔ سریتا دیوی کو جیسے سر پر لگی تھی۔

"تم بہت بدتمیز ہوگئی ہو۔ بالکل اپنے ضدی اور اجڈ باپ پر گئی ہو۔" وہ پھنکار کر بولیں۔ نندنی نے تیوری چڑھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ کو میرے ڈیڈ سے اتنی ہی نفرت تھی تو پھر ان کا کوئی حوالہ اپنے ساتھ کیوں چپکالیا تھا۔ خوامخواہ خود بھی جلا کرتی ہیں اور مجھے بھی اذیت کا شکار کررکھا ہے۔ اپنی کوکھ سے

جنم دی گئی اولاد سے بڑھ کر آپ کو اپنے شوہر یعنی سوتن کے بیٹے سے محبت ہے۔ میں تو ایک بے کار فضول شے سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتی نا آپ کے نزدیک۔"

"بکواس مت کرو۔ تم بہت بولنے لگی ہو۔"

"یہ تلخ سچ ہے جسے برداشت کرنا شاید آپ کے بس کی بات نہیں؟" وہ جواباً چلائی تو سریتا دیوی کا غیظ اور بڑھا کہ کسی طرح بھی وہ خود کو اس پر ہاتھ اٹھانے سے باز نہ رکھ پائیں۔

"تمہاری یہ سرکشی وبدتمیزی از خود چغلی کھارہی ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس کی شہہ پر تم یہ بیہودگی کے مظاہرے کررہی ہو۔" نندنی کو ان سے اس انتہائی ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ اس کے نازک گال پر ان کی پانچوں انگلیوں کے نشان ثبت ہوگئے تھے وہ گال پر ہاتھ رکھے ایک سکتے کی حالت میں تھی کہ ان کے الفاظ کی سنگینی نے گویا اسے بھک سے اڑا کے رکھ دیا۔ اتنی بدگمانی اور شک نندنی کو لگا کہ وہ بیٹھے بیٹھے گڑھ گئی ہے۔

"میں آپ سے ڈرتی نہیں ہوں کہ جھوٹ بولتی پھروں اور سنیں مجھے افسوس ہے کہ آپ کا اندازہ غلط ہے کاش وہ مجھے ملا ہوتا اور میں اس کی شہہ پر یہ سارا کچھ کررہی ہوتی۔ اسی کی وجہ سے میں یہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئی ہوتی تب آپ کی یہ نام نہاد عزت داؤ پر لگتی تو آپ کو پتا چلتا سچ اور جھوٹ میں کیا فرق ہوتا ہے۔" رنج، سکتے اور دکھ کی کیفیت سے نجات ملی تو وہ ایک دم ہسٹریک ہوکر چلانے لگی۔

"میں اس کی نوبت آنے سے قبل ہی تمہارا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کردوں گی سمجھیں تم؟" سریتا دیوی نے اس کی بے حجابی اور بغاوت کو دیکھتے ہوئے غضب سے بھر کر اسے زور کا دھکا دیا۔ ان کا لہجہ اتنا سنگین اور سفاک تھا کہ کچھ لمحوں کو نندنی کو اپنا وجود سن ہوتا محسوس ہوا۔

"کیا کریں گی آپ؟ مار ڈالیں گی مجھے؟ میں آپ کو اس زحمت کا موقع نہیں دوں گی۔ میں خود یہ کام کرسکتی ہوں۔" وہ غرائی۔ اسے ساری زندگی کا غصہ جیسے انہی لمحوں میں آ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ سریتا دیوی کچھ سمجھتیں کچھ کرپاتیں وہ اٹھ کر اندھا دھند بھاگی اور ٹیرس کا دروازہ کھول کر بالکنی میں چلی آئی۔ سریتا دیوی کچھ بدحواس ہوکر اس کے پیچھے لپکیں مگر جب تک وہ ٹیرس کے دروازے پر پہنچیں نندنی بالکونی کی چھت سے خود کو نیچے گراچکی تھی۔ سریتا دیوی نے خود کو خوف اور غیر یقینی سے فضا میں معلق محسوس کیا۔ وہ گویا شاکڈ کھڑی لمحوں میں بدل جانے والی صورت حال میں اپنا نقصان سمجھنے کی کوشش کررہی تھیں۔ معاً یہ سکتہ ٹوٹا اور وہ سراسیمہ ہوکر آگے بڑھیں، بالکونی کی ریلنگ پر لرزتے ہاتھ جما کر انہوں نے نیچے جھانکا اور پختہ فرش پر نندنی کا خون میں تیزی سے نہاتا ساکن وجود دیکھ کر وہ بے اختیار چیختی چلی گئی تھیں۔

❁......❁......❁

فلک تک چل ساتھ میرے فلک تک چل ساتھ چل!
یہ بادل کی چادر پر تاروں کے آنچل میں
چھپ جائیں ہم پل دو پل!
فلک تک چل ساتھ میرے فلک تک چل ساتھ چل!

عباس حیدر نے گنگناتے ہوئے اسے دیکھا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"چلوگی نا!" عریشہ جھینپ گئی۔ اس کی نگاہیں ایسی ہی تھیں شوخ متبسم اور بے باک!

"ہمارا ساتھ جنموں کا ہے عباس! آپ کی محبتیں میرا سب سے قیمتی سرمایہ ہے کہاں رہ پاؤں گی ان کے بغیر۔" اس نے پوری سچائی سے اعتراف کیا تو عباس جیسے شانت ہونے لگا۔

"تمہیں پتا ہے عریشہ میں نے ہنی مون کے لیے کہاں جانے کا سوچا ہے؟" اس کے لہجے میں اتنا اشتیاق تھا کہ عریشہ کو دلچسپی ظاہر کرنا پڑی۔

"کہاں آپ بتائیں؟"

"پاکستان کے شمالی علاقہ جات۔ ریئلی عریشہ پاکستان میں اتنی خوب صورتی ہے کہ میں الفاظ میں بیان کرہی نہیں سکتا۔ قدرت نے بہت فراخی سے ہمیں ہر شے سے نوازا ہے۔ میں نے یورپ میں بھی وقت گزارا ہے ان لوگوں نے بلاشبہ بہت ترقی کی ہے مگر نیچرل بیوٹی کی بات ہی الگ ہے۔ میری ایک فلم کی مکمل شوٹ سوات اور کشمیر میں ہوئی ہے۔ تب مجھے اندازہ ہوا تھا اور میں نے تب ہی سوچا تھا میں شادی کے بعد وہیں جاؤں گا۔ عالم جب اتنا رومان پرور علاقہ ہے کہ وہاں تو انسان کا جی بے ساختہ اپنی من پسند ساتھی کی قربت کے لیے مچل جائے، بس ہم وہیں جائیں گے۔"

"اوکے ڈن! مگر اس وقت تو ہمیں ڈنر کے لیے جانا ہے یاد ہے آپ کو کہ بھول گئے ہیں؟" وہ ناز سے اٹھلا کر بولی تو عباس نے نرم لودیتی نگاہوں سے جی بھر کے اسے دیکھا تھا۔

"کیسے بھول سکتا ہوں جانِ عباس!" دھیما مخمور سرگوشیانہ انداز اور نگاہوں کا والہانہ پن سب کچھ اس کے لیے تو تھا۔ وہ مغرور ہونے لگی۔
"تم تیار ہو جاؤ اور سنو وہ میرون ساڑھی پہننا تمہیں پتا ہے نا مجھے کتنی پسند ہے؟" عباس نے اٹھتے ہوئے بالخصوص تاکید کی تو عریشہ نے منہ بنالیا تھا۔
"عباس شادی کے اس ایک ہفتے کے بعد آپ چار مرتبہ مجھے یہ ساڑھی پہنا چکے ہیں۔"
"یار وہ پسند جو ہے مجھے۔" عباس نے پیار سے کہا وہ ناز سے مسکرائی پھر نخوت سے بولی۔
"مگر میں اکتا گئی ہوں اب مزید نہیں پہن سکتی اور یہ جو اتنے ڈھیر کپڑوں کے جمع کیے ہیں وہ کب پہنوں گی؟" اس کی بات پر عباس نے فدویانہ انداز میں اسے دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔
"اس میں خفا ہونے والی کیا بات ہے، جو تمہارا دل چاہے وہ پہن لو۔" عریشہ نے سر ہلایا اور ڈریسنگ روم میں چلی آئی، مگر جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو اسی میرون ساڑھی میں ملبوس تھی۔ عباس نے خود پر پرفیوم اسپرے کرتے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی اور اگلے لمحے اس کے چہرے کے تاثرات میں یکا یک خوشگواریت لہرائی۔ تحیر آمیز مسرت اور شوق کے عالم میں وہ والہانہ انداز میں اس کی جانب لپکا۔
"عریشہ اگر میں کہوں کہ تم سے بھی بڑھ کر خوب صورت تمہاری ادائیں ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا یار۔" اس کی نظروں میں اتنی چمک اتنا بھرپور تاثر تھا کہ عریشہ کی پلکیں بے ساختہ حیا آمیز انداز میں لرز کر جھک گئیں۔
"مجھے بھی آپ سے بڑھ کر آپ کی خواہش عزیز ہے۔" اس کا متبسم لہجہ شوخی و شرارت کی کھنک سے لبریز تھا۔ عباس زور سے ہنسا اور پھر اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے اس پر جھکا۔
"کیا خیال ہے ڈنر کینسل نہ کردیں؟" اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی عباس نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ عریشہ کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ میں شرم کا غلبہ چھانے لگا۔
"پلیز عباس یہ ڈنر بہت اہم ہے امی نے بلوایا ہے، ہمیں ویٹ کررہی ہوں گی۔" اس کی جسارتوں پر بے اوسان ہوتی وہ لجاجت سے بولی۔ عباس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔
"اوکے فائن چلو۔" عباس اسے چھوڑ کر فاصلے پر ہوا تب عریشہ کی جان میں جان آئی۔ عریشہ کی فیملی میں اس کی والدہ ہی تھیں والد کی حیثیت ایک بے کار پرزے کی سی تھی۔ اس وقت سے خاص طور پر وہ ہر معاملے سے الگ ہوگئے تھے جب عریشہ کی منگنی ان کے بھتیجے سے توڑی تھی ظاہری سی بات تھی وہ عباس کو اتنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ڈنر کے دوران عباس عریشہ کی امی سے رسمی سی بات چیت کرتا رہا تھا۔ عریشہ کے برعکس عباس کو عریشہ کی امی کے انداز و اطوار اکثر ناگواری کا احساس بخشتے تھے مگر عباس کو عریشہ سے مقصد تھا جبھی عباس کا رویہ ان سے ہمیشہ لیا دیا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ کھانے کے بعد زیادہ رکنے پر آمادہ نہیں تھا اور عریشہ کو لے کر نکل آیا۔
"آئس کریم کھاؤ گی عریشہ؟" وہ اپنی پسند کی کیسٹ منتخب کرکے کیسٹ پلیئر آن کررہی تھی جب اس نے عباس کی آواز سنی۔
"نیکی اور وہ بھی پوچھ پوچھ۔" جواباً وہ خوشدلی سے چہکی۔ عباس نے گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے پارک کی۔ اس کے ہمراہ وہ اندر آیا تو اندر اپنی اپنی فیملیز کے ہمراہ بیٹھے لوگوں کی نگاہیں ان کی سمت اٹھ گئی تھیں۔ ان نگاہوں میں شوق وارفتگی ستائش بھی کچھ تھا مگر دوسری جانب عباس جیسے بے نیاز تھا اور عادی بھی جبھی وہ بے پروائی سے عریشہ کے ہمراہ خالی ٹیبل تک آیا اور ویٹر کو اسٹرابری اور فالودہ آئسکریم آرڈر کردیا تھا۔
"سر پلیز آٹوگراف!"
"سر میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔ آپ نے موویز میں کام کرنا کیوں چھوڑ دیا؟"
"سر پلیز آپ پھر سے شوبز جوائن کرلیں نا۔" اگلے چند لمحوں کے اندر کچھ نوجوان طرحدار قسم کی لڑکیوں اور لڑکوں کے گروپ نے عباس کو گھیرے میں لے لیا۔ عباس جزبز ہونے لگا جبکہ عریشہ کے ماتھے پر واضح ناگواری چھا گئی۔
"آئی ایم ساری عریشہ! مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس قسم کی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے۔" ان لڑکے لڑکیوں سے جان چھڑا کر عباس عریشہ کی طرف متوجہ ہوا گویا اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

"کیوں آپ کو اپنی مقبولیت پر شک تھا یا اپنی سحر انگیز شخصیت کے چارم پر؟" عریشہ کا لہجہ تند تھا اس کے موڈ کی طرح عباس بے ساختہ ہنس پڑا۔
"کسی پر نہیں مجھے بس تمہارے سوا سب بھولا ہوا ہے آج کل۔" وہ بہت خاص لہجے میں گویا ہوا نگاہوں میں سچائیاں رقم تھیں مگر عریشہ متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھی، جبھی اس کی بات پر سر جھٹک دیا۔
"جبھی آپ نے مجھے اچھے سے یاد رکھا تا انہیں آٹوگراف دیتے ہوئے۔" وہ گہرے طنز سے بولی، عباس کی یہ لمحہ بھر کی بھی بٹی توجہ اس سے برداشت نہ ہوئی تھی وہ اس کے معاملے میں اتنی ہی پازیسو تھی۔
"میں تم سے غافل تو نہیں ہوا تھا عریشہ! مگر یہ بھی تو سوچو کتنا آکورڈ لگتا اگر میں ان لوگوں کو اگنور کردیتا۔" وہ بہت تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا۔
"آپ کچھ بھی انوکھا تو نہ کرتے عباس! سارے مشہور لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔ عباس نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"تو اس کا مطلب وہ صحیح کرتے ہیں۔ عریشہ پلیز ٹرائی ٹو انڈراسٹینڈ می۔"
"اٹھیں مجھے گھر چلنا ہے۔" عریشہ نے بدمزاجی اور نخوت کی انتہا کردی۔
"آئسکریم تو کھالو یار۔"
"اب میرا دل نہیں کررہا ہے بس اٹھیں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ عباس کو نا چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔

❁......❁......❁

اس کا پورا وجود گویا کوئلوں کی دہکتی بھٹی میں تبدیل ہوگیا تھا۔ جو ہر چیخ پر نئی اذیت سے روشناس ہوتا تھا۔ وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے واپس نہیں آیا تھا۔ دل کی بے کلی ان دنوں ایسی تھی کہ اس سے نجات کے لیے وہ ذکر اللہ کی کثرت کرنے لگا تھا۔ عشا کی نماز سے فراغت پانے تک گاؤں کی گلیاں حسب سابق سونی ہوگئی تھیں۔ اس کے گمان تک میں یہ بات نہیں تھی وہ گھر پہنچے گا تو لاریب وہاں اس کی منتظر ہوگی۔ ثانیہ اسے بیٹھک میں بٹھا کر اس کے لیے شربت لینے چلی آئی تھی اور جب ٹرے اٹھائے ثانیہ نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا اسی پل سکندر بھی آپہنچا تھا۔ اپنے دھیان میں وہ بیرونی دروازہ بند کرکے پلٹا تو ثانیہ کو دیکھ کر چونکا۔
"خیریت؟ کوئی آیا ہے کیا؟"
"ہاں لاریب بی بی آئی ہیں تم سے ملنے۔ کہہ رہی تھیں ان کی آمد کا کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔" ثانیہ کا انداز سرگوشیانہ تھا۔ سکندر ٹھٹک گیا۔
"حیران ہوگئے نا۔ میں بھی بہت حیران ہوئی تھی انہیں دیکھ کر۔ سچ پوچھو تو انہیں یہاں دیکھ کر میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ سمجھ ہی نہ آئی تھی کیسے بات کروں کہاں بٹھاؤں۔"
"اکیلی آئی ہیں؟" سکندر نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔
"بالکل اکیلی ہیں، شاید تم سے کچھ ضروری کام ہے۔" ثانیہ کے لہجے میں سادگی تھی مگر سکندر اندر سے ڈسٹرب ہوگیا تھا۔ لاریب کی آمد بے وجہ نہیں تھی۔ اس نے اشارے سے ثانیہ کو اندر جانے کا کہا۔
"سکندر نہیں آیا......؟" ثانیہ کے اندر جاتے ہی سکندر نے وہیں کھڑے لاریب کی مدھم مگر جھنجلائی ہوئی آواز سنی تو قدم بڑھا دیے۔
"آگیا ہے جی بس......" اسے جواب دیتی ثانیہ سکندر کو دیکھ کر خود بخود چپ ہوگئی۔ سکندر نے ایک نگاہ لاریب کے چہرے کو دیکھا جو اسے دیکھتے ہی عجلت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"تم میرے ساتھ چلو۔"
"جی کہاں؟" وہ بوکھلایا اس غیر متوقع مطالبے پر۔
"تم چلو میں بتاتی ہوں۔" لاریب نے اسے گھورتے ہوئے برہمی سے کہا اور قدم بیرونی دروازے کی جانب بڑھا دیے۔ سکندر کو طوعاً و کرہاً اس کے پیچھے قدم بڑھانے پڑے۔
"کب تک آجاؤ گے سکندر......؟"
"میں اسے ہمیشہ کے لیے ساتھ نہیں لے جارہی بے فکر رہو۔" سکندر کی بجائے لاریب نے بھڑکتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ثانیہ دبک گئی جبکہ سکندر نے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا تھا۔
"وہ نکاح نامہ کہاں ہے، میری حماقت اور شکست کی سب سے بڑی نشانی!" سکندر کے ساتھ نسبتاً تاریک اور سنسان جگہ پر آکر ٹھہرتے ہوئے لاریب نے پھنکارنے کے انداز میں پوچھا تو سکندر اس کی احتیاط پسندی اور مصلحت پر قائل ہو کے رہ گیا تھا۔

"سکندر تم بولتے کیوں نہیں ہو؟" اس کی خاموشی نے لاریب کو بھڑکا دیا' سکندر نے سرخ مگر جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"جسٹ شٹ اپ سکندر۔ تم یہ سوچو کیا تمہاری اوقات اتنی ہے کہ یہ سوال مجھ سے کرسکو؟" شدید غصے کی لہر نے اس کا دماغ دہکا دیا۔ سکندر نے دیکھا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگی تھیں۔

"مجھے اپنی حیثیت اور اوقات بہت اچھی طرح ازبر ہے۔" وہ بھاری لہجے میں بولا تو لاریب گہرے طنز سے ہنس پڑی۔

"اچھا اگر پتا تھی تو تم نے مجھے اس وقت کیوں نہ بتلائی۔ میں تو حواسوں میں نہیں تھی' تم نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی۔ ویل......"

"میں نے آپ کو بتانا چاہا تھا مگر......"

"مگر کیا ہاں مگر کیا؟ میں مرجاتی تمہارے انکار سے؟ مرنے دیتے' یہ ذلت تو نہ سہتی۔" وہ ایکا ایکی پھٹ پڑی۔ سکندر کو اس کے الفاظ سے بڑھ کر اس کے لہجے کی تضحیک حقارت اور تمسخر نے اذیت بخشی تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے کڑا ضبط آزماتا رہا۔

"مجھے وہ پیپرز چاہئیں ابھی اور اسی وقت۔" لاریب اپنے تنفس پر قابو پائے بغیر بولی۔

"وہ میرے پاس نہیں ہیں گھر پر ہیں۔ آپ میرے ساتھ گھر چلیں میں......"

"تم صبح آتے ہوئے انہیں لے آنا میں خود لے لوں گی تم سے۔" لاریب نے ایک دم لہجہ ڈھیلا کرلیا۔ سکندر کا مسکین قسم کا انداز' جھکا ہوا سر' گریزاں نگاہیں' فرمانبردار قسم کا لہجہ' کچھ بھی تو تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وہ شاید خوفزدہ ہوگئی تھی مگر خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"جی بہتر۔" سکندر نے اسے تابعداری سے جواب دیا پھر جیسے کچھ ہچکچا کر بولا۔

"آپ اکیلی آئی تھیں؟" لاریب جو واپسی کے ارادے سے پلٹ رہی تھی اس سوال پر چونکی۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ سوال در سوال' شاید سکندر کی بات کا جواب دینا اس کے نزدیک اہم نہیں تھا۔

"رات بہت ہوگئی ہے' میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔" لاریب کے چہرے پر کاٹ دار مسکراہٹ بکھری۔

"مگر اس کا کیا ہو کہ مجھے تمہاری یہ عارضی رفاقت بھی گوارا نہیں' اس قدر ناقابل برداشت ہو تم میرے لیے۔" لٹھ مار سا انداز اپنے اندر سراسر تذلیل کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ سکندر ساکن رہ گیا۔ وہ پلٹ کر دور ہوتی گئی۔ سکندر واپس لوٹا تو ہزاروں خدشات اس کے ہمراہ تھے۔

"کیا کام تھا لاریب بی بی کو تم سے؟ کہاں لے گئی تھیں وہ تمہیں؟" ثانیہ اس کی منتظر تھی۔ اسے سامنے پاتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔ وہ سب سوالوں کو نظر انداز کرتا اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ نگاہیں اس جگہ پر ساکن ہوگئیں جہاں اس نے لاریب کو بیٹھے دیکھا تھا۔ بیٹھک کی فضا میں اس کے ملبوس کی دلفریب مہک ابھی تک باقی تھی۔ سکندر کی آنکھیں جانے کس احساس کے ہمراہ جل اٹھیں۔

"تو کھانا بھی کھائے گا کہ نہیں سکندرے؟" ثانیہ پھر اس کے سر پہ آ چڑھی تھی۔ اس نے شام کو کھانے سے انکار کردیا تھا کہ عشاء کے بعد کھاؤں گا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے ثانیہ مجھے سونے دو پلیز۔" وہ بےزاری سے کہتا کروٹ بدل گیا۔ ثانیہ اپنا سا منہ لے کر چلی گئی۔

"کیا کریں گی وہ نکاح نامہ لے کر؟ محض ثبوت ختم کرنا مقصد ہے یا کچھ اور...... اگر انہوں نے مجھ سے طلاق کا مطالبہ کردیا؟" آخری سوچ ایسا خدشہ ثابت ہوئی جس نے صرف نیند نہیں اڑائی تھی جسم و جان میں بےچینیاں بھر کے وحشتوں کے صحرا میں لا پٹخا۔ وہ ساری رات اس نے سگریٹ پھونکتے اور صحن میں ٹہل کر سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے گزاری۔ صبح وہ اتنا نڈھال تھا کہ بستر پر گرتے ہی خود سے بھی غافل ہوگیا۔ بابا اسے نماز کے لیے جگانے آئے تو اس کا بدن انگارے کی طرح دہکتا محسوس کرکے پریشان ہوگئے اس کی طبیعت نہ سنبھلنے کی صورت میں اطلاع حویلی تک پہنچانا پڑی تھی۔ بابا سائیں خود اس کی خبر گیری کو آئے اور ڈاکٹر کو بھی فون کرکے چیک اپ کرایا۔ ڈاکٹر نے بخار کی وجہ ذہنی اضطراب بتائی تھی۔ دوا علاج کے باوجود اگلے دو دن تک وہ بستر سے نہیں اٹھ سکا تھا۔

"ایسا کیا کہہ گئی ہیں لاریب بی بی تم سے سکندرے کہ تم بولتی چاروں شانے چت ہوگئے ہو؟" ثانیہ کے دل میں یہ بات کسی پھانس کی طرح اٹکی ہوئی تھی۔ سکندر اس بیماری اور نقاہت کے باوجود ٹھٹک کر رہ گیا۔

"یہ بات تم نے کیسے سوچی؟ آئندہ تمہارے منہ سے نہ سنوں۔" وہ کسی طرح بھی خود کو اسے ڈانٹنے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔

"پھر تم مجھے بتادو وہ کیوں آئی تھیں؟" ثانیہ بھی غصے میں آ گئی' سکندر کو ضبط کرنا محال ہونے لگا۔

"بھئی انہوں نے مجھے کچھ نوٹس فوٹو کاپی کرنے دیئے تھے۔ ان کے ایگزیم ہو رہے ہیں نا ضروری چاہیے تھے تو لینے آ گئیں۔ اس میں اتنا کریدنے والی کیا بات ہے؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"وہ شاہ زادی ہیں حویلی کی سکندرے! ڈھیروں نوکر ہیں ان کی خدمت کو تمہارا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے' وہ ایک فون بھی کرتی تو تمہیں جانا پڑتا۔" ثانیہ کی باتوں نے سکندر کو سن کرکے رکھ دیا۔ اذیت اور چبھن کا احساس ایسا تھا کہ اس نے کرب سے گزرتے ہوئے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ یہ حالات کس ڈگر پر چل پڑے تھے کہ اسے اس کی کم حیثیتی طعنے کی صورت یاد کرائی جانے لگی تھی۔ کیا یہ کوئی سزا ہے؟ کیا واقعی اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا؟ یا لاریب نے تب اس کے لیے فرار کے راستے مسدود کردیئے تھے۔ قسمت کی اس ستم ظریفی پر اس کا جی چاہا کہ وہ جی بھر کے آنسو بہائے مگر وہ روتا کیسے یہ ممکن نا تھا۔

"تم مجھ پر شک کر رہی ہو ثانی یا لاریب بی بی پہ......؟ ہم دونوں کی حیثیت اور مقام روز روشن کی طرح تم پر اچھی طرح عیاں ہیں پھر تمہاری اس قسم کی باتوں کا مقصد؟" سکندر خاصی دیر خاموشی کے بعد گویا ہوا تھا۔ ثانیہ کچھ کچھ شرمندہ نظر آنے لگی۔

"سکندرے میری بات کا برا مت مان! دیکھ میں نہ تجھ پر شک کر رہی ہوں نہ لاریب بی بی پر زمین آسمان کا ملاپ بھی بھلا کبھی ممکن ہوا' مگر سکندرے مجھے بہت ڈر لگتا ہے حالات اور قسمت کے پھیر سے...... میں تمہیں کھونے سے ڈرتی ہوں' تمہیں کیا پتا سکندرے تم کتنے سوہنڑے ہو۔ عباس صاحب کے بعد آس پاس کے علاقوں میں تیرے جیسا گھبرو اور کوئی جوان نہیں ہے۔ لڑکیاں بالیاں صبح شام تیری راہ دیکھتی ہیں تو اس پنڈ کی کتنی آنکھوں کا خواب ہے تو کیا جانے؟" ثانیہ نے پہلی مرتبہ کھل کر اس کے سامنے اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی اور خدشات رکھے تھے۔ وہ سمجھتی تھی سکندر پر سب سے زیادہ اس کا حق ہے۔ یہی سوچ کر آج اس نے سکندر پر اپنی حیثیت واضح کی تھی مگر سکندر تو جیسے سناٹوں کی زد پہ آ گیا تھا۔ اس نے ثانیہ کی ساری بات بھی بھلا کہاں سنی تھی وہ تو اسی ایک فقرے میں اٹک گیا تھا۔

"زمین آسمان کا ملاپ بھی بھلا کبھی ممکن ہوا ہے؟" اسے لگا تھا کسی نے اچانک اسے برزخ میں دھکیل دیا ہو۔ ہوتا ہے نہ کبھی ایسا بھی' ایک ایسی بات جس کی حقیقت بہت اچھی طرح سے ہم پر آشکار ہوتی ہے' ہم اس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں...... مگر اس کے باوجود کسی کے منہ سے سن کر خود کو ریزہ ریزہ ہوتا بکھرتا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم اپنی ذات میں خود سے آنکھیں چرائے ہوتے ہیں بلکہ کہنے والے کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس نہیں ہوتا۔ سکندر بھی اسی طرح بکھر گیا تھا۔ بلاشبہ لاریب اور اس کی حیثیت میں بہت واضح فرق تھا مگر ثانیہ کے الفاظ نے اسے ناقابل برداشت حد تک کرب سے دوچار کردیا تھا۔ وہ خود وہاں سے جا چکی تھی مگر سکندر اسی کرب اسی اذیت سے نبرد آزما ہوتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

"میں نے آپ سے کہا تھا مام ہاتھ ڈھیلا رکھیں۔ کیا کیا تھا آپ نے کہ اس نے اتنا شدید ری ایکشن دیا؟ ذرا سوچیں اگر اسے کچھ ہو جاتا؟" آج پورے ایک ہفتے بعد دیو نے ان سے بات کی بھی تھی تو کٹہرے میں کھڑا کرکے۔ وہ اتنا سعادت مند بیٹا ثابت ہوا تھا کہ سریتا دیوی کو صحیح معنوں میں جان کی یاد بھلا دی تھی۔ مگر آج وہ بے حد خفا تھا۔ کیا وہ نندنی سے اتنی محبت کرتا تھا؟ انہوں نے حیران ہو کر سوچا اور شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم بھی مجھے قصوروار سمجھ رہے ہو دیو؟"

"بات یہ نہیں ہے مام! پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می! اگر وہ ایک بات کو پسند نہیں کرتی تو اس کا مطلب ہمیں وہ بات نہیں کرنی چاہیے۔ مام میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں' وہ بھی نندنی کے لیے۔ مجھے اس کی خوشی عزیز ہے۔"

"چاہے وہ خوشی تم نہیں کوئی اور ہو؟" انہوں نے خراب موڈ کے ساتھ استفسار کیا۔ دیو کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا کر معدوم ہوگیا۔

"میں نے کہا نا مام مجھے نندنی کی خوشی عزیز ہے۔"

"یہ کیسی محبت ہے تمہاری دیو کہ تم اسے یکسر انجان آدمی کو سونپنے پر آمادہ ہو۔"

"یہ نندنی کی خواہش ہے ماما!" وہ آہستگی سے بولا لہجہ افسردہ اور ٹوٹا ہوا تھا۔ انہیں اس پر بے تحاشا ترس آیا۔

"ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ میری مثال سامنے ہے۔ جارج نے کتنے دکھ دیئے مجھے اور بالآخر......"

"نندنی کی قسمت آپ جیسی ہو ضروری نہیں۔" دیو نے ان کی بات قطع کی۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھے گئیں۔

"ہمیں کیا پتا وہ کون ہے کیسا ہے؟"

"ہمیں وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ جو ہوگا بھلا ہوگا۔" دیو نے رسانیت کا مظاہرہ کیا اس کے بھاری لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

"دیو تم اسے سر چڑھا رہے ہو۔ تم نے دیکھا وہ مجھ سے زیادہ اس مسلی ڈاکٹر کو اہمیت دے رہی ہے۔ مجھ سے بات نہیں کرتی، مگر اس سے چپکی رہتی ہے۔" سریتا دیوی کے لہجے میں نفرت تھی، کسی زہریلی ناگن کی سی پھنکار۔

"یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے مام ریلیکس۔ وہ اسے اپنا دوست سمجھتی ہے۔ دیٹ سیک!"

"وہ عورت مسلمان ہے اور مسلمان ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں۔" سریتا دیوی نے جیسے اسے باور کرایا۔ دیو آہستگی سے مسکرا دیا۔

"مام وہ ایک مسیحا بھی ہے۔ نازک سی عورت ہے۔ بے ضرر سی آئی تھنک، وہ نندنی کو اس لیے اہمیت دے رہی ہے کہ نندنی مینٹلی اپ سیٹ ہے اور اس کے زیر علاج بھی۔"

"تم بہت سادہ ہو دیو۔ مجھے حیرت ہوتی ہے تم ایک آرمی آفیسر ہو کر بھی ہر کسی کے معاملے میں اتنے سوفٹ اور سینسیٹو کیوں ہو؟" سریتا دیوی اب صحیح معنوں میں جھنجلا گئی تھیں۔ دیو نے ایک گہرا سانس بھرا۔

"میں ایک انسان بھی ہوں مام، سینے میں ایک دل بھی رکھتا ہوں بلکہ اگر میں کہوں کہ اس آرمی کی وجہ سے میں ایسا ہوگیا ہوں تو کچھ ایسا غلط نہیں ہوگا۔" دیو کی غیر معمولی سنجیدگی اور رسان لہجہ سریتا دیوی کو پہلے حیران پھر پریشان کرنے لگا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" انہوں نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ دیو کے ہونٹوں پر زہرخند پھیل گیا۔

"آپ بھی آرمی آفیسر کی مسز ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو جانتی ہیں۔ مام کیا ضروری ہے جو انڈین ہو اور فوج میں ہو وہ جانور ہی ہو وحشی اور بے حس ہو، اگر ایسا ہے بھی تو میں ایسا نہیں ہوں۔ میں نے کشمیر میں اسی لیے اپنی پوسٹنگ رکوالی کہ مجھ سے بربریت ظلم اور سفاکی کے مظاہرے نہیں سرزد ہوسکتے تھے میں اپنے ان سورما ساتھیوں کا ساتھ دینا تو دور کی بات وہ سب دیکھ کر برداشت بھی نہیں کرسکتا۔"

"لیو دیس دیو پلیز!" سریتا دیوی نے ناگواریت سے اس کی بات قطع کردی۔ دیو کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

"کیا میرے اس موضوع کو چھوڑ دینے سے حقیقت بدل جائے گی مام! ہمارا نام ظلم و جبر کی لسٹ سے خارج ہوجائے گا؟" وہ کسی قدر تاسف سے سوال پر سوال کرنے لگا۔

"تم انڈین ہو دیو؟ مجھے تو آج شک ہونے لگا ہے معذرت کے ساتھ۔" سریتا دیوی نے گویا اسے ملامت کی تھی۔ وہ آہستگی سے ہنس دیا، ایسی ہنسی جو دکھ اور تاسف کے احساس سے نم تھی۔

"کاش میں اپنی ذات کے ساتھ لگا یہ حوالہ مٹا سکتا۔"

"تو پھر تم آرمی چھوڑ دو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟ حقیقت بدل جائے گی؟" وہ بے حد تلخ ہوا۔ سریتا دیوی کا دماغ بھننے لگا۔

"دیو تم مجھے پاگل کردو گے، مجھے نہیں پتا تھا تمہارے اندر اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔" انہوں نے قہر بار انداز میں کہا۔ دیو ہونٹ بھینچے انہیں دیکھتا رہا۔

"پلیز مام! آپ آئندہ کبھی بھی نندنی کو میرے حوالے سے فورس نہیں کریں گی اوکے۔" اپنی بات مکمل کرکے وہ وہاں سے چلا گیا۔ سریتا دیوی ابھی تک سر جھٹک رہی تھیں۔

❀......❀......❀

سکندر کا بخار تو اتر گیا تھا، مگر نقاہت بہت زیادہ تھی۔ آج صبح بھی بابا سائیں اس کی عیادت کو آئے تھے اور اسے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی جگہ بابا حویلی جاتے تھے۔ آج

اس کی طبیعت بہتر تھی تو اماں بھی بہت دنوں بعد گھر سے نکلیں۔ زلیخا کی بہو کے ہاں شادی کے بیس سال بعد بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اماں اسے مبارک باد دینے گئی ہوئی تھیں۔ سکندر اپنے لحاف میں دبکا ہوا تھا کچھ غنودگی کی سی کیفیت تھی۔ جب ثانیہ نے اندر آکر اسے پکارا۔ تیسری آواز پر وہ خفیف سا ہنکارا ابھر سکا۔

"باہر ویڑے میں بڑی چنگی دھوپ نکلی ہے کہو تو وہاں بستر لگادوں کچھ دیر دھوپ میں لیٹ جاؤ۔" ثانیہ کی کچھ ادھوری سی بات اس کے پلے پڑسکی اس نے محض سر کو نفی میں جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تیری مرضی! یہ بتا کچھ کھائے گا؟ دلیہ بنادوں کہ یخنی گرم کرلاؤں؟"

"اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے کیا؟" اندر داخل ہوتی ایمان نے یہ سوال کیا۔ ثانیہ چونک کر پلٹی اور حسب سابق انہیں دیکھ کر بدحواسی و گھبراہٹ کا شکار ہونے لگی۔

"بی بی صاحبہ آپ؟ جی آیاں نوں جی۔ بیٹھیں بیٹھیں۔" بوکھلا کر کہتی وہ بستر کی چادر درست کرنے لگی۔ پھر موڑھے اٹھانے کو بھاگی۔ خود سکندر بھی حیران حیران سا اٹھ بیٹھا۔ ایمان اور امامہ کے ساتھ خفا خفا سی کھنچی کھنچی سی وہ بھی تھی۔ سکندر کا دل دھڑکنیں منتشر کر بیٹھا!

"ہمارے کام بہت بھاری لگے تھے سکندر جو بستر سنبھال کر بیٹھ گئے ہو؟" ایمان کے چہرے پر بہت نرم سی مسکان تھی۔ سکندر بوکھلا گیا۔

"یہ آپ کیسی باتیں کررہی ہیں بی بی صاحبہ!"

"مذاق کررہی ہوں بگلے گھبرا کیوں جاتے ہو؟" ایمان کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہوگئی۔ سکندر خفیف سا ہوگیا۔ تبھی مستعد اور الرٹ سی ثانیہ دونوں ہاتھوں میں دو موڑھے اٹھائے اندر آئی۔

"بیٹھیے بی بی صاحبہ تشریف رکھیے۔" ایمان تو سکندر کی چارپائی کے ایک کونے پر ہی ٹک گئی تھی۔ امامہ اور لاریب کھڑی تھیں امامہ نے موڑھا قبول کرلیا جبکہ لاریب بیٹھنے کے موڈ میں نہیں لگتی تھی۔ اس کی پرتپش نگاہیں سکندر کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔

"آپ نے کیوں زحمت کی بی بی صاحبہ! میں اب ٹھیک تھا خود خدمت میں حاضر ہوجاتا۔" سکندر تکیہ کمر پر ٹکا کر اب نیم دراز تھا۔ لاریب نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ بڑھی ہوئی شیو اس کے سانولے چہرے کی سیاہی کو بڑھا رہی تھی اسے وہ اور بھی برا لگا، عام دنوں سے کہیں بڑھ کر یہ صرف اس کی نفرت تھی ورنہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ بہت ساری لڑکیاں اس کے ڈارک کمپلکشن کی وجہ سے ہی اس پر جان دیتی تھیں۔

"ارے بابا اتنے کانشس مت ہو۔ ہم بھی تمہارے جیسے عام سے انسان ہیں۔" ایمان نے نرمی و آہستگی سے کہا تو لاریب کے اندر دہکتی آگ یکلخت بھڑک اٹھی۔

"ملازموں کے ساتھ نرم اور بہتر سلوک کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ملازم خود کو مالک کے مقابل سمجھنے لگیں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو غلطی کررہے ہوتے ہیں۔" اس کے اندر کی آگ اس کے لہجے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی برس رہی تھی۔ سکندر کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا جبکہ ایمان نے چونک کر لاریب کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں سرزنش اور فہمائش تھی۔

"بجو پلیز! سکندر کو ایسے مت کہیں۔ اسے بابا سائیں بھی اپنی اولاد کی طرح سمجھتے ہیں اور ہم بھی انہیں بھائی سے کم نہیں درجہ دیتے۔" امامہ کا انداز سخت احتجاجی تھا۔

"تم چپ رہو۔ بڑوں کی باتوں میں مت بولا کرو بچی ہو ابھی۔" لاریب نے بے دریغ امامہ کو جھاڑا۔ اس عزت افزائی پر وہ بھی برائی جگہ، امامہ کا منہ بن گیا اس نے شکایتی نظروں سے ایمان کو دیکھا تھا۔

"تم بھی عقل کل نہیں ہو اچھا آرام سے بیٹھو۔" اب ایمان کا بولنا ناگزیر تھا۔ لاریب نے سختی سے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا۔ اسے جانے کیوں بہت شدتوں سے رونا آرہا تھا۔ سکندر اس ساری گفتگو کے بیچ خاموش تماشائی رہا تھا۔ چار نفوس کی موجودگی کے باوجود کمرے کی فضا میں خاموشی کا راج تھا۔ یہ خاموشی اس وقت ٹوٹی جب ثانیہ ٹرے میں چائے کے گلاس سجائے چلی آئی ساتھ بسکٹ اور نمکو بھی تھا۔

"ارے اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی ثانیہ! ہم کوئی بہت دور سے تو نہیں آئے۔" ایمان نے ٹوکا تو ثانیہ مسکرا دی۔

"نہ جی اس پنڈ کے سب سے خاص مہمان بھی تو ہو آپ ہمارے ویڑے کی تو گویا قسمت جاگ اٹھی۔" وہ واقعی اتنی ہی متاثر نظر آرہی تھی۔ ایمان خفیف سی ہو کر مسکرا دی۔

"سکندر دوا تو لے رہا ہے نا وقت پہ؟"
"کہاں جی سنتا کہاں ہے میری یہ سکندرا۔"
"کیا مطلب دوا نہیں لیتا؟" ایمان کو فوری تشویش ہوئی۔ ثانیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"نہ خوراک پر توجہ نہ دوا پر جبھی تو اتنا ماڑا ہوگیا ہے۔"
"تمہارے پاس کوئی اور بات نہیں کرنے کو تو خاموش ہو جاؤ۔" سکندر کو موضوع گفتگو بننا پسند نہیں آیا۔ جبھی ثانیہ کو جھڑکا۔
"ثانیہ تم پہلے سکندر کے کھانے کو کچھ لاؤ۔ پھر دوا لے آ نا دیکھتے ہیں کیسے نہیں کھاتا۔" ایمان کے لہجے میں دھونس ہی نہیں مان و استحقاق بھی تھا۔ جہاں ثانیہ محظوظ ہوئی سکندر بوکھلا اٹھا۔
"ایمان بی بی یہ فضول بولتی ہے آپ فکر نہ کریں میں دوا بھی لیتا ہوں اور......"
"اب میں تم سے کہوں گی تم چپ رہو۔" ایمان نے اسے نرمی سے ٹوکا تو وہ ٹھنڈا سانس کھینچ کر رہ گیا۔
لاریب کو یہ اپنائیت یہ یگانگت کا مظاہرہ ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ وہ ایمان کے ساتھ اس کی عیادت کو آنے پر کسی طور بھی آمادہ نہ تھی مگر سکندر کی جانب سے اس کے مطالبے کی تاخیر اب اس کا ضبط چھلکا گئی تھی۔ جبھی وہ ذرا اس کی طبیعت صاف کرنے کے ارادے سے آئی تھی نہ کہ اس کی عیادت کو مگر یہاں آ کے اس پر انکشاف ہوا تھا اپنے اندر کا لاوا نکالنا اتنا آسان نہیں۔ امامہ، ایمان اور سکندر کے گھر والوں کی موجودگی میں وہ ہزار چاہنے کے باوجود بھی اپنا مطالبہ اس کے آگے نہیں دہرا سکی تھی۔ معاً اس کی نگاہ سکندر کے سرہانے پڑے اس کے سیل فون پر گئی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال بہت سرعت سے جاگا۔ اس نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر اپنا سیل فون نکال لیا۔
"مجھے تم سے بات کرنی ہے اکیلے میں، ابھی اور اسی وقت، سمجھے، کیسے یہ تم جانتے ہوگے لاریب۔" اس نے ٹیکسٹ لکھ کر سکندر کے نمبر پر سینڈ کردیا۔ اگلے لمحے میسج ٹون بجی۔ سکندر امامہ اور ایمان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا یونہی مگن رہا۔ میسج ٹون پر اس نے قطعی توجہ نہیں دی۔ لاریب جز بز ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا سکندر کا سر پھاڑ دے۔ اس نے ہونٹ بھینچے اور اس کا نمبر ڈائل کیا اور مس کال کی بیل کی آواز پر سکندر چونکا اس نمبر پر لے سب سے زیادہ فون بابا سائیں ہی کرتے تھے اس نے سیل اٹھایا اس وقت لاریب نے سلسلہ منقطع کردیا۔ سکندر نے مس کال چیک کی نمبر انجان تھا۔ لاریب کے نمبر سے وہ آگاہ نہیں تھا۔ اس نے کاندھے اچکائے اور سیل واپس رکھتے رکھتے یونہی بے ارادہ میسج کھول لیا۔ عبارت پر نگاہ پڑتے ہی اس کے اعصاب کو ہزار وولٹ کا جھٹکا لگا۔ بالکل غیر شعوری طور پر اس کی نگاہ لاریب کی سمت اٹھی جو اس کی سمت متوجہ تھی۔ اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی لاریب نے فی الفور نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ انداز میں نخوت تھا بے زاری تھی۔ سکندر الجھا ہوا تو تھا ہی گم صم بھی ہوگیا۔
"کیا بات ہے سکندر کس کی کال تھی؟" ایمان کو اس کا یہ انداز بہت محسوس ہوا تھا۔ سکندر ہڑبڑا سا گیا۔
"نہ.....نہیں تو بی بی صاحبہ کچھ نہیں۔"
"اچھا یہ بتاؤ یہ بستر کب چھوڑ رہے ہو؟" وہ مسکرانے لگی۔ سکندر نے گہرا سانس کھینچا۔
"میں خود اکتا گیا ہوں بی بی صاحبہ! اللہ نے چاہا تو کل ضرور حویلی آ جاؤں گا۔"
"ارے نہیں مکمل آرام کرو۔ ورنہ پھر سے بیمار پڑ جاؤ گے۔" ایمان نے ٹوکا تبھی ثانیہ یخنی کا پیالہ لیے آ گئی اور سکندر کو وہاں سے اٹھنے کا بہانہ مل گیا۔
"میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"
"بیٹھا رہ سکندرے! میں یہیں پانی لا دیتی ہوں دھو لینا ہتھ" ثانیہ نے اپنی خدمات پیش کیں جنہیں سکندر نے فی الفور رد کردیا۔
"اب اتنا بھی کمزور نہیں ہوگیا کہ اتنا سا کام کرکے تھک جاؤں۔" وہ اٹھا اور چپل پہن کر باہر نکل گیا۔ البتہ اٹھتے ہوئے اس نے لاریب پر ایک جھجکتی ہوئی گریزپا نظر پھر سے ضرور ڈالی تھی۔ لاریب جس نے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا، دانستہ چھلکا دیا اور ہڑبڑانے کی ایکٹنگ کی۔
"افوہ!" وہ دانستہ زور سے چلائی۔
"کیا ہوا بی بی صاحبہ! بوتل گر گئی لائیں میں آپ کا دوپٹہ دھو دیتی ہوں۔" امامہ اور ایمان سے سکندر کی باتیں جوش وخروش سے کرتی ثانیہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو لاریب نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کردیا۔

"نہیں میں خود کر لیتی ہوں۔ سکندر باہر ہی ہے نا وہ مجھے ہیلپ کردے گا تھینکس۔" اس کے تحکمانہ لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ ثانیہ کو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی۔
لاریب اٹھ کر باہر آئی تو صحن کے آخری سرے پر نل کے پاس اسے سکندر نظر آیا۔ کچھ بے خیال سا مگر آنکھوں میں واضح تفکر لیے۔
"بی بی صاحبہ آپ نے اس طرح سے کیوں بلایا مجھے؟" وہ واقعی پریشان تھا۔ اس کی بے چین نگاہیں بار بار بیرونی دروازے اور کمرے کی جانب اٹھتی تھیں۔ لاریب کے تو صحیح معنوں میں سر پر لگی تھی۔
"شٹ اپ! تم کیا سمجھتے ہو میں تم سے اکیلے میں ملنے کو مری جا رہی ہوں؟ اپنی شکل کبھی غور سے آئینے میں دیکھی ہے تم نے؟" وہ غصے میں بھڑک اٹھی۔ اس کا چہرا اس کے اندرونی جذبات کا عکاس بن گیا تھا۔ جبکہ سکندر اس درجہ توہین پر بھونچکا رہ گیا۔
"کچھ کہا تھا تم سے میں نے بیماری کا ڈرامہ رچا کر کب تک چھپ سکتے ہو مجھ سے ہاں؟" آگ بگولہ ہوتی وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر جس قدر تلخی سے کہہ سکتی تھی کہہ گئی تھی۔
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بی بی صاحبہ میں......"
"مجھے تمہاری کوئی فضول وضاحت نہیں چاہیے۔ تم مجھے وہ پیپر دے رہے ہو ابھی اور اسی وقت۔" بلیو سوٹ میں اکھڑے اکھڑے تاثرات اور بگڑے انداز و تیور لیے پیشانی پر بل ڈالے کھڑی وہ لڑکی اپنے اندر ایسا کیا رکھتی تھی کہ اس ساری بدتمیزی حوصلہ شکنی کے باوجود دل کے نزدیک بے حد نزدیک محسوس ہوتی تھی۔ سکندر نے خود کو اس کے سامنے بے حد بے بس لاچار محسوس کیا۔
"اب ایسے کیا احمقوں کی طرح مجھے دیکھنا شروع کردیا۔ جاتے کیوں نہیں ہو؟" وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخی۔ اس کا ضبط گویا جواب دیئے جا رہا تھا۔ صحیح معنوں میں اسے سکندر کی نگاہیں الجھن و بے زاری کا شکار کرتی تھیں۔ عجیب دل تھا اس کا کسی سے محبت کی انتہا پر جا کے بھی کسی دوسرے انسان کے احساسات و جذبات سمجھنے سے قاصر۔ سکندر جیسے گہری نیند سے جاگا اور یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ پلٹ کر ایک کمرے میں جا گھسا!
"ہوگیا تمہارا دوپٹہ واش؟" اگلے لمحے ایمان امامہ اور ثانیہ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی، اس کے سوال نے لاریب کو شپٹا کر رکھ دیا۔ وہ تو باہر آنے کے بعد گویا بھول ہی گئی تھی۔
"میں باہر آئی تو سکندر نہیں تھا۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" اس نے خود کو سنبھال کر بہت اعتماد سے جھوٹ بولا۔
"کیا مطلب کہاں چلا گیا۔ وہ تو ہینڈ واش کرنے آیا تھا نا؟ اندر اس کا سوپ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" ایمان واقعی الجھ گئی تھی۔ ثانیہ نے تو باقاعدہ پریشان ہو کر سکندر کو آوازیں دینا شروع کردیں۔ لاریب نے اپنی مخصوص بے نیازی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔ بلکہ اسے ایمان کے اتنی جلدی سب کے ساتھ باہر آ جانے پر تاؤ آیا تھا۔ کیا تھا اگر یہ لوگ کچھ دیر اور رک جاتیں۔
"ارے کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ سکندر کو کوئی پری اڑا کر لے گئی ہو؟" امامہ نے اپنی اینج کے حساب سے بات کی تھی اور لطف لے کر خود ہی ہنس پڑی۔
"ایسے نقوش اور رنگت کے جن و دیو کی پرستان میں بھی کمی تو نہیں ہوگی ڈیئر سس!" لاریب نے دانستہ کہا۔ ثانیہ کا چہرا تو بالکل اتر گیا۔ ایمان نے پھر اسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بجو! یونو ڈارک کمپلکشن میل میں کتنا ان جا رہا ہے۔" امامہ نے بھرپور تردید کی تھی۔ لاریب کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔
"تمہاری معلومات کی حد تک ایسا ہوگا ورنہ حقیقت اس کے کچھ برعکس ہے۔"
"لائیے بی بی صاحبہ! میں آپ کا دوپٹہ دھو دیتی ہوں۔" ثانیہ نے اندر کمرے سے برآمد ہوتے سکندر کو دیکھ کر جو اطمینان محسوس کیا اس کے بعد اس نے لاریب سے کہا تھا۔
"نہیں اتنی اہم بات بھی نہیں ہے یہ اب واپس چلتے ہیں چلو لاریب۔" ایمان کی مداخلت پر لاریب کی جان جل گئی۔
"اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو بجو! ذرا سا رک جائیں، مجھے اس داغ سے الجھن ہو رہی ہے۔" وہ بظاہر خفگی تھی درحقیقت وہ سکندر سے نکاح نامہ لیے بغیر ہرگز جانے پر آمادہ نہیں تھی جبھی اس نے اپنا دوپٹہ اتار کر ثانیہ کے حوالے کردیا۔
"ذرا جلدی واش کردو، بجو آپ اندر چل کر بیٹھیں نا

اسے خشک ہونے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔" وہ اب ایمان کے پیچھے پڑی تھی مقصد واضح تھا۔

"نہیں یہیں ٹھیک ہے۔ تم دوپٹہ لو اپنا بس۔" ایمان کو درحقیقت اس کا یوں بے تکلفی سے دوپٹہ اتار دینا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس کی نگاہ غیر شعوری طور پر سکندر کی سمت اٹھی تھی۔ جو دانستہ یا نادانستہ لاریب کی سمت متوجہ تھا۔ ہاف سلیو جدید تراش خراش کی شرٹ میں وہ صحیح معنوں میں اپنے زہد شکن سراپا کے ساتھ سکندر کیا کسی کے بھی حواس ضبط کر لینے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ سکندر کی نگاہ کا یوں بہک جانا کچھ اتنا بھی قابل اعتراض نہیں تھا۔ جبکہ بے حجابی کا مظاہرہ کرنے والی بھی لاریب خود تھی۔ سکندر نے ایمان کی نگاہ کی گرمی محسوس کر کے اسے دیکھا اور اتنا خجل ہوا اپنی چوری پکڑے جانے پر گویا خود کو زمین میں گڑا محسوس کرنے لگا۔ اس سے وہاں ٹھہرا نہیں گیا تو کچھ نہ سوجھنے پر خفت زدہ چہرے سمیت اندر چلا گیا۔

"اب اتنی جلدی کیوں پڑ گئی ہے آپ کو واپسی کی وہ اندر ہے نا آپ کا چہیتا جا کر اس کا دل پشوری کریں۔ کہا نا میں دوپٹہ لے کر آئی ہوں۔" لاریب جو ایمان کی کیفیات سے یکسر بے خبر تھی اور سکندر کے پھر سے منظر سے غائب ہو جانے پر جھنجلا اٹھی تھی۔ بے حد خفگی سے بولی۔

"تم اپنا دوپٹہ لو ہمارے یہاں کھڑے ہونے پر تمہیں کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا بھلا؟" لاریب کو ایمان کی خفگی کا اندازہ ہوا تو ڈھیلی پڑی۔ اگلے چند لمحوں میں ثانیہ نے لاریب کا دوپٹہ اس کے حوالے کر دیا تو گویا آخری آس بھی جاتی رہی۔ لاریب نے دروازے سے نکلنے سے قبل دانت پیسے تھے اور ایک زوردار ٹھوکر چوکھٹ کو ماری۔ اب آنے والے وقت میں وہ سکندر کی کیسے درگت بنانے والی تھی یہ تو وقت دیکھتا۔

❁......❁......❁

خبر رسید اشب کہ نگار خواہی آدم
سر من فدائے راہے کہ سوار خواہی آدم
بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بہ چکار خواہی آدم
یار من بیا یار من بیا یار من بیا

ترجمہ:۔ مژدہ سنا ہے کہ آج رات تو آئے گا۔ میرا سر ان راہوں پر قربان ہو جس سے تیری سواری گزرے گی۔ میری جان لبوں پر آ گئی ہے تو آ کہ میں زندہ ہو جاؤں۔ میرے مرنے کے بعد آیا تو تیرا آنا کس کام کا۔ میرے یار آ جا تو آ جا میرے یار تو آ جا!

نندنی نے آہستگی سے کتاب بند کی۔ مزید پڑھنے کی اس میں تاب نا تھی۔ اس کی نگاہ آنسوؤں کی زیادتی سے دھندلا گئی تو دل جیسے درد کا رستا ہوا پھوڑا بن گیا تھا۔ اسے پانا تو درکنار میں اسے کبھی دیکھ بھی سکوں گی؟ اس نے خود سے سوال کیا اور نگاہوں میں مایوسی کے اندھیرے اتر آئے۔ کتنی بے رنگ ہو گئی تھی اس کی زندگی اس ایک بے ارادہ اٹھی ہوئی نگاہ کے نتیجے میں۔ یہ کیسا ظلم انجانے میں وہ خود اپنے اوپر کر بیٹھی تھی۔ محبت کی بے بسی اس کے وجود میں کرلانے لگی نارسائی کا ہوکتا ہوا احساس روح میں تھکن بھر گیا۔

کیا کروں گی میں؟ کیسے گزرے گی زندگی؟ پھر یہ موت یہ بھی تو مجھے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ دو مرتبہ منہ موڑنا چاہا اس سے مگر...... اف کیا کروں میں۔ وہ اتنی وحشت زدہ ہوئی کہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بال نوچ لیے۔ قریب تھا کہ اسی جنون میں کوئی اور الٹی سیدھی حرکت کرتی کمرے کی وحشت انگیز خاموش فضا میں اس کے سیل کی بیپ بجتی چلی گئی۔ اس نے ہراس بھری بیگانہ سی نظروں سے اپنے داہنے جانب پڑے سیل فون کی اسکرین کو گھورا۔ زینب خان کا لنک کے الفاظ نگاہ کے رستے دل و دماغ پر جادو کے انداز میں اثر پذیر ہوئے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور فون اٹھا کر کال پک کی۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم!"

"سوری مجھے نہیں پتا اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں؟" اس کی بھرائی ہوئی آواز میں خفت نمایاں تھی۔ دوسری جانب لائن پر موجود زینب مسکرا دی۔

"اس کا جواب وعلیکم السلام ہے۔ یعنی تم پر بھی سلامتی ہو۔ یہ بتایئے کیسی ہیں آپ نندنی گریوال۔" زینب خان نے اصل موضوع کی سمت آتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

"آپ کی کال آنے سے قبل بہت اپ سیٹ تھی۔ بس پاگل ہونے کو تھی سمجھ لیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تو

زینب پریشان ہو اٹھی۔

"ایسا کچھ مت سوچا کریں نندنی جو آپ کو اپ سیٹ کرتا ہے۔"

"میرے پاس اچھا سوچنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے میری بدنصیبی کہہ لیں۔" وہ پھر سے اسی مایوسی کے دائرے میں قید ہونے لگی۔

"آپ کو میرا مشورہ ہے نندنی کہیں مصروف ہو جائیں۔ کیا آپ پڑھتی ہیں؟"

"میں نے کالج پچھلے سال چھوڑ دیا ہے۔ میرا پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔" اس کا لہجہ پھر سے بھیگنے لگا۔ دوسری سمت چند لمحوں کو خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے بتایا تھا آپ کے فادر یو کے میں ہوتے ہیں اور غالباً بھائی بھی آپ ماحول کی تبدیلی کی غرض سے وہاں کیوں نہیں چلی جاتیں؟" نندنی نے خود کو ایک کرب و اذیت کا شکار ہوتے محسوس کیا۔

(جہاں بھی چلی جاؤں میری بدنصیبی میرے ساتھ رہتی ہے۔ میں اسے نہیں پا سکتی شاید)

"خاموش کیوں ہیں نندنی؟ آپ کو میرا مشورہ پسند نہیں آیا؟" ڈاکٹر زینب نے پکارا تو وہ آہستگی سے ہنس دی۔

"مجھے لگ رہا ہے ڈاکٹر زینب میں نے آپ کو کچھ زیادہ ہی تنگ کر دیا۔ کہیں آپ مجھ سے پیچھا تو نہیں چھڑانا چاہتیں۔" وہ یقیناً خود ترسی کا شکار ہونے لگی تھی۔ دوسری جانب ڈاکٹر زینب ایک دم بے حد سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

"ایک بات بتاؤں آپ کو نندنی گریوال! آپ کے ساتھ میری جو انوالومنٹ ہوئی ہے میں اس کے باعث شعوری یا لاشعوری طور پر آپ کا تذکرہ اپنے ہزبینڈ عثمان سے کرنے لگی ہوں۔ مگر پتا ہے کل انہوں نے مجھے ٹوک دیا۔ کہنے لگے مجھے آپ سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ میں ہمدردی یا محبت میں بھی اگر آپ کی جانب بڑھ رہی ہوں تب بھی ہمارے درمیان موجود مذہب کا فرق اس محبت کو بھی آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ انہوں نے مجھے سمجھایا یہ انڈیا ہے اور بھلے تمہیں برا لگے نندنی مگر میں سچ کہوں گی درحقیقت یہاں کے لوگ بہت متعصب ہیں۔ یہ مسلمانوں کے خلوص محبت اور دیانت کو پانے کے باوجود نہ تو ان پر اعتبار کرتے ہیں بلکہ موقع ملنے پر ڈسنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند کے واقعات گواہ ہیں مگر میں نے جواباً انہیں کہا نندنی ایسی نہیں لگتی اور ویسے بھی میں بہرحال تمہیں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر رہی ہمارا تعلق انسانیت کے ناتے استوار ہوا ہے۔ تم میری پیشنٹ رہی ہو۔ تمہاری خبر گیری گویا میرا فرض ہے۔" اتنی لگی لپٹی رکھے بغیر ایسی صاف گوئی سے بات چیت کرنا زینب کی عادت ٹھہری ہوئی مگر نندنی کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اسے ایک لمحہ کے لیے اپنے مذہب اپنے حوالے پر ندامت محسوس ہوئی تھی۔ اگر وہ اس روز مام اور دیو کی گفتگو نہ سن چکی ہوتی تو وہ یقیناً اب تک زینب کے خیالات جان کر اس سے بدگمان ضرور ہو جاتی۔

"سوری نندنی تم نے شاید میری بات کا برا مانا مگر......"

"ہرگز نہیں بلکہ مجھے اچھا لگا کہ آپ نے میری حیثیت میرے مقام سے خائف ہو کر اپنے جذبات مجھ سے نہیں چھپائے۔ اس سے بھی زیادہ مجھے یہ جان کر اچھا لگا کہ آپ کو میری پروا ہے۔ تھینکس اے لاٹ! ویسے ڈاکٹر زینب اگر میں ایک بات کہوں تو آپ برا تو نہیں مانو گی؟" نندنی نے کسی قدر گریزاں انداز میں سوال کیا۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہو نندنی! پلیز پوچھو کیا بات ہے؟"

"میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ ایکچولی آپ مجھے اچھی لگی ہو۔ پتا نہیں کیوں آپ سے بات کر کے میں ریلیکس ہو جاتی ہوں۔ ایسا سکون جو عرصے سے مجھ سے روٹھ گیا ہے۔ میں کبھی کبھار آپ سے بات کر لیا کروں؟"

"کم آن نندنی' کیوں نہیں تم جب چاہو مجھے کال کر سکتی ہو۔ بلکہ میں جب فری ہوا کروں گی تم سے بات کر لیا کروں گی۔"

"تھینکس...... تھینکس اگین۔" نندنی بے اختیار ممنون ہوئی۔ جانے کیوں اسے لگا جیسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔

❁......❁......❁

"السلام علیکم!" وہ اسے پوری یونیورسٹی میں جب ڈھونڈ کر تھک گئی تب وہ اسے بالکل الگ تھلگ گوشے میں نظر آ گیا۔ دونوں بازو سر کے نیچے رکھے آنکھیں موندے گویا دھوپ سینک رہا تھا۔ اس کے سلام کے جواب میں خاموشی اور بے نیازی تھی۔ ایمان خائف سی ہونے لگی کہ یقیناً اس کی

خفگی کو سہنا آسان نہیں تھا۔

"شرجیل پلیز جواب تو دیتے ہیں نا؟" وہ اس کے برابر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ انداز احتجاجی نہیں ملتجیانہ تھا۔ شرجیل نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

"میں آپ کو جانتا ہوں۔ یا پھر مجھے یہ پوچھنا چاہیے آپ مجھے جانتی ہیں؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ایمان کی جان پر بن آئی۔

"آئی ایم ساری' میں جب بتاؤں گی میرے ساتھ اس دوران کیا ہوتا رہا ہے تو......؟"

"یہ سب تو تب ہوگا جب میں کچھ سنوں گا۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں سننا بس......!"

"شرجیل......!" وہ اتنی بے بس ہوئی کہ آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئیں اس بے رخی کے مظاہرے پر۔ وہ جانتی تھی اس دوران اپنی پریشانیوں میں گھر کر وہ اسے بری طرح سے نظر انداز کرچکی ہے مگر وہ کچھ سننے پہ آمادہ ہوتا تب صفائی بھی پیش کرتی' شرجیل ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنی کتابیں اٹھا کر قدم بڑھائے تھے جب ایمان نے پہلی مرتبہ یہ جسارت کی اور اپنے نازک ہاتھوں سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑلیا۔ شرجیل نے تلملا کر اسے گھورنا چاہا مگر ان نظروں میں اتنی بے بسی اور لجاجت تھی کہ وہ دل کو پگھل کر موم ہونے سے نہیں روک پایا۔

"آئی ایم ساری شرجیل قسم لے لو آئندہ جو ایسا کروں؟" ایمان نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اپنے کان پکڑ لیے۔ شرجیل ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اتنے دن کی تمہاری لاتعلقی و بے حسی نے مجھ پر کیسی قیامت ڈھائی ہوگی۔"

"آئی کین سوری۔" ایمان نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں پھر کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جیسے ہی حالات ٹھیک ہوئے مجھے سب سے پہلے تمہارا خیال آیا......نہیں بلکہ اس بیچ کے عرصے میں بھی تمہاری وجہ سے پریشان ہوتی رہی۔" شرجیل کی شاکی نظروں پر گڑبڑا کر اس نے خود ہی اپنے فقرے کی تصحیح کی مگر زبان پھسل چکی تھی۔

"تو آرگومنٹ بچ وہی ہوتا ہے' جس میں بے ساختگی پائی جائے۔" اس نے پھر منہ پھلا لیا۔ ایمان نے سہم کر اسے دیکھا تو شرجیل اس کے خوف کو محسوس کرکے ہنسا۔

"تم مجھ سے اتنا ڈرتی کیوں ہو ایمان؟"

"آپ سے نہیں آپ کی ناراضگی سے۔"

"وہی......وہی......کیوں ڈرتی ہو؟"

"شرجیل یہ جو بدگمانی اور ناراضگی ہوتی ہے نا یہ محبت کی بہت بڑی دشمن ہے۔ میں محبت کو کھونے سے خائف ہوں۔"

"فلسفی کب سے ہوگئیں تم؟" شرجیل نے چھیڑا تو وہ ہنسنے لگی اور قدموں کا رخ کینٹین کی طرف موڑ لیا۔

"بھوک لگی ہے؟"

"میں ناشتہ بھی نہیں کرکے آئی تھی۔"

"ہوا کیا تھا ایمان؟" شرجیل کو خیال آیا تو سوالیہ نگاہیں اس پر جمادیں۔ ایمان ایکا ایکی سنجیدہ ہوگئی اور آہستگی سے اسے بتانے لگی۔

"یہ تو واقعی برا ہوا' کیا تمہارا کزن آئی مین عباس لاریب کو پسند نہیں کرتا تھا؟"

"یہ بات نہیں ہے شرجیل' عباس اگر ہمارے خاندان کا سب سے بیسٹ اور خوب صورت لڑکا تھا تو لاریب بھی خاندان کی تمام لڑکیوں میں حسین اور پیاری ہے بس قدرت کو شاید یہ ملن منظور نہیں تھا۔"

"اتنی شاندار ہیں سالی صاحبہ تو پھر ہمیں بھی ملنے کا اشتیاق ہوگیا ہے۔ بتایئے کب تشریف لائیں ہم؟" شرجیل نے بہت خوب صورتی سے بات کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔ ایمان کے حلق میں بر گر پھنسنے لگا۔

"شرجیل ابھی حالات......"

"میں مزید انتظار نہیں کرسکتا ایمان! مجھے اس تذبذب کی کیفیت سے نکال دو اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا پسند نہیں تو ٹھیک ہے تم بہت آسانی سے وقاص علی کے سنگ رخصت ہوسکتی ہو۔" ایمان کی تو آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ عجیب انداز تھا شرجیل کا تنفر سے بھرپور لٹھ مار قسم کا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟" شرجیل کو مزید غصہ آنے لگا۔ ایمان نے پیپسی کا ٹن اور برگر واپس ٹیبل پر رکھ دیئے۔ آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ مسلسل ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"شاید مجھ میں وہ ابلیٹی نہیں ہے کہ میں تمہیں خوش رکھ پاؤں۔" وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہمیں اپنے راستے الگ کرلینے چاہئیں۔"

"شرجیل! مت دو مجھے اپنی محبت کی اتنی کڑی سزا۔ مجھے ایک بار ہی مار ڈالو۔" وہ اپنے وجود کی پوری قوت صرف کرکے چلائی۔

"دھیرے......تم خود میرے ساتھ کیا کررہی ہو تمہیں اندازہ ہے؟" وہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑنے لگا۔

"کیا......کیا ہے؟ اوکے فائن آپ میرے گھر آنا چاہتے ہیں' ٹھیک ہے آجایئے۔" ایمان نے جیسے ایک دم ہر مصلحت سے نگاہ چرالی۔

"اور اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو......؟"

"یہ آپ کا نصیب ہے۔"

"تمہیں میرے ساتھ بھاگنا ہوگا۔" شرجیل نے اپنا مطالبہ دہرلیا۔ اس کے آگے اس کی گھمبیر چپ ہی نہیں خدشات میں لپٹا دھندلا سا مستقبل کا خاکہ تھا جس میں اس نے جب بھی جھانکنا چاہا وہ بہت جلد تھک گئی تھی۔

❁......❁......❁

کچھ رات کی آنکھیں بھیگی تھیں اور چاند بھی روٹھا روٹھا تھا
کچھ یادیں اس کی باقی تھیں اور چاند بھی روٹھا روٹھا تھا
کس موڑ پر بچھڑا یاد نہیں ہونٹوں پر کوئی فریاد نہیں
اس وعدے کی بھی خبر نہیں' وہ سچا تھا یا جھوٹا تھا
ہر لحہ آہیں بھرتے ہیں نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
بس ایک دعا یہ کرتے ہیں وہ لوٹ کے واپس آجائے

کتنی دیر تک وہ کھڑکی میں کھڑی اپنے سفر کی منازل طے کرتے چاند کو اس خیال سے تکتی رہی کہ وہ بھی کہیں نہ کہیں شاید چاند کو دیکھتا ہو۔ مگر وہ بھلا اتنا فارغ تھوڑی تھا' نہ ہی اسے ہجر لاحق تھا' یہ تو ہجر......والوں کا مشغلہ ہوا کرتا ہے۔ اس سوچ نے اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ بکھیر دی۔

"لاریب تم سوئی نہیں ابھی تک؟" ایمان اپنے دھیان میں اندر آئی تھی۔ اسے دریچے کے ساتھ لگے کھڑے دیکھا تو چونکی۔

"آپ کا ویٹ کررہی تھی۔" اس کے جواب نے ایمان کو خائف کردیا۔

"چلو آؤ شاباش سو جاؤ رات بہت ہوگئی ہے۔" وہ آگے بڑھ کر امامہ پر کمبل صحیح کرنے لگی۔ یہ اس کی خواہش تھی کہ وہ تینوں ایک ساتھ ایک بیڈ پر سو رہی تھیں بلکہ لاریب نے تو احتجاج بھی کیا تھا۔

"اتنی محبت کو رہنے دیں باجو مجھے کسی کے ساتھ سونے کی عادت نہیں ہے۔"

"اپنی عادتیں بدلو لڑکی کل کو تمہاری شادی بھی ہونی ہے۔ پھر کیا شوہر کو کمرے سے نکال دوگی؟" ایمان نے بات کو مذاق کا رخ دیا مگر یہ ایک مذاق لاریب کے زخم چھیڑ گیا تھا۔ کیا کیا کچھ یاد نہ آیا تھا۔ اپنی حماقت' احمقانہ ضد اور سب سے بڑھ کر سکندر۔ اس کا دل ایک دم گھبرانے لگا۔ سکندر کے تو تصور سے ہی اس کا دل متلانے لگتا۔ ایسی ہی نفرت محسوس کرنے لگی تھی وہ اس سے۔

"کہاں کھو جاتی ہو لاریب بار بار! بھول جاؤ سب کچھ میری جان!" ایمان نے اسے گم صم دیکھا تو پیار سے سمجھایا۔ لاریب نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"کچھ نہیں بھول سکتی' کچھ بھی......خیر دفع کریں آپ یہ بتائیں آج جو مہمان آپ کا پروپوزل لائے تھے یہ کون تھے؟" لاریب نے ایکا ایکی بات کو بدلا تھا ایمان کچھ حز بز نظر آنے لگی۔

"میرے یونیورسٹی فیلو ہیں شرجیل علوی!" وہ نظر چرا کر بولی۔ لاریب نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"پھر تو آپ شرجیل صاحب کو جانتی ہوں گی۔ کیسے ہیں وہ؟"

"اچھے ہیں۔"

"صرف اچھے؟ وقاص سے تو بہت اچھے ہوں گے۔ آپ سے محبت کرتے ہیں؟" اس کے لہجے میں اشتیاق کے ساتھ شوخی کا عنصر بھی نمایاں تھا۔ ایمان گڑبڑا گئی۔

"پتا نہیں وہ کرتے ہوں گے۔"

"خیر اب بنیں نہیں۔ ایویں وہ گھر تک تو نہیں پہنچ گئے۔" لاریب نے اسے چھیڑا تھا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر کچھ توقف سے بوجھل آواز میں بولی۔

"قابل ذکر بات یہ نہیں ہے لاریب کہ وہ مجھے کتنا پسند کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں انکار کردیا گیا ہے صاف نکار۔" لاریب سناٹے میں آگئی۔

"کیوں بجو......؟"

"میں آل ریڈی انگیجڈ ہوں نا۔" وہ دکھ اور ناکامی کے احساس سے چور ہوکر ہنسی۔ لاریب کا صدمہ گہرا ہوگیا۔
"وقاص اس قابل نہیں ہے بجو کہ آپ کو ڈیزرو کرے آپ انکار کردیں پلیز۔"
"پتا نہیں مجھے کیا کرنا ہے؟" ایمان ملول ہوئی۔ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ اس کے بعد دانستہ یا نادانستہ اس نے لاریب سے کوئی بات نہیں کی۔ لاریب کا دکھ جیسے اس احساس نے گہرا کردیا تھا اس کی نیند بھی قدرے بے چین رہی تھی۔ اگلی صبح وہ کالج جانے کو تیار ہورہی تھی جب امامہ نے اسے مخاطب کیا۔
"مجھے نہیں جانا بجو میری طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے۔ آپ بھی مت جاؤ۔" لاریب نے کچھ چونک کر اسے دیکھا پھر شانے اچکا دیئے۔
"میں تمہاری وجہ سے چھٹی نہیں کرسکتی۔ ویسے تمہیں کیا ہوا ہے؟"
"ٹمپریچر ہے۔" امامہ کے جواب پر وہ سر ہلاتی باہر آ گئی۔ اس کا ذہن ایک دم بیدار ہوگیا تھا آج وہ ہر قیمت پر سکندر سے دو دو ہاتھ کرنے کو تیار تھی۔
"سکھاں سکندر سے کہو گاڑی نکالے میں دس منٹ میں آرہی ہوں۔"
"میں اور امامہ تو نہیں جارہے تم بھی مت جاؤ لاریب۔" ایمان کچن سے نکلی۔ لاریب نے منہ بنالیا۔
"باجو میرے ایگزیم سر پر ہیں۔ سوری چھٹی نہیں کرسکتی۔"
"اوکے فائن۔" ایمان نے کاندھے اچکا دیئے۔ لاریب نے ناشتے کا گویا تاثر دیا تھا محض چند نوالے لے کر اٹھ گئی۔ چادر اور بیگ سنبھالے اور پورٹیکو میں آ گئی تو سکندر گویا اسی کا منتظر تھا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ کر کھٹاک سے دروازہ بند کیا۔
"اب چلتے کیوں نہیں ہو؟" سکندر کو اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے ساکن بیٹھے دیکھ کر وہ اس پر برسی۔
"وہ بی بی صاحبہ امامہ بی بی؟"
"وہ نہیں جارہی ہے تم چلو۔" لاریب نے ناگواری سے جواب دیا۔
"گاڑی روکو!" حویلی سے چند فرلانگ کا فاصلہ طے

سیدہ مدحت آصف

السلام علیکم! جی تو میرا نام مدحت آصف ہے۔ مئی کے مہینے میں پاکستان کے شہر کراچی میں تشریف لائی ہم تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سب سے بڑے بھائی کا نام طلحہ ان کے بعد بہن نمرہ ان کے بعد اسامہ پھر مابدولت اور آخر میں چھوٹا بھائی حبیب ہے۔ امی اور ابو ماشاء اللہ سے دونوں حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر سلامت رکھے جی تو جناب اب آتے ہیں ہماری پسند ناپسند پر جہاں تک کھانے کی بات ہے تو مجھے چاولوں کی ہر ڈش اس کے علاوہ چکن کا سالن وغیرہ پسند ہے۔ پسندیدہ کلرز میں ہرا اور سفید رنگ پسند ہے۔ خوشبو مجھے موتیے اور مٹی کی پسند ہے۔ کپڑوں میں مجھے ساڑھی اور فراک پسند ہے جب کہ جیولری میں مجھے چوڑیاں پسند ہیں۔ سنگرز میں عاطف اور راحت فتح علی خان پسند ہیں۔ اداکار فواد خان اور اداکارہ سجل علی پسند ہیں۔ رائٹرز میں عمیرہ احمد نازیہ کنول نازی نمرہ احمد فرحت اشتیاق آمنہ مفتی اور عشناء کوثر سردار پسند ہیں۔ ناولز میں "قراقرم کا تاج محل، بیلی راجپوتانے کی ملکہ سفال گر، پیر کامل، مصحف، امربیل، ہم سفر وغیرہ پسند ہیں۔ خامیاں بہت سی ہیں غصہ کی تیز منہ پھٹ ہوں اور دوسروں کی باتوں میں آجاتی ہوں۔ خوبیاں اب اپنے منہ سے اپنی کیا تعریف کروں۔ اس کے ساتھ ہی اب اجازت دیں بہت وقت لے لیا آپ کا آپ سب مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مہوش کرن

السلام علیکم! آنچل کے تمام رائٹرز کو میرا اسلام میرا نام مہوش ہے۔ میں 22 اکتوبر کو اس دنیا میں آئی میں نے بی اے کیا ہوا ہے آنچل میں نے 2002ء میں پڑھنا شروع کیا۔ میں نے ستمبر کے شمارہ میں ثمر زارہ کا تعارف پڑھا ثمر زارہ جی! مجھے آپ کا نام بہت پسند آیا۔ رائٹرز میں سمیرا شریف طور کا سلسلے وار ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" پسند ہے۔ اس کے علاوہ راحت وفا کا "جانِ جاں تو جو کہے" اور نازیہ کنول نازی کا "پتھروں کی پلکوں پر" بہت پسند ہے تینوں ناول بہت اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی رائٹرز بھی اچھا لکھتی ہیں میرے علاوہ میرے گھر میں سب ہی آنچل پڑھتے ہیں۔ میری زیادہ فرینڈز نہیں ہیں آنچل سے ہی دوستی ہے کوکنگ کا شوق ہے جو میں کرتی بھی ہوں اور سب کو پسند بھی بہت آتی ہے۔ باقی آنچل سے وابستہ بہنوں کے سارے تعارف پڑھتی ہوں اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے اور آنچل ہمیشہ ترقی کی راہوں پہ گامزن رہے اسی کے ساتھ اللہ حافظ۔

ہونے پر وہ تحکم سے بولی تو سکندر کا پیر بے ساختہ بریک پر جا پڑا۔
"میرا کام کیا؟" وہ اسے تیکھے چتونوں سے گھور کر بولی۔
"ک......کون سا بی بی صاحبہ؟"
"شٹ اپ سکندر میں اس بدتمیزی پر تمہارا سر پھاڑ سکتی ہوں۔" وہ آگ بگولہ ہونے لگی۔ انداز بے حد سفاکی لیے ہوئے تھا۔ سکندر نے اس سبکی کو برداشت کیا۔
"نکاح نامہ لائے ہو؟" وہ بگڑ کر بولی۔ لہجہ بے حد درشت اور اہانت آمیز تھا۔ سکندر نے جواب میں کچھ کہے بغیر بغلی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نکاح نامہ نکال کر خاموشی سے اس کی جانب بڑھا دیا۔ لاریب نے جھپٹا اور سلگتی آنچ دیتی نگاہوں سے کچھ دیر تک اسے گھورا پھر سکندر کو دیکھ کر اسی متنفر انداز میں بولی۔
"لائٹر تو ہوگا تمہارے پاس؟" سکندر نے ایک بار پھر حکم کی تعمیل کی۔ "چند دن قبل میں نے ایک غلطی کی تھی اور تم نے ایک خواب دیکھا تھا۔ غلطی اگر بھیانک ہو اور خواب بھی تو اسے بھول جانا بہتر ہوتا ہے۔ میں تو بھول گئی ہوں تم بھی بھول جانا۔ یہ ثبوت تھا نا اس کا اب نہیں رہا۔" لاریب نے لائٹر جلایا اور نکاح نامے کو اس کی لو کے نیچے کردیا حاسد لو نے لمحوں میں سکندر کے خواب کا سارا سنہرا پن چاٹ ڈالا۔ وہ ششدر آنکھیں پھاڑے جیسے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔

❁......❁......❁

چلو کچھ دیر ہنستے ہیں محبت پر عنایت پر
کہ بے بنیاد باتیں ہیں سبھی رشتے سبھی ناتے
ضرورت کی ہیں ایجادیں کہیں کوئی نہیں مرتا کسی کے واسطے جاناں
کہ سب ہے پھیر لفظوں کا ہے سارا کھیل حرفوں کا
نہ ہے محبوب کوئی بھی سبھی جملے سے لگتے ہیں
جسے ہم زیست کہتے تھے کہ لیتا سانس بن جس کے
ہمیں اک جرم لگتا تھا کہ سنگ جس کے ہر اک لمحہ
خوش و خرم لگتا تھا جسے ہم زندگی کہتے
جسے ہم شاعری کہتے غزل کا قافیہ تھا جو
نظم کا جو عنواں تھا وہ لہجہ جب بدلتا تھا
جو سایہ بن کے رہتا تھا جدا اب اس سے رہتے ہیں
چلو کچھ دیر ہنستے ہیں محبت پر عنایت پر

اس نے نظم ٹائپ کی اور ایمان کے نمبر پر سینڈ کردی۔ وہ نظریں اسکرین پر جمائے ایمان کے جواب کا انتظار کررہا تھا۔ گو کہ اسے توقع تھی اس انکار کی۔ بڑی منت سماعت کے بعد بھیجے گئے پاپا ماما اور تاؤ جی منہ لٹکائے بلکہ غصے میں بھڑکے ہوئے واپس آئے تو تاؤ جی کے واویلے نے ایک حشر اٹھا دیا تھا۔ پاپا نے بھی تھوڑی بہت ان کی ہاں میں ہاں ملائی مگر ماما کا غصہ تو کچھ ایسا گمبھیر قسم کا تھا کہ شرجیل پر ایک سنگین و شاکی نگاہ ڈال کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں اور تاحال ان کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ یہ معرکہ شرجیل نے کس طرح سر کیا تھا یہ ایک یکسر الگ داستان تھی۔ اس کے منہ سے من پسند لڑکی سے شادی کی بات سن کر ہی گھر میں بھونچال اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"دیکھیں ذرا صاحب یہ دن بھی ہمیں دیکھنے تھے۔ گھر میں موجود جوان بچیوں کو چھوڑ کر یہ باہر آنکھ مٹکا کریں گے باہر شادیاں کریں گے۔" سب سے زیادہ ہوا اس بات کو تائی ماں نے دی تھی۔ وہ تو اسے تہیں صالحہ کے لیے شرجیل کو منتخب کرچکی تھیں۔ شرجیل کی قسمی نکل گئی تھی انہوں نے اعتراض ہی ایسا اٹھایا تھا۔
"یار بھائی تائی ماں سے پوچھو گھر کی لڑکیوں سے آنکھ مٹکا کرنے کی اجازت ہے؟" سب سے زیادہ باچھیں نبیل کی کھلیں تھیں۔ فراز کے کان میں گھس کر بولا۔ فراز نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔
اعتراضات کی بوچھاڑ ہر سمت سے ہوئی تھی مگر شرجیل کے گھر چھوڑ جانے کی دھمکی اور کبھی شادی نہ کرنے کی بڑھکوں سے خائف ہوتی ماما نے ہی پاپا پر زور دیا تھا اور پاپا یہ مقدمہ تاؤ جی کے پاس لے آئے یہ پاپا جانتے ہیں یا رب جانتا ہے مگر وہاں سے بغیر کسی لگی لپٹی رکھے ملنے والے جواب نے سب کے منہ لٹکا دیئے تھے ماسوائے تائی ماں اور صالحہ کے۔
"بہت بے عزتی ہوئی ہے جی ہمارے صاحبزادے کی وجہ سے۔" پاپا نے شرجیل کو مقدور بھر گھور کر اپنی بات کا آغاز کیا۔
"بھابی حسین تو بہت ہوں گی۔ ایویں تو بھائی سدھ بدھ نہیں بھول گئے۔" فراز نے اپنے دماغ میں ہلچل مچاتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوال پوچھا اور پاپا نے اسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھور کر جزبز کردیا۔

”وہ بھائی کدھر سے ہوگئی تیری ہاں؟ نہ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔“ وہ جس قدر جھنجلائے ہوئے تھے اس حساب سے ملامت کی۔

”ویسے یہ رشتہ ہوجاتا تو اچھا تھا دیکھا نہیں کیا ٹھاٹ ہیں شاہ صاحب کے آس پاس کے جانے کتنے گاؤں بھی انہی کی ملکیت ہیں۔ حویلی کی شان وشوکت الگ۔“

”دفع کریں بھائی صاحب! ہمارے پاس بھی اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ نخرہ نہیں دیکھا تھا پیر صاحب کا آپ نے۔ کتنے نخوت سے بات کررہے تھے۔“ پاپا کا غم وغصہ ہنوز قائم دائم تھا جبھی کچھ بھڑکے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

”جو کچھ بھی ہے میں تو یہ کہوں گا لڑکے نے ہاتھ اچھا مارا ہے۔“ تاؤجی کی لالچی فطرت صحیح معنوں میں مسحور ہوکر رہ گئی تھی حویلی کو دیکھ کر۔

شرجیل جو اس کانفرنس کے آغاز سے ہی اٹھ کر چلا گیا تھا فراز نئی تازہ رپورٹ کے ساتھ اٹھ کر اس کی جانب بھاگا تو شرجیل کمرا بند کیے ایمان کے جواب سے مایوس ہونے کے بعد......

شام کے سرمئی اندھیروں میں یوں میرے دل کے داغ جلتے ہیں

جیسے پربت کے سبز پیڑوں پر شام کے بعد دھوپ ڈھلتی ہے

سنتے ہوئے گویا اپنا غم غلط کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ فراز اندر آیا تو اس کا سوجا ہوا منہ دیکھ کر دانت نکوسنے شروع کردیئے۔ شرجیل بری طرح سے جھلا اٹھا۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ؟“

”بھائی آپ کے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔“ اس نے تجسس پھیلایا مگر شرجیل کے چہرے کے بگڑے زاویے بگڑے ہی رہے۔

”تاؤجی کو آپ کا رشتہ یہاں نہ ہونے پر افسوس ہے۔“

”تو میں کیا کروں؟“

”پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ“ فراز نے شاعری کی زبان میں ہمت بندھائی۔ شرجیل کے ہونٹوں پر بھولی بھٹکی سی مسکان بکھری۔

”میں اتنا ویلا تو نہیں ہوں ستائیس سال کا ہوگیا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے مجھے اپنی زندگی میں عشق ومحبت کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا؟“

”آپ تین تین ماسٹرز ڈگریاں لیتے ستائیس سال کے ہوئے ہیں واضح رہے۔“ فراز نے اچھا خاصا برا منا کر جواب دیا۔

”ساتھ میں عشق بھی بھگتایا ہے پیارے۔“

”یعنی آپ کتنے سالوں سے عشق بھگتا رہے ہیں؟“

”پچھلے تین سالوں سے۔“ شرجیل کا حساب کتاب بڑا پختہ تھا اس معاملے میں۔

”اتنی گوڑی محبت کو بھول جائیں گے؟“ فراز کو فکر لاحق ہوئی۔

”کون کافر بھولنا چاہے گا۔“

”پھر کیا شاعری کریں گے ہجر میں بیٹھ کر جوگ لیں گے؟“ فراز نے آنکھیں پھیلائیں۔ (اف میرا اتنا ہینڈسم اتنا ڈشنگ بھائی اور شاعر؟ چلو خیر ان پر مرنے والی لڑکیوں کی تعداد میں یہ شہرت اضافہ ہی کرے گی)۔

”شاعری کریں ہمارے دشمن اور جوگ بھی وہی لیتے پھریں۔“

”آپ کے دشمنوں کی فہرست میں تو سب سے بڑا نام ایمان صاحبہ کے والد محترم کا ہے اور یہ دونوں کام ان پر کچھ جچیں گے نہیں اس عمر میں۔“ فراز نے شرارت سے سر کھجایا اس کی آنکھوں میں شوخی ناچ رہی تھی۔

”بیٹی کے غم میں بستر پر پڑے تو اچھے لگیں گے نا؟“ شرجیل نے کیسٹ پلیئر بند کردیا۔ فراز نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

”کیا مطلب ہے؟“

”مطلب یہ کہ ان کی بیٹی جب ان کے فیصلے سے بغاوت کرتے ہوئے گھر سے بھاگے گی تو جتنے بھی اکڑو ہوں بہرحال اس صدمے سے نڈھال تو ضرور ہوں گے۔“ وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا جبکہ فراز کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں۔

(جاری ہے)

مجھے حکم اذان

ام مریم

قسط نمبر 3

برف کی سل بھی تو حدت سے پگھل جاتی ہے
کیوں نہ اس شخص کو سینے سے لگایا جائے
تجھ سے بچھڑے ہیں قیامت تو نہیں ٹوٹی ہے
اک ذرا سی بات پہ کیوں حشر اُٹھایا جائے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ہے باپ کرسچن جبکہ ماں ہندو ہے۔ نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں جبکہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں قبل امریکا میں نندنی کسی ایشین مرد سے ملتی ہے جس کی شخصیت کا سحر اس قدر طاری ہو جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتی رہتی ہے نندنی کی ماں سریتا دیوی کے دوسرے شوہر کا بیٹا نندنی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے سریتا دیوی نندنی کو دیو سے شادی کرنے پر مجبور کرتی ہے جس پر نندنی دلبرداشتہ ہو کر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے کہانی کا دوسرا اہم کردار عباس حیدر جس کی نسبت بچپن ہی سے اپنے چچا کی بیٹی لاریب سے طے ہے اپنی خاندانی روایت کی پاسداری نہ کرتے ہوئے شوبز جوائن کر لیتا ہے جس پر سارا خاندان اس سے قطع تعلقی اختیار کر لیتا ہے عباس کے جانے کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے دوسری طرف عباس اریشہ سے شادی کرتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر لاریب شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور حویلی کے خاص ملازم سکندر جو گھر کے ایک فرد کی طرح ہے اسے شادی کے لیے خود پرپوز کرتی ہے سکندر لاریب کو چپکے چپکے دل میں پسند کرتا ہے اور لاریب کی ذہنی حالت اور صدمے کے آگے ہار مانتے ہوئے اس سے کورٹ میرج کر لیتا ہے لاریب عباس کو اپنی اور سکندر کی شادی کی خبر فون پر سناتی ہے جس پر وہ حسد کرنے کے بجائے مبارک باد دیتا ہے جب ہی لاریب کو شدت سے اپنی غلطی اور سکندر کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے کہانی کا تیسرا اہم کردار شرجیل جس کا تعلق جوائنٹ فیملی سے ہے خاندان میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے اس کی چچازاد علینہ جو دلکش شخصیت کی مالک ہے شرجیل کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگتی ہے لیکن شرجیل پہلے سے ہی ایمان کو پسند کرتا ہے جس کی نسبت پہلے سے ہی وقاص سے طے ہے لاریب خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے جب کہ سکندر اس کے انتہائی قدم پر ششدر رہ جاتا ہے لاریب کے گھر آنے کے بعد سکندر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں اور ایمان کے سامنے ہی اس پر بگڑ پڑتی ہے۔

دیو کے بارہا منع کرنے کے باوجود سریتا دیوی ایک بار پھر نندنی سے دیو کے متعلق بات کرتی ہیں جس پر شدید طیش میں آ کے بالکونی کی چھت سے کود جاتی ہے مگر ایک بار پھر وہ بدقسمتی سے بچ جاتی ہے جس پہ دیو اور سریتا دیوی شکر کا سانس لیتے ہیں ڈاکٹر زینب نندنی کو پیار سے سمجھاتی ہیں نتیجتاً وہ ان کے قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسری جانب عباس عریشہ کے ساتھ نئی زندگی میں مگن ہے جب کہ لاریب اپنی کی گئی حماقت پہ سکندر سے مزید نفرت کرنے لگتی ہے اس کی بیماری کا سن کے ایمان اور امامہ سکندر کے گھر ملنے جاتی ہیں وہ بھی نکاح نامہ لینے کی غرض سے ان کے ساتھ چلی جاتی ہے نکاح نامہ نہ ملنے کے باعث وہ شدید رنج میں مبتلا ہو جاتی ہے سکندر کچھ دن بعد جب لاریب کو ڈراپ کرنے جاتا ہے لاریب اس سے نکاح نامہ لے کے جلا دیتی ہے جب کہ سکندر ششدر رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب شرجیل ایمان کے گھر رشتہ بھیجتا ہے جو توقعات کے عین مطابق رد کر دیا جاتا ہے جب کہ تایا جی حویلی کے رکھ رکھاؤ و دولت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں شرجیل فراز کو ایمان کے بھاگنے کا لائحہ عمل بتاتا ہے جس پہ وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

"یعنی یعنی آپ......؟"

"ہاں میرا یہی مطلب ہے اور سنو اب تم جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔" شرجیل کے اطمینان و سکون میں ذرا برابر بھی جو فرق آیا ہو جبکہ فراز صحیح معنوں میں ہل کر رہ گیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے بھائی!"

"شٹ اپ فراز! تم جا سکتے ہو۔"

"بھائی میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہوں گا۔ اگر آج آپ کسی کی عزت سے کھیلو گے تو کل خدانخواستہ کوئی آپ کی عزت کی طرف بھی میلی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔"

"بس کہہ چکے تم جو کہنا تھا۔ اب جاؤ نان سنس! پہلی بات تو یہ کہ میں اس سے نکاح کروں گا دوسری یہ اہم اطلاع ہوگی تمہارے لیے کہ وہ خود میرے ساتھ بھاگنے پر آمادہ ہے۔" شرجیل کا لہجہ طنزیہ تھا۔ فراز نے حیرت سے ساکن ہو جانے والی نگاہ سے شرجیل کے بے حد وجیہہ چہرے کو دیکھا اور دیکھتا رہا پھر افسردگی سے مسکرا دیا۔

"ہاں شاید وہ بیچاری آپ کے خوبروئی وجاہت اور اسمارٹنس پر مرمٹی ہوگی۔" اس نے گہرا سانس کھینچا اور واپسی کو پلٹ گیا۔ شرجیل نے اٹھ کر دروازہ لاک کیا پھر بستر پر گر کر سوچنے لگا اب اسے ایمان سے ایسا کیا کہنا ہے کہ وہ سب کچھ فراموش کر کے اس کے ساتھ بھاگنے پر آمادہ ہو جائے۔

❀......❀......❀

تیرا بننا سنورنا مبارک تمہیں
کم سے کم اتنا کہا تو مانا کرو
یہ ادا دیکھنے والے لٹ جائیں گے
یوں نہ ہنس ہنس کے دلبر اشارہ کرو
چاند شرمائے گا چاندنی رات میں
یوں نہ زلفوں کو ایسے سنوارا کرو

وہ تیار ہو کر جوتے کے اسٹریپ بند کر رہی تھی جب عباس نے اسے پیچھے سے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ گنگناہٹ کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری تھا آج کل اس کے انگ انگ سے سرشاری جھلکتی تھی۔

"اف عباس اتنی تعریفیں نہ کیا کریں۔ رئیلی میں شرمندہ ہونے لگتی ہوں۔"

"شرمندگی کی وجہ؟ جانِ من میں شوہر ہوں تمہارا۔" عباس نے مسکرا کر اس کے ریشمی بالوں میں منہ چھپایا اور عریشہ کو لگا گویا چودھویں کے چاند پر گھنیرے بادل چھا گئے ہوں۔ وہائٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس عباس حیدر اپنی سحر انگیز شخصیت سے اکثر و بیشتر عریشہ کو احساس کمتری کا شکار کرنے لگا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے جب بھی کہیں باہر نکلتے عباس پر اٹھنے والی نگاہوں میں جتنی ستائش اور توصیف کے رنگ ہوتے لوگ اسے دیکھ کر اسی قدر حیرانی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عریشہ ان چند دنوں میں متعدد بار اپنے احساس کو افسردگی سمیت عباس تک پہنچا چکی تھی اس وقت بھی عباس نے بہت سرعت سے اس کی کیفیت کو پا لیا تھا جبھی بہت خوب صورتی سے موضوع تبدیل کر دیا۔

"یار پیکنگ تو کروائی ہے نا اپنی نگرانی میں؟ یو نو ہماری کل شام کی فلائٹ ہے۔"

"جی کروالی ہے کچھ اور تھوڑی ابھی رہتی ہے۔"

"گڈ پھر چلیں اب......؟" عباس نے کوٹ کی جیب میں سیل فون اور والٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"جی چلیں میں تو تیار......" معاً وہ بات ادھوری چھوڑ کر منہ پر ہاتھ رکھ کے واش روم کی سمت بھاگی۔ عباس نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ اور جب وہ اس کے پیچھے آیا عریشہ ابکائیوں کی شدت سے بے حال ہو چکی تھی۔

"عریشہ واٹ ہیپنڈ؟" عباس نے بہت نرمی و محبت سے اسے شانوں سے تھام کر از حد تشویش میں گھر کر سوال کیا۔ عریشہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ منہ پر پانی کے چند چھپاکے مارے اور عباس کے سہارے سے واپس روم میں چلی آئی۔

"چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ ایکدم سے کیا ہو گیا تمہیں؟" عباس کی گھبراہٹ پریشانی میں ڈھلنا شروع ہو چکی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے عباس میں ٹھیک ہوں۔" عریشہ کے دسانیت سے کہنے پر عباس نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"کیوں ضروری نہیں ہے؟ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں کل ہمیں جانا بھی ہے۔"

"عباس مجھے لگتا ہے ہم ہنی مون کے لیے نہیں جا پائیں گے۔"

’’واٹ یو مین؟‘‘ عباس نے حق دق ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

’’مجھے لگتا ہے میں پریگنینٹ ہوں تو احتیاط تو ضروری ہوتی ہے نا۔‘‘ عریشہ کے چہرے پر دھنک کے رنگ بکھر گئے تھے۔ عباس کچھ لمحوں کو گنگ رہ گیا پھر اگلے ہی لمحے اس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں بھرپور چمک لہرائی۔

’’تم سچ کہہ رہی ہو عریشہ؟ یعنی میں...... میں باپ بننے والا ہوں؟‘‘ اس نے عریشہ کا ہاتھ جوشِ مسرت میں پکڑ کر دبایا۔ اس کا چہرا دبے دبے جوش سے سرخ ہونے لگا تھا۔ عریشہ کے چہرے پر حیا آمیز سرخی بکھر گئی۔

’’پتہ نہیں عباس مجھے شک ہے کنفرم تو ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنے کے بعد ہی......‘‘

’’تو آؤ نا ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔‘‘ عباس بے تابی سے بولا۔ عریشہ کا شک درست ثابت ہوا۔ ڈاکٹر نے تصدیق کے بعد ڈھیر ساری ہدایات بھی کردی۔ عباس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا تھا۔

’’میں تو بہت خوش ہوں‘ جی چاہ رہا ہے پوری دنیا کو اس خوشی میں شامل کرلوں۔‘‘ عباس نے مسکرا کر کہا تو عریشہ نے منہ پھلا لیا۔

’’یہ بھی تو دیکھو نا اس نے آتے ہی ہمارا سارا پروگرام چوپٹ کردیا ہے۔‘‘ اس کا اشارہ ہنی مون کی طرف تھا۔

’’ڈونٹ وری آئی پرامس ود یو میں تمہیں وہاں ضرور لے کر چلوں گا۔‘‘

’’مگر اس وقت جیسے جذبات تو نہیں رہیں گے نا عباس۔‘‘ عریشہ نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔

’’ہمارے جذبات کبھی بھی ماند نہیں پڑیں گے سویٹ ہارٹ‘ میں ہمیشہ تم سے ایسے ہی محبت کروں گا ڈارلنگ۔‘‘

’’مگر عباس‘ یہ بچہ! میری توجہ تو بٹے گی نا۔‘‘ وہ پتہ نہیں اس سے کیا سننا چاہتی تھی۔

’’ہم اس کے لیے گورنس کا انتظام کرلیں گے تمہیں اس کا کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بتاؤ تم نے بچے کا نام سوچا کیا رکھنا ہے؟‘‘

’’اب مجھے کیا پتہ کیا ہوگا بیٹا یا بیٹی؟‘‘ عریشہ نے کاندھے اچکائے تو عباس نے مسکرا کر اس کی بات قطع کردی۔

’’بیٹا......‘‘

’’آپ یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں عباس؟‘‘

’’مجھے یقین ہے ہمارا پہلا بیٹا ہی ہوگا اور اس کا نام میں نے ابھی سے سوچ لیا ہے۔‘‘

’’کیا نام سوچا ہے‘ مجھے بھی بتائیں۔‘‘ عریشہ نے متجسس ہو کے اسے دیکھا۔

’’اسامہ! مجھے یہ نام شاید اس لیے بھی اپنے بیٹے کا رکھنا اچھا لگے گا کہ مجھے اسامہ بن لادن کی شخصیت سے بہت محبت رہی ہے۔ یو نو ہم نے اپنی کالج لائف میں اسامہ کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا تھا اور ان کی بہت بڑی سی تصویر ہمارے روم میں بھی ہوتی تھی بلکہ ایک بار تو بات بہت بڑھ گئی تھی۔ کسی کی شکایت پر ہمیں حوالات بھی جانا پڑا تھا۔ پولیس نے ہم پر الزام لگایا تھا کہ ہم اسامہ کے ایجنٹ ہیں۔‘‘ وہ ساری بات بتا کر ہنسنے لگا۔

’’تو آپ نے طے کرلیا ہے کہ آپ اپنے بیٹے کا نام اسامہ ہی رکھیں گے؟‘‘ عریشہ کے سوال پر عباس چونکا۔

’’میرا بیٹا تمہارا بھی بیٹا ہوگا عریشے! اگر تمہیں کوئی اور نام پسند ہے تو رکھ لینا یار!‘‘

’’یہ بات نہیں ہے عباس‘ میری ایک فرینڈ ہے اس کی سسٹر کی شادی اس کے امریکہ میں مقیم کزن سے ہوئی تھی۔ جب ان کے ہاں بیٹا ہوا تو نام اسامہ تجویز ہوا مگر وہاں بہت مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اسامہ بن لادن سے نفرت کا وہاں یہ عالم ہے کہ نومولود بچوں کو بھی اگر یہ نام دیا جائے تو وہاں کی گورنمنٹ تحقیق اور شبہات ظاہر کرکے مختلف قسم کی اذیتوں اور پریشانیوں سے دوچار کرتی ہے۔‘‘

’’یہ امریکہ کی بات ہے‘ الحمدللہ ہم پاکستان کے آزاد شہری ہیں۔‘‘ عباس نے رسانیت سے کہہ کر گویا اس کی ڈھارس بندھائی تو عریشہ کے چہرے پر ایک نامعلوم سا کرب پھیل گیا۔

’’اس کے باوجود عباس جبکہ آپ اپنی نوجوانی کے دور میں اسی ملک میں اس نام نہاد آزادی کا ایک ٹریلر دیکھ چکے ہیں۔ اب اس سے چند سال بعد یا پھر آنے والے وقت میں حالات کیا ہوں گے آپ کو اندازہ تو ہونا چاہیے۔‘‘ وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھی۔ عباس کے چہرے پر گھمبیرتا چھا گئی وہ کچھ اتنا غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ جو بھی ہے میں بہرحال اپنے بیٹے کا نام اسامہ ہی رکھوں گا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اسامہ بن لادن کو میں اپنی نوعمری میں ہی پسند نہیں کرتا تھا ان کے لیے قدردانی اور محبت کے جذبات اب بھی وہی ہیں۔‘‘ اس کے دوٹوک انداز پر عریشہ نے چپ سادھ لی مگر اس دکھ بھری خاموشی میں بھی دونوں کے دل خدا کے حضور گویا ایک ہی دعا مانگ رہے تھے۔

’’پاکستان کو دشمن کی سازشوں اپنے حکمرانوں کی مکاریوں سے ہمیشہ بچا کر محفوظ رہنے سلامت رہنے کی دعا!‘‘

❀......❀......❀

اس نے پلکیں جھپکیں اور ساری نمی کو اندر اتار لیا۔ بہت سارا اضطراب در آیا تھا اندر‘ جانے کیسا احساس تھا جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ مایوسی کے گھٹا ٹوپ سیاہ غار میں خود کو بند محسوس کرکے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے ناکامی کا سامنا ہوجانے پر جو وحشت اور بے بسی نصیب بنا کرتی ہے وہی کیفیت تھی اس کی۔

کیا وہ مجھے مل پائے گا......؟ اس نے ایک بار پھر خود سے سوال کیا اور جیسے خود ہی نفی بھی کردی‘ پتہ نہیں آج کل وہ اتنی مایوس کیوں ہونے لگی تھی۔

ضروری ہے میری طرح وہ بھی میرا منتظر ہو اور ہر خوشی کا راستہ خود پر بند کردے۔ یقیناً نہیں...... کہ وہ تو اسے جانتا تک نہ تھا آہ یہ بے بسی۔

اس نے ایک بار پھر ڈاکٹر زینب کا نمبر ٹرائی کیا۔ اس بار پھر اسے مایوسی ہوئی۔ ڈاکٹر زینب سے بات کرنے کے بعد وہ کسی حد تک ریلیکس ہوجایا کرتی تھی۔ پتہ نہیں کیسا سحر تھا اس کی باتوں میں۔ نندنی خود بھی حیران ہوا کرتی۔

’’آپ میرے لیے دعا کرتی ہیں؟‘‘ لاسٹ ٹائم جب نندنی کی زینب سے بات ہوئی تھی نندنی نے اس سے سوال کیا تھا۔

’’کیوں نہیں زینب میں اللہ سے تمہارے سکون اور تمہاری دلی مراد برآنے کی دعا کرتی ہوں۔‘‘

’’آپ کو اپنی دعا کی قبولیت پر یقین ہے ڈاکٹر؟‘‘ وہ غیر یقینی سے بول پڑی تھی۔

’’ناٹ ڈاؤٹ! اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن تو نہیں ہمارا ایمان ہے۔‘‘

’’آپ کو اپنے اللہ پر اتنا بھروسہ کیوں ہے؟‘‘ (مجھے تو نہیں ہے نہ یسوع مسیح پر نہ بھگوان پہ)

’’جسے اپنے خالق کی ذات پر کامل یقین نہیں وہ گویا کامل مسلمان نہیں۔‘‘

’’آپ اپنے اللہ سے دعا کریں ڈاکٹر زینب کہ مجھے وہ مل جائے جس کے ملنے کی آس بھی میرے اندر سے ختم ہوگئی ہے۔ میں اسے پھر سے دیکھنا چاہتی ہوں پلیز! آپ سمجھ لیں میں تب ہی آپ کی بات کا یقین کرپاؤں گی۔ سمجھ لیں آپ کا یہ امتحان ہے۔ سمجھ لیں یہ آپ کے اللہ کا بھی امتحان ہے۔‘‘ وہ اتنی اپ سیٹ تھی کہ ہیجان زدہ کیفیت میں ایک کے بعد دوسرا مطالبہ زینب کے سامنے رکھتی چلی گئی۔ ڈاکٹر زینب تو اس کے آخری فقرے پر لرز گئی تھی۔

’’نعوذباللہ! نندنی انسان کی یہ اوقات کہاں کہ وہ اپنے رب کو آزمانے نکل کھڑا ہو۔ میں تم سے ایک واقعہ شیئر کرنا چاہوں گی۔

ایک مرتبہ کسی بزرگ سے کسی آدمی نے کہا تھا۔ آپ اس پہاڑ سے نیچے کود وا اور اپنے اللہ سے کہو وہ آپ کو ہر کسی نقصان سے محفوظ رکھے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں آپ محفوظ رہتے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا تھا۔ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنے رب کو آزماؤں‘ بلاشبہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ تو نندنی ہمیں اپنے رب کی طاقت اور قدرت پر شبہ ہو تو ہم ایسی بات سوچیں نا۔ بہرحال میں تمہارے لیے دعا ضرور کروں گی۔‘‘ اور نندنی کے دل میں جو امنگ و امید پیدا ہوئی تھی گویا خود بخود مرگئی۔ اس نے سوچا تھا۔

شاید ڈاکٹر زینب کا رب بھی یہ نہیں کرے گا۔ جیسے یسوع مسیح نے نہیں کیا۔ جیسے بھگوان نے نہیں کیا۔ کچھ دن پہلے تک وہ لیپ ٹاپ پر بھی مصروف رہتی تھی‘ اس کا جان سے کانٹیکٹ ہوا تھا۔ بچپن میں اس سے لاتعلق اور بے نیاز رہنے والے جان کے دل میں جانے کیسے اب محبت کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ گھنٹوں کے حساب سے اس سے مسلسل چیٹ کیا کرتا۔

’’میں ڈاکٹر بن گیا ہوں کترائن! تم یہاں آجاؤ۔ میں ہارٹ اسپیشلسٹ بنوں گا پھر تمہارے دل کے سارے فالٹ صحیح کروں گا۔‘‘ اس نے نندنی کی محبت کی داستان سن کر کہا اور ساتھ میں قہقہہ لگایا۔ نندنی کا موڈ خراب ہوا تھا‘ تبھی اس نے دوبارہ اس سے کانٹیکٹ ہی نہیں کیا۔ وہ میرا سگا بھائی ہو کر میرا مذاق اڑاتا ہے۔

اس نے بہت دکھی ہو کر سوچا تھا اور شاید اس کی زندگی پر سب سے بڑا حق دکھوں کا ہی تھا۔ تبھی تو وہ دکھوں کے ہمراہ جی رہی تھی بالکل اکیلی......!

❀......❀......❀

قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو
کسی کو ہم نے چاہا ہو کسی کو ہم نے سوچا ہو

کسی کی آرزو کی ہو کسی کی جستجو کی ہو
کسی کی راہ دیکھی ہو کسی کا قرب مانگا ہو
کسی کو ساتھ رکھا ہو کسی سے آس رکھی ہو
کوئی امید باندھی ہو کوئی دل میں اتارا ہو
کوئی تم سے بھی پیارا ہو کوئی دل میں بسایا ہو
کوئی روٹھا ہو تو ہم نے اسے رو رو منایا ہو
دسمبر کی حسیں رات میں کسی کا ہجر جھیلا ہو
کسی کی یاد کا موسم میرے آنگن میں کھیلا ہو
کسی سے بات کرنی ہو کبھی یہ ہونٹ ترسے ہوں
کسی کی بے وفائی پر کبھی یہ نین برسے ہوں
کبھی راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے دکھ میں نہ روئے ہوں
قسم لے لو تمہارے بعد ہم اک پل کو سوئے ہوں
قسم لے لو کبھی جگنو کبھی تارہ کبھی ماہتاب دیکھا ہو
قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو

ایمان نے یہ طویل نظم لکھی اور شرجیل کے نمبر پر سینڈ کردی۔ جو بھی ہوا تھا بہر حال اسے اس سے محبت تھی اور اس محبت کا ہی یہ ثبوت فراہم کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی تھی۔

"اس ساری جان کاری کی ضرورت نہیں تم بہت سہولت سے وقاص صاحب کی دلہن بن جاتا۔ یاد رکھنا تمہاری بے وفائی اور کج ادائی کا مظاہرہ کرنے کو میں یہاں بیٹھا نہیں رہوں گا۔" اگلے ہی لمحے اسے شرجیل کا خفگی سے بھرپور میسج موصول ہوا تھا۔ جسے پڑھ کر ایمان کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ جتنا جذباتی تھا اس سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جاسکتی تھی۔

"شرجیل پلیز ایسی فضول باتیں کرکے مجھے ہولاؤ مت میں آل ریڈی ڈسٹرب ہوں۔" اس نے بہت عجلت میں اسے جواب لکھا تھا۔

"میں اپنی زندگی کی صرف اس صورت میں تمہیں ضمانت دے سکتا ہوں ایمان کہ تم مجھے اپنے ساتھ کا یقین بخشو تمہیں کیا پتہ گھر میں کس انداز میں میری ذلت ہوئی ہے۔"

"اسی گھر میں مجھے لے کر جاؤ گے شرجیل تو زندگی مجھ پر کس قدر تنگ ہوگی تمہیں اندازہ ہے؟" ایمان صحیح معنوں میں روہانسی ہونے لگی۔

"میں تمہیں الگ گھر میں رکھ لوں گا۔ تم میرا ساتھ دینے کی حامی تو بھرو۔" وہ اصل مقصد کی طرف آیا۔ محبت کے علاوہ ایک انا بھی تو تھی جو بری طرح سے مجروح ہوئی تھی۔

"شرجیل میں تمہارے ساتھ ہوں' مگر پلیز مجھے کچھ وقت دو یہ بات تو طے ہے مجھے وقاص سے شادی نہیں کرنی۔" شرجیل کے جلتے دل پر جیسے کسی نے یخ ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ اس کے ہونٹوں کو فاتحانہ مسکان نے چھوا۔

"کتنا ٹائم! ایسا نہ ہو کہ خاک ہوجائیں ہم تجھ کو خبر ہونے تک......!"

"مجھے اپنی ساری کشتیاں جلا کر آنا ہے شرجیل! اماں لاریب' بابا سائیں' یہ وہ اپنے ہیں میرے جن سے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ محبت کی ہے۔ ان رشتوں کا ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانے کا خیال بہت جان لیوا ہے۔ مجھے ان کے ساتھ اچھا وقت گزار کر کچھ یادیں ہمراہ کرلینے دو پلیز۔"

"او کے فائن!"

"تھینک یو شرجیل!" اس نے آخری میسج ٹائپ کرکے سیل فون رکھ دیا۔ شرجیل نے بھی سرشاری کی کیفیت میں گنگناتے ہوئے سیل فون سائیڈ پر اچھال دیا۔ وہ زندگی کے بہت اہم مقام پر جیتنے جارہا تھا۔

❁......❁......❁

احساسِ زیاں ہر پل اس کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ مگر جب سے نیا موضوع زیر بحث آیا تھا اس نے بھی ہر خیال کو جھٹک کر خود کو مگن کرنا چاہا۔ بابا سائیں اب ایمان کی شادی کے خواہش مند تھے۔ چند دن قبل بڑی حویلی سے بڑے بابا سائیں باقاعدہ تاریخ لینے آئے تھے۔ تائی...... دونوں بیاہتا بیٹیوں کے بچوں شوہروں اور تو اور وقاص حیدر بھی ساتھ تھا۔ لاریب کی روح سب سے زیادہ اسی کو ہمراہ دیکھ کے جلی تھی۔

"اف یہ باجو اتنے برے آدمی کے ساتھ کیسے رہ پائے گی بیچاری!" اسے صحیح معنوں میں ایمان پر ترس آیا تھا۔ وقاص دورانِ تقریب چھچھوری حرکتیں کرتا رہا۔ بہانے بہانے سے کبھی ایمان تو کبھی لاریب کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتا۔ ایمان کی حد تک تو پھر بھی قابل برداشت تھی مگر لاریب کو خود پر اس کی توجہ زہر لگ رہی تھی۔ جبھی وہ چہرے پر ناگوار تاثرات لیے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

"کیا سمجھتا ہے یہ لفنگا مجھے؟ اس کے بھائی نے مجھے چھوڑ دیا تو میں مفت کا مال ہوں۔" اس سوچ نے آنکھوں میں مارے ذلت اور سبکی کے آنسو بھر دیئے۔ وہ کلس کلس کر آدمی سے زیادہ جان جلا چکی تھی۔ جب سکندر بابا سائیں کے پیغام کے ساتھ آیا تھا۔

"بی بی صاحب! بابا سائیں کہتے ہیں ایمان بی بی کو ہال میں لے آئیں رسم شروع کرنی ہے۔" اف ایک یہ تھا چلتا پھرتا اپنے نقصان کا اشتہار۔ لاریب نے چبھتی نظروں سے اسے گھورا اور کچھ حیران ہوئی۔ وہ لٹھے کے سفید کلف شدہ کھڑ کھڑاتے لباس میں تھا سلیقے سے بنے بال چمکتے جوتے' تیاری خصوصی تھی غالباً تقریب کے باعث۔

"تمہیں سفید کلر نہیں پہننا چاہیے سکندر' بندہ اپنی رنگت دیکھ کر لباس کی سلیکشن کرے تو بہتر ہوتا ہے۔" اس نے تاک کر نشانہ لگایا تو سکندر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"کہاں جارہے ہو؟" اسے چپ چاپ پلٹتے دیکھ کر لاریب نے بے حد سختی سے ٹوکا۔

"آپ کو کچھ کام ہے کیا؟" اس نے دیکھا سکندر کی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ اس دوران اس نے شاید ہی ایک مرتبہ بھی نگاہ بھر کے اسے دیکھا ہو اسے وہ ایک دم بے ضرر لگا۔

"کام ہو یا نہ ہو بہر حال میں نے تمہیں جانے کا نہیں کہا ابھی' اپنی اوقات مت بھولو سکندر۔" وہ بگڑ کر بولی' لہجے میں تلخی و تنفر کے ساتھ ساتھ تضحیک کا بہت واضح پہلو تھا۔ سکندر نے بے بسی سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا۔ تب اس کی حالت سے لطف کشید کرتے لاریب کو کچھ اور ہری ہری سوجھی تھی۔

"ایسا کرو شو ریک سے میری پنک سینڈل نکال لاؤ۔ یہ میرے ڈریس کے ساتھ کچھ اتنے میچ نہیں کررہے۔" سکندر نے جواب میں کچھ کہے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کی اور جس پل وہ اس کے سامنے جھک کر جوتے اس کے پیروں کے برابر رکھ رہا تھا لاریب نے کتنی کمینی سی خوشی محسوس کی تھی یہ اس کے چہرے پر رقم تھا۔

(یہی تمہاری اوقات ہے سکندر! میں نے اگر غلطی سے پیروں کی دھول کو سر پر ڈال لیا تھا تو اس دھول کو واپس اس کے مقام پر پہنچانا بھی میرے لیے مشکل نہیں ہے)

"گڈ اب تم جاؤ۔" اس کی انا کو اچھی طرح تسکین مل گئی تھی۔ جبھی وہ نخوت سے بولی تھی۔ سکندر یوں پلٹ کر بھاگا جیسے عقوبت خانے سے رہائی کا پیغام ملا ہو۔ لاریب بہت اطمینان بھرے انداز میں سینڈل پہن رہی تھی اور اسی رات جب وہ تینوں اکٹھی ہوئیں تو لاریب نے اپنے دل میں ہلچل مچاتا سوال ایمان سے پوچھ لیا۔ باجو آپ نے شرجیل بھائی کو بھلا دیا ہے یا پھر وقاص کو ذہنی طور پر قبول کرچکی ہیں؟" اس کے سوال پر ایمان کے چہرے پر تاریک سائے لرز گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی دروازہ پر دستک ہونے لگی تھی۔

"کیس کم ان! اس وقت کون آ گیا؟" لاما نے اجازت دیتے ہوئے کچھ حیران ہو کر خود کلامی کی۔ سکندر کو ٹرے اٹھائے اندر آتے دیکھ کر لاما اور ایمان نے بہت عجلت بھرے انداز میں اپنے دوپٹے اٹھا کر شانوں پر پھیلائے تھے جبکہ لاریب جو خاصے بے ڈھنگے انداز میں لیٹی ہوئی تھی اس کی پوزیشن میں فرق آیا نہ اس نے دوپٹے کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ ایمان نے لاکھ گھورا مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔

"سکندر تم گھر نہیں گئے؟ اور چائے تمہیں لانے کی کیا ضرورت تھی سکھاں کہاں ہے؟" ایمان نے اعتراض کیا۔

"آج کچھ کام زیادہ تھا بی بی صاحب! بابا سائیں نے ہی مجھے روکا ہے۔" وہ جھک کر ٹرے رکھ رہا تھا دوسرے سوال کو سرے سے نظر انداز کیے۔

"میں نے پوچھا ہے سکھاں کہاں ہے؟ وہ چائے لاسکتی تھی۔ تم کب سے اس قسم کے کام کرنے لگے؟" اب کے ایمان کے لہجے کی ناگواری اور سختی واضح تھی۔

"افوہ باجو! کیا طوفان آ گیا ہے' میں نے ہی کہا تھا سکندر سے کہ چائے وہ دے جائے۔ یہ ہمدردی سکھاں کے لیے بھی دکھا دیا کریں وہ بھی صبح سے کام کرکے ہلکان ہورہی ہے۔" لاریب نے ایک جھٹکے سے سیدھے ہوتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"یہاں کام کرنے والی سکھاں اکیلی نہیں ہے۔ لاریب اور دوسری بات یہ کہ سکھاں کا کام یہی ہے مگر سکندر کا نہیں' تم نے ایسا کیوں کہا؟" وہ روئے سخن لاریب کی سمت کرچکی تھی' لہجہ بے حد کڑا تھا۔

"آپ کو لگتا ہوگا یہ فرق مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا دلوں میں۔" لاریب نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا۔ اس کے چہرے پر گویا آگ برس رہی تھی۔ ایمان نے بہت حیرانی کی نگاہ سے لاریب کو دیکھا پھر جیسے خود پر ضبط کرتے ہوئے اسے نظر انداز کرکے سکندر کو مخاطب کیا۔

"سکندر تم جاؤ یہاں سے اور آئندہ اس قسم کا کوئی فضول حکم ماننے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال تم یہاں ملازم نہیں ہو۔"

"یہ کہیں نہیں جائے گا۔ جب تک کہ اس پر اس کی حیثیت واضح نہیں ہوجاتی۔" ایمان کے تحکمانہ انداز نے لاریب کے

بھڑکے ہوئے دل پر جیسے تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ اس نے تلملا کر ضدی انداز میں کہا اور بیڈ سے اتر کر سکندر کے قریب آئی اور اسے روکے رکھنے کی غرض سے اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر صوفے کی جانب دھکیلا۔

"بیٹھو یہاں میں دیکھتی ہوں تم میری بات ٹالنے کی ہمت رکھتے ہو۔" سکندر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا اور وہ اسے بٹھانے پر کمر بستہ تھی۔ اس کوشش میں وہ اس کے بے حد نزدیک آ گئی تھی اور صحیح معنوں میں سکندر آزمائش میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے پر بے بسی کا اظہار بہت واضح طور پر ابھرا تھا۔ جبکہ ایمان تو لاریب کی ایسی ضد اور اوٹ پٹانگ حرکتوں پر بھونچکی رہ گئی تھی۔ لاریب کا اتنا شدید رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ خود لاریب کو بھی سکندر کو نیچا دکھانے کے چکر میں اپنی پوزیشن اپنی حیثیت کا احساس گویا بھول چکا تھا۔

"لاریب پاگل ہوگئی ہو؟ کیا فضول حرکت ہے یہ؟" ایمان نے بپھری ہوئی لاریب کو ڈانٹا اور ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے سکندر سے دور گھسیٹا۔

"ہاں کیا پاگل نہ ہوں؟ آپ نے کتنی انسلٹ کی ہے میری اس...... اس دو ٹکے کے آدمی کے سامنے۔" وہ بھڑک کر درشتی سے چیخی۔ ایمان کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا اس کی حماقت پہ۔ مگر اپنے غصے اور طیش پر قابو پا کر رسانیت سے بولی۔

"اوکے آئی ایم سوری آئندہ ایسا نہیں کروں گی فائن۔" اس نے اپنے ہاتھ سے لاریب کی چھلک جانے والی آنکھوں کو پونچھا پھر سکندر سے بولی۔

"تم جاؤ پلیز!" سکندر جو گم صم سا کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ہڑبڑا کر چونکا اور پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ ایمان کو لاریب کا موڈ بحال کرنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ اس نے لاریب کو تو پرسکون کر دیا تھا مگر خود اس کے اپنے ذہن میں اس کے کئی سوال ہلچل مچاتے رہے تھے اس نے کل سکندر سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

❁......❁......❁

اس کی آنکھ بارش کی آواز سے کھلی تھی۔ کچھ دیر کمبل میں لیٹے رہ کر اس نے اس کن من برستی بوندوں کے مدھر شور کو سنا پھر اٹھ کر دریچے تک آ گئی۔ پردہ ہٹا کر سلائیڈ کھولی تو نم بھیگے ہوئے ہوا کے جھونکے کے ساتھ بارش کی پھوار اس کے بالوں اور چہرے کو بھگوتی چلی گئی۔ ٹھنڈک کا بھرپور احساس اس کے جسم و جاں کو لطیف احساس سے روشناس کرا گیا۔ ہتھیلی پھیلا کر اس نے ابرِ رحمت کو اپنی اوک میں جمع کرنا چاہا تبھی دروازے پر دھیرے سروں میں دستک ہوئی۔ نندنی نے پلٹ کر دیکھا تمام لائٹس آف تھیں۔ بس آتش دان میں جلتی آگ کی نارنجی روشنی کا مدھم عکس دیواروں پر لرزاں تھا۔

"دروازہ کھلا ہے۔" نندنی نے تھکے ہوئے انداز میں کہا اور وہیں کھڑے کھڑے پشت پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی مگر دیو کو اندر آتے دیکھ کر اس کے چہرے پر بےزاری چھانے لگی۔

"آئی ایم سوری! میں شاید مخل ہوا ہوں۔" دیو اس کے چہرے کے تاثرات کو پا کر بے ساختہ خجل ہو گیا۔

"کیسے آئے تھے؟" نندنی نے گہرا سانس بھر کے سوالیہ نگاہیں اس پر جمائیں اور مروتاً ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دیو کے لیے اتنی عزت افزائی ہی بہت تھی اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"تھینکس فار دس آفر۔" دیو نے پہلے لائٹ آن کی پھر صوفے پر بہت پرتکلف انداز میں بیٹھ گیا۔ نندنی واپس بیڈ پر آ گئی اور کمبل اٹھا کر اپنے گرد لپیٹ لیا۔

"میں کسی خاص مقصد کے تحت تو نہیں آیا نندنی۔ بس تمہاری تنہائی کا خیال آیا تو باتیں کرنے چلا آیا۔ ہم دوست تو ہو سکتے ہیں نا نندنی!" اس نے بہت آس بھری نظروں سے نندنی کو دیکھا۔ نندنی نے یوں نگاہ چرائی جیسے جواب نہ دینا چاہتی ہو۔

"اِٹس اوکے! تم اپنے ذہن پر کسی قسم کا بھی بوجھ مت لو۔ یقین جانو میری خواہش صرف تمہیں خوش دیکھنے کی ہے۔ تم گھر سے باہر نکلا کرو دل بہل جائے گا۔ وہ تمہاری نئی دوست کیا نام ہے ان کا؟ ہاں ڈاکٹر زینب ان کے ہاں چلی جایا کرو۔"

"وہ مسلم ہیں تم جانتے ہو؟" نندنی نے گہرے طنزیہ انداز میں اسے جتلایا۔

"سو واٹ نندنی!"

"میں نہیں چاہتی اس میل میلاپ کے نتیجے میں انہیں کل کوئی مشکل برداشت کرنی پڑے۔" اس نے برہمی سے کہا دیو کچھ لمحوں کو چپ رہ گیا۔

"اس بات کی تم فکر مت کرو نندنی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر ضروری تو نہیں ہے تم انہی سے ملو۔ تم شملہ چلی جاؤ وہاں آج کل برف باری ہو رہی ہے تمہیں پسند ہے نا؟ کچھ وقت وہاں گزار لو۔"

"تم میرے اتنے ہمدرد کس چکر میں ہو رہے ہو؟" نندنی نے مشکوک ہو کر سوال کیا تو دیو دل شکستگی سے ہنس پڑا۔

"تمہیں اندازہ ہے نندنی تمہارا اصل ہمدرد کون ہے؟" نندنی نے ہونٹ بھینچ لیے تو دیو نے اپنی بات کی وضاحت ضروری سمجھی۔

"میں تم پر طنز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا نندنی۔"

"مجھے تمہاری سنسیرٹی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔ دیو نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"چلتا ہوں۔ تمہیں شاید میں کبھی یقین نہ دلا سکوں کہ میں تمہارے لیے بہت مخلص ہوں۔" نندنی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہونٹ بھینچے خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دیو وہاں سے نکلا تو شدتِ غم سے اس کا گلا رندھ گیا۔ اس نے بہت دلگیری سے سوچا۔ جو قسمت میں ہوتے ہیں وہ دل میں نہیں ہوتے اور جو دل میں ہوتے ہیں وہ قسمت میں نہیں ہوتے۔

❁......❁......❁

وہ کچھ دیر تک یونہی اسٹیئرنگ پر ہاتھ دھرے کالج گیٹ کی طرف دیکھتا رہا۔ کالج تقریباً سارا خالی ہو چکا تھا مگر لاریب کی اس نے جھلک ابھی تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگایا۔ گہرا کش لے کر ایک نگاہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ سیاہ بادل آسمان پر بہت تیزی سے جمع ہو رہے تھے۔ ہواؤں کے مزاج بھی کچھ برہم لگتے تھے۔ سردیوں کی سہ پہر تھی مگر آسمان پر بادلوں کا قبضہ جم جانے کے باعث ڈھلتی ہوئی شام کا گمان ہوتا تھا۔ ایمان آج پھر کالج نہیں آئی تھی۔ جبکہ لاریب کے ایگزیم اسٹارٹ ہو گئے تھے۔ وہ چھٹی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ سکندر نے دھواں اڑاتے ہوئے ایک بار پھر گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ اب کی مرتبہ وہ اسے نظر آ گئی۔ وائٹ یونیفارم پر مہرون اسٹائلش سی گرم شال لپیٹے کاندھے پر لٹکتے بیگ میں مصروف سے انداز میں کچھ ڈھونڈتی وہ خود میں مگن تھی تو سکندر اس کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس میں مگن ہونے لگا۔ جب تک لاریب نے سر اونچا کیا سکندر اسے جی بھر کے دیکھ چکا تھا۔

"پہلے ذرا مارکیٹ چلنا مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔" اس کا کھلا ہوا دروازہ نظر انداز کر کے وہ فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی سکندر کے تو صحیح معنوں میں چھکے چھوٹ گئے اس کے برابر بیٹھ کر ڈرائیو کرنے کے خیال سے۔

"موسم ٹھیک نہیں ہے بی بی صاحبہ میرا خیال ہے کہ آپ کتابوں......" سکندر نے اپنی بات اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی مگر وہ اسے معاف کرنے پر پھر بھی آمادہ نظر نہیں آ ئی تھی۔

"تم اپنی اوقات مت بھولا کرو سمجھے۔" اس نے بے دریغ جھاڑ پلائی۔ سکندر چپکا ہو رہا۔ پھر محض اسے زچ کرنے کی خاطر لاریب نے مارکیٹ میں دیر لگائی۔ صرف کتابیں نہیں خریدیں بوتیک میں گھوم پھر کے بہت تسلی اور اطمینان سے اپنے لیے ایک سوٹ بھی پسند کیا۔ اس دوران ایمان کی دو اور بابا سائیں کی ایک کال آ چکی تھی کہ وہ اب تک گھر کیوں نہیں پہنچے۔ سکندر کیا جواب دیتا لاریب نے بھی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔ اور جب لاریب سوٹ پیک کروا کے بوتیک سے باہر آئی تب آسمان سے بوندیں اترنا شروع ہو چکی تھیں۔ سکندر کی تشویش یکلخت بڑھ گئی۔ لاریب اس کے ہمراہ تیز قدموں سے گاڑی تک پہنچی تو اسے ایک دم بھوک کا احساس ہوا تھا۔

"تم ایسا کرو سامنے شاپ سے میرے لیے سینڈوچ اور کوک لے آؤ۔ ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو ہے میں تب تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔" اس کے لہجے کی بے نیازی اور انداز کے شاہانہ پن کو سکندر نے ٹھنڈی سانس بھر کے دیکھا اور حکم کی تعمیل کو پلٹ گیا۔ جس وقت وہ واپس آیا لاریب اپنے سیل فون پر ہیڈ سیٹ کے ذریعے میوزک انجوائے کرنے میں مصروف تھی۔

غزل

آنچل کے کچھ لوگ ہوتے ہیں خاص بہت
دل میں ہوتے ہیں ان کے جذبات بہت
اکثر چھوٹی سی بات پر روٹھ جاتے ہیں
یہ لوگ ہوتے ہیں نازک مزاج بہت
ان کے اندر بھی کچھ دکھ سر اٹھاتے ہیں
یہ خود کو کرتے ہیں ظاہر خوش باش بہت
مانا کہ سیرت و صورت کے اچھے ہیں
ان کو باتوں میں بھی حاصل ہے کمال بہت
میری دعا ہے خدا آنچل والوں کے مقدر ہر نعمت کر دے بادی
یہ رب پاک کا ہوگا مجھ پر احسان بہت
(...... خدیجہ بھٹی)

"اب ذرا فاسٹ ڈرائیو کرنا مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔" اس سے کوک اور سینڈوچ لیتے ہوئے اس نے نخوت سے کہا اور بے نیازی سے میوزک کے ساتھ ساتھ کوک اور سینڈوچ بھی انجوائے کرنے لگی۔ مگر اس وقت اس کا پارہ ہائی ہوا جب سبک انداز میں گرتیں بوندوں نے موسلا دھار بارش کا روپ دھارا۔ وہ اوپن جیپ لانے پر سکندر کو سخت سنا رہی تھی۔

"بہت شوق ہے نا تمہیں شیخیاں بھگارنے کا۔ ذرا موسم بھی دیکھ لیتے۔ سارا ستیاناس ہو رہا ہے جیپ کا بھی اور میرا بھی۔ اگر مجھے ٹھنڈ لگ گئی تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔" اسے اب بھی اپنی ہی پروا تھی۔

"لینڈ کروزر کے انجن میں فالٹ تھا سروس کو بھجوا رکھی ہے۔ دوسری گاڑی وقاص سائیں لے گئے ہیں۔" سکندر نے منمنا کر اپنی صفائی پیش کی۔

"وقاص کیوں لے گیا ہے؟ اس کے پاس اپنی گاڑیاں نہیں ہیں۔ ضرور کسی مشکوک سرگرمی کے لیے چاہیے ہوگی بابا سائیں نے منع کیوں نہیں کیا؟ تم باجو کی گاڑی لے آتے۔ اور ذرا جلدی چلاؤ اب۔" تحقیق، تشویش، غصہ، جھنجلاہٹ، خفگی ایک پل میں اس کے کتنے رنگ عیاں ہوئے تھے سکندر پر اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر گویا اس کی سمت متوجہ تھا۔ دھیان بٹا تو اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہک گیا۔ جیپ ایک دم ڈولی تھی۔ لاریب توازن کھو کر ڈیش بورڈ سے ٹکرائی تھی۔ ایک پل کو تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

"اندھے ہو گئے ہو سکندر دھیان کہاں ہے تمہارا؟" وہ بے دریغ اس پر برس پڑی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچے اور دانستہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کیا۔ موسلا دھار بارش بہت فراخ دلی سے انہیں بھگو رہی تھی۔ بلکہ کچھ سردی کچھ بارش اور کچھ کھلی جیپ سے سرسراتی ہوئی گزرتی ہواؤں کے جھکڑوں کے باعث لاریب اب کپکپانے لگی تھی۔

"جیپ روکو سکندر!" وہ غصے میں بولی۔ سکندر نے متحیر ہو کر اسے دیکھا اور بریک لگائے۔ جیپ اس پل شہر کے مضافات کو چھوڑ چکی تھی۔ یہاں سے گاؤں کا راستہ شروع ہو چکا تھا۔ درمیان میں نہر تھی جیپ نہر کے پل پر پہنچ کر ہی رکی تھی۔ لاریب جیپ سے نکل کر بھاگتی ہوئی نہر کے ساتھ کچی سڑک پر قطار در قطار کھڑے درخت کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ درخت کی شاخیں گھنیری تھیں وہاں وہ بارش سے محفوظ تھی۔ سکندر الجھا ہوا سا اتر کر اس کے پاس آیا تو سیاہ پڑتے آسمان کے کنارے بجلی کی چمک دکھائی دی۔

"حویلی فون کر کے کسی ملازم سے باجو والی گاڑی منگواؤ اب میں مزید اس میں بیٹھ کر سفر کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔" اس کی آواز آسمان پر گرج اٹھنے والے بادلوں کی گرج میں دب کر رہ گئی تھی۔ اس کے اپنی شال کا پلو نچوڑتے ہاتھ اسی دوران برسا کن ہو گئے۔ اس کام کو ترک کر کے وہ غیر محسوس انداز میں سکندر کے نزدیک ہوئی تھی۔

گہری ہوتی شام چھا جو برستا آسمان آس پاس موجود تنہائی من پسند دل فریب لڑکی کی قربت سکندر کے دل و دماغ میں جیسے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا آخر انسان تھا۔ اس کے دل کی بے ایمان ہوتی دھڑکنیں من مانی پر اکسا رہی تھیں مگر وہ خود پر ضبط کھونا نہیں چاہتا تھا جبھی ہونٹ بھینچتا فاصلے پر ہوا اور جیب سے سیل فون نکال کر نمبر پش کرنے لگا مگر اس کی کوشش مسلسل ناکامی کا شکار ہو رہی تھی۔ موسم کی خرابی کے باعث مواصلاتی نیٹ ورک صحیح کام نہیں کر رہا تھا۔ سگنلز پرابلم تھی۔ اس کی طرف سے یہ تاخیر لاریب کو سخت گراں گزری تھی۔

"تم کال کیوں نہیں کر رہے ہو؟ کیا مسئلہ ہے آخر تمہارے ساتھ؟" اس کے ہر انداز میں بیگانگی رکھائی اور جھنجلاہٹ تھی۔

"کانٹیکٹ نہیں ہو پا رہا ہے بی بی صاحبہ!" جواباً وہ نرمی اور تحمل سے بولا تھا۔ لاریب نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے تو یہ سب تمہاری اپنی ہی گھٹیا سازش کا شاخسانہ محسوس ہو رہا ہے۔ جب موسم خراب تھا تو تمہیں ضرورت کیا پڑی تھی یہ جیپ لانے کی؟" چبا چبا کر بولتے ہوئے اس نے تیکھی نگاہوں سے اسے گھورا۔ سکندر صبر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اب وہ اپنے سیل کو ٹرائی کر رہی تھی مگر وہی ڈھاک کے تین پات! اب صحیح معنوں میں لاریب کو تشویش نے آن گھیرا۔ صورت حال کی گھمبیرتا کو محسوس کر کے اس کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔ اس نے چور نگاہ سکندر پر ڈالی۔ چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد کے ساتھ کسرتی مضبوط وجود وہ چاق و چوبند اور زورآور نظر آتا تھا۔ پھر اس کا وہ کاغذی تعلق۔ جسے بھلا وہ جتنا مرضی نام نہاد گردانے قائم تو ہوا تھا۔ اگر وہ اس کی سابقہ بدتمیزیوں اور تمام بے عزتیوں کا بدلہ چکانے بیٹھ گیا تو...... آخر تھی تو وہ کمزور ہی نا چاہے حیثیت میں بہت اوپر سہی۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رک کر ٹائم ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" وہ اپنی سوچوں سے اتنی خائف ہوئی کہ فی الفور چلنے کو تیار ہو گئی۔ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بظاہر پرسکون نظر آئی تھی۔ سکندر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ اس نے شانے اچکائے اور اس کے ہمراہ محتاط قدموں سے چل دیا۔ اس کے باوجود وہ دو مرتبہ پھسلی کچی سڑک پر کیچڑ اور پھسلن بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ اور محتاط انداز میں قدم اٹھانے لگی مگر اس احتیاط کے باوجود وہ تیسری مرتبہ پھسلی تو سنبھل نہیں سکی سکندر اگر بروقت سہارا نہ دیتا تو یقیناً وہ اب تک کیچڑ بھرے راستے پر منہ کے بل پڑی ہوتی گو کہ سکندر نے اسے سنبھال کر سیدھا کھڑا کرتے ہی اپنے ہاتھ ہٹا لیے تھے اس کے باوجود اس کی جسارت نے لاریب کو دم بخود کرنے کے بعد گویا بری طرح سے بھڑکا ڈالا تھا۔

"تم...... تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ...... ہاں؟" وہ طوفانی بارش کی پروا کیے بغیر لڑنے مرنے پر آمادہ تھی۔ سکندر اس بے مروتی اور نخوت کے مظاہرے پر پوری جان سے سلگ تو سکتا تھا مگر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"خوب جانتی ہوں میں تم جیسے حریص فطرت مردوں کو خبردار جو آئندہ تم نے مجھے اس طرح چھونے کی کوشش کی؛ گو رہی تھی نا کرنے دیتے۔" پھنکار پھنکار کر اس پر اپنی تلملاہٹ نکالتی رہی۔ سکندر ہونٹ بھینچے اپنا طیش دباتا رہا۔ بدتمیزی اور انسلٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ وہ ہر حد پار کیے دے رہی تھی اور گویا اس کا ضبط آزما رہی تھی۔ سکندر نے ایک سلگتی نگاہ اس کے لال بھبوکا چہرے پر ڈالی اور اسے وہیں چھوڑ کر خود لمبے ڈگ بھرتا گاڑی میں جا بیٹھا۔ لاریب کو بھلا اس سے ایسی توقع کہاں تھی ایک پل کو تو وہ غیر یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر تکتی رہی پھر بامشکل گاڑی تک آئی۔

"تم خود کو کچھ سمجھ رہے ہو غالباً!" وہ آتے ہی اس پر الٹ پڑی۔ سکندر نے یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

❁......❁......❁

"نندنی! نندنی بیٹا!" وہ تکیوں میں منہ چھپائے گویا خود سے غافل پڑی تھی جب سریتا دیوی اسے پکارتی چلی آئیں۔ اس نے اگر سنا بھی تو نظر انداز کر دیا۔

"نندنی طبیعت ٹھیک ہے نا بیٹا!" سریتا دیوی نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔ نندنی کو نا چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھولنا پڑی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سرخیاں سریتا دیوی کے دل کو چیر کے رکھ گئیں۔

"کوئی اس طرح سے بھی خود کو تباہ کرتا ہے نندنی؟" اس کا یہ روگی انداز آج ان کے دل کو بھی پگھلا گیا تھا۔ نندنی نے اپنا سر ان کی گود سے اٹھا لیا۔

"مجھے بتاؤ کون تھا وہ؟ میں خود اسے ڈھونڈوں گی؛ تم دیو سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہو نہ کرو مگر خود کو یوں برباد مت کرو نندنی پلیز!" وہ جیسے ضبط کھو گئی تھیں۔ وہ ان کی اولاد تھی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لحظہ لحظہ گھلتے کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ آج وہ اپنی کوکھ کی جنی سے ہار تسلیم کر گئی تھیں۔

"بولو نندنی بتاؤ مجھے۔" اس کی جامد چپ ان پر اذیت کے کچھ اور در وا کرنے لگی۔

"اچھی طرح سوچ لیں مام! عین ممکن ہے آپ کو اپنے الفاظ سے پھرنا پڑ جائے۔" نندنی کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا اس کے باوجود اس میں کچھ ایسا تھا جس نے سریتا دیوی کو چونکا ڈالا۔

"میں سمجھی نہیں نندنی تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ان کی نگاہوں کی الجھن محسوس کر کے وہ گہرا سانس کھینچ کر بولی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے مام وہ مسلم ہو؟"

"واٹ!" وہ زور سے چیخیں۔ پھر نندنی کے تمسخرانہ تاثرات کو پا کر ایک دم اپنا غصہ ضبط کیا۔

"تمہیں اس سے محبت نہیں عشق ہے وہ بھی جنونی قسم کا اور تمہیں یہ تک نہیں پتہ کہ وہ ہے کون؟ یہ کیسی محبت ہے جس میں تم زندگی چھوڑ بیٹھی ہو اور تمہیں اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔" ان کا لہجہ ہی نہیں ان کی آنکھیں بھی آنچ دے رہی تھیں۔ نندنی بہت تحمل سے انہیں تکتی رہی۔

"اس لیے مام کہ محبت یہ سب کچھ دیکھ کر نہیں کی جاتی۔ نہ ہی یہ جاننا شرط ہوتی ہے کہ سامنے والے بندے کا نام نسب کیا ہے یہ تو دل کا معاملہ ہوا کرتا ہے مام دل کے معاملے ان تقاضوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ آپ کو اندازہ تو ہوگا۔ آپ نے ہندو دھرم سے تعلق رکھتے ہوئے ایک اہل کتاب کرسچن سے کیسے محبت کر لی۔ دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کی اولاد کو بھی تو ایک تیسرے مذہب کے پیروکار سے محبت ہو سکتی ہے نا؟" اب کے اس کا لہجہ صاف طنزیہ تھا کاٹ دار نظروں سے وہ گویا انہیں بہت کچھ جتا رہی تھی۔ سریتا دیوی کو نظریں چرانا

پڑی تھیں۔

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ ایک مسلم ہی ہے؟ اس سے پہلے تو تم اسے ایشین سمجھتی تھیں۔" انہوں نے جز بز ہو کر اپنا سوال کچھ ردوبدل سے دہرایا۔

"وہ ایشین ضرور ہے مام مگر وہ انڈین نہیں ہے یہ تو طے ہے۔ انڈیا کے لوگ درحقیقت مٹیالے ہوتے ہیں ان کی رنگت اتنی فیئر اور شائننگ نہیں ہوتی۔ جانے کیوں میرا دل مانتا ہی نہیں ہے کہ وہ انڈین ہوگا۔"

"یعنی وہ پاکستانی ہے؟" سریتا دیوی نے بھینچے ہوئے سرد انداز میں پوچھا۔

"آئی تھنک سو۔"

"تو پھر تم اسے پاکستان میں ڈھونڈو...... جاؤ...... جاؤ نا۔" وہ ایک دم ہسٹریک ہو کر چلانے لگیں۔ ان کا انداز جارحانہ تھا۔ ایک لمحے کو نندنی کو وہ جنونی محسوس ہوئی تھیں ایک لمحے کو نندنی کو ان پر ترس بھی آیا۔

"مام! مام پلیز کنٹرول یور سیلف۔" وہ بھرپور ہمدردی سے ان کی جانب بڑھی مگر انہوں نے اسی وحشت میں اسے خود سے دور رکھنے کو پوری قوت سے دھکا دیا۔ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی گر گئی۔ اس کی کہنیاں سنگھار میز سے ٹکرائی اور سر اسٹول سے۔ وہ خود کو سنبھال کر آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مام بکتی جھکتی جا چکی تھیں۔ اسے چند دن قبل پڑھا وہ اقتباس یاد آ گیا جو بالکل اس کے حسب حال تھا۔

"موت اور محبت دونوں ہی بن بلائے مہمان ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے محبت دل لے جاتی ہے اور موت دھڑکن!" کاش اس کے دل کے ساتھ دھڑکن بھی چلی جاتی تو آج اس کے اپنے رشتے بھی اسے طنزیہ نگاہوں سے تو نہ دیکھ رہے ہوتے۔ وہ بھی کچھ غلط تو نہ تھے۔ ایسی محبت بھی تو شاید ناممکن تھی جس کو وہ نبھاتی چلی آ رہی تھی۔ کوئی سنتا تو یقین کرتا بھی کیسے؟

❁......❁......❁

وہ گھر لوٹا تو دس بجے کے بعد کا عمل تھا۔ پورا گھر اگرچہ روشنیوں سے منور تھا مگر خاموشی کا گہرا راج تھا وہ جانتا تھا یہ کھانے کا وقت ہے گھر کے سبھی افراد اس وقت ڈائننگ ہال میں جمع ہوں گے۔ اس نے بھی اسی طرف کا رخ کیا تھا۔

"لیجیے صاحبزادے آوارہ گردی سے اکتا کر بالآخر گھر تشریف لے آئے۔" تاؤجی نے حسب عادت اپنے مخصوص طنزیہ فقرے سے اس کا استقبال کیا۔ وہ اب دل چھوٹا کرنا چھوڑ چکا تھا جان گیا تھا انہیں بولنے اور خفا ہونے کا مرض لاحق ہے۔

"یہ کباب لے پتر صالحہ نے خود بنائے ہیں ایسے مزے کے کہ جتنے مرضی کھا جاؤ جی نہ بھرے۔" تائی ماں تاؤجی کے برعکس اس کے صدقے واری ہوتے نہ تھکتی تھیں۔ امید جو بر سے ہری ہو گئی تھی۔ وہ تو دل ہی دل میں لڑکی کے باپ کو دعائیں دیتے نہ تھکتی تھیں جن کے انکار نے انہیں پرامید کر دیا تھا۔

"شکریہ تائی ماں مگر میں تیز مسالے نہیں کھاتا سادہ کھانا پسند کرتا ہوں۔" اس نے تائی ماں کی امیدوں پر لمحہ بھر میں پانی پھیر دیا اور اپنی پلیٹ میں کدو گوشت کا سالن نکال لیا۔ سلاد کی پلیٹ اپنے نزدیک کھسکائی اور نوالے لینے لگا۔

"برکس میں تو تم نے ہاتھ بٹانا نہیں او ئے نوکری ہی ڈھونڈ لے اب پتر۔" تاؤجی نے نیا شوشا چھوڑا۔

"جی ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"کیا؟ نوکری کہ چھوکری؟" فراز اس کے کان میں گھسا انداز شوخ و شنگ قسم کا تھا۔

"دونوں۔" اس نے کمال اختصار سے کام لیا۔ فراز کو پانی پیتے اچھو لگ گیا۔

"نوکری ڈھونڈیں چھوکری تو پٹالی ہے آپ نے؟" اس کا لہجہ ہنوز سرگوشیانہ تھا۔

"اب شادی بھی کر ہی لے۔ وہاں سے تو چٹا انکار ہوا ہے۔ تیری ماں اور تائی سے کہتا ہوں کوئی اور لڑکی دیکھیں۔" تاؤجی کو پتہ نہیں اس کی اتنی فکر کیوں تھی۔ (اپنا آفاق پچھلے چار سالوں سے سعودیہ میں مقیم تھا اس کی شادی کا خیال تو کبھی نہیں آیا تھا۔) وہ کلسنے لگا اور اس وقت تک کلستا رہا جب تک تاؤجی پیٹ پوجا کے بعد ٹیبل سے نہ اٹھ گئے۔

"اک بات پوچھوں ماں جی!" اسے جب زیادہ لاڈ چڑھتا تو وہ ماما کو اسی طرح سے مخاطب کرتا تھا۔ ماما خاموشی سے کھانا کھا رہی تھیں اسے ازخود مخاطب نہ کر کے گویا وہ اس سے ناراضی کا اظہار ضروری خیال کرتی تھیں۔

"تاؤجی اور الیاس چاچو کے علاوہ بھی ہمارے کوئی اور چاچو تھے؟" اس نے کئی دنوں سے ذہن میں گردش کرتا سوال بالآخر کیا۔ ماما کے چہرے کا رنگ یکلخت بدلا۔ انہوں نے گھبرا کر

بے اختیار تائی ماں کو دیکھا جو ٹھٹک کر رہ گئی تھیں چچی جی کچھ شپٹا کر نظریں چرا رہی تھیں کہ یہ بات جیسے بھی سہی انہی کے ذریعے بچوں تک پہنچی تھی۔

"نہیں یہ لوگ تین ہی بھائی ہیں تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" ماما نے کچھ جز بز ہو کر کہا۔ شرجیل بغور ان تینوں بزرگ خواتین کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پاپا اور چاچو تاؤجی کے ساتھ ہی ٹیبل سے اٹھ کر جا چکے تھے۔

"میری اطلاع کے مطابق یہ بات سچ نہیں ہے ماما۔ ہمارے ایک اور چاچو تھے بھلے وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر ان کا حوالہ چھپانے کا مقصد سمجھ سے باہر ہے۔ آپ بتانا پسند فرمائیں گی؟" وہ ایسا ہی تھا جس بات کے پیچھے پڑ جاتا اس سے پھر کوئی مائی کا لال اسے ہٹا نہیں سکتا تھا اور جس کام کو چھوڑ دیتا چاہے کتنا ہی نقصان ہو دوبارہ ہاتھ نہیں لگاتا۔ اب بھی چاچی بیگم کے اشارے سمعیہ کی گھبراہٹیں اور ثنا کی بوکھلاہٹ کچھ بھی اسے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

"یہ بات تمہیں کہاں سے پتہ چلی ہے؟ مجھ سے بات کرو تم۔" تائی ماں کا لہجہ ایکدم بدل گیا۔ وہ لگاوٹ وہ شیرینی کہاں جا کھوئی تھی اس پل جو شرجیل کے لیے مخصوص تھی۔ اس وقت بھی وہ شرجیل سے ہی بات کر رہی تھیں مگر لہجہ بے حد کڑوا اور خوفناک تھا۔

"چلیں آپ کر لیں بات آپ تو ویسے بھی سب سے زیادہ معلومات رکھتی ہوں گی۔" شرجیل کا لہجہ ازخود طنز سمیٹ لایا۔

"کس نے بتایا تمہیں یہ سب کچھ؟" تائی کا لہجہ پھنکار زدہ ہو گیا۔ شرجیل نے محسوس کیا سمعیہ اور چچی بیگم کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے ہیں۔ اتنے بڑے ڈائننگ ہال میں موت کی سی خاموشی در آئی تھی۔ جو کھانا کھا رہے تھے وہ بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور درسانیت سے گویا ہوا۔

"اصل بات یہ نہیں ہے زیر بحث بات یہ ہے کہ اگر ایسا تھا تو اس بات کو کیوں چھپایا گیا؟ کیا ان کا حوالہ اتنا ہی شرمناک تھا؟" وہ لمحہ بھر میں گویا انہیں کٹہرے میں کھڑا کر چکا تھا۔ تائی ماں کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں۔

"ہاں وہ حوالہ شرمناک تھا، جبھی اسے آشکار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا، مجرم تھا وہ قاتل تھا، پھانسی چڑھ گیا۔ ہم نے تو خدا خدا کر کے اس کے ذکر کو دفنایا تھا۔ اب ہرگز برداشت نہیں کریں گے کہ اس بدبخت کا نام بھی دوبارہ لیا جائے۔" تاؤجی جانے کب آئے تھے اور کیا کچھ سن چکے تھے۔ بھڑک کر بولتے چلے گئے۔ شرجیل ان کی آواز پر خفیف سا چونکا پھر دانت بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گیا۔ جبکہ فراز کی نگاہوں سے تائی ماں، ماما اور چچی کے چہروں کی حیرت اور پھر اطمینان مخفی نہیں رہا تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں لمحہ بھر بھی نہیں لگا کہ تاؤجی نے ابھی جو بات کہی ہے اس کا حقیقت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

پھر حقیقت کیا ہے؟ اس بات کو سوچتا اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁
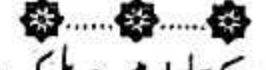
ایمان کی شادی کے سلسلے میں حویلی کو نئے سرے سے رنگ و روغن کروایا جا رہا تھا۔ اور ظاہر ہے یہ ساری ذمہ داری

لوری

ماں! مجھے نیند نہیں آتی
رت جگے مقدر ہیں اب تو میری پلکوں کے
نیند آئے تو لے آتی ہے بغداد کی یاد
آنکھ لگتے ہی کوئی بیوہ اٹھا دیتی ہے
پیٹ کتنا ہی بھروں بھوک نہیں مٹتی ہے
جلتے بصرہ کی مجھے پیاس جگا دیتی ہے
کوئی قندھار کی وادی سے بلاتا ہے مجھے
ذکر قندوز کا آئے تو مجھے لگتا ہے
کاٹ کر سر کوئی ہنستا ہے جلاتا ہے مجھے
بم کی آوازیں مجھے کچھ نہیں کہتی ہیں مگر
زخم ان بچوں کے سونے نہیں دیتے ہیں مجھے
ماں! میری آنکھیں تو پتھر کی ہوتی جاتی ہیں
نوجوان لاشے پہ رونے نہیں دیتے ہیں مجھے
میرے سینے پہ رکھو ہاتھ
رلا دو ناں مجھے
ماں! مجھے لوری سناؤ ناں
سلا دو ناں مجھے
ماں مجھے نیند نہیں آتی ہے
اک مدت سے مجھے نیند نہیں آتی ہے

شاعر...... سید وصی شاہ

انتخاب: ثمینہ طاہر بٹ...... لاہور

سکندر کے ہی کاندھوں پر تھی۔ ٹھیکیدار اور مزدوروں کے سر پر کھڑے ہو کر کام کرانا، ان کے لیے کھانے چائے وغیرہ کا انتظام دیکھنا اور بیچ کے اور ہزاروں کام، اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی مگر دھیان کے پنچھی تھے کہ اس کی سمت محو پرواز رہتے تھے۔ کل شام بھی وہ مزدوروں کو رخصت کرکے اندر آیا تو لاریب جیسے اس کی منتظر تھی مگر وہ اس کے نزدیک سے دانستہ انجان بن کر گزر گیا۔ تب لاریب نے اسے آواز دے ڈالی۔

"سکندر بات سنو۔" سکندر نے گہرا سانس کھینچا اور آہستگی سے مڑا۔

"جی فرمایئے۔"

"تم......" معاً ایک دم تھم سی گئی کہ وہاں سے کچھ فاصلے پر چائے کے خالی مگوں کی ٹرے اٹھائے سکھاں کھڑی تھی۔

"تم میرے کمرے میں آؤ کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" احتیاط کا دامن تھامے وہ بے نیازی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سکندر کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی تقلید کرتا۔

"تم سے بابا سائیں یا باجو جتنا بھی سختی سے کبھی یہ بات پوچھنا چاہیں خبردار اگلنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے لگتا ہے باجو کو شک ہو گیا ہے۔"

"کونسی بات؟" سکندر نے نافہم نگاہوں سے اسے دیکھا تو لاریب نے ٹھٹک کر تپتی نظروں سے اسے گھورا۔

"اس کا مطلب تم بھول بھی گئے؟" وہ ناک چڑھا کر تنفر سے بولی تو سکندر جیسے سمجھ کر آہستگی سے بولا۔

"آپ کو اس بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔" اس کے لہجے کے اعتماد اور مضبوطی نے لاریب کو عجیب سی شکست سے دوچار کردیا۔

"تم جتنے قابل اعتماد ہو نا میں جانتی ہوں۔ یہ شادی ہو لینے دو پھر میں نپٹوں گی تم سے۔ بہرحال اب تم جاؤ مجھے اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔" رخ پھیر کر وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ سکندر نے سرد آہ بھری اور جس دم پلٹا چوکھٹ پر ایمان کو ایستادہ دیکھ کر ایک پل کو وہ ٹھٹکا گیا۔ ایمان نے ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ سکندر تیر کی طرح سے نکلتا چلا گیا۔ اسے نہیں خبر تھی ایمان نے کس حد تک کچھ سنا تھا یا کیا بات بعد میں لاریب سے کی تھی۔ البتہ وہ متفکر ضرور ہو گیا تھا۔ بلکہ غیر شعوری طور پر ایمان کی طرف سے باز پرس کا بھی منتظر تھا مگر کل کی رات آج کا سارا دن گزر گیا، ایمان سے اس کا متعدد بار سامنا ہوا ایمان نے کوئی بات نہیں کی اور اب جبکہ وہ کسی حد تک مطمئن تھا تب ہی ایمان نے اسے بلوا لیا۔ سکھاں اس کا پیغام لائی تو سکندر کے دماغ میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔

"جاؤ تم آتا ہوں میں۔" سکھاں کو ٹال کر وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ جانے رات ایمان نے لاریب سے کس انداز میں بات کی تھی اور کیا کچھ اگلوایا تھا۔ وہ یکسر لاعلم تھا۔ ایک بار جی چاہا ایمان کے پاس جانے سے قبل لاریب سے صورت حال معلوم کرے مگر لاریب اس جسارت کو گستاخی سے تعبیر کرتی اور جانے کیا سلوک کرتی سو وہ اس خیال کو جھٹک کر دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ایمان کے کمرے کی جانب آ گیا۔

"آ جاؤ سکندر!" ایمان گویا اسی کی منتظر تھی۔ دستک کے جواب میں فوری جواب آیا۔ سکندر نے جھجکتے ہوئے انداز میں اندر قدم رکھا تھا۔ ایمان آتش دان کے پاس پڑی راکنگ چیئر پر جھول رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ سکندر۔" ایمان نے جھولنا بند کیا اور ہاتھ سے اپنے سامنے موجود صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ سکندر سست قدموں سے آگے بڑھا اور صوفے پر پرتکلف انداز میں ٹک گیا۔

"تم جانتے ہو سکندر لاریب کچھ اپ سیٹ ہے عباس والے معاملے کو لے کر۔ آج کل کچھ روڈ زیادہ ہو رہی ہے۔ آئی ڈونٹ نو کہ اس کا بی ہیویئر تمہارے ساتھ اتنا ہائپر کیوں ہوتا ہے مجھے تم سے یہ کہنا تھا، پلیز اس کی باتوں کا برا مت مانا کرو۔" ایمان کی بات پر سکندر کا جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔ وہ آہستگی سے سر کو جنبش دینے لگا۔

"آپ فکر نہ کریں ایمان بی بی! مجھے ان کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔"

"صرف اس کی بات؟" ایمان نے کسی قدر گہری نظروں سے اسے دیکھا اور سکندر کو خود کو کمپوز رکھنا دوبھر ہو گیا۔

"نہیں آپ امامہ بی بی اور بابا سائیں کی بھی میرے لیے آپ سب قابلِ احترام قابل قدر ہیں۔" اس نے فی الفور معاملہ سنبھالا، بہرحال ابھی خطرہ ٹلا نہیں تھا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں سکندر تم ہم سب سے زیادہ لاریب کا خیال رکھو۔ میں نے بچپن سے ایک بات نوٹ کی ہے وہ شعوری یا لاشعوری طور پر تم سے اٹیچ رہی ہے۔ اٹیچ منٹ ضروری نہیں ہے اپنائیت محبت اور احترام کی کیٹیگری میں ہی ضرور ہے اس کی ایک اور کیٹیگری ہے وہ ہے مقناطیسی کشش۔ سکندر ہر انسان ایک ایسے دوست کا لاشعوری طور پر ضرورت مند ہوتا ہے جو اتنا کول ہو کہ انسان اپنی ہر فیلنگ اس پر آشکار کردے چاہے غصے میں ہی سہی، وہ اس پر گرجے برسے اپنا طیش نکالے اور پرسکون ہو جائے۔ سکندر میں نے محسوس کیا ہے تم لاریب کے لیے ایسے ہی دوست ثابت ہوئے ہو۔ وہ جو باتیں ہم سے نہیں کرسکی ہے تاوہ بھی اس نے تم پر آشکار کی ہوں گی یہ میرا یقین نہیں میرا شک ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے انسان جوش غصے اور طیش میں مصلحت سے دامن چھڑا لیتا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو سکندر میں کیا کہہ رہی ہوں؟" دھیمے سروں میں بولتی ایمان ایک دم اس سے سوال کر گئی اور ایک ٹرانس کی کیفیت میں اسے سنتا اس کے قیافوں کی درستی پر دل ہی دل میں سر دھنتا ہوا سکندر ہڑبڑا سا گیا اسے فوری طور پر سمجھ نہیں آئی اب یہاں اسے کیا کہنا چاہیے کہ ایمان مطمئن ہو سکے۔

"سکندر تم مجھے بتاؤ پلیز کیا میں تم سے یہ توقع رکھ سکتی ہوں؟"

"آپ بالکل بے فکر ہو جایئے ایمان بی بی! میں ان کا ہمیشہ بہت خیال رکھوں گا۔" سکندر نے یہ بات بہرحال دل کی پوری سچائی سے کہی تھی جبھی ایمان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے ممنونیت سے سکندر کو دیکھا۔

"تھینک یو سوچ سکندر تم نے میرے دل کا بہت بڑا بوجھ ہلکا کردیا۔ میں ہمیشہ تمہاری ممنون رہوں گی۔ بابا سائیں کے لیے ہمیشہ یونہی ہمقدم اور امامہ کے لیے بھائی کا کردار نبھاتے رہنا۔"

"ایمان بی بی آپ دل چھوٹا کیوں کرتی ہیں؟ آپ کہیں دور تو نہیں جائیں گی جب جی چاہے ملنے آ جایا کیجیے گا۔" سکندر اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی دیکھ کر گویا اس کی ڈھارس بندھانے کو بولا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ کر امڈتی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش میں سرخ چہرا جھکا لیا۔ سکندر دل گرفتہ سا اٹھ کر کمرے سے جا رہا تھا۔ جبکہ ایمان کے آنسو گالوں پر اتر آئے تھے۔

❁......❁......❁

اسے بیٹھے بٹھائے جانے کیا سوجھی کہ ڈاکٹر زینب سے ملنے کا پروگرام بنا لیا۔ ابھی کچھ دیر قبل نہائی تھی۔ بال ڈرائیر سے خشک کرنے کے بعد یونہی سمیٹ کر کیچر لگا دیا۔ ایک تنقیدی نگاہ اپنے لباس پر ڈالی۔ دھنک کے رنگوں جیسا یہ لباس اسے اس کی برتھ ڈے پر مام نے گفٹ کیا تھا۔ جسے آج پہلی مرتبہ اس نے زیب تن کیا تھا تو گویا یہ لباس اس کے وجود پا کر خود پر نازاں ہو گیا تھا۔ اتنا ہی جچا تھا اسے یہ لانگ شرٹ ٹراؤزر اور بڑا سا دوپٹہ۔ کسی قسم کی آرائش کی اسے کبھی بھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اسے قدرت نے بہت فیاضی سے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا پھر یہ تو اس کا نوجوانی کا دور تھا۔ نوخیزیت اور رعنائی اس پر ٹوٹ کے برسی تھی۔ سیل فون اپنے بیگ میں ڈال کر اس نے بیگ کاندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل آئی۔

"نمستے جی!" سب سے پہلے اسے گھر کی ملازمہ نے دیکھا اور فوری طور پر ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ نندنی اسے نظر انداز کرتی راہداری عبور کرتی لان کی جانب آ گئی۔ وہیں سریتا دیوی، دیو اور دھرمیندر کے ہمراہ شام کی چائے پینے میں مصروف تھیں۔ دونوں پتی پتنی نے حیرت جبکہ دیو نے خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔ ورنہ وہ لوگ تو اسے گھر میں اس کے کمرے کے علاوہ کہیں دیکھنے کو ہی ترس گئے تھے۔ دھرمیندر بابو نے اسے دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی، جس میں شفقت و محبت نہیں عجیب سی چاپلوسانہ سی ریاکاری تھی۔ نندنی نے یہاں بھی نظر اندازی کا حربہ اپنایا اور سریتا دیوی سے بولی۔

"مام! میری گاڑی کی چابی آپ کے پاس ہے؟"

"ہاں! تم کبھی گاڑی استعمال نہیں کرتی تھیں تو......"

"مجھے چابی چاہیے۔" نندنی نے اس کی بات کاٹی۔

"مگر بیٹا وہ تو......"

"آپ میری گاڑی لے جایئے۔" دیو نے فی الفور اپنی گاڑی کی چابی پینٹ کی جیب سے نکال کر اس کی سمت بڑھائی۔

"نو تھینکس میں کسی کا احسان لینے کی عادی نہیں ہوں۔ مام مجھے گاڑی کی چابی دیں۔" اس نے رکھائی سے کہہ کر پھر سے سریتا دیوی کو مخاطب کیا۔

"مگر تم جا کہاں رہی ہو اکیلی؟" انہوں نے پہلے ملازمہ کو کمرے سے چابی لانے کا کہا پھر نندنی سے پوچھا۔

"کیا میں اکیلی نہیں جاسکتی یا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا؟"

"نندنی فضول باتیں مت کرو۔ جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" سریتا دیوی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ کی اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" ان کے تنک اور بپھرے ہوئے انداز نے نندنی کے خوابیدہ سرکش جذبوں کو جگا دیا۔
"ٹھیک ہے تمہیں جہاں کہیں بھی جانا ہے دیو تمہارے ساتھ جائے گا۔" انہوں نے ہنوز اسی لہجے میں کہا۔
"سوری میں آپ کی یہ شرط نہیں مان سکتی۔" نندنی نے دوبدو جواب دیا اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔
"تو پھر ٹھیک ہے تم گھر سے باہر نہیں جاسکتیں۔" ان کے لہجے کی تلخی نے نندنی کے اندر آگ بھڑکا دی۔ اس سے قبل کہ وہ جواب میں کچھ کہتی اور جھگڑا طول پکڑتا تب ہی مصلحتاً خاموشی اختیار کیے ہوئے دیو نے چپ کو توڑا۔
"پلیز مام نندنی کو جانے دیں۔"
"دیو تم......"
"مام میں نے کہا نا نندنی کو جانے دیں۔ آپ کو بہرحال اس کا حق نہیں ہے کہ آپ اسے گھر میں قید کریں۔ نندنی جائیے آپ اور یہ یقین رکھیے گا پلیز کہ یہاں آپ کے ساتھ نہ تو کسی قسم کی زبردستی ہوگی نہ آپ کے [illegible] کو پامال کیا جائے گا۔" دیو جو پہلے مام سے بات کرتے ہوئے [illegible] تھا نندنی کو مخاطب کرتے ہی اس کی تلخی جاتی رہی۔ نندنی نے جواب میں کچھ کہے بغیر سرد نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی کی چابی مام کے ہاتھ سے اچک کر پورٹیکو کی جانب بڑھ گئی۔
"تم نے اچھا نہیں کیا دیو!" مام کا لہجہ احتجاجی تھا۔
"مام نندنی زرخرید غلام نہیں بیٹی ہے آپ کی۔ اپنی محبتیں تو اس سے چھین ہی چکی ہیں اب اس کے جائز حقوق مت چھینیں ورنہ شاید آپ ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیں۔" دیو نرمی ورسان سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا جسے پتہ نہیں وہ سمجھی بھی تھیں یا نہیں۔

❁......❁......❁

نندنی نے گاڑی ڈاکٹر زینب کے گھر کے سامنے پارک کی۔ گھر کے باہر موٹر سائیکلیں اور کچھ گاڑیاں پہلے سے کھڑی تھیں وہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ یہ رش کس سلسلے کی کڑی ہے۔ اپنی گاڑی دیگر گاڑیوں کے ساتھ کھڑی کر کے وہ اپنا بیگ اور دوپٹہ سنبھالتی باہر نکلی اور ڈاکٹر زینب کے گھر کے دروازے پر آن رکی۔ گیٹ سے ملحق ڈرائنگ روم کا ڈبل دروازہ تھا۔ جالی دار دروازہ بند جبکہ دوسرا کھلا تھا۔ اسی کھلے ہوئے دروازے کے باعث اسے یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ اندر بہت سے لوگ ہیں مگر اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود وہاں خاموشی تھی صرف ایک بھاری بارعب مردانہ آواز گونج رہی تھی۔ نندنی الجھن کا شکار ہوئی جبھی صورت حال سمجھنے کی کوشش میں رک گئی۔
عزیزانِ من! ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ ایک باغ سے گزرے وہاں ایک نوجوان باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے آپ سے کہا۔ آپ اللہ سے عشق کا ایک ذرہ مجھے عطا کرادیجیے۔ عیسیٰ نے فرمایا۔
"وہ بہت زیادہ ہے تم اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔" نوجوان نے کہا اچھا آدھا ہی سہی۔ حضرت عیسیٰ نے دعا فرمائی اور اللہ نے عطا فرما دیا۔ آپ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد پھر وہاں آئے تو دیکھا کہ نوجوان غائب ہے۔ آپ نے دعا کی "اے اللہ! اس نوجوان سے میری ملاقات کرادیجیے۔ وہ نوجوان آیا اور آسمان کی طرف تکتا رہا آپ کے سلام کا جواب دیا نہ گفتگو کی اور خاموش رہا۔
تب وحی الٰہی آئی۔
"اے عیسیٰ جس کے دل میں محبت کا آدھا ذرہ [illegible] ہو وہ تو یوں ہو گا [illegible] کردیا جائے تو اسے کوئی تکلیف میرے عشق کے سبب محسوس نہ ہوگی۔" گھمبیر پر تاثیر آواز چند لمحوں کے توقف کے بعد پھر گونجی۔
"آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بھی سن رکھا ہوگا۔ یہ عشق حقیقی ہی ہے جو انسان کو محفوظ کرلیتا ہے۔"
نندنی کو لگا تھا اس کے وجود کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہوں۔ یہ کیسی داستان سنی تھی ابھی اس نے۔ عشق حقیقی؟ یہ کیسا عشق ہے؟ ایک عشق ایک محبت تو اس نے بھی کی تھی۔ اس کی کیفیت بھی کچھ اس سے مختلف تو نہیں تھی۔ وہ بھی تو ہر احساس ہر خوشی سے بے نیاز ہوگئی تھی۔ اسے اپنا دل پانی بن کر بہتا محسوس ہوا۔
بعض اوقات عشق مجازی بھی عشق حقیقی کا باعث بن جایا کرتا ہے۔ اللہ کریم جب کسی دل میں قیام فرمانا چاہتا ہے تو پہلے وہاں کسی اور کو ٹھہرا کے دیکھتا ہے آیا یہ زمین میری محبت کے لیے کتنی زرخیز ہے۔
"بی بی صاحبا آپ؟ اندر تشریف لے چلیے۔ بیگم صاحبہ اندر ہیں۔" وہ یونہی اطراف سے بیگانہ گم صم کھڑی تھی جب اپنی دھیان میں زینب کی ملازمہ باہر آئی تھی اسے دیکھا تو گویا اس کی راہنمائی کی۔ نندنی چونکی پھر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرتی آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی دالان کے آغاز پر تھی جب زینب ٹرے اٹھائے کچن سے اپنے دھیان میں باہر آئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی خوشگوار قسم کی حیرت میں مبتلا ہو کر رہ گئی۔
"نندنی تم؟ آؤ نا!" زینب نے ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھی اور بڑھ کر بہت تپاک سے اسے گلے لگایا۔
"رئیلی نندنی تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے کتنا اچھا لگ رہا ہے بتا نہیں سکتی۔" نندنی نے دیکھا اس کی آنکھیں اس کے ہونٹوں کی طرح سے مسکرا اٹھی تھیں۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ نندنی نے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں چھلکتی جارہی تھیں۔
"میرا آپ سے ملنے کو جی چاہا بس چلی آئی۔"
"بہت اچھا کیا آؤ اندر چلتے ہیں۔" زینب نے پہلے ملازمہ کو پکار کر ٹرے ڈرائنگ روم میں پہنچانے کی تاکید کی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔
"آئی تھنک میں کچھ غلط وقت پر آئی ہوں۔ آپ کے ہاں گیسٹ آئے ہیں نا؟" نندنی قدم بڑھاتے کچھ ہچکچائی تھی۔ زینب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
"ایسا ہے تو نندنی تم بے فکر رہو عثمان کے لیکچر کا [illegible] تو ختم ہو چکا۔ ایکچولی ان کے تمام لوئیلز جو مسلم بھی ہیں ویکلی وعظ سننے آتے ہیں۔ عثمان کو خود بہت شوق ہے دعوتِ اسلام کا تو......"
"کیا یہ آپ کے اسلام سے ریلیٹڈ گفتگو تھی جو میں نے ابھی سنی؟" نندنی کے سوال پر زینب کی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی پھر اس کا متغیر چہرہ دیکھ کر بولی۔
"مجھے تمہاری طبیعت اچھی نہیں لگ رہی ہے خیریت؟" وہ اسے کمرے میں لے آئی۔ نندنی تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔
"میں جب یہاں آئی تو میرا موڈ بہت بہتر تھا گو کہ گھر سے نکلتے ایک بار پھر مام سے تکرار ہوگئی تھی مگر میں نے ان کی بات کو سر پر سوار نہیں کیا تھا مگر......"
"مگر کیا؟" ڈاکٹر زینب نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو نندنی کے چہرے پر کچھ اور اضطراب بکھر گیا۔
"آپ کے ہزبینڈ عثمان صاحب کی باتیں سن کر مجھے عجیب لگا میں کچھ سمجھنے سے قاصر رہی ہوں۔"
"کیا بات سمجھ نہیں آئی نندنی؟"
"آپ نے اپنے اللہ کو دیکھا نہیں ہے پھر اس سے محبت کیسے کرلیتے ہیں؟ اتنی شدید محبت کہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"
"نندنی اس کا بہت سادہ اور آسان فہم جواب ہے۔ دکھائی تو خوشبو بھی نہیں دیتی مگر احساس میں کس درجہ اثر پذیر ہے۔ درد اور تکلیف بھی نظر نہیں آسکتی مگر اس کا احساس اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ صحیح معنوں میں زمان و مکان کو فراموش کرا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مالک کائنات اور ایک عام انسان میں یہی فرق تو ہے۔ وہ نظر نہ آکر بھی ہر جگہ اپنا احساس دلاتا ہے دکھائی نہ دے کر بھی کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے انسان جب بھی خود کو تنہا پاتا ہے اللہ کو اپنے نزدیک محسوس کرلیتا ہے لیکن بات ساری ایمان کامل اور بھروسے کی ہے۔ اگر بھروسہ نہیں تو کوئی احساس نہیں۔" ڈاکٹر زینب نے اپنی بات مکمل کی اور نندنی کو دیکھا وہ جیسے الجھے ہوئے ریشم کا سرا ڈھونڈنے میں ہنوز ناکام تھی۔
"تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔ نندنی وہاں [illegible] کہیں کا بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ڈاکٹر زینب کی تمام باتیں گویا اس کی سمجھ سے بہت اوپر سے پرواز کرگئی تھیں۔

❁......❁......❁

اس نے سخت جھنجلا کر دریچے کا پردہ چھوڑا اور کمرے کے وسط میں ٹہلتے ہوئے بے دردی سے ہونٹ کچلے۔ کسی پل چین نہیں تھا۔ سکندر کب کا بابا سائیں کے کمرے میں گھسا ہوا تھا وہ اس کی منتظر تھی اس سے پوچھنا چاہتی تھی ایمان نے کیا بات کی اس سے مگر وہ ہتھے ہی نہ چڑھ رہا تھا۔
"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عباس حیدر کہ محض تمہاری وجہ سے میں ایک معمولی انسان سے خائف رہنے لگی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر عباس کے تصور سے شکوہ کیا اور آنکھوں کی نمی صاف کر کے دریچے کی جانب آ گئی۔ پردہ ہٹایا تو سکندر بابا سائیں کے کمرے سے نکل کر اپنے دھیان میں راہداری عبور کررہا تھا۔
"سکندر!" وہ کاندھوں پر پھیلی براؤن مردانہ گرم چادر کی

بکل مارتے ہوئے اس آواز پر ٹھٹک گیا۔ خائف سی نظروں سے پلٹ کر دیکھا وہ اپنے کمرے کے دریچے میں کھڑی اشارے سے بلا رہی تھی۔ سکندر نے بے بسی سے لبریز طویل سانس کھینچا اور احتیاطاً اس کے کمرے کی جانب بڑھنے سے قبل اطراف میں نگاہ کی۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔

"آؤ۔" اس کی دستک سے بھی پہلے لاریب نے دروازہ کھول دیا تھا۔ سکندر نے بھاری دل سے اندر قدم رکھا اب یہ پیشی جانے کس سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اس سے خائف رہنے لگا تھا۔ یہ تنہائی یہ قربت اور سب سے بڑھ کر اس پر موجود استحقاق اسے اس کے دل کو بے قابو کرنے لگتا تھا۔ وہ خود پر جبر کرتے خود پر پہرے بٹھاتے ہار جاتا مگر وہ لڑکی بے نیاز تھی کہ پرواہی نہ کرتی تھی۔ عجیب لڑکی تھی نہ اس کی خلوت سے گھبراتی' نہ تنہائی سے' شاید وہ اسے کسی قابل سمجھتی ہی نہ تھی یا پھر اس پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ کبھی اس کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکے گا۔ سکندر یہی اعتماد قائم رکھنا چاہتا تھا۔

"باجو نے بلوایا تھا تمہیں؟ کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے آپ حوصلہ رکھیں۔" سکندر اسے دیکھنے سے دانستہ گریز کر رہا تھا کہ خود کو آزمائش میں ڈالنا اور پھر اس آزمائش سے نبرد آزما ہونا آسان نہیں تھا مگر لاریب نے اس کا کچھ اور ہی مطلب لیا جبھی ڈانٹ کر بولی۔

"مجرموں کی طرح سے نظریں چرا کر بات کیوں کر رہے ہو؟ میری طرف دیکھ کر کہو یہی بات تا کہ میں تمہارے سچ اور جھوٹ کو سمجھ سکوں۔"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا بی بی صاحبہ؟" وہ جیسے زچ ہوا۔ لاریب نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی' کچھ اداس تھیں' مجھے آپ سب کا بہت خیال رکھنے کی تاکید کرتی رہیں دیٹ سیک!"

"اوکے فائن' تم جا سکتے ہو۔" اسے کچھ دیر تک تیز نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد لاریب نے کہا تو سکندر گویا سر پر پیر رکھ کے بھاگا۔ سکندر کے کمرے سے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد امامہ اور ایمان وہاں آ گئی۔ امامہ چہک رہی تھی جبکہ ایمان معمول سے کہیں زیادہ خاموش گم صم اور اداس نظر آ رہی تھی۔ کل سے مہمانوں کی آمد کے ساتھ گھر میں شادی کی تقریبات بھی شروع ہو جاتیں۔ لاریب کو اس کی اداسی اسی جدائی کے باعث لگی تھی۔

"یہ اکٹھے سونے والا آئیڈیا باجو کا تھا بہت زبردست' مجھے کتنا اچھا لگتا ہے نا رات کو اکٹھے سونا' ایسا وقت تو ہم نے اتنے سالوں میں کبھی نہیں گزارا۔ باجو جب شادی کے بعد آپ یہاں رہنے کو آیا کریں گی تب پھر ہم اکٹھے ہو کر سویا کریں گے ٹھیک ہے نا۔" امامہ نے ایمان کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے تھے۔

"اور وہ جو جن صاحب ساتھ آیا کریں گے بھلا وہ انہیں ہمارے ساتھ سونے کی اجازت کیوں دینے لگے۔"

"وقاص بھائی کی بات کر رہی ہیں؟" امامہ نے ٹھٹک کر پوچھا تو لاریب کچھ اور سلگ گئی۔

"تو اور کس کی کروں گی؟"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو اب سو جاؤ۔" ایمان نے ٹوکا مگر امامہ مچل گئی۔

"ہرگز نہیں باجو آج ہم بہت ساری باتیں کریں گے رات بھر جاگ کر۔" امامہ اس سے لپٹ گئی ایمان نے جھک کر اس کی پیشانی چومی تو ہزار ضبط کے باوجود آنکھ کی نمی اس کے چہرے کو بھگو گئی۔ امامہ چونک اٹھی۔

"باجو آپ رو رہی ہیں؟ بٹ وائے؟"

لاریب میری جان ادھر آؤ' میرے پاس۔" ایمان نے امامہ کی بات کو نظر انداز کیا اور لاریب کو دیکھ کر بازو پھیلائے۔ لاریب کچھ کہے بغیر سرک کر اس کے نزدیک ہو گئی۔ ایمان کے آنسو دیکھ کر خود اس کا اپنا دل بھی پگھل گیا تھا۔ رات گئے تک وہ تینوں باتیں کرتی رہیں۔ اپنے بچپن کی' اپنی ماں کی پھر امامہ اور لاریب نیند کی آغوش میں اتر گئیں تھیں جبکہ ایمان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس کے سیل پر شرجیل کا میسج آیا۔

"میں حویلی کے باہر تمہارا منتظر ہوں۔ ابھی جلدی باہر آؤ پلیز۔" ایمان کسی معمول کی طرح اٹھی۔ باری باری لاریب اور امامہ کو ڈھیر سارا پیار کیا اور در و دیوار پر حسرت زدہ نگاہ ڈال کر آنسو پونچھتی باہر نکل گئی۔ اس کا سیل فون وہیں ٹیبل پر پڑا رہ گیا تھا۔

(جاری ہے)

مجھے حکم اذاں

ام مریم

قسط نمبر 5

غم کے بھروسے کیا کچھ چھوڑا' کیا اب تم سے بیان کریں
غم بھی راس نہ آیا دل کو اور ہی کچھ سامان کریں
ایک ٹھکانہ آگے آگے پیچھے پیچھے مسافر ہے
چلتے چلتے سانس جو ٹوٹے منزل کا اعلان کریں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ہے باپ کرسچن جبکہ ماں ہندو ہے' نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں جب کہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں قبل امریکا میں نندنی کسی ایشین مرد سے ملتی ہے جس کی شخصیت کا سحر اس قدر اس پر طاری ہوجاتا ہے کہ وہ ہر جگہ اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتی رہتی ہے۔ نندنی کی ماں سریتا دیوی کے دوسرے شوہر کا بیٹا دیو نندنی کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ سریتا دیوی نندنی کو دیو سے شادی کرنے پر مجبور کرتی ہیں جس پر نندنی دلبرداشتہ ہوکر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا دوسرا اہم کردار عباس حیدر جس کی نسبت بچپن ہی سے اپنے چچا کی بیٹی لاریب سے طے ہے' اپنی خاندانی روایات کی پاسداری نہ کرتے ہوئے شوبز جوائن کرلیتا ہے جس پر سارا خاندان اس سے قطع تعلقی اختیار کرلیتا ہے۔ عباس کے جانے کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے دوسری طرف عباس اریشہ سے شادی کرلیتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر لاریب شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور حویلی کے خاص ملازم سکندر جو کہ گھر کے ایک فرد کی طرح ہے اسے شادی کے لیے خود پرپوز کرتی ہے سکندر لاریب کو چپکے چپکے دل میں پسند کرتا ہے اور لاریب کی ذہنی حالت اور صدمے کے آگے ہار مانتے ہوئے اس سے کورٹ میرج کرلیتا ہے لاریب عباس کو اپنی اور سکندر کی شادی کی خبر فون پر سناتی ہے جس پر وہ حسد کرنے کے بجائے مبارک باد دیتا ہے جب ہی لاریب کو شدت سے اپنی غلطی اور سکندر کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا تیسرا اہم کردار شرجیل جس کا تعلق جوائنٹ فیملی سے ہے خاندان میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے اس کی چچازاد علینہ جو واجبی شخصیت کی مالک ہے۔ شرجیل کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگتی ہے لیکن شرجیل پہلے سے ہی ایمان کو پسند کرتا ہے جس کی نسبت وقاص سے طے ہے۔ لاریب خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے جب کہ سکندر اس کے انتہائی قدم پر ششدر رہ جاتا ہے لاریب کے گھر آنے کے بعد سکندر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں اور ایمان کے سامنے ہی اس پر بگڑ پڑتی ہے۔ دیو کے بارہا منع کرنے کے باوجود سریتا دیوی ایک بار پھر نندنی سے دیو کے متعلق بات کرتی ہیں جس پر شدید طیش میں آ کے وہ بالکونی کی چھت سے کود جاتی ہے مگر ایک بار پھر وہ بد قسمتی سے بچ جاتی ہے جس پر دیو اور سریتا دیوی شکر کا سانس لیتے ہیں۔ ڈاکٹر زینب نندنی کو پیار سے سمجھاتی ہیں نتیجتاً وہ ان کے قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسری جانب عباس عریشہ کے ساتھ نئی زندگی میں مگن ہے جب کہ لاریب اپنی کی گئی حماقت پر سکندر سے مزید نفرت کرنے لگتی ہے۔ اس کی بیماری کا سن کے ایمان اور املمہ سکندر کے گھر ملنے جاتی ہیں وہ بھی نکاح نامہ لینے کی غرض سے ان کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ نکاح نامہ نہ ملنے کے باعث وہ شدید رنج میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ سکندر کچھ دن بعد جب لاریب کو ڈراپ کرنے جاتا ہے لاریب اس سے نکاح نامہ لے کے جلا دیتی ہے جب کہ سکندر ششدر رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب شرجیل ایمان کے گھر رشتہ بھیجتا ہے جو توقعات کے عین مطابق رد کردیا جاتا ہے جب کہ تایا جی حویلی کے رکھ رکھاؤ و دولت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں شرجیل فراز کو ایمان کے بھاگنے کا لائحہ عمل بتاتا ہے جس پر وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ عباس عریشہ کے ساتھ ہنی مون پر جانے کی تیاری کررہا ہوتا ہے جب ہی اسے باپ بننے کی خوش خبری ملتی ہے جس پر وہ خوشی سے جھوم اٹھتا ہے جب کہ عریشہ اس کی اس قدر دیوانگی کو دیکھ کر جھینپ جاتی ہے۔ شرجیل تائی جی سے اپنے گمشدہ چچا اور چچی کے متعلق استفسار کرتا ہے جس پر تائی جی غصے سے جھوٹی کہانی سنا کے انہیں خاموش کرا دیتے ہیں۔ نندنی ڈاکٹر زینب سے ملنے ان کے گھر جاتی ہے جہاں نندنی کے شوہر حسن اسلام کے متعلق درس دے رہے ہوتے ہیں ان کی باتوں کا نندنی پر بہت اثر ہوتا ہے وہ اس کا تذکرہ ڈاکٹر زینب سے بھی کرتی ہے۔ دوسری جانب حویلی میں ایمان اور وقاص کی شادی کی تیاریاں عروج پر ہیں جب کہ ایمان شرجیل کے ساتھ اپنی آگے کی زندگی اس کے ساتھ گزارنے کا تہیہ کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں اپنے گھر کی دہلیز پار کرجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

"فراز تمہارا آج ایڈمیشن تھا ناں؟ کیا رہا۔" وہ مایوس و دل گرفتہ بیٹھا تھا جب ہی صالحہ نے اندر جھانک کر فراز سے پوچھا تو فراز کی جان ہی جل کر رہ گئی۔

"پہلے ایک گلاس یخ پانی پلاؤ پھر بے حد اسٹرانگ قسم کی چائے پیش کرو گی تو بتا سکتا ہوں۔" یہ بھی جان چھڑانے کا ایک طریقہ تھا' وہ اچھی طرح جانتا تھا صالحہ کام کی کتنی چور ہے مگر صالحہ بھی گویا اسے حیران کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔ فراز کی آنکھیں اس وقت پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب وہ دس منٹ کے وقفے سے ٹرے میں اس کی دونوں مطلوبہ چیزوں کے ساتھ حاضر تھی۔

"چلو بولو اب فٹافٹ۔" ٹرے میز پر رکھنے کے بعد خود اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی۔ فراز اچھا خاصا جز بز ہوگیا تھا۔

"تم اس بات کو چھوڑو' وہ بات کرو جس کے لیے یہ مشقت کافی ہے۔ میری ذات میں تمہیں اتنی دلچسپی کب سے پیدا ہوگئی ہے۔" فراز کے براہ راست جملہ پر صالحہ کی کھسیاہٹ دیکھنے لائق تھی۔

"تم بہت بکواس ہو فراز!"

"نئی اطلاع میرے لیے۔" فراز نے اطمینان سے کہتے ہوئے گلاس خالی کر کے چائے کا مگ اٹھالیا۔

"وہ فراز...... تمہیں شرجیل کا کچھ پتا ہے؟ بالکل ہی غائب ہے کتنے دنوں سے۔" سوال ثابت کرچکا تھا کہ صالحہ کی برداشت اس سے زیادہ نہیں۔ فراز کے چہرے پر معنی خیز مسکان ابھری۔

"میری جہاں تک معلومات ہیں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر گئے ہیں۔"

"کب تک آئے گا؟"

"کیوں...... تمہارا دل نہیں لگتا ان کے بغیر؟" فراز کے اکتا کر پوچھے گئے تیکھے سوال پر وہ جھینپ گئی۔

"بہت بدتمیز ہو فراز تم بھی۔" فراز نے اس کا اٹھلانا دیکھا اور حیران رہ گیا۔

"میں بدتمیز ہوں؟ ٹائم دیکھیں محترمہ! آدھی سے زیادہ رات گزر چکی اور آپ میرے کمرے میں اطمینان سے بیٹھی ہیں بھلا کون ہوا بے حجاب؟ خود فیصلہ کرو۔" وہ گویا جھلا اٹھا۔

"تم بہت......"

"بدتمیز نہیں ہوں کم از کم' جائیے سو جائیے جا کر اور محترم کی فکر چھوڑ دیجیے وہ آپ کے دام میں آنے والے نہیں خوامخواہ انرجی ویسٹ کرنے کا فائدہ۔" فراز نے نخوت سے کہا اور اسی ناگوار موڈ کے ساتھ کپ پٹختا ہوا واش روم میں جا گھسا۔

❀......❀......❀
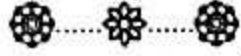
نیم غنودگی کی کیفیت میں لاریب نے کروٹ بدلی پھر کسمسا کر آنکھیں کھول دیں' املمہ اس سے کچھ فاصلے پر تکیے میں منہ گھسیڑے سردی سے سکڑی سو رہی تھی۔ لاریب نے یونہی لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھایا اور اس پر کمبل کھینچ دیا' ایمان بیڈ پر نہیں تھی اس نے انگڑائی لے کر اٹھتے ہوئے نیم وا آنکھوں سے واش روم کی سمت دیکھا' دروازہ کھلا ہوا تھا وہ لباس درست کرتی بستر سے اتر گئی۔ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے اس نے آگے بڑھ کر ٹیرس کا دروازہ کھولا تو دھند کے بگولوں اور سرد ہوا کے جھونکوں نے جسم میں پھریری سی دوڑا کے رکھ دی اس نے جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے قدم پیچھے ہٹالیے۔

"باجو! اتنی جلدی کیسے اٹھ گئیں؟" وہ بڑبڑائی اور انٹر کام کی سمت آ کر ریسیور اٹھایا۔ ایمان کے کمرے میں رابطہ کیا مگر گھنٹیاں بجتی رہیں' ایمان نے رسپانس نہیں دیا تھا۔ وہ قدرے جھنجلائی اور ریسیور رکھ کر واش روم میں چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر اسٹینڈ سے تولیہ کھینچا اور منہ پونچھتے باہر آئی تو املمہ کو بستر پر بیٹھے بچوں کی طرح دونوں آنکھیں مسلتے دیکھ کر گہرا سانس بھرا۔

"باجو کہاں ہیں؟" املمہ نے اس پر نگاہ پڑتے ہی کسلمندی سے سوال کیا۔

"انہیں ہی بلانے جارہی ہوں تم فریش ہوجاؤ پھر اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں۔" بیڈ کے سرہانے دوپٹہ اٹھا کر کاندھے پر ڈالتی وہ اسے تسلی دیتی خود باہر نکل گئی۔ ایمان کا کمرا راہداری کے آخری سرے

پر تھا شفاف راہداری میں دھند اور سردی کا احساس غالب تھا۔

لاریب نے تاب تھما کر دباؤ ڈالا تو دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔

"باجو کہاں ہیں آپ؟" اس نے اندر قدم رکھتے ہوئے پکارا جواب ندارد تھا اور کمرا نیم تاریک۔ لاریب نے آگے بڑھ کر لائٹیں آن کی تھیں کمرا خالی تھا اور بستر بے شکن وہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔

"یہ باجو اتنی صبح کہاں چلی گئیں؟" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور الٹے قدموں باہر نکلی تو سب سے پہلا سامنا سکندر سے ہوا۔

"سکندر بات سنو ذرا۔" اس نے بے اختیار اسے ہی زور سے پکارا تو سکندر چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور رک کر سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگا' کیسی نظریں تھیں اس کی ہمیشہ کی طرح نرم اور دیتی' گدازسی۔

"تم نے باجو کو دیکھا..... وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟"

"تو کہیں اور ہوں گی۔ لان میں یا پھر کچن میں' وہاں دیکھا؟" سکندر نے اس کی پریشانی اور اضطراب کو کچھ تحیر آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم لان میں دیکھ کر آؤ میں کچن کے علاوہ لاماں کے کمرے میں بھی چیک کر کے آتی ہوں۔" لاریب نے اسی تفکری گھبراہٹ اور تشویش زدہ انداز میں کہا اس کے لرزتے قدم کچن کے دروازے پر آ کر رکے' ملازمائیں ناشتے کی تیاری میں مصروف خوش گپیاں کر رہی تھیں اسے دیکھ کر یکدم مستعد ہوگئیں۔

"کچھ چاہیے بی بی صاحب؟" لاریب نے غائب دماغی کی کیفیت میں سر کو نفی میں جنبش دی اور واپس ہولی۔ جب وہ اماں کے کمرے سے نکلی تو اس کا دماغ صحیح معنوں میں سن تھا۔

"ایمان بی بی وہاں لان میں نہیں ہیں۔" سکندر نے اسے اطلاع پہنچائی تو لاریب نے آنکھوں میں اترتے اندھیروں کو واضح محسوس کیا تھا۔

"آپ نے ان کے کمرے میں دیکھا؟" سکندر اب خود بھی بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"ہر جگہ دیکھ چکی ہوں۔" اس کی آواز بھرآئی اور آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"ہوسکتا ہے جب آپ نے دیکھا ہو وہ واش روم میں ہوں' جا کہاں سکتی ہیں؟ آیئے پھر دیکھتے ہیں۔" سکندر نے رسانیت سے کہتے اسے تسلی دی تو لاریب ایک لفظ کہے بغیر وحشت زدہ دل کے ساتھ اس کے ساتھ ہولی۔ سکندر نے اندر آ کر پہلے ٹیرس اور ڈریسنگ کے کھلے دروازوں سے جھانکا پھر واش روم کا بند دروازہ تھپتھپا کر باقاعدہ آواز دی۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ یہ واقعی قابل تشویش بات تھی ایمان یوں بنا اطلاع کہاں جا سکتی تھی کہ وہ بھی اتنی صبح کہ ابھی سورج بھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا۔

لاریب تو بے جان ہوتی ٹانگوں سمیت وہیں بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ پیلا پڑتا جارہا تھا' کسی انہونی کا احساس اس قدر گہرا تھا جو دل کو بے دردی سے مسل رہا تھا اب تو سکندر بھی اس صورت حال پر اپنے اضطراب پر کنٹرول کھوتا بے حد نروس نظر آرہا تھا۔ اس نے اسی بے چینی میں نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا' ہر شے سلیقے سے اپنی جگہ موجود تھی کوئی کمی بیشی تھی نہ بے ترتیبی۔ اس نے کسی خیال کے تحت آگے بڑھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھول کر دیکھیں' ان میں جیولری باکس' کاسمیٹکس کی چیزیں ازلی ترتیب سے نظر آئیں۔ بیڈ کے سرہانے رکھتے اس نے جھک کر تکیہ اٹھایا' تب اس کے ہاتھ اور نظریں اک ساتھ ساکن رہ گئی تھیں۔ تکیہ ہٹتے ہی اک تہہ شدہ کاغذ سامنے آگیا۔ اس نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ کاغذ اٹھایا اس کے خدشے کی تصدیق ہوچکی تھی۔

لاریب جو الجھن آمیز نظروں سے اس کی حرکات وسکنات دیکھ رہی تھی اسے اس کاغذ کو اٹھاتے دیکھ کر لمحہ بھر کو منجمد رہ گئی۔ اگلے لمحے وہ بے حد تیزی سے اٹھی اور تقریباً جھپٹ لینے کے انداز میں اس سے وہ کاغذ کا ٹکڑا چھین لیا۔ سکندر نے اس حرکت کے جواب میں کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں دیا۔ لاریب نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کاغذ کھولا اور خدشات سے لرزتی نگاہ کو بامشکل تحریر پر جمایا۔

"بابا جان! زندگی کے کسی مرحلے پر مجھے اس طرح بھی آپ سے مخاطب ہونا پڑے گا میں نے سوچا نہیں تھا۔ میں نے بہت دماغ کھپایا مگر مجھے اس سوال کا جواب نہیں مل سکا کہ اگر آپ نے اسی طرح ہمیں ہمارے بچپن میں طے کیے اپنے فیصلوں کی بھینٹ چڑھانا تھا تو ہمیں تعلیم کا شعور کیوں بخشا۔ کیوں زندگی کی طرف کھلنے والے دریچوں کے پٹ ہم پر وا کیے کہ ہمارے دل و دماغ فہم وفراست کی آگاہی حاصل کر کے پھر سے ناآسودگی کے بھنور میں چکراتے پھرتے ہیں۔ آپ کو شاید نہیں پتا بابا جان! آپ کے اس فیصلے کی بدولت لاریب کس قدر ناآسودہ ہے' ایک ایسا شخص جس نے میری ہر لحاظ سے مکمل اور پرفیکٹ بہن کو بغیر کسی وجہ کے ٹھکرا دیا میں اسی کے بھائی کو عمر بھر کے لیے اس اہم بندھن میں اپنا آپ کیسے سونپ دوں' جس کی اطاعت اللہ نے لازم کردی ہو۔ پھر دل بھی تو آمادہ ہو وہ اس مجھے اس حوالے سے بھی پسند نہیں رہا۔ شرجیل میرا دوست ہے مجھ سے محبت کا دعوے دار' بابا جان وہ تو جائز طریقے سے مجھے حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر آپ نے ایسا نہیں ہونے دیا تو مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا' میں آپ اور آپ کی حویلی کو اس لیے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جارہی ہوں کہ اس کی اونچی فصیلوں میں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے۔"

کاغذ کا پرزہ لاریب کے کانپتے ہاتھوں سے چھوٹ گیا' آنکھوں میں چھائی دھند نے آنسوؤں کی شکل اختیار کرلی ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے وہ اتنی وحشت سے روئی کہ سکندر بوکھلا تا اسے دیکھتا رہا۔ (یہ آپ نے اچھا نہیں کیا باجو! آپ کو کیا پتا اس حویلی کا اور بابا جان کا پہلے ہی کتنا نقصان ہوچکا ہے)

سوچیں اسے پاگل بنادینے کے درپے تھیں۔ سکندر جو کسی حد تک صورت حال سمجھ چکا تھا اس کے نزدیک آ کر جھکا اور گرا ہوا کاغذ کا پرزہ ہاتھ کی مٹھی میں بھینچ کر بوجھل قدموں سے باہر کی سمت ہولیا۔

❀......❀......❀

نظر جب اس سے ملتی تھی میں خود کو بھول جاتی تھی
بس اک دھڑکن دھڑکتی تھی میں خود کو بھول جاتی تھی
اسے ملنے سے پہلے میں بہت بنتی سنورتی تھی
مگر جب وہ سنورتا تھا میں خود کو بھول جاتی تھی
میں اکثر یہ ہی کہتی تھی میں تم سے پیار کرتی ہوں
مگر جب وہ یہ کہتا تھا میں دنیا بھول جاتی تھی

عباس حیدر اپنا پروڈکشن ہاؤس بنانے میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے عریشہ کے لیے بھی ٹائم نکالنا مشکل ہورہا تھا۔ رات کو بھی اتنا لیٹ آتا کہ عریشہ سوچکی ہوتی۔ عریشہ متعدد بار شکوہ کرچکی تھی وہ ہر بار آئندہ جلدی آنے کا وعدہ کرتا مگر مصروفیت یہ وعدہ ایفا نہ ہونے دے رہی تھی۔ بزنس میں عباس کو نہ تجربہ تھا نہ انٹرسٹ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اس فیلڈ کا انتخاب کیا' یوں عریشہ کی بات بھی رہ جاتی اور روزگار کا سلسلہ بھی چلتا رہتا۔ اس وقت بھی وہ بے حد مصروف تھا جب اس کے سیل پر میسج ٹون بجی پہلے تو اس نے نظر انداز کیے رکھا مگر جب ذرا فرصت نصیب ہوئی تو سیل فون نکالا۔ میسج کھولتے ہوئے وہ فریش جوس کے سپ لے رہا تھا۔ عریشہ کے نمبر سے آئی اس غزل نے اس کے عنابی ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ کی الوہی کرنیں بکھیر دیں' اس نے اسی وقت عریشہ کا نمبر ڈائل کیا۔

"کہاں ہیں آپ؟" وہ چھوٹتے ہی ٹھنک کر بولی۔

"تمہاری کی زبان میں بات کی ہے تو میرے جذبات بھی سن لو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا اور اپنے مخصوص دلنشین لہجے میں بے حد جذب سے گویا ہوا۔

اگر تم پاس ہوتے کرم کی انتہا کرتے
تمہیں پلکوں پر رکھتے تمہیں دل میں بٹھاتے
اگر تم روٹھ جاتے تمہیں کتنا مناتے
تمہاری لغزشوں کو بھی ہنسی میں ہم اڑا دیتے
اگر اپنی خطا ہوتی تو خود کو ہی سزا دیتے
مگر یہ سب جبھی ہوتا اگر تم پاس ہوتے

"آپ کو ہری ہری سوجھ رہی ہے میں واقعی اداس ہوں۔" وہ جیسے ہی خاموش ہوا عریشہ نے منہ پھلا کر کہا۔ عباس کو جیسے دھچکا لگا۔

"بخدا یہ مذاق نہیں ہے۔" وہ صفائی دیئے بغیر نہیں رہ سکا کہ عریشہ کی خفگی جان پر ایسے ہی بنادیتی تھی۔

"تو پھر ان فاصلوں کی وجہ عباس؟ کیوں نہیں آجاتے میرے پاس۔" عریشہ کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی۔ اسے روتے پا کر عباس بے کل ہو۔

"اب کام کہاں کر پاؤں گا' تھوڑا سا اور انتظار' ابھی آرہا ہوں۔" وہ اسی پل اٹھا اور عریشہ اس کا ارادہ جان کر بوکھلائی۔

"ارے ارے نہیں' پلیز دو بج رہے ہیں رات کے' شہر کے حالات پتا ہیں نا آپ کو۔"

"کچھ نہیں ہوگا مجھے میری جان! تم بلاؤ اور میں نہ آؤں' ایسے تو کبھی نہیں ہوسکتا۔" وہ بڑی ترنگ میں آ کر بولا تو عریشہ جھینپ کر ہنسنے لگی خود پر نازاں اور بے تحاشا فخر کر کے۔

"بھئی کرلیا آپ کی محبتوں اور سچائی کا یقین۔ بس آرام سے بیٹھے صبح آیئے گا۔" اس کے لہجے میں تحکمانہ پیار بھری دھونس تھی' عباس نے منہ بنالیا۔

"ظالم لڑکی! میرے سوتے ہوئے جذبوں کو جگا کر اب پابندیاں لگانا شروع کردیں۔" جواب میں پھر عریشہ کی کھنک دار ہنسی تھی جو عباس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی وہ خود بھی مسکرادیا' زندگی مکمل تھی اور بے حد حسین۔ وہ اتنا مطمئن تھا جیسے یہ زندگی ہمیشہ ایسے ہی تو رہنی ہے۔

❀......❀......❀

یخ بستہ ستون سے ٹیک لگائے موسم کی ساری تندہی اور شدت کو سہتے ہوئے جب اس نے فضا میں ابھرنے والی فجر کی

اذان کی پہلی پکار کو سنا تو جلتی ہوئی آنکھوں کو کرب آمیزی کی کیفیت میں بند کرلیا۔ ماحول میں غضب کی ٹھنڈک تھی مگر وجود کے اندر الاؤ دہک رہے تھے۔ پچھتاوا اور احساسِ زیاں مل جل کر اس کے اعصاب کو شکستہ کرچکے تھے۔ خدشات تیز دھار تلوار کی صورت سر پر لٹکے ہوئے تھے۔ بابا سائیں پر بات کھلی تو آنے والے مہمانوں کو روکنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ حقیقت حال سے آگاہ کرنے کو جتنی بھی شرمندگی اور سبکی سہی مگر بابا سائیں خود گئے تھے بڑی حویلی بڑے بھائی سے معافی مانگنے مگر پلٹ کر واپس نہیں آسکے۔ تایا سائیں کو جس پل شرمندگی اور دکھ کی انتہاہ میں ڈوبے وہ صورت حال بتلا رہے تھے وقاص حیدر یک دم کتنا بپھر سا گیا تھا۔ اس نے عادت کے مطابق بے لحاظی اور گستاخی کی انتہا کرڈالی اور طنز کے نشتر چلاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسے مان لوں میں کہ وہ آپ کی ایما کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے چاچا سائیں! چلیں مان بھی لیں کہ ایسا ہوا ہے تو بھی اس میں سب سے زیادہ قصور وار آپ ہی ہیں۔ منع بھی کیا تھا آپ کو اتنی آزادی دینے سے تب آپ کو میری باتیں بُری لگتی تھیں اکیلی جاتی تھی تا گاڑی میں یونیورسٹی پڑھنے وہیں کسی کے ساتھ ساز باز کرلی تو کیا حیرت۔ آپ نے انہیں یہ کھیل رچانے کو پورا ماحول فراہم کیا تھا۔" باپ کے درمیان میں جھڑکنے ٹوکنے کو خاطر میں لائے بغیر وہ اپنی بھڑاس طیش زدہ انداز میں نکالتا رہا اور غم کی شدت سے پہلے سے نڈھال بابا سائیں شرمندگی کے اس مقام پہ آکے دل کے آگے تمام ہمتیں ہار گئے۔ انہیں پہلا اٹیک ہی بہت شدید قسم کا ہوا تھا' سکندر وہیں سے انہیں شہر کے اسپتال لے کر بھاگا تھا تو تایا سائیں بھی ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ سکندر نے اسپتال پہنچ کر فون پر بہت مختصر سے انداز میں بابا سائیں کی خرابی طبیعت کی اطلاع کے بعد فون بند کردیا تھا اِدھر سے کچھ سنے بغیر ہی اور پہلے سے مضطرب پشیمان اور بے قرار لاریب پر جیسے صحیح معنوں میں قیامت ٹوٹ پڑی تھی اس کے بعد اس کی انگلیاں سکندر کا نمبر ڈائل کرتیں شل ہونے لگی تھیں۔ حویلی کے در و دیوار پر جیسے شام غم نے اتر کر ڈیرے جما لیے۔ اُلمہ کو پتا چلا تو اس نے باقاعدہ رو رو کر خود کو ہلکان کر رکھا تھا۔ حیرت تو لاریب کو اپنے اعصاب پر تھی' جو پے در پے پڑنے والے غموں کے بعد بھی کام کرنا نہیں چھوڑ رہے تھے حالانکہ وہ ہمیشہ سے سب سے نازک مزاج رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا بجو! بابا جان ٹھیک تو ہوجائیں گے نا؟" اُلمہ کی آنکھوں میں ہر لحظہ ہراس کا اک نیا رنگ اتر رہا تھا۔ وہ آنکھیں جو ازلی بے فکر اور رنج و غم سے ناآشنا تھیں ان میں اضطراب کروٹیں لیتا اور آنسو ڈیرا ڈال چکے تھے۔

"تم فکر نہیں کرو اُلمہ! بابا جان بالکل ٹھیک ہوجائیں گے' مجھے یقین ہے اللہ پہ۔ وہ اپنے بندوں کو ان کی بساط سے بڑھ کر کبھی نہیں آزماتا۔ وہ جانتا ہے اچھی طرح ہم اتنے دکھوں کا بار ایک ساتھ نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے اُلمہ کو اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے ہمت بندھائی۔ وہ جیسے یکلخت بڑی ہوگئی تھی۔ اتنی بڑی اتنی پختہ کہ جیسے لمحوں میں عمر کے کئی برس کی سیڑھیاں پھلانگ گئی ہو۔

"باجو کیوں چلی گئیں اس طرح ہمیں چھوڑ کر؟" اُلمہ سہمے ہوئے انداز میں سوال کررہی تھی اس کے بالوں میں گردش کرتا لاریب کا ہاتھ ساکن ہوگیا۔

"اک بات سن لو اُلمہ! آج کے بعد ان کا ذکر نہیں کرنا سمجھ لو بس ہم دو ہی بہنیں ہیں۔" اس کا لہجہ کتنی سرد مہری و بے گانگی سمیٹے ہوئے تھا۔ اُلمہ نے تڑپ اٹھنے والے انداز میں اسے بے حد شاکی ہوکر دیکھا مگر اس کے سنگلاخ چہرے پر کوئی رعایت کی گنجائش نہ پاکر بے ساختہ رو پڑی۔ لاریب نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی اور گہرا سانس کھینچتی سیل فون اٹھا کر ایک بار پھر سکندر کا نمبر ٹرائی کیا۔ اس مرتبہ بیل جارہی تھی وہ قدرے الرٹ ہوئی۔

"السلام علیکم بی بی صاحبہ!" سکندر کی دھیمی مگر پژمردہ سی آواز سنائی دی۔

"سکندر کے بچے ایک مرتبہ میرے سامنے تو آؤ' دیکھنا کیا حشر کرتی ہوں تمہارا۔" اس کا سارا طیش سارا اشتعال بلا دریغ اس پر نکلنے لگا۔ اس بات سے بے نیاز کہ دوسری جانب وہ کتنا بوکھلایا ہوا ہوگا۔

"آئی ایم سوری بی بی صاحبہ میں......"

"بکواس بند کرو آخر تم ہوتے کون ہو اتنے خودمختار کہ خود انہیں لے کر اسپتال پہنچ جاؤ اور ہمیں سرسری بتا کر پھر فون بھی بند کردو' اوقات بھولتے نہیں جارہے ہو تم؟" وہ یکدم بھڑک اٹھی۔

"بی بی صاحبہ ان کی طبیعت بہت خراب تھی' ذرا سی بھی تاخیر......"

"کچھ نہیں سننا مجھے' تمہیں تو میں وہاں آکے پوچھتی ہوں۔ مجھے بس اسپتال کا نام بتاؤ۔" اک بار پھر اس کی پوری بات سنے بغیر وہ اسے جھڑک کر بولی تو سکندر نے ٹھنڈا سانس بھر کے

اسپتال کا نام بتادیا۔ لاریب نے مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر فون بند کردیا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی بجو! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اُلمہ اس کے پیچھے بھاگی آئی۔ لاریب کو رکنا پڑا۔

"کہاں خوار ہوتی پھروگی اُلمہ! یہاں ٹھہرو میں فون پر رابطہ رکھوں گی تم سے۔" اس نے بالکل بچوں کے انداز میں اُلمہ کو بہلانا چاہا۔ اس سے قبل کہ اُلمہ کوئی ردعمل ظاہر کرتی وقاص حیدر اپنے مخصوص انداز میں زمین روندتا ہوا ان کے سر پہ آ چڑھا۔

"کہاں گئی ہے ایمان!" اس کی بے تحاشا سرخ ہوکر دہکتی آنکھیں لاریب کے چہرے پر گڑی تھیں۔

"کیا بکواس ہے یہ ہم کیوں بھیجنے لگے انہیں بھلا۔" لاریب کا بھی غصے سے بُرا حال تھا۔

"جہاں بھی گئی ہے ناں بچے گی ہرگز نہیں' مجھ سے یاد رکھنا میں اسے زمین کی سب سے نچلی تہہ سے بھی نکال لوں گا۔ وقاص حیدر کی بے عزتی کرنے والا اتنی آسانی سے نہیں بچ سکتا۔" ماتھے پر بل ڈالے وہ آنکھوں سے نکلتے شعلوں سے اسے بھسم کرتا آگاہ کررہا تھا۔ لاریب نے تنفر بھرے انداز میں سر جھٹکا۔

"جو دل چاہے کرو' ہمارا اب تم سے کوئی تعلق ہے نہ ان سے لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔" لاریب کا لہجہ و انداز اس درجہ تضحیک آمیز اور رعونت بھرا تھا کہ وقاص جیسا خود پسند انسان اس تذلیل کو محسوس کرکے ہی آگ بگولا ہوگیا۔

"بہت غرور ہے نا تمہیں خود پر؟ دیکھنا کیا کرتا ہوں میں تمہارے ساتھ۔" غصہ میں پھر کر وہ دھمکیوں پر اتر آیا۔ لاریب کی آنکھوں میں جواباً تمسخر لہرانے لگا۔

"تم کچھ نہیں کرسکتے سمجھے' نہ ہی میں تم سے خائف ہونے والوں میں سے ہوں۔ یہ مت بھولا کرو کہ میں تمہاری رعایا میں شامل نہیں ہوں۔ اب تم یہاں سے چلتے نظر آؤ۔" وقاص کے وجود پر اس کے تنفر اس کی حقارت اور حد درجہ زعم و اعتماد نے جیسے کوڑوں کی برسات کردی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اترنے والی سرخی میں انتہا درجے کی تپش تھی۔ مزید اک لفظ کہے بغیر وہ اسے گھور کر چلا گیا۔ اُلمہ البتہ اس دوران تھر تھر کانپتی لاریب کی اوٹ میں چھپی رہی تھی' لاریب اسے ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی مگر وہ وقاص کے چلے جانے کے بہت دیر بعد بھی سہمی ہوئی رہی تھی۔

❀......❀......❀

سرمئی آنکھوں والے سنا ہے تیری آنکھوں میں
بستی ہیں نیندیں اور نیندوں میں سپنے
کبھی تو کنارے پر اتر میرے سپنوں میں
آ جا زمیں پہ اور مل جا کہیں پہ
مل جا کہیں سمے سے پرے
تو بھی آنکھوں سے کبھی میری آنکھوں کی سن

عباس حیدر پچھلے کچھ دنوں سے مکمل طور پر اس کے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔ اس کا پروڈکشن ہاؤس مکمل ہوچکا تھا' اب افتتاح کے بعد کام کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا مگر اس سے پہلے وہ عرشیہ کے ساتھ بھرپور وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ کتنی مکمل تھی زندگی' آسودگی' خوشی' محبت اور رنگ۔ عرشیہ کے جذبات و احساسات کا انداز یکلخت تبدیل ہوکر رہ گیا' یہ خیال کہ وہ اس کے لیے بہت اہم ہے ہرگز معمولی نہیں تھا' اسے یقین ہوا وہ اس دنیا کی وہ خوش قسمت ترین عورت ہے' جسے وہ شاندار مرد اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے' جس کی خواہش میں لاکھوں دل دھڑکتے ہیں۔

عباس پر ایک خمار اک نشہ طاری تھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے لاتعداد اگر سچے رنگ تھے۔ ان رنگوں میں ایسی شدت تھی وہ تمام شدتوں کی گواہ تھی وہ یہ بھی جانتی تھی وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے' جبھی اظہار کے نت نئے طریقے آزمایا کرتا جن کے دلفریب انداز ہمیشہ اسے موہ لیتے اور شانت و سرور رکھتے اس پل بھی وہ مغرور تھی۔ عباس خاموش ہوا تو اس کی آواز کا سحر بھی ٹوٹ گیا مگر عرشیہ ہنوز مبہوت تھی۔ عباس نے شریر انداز میں اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تب وہ چونکی اور اسے گھورنے لگی۔

"ہائیں' کیا ہوا؟" عباس کو اس ظالم ادا کی خاک سمجھ نہیں آئی بجائے داد و تحسین کے یہ خفگی۔

"کس کی منت سماجت کی جارہی ہے۔" وہ خطرناک تیور لیے بولی تو بدگمانی کے اس مظاہرے پر عباس کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"خوفِ خدا کرو لڑکی! میں تو گوڈے گٹوں تک تمہارے عشق میں ڈوبا ہوا ہوں' نیا الزام کیوں بھلا؟"

"میں تو آپ کے سامنے بیٹھی ہوں' ہر پل پاس ہوں آپ اسے نا جانے کہاں ڈھونڈ رہے ہیں۔ خیر وہ آپ کی فیانسی ہے یا پھر شوبز میں کوئی......"

"عرشیہ! عرشیہ......" عباس اتنا بھڑکا کہ اس پر کشن اٹھالیا۔ عرشیہ بے تحاشا ہنسنے لگی۔

"تم ایسا ہی جنجر سمجھتی ہو مجھے؟"

"مذاق کررہی ہوں بھئی دل پر نہ لیں۔ اچھا بتائیں کل ڈاکٹر کے پاس جانا ہے چیک اپ کے لیے؟" عباس نے محض کاندھے اچکا دیئے گویا آمادگی ظاہر کی ہو۔

"چائے پئیں گے؟"

"ہوں' مگر تمہارے ہاتھ کی......"

"میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔ عباس سیل فون پر نمبر پریس کررہا تھا انداز بے حد مصروف تھا۔

❀ ❀ ❀
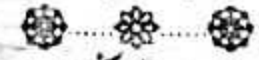
وہ ڈرائیور کے ساتھ اسپتال پہنچی تو تایا سائیں کے ساتھ وقاص حیدر کو بھی وہاں پاکر اسے خود پر بہت ضبط کرنا پڑا۔ اندر موجود نفرت یکلخت گہری ہونے لگی تھی۔ درد دینے والے مسیحا کب ہوتے ہیں مگر کچھ کہنے کی پوزیشن کہاں تھی۔ بابا سائیں کو آئی سی یو سے پرائیوٹ روم میں منتقل کردیا گیا تھا اوپر کے کاموں کے لیے سکندر کی بھاگ دوڑ جاری تھی' وقاص حیدر حکم دینے والوں میں شامل تھا لاریب نے اس صورت حال کو محسوس کیا تو جیسے آگ سی تن بدن کو جلا کر خاکستر کرنے لگی۔

"تم نوکر نہیں ہو اس کے جو ہر حکم بجا لارہے ہو۔" وقاص کے لیے سکندر کو سگریٹ اور پان لاتے پاکر لاریب تلملاتی اس کے سر آ پہنچی اور آنکھیں نکال کر غرائی۔ سکندر نے البتہ اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھا' قدم قدم پر اسے اپنی غلامی کا احساس دلانے والی لاریب کی یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل اسپتال پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام سکندر کی جی بھر کے بے عزتی کرنے کا ہی کیا تھا وہ اسے اس غلطی پر معاف کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی کہ سکندر نے بابا سائیں کو اس سے پوچھے بغیر اسپتال لے جانے کا حتمی قدم آخر اٹھایا کیسے' اسے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ بابا سائیں کی طبیعت کیسی تھی' ہاں اسے وہ تکلیف نہیں بھولتی تھی جو بابا سائیں کی فکر کرتے اس نے پل پل کانٹوں پر بسر کرکے محسوس کی تھی۔

"خبردار جو میں نے تمہیں اس کے آگے پیچھے پھرتے دیکھا ہو۔" تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائے وہ گویا حکم دے رہی تھی۔ سکندر کے چہرے پر واضح بے بسی نظر آنے لگی۔

"بی بی صاحبہ! میں انکار کی پوزیشن میں نہیں ہوں' وہ مالکوں میں سے ہیں۔" سکندر کی بات سن کر اسے جیسے پتنگے لگ گئے۔

"تمہاری یہ جرأت کہ تم میری بات سے انکار کرو۔" وہ بھڑک کر پھٹ پڑی۔ سکندر عاجز سا ہوا۔

"کسی بات ہرگز نہیں ہے بی بی صاحبہ! میں صرف آپ کو اپنی حیثیت سے آگاہ......"

"شٹ اپ سکندر! بس تم صرف وہ کروگے جو میں کہوں۔" اس نے سختی سے کہا اور وہاں سے پلٹ گئی کہ وقاص فاصلے کے باوجود ان پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھا تھا۔ لاریب نے سکندر کو صرف حکم نہیں دیا گویا خود بھی اس کی نگرانی شروع کردی اور وقاص کو کسی شاید بھنک مل گئی تھی جبھی کچھ توقف سے سکندر کو پکارا۔ لاریب نے نظریں چرائیں سکندر وقاص کی جانب سے چلا گیا اور اس کے حکم کی تعمیل میں لاریب سے نگاہیں چار کیے بنا وہاں سے نکل گیا۔ لاریب توہین' سبکی اور ذلت کے شدید احساس سمیت ہونق سی بیٹھی رہ گئی۔ اسے صاف لگا کہ سکندر نے اس کے منہ پر بھرے بازار میں طمانچہ دے مارا ہو۔ وہ جانے کتنی دیر بیٹھی جھلستی رہی جبھی اک نرس نے آکر چونکا دیا۔

"پیشنٹ شاہ صاحب کے ساتھ جو سکندر صاحب ہیں وہ کدھر ہیں؟"

"وہ نہیں ہیں' آپ مجھ سے کہیں۔ میں بیٹی ہوں ان کی خیریت ہے نا؟"

"جی خیریت ہے یہ دوائیں ابھی چاہئیں۔" نرس نے بے نیازی سے کہا اور نسخہ اسے تھما کر پیشہ وارانہ عجلت کا مظاہرہ کرتی چلی گئی۔ اس نے دیکھا وقاص اپنی جگہ پر موجود نہیں تھا البتہ تایا سائیں صوفے پر تقریباً نیم دراز اونگھتے نظر آرہے تھے۔ ان کا گارڈ گن سنبھالے چوکس کھڑا تھا۔ لاریب نے گہرا سانس کھینچا اور ریسپشن کی سمت آگئی۔ ارادہ وہاں سے فارمیسی کے متعلق جان کر دوائیں لانے کا تھا مگر بے ارادی طور پر اٹھی نگاہ نے جو منظر دیکھا وہ اسے یہاں آنے کا مقصد ہی نہیں خود اس کی ذات سے بھی فراموش کرگیا۔ بلیک ٹوپیس سوٹ میں اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ وہ عباس حیدر کے علاوہ کون ہوسکتا تھا جو اسے زمان و مکان کے فرق بھلا کر اپنی ذات میں گم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جس کی محض ایک جھلک اسے کسی پتھر کی مورتی میں ڈھالنے کی صلاحیت سے مالا مال تھی وہ غیر یقینی ششدر یک ٹک اسے تک رہی تھی جو اس کی موجودگی اور جاہ کن حد تک غیر حالت سے بے نیاز اک نگاہ ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔ دونوں اک دوسرے میں مگن اور کسی بات پر ہنس رہے تھے خوش باش آسودہ چکنے ماربل پر چلتے اس کی شریکِ سفر کا پیر پھسلا تو پوری جان سے اس کی جانب متوجہ عباس نے اسے سہارا دیتے

گویا اک طرح سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ لاریب اس سلگتے منظر کی تاب لانے کی ہمتیں کہاں رکھتی تھی جبھی بے تحاشا اذیت میں مبتلا ہوتے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ اذیت کے بے کراں سمندروں سے ڈوب کر ابھری تو عباس حیدر اسے ایک بار پھر بے انت تشنگی سے دوچار کرنے کے بعد جاچکا تھا لاریب ایک بار پھر تہی دست تہی داماں کھڑی رہ گئی تھی۔

اس نے گھبرا کر عباس کو بدحواس نظروں سے اطراف میں کھوجا پھر جیسے اندر سے اٹھتی سراسیمگی اور وحشت کے زیر اثر چہار اطراف میں پھیلی راہداریوں میں دیوانہ وار دوڑتی اسے ڈھونڈنے کی خواہش میں ہلکان ہوتی خود پر اٹھتی لوگوں کی حیران نظروں سے بے نیاز بھی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کی روانی اور متوحش انداز لیے اس کی حالت بہت قابل رحم محسوس ہوتی تھی۔

"بی بی صاحبہ! کیا ہوا ہے آپ کو کسے ڈھونڈ رہی ہیں؟ سب خیریت ہے نا۔" وہاں سے گزرتے سکندر کی نگاہ اس کے بے اوسان انداز پر پڑی تو وہ تیزی سے لپک کر نزدیک آیا اور تشویش بھرے انداز میں سوال کیا۔

"وہ......وہ تھا ابھی یہاں......یہیں تھا...... میں نے خود دیکھا پھر...... پھر جانے کہاں چلا گیا۔" وہ زاروقطار روتے ہوئے بے ربط سے جملے بول رہی تھی۔ سکندر کی خاک سمجھ میں نہیں آیا البتہ وہ لاریب کے وجود میں اترے طوفان کے جھٹکے ضرور اپنے اندر محسوس کررہا تھا۔

"ک......کون...... کس کی بات کررہی ہیں؟" اس نے نرمی سے استفسار کرتے اس کا دکھ سے دھندلاتا ہوا چہرہ دیکھا۔

"عباس...... اسے ڈھونڈو سکندر! وہ یہیں ہے کہیں' اسے ڈھونڈ کر اسے بتاؤ پلیز کہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رہنا ہی نہیں چاہتی اسے مناؤ میرے لیے اسے روک لو اسے کہو پہلے کی طرح اب مجھے چھوڑ کر نہ جائے۔"

وہ واقعی حواسوں میں نہیں تھی بالکل پاگل اور جنونی لگ رہی تھی۔ اک ہراس کے عالم میں تھر تھر کانپتی' سکندر کا دل کٹ سا گیا۔ ایسا والہانہ بے خود جنونی اعتراف' وہ اس کے بازو سے اپنا سر ٹیک چکی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھی۔ سکندر جیسے سکتہ زدہ اس کا جنون دیکھ رہا' وہ دوہری اذیت و آزمائش کا شکار ہورہا تھا۔ کرب کا اک بے کراں سمندر جس میں وہ بے دست و پا دھکیل دیا گیا تھا' کیسی بدنصیبی تھی وہ پہلی بار اس سے اس درجہ نزدیک ہوئی تھی تو اس طرح کہ حواسوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

جس کی وجہ سے ہوئی تھی وہ بھی کوئی اور شخص تھا۔ سکندر نے اتنی شدتوں سے دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹا کہ منہ میں خون کا ذائقہ گھلنے لگا۔ اس نے چاہا تھا کہ بولے اور کچھ نہیں تو اپنے ساتھ لگی کھڑی سسکتی بلکتی لاریب کو ہی خود سے الگ کردے مگر وہ خود کو برف کی ایسی سل پاتا تھا جس کے سب احساس جامد ہوں۔ خاصی تاخیر سے لاریب خود سنبھلی اور اس سے نگاہ چار کیے بنا وہاں سے چلی گئی وہ تب بھی شکستہ دل ول کھڑا رہا' جیسے اس پل کسی عظیم ترین نقصان سے دوچار ہوا ہو۔

❀ ❀ ❀
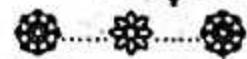
ایمان نے بال سلجھانے کا کام موقوف کیا اور گردن موڑ کر شرجیل کو دیکھا' وہ بستر سے اٹھ کر اس کے مقابل آگیا تھا۔

"دیکھا کتنی حسین ہوگئی ہو میری محبتوں کو پاکر۔" اس کے کاندھے پر اپنا مضبوط ہاتھ جما کر وہ مسکراتے ہوئے کتنے یقین سے کہہ رہا تھا۔ ایمان کے دل کا بوجھ بڑھنے لگا' پتا نہیں من پسند خواہش کی تکمیل کے بعد بھی دل اتنا رقت آمیز کیوں تھا۔

شرجیل نے اسے کوئی دھوکہ نہیں دیا تھا' اسلام آباد آنے کے بعد پہلا کام انہوں نے نکاح کرنے کا کیا تھا۔ ایک رات اسلام آباد میں گزارنے کے بعد وہ لوگ ایوبیہ نتھیا گلی کی سمت نکل آئے تھے۔ رونمائی میں شرجیل نے اسے سونے کا بہت خوب صورت سیٹ دیا تھا۔ اس کی محبت میں بھی بظاہر کوئی کمی نہیں تھی۔ احساس جرم تو اسے اپنے پیچھے رہ جانے والے رشتوں کے حوالے سے گھیرتا تھا۔

"لاریب' لالہ اور بابا جان کتنے انمول تھے یہ رشتے جو ہرگز اس سلوک کے مستحق نہ تھے۔ لالہ اور لاریب نے کیا سوچا ہوگا اس کے متعلق؟ بابا جان نے اس دکھ کو کیسے سہا ہوگا؟" کتنی جلدی اسے اپنی زیادتی اپنی خودغرضی کا احساس ستانے لگا تھا۔

"ایمی تیار ہو جاؤ یار باہر چلتے ہیں۔ دیکھو موسم کیسا قاتل ہورہا ہے۔"

"سردی بہت ہے شرجیل مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔" اس کی بیزاری کے جواب میں شرجیل نے اسے گھورا۔

"ہم روز یہاں نہیں آنے والے بور لڑکی! انجوائے کرو۔" شرجیل کے اٹھانے پر ایمان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا گویا اس امر سے روکا۔

"آپ نے اپنے گھر والوں سے بات کی؟" اس کے انداز میں فطری اضطراب اور گھبراہٹ تھی۔

"کیا بات؟" شرجیل نے دانستہ تجاہل برتا۔ مقصد ایمان کو تنگ کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

"یہی کہ آپ نے مجھ سے شادی کرلی ہے۔" وہ نظریں چرا کر بولی تو شرجیل ہنسنے لگا۔

"بتادیں گے یار! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ دراصل میں نہیں چاہتا وہ لوگ اپنی جلی کٹی سنا کر ہمارا ہنی مون خراب کردیں۔"

"شرجیل! وہ لوگ قبول تو کرلیں گے نا مجھے؟" وہ ایک با عزت اعلیٰ خاندان کی بیٹی ہو کر بھی ایک غلط اٹھے ہوئے قدم کے نتیجے میں بے امان ہوتی خوف زدہ نظر آرہی تھی۔

"کرنا تو چاہیے سویٹ ہارٹ! ورنہ وہ اپنے بیٹے سے بھی ہاتھ دھولیں گے۔" شرجیل نے اپنے تئیں اسے تسلی دی مگر اس کی تسلی ہو نہیں سکی۔

"اگر ان سب نے مل کر آپ کو مجھے چھوڑنے پر فورس کیا تو شرجیل آپ....." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی آنکھیں کیسے لمحوں میں پانیوں سے چھلک پڑی تھیں۔ شرجیل نے مضطرب ہوتے اس کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بے حد نرمی اور محبت سے اسے دیکھا تھا۔

"تم زندگی ہو میری ایمی! اور زندگی سے منہ کون موڑتا ہے۔ کبھی بھول کر بھی ایسی بات نہ سوچنا۔" ایمان کا بے کل بے قرار سا دل ذرا سا سنبھلا مگر چہرا یونہی ستا رہا تھا۔

"یقین نہیں آرہا میری بات کا؟" شرجیل سے اس کی بے دلی مخفی نہیں رہ سکی۔ ایمان خود کو سنبھال کر دانستہ مسکرادی۔

"ایسی بات نہیں ہے شرجیل! مجھے اگر اعتبار نہ ہوتا آپ پر تو یہ قدم کیوں کر اٹھاتی۔" اس جواب نے شرجیل کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کردیا ایمان اسے تکتی رہی کہ وہ ہنستے ہوئے نظر لگ جانے کی حد تک حسین نظر آرہا تھا۔ اس سے قبل کہ شرجیل اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کر کے اس پر گرفت مضبوط کرتا اس کے سیل فون کی مدھر گنگناہٹ نے دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔ شرجیل نے سیل فون اٹھا کر اسکرین پر چمکتے فراز کے نمبر کو دیکھا تو ایک بے اختیار قسم کی مسکان نے اس کے چہرے کو مزید روشن کردیا۔

"ہاں بولو فراز؟" سر کے پیچھے تکیہ رکھتے ہوئے خود کو آرام دہ پوزیشن میں لاتے ہوئے وہ جیسے خوشگواریت کے موڈ میں بولا۔

"کہاں ہیں بھائی آپ؟"

"جنت میں ہوں اک حور کی قربت میں زندگی کا لطف کشید کررہا ہوں۔" اس نے شریر انداز میں کہتے ایمان کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔ ایمان کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑتی لانبی پلکیں جھکا گئی۔

"اچھا امیزنگ! آپ شیر کا شکار کرتے خود شکار ہوئے ہوں گے اور فوت ہونے کے بعد جنت پالی ہے ناں؟" فراز بھلا کسی سے کم تھا ترکی بہ ترکی بولا اور کھلکھلا کر اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

"بکومت، ہم گئے تو شکار کرنے ہی تھے ایک پھری ہوئی مگر بڑی حسین اور نوخیز شیرنی شکار کی ہے۔ دیکھو گے تو بہادری کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکو گے۔" شرجیل ہنوز غیر سنجیدہ تھا جبھی فراز عاجز سا ہوگیا۔

"بھائی پلیز، میں سیریس ہوں۔" اس کے ٹوکنے پر شرجیل نے گہرا سانس کھینچا۔

"میں بھی مذاق ہرگز نہیں کررہا۔" اس کے دوٹوک جتلاتے انداز پر فراز کیا خاک سمجھتا۔

"جہاں بھی ہیں، بہر حال جلدی گھر آجائیں۔ یہاں آپ کی طویل غیر حاضری غم و غصے کا باعث بن چکی ہے۔"

"میں آجاؤں گا یار! چند دن انجوائے کرنے دو پھر تو جانے کیا کچھ سہنا ہے۔" وہ جس انداز میں سرد آہ بھر کے بولا تھا فراز کا کھٹکنا لازم تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا کر بیٹھے ہیں خدانخواستہ۔" اس نے ہول کر کہا تو شرجیل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"گناہ تو کوئی نہیں کیا بس اک پیاری سی خاتون کو تمہاری بھابی بنادیا ہے۔" دوسری جانب فراز کے لیے یہ بات اتنی غیر متوقع اور اچانک تھی کہ وہ ساکن رہ گیا جبھی فوری جواب بھی نہیں دے سکا۔

"آپ مذاق کررہے ہیں بھائی؟" وہ ٹھٹکا۔

"پاگل ہوں کیا؟ یہ لو بات کرلو اپنی بھابی سے آجائے گا یقین۔" شرجیل نے مسکرا کر کہا پھر سیل فون کان سے ہٹا کر اپنی سمت متوجہ ایمان کی جانب بڑھایا وہ ہچکچائی اور گھبرائی۔

"کرو نا یار! فراز ہے۔"

"نہ..... نہیں پلیز مجھ سے نہیں ہوگی۔" وہ بوکھلائی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا کرو ناں۔" شرجیل کے اصرار کے آگے اس نے سیل فون لیا اور اسی ہچکچاہٹ آمیز انداز میں کان سے لگایا اس پل اس کا ازلی اعتماد اس کا ساتھ چھوڑنے لگا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔

"وعلیکم السلام! خوش رہیے آباد رہیے دودھوں نہائیں پوتوں

چھلیں۔" جواب میں فراز کی شوخ کھنک دار اور بے حد شریر آواز سماعتوں سے ٹکرائی اس کا چہرہ سرخی سے دہک کر انگارہ ہوگیا اسے قطعی نہیں سوجھا اب کیا بولے تو گھبرا کر شرجیل کو تکنے لگی۔

"کچھ اور بات کریں نا؟" فراز نے اشتیاق ظاہر کیا تو وہ شپٹا سی گئی۔

"ک.....کیا.....؟" اس کی بوکھلاہٹ عروج پر جا پہنچی تھی۔

"رشتے میں آپ سے چھوٹا ہوں کوئی اچھی سی دعا آپ بھی دے دیں نا مجھے۔" اس کا ارادہ اسے صاف چھیڑنے کا تھا تبھی خاص تیکھا انداز اختیار کیا۔ ایمان اسی تیکھے پن سے گڑبڑائی اور سیل فون شرجیل کی سمت بڑھا دیا۔

"کیا کہا تم نے میری بیوی سے کہ بے چاری اچھی خاصی پریشان ہوگئی۔" شرجیل نے مصنوعی خفگی سے فراز کو ڈانٹنے کا آغاز کیا البتہ لو دیتی نظروں کا مرکز ایمان کا دلنشین چہرا تھا جس پر گھبراہٹ اور حیا کا سنگم بہت حسین لگ رہا تھا۔

"مائی گاڈ.....میری مجال!" دونوں کتنی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر شرجیل نے فون بند کردیا۔

"آئی تھنک فراز بھائی سے خاصی انڈر سٹینڈنگ ہے آپ کی۔" ایمان شرجیل کے اشارے پر سیل فون چارجنگ پر لگاتے ہوئے قیاس آرائی کررہی تھی شرجیل مسکرا دیا۔

"ہاں! فراز بہت نائس ہے مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ حق اور انصاف کی خاطر سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار رہتا ہے۔ مجھے تو قلق ہے یہ جرنلزم کی بجائے شوبز کو کیوں اختیار کررہا ہے ویسے میرے بعد علوی لاج میں اگر تمہیں مورل سپورٹ ملے گی تو فراز اور سمیعہ سے۔"

"سمیعہ کون ہے؟" ایمان فون چارجنگ پر لگا چکی تھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے متجسس ہوئی۔

"کزن ہے میری! چاچو کی بیٹی۔ مجھ سے فراز کی طرح بے حد امپریس۔" شرجیل کے انداز میں شرارت در آئی۔ ایمان نے اسی آخری بات پر چونک کر بغور اسے دیکھا جبھی شرجیل کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

"کتنے فاصلے پر بیٹھنے کی کیا تک بنتی ہے۔" شرجیل نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے مقابل لے آیا۔ ایمان پھر بھی گم صم ہی رہی شرجیل نے اسے بغور دیکھا۔

"وہ فراز کی طرح مجھے بڑا بھائی سمجھتی ہے اور ویسی ہی محبت کرتی ہے جیسی فراز کرتا ہے مجھ سے اسی لیے اتنی پریشان ہوگئی تھیں نا تم؟" اس کا چہرا اوپر اٹھاتے شرجیل نے لیے چھیڑا تو ایمان نہ صرف ہلکی پھلکی ہوئی بلکہ جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگی مگر شرجیل کی نظروں کے تقاضے اتنے شوخ و گستاخ تھے کہ وہ بے اختیار شپٹاتی پلکیں جھکا گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

اس سانحے کو ان پر بیتے ایک ہفتے سے زیادہ گزر گیا زندگی جیسے تیسے معمول پر آرہی تھی۔ تمام تر ذلت سبکی اور شرمندگی اٹھالینے کے باوجود بھی بہرحال وہ ضروریات زندگی سے نظریں نہیں چرا سکتے تھے۔ بابا سائیں ڈسچارج ہوکر حویلی آچکے تھے انہیں ایک چپ سی لگی ہوئی تھی جو مستقل جان کا روگ تھی۔ جیسے وہ خود سے بھی نظریں چرائے پھرتے تھے۔ سکندر سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا رہتا اب تو اس نے راتوں کو بھی گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ بابا سائیں کے ساتھ والا کمرا اس کے لیے مستقل مخصوص ہوگیا۔ شادی تو ملتوی ہو ہی گئی تھی عزیز رشتہ دار وجہ پوچھنے آتے تو تایا سائیں نے یہ احسان کیا کہ کسی کو چھوٹی حویلی تک پہنچنے نہ دیا۔ لاریب ذہنی طور پر اتنی پریشان تھی کہ اس نے ایگزیم نہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ بابا سائیں تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلوایا۔

"جی بابا سائیں!" وہ ان کے کمرے میں آئی تو سکندر انہیں اخبار پڑھ کر سنا رہا تھا اسے دیکھ کر اخبار لپیٹ لیا اور نظریں دانستہ اپنے پیروں پر ٹکالیں۔ وہ خود پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھانے میں ماہر تھا۔

"سکندر بتا رہا تھا آپ کالج نہیں جارہی ہو کیوں بیٹے؟ آپ کے تو ایگزیم ہونے والے ہیں۔" لاریب نے سرد آہ بھر کے اک نظر انہیں دیکھا جھریوں زدہ ملول چہرا محض چند دنوں میں کتنے بوڑھے نظر آنے لگے تھے وہ۔

"سوری بابا جان! میں پڑھ نہیں پارہی فیل ہونے سے بہتر ہے کہ......" اس کا گلا بھر آیا جبھی بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ کچلنے لگی۔

(اگر بابا جان کو پتا لگ جائے ان کے اعتماد کو صرف باجو ہی نے نہیں ٹھیس پہنچائی بلکہ......)

"یہ تو بہت غلط بات ہے بیٹے! چودہ سالوں کی محنت کو اس طرح ضائع نہیں ہونا چاہیے پھر میں نہیں چاہتا کہ آپ یہ سمجھو میں اک بیٹی کی سزا دوسری کو دے رہا ہوں۔ میں تم پر تمہاری راہوں کو کھوٹا نہیں کرنا چاہتا۔" وہ کتنے تحمل و برداشت کا مظاہرہ کررہے تھے لاریب یکدم آبدیدہ ہوکر رہ گئی۔

(باجو کتنا غلط سمجھا آپ نے بابا جان کو کاش آپ نے جلدی نہ کی ہوتی)

"آپ ایسا مت سوچیں بابا جان! میں ایگزیم کلیئر کرلوں گی۔" اپنا دکھ بھلا کر اس نے بابا سائیں کو تسلی دی تو انہوں نے اپنا کمزور لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

"جیتی رہو بیٹے! خدا نصیب اچھا کرے تمہارا۔" لاریب اپنے آنسوؤں کو ان سے چھپانے کی غرض سے ہی تیزی سے پلٹ کر باہر نکل آئی اور دوڑتی ہوئی راہداری کے موڑ پر آندھی طوفان کی طرح آتے وقاص حیدر سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گئی۔

"کبھی تو دیکھ کر چل لیا کرو۔" وہ جتنی بدمزا ہوئی تھی اسی قدر کھلی ذوقاص فضول انداز میں بے ہنگم ہنسا۔

"دیکھ کر چلیں تو تم جیسی پھولوں کی ملکہ سے کیسے ٹکرائیں۔" اپنے مخصوص خبیث بے باک انداز میں کہتا وہ مونچھوں کو بل دے رہا تھا لاریب کا حلق تک کڑوا ہوگیا چہرے پر بے زاری اکتاہٹ اور ناپسندیدگی کے سارے رنگ اتر آئے۔

"اب کیا لینے آئے ہو؟" وہ خاصی بدتمیزی سے ٹوک کر بولی۔ یہ انداز وقاص کو برہم کرنے کے لیے کافی تھا۔ مگر سامنے وہ تھی جس کی موجودگی اس کی آنکھوں میں تراوٹ اور روح تک میں خمار بھر جاتی تھی۔ اس حویلی میں اس کے علاوہ بھی دو اور لڑکیاں تھیں خاص کر ایمان جو اس سے منسوب رہ چکی تھی مگر وقاص کا جھکاؤ شروع سے لاریب کی جانب تھا تو وجہ یہی تھی کہ اس کا طنطنہ اس کا شہزادیوں جیسا طمطراق حاکموں کی سی تمکنت آقاؤں جیسا قطعی و حتمی پن اس کے انداز سے ابل ابل کر بہتا دکھائی پڑتا تھا۔ وہی ان کے لیے چیلنج بن گیا تھا وہ اتنی اٹریکٹو تھی کہ وہ سب کچھ بھول گیا تھا یہ بھی کہ وہ اس کے چھوٹے بھائی کی منگ ہے۔

"میرے چاچے کا گھر ہے جب جی چاہے گا آؤں گا اور یہ طے ہے کہ اس گھر کا داماد بھی بنوں گا۔" اس پر نظریں گاڑھے وقاص نے اپنے مخصوص پرزعم افلاطونی انداز میں اپنے ارادوں کو واضح کیا تو لاریب کا دل یک دم دھک سے رہ گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وقاص کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ اتر آئی۔ اس نے اس وقت تک لاریب کو دیکھا جب تک وہ اسے نظر آسکی پھر گنگناتے ہوئے بابا سائیں کے کمرے کی جانب ہولیا۔

❁.....❁.....❁

نندنی کی خوب صورت سحر انگیز آنکھیں ساکن تھیں سکتہ زدہ غیر یقینی تحیر و استعجاب لیے تھیں۔ اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سچ ہے اگر سچ تھا تو دل تسلیم کیوں نہیں کررہا تھا۔ اتنا پچھتاوا کرب اور بے کلی دل میں اتر آئی تھی کہ کسی پل قرار نہیں تھا۔ وہ خوش شکل ڈاکٹر عثمان خان اس کا مسیحا اور اس کا محسن اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ خیال ہی رگِ جاں میں نوکیلے نیزے گاڑھ رہا تھا۔ صبح اسپتال جانے کی غرض سے گھر سے نکلنے والا ڈاکٹر عثمان بھلا کب جانتا تھا کہ پلٹ کر واپس اپنی بیوی اور بچے کے پاس نہیں آسکے گا کبھی کبھار موت کتنا سفاک وار کرتی ہے کہ مدتوں زخم مندمل نہیں ہو پاتے۔ یہ بھی ایسا ہی زخم تھا زینب کی صورت کی ویرانی یاسیت اور وحشت کو دیکھتی وہ سوچوں میں غلطاں تھی۔ کتنا خاص اور متحمل مزاج تھا وہ اپنی عادتوں میں کس درجہ نفیس اور شاندار کہ نندنی چند ملاقاتوں میں ہی اس کے لیے کتنی اپنائیت محسوس کرنے لگی تھی۔ کتنا احترام ہوتا تھا اس کے لیے عثمان کی جھکی نظروں میں وہ اس سے سوال کیے جاتی ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا۔ وہ اس تحمل اور نرمی سے جواب دیے جاتا حالانکہ نندنی کے سوالوں میں اکثر کاٹ ہوتی مگر وہ کبھی نہ جھنجلاتا نہ غصہ کرتا کتنا رسان ہوتا تھا اس کے لہجے میں ہمیشہ۔ نندنی نے کبھی اسے غصہ میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے ٹھہراؤ اور رسان کے ساتھ شفقت نرمی و محبت کو دیکھتے ہوئے ہی نندنی نے یہ بات زینب سے کہی تھی۔

"آپ شوہر کے معاملے میں بہت لکی ثابت ہوئی ہیں ڈاکٹر زینب!" اور زینب جواباً الحمدللہ کہتے شرمیلے انداز میں مسکرانے لگ جاتی۔

"آپ تو پاکستانی ہیں عثمان سے کیسے شادی ہوگئی آپ کی؟"

"عثمان میرے کزن ہیں عم زاد تقسیم ہند کے موقع پر میرے دادا پاکستان چلے گئے تھے جب کہ عثمان کے دادا جان یہیں رہ گئے تھے۔ دونوں بھائیوں کے درمیان یہ دوریاں بڑھیں تو اس رشتے کے باعث یہ فاصلے کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ویسے بھی یہ خاندان بہت مختصر رہ گیا تھا صرف عثمان اور ان کے بابا تھے اب بابا کی وفات کے بعد تو صرف عثمان ہیں۔" نندنی کی زینب سے دوستی اتنی بڑھی تھی کہ وہ اکثر اس سے ملنے زینب کے گھر آجاتی تھی۔ وہ اک دوسرے کو بہت اچھی طرح جان گئی تھیں۔ نندنی کو زینب کے بیٹے عبداللہ سے بھی خصوصی لگاؤ ہونے لگا تھا ایک مرتبہ وہ آئی تو عثمان اپنے دوسالہ بیٹے کو نعت پڑھنی سکھا رہا تھا۔ اس

کے لہجے میں اتنا گداز اتنی تاثیر تھی یا نعت کے الفاظ کچھ ایسے دل پذیر تھے کہ نندنی بھی سیکھنے کو مچل اٹھی۔

تصویر کمال محبت تنویر جمال خدائی
یا محمد نورِ مجسم یا حبیبی یا مولائی

عثمان نے کچھ تامل کے بعد اسے ان اشعار کو طرز کے ساتھ پڑھنے کا طریقہ از بر کرایا تھا۔ جنہیں وہ بار بار گنگنانے کے انداز میں پڑھتی تھی مگر تب نندنی کے گمان تلک بھی یہ بات نہیں تھی کہ سریتا دیوی جو اس کا زینب سے میل میلاپ پسند نہیں کرتی تھیں اس کے منہ سے یہ نعتیہ اشعار سن کر نفرت کے ساتھ غم و غصہ میں انسانیت کی سطح سے گر کر کیسا گھناؤنا سوچنے لگی تھیں۔ مسلمانوں کے لیے جو ازلی نفرت تھی وہ اس موقع پر عود کر آئی اور اس نفرت کی زد پر ایک ہنستا بستا گھر اجڑا اور اک بے گناہ انسان موت کی سرد آغوش میں جا اترا گو کہ یہ کام تمام تر رازداری سے کروایا گیا تھا۔ عثمان خان کا جو ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ بظاہر ٹریفک حادثہ تھا مگر اس کے پیچھے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ سریتا دیوی کی بیٹی کو اپنے مذہب کی ترغیب دینے والوں کی معمولی سزا تھی۔ جس میں وہ خود کو حق بجانب سمجھتی تھیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ زینب یا عثمان دونوں نے ہی نندنی کو اسلام میں داخل کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی تھی ہاں اس کے سوالات کے مناسب اور درست جوابات ضرور دیا کرتے تھے جو نندنی اکثر و بیشتر ان سے کرتی رہتی تھی۔ کسی غیر مسلم کو مسلم کرنا ان کا مشن نہیں تھا یہ زبردستی کے سودے ہوا بھی نہیں کرتے مگر یہ سریتا دیوی کو کون سمجھاتا۔ نندنی سے پہلے انہیں عثمان کے ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہونے کی اطلاع فون پر موصول ہو چکی تھی اور وہ اپنے منصوبے کی کامیابی پر خاصی مطمئن تھیں کہ اب ان کے اندازے کے عین مطابق زینب بھی یہاں ٹکنے والی نہیں تھی مگر غلط وہاں ہوا تھا جہاں دیو پر ان کا یہ راز آشکار ہو گیا اور اس نے ان پر گرفت کرنے میں بھی دیر نہیں کی تھی۔

"آپ نے بالکل بھی اچھا نہیں کیا ماں! عثمان خان ایک بے ضرر انسان تھا۔" دیو کا متاسفانہ لہجہ دکھ کی شدتوں سے چور تھا۔ سریتا دیوی محض اک لمحے کو گڑبڑائیں پھر اپنی مخصوص ڈھٹائی کے مظاہرے کے ساتھ کاندھے جھٹک دیے۔

"اس کی بیٹی بھی تو اچھا نہیں کر رہی تھی میرے ساتھ دھرم کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں۔ اس مقام پر آ کر تو میں نے اپنی محبت کی بھی نہیں سنی جارج سے علیحدگی کی وجہ بھی دھرم تھا۔"

"ذرا سوچیں! اگر نندنی کو سب پتا چل جائے تو....." اس کا تاسف ڈھلتا ہی نہ تھا اس نے انہیں ڈرانا چاہا مگر وہ ڈرنے کی بجائے ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگی تھی۔

"کون بتائے گا اسے تم؟" اور دیو کی آنکھیں شدت جذب سے سرخ پڑ گئیں کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ بھینچے جھٹکے سے پلٹ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁
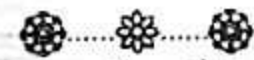
ایمان نے اس غزل کو ٹائپ کیا اور شرجیل کے نمبر پر سینڈ کر دی۔ شرجیل نے مری میں جہاں اسے بہت سی شاپنگ کرائی تھی وہیں ایک خوب صورت اور مہنگا ترین سیل فون بھی اسے گفٹ کیا تھا۔ اس وقت وہ نیچے کسی کام کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ سرسبز اونچے نیچے اطراف میں پہاڑوں سے گھرے راستے پر خوش گوار موڈ میں چلتے اس کے سیل فون پر میسج ٹون گنگنائی تو شرجیل نے ریسٹ ہاؤس کی جانب بڑھتے ہوئے سیل فون اپنی لیدر کی جیکٹ کی جیب سے نکال لیا۔ اسکرین کو چھوا تو منہ بند لفافہ بڑے دلربا انداز میں کھل گیا الفاظ کی دل نشینی نے اسے مسکرانے پر مجبور کیا تھا گویا عہد چاہا جا رہا تھا۔

"ڈونٹ وری! ہمیشہ دل سے لگا کر رکھیں گے اپنی متاع جاں کو۔" اگلے دس پندرہ منٹ میں وہ اس کے روبرو ہوا تو اسے زبانی یقین سونپا اور پیچھے سے بازوؤں کے آہنی حصار میں مقید کر لیا۔ ایمان کپڑے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی اس کے رومینٹک موڈ پر بوکھلائی۔

"خیریت..... کیا ہو گیا؟" وہ اس کی جانب رخ پھیر کر نروس ہوتی ہوئی مسکرائی۔

"یقین دلا رہے ہیں، ہمیں کتنا خیال ہے آپ کا۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا ایمان جیسے سمجھ کر جھینپ گئی۔

"ہمیشہ خیال رکھیے گا۔"

"ہمیشہ خیال رکھیں گے، چاہے ہم دس بچوں کے اماں ابا ہو جائیں۔ چاہے بڈھے کیوں نہ ہو جائیں۔" وہ اس کی ہوشربا خوشبودار قربت میں آ کر بہکنے لگا تو ایمان ٹپٹانے لگی۔

"شرجیل پلیز..... پیکنگ کرنی ہے مجھے۔" وہ منمنائی اور دبا احتجاج کیا۔

"دفع کرو یار! ساری عمر تمہیں کام ہی کرنے ہیں، رومینس کا موقع تو ابھی ہے گھر جا کے تو....." شرجیل نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کے بالوں سے کیچر نکال دیا۔ جس کی بدولت ایمان کے گھٹاؤں جیسے بال اس کے چاند چہرے اور نازک کمر کے گرد حصار باندھتے اس کی سحر انگیزی میں یکلخت اضافہ کر گئے۔ شرجیل بے خود ہونے لگا مگر ایمان کی جان اس کے ادھورے فقرے میں اٹک گئی اور دل دھڑکنے لگا۔ اس کی آئندہ زندگی کا دار و مدار اسی ادھورے فقرے میں ملفوف تھا غیر واضح غیر مطمئن۔

"کیا گھر جا کے..... بولیں نا۔" اس کا دل گھبرانے لگا مگر شرجیل کی ساری توجہ اس کے سحر انگیز دل نشیں چہرے پر مرکوز تھی، جبھی اس کے ہونٹوں پر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"پلیز خاموش رہو بس مجھے خود کو محسوس کرنے دو دیسے ابھی! تم نے کبھی چشمے کا صاف پانی دیکھا ہے؟ تمہیں دیکھ کر مجھے اس کا خیال آتا ہے۔" اس کی آواز پر بھی خمار چھا رہا تھا۔ ایمان لب بستہ رہ گئی اس کا دل ہر لمحہ خدشات کی دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁
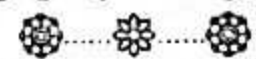
جتنے دن وہ ایگزیم میں مصروف رہی ہر احساس کو دانستہ فراموش کیے رکھا مگر یادوں پر بھلا پہرا بٹھایا جا سکتا ہے۔ ان کی تلخی اور کاٹ اپنی جگہ بدرجہ اتم موجود تھی اس کے باوجود کہ حالات اپنی جگہ مزید معمول پر آ گئے تھے۔ وہ کئی راتوں کی جاگی تھی وہ جی بھر کے سونا چاہتی تھی مگر امامہ کی خواہش تھی کہ وہ اس کے ساتھ سوئے۔ یہ بھی عجیب بچوں والی ضد تھی اس کے باوجود لاریب اسے ڈانٹ کر اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے تم رات کو میرے کمرے میں آ جایا کرنا۔" لاریب نے اس کا من پسند جواب دیا تو امامہ گلاب کے نوخیز پھول کی مانند کھل اٹھی۔ امامہ کی فرمائش پر سندھی بریانی بنی تھی اور بہت دنوں بعد بابا سائیں نے بھی ان کے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔

"مجھے باجو بہت یاد آتی ہیں بجو! انہیں سندھی بریانی کتنی پسند تھی۔" رات کو وہ کمرے میں آئی تو امامہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔ لاریب چپ کی چپ رہ گئی۔ وہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ لاریب بھی ایمان کی یاد سے بے کل ہوتی نیبل سے بھوکی اٹھی تھی مگر امامہ کو اس نے بے دریغ ڈانٹ کے رکھ دیا تھا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اب دوبارہ ان کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"کسی کا ذکر نہ کرنے سے کوئی دل سے نہیں نکل جایا کرتا۔" امامہ نے بگڑ کر کہا اور لاریب کے دل پر وار ہوا تھا۔ غلط کب کہہ رہی تھی وہ بھلا عباس کو دل سے نکال پائی تھی یا ایمان کو بھولنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ محبتیں کھو کر بھی کہاں اثر کھوتی ہیں۔ کہاں مرتی ہیں بلکہ بچھڑی محبتیں تو دلوں کے ناسور ثابت ہو کر ہر لمحہ اذیت کی کسک سے دوچار کرتی رہتی ہیں۔

"مجھے وہ یاد آتی ہیں، مجھے وہ نہیں بھولتیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ پھر آپ سوچیں اگر میں آپ سے بھی ان کی باتیں نہ کروں تو کس سے کروں؟" وہ ہچکیاں بھر بھر کے رو رہی تھی لاریب کو البتہ اس پر رحم آنے کی بجائے تاؤ آ رہا تھا۔

"تم اگر یہ چیپٹر کلوز نہیں کر سکتیں تو اٹھ جاؤ یہاں سے۔" وہ پھنکاری اور ہاتھ میں موجود سیل فون طیش میں بستر پر پٹخ دیا۔ امامہ نے آنسوؤں سے جل تھل ہوئی آنکھوں میں حیرانی لیے اسے دیکھا پھر یک دم بپھر گئی۔

"ٹھیک ہے، میں چلی جاتی ہوں یہاں سے۔ اپنے اس غم کا میں اکیلی ہی ماتم کر لوں گی آپ اگر پتھر ہو گئی ہیں تو میں پتھر نہیں ہوں۔" وہ روتے ہوئے چیخی اور اٹھ کر کمرے سے بھاگ گئی۔ لاریب عجیب پُرملال احساسات کا شکار وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ امامہ کا یوں ٹوٹ کر بکھرنا اور رونا اس کا دل کتنے لاتعداد ٹکڑوں میں تبدیل کر گیا تھا یہ کون جانتا تھا مگر ایک انا تھی جو اسے امامہ کے پاس جانے اور منانے سے باز رکھے تھی پر دل بے تاب تھا۔ اسی بے چینی نے بلآخر اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے کہ دروازے تک پہنچتی بجلی اچانک فیل ہو گئی۔ کمرا یکلخت تاریک قبر کا منظر پیش کرنے لگا۔ وہ اپنی جگہ پر منجمد سی کھڑی تھی جب امامہ کی دلدوز چیخیں اسے بوکھلا کر رکھ گئیں۔ وہ اندھوں کی طرح دیواروں کو ٹٹولتی آواز کی سمت بھاگی کہ امامہ کی ہذیانی چیخوں میں مزید شدت آتی جا رہی تھی۔ اس کی چیخوں سے لاریب اندازہ لگا چکی تھی وہ اس کے کمرے سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔

"چھوٹی بی بی..... چھوٹی بی بی! کیا ہوا؟" اس سے پہلے سکھاں ہاتھ میں ایمرجنسی لائٹ لیے گرتی پڑتی امامہ تک آ پہنچی تھی۔ لاریب نے بے قراری سے اسے جاتے ہی خود سے لپٹا لیا۔ امامہ سر تا پا خزاں زدہ پتے کی طرح کانپتی اور وحشت زدہ نظر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا امامہ؟ اندھیرے سے ڈری ہو؟" لاریب نے اس کے بال سہلا کر آنسو پونچھے۔

"ن..... نہیں..... بجو! میں اپنے کمرے میں گئی تو لائٹ چلی گئی، مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے میں دوبارہ آپ کے کمرے میں آ رہی تھی کہ مجھے..... مجھے کسی نے پکڑ لیا۔" امامہ اتنی خوف زدہ

اور سراسیمہ تھی کہ تب کچھ بول نہیں پائی تھی لاریب کے سکھاں کو واپس بھیجنے کے بعد خود امامہ کو لیے کمرے میں آ گئی۔ امامہ بہت دیر اس سے لپٹی رہی تھی اور حواس بحال ہونے پر جو کچھ اس نے بتایا وہ لاریب کے حواس سلب کرتا پوری جان سے ہلا کر رکھ گیا تھا۔ وہ حق دق سی اسے تکنے لگی۔

"کسی نے پکڑ لیا؟ کیا مطلب امامہ! کون تھا وہ؟" وہ سوال پر سوال داغنے لگی، صحیح معنوں میں اس کی جان مٹھی میں آ گئی تھی۔

"وہ کوئی مرد تھا، بجو! بہت لمبا، بہت طاقت ور، شاید وہ مجھے کھینچ کر کہیں لے جانا چاہتا تھا، تبھی میں ڈر کر چیخی تھی اس سے اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش میں میں نے اسے نوچا بھی تھا، یہ دیکھیں میرے ناخنوں پر ابھی تک خون لگا ہوا ہے اس کا۔"

امامہ نے ایمرجنسی لائٹ کے نزدیک اپنے ہاتھ لے جا کر دکھائے۔ لاریب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی گلابی پوروں اور ناخنوں پر اتری خفیف سی خون کی سرخی کو دیکھے گئی۔ اس کا دماغ جیسے لمحوں میں شل ہو کر رہ گیا تھا۔ حویلی کے اندر خالصتاً زنان خانے میں اس قسم کی واردات کا امکان ہی ناگزیر تھا کہ ادھر تو ملازم مردوں کا گزر بھی نہیں ہوتا تھا سوائے سکندر کے اور سکندر کا نام ذہن میں در آتے ہی لاریب کے دل نے غوطہ سا کھایا اور وجود سرد پڑتا چلا گیا۔

"تو کیا سکندر؟" اس نے سوچا اور دماغ میں جیسے انگارے چٹختے محسوس کیے۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا سکندر کی جرأت اتنی بڑھ سکتی ہے۔" اس نے خود سے سوال کیے اور جواب میں شکوک سر اٹھانے لگے پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس کے رویئے میں کتنی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ جب سے وقاص نے اپنی خواہش کی تکمیل کا طوفان اٹھایا تھا، سب سے زیادہ بے قرار لاریب ہی تھی۔ وقاص کسی بھی صورت ایمان کی غلطی معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھا اس نے صاف لفظوں میں بابا سائیں کو جتلا دیا تھا۔

"ایمان نہ سہی آپ کو نہیں بھولنا چاہیے کہ آپ کی دو بیٹیاں اور بھی ہیں۔"

"اگر تم ایمان کی بجائے امامہ یا لاریب میں سے کسی کو قبول کر سکتے ہو تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے بیٹے! مجھے اندازہ ہے کہ میں تمہارا مجرم ہوں۔" یہ ساری بات چیت لاریب کی موجودگی میں ہوئی تھی گو کہ بابا سائیں کی اس ڈھیل نے لاریب کو دلی کرب اور تکلیف سے دوچار کیا تھا مگر وہ بھی جانتی تھی۔

روایات میں جکڑے اس کے بے بس باپ کے پاس کوئی راہ فرار بھی نہیں ہے انہیں یہ قربانی دینی تھی مگر امامہ نہیں وہ اتنی عزیز بھی اسے کہ وہ اسے ہرگز بھینٹ نہیں چڑھا سکتی تھی۔ اس کے خیال میں وقاص جیسے وحشی سے شادی خودکشی کے مترادف تھی۔ انتقام اور ریجکشن کے احساس سے بھرا ہوا مرد انا کی تسکین کی خاطر ایمان کی بہن کی زندگی اجیرن کرنے کا پورا حق محفوظ رکھتا تھا پھر کیا فرق پڑتا تھا اگر عباس نہیں تو وہ کوئی بھی ہوتا۔ میں تو ویسے بھی مر ہی چکی ہوں۔

غم و غصے اور رنج کی شدید کیفیت میں وہ ایک بار پھر ایک جذباتی قدم اٹھانے کو تیار تھی۔ اسے یقین تھا وقاص، بابا سائیں کے سامنے اسی کا نام لینے والا ہے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ سکندر سے نجات حاصل کرے جبھی دوران اگیزیم ہر صبح اس کے ساتھ کالج جاتے ہوئے وہ اسے یاد دہانی کراتی رہی تھی اور سکندر جانے کیا ٹھانے تھا کہ ہر بار سن کر بھی اَن سنی کرتا رہا اس کی بے نیازی کے اسی مظاہرے نے لاریب کو اتنا آگ بگولہ کیا کہ اس روز وہ اس سے بھڑ گئی اور اس پر چلانے لگی۔

"تم پاگل ہو یا پھر تم نے مجھے بے وقوف سمجھا ہوا ہے؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں بی بی صاحبہ!" جواباً سکندر اس کے اشتعال کے آگے اپنی تحمل مزاجی کا شاندار مظاہرہ کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہوں میں اتنے دنوں سے تمہیں؟" لاریب کی رنگت بھی اس کی آنکھوں کی طرح دہکنے لگی۔

"کیا کہہ رہی ہیں؟" اس کا یہ گریز جو سراسر دانستہ تھا لاریب کو سیخ پا کر گیا۔

"طلاق دو مجھے، اس طوق کو میں مزید گلے میں نہیں لٹکا سکتی۔" ضبط کھو کر وہ چلا پڑی۔

"اسے گلے میں ڈالنے پر میں نے آپ کو مجبور نہیں کیا تھا یاد کریں آپ نے فورس کیا تھا مجھے حالانکہ تب میں نے اس کے متوقع نقصانات کے متعلق آگاہی بھی دینی چاہی تھی مگر......"

"مگر کیا......؟" سکندر نے پہلی مرتبہ اس کے سامنے اس انداز میں بات کی تھی اس کے تو جیسے اندر آگ دہک اٹھی۔ غصے کی شدید لہر نے اس کا دماغ دہکا دیا، وہ طعنہ دے رہا تھا اسے۔

"ہاں کیا تھا میں نے فورس، تب میرا دماغ خراب ہوا تھا مگر اب پچھتا رہی ہوں۔" اس کا لہجہ حقارت زدہ اور انداز میں رعونت تھی، بے نیازی تھی، نخوت تھا۔ سکندر نے اک نظر اسے دیکھا اور یک دم گاڑی روک دی پھر سرخ چہرے کا رخ اس کی جانب موڑ

کر ہیجان زدہ لہجے میں بولا۔
"مگر میں اب ایسا نہیں کرنا چاہتا اس لیے کہ نہ تو میں آپ کی طرح پاگل ہوا ہوں نہ پچھتاوے کا شکار۔" کیا تھا اس کے لہجے میں اس کے انداز میں کہ لاریب پہلے سکتہ زدہ ہوئی پھر اس نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے۔ اسے لگا تھا وہ زمین آسمان کے درمیان شدید خوف کے عالم میں معلق ہے۔ سکندر کے یکسر تبدیل ہوئے تیور اسے ہولانے کو کافی تھے۔ سکندر کے بدلے ہوئے انداز و مزاج کا مطلب تھا لاریب کی تباہی۔ صرف لاریب کی نہیں امامہ اور بابا سائیں کی بھی۔ اس کے ہاتھ پیر سرد پڑنے لگے مگر وہ اندر سے جتنی بھی خائف تھی بظاہر بھڑک اٹھی تھی اس طرح شاید وہ اپنا بھرم رکھنا چاہتی تھی۔
"تمہیں اندازہ ہے سکندر تم کیا کہہ رہے ہو یا دوسرے لفظوں میں تم اپنی اوقات بھول رہے ہو؟" اس کی بات کے جواب میں سکندر زہر خند سے ہنسا پھر جتلاتی تاؤ دلاتی نظروں سے اسے جی بھر کے دیکھا اور پھنکارنے کے انداز میں بولا۔
"بہت اچھی طرح اندازہ ہے اور مسز سکندر صاحبہ! میری اوقات اس وقت بھی یہی تھی جب آپ نے پیروں سے مجھے اٹھا کر اپنے سر پر رکھا تھا۔" ماتھے کی تیوریوں اور آنکھوں سے نکلتے شعلوں نے لاریب پر اس کے آتش فشانی موڈ اور اس کے ارادوں کی سنگلاخی کو بہت اچھی طرح آشکار کیا تو وہ اندر ہی اندر دہل گئی۔
"تم بہت غلط کر رہے ہو اپنے ساتھ میں ہرگز نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔ کبھی کسی بھول میں رہو۔" لاریب کو اپنی کمزوری کا احساس ہوا تو دانت کچکچاتی دھمکیوں پر اتر آئی۔ جواباً وہ کتنے سکون سے مسکرا لیا تھا۔
"اچھا..... مثلاً کیا کریں گی آپ میرے ساتھ؟" وہ بے نیازی اور نخوت سے پوچھ رہا تھا اور لاریب غضب سے بپھر اٹھی تھی اس کی آنکھوں میں غصے کی سرخیاں جھلکیں، سکندر کا تمسخرانہ انداز اسے آگ لگا کر رکھ گیا تھا۔
"یہ آنے والا وقت ہی تمہیں بتائے گا کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے نفرت زدہ انداز میں ہونٹ سکوڑے جب کہ سکندر نے بے پروائی سے سر جھٹک دیا۔ اس کے بعد اس نے دانستہ سکندر کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اس بات پر سوچتی اپنا بے تحاشا خون جلا چکی تھی اور اب یہ نیا واقعہ اس کا شک یقین میں بدلنا شروع ہوا۔

"تو کیا وہ اندھیرے کی وجہ سے امامہ پر میرا گمان کر چکا ہوگا۔" اس نے سوچا مگر اس سے اگلی سوچ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑانے لگی۔
"کیا مقاصد ہوں گے اس گھٹیا حرکت کے پیش نظر اس کے؟ کہاں لے جانا چاہ رہا ہوگا؟ اور جب امامہ چیخی تو حقیقت کھلنے پر چھوڑ کر بھاگ گیا..... اُف خدایا!" وہ لرز اٹھی اور بے چینی سے بستر پر کروٹ بدلی۔
"اس کو امامہ نے زخمی تو کیا تھا نشان تو ہوں گے۔" اس سوچ کے دماغ میں در آتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی امامہ اس کے بستر پر بے خبر سو رہی تھی۔
"مجھے اسے پکڑنا چاہیے ثبوت ہے تا میرے پاس اور اس وقت موقع بھی مناسب ہے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح جذباتیت سے سوچا اور جذباتیت سے فیصلہ کیا اور اس کی نزاکتوں اور باریکیوں پر دھیان دیے بغیر بستر سے اتر گئی۔ لائٹ آ چکی تھی اس نے ٹیبل لیمپ آن کر کے باقی تمام لائٹس بجھا دیں، شال اوڑھ کر احتیاط سے دروازہ کھول کر باہر قدم رکھ دیا۔ راہداری نیم تاریک اور سنسان تھی۔ آخری سرے پر ایک آرائشی بلب روشن تھا رات کے مخصوص سناٹے میں کتوں اور جھینگروں کی آوازیں وقفے وقفے سے گونجتی تھیں۔ وہ بے آواز قدموں کو اٹھاتی راہداری کے سرے پر آ گئی۔ آگے برآمدہ تھا پھر دوسرے کمرے کو جاتی راہداری..... اس راہداری کے اختتام پر پہلے بابا سائیں کا کمرا تھا پھر سکندر کا۔ رات بارہ بجے کے بعد کا عمل تھا اور یہاں زیادہ سے زیادہ دس بجے تک ملازم تمام کام نپٹا کر اپنے کوارٹروں میں چلے جاتے تھے۔ اس نے سکندر کے دروازے پر رک کر آہستگی سے دستک دی، سکندر جو ابھی کچھ دیر قبل ہی بابا سائیں کے پاس سے آیا تھا اس دستک پر بری طرح چونک کر تیزی سے دروازے پر آیا کہ شاید بابا سائیں کی طبیعت خراب ہو مگر دروازہ کھولتے ہی نیم تاریک راہداری کسی فانوس کی مانند جگمگاتی لاریب کو اپنے سامنے موجود دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔
"آپ..... اس وقت.....؟" حیرت کی زیادتی کے باعث وہ احتیاط کا دامن بھی چھوڑ بیٹھا جبھی آواز خاصی بلند ہو گئی تھی جس پر جھلاتی لاریب اسے غصے میں دھکیلتی اندر آ گھسی اور اپنے پیچھے بہت سرعت سے کاندھے کی ٹھوکر سے دروازہ بند کر دیا۔ سکندر کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔
"اگر کوئی کام تھا مجھ سے تو آپ صبح آ جاتیں اس وقت....."

"بہت مہذب ہو تم، یہی ثابت کرنا مقصود ہے نا؟" وہ دبے ہوئے انداز میں غرائی۔ سکندر نے ٹھٹک کر اس کو دیکھا۔ لاریب کے چہرے کے تاثرات میں برہمی اور کبیدگی کو پا کر اس نے سرد آہ بھری۔
"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟" وہ واقعی الجھا تھا آنکھوں میں کتنی تشویش در آئی تھی۔ لاریب نے اسے کبھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا نہ شاید وہ کبھی لے لینے دے گی۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔
"ابھی سمجھاتی ہوں مقصد شرٹ اتارو اپنی۔" وہ اسی سابقہ انداز میں غرائی۔ آنکھوں سے برہمی مترشح تھی، سکندر تو اس نوکھے آرڈر پر چکرا اٹھا تھا۔
"ک..... کیوں..... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" وہ اتنا بوکھلایا کہ ہکلا سا گیا۔ لاریب کو اس کا یہی انداز تسخیر پا کر گیا تھا۔ اس کے گریز کو وہ اس کے جرم پر پردہ پوشی سمجھ کر ہی برہم ہوئی تھی۔
"میں فارسی میں بات نہیں کر رہی، سیدھی طرح کہا ہے شرٹ اتارو اپنی۔" وہ کچھ اور بپھری اور اس مرتبہ تلملاہٹ اتنی بڑھی کہ ایک قدم آگے ہوتے اسے زور سے دھکا بھی دیا۔ سکندر کا چہرا اہانت اور سبکی کے زیر اثر سرخ پڑتا چلا گیا کچھ کہے بغیر اس نے ہونٹ بھینچے اور شرٹ کے بٹن کھولنے لگا پھر اسی تلخ تاثر سمیت شرٹ اتار کر بستر پر پھینک دی۔ لاریب جو اس کی سمت متوجہ تھی تیزی سے نزدیک آن رکی۔ اس کی گردن، اس کا سینہ ہر قسم کی کھرونچوں سے مبرا تھا۔ وہ ششدر ہونے لگی اس نے ایک غیر یقینی کی کیفیت میں آنکھیں پھاڑ کر از سر نو جائزہ لیا اور باقاعدہ ہاتھ سے چھو کر نادیدہ زخم کھوجنے چاہے سکندر حق دق سا اس کی حرکات ملاحظہ کر رہا تھا۔ لاریب کی نرم پوروں کا سرسراتا لمس اس کے اندر سنسنی پھیلاتا خوابیدہ جذبوں کو جگانے لگا۔ سارا غصہ ساری انا حسن کی شعاعوں کے آگے جل کر خاک ہوتے دیر نہیں لگی۔
بلیک اینڈ وائٹ پرنٹ کا کرتا شلوار اور میرون اسٹائلش شال میں ملبوس دودھیا چاندنی کی روشنی میں نہائی وہ لڑکی اتنی طاقت تو رکھتی تھی کہ اس کا موڈ بدل پاتی۔ اپنی تمام تر بے نیازی لاتعلقی اور بے حسی کے باوجود آخر وہ انسان تھا۔ بشری تقاضوں سے بے نیاز کیسے ہو سکتا تھا۔ اس کی کیفیات بدلنے لگیں، غصہ و ناراضی کی جگہ سرشاری نے سر اٹھایا، لمس اور اس کی قربت کی مدہوش کن دہکتی ہوئی آنچ دیتی خوشبو نے اپنا جادو جگانا شروع کر دیا۔ وہ گم صم بے خود سا کھڑا اس کا یہ دلربا سا روپ نگاہ کے رستے دل میں اتارنے لگا۔ وقتی طور پر وہ فراموش کر گیا تھا اس ماحول اور اس کی وجوہات کو بھی۔ یہ بے حد مغرور اور خاص لڑکی جو اس کی رگ جاں میں بستی تھی، جسے اتنی شدتوں سے چاہا تھا کہ اپنی شدتوں کے باعث قدرت کے انعام کے طور پر وہ معجزانہ طور پر ہی اس کے نام لکھ دی گئی تھی۔ جو اتنی بے نیاز اور لاتعلق تھی کہ کبھی اس کی قربتوں اور خلوتوں سے خائف ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی بہادری اس مقام پر تھی کہ سکندر کو اپنی مردانگی غلامی کی زنجیروں میں پھڑپھڑاتی محسوس ہونے لگتی تھی۔ اس کی انہی بے نیاز حرکتوں کی بدولت ہی وہ اکثر اس سوچ کے ساتھ مچل اٹھتا تھا کہ کسی روز اس کی بے نیازی اور بے حسی کو اپنی جرأت کے مظاہرے سے پارہ پارہ کر ڈالے اور اس کی حیرتوں سے لطف اٹھائے۔
دوسری سمت اس کی سوچوں کے برعکس لاریب کو اپنے اندازے کی غلطی اگر خجالت سے دوچار نہیں بھی کر سکی تب بھی بھڑکانے کا باعث ضرور بن گئی تھی وہ کسی طور بھی ہار تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی۔
"سکندر وہاں آئینے میں کھڑے ہو کر دیکھو تمہارے سینے پر، گردن پر کوئی نشان ہے؟" اس نئی ہونے والی فرمائش نے سکندر سے بھی احتیاط اور احترام کا دامن چھڑا دیا۔ وہ پہلے مسکرایا پھر جب بولا تو لہجہ بھی نظروں کی طرح بے قابو اور بہکا ہوا تھا۔
"یہ تمام تقاضے بہت معنی خیز ہیں بی بی صاحبہ! بہر حال اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہوگئی تو آپ الزام دینے کی پوزیشن میں نہیں رہیں گی۔" لاریب پہلے تو اس کی بات سمجھی نہیں جب سمجھی تو شرم اور غیض سے منجمد ہوئی کتنی دیر پھٹی پھٹی نظروں سے اسے تکتی رہ گئی۔ انداز سکتہ زدہ تھا، یہ صدمہ ٹوٹا تو قہر برپا ہو گیا تھا جبھی وہ اگلے لمحے اس پر جھپٹ پڑی تھی توہین سے بڑھ کر شرم اور بے مائیگی کے احساس نے اسے نیم پاگل کیا تھا۔
"دو ٹکے کے ذلیل کمینے انسان..... تمہاری یہ جرأت کہ تم مجھ سے اس قدر تھرڈ کلاس گفتگو کرو۔" سکندر نے بروقت خود کو پیچھے ہٹا کر اس کے حملے سے بچایا اور اس سے پہلے کہ وہ پھر اس پر ہاتھ اٹھاتی سکندر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے نیچے کیے مگر چھوڑے نہیں تھے اب صورت حال اس قسم کی تھی کہ وہ اس کے حصار میں جکڑی ایک طرح اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی مگر بے بسی کی انتہا تھی یہ کہ ہاتھ سکندر کی بے رحم سنگ دلانہ گرفت میں جکڑے ہونے کے باعث نہ تو فاصلہ بڑھانے پر

قادر تھی نہ خود کو چھڑانے پر۔ توہین، بے بسی اور لاچاری سے بڑھ کر خوف کا شدید احساس تھا جس نے اس کی روح سلب کرلی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا ساری خود اعتمادی ہوا ہوچکی تھی بلکہ ٹانگیں کانپنے لگیں رنگ فق جب کہ آنکھیں چھلک گئی تھیں۔

''آپ کسی پر جھنجلاہٹ طاری کردیں وہ بھی انتہا درجے کی وہ پھر بھی اخلاق کی کوئی حد نہ پھلانگے یہ ممکن نہیں اس کے بعد ہر شدت بھی اس پر منحصر ہے آپ مجھ سے فضول تقاضے کریں اور جواب میں کوئی ری ایکشن نہ دوں، کیوں؟ فرشتہ ہوں میں یا روبوٹ؟'' ایک ایک لفظ چبا کر کہتا وہ سرد مہر نظر آرہا تھا۔ اس کے آنسوؤں کا بھی کوئی اثر نہیں تھا اس پر۔ لاریب نے بے بسی اور ذلت کے شدید ترین احساس کے تحت خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کیا۔

''مجھے چھوڑ دو سکندر پلیز۔'' شدتِ غم کے باعث اس کی آواز حلق میں گھٹنے لگی مگر سکندر پر الٹا اثر ہوا۔

''ایسا سوچیے گا بھی مت، اب میں مر تو سکتا ہوں مگر آپ کو چھوڑوں گا نہیں، سمجھیں آپ؟'' اس کے لہجے میں اتنی درشتی اتنی برودت تھی کہ لاریب کو اس سے ڈر لگنے لگا۔ وہ بے ساختہ رو پڑی۔

''میرا ہاتھ چھوڑ دو سکندر! مجھے بہت درد ہورہا ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آئی تب وہ اسے چھوڑ کر فاصلے پر ہوا وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی، سکندر کو عجیب سی ندامت نے آن گھیرا۔

یہ طے تھا کہ وہ اسے دانستہ دکھ دینے کا سوچ نہیں سکتا تھا، جبھی مضطرب ہونے لگا اس کا دل چاہا آگے بڑھے اور سسکتی بلکتی لاریب کو خود سے لگالے اور اس کے سارے دکھ چن لے مگر بولا تو اس خواہش کے بالکل برعکس۔

''آپ یہاں سے جایئے پلیز کسی نے دیکھ لیا..... آپ ان باریکیوں پر کبھی غور کیوں نہیں کرتی؟'' وہ بے حد عاجز سا ہوکر نرمی سے جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔ لاریب کو بھی اس صورت حال نے نظریں اٹھانے سے لاچار کردیا تھا جبھی خود کو سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ویسے اس وقت آئی کیوں تھیں آپ؟'' وہ دروازے کے نزدیک جا پہنچی تب سکندر نے اسے مخاطب کیا اور جیسے غضب کیا تھا لاریب نے پلٹ کر سرخ دہکتی آنکھوں میں حقارت سمو کر اسے دیکھا۔

''اس بات کو چھوڑو، مجھے صرف یہ بتاؤ کسی کون سی دوا استعمال کی جس سے تمہارے زخم اتنی جلدی ٹھیک ہوگئے؟ عادی مجرم لگتے ہو مگر یاد رکھو میں تمہارے اس جرم کو معاف نہیں کرنے والی۔'' سکندر کے اعصاب کو گویا ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ اس نے چونک کر لاریب کے تنفر چھلکاتے چہرے کو دیکھا اور تملاتے ہوئے انداز میں اس کے اور دروازے کے بیچ حائل ہوگیا۔

''وضاحت کریں اپنی بات کی۔'' اس کے یکلخت چھر ہوجانے والے چہرے پر جیسے دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ لاریب نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''طے ہوا صرف مجرم نہیں ایکٹر بھی خوب ہو۔'' اس کے تاثرات میں حقارت لٹ آئی اور انداز بے حد برہم تھا۔ سکندر نے تولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر جیسے جبر کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''تو آپ اصل بات نہیں بتائیں گی مجھے؟''

''اتنے معصوم مت بنو مجھے نفرت محسوس ہورہی ہے تم سے۔'' وہ چیخ پڑی، سکندر نے جھلستی پر تپش نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ہاتھ پیچھے لے جاکر دروازے کو لاک لگایا اور چابی کھینچ لی۔ لاریب کو چونکتے پاکر اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرد آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''جب تک آپ مجھے ساری بات نہیں بتائیں گی یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔ فیصلہ کرلیں کیا کرنا ہے اب۔'' لاریب کے اعصاب پر بم پھٹا تھا گویا اس نے سٹپٹائی ہوئی نظروں سے اک سراسیمگی کی کیفیت میں مبتلا ہوکر اسے دیکھا۔ جس کی سرد مہری اور تندی اسے ہولانے کو کافی ثابت ہوئی تھی۔ سر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ اس کی بدحواسی بڑی فطری تھی۔ سکندر البتہ پروا کیے بغیر اطمینان سے صوفے پر بیٹھا اور سگریٹ سلگالی۔ لاریب کے خوف پر ہیجانی کیفیت غلبہ پاکر نیم پاگل کرنے لگی۔

''تم بہت کمینے، گھٹیا، خبیث اور آستین مار ہو۔ بہت غلطی کی تھی بابا سائیں نے جو تمہیں اس حویلی میں کتنی خاص حیثیت اور خاص مقام دے دیا۔ تم اس قابل تھے بھلا؟ اوقات سے بڑھ کر تم جیسے فقیروں کو مل جائے تو یونہی آپے سے باہر ہوجاتے ہو۔'' غم و شکستگی نے اسے ایک بار پھر انجام سے بے نیاز ہوکر غصے سے دیوانہ بنا ڈالا۔ یہ سوچ ہی اسے ہسٹرک کررہی تھی کہ سکندر اس کے ساتھ یہ سب کرچکا ہے۔ صدمہ، غیر یقینی، بے بسی، کیا کچھ نہ تھا اس کے انداز میں۔

''بس..... اتر گیا غصہ تو اصل موضوع کی طرف آجایئے میم!'' اس کے ہونٹوں پر دل جلاتی مسکان تھی۔ لاریب کے دماغ میں فشارِ خون ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس نے ہونٹ بھینچے اور نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ سکندر نے کاندھے اچکا دیئے لاریب اب

دروازے پر زور آزمائی کررہی تھی۔

''تمہاری بہتری اسی میں ہے سکندر کہ دروازہ کھول دو ورنہ میں شور کردوں گی، دروازہ پیٹوں گی۔'' اپنی کوشش میں ناکامی پر وہ پلٹ کر اسے دھمکانے لگی۔

''آپ اپنا شوق پورا کرکے دیکھیں، جواب میں میں بابا سائیں کو حقیقت بتاؤں گا۔ نکاح نامے کی صورت ثبوت پیش کروں گا اور پھر اک خوب صورت سی سزا پاؤں گا آپ کی صورت، جو مجھے عمر بھر کو ملے گی۔'' جواباً وہ خائف ہوئے بغیر بے شرمی سے بولا تو لاریب کے چودہ طبق روشن ہونے لگے۔ بیک وقت اس کا چہرا خفت اور بے بسی کے ساتھ شرم سے بھی سرخ ہوگیا تھا۔ ہونٹ بھینچ کر ہارے ہوئے انداز میں اس سے نگاہ ملائے بغیر بالآخر اسے ساری بات بتانا پڑی۔ جسے سنتا سکندر پہلے ششدر ہوا پھر قہر آلود لہجے میں بولا۔

''مل گیا آپ کو ثبوت کہ وہ میں نہیں تھا، ویسے آپ مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں؟'' لاریب نے نگاہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی سرخیوں کو دیکھا پھر زہر خند سے ہنسی۔

''میں تمہیں اس سے بھی زیادہ گرا ہوا سمجھتی ہوں۔'' اس کے پھنکارنے پر سکندر کا خود پر مشکلوں سے باندھا ضبط کا بندھن پھر ٹوٹنے لگا۔ ہونٹوں کو سختی سے باہم بھینچا ہوا وہ آگے بڑھا اور دروازہ ان لاکڈ کردیا۔

''میں کیا ہوں، یہ میں نہیں وقت ثابت کرے گا آپ پر۔'' لاریب نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں اور دروازہ وا کرتی تیزی سے باہر نکل آئی۔ سکندر اس کے پیچھے آیا تھا وہ کمرے میں داخل ہوئی تب پلٹا۔

''کون ہوسکتا ہے وہ؟'' اس کے دماغ میں اسی ایک سوال نے حشر اٹھایا ہوا تھا۔ باقی کی رات کروٹیں بدلتے گزر گئی اسے جگانے کا باعث بہت سی باتیں تھیں۔

❁......❁......❁
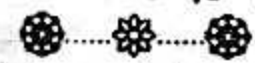
اجنبی منزل کی جانب غیر شناسا راستے لیے جارہے تھے اور اس کا دل و دماغ جیسے خدشات اور واہمات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ پا لینے کے خمار پر تو پہلے ہی بہت کچھ کھو دینے کا ملال تھا۔ اب رد ہوجانے اور ناپسندیدگی کے حوالے سے خدشات تھے جو لمحہ بہ لمحہ دل اسے ہراس میں مبتلا کررہے تھے۔ ٹیکسی اک جھٹکے سے رکی تب وہ بھی جیسے اپنے خیالوں سے چونک کر باہر آئی۔ شرجیل اتر کر ڈگی سے سامان نکلوا رہا تھا۔ اس نے نگاہ بھر کے اس وسیع و عریض شاندار بلڈنگ کو دیکھا جو روشنیوں سے رات کے اس سمے جگمگاتی ہوئی آس پاس کے تمام گھروں میں بے حد نمایاں لگ رہی تھی۔ سیاہ آہنی گیٹ پر باوردی ملازم گن تھامے الرٹ نظر آتا تھا باؤنڈری وال کے پار پورٹیکو اور لان تک اس کی نظر گئی اور پھر تھکے ماندے انداز میں پلٹ آئی۔

''آؤ نا ایمی!'' سامان واچ مین سلام کرنے کے بعد شرجیل سے لے چکا تھا تب وہ ایمان کی سمت متوجہ ہوا جو صرف گم صم نہیں بے حد کنفیوژ بھی نظر آرہی تھی۔

''سب ٹھیک تو رہے گا نا؟ شرجیل مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے شرجیل کا ہاتھ پکڑا تو اس کی گرفت کی شدت میں خوف کا احساس بول رہا تھا۔ شرجیل نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور ہاتھ نرمی سے دبا کر گویا ہمت بندھائی۔

''میں ہوں نا تمہارے ساتھ، کم آن۔'' وہ اسے لیے گیٹ سے اندر آیا، پورٹیکو اور لان کے درمیان سرخ بجری کی روش پر پُر اعتماد انداز میں چلتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر چوبی دروازے تک آیا اور اسی مخصوص پُر اعتماد انداز میں اسے لیے ڈائننگ ہال کی جانب آگیا۔ یہ کھانے کا وقت تھا وہ جانتا تھا۔

''السلام علیکم!'' شرجیل نے زوردار طریقے سے سلام کرتے ہوئے گویا وہاں موجود لوگوں کی بیک وقت توجہ حاصل کی تھی ایک ساتھ اتنی ساری نگاہوں کا مرکز بن جانا ایمان کے رہے سہے اعتماد کو بھی زائل کرگیا۔ وہ جو آدھی سے زیادہ پہلے ہی شرجیل کی آڑ میں تھی غیر محسوس انداز میں پوری طرح اس کے لمبے چوڑے آہنی وجود کے پیچھے چھپ سی گئی مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا کہ محض اس کی ایک جھلک سہی مگر دیکھ لی گئی تھی اور اتنے بڑے ڈائننگ ہال میں یکلخت سناٹا اتر آیا۔ ہر چہرے پر تقریباً ملتا جلتا تاثر تھا، حیرت، بے یقینی، سکتہ۔

''کون ہے یہ لڑکی!'' تاؤ جی سب سے پہلے ہوش میں آکر زور سے گرجے۔ ایمان کی سانسیں اس کے سینے میں اٹکنے لگیں، یہ اس کی زندگی کا سب سے کٹھن مرحلہ تھا۔

''آپ کی بہو..... مائی وائف!'' تائی ماں نے بے اختیار سینے پر دوہتڑ مارا۔ مما کا دل پر ہاتھ پڑا وہ ششدر آنکھیں پھاڑے بیٹے کو تکنے لگیں۔ سمعیہ شذرا نے بے اختیار اک دوسرے کو دیکھا پھر فراز کو جو مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان سر جھکائے بیٹھا تھا۔ یہ بھی شکر تھا کہ صالحہ یہاں نہیں تھی ورنہ سب سے شدید ردعمل اسی کا ہونا تھا اس نے گہرا سانس بھر

کے سوچا۔

"اس طرح کی واقفیں راہ چلتے ہزاروں ملتی ہیں مگر انہیں گھر میں نہیں اٹھالاتے۔" تاؤ جی اس سکتہ سے باہر آئے تو گرجے تھے ان کا لہجہ تضحیک آمیز تھا اور سرد پھنکار سے بوجھل بھی۔ ایمان کو لگا اسے کسی نے بے خبری کے عالم میں اٹھا کر جلتے تندور میں پھینک دیا ہو۔ اس کا وجود آبلوں سے اٹ گیا اور روح جھلس اٹھی۔ کسی نے سچ کہا ہے الفاظ کے ناخن نہیں ہوتے مگر یہ زخمی کردیا کرتے ہیں۔

"تاؤ جی پلیز! دس از نوچ یہ ایمان ہے شاہ صاحب کی بیٹی! جس کا پروپوزل لے کر گئے تھے آپ۔" شرجیل نے ناگواری سے ٹوکتے ایمان کا تعارف بھی پیش کیا۔ تاؤ جی زہرخند ہنستے اپنے بھائیوں کو تکنے لگے جو لب بستہ تھے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ یہ جانے کب سے طے ہوا تھا ان بھائیوں کے بیچ کہ چھوٹا بڑا ہر معاملہ تاؤ جی طے کریں گے باقیوں کو کسی معاملے میں بولنے کی اجازت نہیں۔ چاہے وہ معاملہ اولاد کا ہی کیوں نہ ہو۔ فراز کو باپ کی جامد چپ نے شدید ناگواری میں مبتلا کیا۔

"باپ نے رشتہ نہیں دیا بیٹی بھاگ کر آگئی۔ یہ ہے اس کی اصلیت اس کی اوقات۔" تاؤ جی کا لہجہ و انداز ہنوز تھا۔ شرجیل کا رنگ بے تحاشا سرخ ہوا۔

"بس تاؤ جی...... اور پاپا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ایمان کی نہیں میری بے عزتی ہے آپ کچھ بولتے کیوں نہیں؟" وہ گویا سراپا احتجاج تھا مگر تاؤ جی کسی کو کہاں خاطر میں لاتے تھے اسے بھی بے دریغ جھڑک کر رکھ دیا۔

"اوئے بوتی! انگلش نہ جھاڑ میرے آگے سمجھا۔" شرجیل نے سخت برا مانتے پھر والدین کو دیکھا جو لب بستہ بیگانہ تیور لیے یہ مکالمہ ملاحظہ کررہے تھے۔

"پاپا میری بے عزتی ہورہی ہے آپ اتنے لاتعلق کیسے بیٹھے ہیں؟ میں برداشت نہیں کرسکتا۔" وہ ضبط کھو کر چیخا۔

"تو مت کرو کس نے مجبور کیا ہے تمہیں؟" جواب میں انہوں نے لاتعلقی اور بے نیازی کی انتہا کردی۔ شرجیل کو اپنے چہرے سے مارے سکی کے بھاپ نکلتی محسوس ہوئی جب کہ ایمان کے آنسو اس انتہا درجہ کی سکی کو پاکر گالوں پر اتر آئے تھے۔ وہ سر تاپا کانپ رہی تھی اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ زرد پڑتی جارہی تھی۔ شرجیل نے ایک خفت زدہ نظر ایمان پر ڈالی پھر سرد آہ بھر کے باپ کو مخاطب کیا۔

"شاید آپ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے اب یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" اس کی بات کے جواب میں لاتعلقی اور بے حسی کا سامنا تھا۔ فراز نے اپنی جگہ جز بز ہوکے پہلو بدلا اور ہونٹ بھینچے۔

"اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں تم خود مختار ہو برخوردار! میں کچھ کیوں کہوں۔" پاپا کے جواب نے سب سے زیادہ تاؤ جی کا حوصلہ بڑھایا تھا جب کہ شرجیل کو ان کی بات پر دلی صدمہ پہنچا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایمان کا لرزتا ہوا مگر سرد پڑ جانے والا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو امی! میں غلطی سے یہاں آگیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا میرے لیے یہاں جگہ نہیں رہی۔"

"رک جائیں بھائی! آپ کہیں نہیں جائیں گے یہ گھر صرف تاؤ جی کا نہیں ہے ہمارا بھی ہے اگر آپ یہاں نہیں رہیں گے تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" فراز نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے فیصلہ کن انداز اختیار کیا تو جیسے وہاں ہر سو یک بار پھر سناٹا چھا گیا تھا۔

❁......❁......❁

لاریب بستر پر اوندھے منہ لیٹی آنسو بہا رہی تھی۔ ساری رات اس نے یہی کام کیا تھا۔ سکندر پر اتنا تاؤ اور غصہ تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ وہ یہ سوچ سوچ کر کلستی رہی تھی کہ وہ اس سے اتنی گستاخانہ گفتگو کا مرتکب آخر کس برتے پر ہوا پھر اپنی غلطی کی اپنا قصور اسے پاگل بنانے لگتا۔ اس وقت بھی وہ بے چارگی کی انتہاؤں کو چھو رہی تھی جب امامہ اسے پکارتی ہوئی اندر آئی تھی۔

"بجو! یہ دیکھیں یہ اک ثبوت ملا ہے مجھے اس آدمی کا۔" امامہ کے لہجے میں دبا دبا جوش محسوس کرکے لاریب نے الجھ کر تکیے سے منہ اٹھایا اور اسے نافہم نظروں سے دیکھا۔

امامہ نے اپنی بند مٹھی اس کے سامنے کھول دی، جس پر نعگی بلیک کلر کا بٹن نمایاں تھا۔

"رات جب میں اس سے اپنا آپ چھڑا رہی تھی اس کی شرٹ کے بٹن ٹوٹنے کی آواز میں نے خود سنی تھی۔" امامہ کا لہجہ یقین تھا۔ لاریب کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔

(جاری ہے)

ترکِ مصیبت کر بیٹھے ہم ضبط مصیبت اور بھی ہے
اِک قیامت بیت چکی ہے اِک قیامت اور بھی ہے
ہم نے اس کے درد سے اپنی سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اِک صورت اور بھی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ہے باپ کرسچن جبکہ ماں ہندو ہے نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں جب کہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں قبل امریکا میں نندنی کسی ایشین مرد سے ملتی ہے جس کی شخصیت کا سحر اس قدر اس پر طاری ہوجاتا ہے کہ وہ ہر جگہ اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتی رہتی ہے۔ نندنی کی ماں سریتا دیوی کے دوسرے شوہر کا بیٹا دیو نندنی کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ سریتا دیوی نندنی کو دیو سے شادی کرنے پر مجبور کرتی ہیں جس پر نندنی دلبرداشتہ ہوکر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا دوسرا اہم کردار عباس حیدر جس کی نسبت بچپن ہی سے اپنے چچا کی بیٹی لاریب سے طے ہے اپنی خاندانی روایات کی پاسدار نہ کرتے ہوئے شوبز جوائن کرلیتا ہے جس پر سارا خاندان اس سے قطع تعلقی اختیار کرلیتا ہے۔ عباس کے جانے کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے دوسری طرف عباس اریشہ سے شادی کرلیتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر لاریب شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور حویلی کے خاص ملازم سکندر جو کہ گھر کے ایک فرد کی طرح ہے اسے شادی کے لیے خود پرپوز کرتی ہے سکندر لاریب کو چپکے چپکے دل میں پسند کرتا ہے اور لاریب کی ذہنی حالت اور صدمے کے آگے ہار مانتے ہوئے اس سے کورٹ میرج کرلیتا ہے لاریب عباس کو اپنی اور سکندر کی شادی کی خبر فون پر سناتی ہے جس پر وہ حسد کرنے کے بجائے مبارک باد دیتا ہے تب ہی لاریب کو شدت سے اپنی غلطی اور سکندر کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ کہانی کا تیسرا اہم کردار شرجیل جس کا تعلق جوائنٹ فیملی سے ہے خاندان میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے اس کی چچازاد علینہ جو واجبی شخصیت کی مالک ہے۔ شرجیل کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگتی ہے لیکن شرجیل پہلے سے ہی ایمان کو پسند کرتا ہے جس کی نسبت وقاص سے طے ہے۔ لاریب خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے جب کہ سکندر اس کے انتہائی قدم پر ششدر رہ جاتا ہے لاریب کے گھر آنے کے بعد سکندر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس کی شکل تک دیکھنے کی بھی روادار نہیں اور ایمان کے سامنے ہی اس پر بگڑ پڑتی ہے۔ دیو کے بارہا منع کرنے کے باوجود سریتا دیوی ایک بار پھر نندنی سے دیو کے متعلق بات کرتی ہیں جس پر شدید طیش میں آ کے وہ بالکونی کی چھت سے کود جاتی ہے مگر ایک بار پھر وہ بدقسمتی سے بچ جاتی ہے جس پر دیو اور سریتا دیوی شکر کا سانس لیتے ہیں۔ ڈاکٹر زینب نندنی کو پیار سے سمجھاتی ہیں نتیجتاً وہ ان کے قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسری جانب عباس عریشہ کے ساتھ نئی زندگی میں مگن ہے جب کہ لاریب اپنی کی گئی حماقت پر سکندر سے مزید نفرت کرنے لگتی ہے۔ اس کی بیماری کا سن کے ایمان اور امامہ سکندر کے گھر ملنے جاتی ہیں وہ بھی نکاح نامہ لینے کی غرض سے ان کے ساتھ چلی آتی ہے۔ نکاح نامہ نہ ملنے کے باعث وہ شدید رنج میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ سکندر کچھ دن بعد جب لاریب کو ڈراپ کرنے جاتا ہے لاریب اس سے نکاح نامہ لے کے جلا دیتی ہے جب کہ سکندر ششدر رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب شرجیل ایمان کے گھر رشتہ بھیجتا ہے جو توقعات کے عین مطابق رد کردیا جاتا ہے جب کہ تایا جی حویلی کے رکھ رکھاؤ و دولت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں شرجیل فراز کو ایمان کے بھاگنے کا لائحہ عمل بتاتا ہے جس پر وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ عباس عریشہ کے ساتھ ہنی مون پر جانے کی تیاری کررہا ہوتا ہے جب ہی اسے باپ بننے کی خوش خبری ملتی ہے جس پر وہ خوشی سے جھوم اٹھتا ہے جب کہ عریشہ اس کی اس قدر دیوانگی کو دیکھ کر جھینپ جاتی ہے۔ شرجیل تائی جی سے اپنے گمشدہ چچا اور چچی کے متعلق استفسار کرتا ہے جس پر تایا جی غصے سے جھوٹی کہانی سنا کے انہیں خاموش کرادیتے ہیں۔ نندنی ڈاکٹر زینب سے ملنے ان کے گھر جاتی ہے جہاں نندنی کے شوہر دینِ اسلام کے متعلق درس دے رہے ہوتے ہیں ان کی باتوں کا نندنی پر بہت اثر ہوتا ہے وہ الجھ کر رہ جاتی ہے جس کا تذکرہ وہ ڈاکٹر زینب سے بھی کرتی ہے۔ دوسری جانب حویلی میں ایمان اور وقاص کی شادی کی تیاریاں عروج پر ہیں جب کہ ایمان شرجیل کے ساتھ اپنی آگے کی زندگی گزارنے کا تہیہ کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں اپنے گھر کی دہلیز پار کر جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

اس نے ستے ہوئے چہرے اور بے خواب آنکھوں کی سرخیوں کے ہمراہ امامہ کی جانب دیکھا۔ انداز سوالیہ تھا۔

"کہاں سے ملا یہ تمہیں؟" اس کے لہجے میں بے دلی کے ساتھ اکتاہٹ کا بھی رنگ تھا۔ رات بھر سکندر آف وائٹ شرٹ میں تھا ویسے بھی لباس کا کیا ہے کبھی بھی بدلا جاسکتا ہے۔ دھوکہ دینے کو جرم مٹانے کو مگر وہ خراشیں وہ کہاں گئیں؟" اس کا متنفر بوجھل ذہن پھر اس نقطے پر آ کر ٹھہرا تو اندر کسیلا دھواں بھرنے لگا جھنجلاہٹ تلخی اور بے بسی مل جل کر اس کے اعصاب کو توڑنے پھوڑنے لگی عقل جیسے خبط ہورہی تھی۔

"وہیں کاریڈور کے فرش سے۔" امامہ کے جواب نے اس کے ہونٹوں کی تراش میں زہر بھری مسکان کو جگہ دی۔

(یہ فریب ہی ہوسکتا ہے عین ممکن ہے کسی نے کسی کو پھنسانے کی خاطر دانستہ وہاں......) اس نے سوچا اور ٹھٹک گئی۔ دل ودماغ میں اتنی نفرت اور کڑواہٹ تھی سکندر کے خلاف کہ وہ اسے اس جرم سے بری کرنے پر آمادہ نظر ہی نہیں آتی تھی حالانکہ وقاص حیدر کی موجودگی اور اس کی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے پہلا شک اس پر جانا چاہیے مگر اس کا تنفر سے بھرا ہوا ذہن سکندر کو رعایت دینے پر آمادہ ہوتا تو ہی بات بنتی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا بجو!" امامہ اس کے چہرے کے اضمحلال کو خاموشی سے دیکھتی بالآخر سوال کرگئی تھی اور اس کا ہاتھ ہمدردانہ انداز میں پکڑا مگر اس کے اعصاب اگلے لمحے شدید کشیدگی سمیٹ لائے تھے۔ لاریب شدید بخار میں پھنک رہی تھی۔

"ہائیں! آپ کو اتنا تیز بخار ہے بجو اور آپ نے مجھے بھی نہیں بتایا۔" امامہ پل بھر میں حراساں ہوگئی تھی۔

"تم کیا کرلیتیں؟" لاریب کے تمسخر آمیز روکھے لہجے نے امامہ کو ششدر ہی نہیں کیا وحشانی بھی ہونے لگی۔

"میں بابا جان کو آگاہ کرتی ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔" امامہ کے لہجے میں تشویش کے ساتھ آنسوؤں کی نمی کا احساس بھی غالب تھا۔ لاریب کو اس کی آواز کی بھراہٹ نے ہی اپنے رویے کی شدت کا احساس بخشا تھا۔ جبھی پلٹ کر جاتی امامہ کا بازو نرمی سے تھام لیا۔

"سوری امامہ میں کچھ اپ سیٹ ہوں جانو۔" اتنی سی بات کرتے اس کی آواز نم ہوگئی تھی۔ آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں دہک کر سرخ ہو رہی تھیں۔ امامہ نے دکھ بھری نظروں سے اسے کچھ دیر دیکھا پھر بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

"کیوں ڈسٹرب ہوتی ہیں۔ جو ہونا تھا ہوگیا وہ بھول جائیں سب۔" اسے محبت سے تھپکتی اس کی ڈھارس بندھاتی اس پل وہ خود اس سے بڑی بن گئی۔ لاریب کے اندر جیسے جنوں کا اضطراب اور وحشت پھیلنے لگا دل ہوک سے بھر گیا۔

(کیا بھول جاؤں امامہ؟ عباس حیدر کے انکار کو یا اس کی محبت میں نارسائی کا اذیت انگیز روح کو کچوکے لگاتا ہوا احساس جو مجھے کسی پل بھی چین نہیں لینے دیتا۔ تمہیں کیا پتا یہ آرام دہ پر آسائش زندگی کانٹوں کی سیج بن چکی ہے میرے لیے اور خود فریبی وخود اذیتی کا یہ عالم کہ میں اتنے دن اسپتال میں محض اس کی ایک جھلک دیکھنے کو دن رات پلکیں فرش راہ کیے رہی ہوں۔ جانتی تھی وہ نہیں آئے گا۔ جانتی تھی یہ پاگل پن ہے پھر بھی ایسا کیا ہے میں نے۔ میری جذباتیت کی انتہا ہے یہ کہ ابھی بھی اسے پانے کی خواہش مند ہوں۔ اب بھی جبکہ نہ صرف وہ راہیں تبدیل کرچکا بلکہ میں نے بھی انتقاماً اور جراً سہی مگر کسی کو اپنا آپ سونپ دیا۔ سکندر سے نکاح کے بندھن کی حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی ناعقلی کی بات ہوسکتی ہے۔ صرف یہی نہیں اب اس کا تبدیل ہوجانے والا رویہ مجھے کانٹوں پر گھسیٹتا ہے خوف پریشانی اور وحشت میں خود کو سنبھالوں تو کیونکر میں بھولوں تو کیسے؟)

امامہ نے اس سے الگ ہوکر اسے بے دردی سے ہونٹ کچلتے پلکیں جھپک کر نمی اندر اتارتے دیکھا اور اندر تک دکھی ہوگئی۔

"مجھے پتا ہے بجو آپ کو وقاص اچھے نہیں لگتے۔ اگر بابا جان کچھ کہیں آپ سے تو آپ انکار کردیجیے گا۔" امامہ نے اپنی سوچ کے مطابق اس کی پریشانی کا حل پیش کیا۔ لاریب کے چہرے پر مجروح تبسم بکھر کر معدوم ہوگیا۔

"میں اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں ڈونٹ یو وری۔"

"پھر کیا ہے بجو؟"

"امامہ پلیز مجھے سونا ہے۔" امامہ کی بات کاٹتے ہوئے اس نے تکیہ کھینچا اور اس پر سر رکھ لیا۔ مطلب صاف ظاہر تھا وہ تنہائی چاہتی ہے۔ امامہ سرد آہ بھر کر اٹھ گئی تو لاریب ایک بار پھر اپنی انہیں سوچوں کے ہمراہ تنہا رہ گئی۔

"کیسے پتا چلے کون تھا وہ؟ کس نے کی اتنی جرأت؟ سکندر' کاش میں تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑ سکتی۔" اس کی وحشت اور اضطراب ہیجان کی طرف بڑھنے لگا۔ کس عذاب میں جان جا پڑی تھی صرف عباس حیدر کی وجہ سے ذہنی و قلبی اذیت کا دھارا اس رخ پر بہہ رہا تھا کہ اس کے روم روم سے عباس کے لیے بد دعائیں پھوٹنے لگتیں۔ صرف بد دعائیں نہیں آہیں اور کراہیں بھی۔

❁......❁......❁

اس نے سالن کے پتیلے میں چمچ چلا کر ڈھکن بند کیا اور جھک کر چولہے کی آنچ قدرے دھیمی کر دی۔ پھر مڑ کر کٹنگ بورڈ کی طرف آ گئی۔ جہاں سلاد کی سبزیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہیں کھڑی ہو کر وہ سر جھکائے کھٹ کھٹ' سبزیاں کاٹنے لگی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن تھی جبھی شرجیل کے قدموں کی آہٹ بھی محسوس نہ کر سکی۔ زرد اور رنج اور ریڈ کے خوشنما پرنٹ قمیص دوپٹے اور آف وائٹ ٹراؤزر میں اس کی ہائٹ اور نازک فگر بے حد دلکشی سمیٹے ہوئے تھا۔ لمبے بھورے سیدھے چمکدار بال شانوں سے پھسل کر کمر پر گر رہے تھے۔ اس کا ازلی پر اعتماد مضبوط اور دو ٹوک انداز یہاں آنے کے بعد دھیرے دھیرے خوف اور احساس کمتری کے لپیٹ میں آتا جا رہا تھا۔ جبھی وہ شرجیل کی پکار پر گھبراہٹ کا شکار ہو کر مڑی شرجیل نے اس کی سٹپٹائی ہوئی صورت دیکھی اور گہرا سانس بھر لیا۔

"یار کیا ہو گیا ہے میں ہوں۔" وہ عاجز ہوا۔ ایمان نے سرد آہ بھرنے کے انداز میں محض سر ہلایا۔

"چائے بنا کر کمرے میں دے جاؤ مجھے۔" وہ نرمی سے کہتا واپس مڑ گیا۔ ایمان نے اپنا کام ادھورا چھوڑا اور چائے کی تیاری کرنے لگی۔ فریج سے دودھ کا پیکٹ نکال کر ساس پین میں ڈالا اور اسے چولہے پر چڑھا دیا۔ شرجیل قہوے والی چائے نہیں پیتا تھا۔ اسے دودھ پتی پسند تھی۔ بہت اسٹرانگ قسم کی۔ اب وہ صرف شرجیل کی نہیں ہر کسی کی پسند کا خیال رکھنے کی پابند تھی۔ اس گھر میں اسے تو کیا وہ مقام ملنا تھا جو ایک بہو کا ہوتا ہے الٹا شرجیل کو بھی گویا برداشت کیا جانے لگا۔ یہ تو فراز تھا جس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ اس رات وہاں ٹھہر پائے تھے اور اس کے ساتھ ماما کی فیور بھی۔ ایمان نے اتنے سخت اور مشکل حالات کے باوجود جو بات شدت سے محسوس کی تھی وہ فراز کی بغاوت کو دبانے کی تاؤجی کی غیر محسوس کوشش تھی۔ فراز کے سر اٹھاتے ہی وہ دھیمے پڑتے چلے گئے تھے۔ مگر جو بات یہاں اس کے علاوہ زیادہ تکلیف کا باعث تھی وہ یہ تھی کہ شرجیل کے لیے بھلے تھوڑی بہت گنجائش نکل آئی تھی دل میں نہ سہی گھر میں سہی مگر ایمان کے ساتھ تو مما کا رویہ بھی ہتک آمیز ہی تھا۔ شروع کے دنوں میں تو وہ کچھ اس طور حواس باختہ اور عدم اعتماد کا شکار ہوئی تھی کہ خود کو کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ یہ شرجیل ہی تھا جس نے اسے راہ دکھائی تھی۔

"اس طرح تو قیامت تک بھی کوئی تمہیں قبول نہیں کر سکتا۔ ایمان' دلوں میں جگہ بنانا تو بہت دور کی بات کچھ پانے کو کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔" اور ایمان نے جان لیا تھا وہ کچھ پائے نہ پائے کھونے والی ضرور بن گئی ہے۔ عزت' بھرم' محبت' وقار اور جانے کیا کچھ ایک غلط اٹھا ہوا قدم اسے لاتعداد پچھتاوے دے گیا تھا۔ ہر پل ساتھ نبھانے کا عہد نبھانے والا اپنے گھر والوں کے دل شکن رویے سے مایوس اس کے دکھ کو محسوس کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا۔ ایمان کا افسردگیوں کی گھٹاؤں میں چھپا چہرہ اسے ہسٹریک کرنے لگتا۔

"ہر وقت رونی صورت بنا کر یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں اپنے عمل پر پچھتاوا ہے۔" وہ سوال نہیں کرتا تھا الزام لگایا کرتا۔ ایمان کی ہراسگی اور بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھا کرتی۔ پھر وضاحتوں اور یقین دہانیوں کی اتنی لمبی فہرست ہوتی جس کی آخیر میں بھی وہ ہمت ہی نہ کر پاتی کہ شرجیل سے بھی پوچھ لے کہ وہ کیوں بدل گیا ہے۔

"کیا ہو رہا ہے بھابی؟" شہزرا نے کچن میں قدم رکھتے سوال کیا اور آگے بڑھ کر پتیلے کا ڈھکن اٹھایا۔ بھاپ کا بڑا سا مرغولا پلاؤ کی دلفریب مہک لیے سرعت سے اوپر اٹھا اور کچن کی فضا میں چاولوں کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی۔ ایمان نے چائے چھانتے ایک نظر اسے دیکھا۔ فراز اور سمیعہ کے بعد ایک دبی تھی جو اس سے سیدھے منہ بات کر لیا کرتی تھی شاید وجہ لاڈلے بھائی کی من پسند بیوی قرار پاتا تھا۔

"چائے کا کہا تھا تمہارے بھائی جان نے یہ دے آؤ گی انہیں۔" ایمان نے کرسٹل کی چھوٹی خوب صورت ٹرے میں بھاپ اڑاتا چائے کا مگ رکھا۔ شہزرا مسکرانے لگی۔

"بھائی چائے کے بہانے آپ کے منتظر ہوں گے۔ مجھے بھیج کر انہیں مایوس تو نہ کریں۔" شہزرا کی شگفتگی کے جواب میں ایمان کے صبیح چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"مجھے یہ کام کرنا ہے پلیز لے جاؤ۔" اس نے جبری مسکان میں اپنا بھرم رکھا ورنہ شرجیل کا رویہ تو اتنی غفلت اور بے مہری سمیٹ لایا تھا کہ اسے اب خود کو یہ یقین دلانا پڑتا کہ یہ وہی شرجیل ہے جو اس پر جان وارا کرتا تھا یہ سوچ کر آنکھیں بھیگ جاتیں۔ حالات کی تبدیلی نے کیسے کیسے رنگ دکھانے شروع کر دیے تھے۔

"آپ کو اتنی مہارت سے کچن کے سب کام کرتے دیکھ کر مجھے اکثر حیرت ہوا کرتی ہے بھابی۔ آپ تو حویلی میں سنا ہے بہت شاہانہ قسم کی زندگی گزار رہی تھیں آگے پیچھے نوکر چاکر ہوں گے ہے نا؟" شہزرا بے حد اشتیاق سے سوال کرتی گویا اپنی نادانی کے باعث اس کے زخم کرید رہی تھی مگر اسے اب خود پر کمال کا ضبط حاصل ہو چکا تھا۔

"مجھے کوکنگ کا شوق تھا اکثر کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھی۔ کورسز کیے تھے باقاعدہ۔"

"جبھی کام آ رہے ہیں۔ معدے کے رستے دل میں اتر جائیں گی بلآخر سسرال کے۔" شہزرا نے مسکرا کر کہتے ہوئے ٹرے اٹھالی۔ جبکہ ایمان کے دل میں گویا تیر پیوست ہو گیا۔ وہ یکایک بے تحاشا تھکان محسوس کرنے لگی۔ اسے لگا اس نے اپنے لیے بہت مشکل راستے کا انتخاب کر لیا ہے۔

"دیکھا کہا بھی تھا میں نے اب بلا رہے ہیں شرجی بھائی' جائیں سنیں ان کی بات۔" چند لمحوں کے توقف سے ہی شہزرا شور مچاتی ہوئی پھر کچن میں آ گئی۔ ایمان نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"لائیں میں نبٹا لوں آپ کے کام۔" شہزرا نے اسی پر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ایمان کچن سے نکل کر راہداری عبور کرتی اپنے کمرے کی جانب آئی تو اس کے قدم دروازے پر ہی تھم گئے۔ اندر مما' شرجیل کے ساتھ تھیں اور غصے میں زور زور سے بولنے کے باعث ان کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ ایمان کی ہمت اور حوصلہ یہیں جواب دینے لگا۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان کے تاثرات میں مزید خفگی اور نفرت کا احساس امڈ آیا۔

"آ گئی ہے پوچھو اس سے ایک تمہارا چائے کا کپ یہاں پہنچانے میں کون سے ہل جوتنے تھے جو کام کا بہانہ بنا کر شہزرا کو یہاں بھیجا۔ کیا ثابت کرنا مقصود تھا آخر کہ ہمارے سارے کام یہی کرتی ہے؟" ان کے لہجے کا تنفر اور کڑواہٹ و تلخی ایمان کے لیے تکلیف دہ تو تھی مگر اس سے زیادہ اس کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کا باعث بنی وجہ یہی تھی کہ اس نے اس قسم کے رویوں کا سامنا بھی نہیں کیا تھا۔ جبھی اسے انہیں برتنے اور سہنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا۔ جس ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی وہ تو اپنی راجدھانی کی ملکہ تھی۔ بہنوں میں پہلے درجے پر ہونے کے باعث شعوری و لاشعوری طور پر اس کی اہمیت خود بخود بڑھ گئی تھی۔ بابا سائیں کا رویہ بھی اس کے ساتھ خصوصیت لیے ہوتا تھا مگر یہ سب ماضی بعید کا قصہ تھا۔ اب صورتحال تبدیل ہو چکی تھی۔ جس دن سے اس نے اس گھر میں قدم رکھا تھا اسے قدم قدم پر تذلیل سہنی پڑ رہی تھی۔ خاص طور پر تائی ماں اور مما تو اسے کسی بھی لحاظ سے بخشنے اور رعایت دینے پر تیار نہیں تھیں۔

"ایمان سوری کرو مما سے۔ وہ ہرٹ ہوئی ہیں تمہاری اس حرکت پر۔" شرجیل کی سنجیدگی سے بھرپور آواز اس نے یونہی جھکے ہوئے سر کے ساتھ سنی تھی۔ اس نے حیرانی کے عالم میں شرجیل کو دیکھا۔ گویا جاننا چاہا ہو کہ اس نے مما کو ہرٹ آخر کیسے کر دیا۔ چائے انہیں نہیں بلکہ شرجیل کو شہزرا کے ہاتھ بھیجی تھی۔

"یہ کیوں آخر معافی مانگے گی مجھ سے۔ عزت نہ گھٹ جائے گی مہارانی صاحبہ کی بہت زعم ہے محترمہ کو اپنے اسٹرانگ بیک گراؤنڈ کا۔ مگر بی بی تم اپنی کشتیاں جلا کر آئی ہو گھر سے بھاگنے والیوں کو دنیا ایسے ہی ٹھوکروں پر رکھا کرتی ہے۔" ان کا لہجہ زہر خند تھا اپنے عناد اور رویے کی وجہ بھی انہوں نے خود ظاہر کر دی تھی۔ ایمان کو نئے سرے سے یہ طعنہ سن کر اس ہتک ذلت اور وحشت و اذیت کے احساس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جیسے پہلی بار ملنے والے اس طعنے نے دوچار کیا تھا۔ پھر اس نے صرف ان سے معذرت نہیں کی بلکہ آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ ذلت و ہتک کے اس دورانیے میں ایمان نے دانستہ شرجیل کی جانب اس لیے بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ اس کی نظروں کو کوئی غلط رنگ نہ دے دے۔ وہ نہیں چاہتی تھی شرجیل یہ سمجھے کہ اسے شرجیل سے یہاں اس موقع پر فیور کی ضرورت تھی۔ وہ کیا جانے ایسی باتیں کہنے کی نہیں سمجھنے کی ہوا کرتی ہیں۔

اگر شرجیل انہیں سمجھا کر نہیں سکا تو جتلا کر بات منوانے اور عزت گھٹانے والوں میں اس کا شمار نہیں ہوتا تھا۔ مما کی آنکھوں اور چہرے پر فتح مندی کے تاثرات امڈ آئے۔ مگر ایمان انہیں دیکھنے کو رکی نہیں تھی۔

❁......❁......❁

اس نے گاڑی کو لا کر زینب کے گھر کے آگے روکا تو اس کی آنکھوں کی جلن اور اضطراب میں تب بھی کمی نہیں آ سکی تھی۔ ممی کا یہ روپ یہ چہرہ ناقابل برداشت تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی تھی مگر اسے ممی سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یاد تھا اس نے اک بار زینب سے سنا تھا۔

"ایک انسان کا قتل اس کے اللہ کے نزدیک پوری انسانیت کا قتل ہے۔" ممی گناہ عظیم کی مرتکب ہوئی تھیں محض دھرم کے تعصب میں مبتلا ہو کر انہوں نے کتنا گھناؤنا کھیل کھیلا تھا۔ وہ ڈیڈی کو چھوڑ کر ممی کے پاس آئی تھی۔ مگر اب اسے ممی کے ساتھ رہنا ان کا سامنا کرنا دنیا کا دشوار ترین کام لگا تھا۔ جبھی اس نے ایک بار پھر ڈیڈ کے پاس جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر کے ہی زینب سے آخری بار ملنے اور اس سے معافی مانگنے آئی تھی۔ اس گناہ اور غلطی کی جو اس سے سرزد نہیں بھی ہوئی تھی مگر وہ اس کی وجہ ضرور بن گئی تھی۔ زینب اور عثمان خان کو نندنی سے میل جول بڑھانے کی ہی اتنی کڑی سزا دی گئی تھی اور دوسری جانب وہ تلاش وہ کھوج جو اس کا مقصد حیات تھی اس کے لیے روگ بن کر رہ گئی تھی مگر کامیابی شاید اس کے نصیب میں نہیں تھی۔ اسے ناکام ہی رہنا تھا اور ساری عمران وحشتوں کے صحراؤں کی خاک چھانتے اک دن نامراد ہی اس دنیا سے منہ موڑ لینا تھا۔ حالانکہ دیو اس کی واپسی کا سن کر کسی درجہ مضطرب لگنے لگا تھا۔ وہ چاہتی تو زندگی کی جانب کھلنے والے اس روزن سے خود کو زندگی کے رنگوں سے روشناس کرا سکتی تھی مگر اسے زندگی جینے کی خواہش تھی زندگی پوری کرنے کی نہیں جبھی دیو کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی اس کے پاس۔

"ممی کو معاف کردو نندنی اور پلیز واپس مت جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں تم سے دوبارہ تمہیں کبھی شادی کا بھی نہیں کہوں گا۔" کتنی بے بسی تھی تب اس کی آنکھوں میں اس کی آواز میں۔ محض ایک لمحے کو نندنی کو دیو کی دیوانگی بھری محبت کی لاچاری کا احساس ہوا۔ وہ خود بھی تو اس اذیت کا شکار تھی مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ دیو سے ہمدردی رکھنے کے باوجود اس کے لیے کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

"مجھے تم سے کوئی پرابلم نہیں ہے دیو اور مجھے روکو بھی مت مجھے بہرحال واپس جانا ہے۔" اس نے شاید زندگی میں پہلی بار دیو سے نرم انداز میں بات کی تھی لیکن دیو کی بدنصیبی یہ تھی کہ یہ نرمی کا سلوک بھی اسے کوئی خوشی دینے سے قاصر تھا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"آؤ نندنی' کیسی ہو تم؟" کال بیل کے جواب میں دروازہ زینب نے کھولا تھا۔ نندنی نے دیکھا اس کی آنکھوں تلے سیاہ حلقے تھے اور وہ چند دنوں میں صحت کے اعتبار سے آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ پا کر کھونے والوں میں شامل ہوئی تھی اور یہ دکھ زیادہ گہرا اور شدید ہوا کرتا ہے۔ نندنی کو وہ سلگتی ہوئی گیلی لکڑی کی طرح لگی جو اندر ہی اندر سلگتی اور ختم ہوتی رہتی ہے۔ صدمہ یقیناً بہت بڑا تھا مگر زینب کا حوصلہ بھی کمال تھا۔ وہ واویلا نہیں کررہی تھی اس نے صبر سے یہ نقصان برداشت کیا تھا اور خود کو جوڑے رکھا تھا۔

"آپ کہیں جارہی ہیں؟" زینب کا سامان جگہ جگہ بکھرا دیکھ کر نندنی کو حیرت نے آن گھیرا۔ زینب کے حزیں چہرے پر ملال سا آ بکھرا۔

"اب یہاں رہنے کا جواز بھی تو ختم ہوگیا ہے نندنی! چند دنوں میں مجھے واپس اپنے پیرنٹس کے پاس جانا ہے۔"

"آپ پاکستان جارہی ہیں؟" وہ ششدر تھی زینب نے سرد آہ بھری اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ نندنی گم صم ہوکر اسے دیکھے گئی۔ اللہ جانے کیسا احساس دل سے اچانک اٹھا جو روح کو چھلنی کررہا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ چلوں زینب؟" اس نے جانے کس کیفیت کے زیر اثر کہا تھا انداز خود کلامی کا سا تھا مگر زینب ٹھٹک کر رہ گئی۔

"میرے ساتھ......؟" اس نے چہرے اٹھا کر اسے استعجاب آمیز نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

"ہاں آپ کے ساتھ زینب میں نے آپ کو بتایا تھا نا وہ انڈین ہی تھا بلکہ پاکستانی۔ میں اگر اس کی تلاش میں یو کے انڈیا آسکتی ہوں تو پاکستان بھی جانا چاہیے ایک آخری کوشش کر کے آگے جو میری قسمت......!" وہ جیسے کسی خواب کی کیفیت میں بات کررہی تھی۔ زینب متحیر اور ہنوز غیر یقین تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آ گیا۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی سوچوں میں غلطاں تھیں۔

"تمہاری ممی تمہیں اس کی اجازت دے دیں گی؟ پھر یہ بھی تو سوچو نندنی! جانے وہ کون تھا؟ یہ بھی ممکن ہے وہ پاکستانی نہ ہو تمہیں تو اس کا نام تک معلوم نہیں ہے۔ میری بات سے یوں نہ سمجھنا کہ میں تمہیں ساتھ لے جانے سے ہچکچا رہی ہوں۔ نندنی تم ایک لڑکی ہو۔ ہمارے ایشین معاشرے میں لڑکی کی عزت کو بہت نازک سمجھا جاتا ہے۔ پھر اتنے غیر معمولی حسن کی مالک لڑکی کے لیے تو اس عزت کی حفاظت اور بھی کٹھن اور دشوار مرحلہ ثابت ہوا کرتی ہے۔ مجھے نہیں لگتا تمہاری ممی تمہیں اس کی اجازت دیں گی۔" زینب نے اپنی الجھن اس لیے بھی اس کے سامنے رکھی تھی کہ اسے سمجھانا اس کا فرض بنتا تھا اس کے خیال میں تو کسی اجنبی کی خاطر اس قسم کا جذباتی قدم اٹھانا حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت جبکہ یہ محض ایک آس امید پر اختیار کیا جانے والا سفر ہو۔ نندنی نے اس کی بات کو تحمل سے سنا اور پھر کاندھے جھٹک دیے۔

"مجھے آپ کی بات سے ہرگز اختلاف نہیں ہے زینب۔ آئی ایگری ود یو۔ میں تو آپ سے یہاں آخری بار ملنے آئی تھی پتا ہے کیوں؟ میں واپس جارہی تھی ڈیڈ اور بھائی کے پاس مگر اب میں نے اپنا ارادہ یکدم بدل لیا ہے۔ میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنی تلاش کو ادھورا نہیں چھوڑنا۔ آپ اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر متامل ہیں تو اٹس اوکے۔ میں اپنے طور پر چلی جاؤں گی۔ ممی کوئی نہیں ہوتی مجھے روکنے والی۔ میں بالغ ہوں اپنے فیصلے خود کرنے کا مجھے قانونی اختیار مل چکا ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی۔ زینب اسے واپس جاتے دیکھ کر بوکھلا اٹھی۔

"رکو تو سہی نندنی' ابھی تو تم نے کافی بھی نہیں پی۔" نندنی نے تھم کر پھر بے حد نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ جان گئی تھی زینب اس کی خفگی یا دل شکنی کے خیال سے پریشان ہے۔

"فیک اٹ ایزی زینب' جن لوگوں کے خلوص اور محبت پر مجھے قطعی شبہ نہیں تمہارا شمار انہی میں ہوتا ہے۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں ریلیکس۔" زینب کے ہونٹوں پر مجروح قسم کی مسکان نے لمحہ بھر کا قیام کیا تھا۔ یاسیت اور حزن نے اس کے حسن کو سوگواری دے کر کچھ اور بھی پرکشش بنا دیا تھا۔

"جزاک اللہ کچھ دیر تو بیٹھو نا میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" زینب کے اصرار پر نندنی نے انکار مناسب نہیں سمجھا اور آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ عبداللہ سامنے ہی بستر پر سو رہا تھا۔ نندنی نے اسے پیار کیا پھر بیگ سے اپنا سیل فون نکال کر بٹن پش کرنے لگی۔

"تم جہاں بھی ہو گھر پہنچو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے ٹیکسٹ دیو کے نمبر پر بھیجا تھا۔ زینب کافی بنانے کچن میں جا چکی تھی۔ وہ کھڑکی سے اندر اترتی غروب ہوتے سورج کی زرد اداس اور مرجھائی ہوئی کرنوں کو فرش پر لرزتے دیکھنے لگی۔ تبھی اس کا سیل گنگنانے لگا۔

"اوکے میں ابھی آتا ہوں۔" آنے والا میسج دیو کا ری پلائی تھا۔

نندنی کے چہرے پر اطمینان کا تاثر جھلکا۔ اس نے تھینکس کا ٹیکسٹ بھیج دیا۔ چند سیکنڈ کے توقف سے پھر اسکرین چمکی۔ دیو نے جواباً اسے مسکراتے چہرے کی تصویر بھیجی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور تمام میسجز ڈیلیٹ کرنے کے بعد سیل فون کو بیگ میں ڈال دیا۔ اسی دوران زینب کافی سمیت آ چکی تھی۔

"اگر تم اپنی ممی کی اجازت سے پاکستان جاؤ تو مجھے تمہیں ساتھ لے جا کر روحانی خوشی ہوگی۔ میرے لیے یہ بہت اچھا احساس ہوگا اگر میں تمہارے کچھ کام آسکوں۔" کافی کا مگ اس کی جانب بڑھاتے وہ نرمی سے اس سے مخاطب تھی۔ نندنی نے خوشگوار تاثر کے ساتھ اسے دیکھا۔

"میں آج ممی سے اس ٹاپک پر بات کروں گی زینب! مجھے بھی اچھا لگے گا اگر میں تمہارے ساتھ جاسکوں۔" وہ وہاں سے اٹھی تو اسے اس بات کا ہرگز ملال نہیں تھا کہ وہ ایک جھوٹ زینب سے بول چکی ہے۔ وہ ممی کو ہوا بھی لگنے نہیں دینا چاہتی تھی ایک جھوٹ اسے ممی سے بھی بولنا تھا۔ یہ ضروری تھا اس کے خیال میں۔ وہ گھر پہنچی تو دیو لان میں ٹہلتے ہوئے اس کا منتظر تھا۔ اسے روبرو پا کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پیشانی سے لگاتے ہوئے بہت عاجزانہ نمسکار کیا تھا۔ دیو کی اس کو تکتی نظروں میں اک عقیدت مندانہ اپنائیت کے ساتھ کسی خیال سے وابستہ دبا دبا جوش بھی ہلکورے لیتا تھا۔ یقیناً وہ اس کی پیش رفت کے باعث مستقبل کے حوالے سے خوش فہم ہو رہا تھا۔

"مغموم انسان۔" اک پل کو نندنی کو اس پر واقعی رحم آیا تھا۔ محبت کے روگی جوگی بن کر بھی محبوب کے در سے آس نہیں چھوڑ پاتے۔ کتنا بے بسی میں مبتلا کردینے والا خیال ہے یہ بھی۔

"ہیلو کیسے ہو دیو؟" اس نے محض اس کا دل رکھنا چاہا تھا۔ ورنہ دیو بھی جانتا تھا اسے دیو سے یا دیو کی خیریت سے کتنی دلچسپی تھی مگر وہ اتنے میں بھی خوش ہو چکا تھا اور بہت مسرور انداز میں اسے اپنی خیریت بتا رہا تھا۔

"تمہیں کچھ کہنا تھا نا مجھ سے آؤ ہم یہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔" دیو نے اپنے مخصوص نرم انداز میں کہا۔ نندنی نے فی الفور سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں' ممی دیکھ لیں گی۔ میں نہیں چاہتی جو بات میں تم سے کرنے والی ہوں ممی کو اس کا پتا لگے۔" وہ حد درجہ محتاط تھی۔ دیو نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کی خوش گمانی نے چہرہ کچھ اور روشن کردیا تھا۔

"ڈونٹ یو وری نندنی۔ تم جو بھی کہنا چاہ رہی ہو کہو ممی اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" دیو کے جواب پر نندنی واقعی ریلیکس ہوئی اور پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی قدم بڑھا کر رنگین چھتری کے نیچے چیئرز میں سے ایک پر آ بیٹھی۔

"مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے دیو مگر راز داری کے مکمل وعدے کے ساتھ۔ آئی مین تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔"

"تمہارا یہ اعتماد اور بھروسہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔" دیو کے پر

خلوص لہجے میں سچائی بھی تھی اور یقین تھا۔ نندنی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے جانچتی نظروں سے دیکھا اور محض ہنکارا ابھرا۔ دیو دانستہ اس کے شعاعیں بکھرتے روپ سے نگاہیں چرائے ہوئے تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے دیکھے تو نظر بہکنے محبت عشق کے مرتبے پر فائز ہو جائے جو قانع اور تخی تو ہوتی ہی ہے ساتھ میں پاکیزگی کا جذبہ بھی سمیٹ لایا کرتی ہے۔ وہ محبت کو پوجا کا درجہ دیتا تھا۔ پھر اس میں آلائش نفسانی کا احتمال بھی کیسے گوارا کر لیتا۔

"مجھے پاکستان جانا ہے دیو پاسپورٹ تم بنواؤ گے اور ٹکٹ بھی تم لاؤ گے۔ کیوں جانا چاہتی ہوں یہ سوال نہیں کرنا مجھ سے۔ ممی کو بھی پتا چلنا چاہیے کہ میں یو کے جا رہی ہوں ڈیڈ کے پاس۔" اس نے کہا اور دیو لب بستہ رہ گیا۔ منجمد سا کن اور دل برداشتہ جدائی ایک بار پھر عشق کا نصیب بننے والی تھی اور چارہ سوائے صبر کچھ نہیں تھا۔ اس نے بوجھل اور پژمردہ انداز میں سانس بھرا اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"آپ کا کام ہو جائے گا نندنی' ممی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔" دیو کا جواب یہی ہو سکتا تھا نندنی مطمئن ہو کر اٹھی اور دیو کے خوش گمان دل میں شام غم اتر آئی تھی۔ اس کی پیاس بھری تشنہ نظریں تب تک نندنی کے قدموں سے لپٹی رہیں جب تک وہ اس کی نگاہ کی زد میں سما سکے۔ پھر اس کی آنکھوں میں ابھرتی دھند میں ہر منظر دھندلا گیا۔

❁......❁......❁
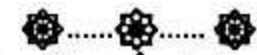
"یہاں بیٹھو کچھ دیر پہلے سانس بحال کرو۔" عباس نے رک کر عریشہ کو سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کی ڈلیوری نزدیک تھی اور عباس اسے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق چہل قدمی کرانے میں مصروف تھا ایسی حالت میں جبکہ عریشہ اپنے آپ سے بھی بے زار تھی۔ عباس سے بات بے بات الجھتی جھنجلائے جاتی عباس نے پھر بھی اسے ہتھیلی کا چھالا بنایا ہوا تھا۔ اس کے باوجود جب بھی وہ اس پر خوامخواہ برہتی عباس شرمسار ہونے لگتا۔ عریشہ زندگی اتنی جلدی پابند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اولاد کی خواہش عباس کی تھی اس شرمندگی کی وجہ بھی یہی تھی۔

"بس کچھ دن ہیں تھوڑا سا صبر کر لو اس کے بعد میں تمہیں دوبارہ اس مشقت میں نہیں ڈالوں گا۔" اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے عباس سرگوشی میں کہہ رہا تھا عریشہ نے گردن موڑ کر اس کے بے پناہ کشش کے حامل خوبرو چہرے کو دیکھا پھر آہستگی سے مسکرا دی۔

"ایک بچے سے گزارا ہو جائے گا آپ کا؟ وہ جو ڈھیر سارے بچوں کا شوق تھا۔"

"تم سے بڑھ کر میری کوئی خواہش اہم نہیں ہے میرے لیے۔ ہمیشہ کے لیے نوٹ کر لو۔" عباس کے لہجے میں سچائی خاصیت کا رنگ تھا۔ اس نے عریشہ کی ناک شرارت سے دبائی جبھی وہ تفاخرانہ احساس میں گھرتی ہنس پڑی تھی۔

"ہمارے ہاں ٹوئنز بے بیز ہوں گے عباس' مجھے اس مرتبہ الٹرا ساؤنڈ کے بعد بتایا ہے ڈاکٹر نے۔" وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ عباس پہلے حیران ہوا پھر بے ساختہ ہنس دیا۔

"اوہ رئیلی پھر تو یہ میرے لیے خوشخبری ہے۔ اللہ کو بھی رحم آیا اللہ کو پتا تھا میری بے چارگی کا۔ بیوی نہ اور بچے پیدا مانو ایسی نہ ہی مجھے دوسری شادی کرنے دے گی اس لیے ہوا ہے یہ انتظام۔" اس کے کھنک دار لہجے میں گمبھیرتا بھی تھی اور شوخی کا رنگ بھی۔ عریشہ جھینپ کر اسے گھونسے مار گئی۔

"بہت بدتمیز ہیں۔ اپنا خیال ہے' میرا نہیں ایک ساتھ دو بچے سوچیں کتنا تنگ کریں گے مجھے نیند کو ترسوں گی۔" وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"بھئی اس کی فکر کرنے کی تمہیں ضرورت نہیں میں گورنس کا انتظام کر دوں گا۔ نیندیں تمہاری خراب کرنے کا پرمٹ صرف ہمیں حاصل ہوا ہے اس گستاخی کی تو ہمارے بچوں کو بھی اجازت نہیں ہوگی۔" وہ جس انداز میں کہہ کر آنکھ مار کر ہنسا تھا۔ عریشہ کے کانوں کی لوؤں تلک سرخ پڑتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

سردی کی تیز لہر نے کائنات کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا ہر وقت دھند چھائی رہتی تھی۔ ایسا شدید موسم اس کی طبیعت پر بہت گراں گزرتا تھا۔ گو کہ وہ اب اتنی نازک مزاج نہیں رہی تھی مگر موسم اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ نزلے زکام کے ساتھ اسے چھینکوں نے بھی بری طرح گھیرا ہوا تھا۔

"یقیناً آپ کو کوئی یاد کر رہا ہوگا۔" وہ کچن میں کھڑی مسلسل چھینک رہی تھی جب سمیعہ نے اندر آ کر اس کی سرخ ہوتی ناک اور آنکھوں سے بہتے پانی کو دیکھتے ہمدردی سے زیادہ شرارت آمیز انداز میں کہا مگر یہ شرارت بھی طوق بن کر اس کے گلے میں اٹک جائے گی اگر سمیعہ کو ذرا سی بھی خبر ہوتی تو وہ کبھی ایسی بات نہ کہتی۔

"اسے کون یاد کرے گا؟ اونہہ اس قابل کسی کو چھوڑا ہے کہ یاد کرے کوئی' ارے لعنت بھیج چکے وہ سب کے سب اس پر ایسے ہی چہروں پر کالک مل کر آنے والیوں کے راستوں میں کانٹے اگ آتے ہیں۔" مما کچن کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ نفرت ان کی آنکھوں سے چنگاریوں کی صورت پھوٹ رہی تھی۔ ایمان کا بخار کی حدتوں سے دہکا ہوا چہرہ کچھ اور بھی سرخ پڑ گیا۔ ہونٹ بھینچتے ہوئے اس نے تیزی سے رخ پھیر کر یقیناً آنسوؤں کو چھپانا چاہا اور گوشت کے سالن کے اوپر سے ڈھکن ہٹا کر پتیلی میں جھانکا۔ بھاپ کا ایک مرغولا اٹھا تھا جس نے اس کے پہلے سے جلتے چہرے کو کچھ اور جھلسا ڈالا اس کے اندر اتنی تپش تھی کہ یہ ذرا سی بھاپ اس کا کچھ بگاڑنے میں ناکام رہی تھی۔

"ہاتھ ذرا جلدی چلانا سیکھو تاکہ کھانا ٹائم پر مل سکے کب سے گھر کے مرد انتظار میں بیٹھے ہیں۔" مما کا لہجہ مخصوص قسم کی حقارت اور طنز سے بھرپور تھا۔ وہ خوامخواہ کی جھاڑ کے بعد پلٹ گئیں۔ سمیعہ بے حد خفت زدہ اور منجمد سی کھڑی تھی۔

"آئی ایم سوری بھابی۔ مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا چچی جان یہاں آ کر میری سیدھی بات کا بھی الٹا......!" وہ منمنا کر بولی۔ خفت و خجالت اسے زمین میں گاڑھ رہی تھی۔ ایمان نے دھندآلود اور نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور مجروح انداز میں مسکرا دی۔

"فارگیٹ اٹ......اٹس او کے۔" وہ نہیں سمجھتی تھی اس میں سمیعہ کا یا کسی اور کا کوئی قصور تھا۔ ہرگز نہیں' یہ اس ہی کا قصور و غلطی تھی وہ کسی کو الزام کیوں دیتی۔ اس نے خود اپنی قسمت کھوٹی کی تھی۔ اس نے اپنے پیروں پر اپنے ہاتھوں سے کلہاڑی ماری تھی۔ یہ تو تھا ہی رسک' جو اس نے بڑے بے فکر انداز میں لے لیا تھا۔ اب جو بھی ہونا تھا تن تنہا اپنی جان پر سہنا تھا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں جبکہ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا مگر اسے کام کرنا تھا جبھی وہ لگی رہی تھی۔ کھانا پکانے سے لے کر ٹیبل پر لگانے تک اہل خانہ کے کھانا تناول کرنے کے دوران تک اس کی ڈائننگ ہال سے کچن تک کتنی دوڑیں لگا کرتی تھیں۔ اس کی آمد سے پہلے تک جو کام ملازموں کے سپرد تھے اب اس کے گناہ کی پاداش میں اس پر ڈال دیے گئے تھے۔ مما اور تائی ماں کی کوششیں رنگ لائی تھیں اور وہ ملازمہ سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکی تھی۔ اس کا مقام اس کا درجہ یہاں دوسروں کے ہاتھوں طے پاتا رہا اور شرجیل کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ اسے ایک بار بھی اس کے حقوق اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا خیال نہیں آ سکا۔ بیڈ روم سے باہر وہ اس کے وجود سے ایسے غافل ہوتا جیسے سرے سے اس سے شناسائی نہ رکھتا ہو یا پھر شاید وہ اپنی ماں کو مزید اس حوالے سے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ صرف وہی نہیں سب جانتے تھے مما کو اس کی ایمان پر دی گئی توجہ سے کیسا خفقان ہونے لگتا ہے۔ ایمان نے تو شرجیل کے ساتھ بھاگ کر اپنا ہر حق ہی نہیں شکایت و گلے کا حق بھی گنوا دیا تھا۔ کتنا گھاٹے کا سودا تھا یہ بھی اگر کوئی سمجھ پاتا۔

"مجھے دودھ نہیں کافی پینی تھی یار' پوچھ تو لیا کرو پہلے۔" برتنوں کے ڈھیر سے نبرد آزما ہونے کے بعد خود کھانا کھانے سے پہلے وہ اس خیال سے شرجیل کے لیے دودھ کا گلاس لیے چلی آئی تھی کہ وہ سونہ جائے۔

"میں کافی لا دیتی ہوں۔" شرجیل کے نخرے کے جواب میں کوفت و بے زاری کا شدید احساس اس کے بیمار نقاہت زدہ وجود پر بہت سرعت سے غلبہ پا گیا مگر بہرحال اسے کوفت ظاہر کرنے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔

"رہنے دو ایمی! مشکل سے تو دستیاب ہوتی ہو میرا موڈ نہیں ہے پھر سے تمہیں کھونے کا۔" اس کے پلٹنے سے قبل وہ ایمان کی کلائی تھام چکا تھا۔ ایمان نے دیکھا اس کی آنکھوں میں محبت کا وہی بچا کچا احساس تھا جو اسے اب بیڈ روم کی تنہائیوں میں ہی دیکھنے کو ملتا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کرو ایمی! کتنی کمزور ہو رہی ہو۔" اسے اپنے مقابل بستر پر بٹھانے کے بعد شرجیل اسے بغور تکتا ہوا بولا۔ انداز کی توجہ اور اپنائیت ایمان کے اندر غم آلود دھواں بھرنے لگی۔ وہ اسے بتا نہیں سکی اس وقت اسے کتنی بھوک لگی ہوئی ہے۔ صبح چند سلائس لیے تھے اس کے بعد مصروفیت نے کچھ ایسا جکڑا تھا کہ کچھ کھانے کا ٹائم میسر نہیں آیا تھا۔ اپنی ذات سب سے پیچھے دھکیل کر بھی وہ عزت جیسی انمول شے کو ترستی رہ جاتی تھی۔ اس وقت طبیعت کی خرابی اور بدن کی ٹوٹ پھوٹ تمام ضبط جیسے بہا کرلے جا رہی تھی۔ اس کا بدن جیسے کانچ کا بنا ہوا تھا جو توجہ کی حدتوں کو پا کر تڑخنے کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں ایمی مما کا بی ہیویئر تمہارے لیے بہت تکلیف دہ ہے مگر میں مجبور ہوں کچھ عرصہ گزرنے دو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کی تائید کا منتظر تھا اور تائید ہی وہ بھاری پتھر تھی جس کا بوجھ ناقابل برداشت تھا ایمان کے لیے۔ کبھی وہ سوچتی تو حیران رہ جاتی کیسی شاہانہ طبیعت تھی اس کی' محض نکاح کے چند بول کیا پڑھے تھے کہ وہ کچھ سے کچھ ہوتی چلی گئی تھی۔ سارا طنطنہ' اپنی ذات کا زعم' حاضر جوابی' بے ساختگی' سب کچھ بھول گئی تھی۔ وہ صرف مفتوح نہیں ہوئی تھی پامال بھی ہو گئی تھی۔ کچھ بھی بولنے سے پہلے دس بار سوچتی اور بولنے کے بعد بھی دم سادھے سامنے والے کا ردعمل دیکھنے لگتی۔ کیا شادی کے بعد ہر عورت کو ایسے ہی ان دیکھی زنجیریں پڑ جاتی ہیں۔ خود

بخود وہ لحاظ مروت اور مفاہمت کے سارے سبق پڑھ جاتی ہے۔

"اتنی خاموش کیوں ہو؟ کچھ بولو نا؟" شرجیل اس کی لمبی چوٹی کو ملائمت سے اپنے ہاتھ میں لپیٹ رہا تھا۔ اسے ساکن اور منجمد پا کر ذرا سا مسکرایا۔

تب ایمان نے نم پلکوں کو اٹھایا تھا کچھ دیر اسے دیکھا پھر ایک دم سے رو پڑی۔ شرجیل تو جیسے بوکھلا گیا۔

"کیوں روئی تم یوں ایک دم کوئی بات بری لگی میری؟" وہ سوال پر سوال کر رہا تھا ایمان نے شرمندہ قسم کے تاثرات کے ساتھ سر کو نفی میں جنبش دی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شرجیل اور......اور میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اس وقت مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اسے لگا وہ اس سے زیادہ صبر اور جبر نہیں کر سکے گی خود پر۔ وہ بھی اس کے سامنے جو اس کا محرم راز داں اس کا ہمدم اس کا محبوب ہی نہیں شوہر بھی تھا۔ اس کی ذرا سی توجہ نے اسے جیسے پھر سے شرجیل سے اپنائیت کا احساس بخش دیا تھا۔ جبھی وہ اپنی کیفیت نہیں چھپا سکی تھی۔ دوسری جانب شرجیل کو اس کی بات نے شدید دھچکا پہنچایا تھا۔

"کیوں نہیں کھایا تم نے کچھ؟ ایمی اگر طبیعت خراب تھی تو بتاتیں مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتا۔" وہ مضطرب لگنے لگا تھا۔ ایمان کے دل کو اسی اپنائیت آمیز توجہ نے ڈھارس اور تقویت دی تھی۔ اس کا مطلب تھا محبت ابھی بالکل فنا نہیں ہوئی تھی۔ اس کے خدشات بے جا تھے۔ وہ سب کچھ بھول کر آنسو پونچھتے ہوئے مسکرائی۔

"اتنی بھی خراب نہیں کہ ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے۔ آپ رکیں میں کچھ کھانے کو لے آؤں۔" وہ اٹھنے لگی تھی جب شرجیل نے سر کو نفی میں جنبش دی اور اس کے کاندھے پر دباؤ ڈال کر واپس بٹھا دیا۔

"میں لے کر آتا ہوں۔" اگلے لمحے وہ تیزی سے پلٹ کر باہر چلا گیا تھا۔ ایمان کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر اس خوب صورت احساس کو محسوس کرتی آہستگی سے مسکرا دی۔ احساس دلا کر لی گئی محبت اسے کبھی گوارا نہیں رہی تھی کہ یہ محبت سے بڑھ کر خیرات لگا کرتی تھی اسے۔ مگر اب معاملہ اور تھا وہ شرجیل تھا اس کی اولین چاہت، اس کے سہارے کے بغیر وہ بہت تیزی سے تھکنے لگی تھی اور اسے تھکنا نہیں تھا۔ اسے سروائیو کرنا تھا تو طاقت تو ضروری تھی اور اس کی طاقت اس کی ہمت شرجیل تھا۔ اسے شرجیل کی محبت اس کی توجہ چاہیے تھی چاہے احساس دلا کر ملتی یا لڑ جھگڑ کر ہی۔

"ہاں چاہے لڑ جھگڑ کر بھی۔" اس نے سوچا اور مسکرا دی۔

نہیں جانتی جو چیز نصیب میں نہ ہو وہ لڑ جھگڑ کر تو کیا چھین کر بھی لینا چاہیں تو نہیں ملا کرتی لیکن ابھی وہ جانتی ہی تو نہیں تھی۔

❁......❁......❁

نندنی نے ایک گہرا سانس کھینچا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ ابھی کچھ دیر قبل دیوا سے پاسپورٹ بننے کی خبر فون پر سنا چکا تھا۔ وہ اگر پورے طریقے سے خوش نہیں ہو سکی تھی تو اس کی وجہ مقصد میں ناکامی اور منزل پر نہ پہنچ پانے کا خدشہ ہی تھا جو اس کے اندر کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اب تک کی ساری تلاش کا حاصل بھی کیا نکلا تھا۔ آگے بھی پتا نہیں کچھ ہاتھ آنا تھا یا اس نے عمر بھر یونہی تہی داماں رہنا تھا۔ اس مایوسی کو گلے لگا کر وہ ٹک کر بیٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ محبت کا آغاز جتنا بھی خوش فہم اور سہل کیوں نہ ہو یہ غم کے آنسو ضرور مقدر کیا کرتی ہے۔ اسے تو آغاز سفر سے ہی آبلہ پائی کو مقدر کرنا پڑا تھا۔ بہت کٹھن اور دشوار گزار سفر طے کر کے وہ یہاں پہنچی تھی۔ اگر امید آس دل میں بندھی تھی تو خوف کے گہرے سائے بھی لہراتے تھے مگر یہ طے تھا کہ اسے ہر حال میں سفر جاری رکھنا تھا۔

"گڈ نون زینب شاہ ہاؤ آر یو؟" زینب سے فون پر رابطہ کرنے کے بعد وہ اس کی آواز سن کر خوشدلی سے بولی۔ پھر اسے حالیہ ملنے والی کامیابی کے متعلق بتا کر اگلا پروگرام طے کرنے لگی۔ زینب کی عدت اگلے ہفتے پوری ہو رہی تھی اس نے اسے اگلے ہفتے کی روانگی کا ہی مژدہ سنایا تھا اور ٹھیک ایک ہفتے بعد زینب کے ہمراہ دہلی ائر پورٹ سے پاکستان کے لیے فلائی کرنے والی تھی دیوا سے سی آف کرنے گیا تھا۔

وہ جتنا بے قرار تھا اس پر اس بے قراری کو عیاں کیے بغیر اسی خوشدلی سے اسے رخصت کرنے کا خواہاں تھا۔ حالانکہ یہ بھی سچ تھا کہ اس سے جدائی کا احساس دیو کے اندر دھواں بھرتا جا رہا تھا تو زمین پیروں تلے دلدل میں تبدیل ہو رہی تھی اور وہ دھنستا جا رہا تھا اور جس پل وہ بے پناہ اذیتوں کا شکار تھا نندنی لمحہ بھر کو اس کی سمت متوجہ ہوئی تھی اور الوداعیہ کلمات میں اسے مخاطب کیا۔

"گڈ بائے دیوا اینڈ ٹیک کیئر۔ مجھے تم سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم ممی کو کچھ نہیں بتاؤ گے ہے نا؟" اپنی بات کے اختتام پر وہ جیسے مسکرائی اور اس کی طرف تائید طلب انداز میں نظریں اٹھائیں۔ دیو نے یاسیت آمیز انداز میں سر جھکا کر آنکھوں کے نم گوشے صاف کیے۔

"ہاں بالکل نہیں......لیکن آپ جلدی لوٹ تو آؤ گی نا؟" کتنی بے قراری تھی اس کے سوال میں۔ حالانکہ نندنی کے رویے نے ہمیشہ اس کی امیدوں کو توڑا تھا مگر محبت سے لبریز بے بس دل اتنا ذلیل و خوار ہو کر بھی محبوب کے در سے آس جوڑنا نہیں چھوڑ سکا تھا۔

(میں نہیں چاہتی دیو کہ اس کی نوبت آئے۔ جس کی تلاش مجھے وہاں لے کر جا رہی ہے اگر وہ مجھے وہاں مل گیا تو پھر واپسی کا جواز ختم ہو جاتا ہے زندگی کا کیا اور کیسا ڈھب ہوگا اس کے بعد کسے غرض مقصد تو اس کی دید اور اس کے حصول کی لگن ہے)

نندنی نے سر آہ بھر کے سر کو نفی میں ہلایا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"میں رابطے میں تو رہ سکتا ہوں نا نندنی۔" اسے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتی وہ کچھ فاصلے پر اپنی منتظر زینب کی جانب دیکھا تھا جو سیاہ لبادے میں ملبوس تھی جس نے اسے سر تا پا ڈھانپ رکھا تھا۔ ہاتھوں پر گلوز پیروں میں موزے اور جوتے عورت لفظ کی بالکل درست عکاسی تھی وہ۔ نندنی کو رکنا پڑا اور دیو کے چہرے پر اک نگاہ ڈالتی وہ نفی میں سر ہلاتے رک گئی۔

"ٹھیک ہے میں کرلوں گی خود بات تم سے۔" دیو کا چہرہ چمک اٹھا وہ اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا نندنی نے رسانیت آمیز انداز میں اسے دیکھا اور زینب کے پاس چلی آئی۔

"دیو مجھے تمہارے لیے بہت سنسیئر لگتا ہے نندنی' بالفرض تمہیں وہ شخص نہ ملا تو تم اس......!" زینب کو بات ادھوری چھوڑنی پڑی تھی تو وجہ نندنی کے چہرے وآنکھوں میں امڈ آنے والی دہشت کا احساس تھا جو اتنا گہرا و شدید ہونے کے ساتھ اتنی سراسیمگی سے لبریز تھا کہ زینب حق دق رہ گئی تھی۔

"فار گاڈ سیک زینب' آگے کچھ مت کہنا۔ اس سے آگے زندگی کی گنجائش ختم ہوتی ہے۔ میں مزید تڑپنا اور سسکنا نہیں چاہتی۔ سمجھ لو مجھ میں مزید ہمت نہیں ہے اب اگر وہ مجھے پاکستان میں بھی نہیں ملا تو بلیوی میں اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ دوں گی۔ خود کشی کا یہ طریقہ جتنا بھی سفاکانہ سہی مگر اثر بہت پاور فل رہے گا۔ میں اگلا سانس بھی نہیں لے سکوں گی۔ میں اب مزید خود کو تسلی اور دلاسوں سے نہیں بہلانا چاہتی کہ میری ہمتیں جواب دے گئی ہیں۔" اس کے لہجے میں ویسی ہی شدت تھی جیسی کسی ہیجان زدہ مریض کی مایوسی و اضطراب کے ساتھ دیوانگی کی انتہا پر پہنچ کر ہو سکتی ہے۔ زینب ساکن اور ششدر رہ گئی۔ نندنی کا ہر لحہ تیز ہوتا تنفس اسے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔

❁......❁......❁

موسم شدید تھا اس کے آس پاس دھند تھی۔ صرف آس پاس نہیں آنکھوں میں بھی چہرے پر بھی غم کی دھند تھی جو چھٹتی ہی نہ تھی اس کا محض ایک قدم غلط پڑا تھا پھر وہ راستہ درست کرنے چال سیدھی کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ مصائب اور آزمائش نے جیسے اس کا در دیکھ لیا تھا عباس کا چھن جانا ہی کم سانحہ نہیں تھا کہ اس کے بعد سکندر سے نکاح جیسی حرکت' پھر وہیں پر اکتفا نہیں ہو گیا ایمان کا گھر چھوڑ کر جانا اور بابا سائیں کی بیماری' کاش معاملہ یہیں سے سدھر جاتا سکندر کا یکسر بدلا ہوا رویہ اس کے حواس سلب کرنے کو کافی تھا کہ وقاص حیدر نے ایک اور شوشا چھوڑ کر اس کی بچی کچی توتیں بھی چھین لی تھیں۔

رات بابا سائیں نے اسے یہ بتا کر اس کے وجود میں زہر بھرا نیزہ گاڑھ دیا تھا کہ وقاص امامہ سے شادی کا خواہاں ہے۔

"امامہ......!" اسے لگا تھا اس کی سماعتوں کو دھوکا ہوا ہو۔ امامہ تو بہت چھوٹی تھی ابھی۔ محض سترہ اٹھارہ سال کی پھر وقاص کی ساری نفرت تو ایمان اور لاریب کے لیے تھی۔ امامہ کو نشانے پر کیوں رکھ لیا تھا اس خبیث نے۔

"نہیں ہرگز نہیں میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی امامہ تو بہت چھوٹی ہے بابا جان اور وقاص......!" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر دانت کچکچائے۔

"یہ بات میں نے بھی وقاص کو سمجھانا چاہی تھی بیٹے مگر وہ نہیں مانا ہم اب اس کے آگے بولنے کی بھی پوزیشن میں نہیں رہے ہیں۔ ایمان نے ہمیں نظریں اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔" بابا سائیں کا گلا بھرانے لگا انتہائی ضبط کے باوجود لاریب ساکن انہیں تکتی رہ گئی۔

"وہ فوری شادی چاہتا ہے ایک مہینے کے اندر اندر۔" بابا جان کا لہجہ مدھم تھا اور لاریب کے قدموں تلے زمین سرکنے لگی تھی۔ اس نے فق چہرے کے ساتھ بابا جان کو دیکھا جو اس پل اتنے متفکر تھے کہ اس تفکر کے احساس نے ہی ان کی آنکھوں کو بھی گیلا کر دیا تھا۔

"آپ اسے منع کر دیں بابا جان' سمجھائیں اسے ابھی تو امامہ بہت چھوٹی ہے اور......!" وہ کتنی بدحواس تھی بابا سائیں نے بے بسی چھلکاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے لاریب بیٹے۔ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ ایسی کوئی بات کر سکیں؟" انہوں نے الٹا اس سے سوال کیا اور دکھ کی جس کیفیت سے دوچار ہو کر کیا وہ خود لاریب کو شرمندگی و اذیت کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار گئی تھی۔ بابا جان کے پاس سے وہ خاموشی سے اٹھ آئی تھی مگر اس کے اندر جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔ جبھی بنا کچھ سوچے سمجھے اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور وقاص سے رابطہ کرنے لگی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے وقاص' آ سکتے ہو

ہمارے ہاں؟'' اس کے لائن پرآتے ہی لاریب نے سرد مہری چھپائے بغیر کاٹ دار لہجے میں مخاطب کیا۔ جواب میں اس کا طویل قہقہہ سنائی دیا جس نے لاریب کے حلق تک زہر بھرا نفرت انگیز احساس بھر دیا۔

''مجھے امید تھی کہ تم مجھ سے رابطہ ضرور کروگی مگر اتنی جلدی' یہ توقع نہیں تھی مجھے۔'' مسلسل ہنستے ہوئے وہ مکروہ انداز میں سنگ باری سے باز نہیں آیا۔ یہی فطرت تھی اس کی لاریب خاموش رہی۔ جبھی وہ پکار کر جتلانے والے انداز میں بولا۔

''لگتا ہے والد محترم نے بڑی جلدی کی تم تک اطلاع پہنچانے میں۔ ظاہر ہے وہ بے چارے بھی کیا کریں دودھ کے جلے کو چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پینا پڑتا ہے۔ بیٹی کو رخصت کرنے میں یہ عجلت ماننے اور سمجھنے میں بھی آتی ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو وقاص مقصد کی بات کرو۔'' لاریب کی پیشانی پر بل پڑنے لگے۔ یہ وہ شخص تھا جسے وہ اتنا ناپسند کرتی تھی کہ کبھی اسے کسی قابل نہ سمجھتے ہوئے منہ نہ لگاتی تھی مگر وقت اور حالات کے تغیر نے اسے اس کے آگے بھی بے بس کردیا تھا تو اس میں اس کی پسپائی دوہارے حد واضح تھی۔

''کم از کم تمہیں نہیں چاہتا۔ یہ تو جان ہی گئی ہوگی تم۔'' جواب میں وقاص کا لہجہ صرف طنزیہ نہیں حقارت آمیز بھی تھا۔ لاریب کا رنگ پھیکا پڑا اس نے اس پل جانا تھا۔ توہین کا بھی ایک انداز نہیں ہوتا۔ یہ مختلف رنگ اور انداز میں کی جاسکتی ہے۔

''امامہ بہت چھوٹی ہے ابھی' تم سے تو بہت زیادہ......!''

''سب جانتا ہوں اس کے باوجود میں اس سے شادی کروں گا۔ اس فیصلے میں نہ کوئی گنجائش ہے نہ ردو بدل۔ اگر تم اس ٹاپک پر بات کرنا چاہتی ہو تو رہنے دو۔'' اور لاریب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وقاص کا منہ توڑ ڈالے۔ وہ کمینہ اس کی سوچ سے کہیں بڑھ کر گھٹیا اور ذلیل انسان تھا۔

''تمہیں امامہ سے شادی کرنا ہے تو ابھی کچھ سال انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ابھی اس کی اسٹڈی بھی ان کمپلیٹ ہے اور......!''

''یہ فیصلہ کرنے والی تم کون ہوتی ہو' میں چاچا سائیں سے بات کرچکا ہوں شادی کب کرنی ہے یہ بھی ڈسکس کرچکا ہوں۔'' وہ ایک بار پھر اس کی حیثیت اس کی اوقات جتلا رہا تھا۔ لاریب جھلس کر رہ گئی۔ اس نے ہونٹ بھینچے اور مزید کچھ کہے سنے بغیر رابطہ منقطع کردیا۔ یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ وہ مکمل طور پر ہار چکی ہے اسے خبر تک نہ ہوسکی اور آنکھوں کی نمی گالوں پر اترتی چلی گئی۔ بے خبری کا یہ عالم تھا سیاہ گرم سوٹ پر مردانہ براؤن شال کاندھوں پر لپیٹے سکندر اس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہیں اتنی سردی میں' آپ کی طبیعت مجھے پہلے ہی ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' سکندر کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ لاریب چونک کر متوجہ ہوئی اور اسے روبرو پاکر اس کے ماتھے پر بل پڑتے چلے گئے۔

''میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اپنا کام کرو جاکے۔'' اس کے لہجے میں سرد پھنکار تھی اگلے لمحے اس نے نفرت زدہ انداز میں رخ پھیر لیا۔ سکندر نے گہرا سانس بھرا تو نم بھاپ کا بگولہ اس کے منہ سے نکل کر لمحہ بھر میں فضا میں تحلیل ہوگیا۔

''کسی کے لیے فکر مند ہونا بس کی بات نہیں ہوتی لاریب بی بی یہ بے اختیار جذبے ہوتے ہیں جو......!''

''شٹ اپ سکندر تم کیا کہنا چاہتے ہو آخر؟'' تپ کر کہتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور اس کے مقابل آکر اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی۔ سکندر بہت سکون سے مسکرایا اور جواباً بہت دل آویز اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

''اس دنیا میں صرف ایک خواہش رکھتا ہوں اور وہ آپ کے حصول کی خواہش ہے جو کسی حد تک تکمیل پا بھی چکی مگر......!''

''شٹ اپ دل یو شٹ اپ تمہاری یہ جرأت کہ......!'' وہ اتنا بھڑکی تھی اتنا بپھری تھی کہ اسی اشتعال وطیش میں اس کا ہاتھ سکندر پر اٹھ گیا جسے سکندر اگر بروقت نہ تھام لیتا تو لازماً وہ اس کے چہرے پر نشان چھوڑ جاتا۔

''یہ بدتمیزی آخری مرتبہ برداشت کر رہا ہوں لاریب شاہ یاد رکھنا اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ سو بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم اوکے؟'' اس کا ہاتھ نہایت جارحانہ انداز میں نیچے کرتے ہوئے وہ پھنکارتے ہوئے تنبیہ کر رہا تھا۔ لاریب اس قدر شاک میں آئی کہ زبان کو حرکت دینے پر بھی قادر نہیں رہی۔ آنکھیں بے بسی اور ہتک کے احساس سمیت سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں شفاف پانیوں سے چھلک گئیں۔ سکندر کا انداز ہی اس قدر سخت اور اہانت آمیز تھا کہ وہ یقین نہیں کر پارہی تھی کہ وہ اس طرح بھی نفرت زدہ انداز میں بات کرسکتا ہے۔ دل تو پہلے ہی دکھا ہوا تھا یہ تو جیسے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

''اندر جائیں ورنہ یہاں سے آپ کو زبردستی اپنے کمرے میں لے جانا بھی مشکل کام نہیں ہے میرے لیے محض ایک بار بابا سائیں کے سامنے آپ کے کارنامے کا اظہار کرنے کی ضرورت ہے۔'' سکندر وہیں کھڑا اسے وارننگ دے رہا تھا۔ لاریب کو لگا جیسے وہ کھڑے کھڑے سرتاپا جل اٹھی ہو۔ کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے پلٹ کر اندر چلی گئی جبکہ سکندر شکستہ انداز میں وہیں کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

(یہ تعلق اور بندھن جتنی بھی مضبوطی لیے ہو یہ احساس بے حد اذیت انگیز ہے لاریب کہ تمہارا دل میرا نہیں ہے۔ تم میری نہیں ہو تو یہ رشتہ خود بخود اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ تمہیں اندازہ تک نہیں ہے تمہارا یہ قدم مجھے کن کانٹوں پر گھسیٹتا رہتا ہے۔ اس سے ہزار درجہ بہتر تھا میں عمر بھر آس بھرا دل لیے تمہارے حصول کی دعائیں مانگتا رہتا۔)

جلتی آنکھیں موندے وہ ساکن بیٹھا تھا خاصی تاخیر کے بعد بھی خود کو سنبھالنے میں ناکام رہا تو ایک عرصے بعد گھر کا رخ کیا۔ دروازہ ثانیہ نے کھولا اسے روبرو پاکر ثانیہ کے ہونٹوں کی تراش میں البیلی مسکان جبکہ آنکھوں میں گہری جیسی چمک ابھر آئی۔ جسے ہمیشہ کی طرح نگاہ بھر کے دیکھے اور محسوس کیے بنا وہ سرسری انداز میں اس سے بات چیت کرتا اندر بابا اور اماں کے پاس کمرے میں آکر چارپائی کی پائنتی پر ٹک گیا۔

''آج بہت دنوں بعد آیا پتر۔'' وہ کوئلوں کی انگیٹھی پر ہاتھ سینک رہا تھا کمرے میں دھوئیں کی بو پھیلی ہوئی تھی انگیٹھی سے کچھ فاصلے پر مونگ پھلیوں کے چھلکوں کی چھوٹی سی ڈھیری تھی۔ اس کی آمد سے قبل یقیناً ثانیہ اسی شغل میں مصروف رہی تھی۔

''آج واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے بابا اسی لیے دیر سے آیا ہوں۔'' اماں نے اس کی پشت پر تکیہ رکھ دیا تھا۔ وہ نیم دراز ہوگیا۔ اس کے وجود سے ہی نہیں روح سے بھی تھکن لپٹی ہوئی تھی۔ دل پر کہر سا چھا رہا تھا۔ تکیے پر سر رکھتے وہ آنکھیں موند چکا تھا۔ لہجہ معمول سے مدھم اور بوجھل محسوس کرکے بابا نے اسے تشویش زدہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا ہوا پتر؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا خیری صلاً۔'' سکندر نے محض سر کو آہستگی سے اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا اس کے دماغ پر اس پل مکمل طور پر شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔

''چائے لے لے سکندر۔'' ثانیہ بھاپ اڑاتی چائے کی پیالی لیے کھڑی تھی۔ سکندر نے نا چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھولیں تو نگاہ ثانیہ کے دہکتے گالوں پر بھی پڑی۔ جو آگ کی تپش سے نہیں اس کی معمولی قربت کی آنچ سے دہک کر لو دینے لگے تھے۔ وہ اپنے متعلق اس کی پسندیدگی سے اچھی طرح آگاہ تھا وہ اور ایک لاریب تھی مجال ہے جو کبھی خائف ہوتی ہو اس سے یا اس کی قربت سے شاید حسرت ہی نہیں تھی اسے اس کا سینہ حسرت جل اٹھا۔ اس کی نرم پوروں کی سرسراہٹ کا احساس کتنا گہرائی لیے تھا۔

(عورت ہمیشہ اسی مرد کی قربت میں کنفیوژ ہوا کرتی ہے جس کے متعلق وہ خاص انداز سے سوچتی ہے جس کو اہمیت نہیں دیتی اور سوچوں میں جس کا گزر نہیں ہوتا اس سے خائف ہونے اور شرمانے کی اسے کبھی ضرورت پیش نہیں آتی) سکندر کو کبھی کی کہی اماں کی بات یاد آئی۔ وہ جانتا تھا لاریب کے نزدیک اس کی اہمیت سرے سے نہیں تھی اور ثانیہ کے نزدیک وہ کیا مقام رکھتا تھا۔ بات درجات اور حیثیتوں کی بھی تھی۔ کاش وہ اپنے مقام سے اور درجے سے آگاہ رہتا اور سورج کی چاہ میں منہ اٹھا کر آسمان کی جانب نہ دیکھتا تو آج سورج کی تمازتیں اسے سرتاپا جلا کر خاکستر نہ کر رہی ہوتیں۔

''مجھے چائے نہیں پینی۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور اگلے لمحے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔ اس کا کمرا اس کی غیر موجودگی کے باوجود صاف ستھرا رہتا تھا اور جیسے اس کی واپسی کا منتظر بھی۔ نواڑی پلنگ جس پر سفید چادر بچھی تھی جس کی جھالریں اور کڑھائی کا رنگ ہلکا گلابی تھا۔ دوسری جانب میز کرسی تھی۔ میز پر بھی سفید کڑھائی کا میز پوش تھا اوپر ٹائم پیس رکھا ہوا تھا لیکن سیل نہیں تھے جبھی سوئیاں ساکن تھیں۔ سکندر نے پائنتی میں پڑے ہوئے لحاف کی تہہ کھولی لیٹنے سے قبل اس نے حسب سابق قمیص اتار دی تھی۔ تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ سکندر نے گردن موڑ کر سرسری نگاہ کی۔ ثانیہ دہکتے کوئلوں کی انگیٹھی اٹھائے اندر آئی کمرے کی فضا میں دھوئیں کی بو پھیلنے لگی۔

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' سکندر نے چونکہ قمیص اتار دی تھی جبھی عجلت میں لحاف ہی سینے تک کھینچ لیا ثانیہ نے اسے دیکھا پھر عجیب سے انداز میں مسکرادی۔

''تمہیں تو شاید ہمارے سمیت کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں رہی ہے سکندر' مگر ہمیں پھر بھی تمہارا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔ سردی بہت ہے نیند گہری آئے گی اس کی حدت کی وجہ سے۔''

''جاتے ہوئے دروازہ بند کرجانا۔'' سکندر نے کروٹ بدلنے سے قبل قدرے نرمی سے کہا۔ ثانیہ جو اس کی غفلت کے باعث اسے نگاہ کے رستے دل میں اتار رہی تھی گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''ایک بات بتا سکندر' یہ کیا محبت ہونے کے لیے بہت زیادہ حسن کا ہونا بہت ضروری ہے؟ پر ایسا لازم ہوتا تو لیلیٰ سے کیوں محبت کرتا مجنوں' سنا ہے کالی شاہ تھی وہ۔'' ثانیہ کی صرف آواز ہی نہیں آنکھیں بھی بھرا گئی تھیں۔ سکندر سناٹے میں گھر گیا تھا۔

"لاریب بی بی کیسی ہیں؟ کبھی کبھار تو میرا دل کرتا ہے ان کو ایک نظر دیکھنے کو حویلی ہی چلی آؤ۔" بھیگی آنکھوں کے گوشے ہاتھ کی پشت سے رگڑتی وہ اسی دل گیری سے بول رہی تھی۔

"کیوں؟ ایسے کون سے لعل ہیں ان میں کہ تم انہیں دیکھنے کے لیے حماقتیں کرتی پھرو۔" وہ اتنا ہی بھڑکا تھا کہ اسے گھورتے ہوئے جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"خفا کیوں ہوتا ہے؟ کیا وہ نہیں ہے اتنی سوہنی کہ اسے دیکھنے کو دیکھتے رہنے کو اتنا دل کرے کہ انسان اپنی ترقی کی راہوں کو نظر انداز کر کے محض انہی کی چاکری کی خاطر وہیں رک جائے۔" ثانیہ کا لہجہ ہی صرف نارسائی کی آنچ نہیں لیے تھا آگاہی و جیلسی کا درد بھی سموئے ہوئے تھا۔ سکندر کے اعصاب کو شدید ترین دھچکا لگا تو اس کا مطلب تھا وہ اس کی شہر میں ملنے والی نوکری کی بات سے بے خبر نہیں تھی۔ بابا تو خاصے پر جوش تھے۔ ان کا خیال تھا حویلی کی یہ معمولی نوکری سکندر جیسے پڑھے لکھے خوبرو لڑکے کے شایان شان نہیں تھی۔ اسے شہر جا کے قسمت آزمانی چاہیے تھی اور باعزت طریقے سے زندگی گزارنے کی جدوجہد کرنی چاہیے تھی مگر سکندر انکار کر چکا تھا۔ اس انکار کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت بابا میں بھلے نہ ہو ثانیہ میں ضرور تھی۔

"ثانیہ تم جاؤ یہاں سے۔" سرخ چہرے کے ساتھ بہت ضبط سے گزرتے ہوئے وہ ڈانٹ کر بولا۔ ثانیہ لب بھینچے اسے آنسو بھری نظروں سے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر پلٹ کر بھاگتی دروازہ پار کر گئی۔ سکندر نے کروٹ بدل لی تھی مگر نیند اس پر مہربان ہونے کو تیار نہیں تھی۔ لاریب اور ثانیہ کے چہرے اس کی نظروں میں گڈمڈ ہوتے رہے۔ ایک شعلہ تھی دوسری شبنم اک سراپا عاجز و منکسر دوسری میں اکڑ بھی تھی نخوت بھی' بے نیازی و لاتعلقی بھی تھی اور تکبر بھی اور انسانی فطرت ہے دل ہمیشہ ناقابل رسائی شے کی جانب لپکتا ہے اس کے ساتھ کچھ انوکھا تھوڑی ہوا تھا۔ دل جانتا بھی تھا شعلہ جیسی لڑکی کی چاہ میں کتنے انگارے جھولی میں آ گرنے تھے مگر وہ پھر بھی اس کی چاہ کی حسرت لیے مچل اٹھا تھا۔ جلنا تو اب نصیب تھا سو جل رہا تھا۔

"کیا تو اس سے محبت کرنے لگا ہے سکندرے؟" اگلی صبح جب وہ ہینڈ پمپ چلا کر منہ ہاتھ دھونے کے بعد سیدھا ہوا اور صحن کے درمیان بندھی رسی پر لٹکتا تولیہ کھینچ کر منہ پونچھ رہا تھا جب ثانیہ نے آنگن میں دانہ چگتی مرغیوں کو روٹی کے باریک ٹکڑے ڈالتے ہوئے اچانک پھر اسے مخاطب کیا تھا اور سکندر کا چہرہ ایک بار پھر دہک کر انگارہ ہونے لگا۔

"پر سکندرے اپنی اوقات سے باہر نکلنا ہمیشہ مضحکہ کا ہی نہیں تکلیف کا بھی باعث بنا کرتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ گڈی اور بڈھی (بیوی) ایسی ہونی چاہیے کہ بندہ نہ بڑے گھر اور تو اس کی لگے۔" ثانیہ کا لہجہ تضحیک آمیز نہ سہی مگر تنبیہہ ضرور لیے تھا۔ سکندر کے اعصاب بھک سے اڑ گئے۔ وہ اتنا ہرٹ ہوا تھا کہ کسی طرح بھی چہرے کو پھیکا پڑنے سے نہیں بچا سکا۔ یہ بات کسی طرح بھی بے جا نہیں تھی مگر تکلیف اور سبکی کا باعث ضرور تھی۔

"تیرا دماغ ٹھیک ہے ثانیہ! کیسی گھٹیا باتیں کر رہی ہے تو سکندرے سے اور سن اگر تو یہ سمجھتی ہے ناکہ لاریب دھی سکندرے کے قابل نہیں ہے تو اس بھول سے نکل آ...... درحقیقت لاریب جیسی کڑی ہی میرے سکندرے کے قابل ہے کمی کیا ہے اس میں آخر؟" ڈیوڑھی میں بکری کو چارہ ڈالتے ہوئے بابا نے ساری بات سن کر ثانیہ کو ڈانٹتے ہوئے برہمی سے کہا گویا سکندر کے زخموں پر پھاہے رکھنے چاہے جو شکستہ زدہ نظر آ رہا تھا۔ ثانیہ طنز بھرے انداز میں مسکرائی۔

"میں ظاہری شکل وصورت کی نہیں حسب نسب کی بات کر رہی ہوں ابا۔"

"میں بھی حسب نسب کی بات کر رہا ہوں۔ ورنہ ظاہر تو سب کو نظر آتا ہے۔ میرے پتر میں ماشاءاللہ کوئی کمی نہیں۔ شہزادہ لگتا ہے بالکل آئندہ میں تم سے یہ بات نہ سنوں۔" سکندر ایک لفظ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ بیرونی دروازے تک پہنچ چکا تھا جب بابا پھولی سانسوں سے اسے پکارتے پیچھے بھاگے آئے۔

"کہاں جا رہا ہے سکندرے روٹی تو کھا لے پتر تیری اماں نے ساگ کے ساتھ دیسی گھی کے پراٹھے بنائے ہیں۔"

"بابا سائیں کا فون آیا ہے جانا ضروری ہے میں پھر کسی دن کھا لوں گا روٹی۔" ان کا کاندھا تھپک کر وہ تیزی سے مڑ کر باہر نکل گیا تو اس کے اٹھتے قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے لیے حویلی اور یہ گھر ایک جیسے تھے۔ جہاں سکون تھا نہ آرام وہ کہاں جاتا۔ محبت نے اس سے کیا کچھ نہ چھین لیا تھا۔ بلکہ سب کچھ چھین لیا تھا۔

❁......❁......❁

"یہ حقیقت ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنا حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں درحقیقت مبہوت رہ گئی تھی آپ نندنی سے پوچھیں تو سہی اگر وہ ہندو دھرم کو نہیں مانتی تو ہم اہل کتاب ہونے کی بنا حسن بھائی سے ان کی شادی کر سکتے ہیں پرفیکٹ کپل ہوگا۔" نندنی کے قدم دروازے کے پاس ٹھٹک گئے تھے۔ یہ

زینب کی چھوٹی بہن ثنا کی آواز تھی۔ جس میں اشتیاق بھی تھا اور ایکسائٹمنٹ بھی نندنی کے لیے اس کی نظروں میں جو حیرت انگیز متاثر کن تاثر تھا وہ اکثر نندنی کو خفت زدہ کر دیا کرتا تھا۔ وہ اتنی ہی امپریس ہو چکی تھی نندنی سے ہر لمحہ اس کی تعریف میں رطب اللسان اور بے حد انسپائر۔

"پاگل پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ثنا گڑیا! نندنی یہاں کسی مقصد کے تحت آئی ہے یہ بات اس سے کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے اوکے...... کہیں تم اس کے سامنے کہہ بیٹھو۔" زینب نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی ثنا کا منہ لٹک گیا۔ ان لوگوں کو یہاں آئے ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ زینب کی فیملی بھی زینب کی ہی طرح تھی۔ پرخلوص' بے حد شائستہ اور مخلص حالانکہ پاکستان میں قیام کے دوران نندنی کی خواہش ہوٹل میں ٹھہرنے کی مگر تھی زینب کی امی نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی اور اتنے مان اور محبت سے اپنے پاس روکا کہ وہ ان کے خلوص کے آگے اپنی بات پر اڑے رہنے کی ہمت نہیں کر سکی۔ اسے یہاں محبت' خلوص اور تحفظ سب کچھ میسر تھا۔ وہ مطمئن تھی مگر یوں بیٹھ کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی جبھی کل سے اپنے مقصد کی خاطر باہر نکلنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"ارے آپ یہاں کیوں رک گئی ہیں؟ اندر چلیے نا۔" اس بھاری مگر مدہم آواز پر نندنی چونکی اور گردن موڑ کر اپنے داہنی جانب دیکھا۔ وہ حسن تھا۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس بے حد خوبرو سا لڑکا کلین شیوڈ بے حد فیشن ایبل' اپنی فیملی سے الگ تھلگ رہنے والا۔ یعنی وہ اتنا مذہبی نہیں لگتا تھا۔ نندنی نے اسے آزادانہ گانے سنتے موویز دیکھتے پایا تھا۔

"مجھے زینب سے بات کرنی تھی۔" اس کی نگاہوں کے ارتکاز پر نندنی نے جز بز ہو کر وضاحت دی حسن مسکرا دیا۔

"شیور...... آیئے۔" حسن کے ہونٹوں میں مبہم سی مسکان اتری۔ وہ بہت مہذب انداز میں سائیڈ پر ہو کر اسے اندر جانے کا راستہ دے رہا تھا۔ نندنی نے تیزی سے قدم بڑھا دیے۔

"آؤ نندنی۔" اسے روبرو پا کر زینب جو ان دنوں بہت مضمحل رہنے لگی تھی۔ مسکرا کر گویا ہوئی۔ ثنا بھی سنبھل گئی تھی۔

"ثنا گڑیا چائے تو بنا لاؤ موڈ ہو رہا ہے۔" حسن نندنی کے مدمقابل بیٹھتے ہوئے ثنا سے مخاطب ہوا۔ نندنی نظر انداز کیے زینب کی سمت متوجہ تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی زینب۔"

"ہاں بولو چندا۔" زینب کا لہجہ و انداز مشفقانہ تھا۔ وہ عمر میں اس سے محض چند سال بڑی تھی مگر اس کے انداز میں جو سبھاؤ اور نرمی کا عنصر تھا وہ بزرگانہ سنجیدگی وشفقت لیے ہوئے تھا۔

"آپی میں ایک مووی لے کر آیا ہوں ساحر کی ہے دیکھیں گی میرے ساتھ؟" حسن نے ایک دم مداخلت کی نندنی جز بز ہوئی اور نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اسے اس ایک ہفتے میں متعدد بار محسوس ہوا تھا حسن اسے خاص نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسے یہ انداز ہی گراں گزرتا تھا۔

"حسن شہزادے آپ کو پتا ہے میں موویز نہیں دیکھتی۔" زینب کے لہجے میں معمولی سی خفگی تھی جیسے درپردہ اسے تنبیہہ کر رہی ہو۔

"آئی نو...... میں جانتا ہوں آپی بٹ یہ پرنس ساحر کی ہے ساحر کی تو ساری لڑکیاں دیوانی ہیں چاہے ان میرڈ ہوں یا میرڈ۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی اس بندے نے عین عروج کے ٹائم انڈسٹری کو کیوں چھوڑ دیا۔" وہ کاندھے جھٹک رہا تھا اور اپنی حیرت ظاہر کرتا جھنجلا بھی رہا تھا۔

"میرے خیال میں تو اچھا کیا گمراہی کے راستے کو چھوڑنا بھی خوش بختی کی علامت ہے۔" زینب کے لہجے میں رسانیت تھی نندنی ہونٹ بھینچے بے زار نظر آ رہی تھی۔

"آپ کا فون ہے بھائی۔" اسی پل ثنا ہاتھ میں سیل فون اٹھائے اندر آئی جو تسلسل سے گنگنا رہا تھا حسن نمبر دیکھتے ہی کانشس ہوا اور سیل فون سمیت تیزی سے باہر نکل گیا۔ نندنی بے اختیار ریلیکس ہوئی اور زینب کے قریب آنے کی غرض سے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی یہی وہ لمحہ تھا جب اس کی اٹھی ہوئی نگاہ پہلے چونکی پھر ٹھٹک کر ساکن ہوگئی۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی سی ڈی ڈسک کو تک رہی تھی جس کے چمکتے کور پر موجود چہروں میں اک چہرہ اس کے دل کی دھڑکنوں کو زیر وزبر کرنے کا باعث بنا ہوا تھا۔

"کیا ہوا نندنی؟ خیریت......" زینب نے حیران پریشان ہو کر اس کے غیر معمولی تاثرات سے سجے چہرے کو دیکھ کر سوال کیا مگر وہ حواسوں میں کہاں تھی وہ میکانکی انداز میں آگے بڑھی اور سی ڈی اٹھا کر یک ٹک گھورے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنا جوش اس قدر سنسنی بھرا احساس تھا کہ زینب کو اچانک کچھ خاص لگا۔

"خیریت ہے نا نندنی؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کاندھے کو نرمی سے تھاما اور نندنی کو لگا جیسے صدیوں کی نیند کے بعد جاگی ہو یا اچانک جگا دی گئی ہو۔ اس نے پھر سے اس دلکش وخوبروئی میں بے مثل چہرے پر نگاہ کی تو جیسے اپنی خوش بختی پر یقین سا آنے لگا۔ زندگی کا احساس اس کی رگ رگ میں

اتر کر سرخوشی بخشنے لگا۔ فتح و کامرانی ایسی جو سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔ بالآخر اس کا سفر اس کی تلاش رائیگاں نہیں گئی تھی۔ وہ بے شک فاصلے پر تھا پر ایسے کہ دوری لمحوں میں فاصلے پاٹتی انہونی قربت کا امکان بنی کھڑی تھی۔ حیرت بھرے احساسات، مسرت خیز احساس پر حاوی تھے۔

"نندنی......" زینب گھبرائی وہ دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی مگر اسے دیکھ کر کھلکھلا دی۔ زینب نے اسے خائف ہوتے ہوئے دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"یہ...... کون ہے زینب...... جانتی ہو؟" اس نے مسکراہٹ دبائی اور شوخ و شنگ انداز میں کہتے ڈسک کے کور پر جھکتے چہروں میں سے ایک پر انگشت شہادت رکھ کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کتنی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

"پتا نہیں کوئی فلم ایکٹر ہی......!" معاً وہ تھم سی گئی اور کسی خیال کے تحت بہت چونک کر اس کے جوش جذبات سے چمکتے چہرے کو دیکھا۔

"یہ......؟" اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ نندنی زور سے ہنس پڑی۔

"یہ وہی ہے ہنڈرڈ پرسنٹ وہی...... میری نظریں دھوکہ نہیں کھاسکتیں...... میرے دل کی دھڑکنیں آج پورے چار سال بعد پھر اس انداز میں شور کر رہی ہیں۔ زینب جیسے پہلی بار اسے دیکھنے پر......!" وہ خوشی و مسرت سے بے حال لڑکھڑاتی پرجوش آواز میں کہہ رہی تھی زینب ساکن لب بستہ اسے دیکھے گئی۔

"تو یہ کشش تھی جو مجھے پاکستان کھینچ لائی۔ زینب میں بہت خوش ہوں۔ بے حد۔" وہ اس سے لپٹ کر خوشی سے لرزتی آواز میں گنگنائی۔

"کتنی احمق تھی میں، کبھی اس طرف دھیان ہی نہ جاسکا۔ حالانکہ دیوا اکثر پاکستانی موویز دیکھتا تھا ساحر نام ہے نا ان کا؟ دیوانہ ہے وہ ان کا۔ مجھے بھی اکثر اصرار کرتا مگر میں اتنی قنوطی تھی کہ کبھی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ نیٹ ٹی وی اور موویز سے بالکل کنارہ کیا ہوا تھا تب سے۔ ورنہ بہت پہلے کھوج لگ سکتا تھا اس کا۔" اس کی ہنسی بات بے بات چھلک رہی تھی۔ زینب آہستگی سے مسکرادی پھر اس کا کاندھا تھپکا۔

"ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے بہرحال تمہیں بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں کامیابی سے نوازے۔" زینب نے اسے بے حد اپنائیت آمیز انداز میں وش کیا۔ نندنی نے جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ ہنوز اسی چہرے کو دیکھ رہی تھی اور جیسے اپنی خوش بختی کا خود کو یقین سونپ رہی تھی۔

"میں یہ مووی دیکھنا چاہتی ہوں زینب لے جاؤں اپنے کمرے میں۔" نندنی کے ہر انداز سے بے چینی و عجلت جھلکنے لگی۔ اس سے قبل کہ زینب کچھ جواب دیتی دستک دیتا حسن اندر آگیا۔ اس کی بات سن کر مسکرایا۔

"اصولاً تو آپ کو مجھ سے پرمیشن لینی چاہیے خیر آپ لے جاسکتی ہیں۔ میں بعد میں دیکھ لوں گا۔" اس کے انداز میں خفیف سی شرارت تھی۔ نندنی بری طرح جھینپی اور اسے مشکور نظروں سے تکتی پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"بہت خوش تھیں محترمہ جیسے یکلخت قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔" حسن خاصا حیران نظر آرہا تھا۔ زینب نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ دوسری جانب نندنی اپنے رہائشی کمرے میں آکر سی ڈی پلیئر میں ڈسک لگا کر ریموٹ کنٹرول سنبھال کر بیٹھ گئی کچھ وقت گزرا اور اسکرین پر وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور دلکشی کے ساتھ جلوہ افروز ہوگیا۔ اس کی عقیدت چھلکاتی اس کے خدوخال سے لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ مبہوت تھی مگر خوش خیال بھی۔ تصور سے تصویر اور تصویر سے حقیقت بننے میں اب یقیناً زیادہ وقت نہیں تھا۔ گمان سے یقین کا عنصر چاہے کتنا ہی پرخطر ہوتا اسے پروا نہیں تھی۔ یہ اس کی دیوانگی ہی تھی کہ اس مووی کو اس نے بار بار صرف وہاں سے ریوائنڈ کر کے دیکھا جہاں ساحر موجود تھا۔ اس شغل میں رات بیت گئی اور اسے خبر تک نہ ہوسکی۔ صبح کسی خیال کے تحت وہ کمپیوٹر کے آگے بیٹھ گئی۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر حرکت کرتی ساحر کی ویب سائیڈ کھول چکی تھیں۔ وہ اس کے متعلق ہر طرح کی آگاہی حاصل کرنے کو مچل رہی تھی۔ اس بات پر دھیان دیے بغیر کہ ہر آگاہی خوش بختی اور خوشی کا باعث نہیں بنتی۔

❁......❁......❁

لڑی ہے جمالو پاؤ لڑی ہے جمالو
کھڑے نے وال میرے رہنا میں نال تیرے
وعدہ ہے پہلی ملاقات دا
لڑی ہے جمالو پاؤ لڑی ہے جمالو

شرجیل نے اندر قدم رکھا تو ڈیک فل والیوم میں چنگھاڑ رہا تھا اور فراز کی دھمال میں جوش و خروش تھا۔ میوزک کی تیز آواز کانوں کے پردے پھاڑنے کے درپے تھی۔ اس کے پہلے سے کشیدہ اعصاب کچھ اور بھی کشیدگی سمیٹ لائے۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈیک بند کیا تو فراز کا جھومتا ڈولتا وجود بھی جیسے جھٹکا کھا کر تھم گیا۔

"یہ کیا کیا بھائی؟" فراز نے خفا نظروں سے اسے دیکھا مگر

شرجیل کے تاثرات اس سے بھی زیادہ کڑے اور خوفناک تھے۔

"ایک تم اور ایک تمہارا یہ بیہودہ شوق فراز تم اپنے ساتھ ہمیں بھی پاگل کردو گے۔ نان سینس، یہ گھر ہے اسٹوڈیو نہیں وہاں جا کر کرو یہ پریکٹس۔" وہ صوفے سے اٹھ کر آیا تھا۔ ساری بدمزگی و جھنجھلاہٹ اس پر نکال دی۔ سرخ آنکھیں، بکھرے بال، شاید طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

"ساحر کی نئی آنے والی مووی میں آڈیشن دینے والا ہوں۔ اگر میری سلیکشن ہوگئی جو کہ یقینی بات ہے تو آپ بھی میرے پیچھے پھرنے والوں میں شامل ہوں گے آٹو گراف کے لیے۔" کاوچ پر گر کر چہرے و گردن سے پسینہ صاف کرتا وہ کتنے زعم سے گویا تھا۔

"آئی ایم سیریس فراز پلیز والیوم کم رکھنا۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے میرا۔" شرجیل ہنوز بیزار تھا۔

"یہاں قدر ہی کہاں ہے کسی کو میری اور میرے ٹیلنٹ کی۔ خیر آنے والے وقتوں میں آپ بھی مجھ پر فخر کریں گے اور لوگوں کو یہ بتا کر خوشی حاصل کریں گے کہ مشہور و معروف ایکٹر فراز علوی میرا بھائی......!" اس کی بات ادھوری رہ جانے کے باعث شرجیل کا کمرے سے نکل جانا تھا۔ وہ بے حد سبکی محسوس کر کے رہ گیا۔

"یعنی حد ہے توہین کی بھی یار۔" اس نے خجالت دور کرنے کو سر جھٹکا اور اٹھ کر پھر سے ڈانس کا موڈ بنا رہا تھا جب صالحہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"ہیلو ینگ بوائے۔" وہ اسے دیکھ کر چہکی، فراز نے برا سا منہ بنالیا۔

"کیا کرنے آئی ہو تم یہاں؟ جاؤ کام کرنے دو مجھے اپنا۔"

"ہاں تو کرو نا میں دیکھوں گی تمہیں اور داد دوں گی۔" وہ کہاں ماننے والوں میں سے تھی۔ آکر کرسی پر ٹک گئی۔ کیسٹ سلیکٹ کرتے فراز کا ہاتھ تھما۔ اس نے گردن موڑ کر چبھتی نظریں صالحہ پر جمائیں۔ اس کی آنکھوں میں چبھن کے ساتھ تنبیہ بھی تھی۔

"تم ویسے تو عمر میں مجھ سے بھی بڑی ہو صالحہ مگر تمہیں سمجھانے کی ضرورت مجھے پیش آتی ہے وہ کیا کہتے ہیں کہ عقل عمر کی محتاج نہیں ہوتی تو......!"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" وہ غصے سے آؤٹ ہوتے ہوئی چیخی۔

"یہی کہ تمہیں ایک جوان جہان لڑکے کے کمرے میں کسی بھی وقت یوں منہ اٹھا کر نہیں آنا چاہیے۔" فراز نے اسے گھورا اور واضح ملامت کی۔ صالحہ کی جیسے آنکھیں سلگ اٹھیں۔

"اور تم تو جیسے بڑے نیک اور پارسا کام کر رہے ہو۔" اس کے بھڑک اٹھنے پر فراز نے کاندھے جھٹکے۔

"یہ ایک الگ بحث ہے تم فی الفور یہاں سے جاؤ، کیونکہ میں تمہاری موجودگی برداشت نہیں کرسکتا۔" فراز کا لہجہ گو کہ انسلٹنگ نہیں تھا بس اسے صالحہ کی بے پروائی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس کے خیال میں عورت کی یہی بے پروائی معاشرے میں بگاڑ اور برائی کے پھیلاؤ کا باعث بن سکتی ہے کیا وہ نہیں جانتی تھی مرد و عورت کی تنہائی میں تیسرا شیطان ہوا کرتا ہے۔ اسے کبھی اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں تھا۔ وہ بہرحال فرشتہ نہیں تھا۔ نہ خود پر اسے کوئی دعویٰ تھا۔ احتیاط بہرحال لازم ہونی چاہیے مگر صالحہ کو اس کی ڈانٹ میں اپنی توہین کا عنصر نظر آیا جبھی اس کا برتاؤ اور تلخی دیکھنے والی تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو فراز...... یعنی میں مر رہی ہوں تم پر؟" وہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑی۔

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ صرف تمہیں یہاں سے جانے کا کہا ہے۔ بہت مہربانی ہوگی اتنا سا کرم کردو۔" فراز کے انداز میں تلخی و بے زاری کے ساتھ اکتاہٹ بھی شامل ہونے لگی۔ صالحہ کچھ دیر اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتی رہی پھر مٹھیاں بھینچے جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی۔ فراز سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ ساری رات اس نے جاگ کر بے چینی میں گزاری۔ سلیبرٹی بننا اس کا اولین خواب تھا۔ شوبز کا روشن چمکتا ہوا ستارہ، ساحر نے اس فیلڈ میں جتنی تیزی سے ترقی و کامیابی حاصل کی تھی وہ بھی اس کا خواہاں تھا۔ اس فیلڈ میں ساحر ہی اس کا آئیڈیل تھا اور اب جبکہ ساحر کی نئی بننے والی مووی میں نئے چہروں کی کاسٹ کے لیے آڈیشن کا اعلان کیا تھا اس سے مذاق کا نشانہ بننا پڑا۔ خاص طور پر اطہر اور عالعیان نے مل کر خوب اس کا ریکارڈ لگایا تھا۔

"کبھی زندگی میں کیمرے کا سامنا کر کے نہیں دیکھا اور محترم کردار ہیرو کا ادا کریں گے۔ وہ بھی ساحر کی مووی میں، ہاہاہا۔" فراز کا جتنا بھی فشار خون بڑھا مگر اس نے خود پر کنٹرول ہی رکھا تھا۔

"ایسی بہت سی مثالیں زندہ سلامت موجود ہیں شوبز میں، ابھی بنالو جتنی باتیں بنانی ہیں۔ پھر تم لوگوں نے ہی آگے پیچھے پھرنا ہے میرے اور میں نے لفٹ نہیں کرانی۔" وہ انہیں چڑانا چاہتا تھا مگر وہ سارے الٹا اسے زچ کرنے میں لگے رہیں پھر اگلی صبح جب وہ مایوس دل شکستہ اسٹوڈیو سے لوٹا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ناکامی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"آڈیشن میں ناکامی کی وجہ ڈارک کامپلیکشن۔ ساحر نے کہا ہوگا ہمیں فیئر ہیرو چاہیے ہے نا؟" اطہر نے پھر اسے گھیرا اور تاک کر نشانہ لگایا سب ہنسنے لگے۔

"بکواس مت کرو تم لوگ......" فراز کو آگ لگ گئی تھی۔

"یار رنگت تمہاری واقعی شب دیجور جیسی ہے کچھ اور ٹرائی کرو۔ تم ویسٹ انڈیز یا پھر سری لنکا کی کرکٹ ٹیم میں کیوں قسمت نہیں آزماتے۔ شوبز تمہارے جیسے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔" اطہر نے مبالغہ آرائی کی حد کردی۔ وہ سانولا تھا مگر کالا نہیں۔ لیکن کہنے والوں کی زبان پکڑنے کا فن آج تک ایجاد نہیں ہوسکا تھا۔ فراز کا سارا اعتماد ان لمحوں میں ہمیشہ کی طرح زائل ہوچکا تھا۔ دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہ وہیں کھڑا تھا جب نبیل نے وہاں جاکر اطہر اور عالعیان کی اس بدتمیزی کے جواب میں زبانی کلامی دھلائی کی تھی۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتی آپ کو ضرورت کیا ہے ان فضول لوگوں کے منہ لگنے کی۔ بات تک کرنے کی جنہیں تمیز نہیں۔" ان دونوں کے واک آؤٹ کے بعد نبیل اس کی جانب متوجہ ہوا تو اس پر بھی بے دریغ برس پڑا تھا۔

"کیا میرا کلر واقعی بہت ڈارک ہے نبیل؟" وہ آئینے کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ہر گزرتے لمحے پھیکا پڑ رہا تھا۔ نبیل نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"آپ کو یہ کامپلیکس کیوں ہے بھائی؟ اچھے خاصے ہیں آپ اچھا یہ بتائیں کیا بنا...... آپ آڈیشن کے لیے گئے تھے نا؟" نبیل نے صوفے پر بیٹھنے کے بعد سائیڈ پر دھرا میگزین اٹھا کر ورق گردانی شروع کی اور موضوع بدل دیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ آڈیشن نہیں ہوسکا۔ عین ٹائم پر ساحر صاحب کی مسز کی طبیعت خرابی کا فون آیا تو انہیں ادھر جانا پڑ گیا۔ یہ کام پھر التوا کا شکار ہوگیا۔" وہ یاسیت و مایوسی میں گھرا کہہ رہا تھا۔ نبیل نے اس کے بجھے ہوئے چہرے پر نگاہ کی پھر اس کا کاندھا زور سے تھپکا۔

"کم آن بھائی ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے۔" نبیل کا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا تو اسے اٹھنا پڑا۔ فراز وہیں کاؤچ پر سیدھا لیٹ گیا۔ (مجھے تو لگتا ہے میں زندگی بھر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکوں گا)

مایوسی اور ناامیدی نے اس کے اندر پنجے گاڑھنے شروع کیے۔ اس وقت وہ بھول گیا تھا ہر کوشش اور محنت کا صلہ ضرور ملا کرتا ہے۔ کوشش ومحنت عمل خیر کی ہو یا بد کی۔ اللہ ہمیں وہی دیتا ہے جو ہم اللہ سے مانگتے ہیں اور یہ ہدایت وتوبہ تو ایسی انمول اور خصوصی نعمتیں ہیں جو خدا بھی بنا مانگے عطا نہیں فرماتا۔ جو مانگے نا جو چاہ نہ کرے۔ ایسے ناقدروں کو یہ دولت کہاں مل پاتی ہے۔

❁......❁......❁

عباس حیدر نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ نگاہ بستر پر نیم دراز عریشہ پر جاکر ٹھہر گئی۔ گوکہ اس کی نارمل ڈلیوری تھی پھر بھی وہ جیسے ان چند گھنٹوں میں ہی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ زرد پڑتی رنگت آنکھوں تلے گہرے ہوتے حلقے، ریشمی بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ بھی وہ عباس حیدر کے لیے کل کائنات تھی۔

"کیسی طبیعت ہے عریشہ؟" عباس نے قریب آنے کے بعد بہت محبت سے کہتے اس کے بال سمیٹ کر سائیڈ پر کیے۔ عریشہ نقاہت بھرے انداز میں مسکرائی اس کا بڑھایا ہوا خوب صورت پھولوں کا گلدستہ آہستگی سے تھاما۔

"آپ نے بچوں کو دیکھا؟ اتنے چھوٹے ہیں دونوں کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کیسے اٹھاؤں گی انہیں۔" اس کی آنکھیں خوشی کے بے پایاں احساس سمیت جگمگا رہی تھیں۔ عباس نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔

"میں تو ابھی اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ جانتا ہوں وہ بہت فیسی ٹھیک ہے مگر دل کہاں بھرتا ہے اسے دیکھ کر۔" عباس کے لہجے میں محبت کا لودیتا احساس تھا۔ بے خودی تھی سرشاری تھی جتنی دیر عریشہ لیبر روم میں رہی تھی اس نے خود کو پل صراط پر محسوس کیا تھا خوف دھڑکا واہمہ وہ اسے کھونے سے ڈرتا تھا۔ اتنا وہمی ہو رہا تھا عریشہ کی خاطر کہ بچوں کی دنیا میں آمد کی خوشی باپ بن جانے کا الوہی احساس اس خوف کی چادر میں کہیں مدغم ہوگیا تھا مگر اب وہ ریلیکس تھا لیکن یہ خوشی عریشہ کی صحت یابی کی تھی بچوں کی جانب ابھی ابھی اس کا دھیان آیا تھا عریشہ کے کہنے پر اتنا ہی دیوانہ تھا وہ عریشہ کے لیے یہ لگاؤ، یہ محبت عجب سی جنون خیزی اور وحشت رکھتی تھی اپنے اندر کے اس کے آگے اسے کچھ اور بجھائی ہی نہ دیتا تھا۔ وہ اس محبت میں اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ ہر قسم کی قربانی باخوشی دے ڈالی تھی۔

عریشہ اس کے والہانہ پن پر تفاخر محسوس کرتی ہنس پڑی۔ پھر جیسے ٹھٹکی تھی۔

"دیکھیں نا بچوں کو...... بہت پیارے ہیں بالکل آپ جیسے۔" عباس اٹھا اور کاٹ کی سمت آگیا۔ دونوں برابر لیٹے کاٹ میں بچے گلابی کمبلوں میں لپٹے دنیا ومافیہا سے بے خبر میٹھی نیند سو رہے تھے۔ روئی کے گالوں جیسے ملائم اور بے حد معصوم وہ انہیں دیکھتا رہ گیا پھر جھک کر باری باری دونوں کو پیار کیا۔

"ہیں نا پیارے...... عباس ہمیں رحمت ونعمت اللہ نے ایک ساتھ عطا فرما دی۔" عریشہ کا مدھم لہجہ ممتا سے مغلوب تھا۔ عباس کی آنکھوں میں شرارت اترنے لگی۔

"مجھ پر رحم آیا ہے اللہ کو۔ اللہ جانتا تھا میری بیوی کو دوبارہ ایسا مشکل کام کرنا پسند نہیں۔" عباس نے اس کی پریگننسی کے دوران کی بےزاری کو نشانہ بنا کر اسے چھیڑا۔

"یہ تمہارے لیے ہے عریشہ اس خوب صورت تحفہ کے جواب میں ایک حقیر سا نذرانہ۔" عباس نے مخملیں دل شیپ کیس اس کی جانب بڑھایا۔ جسے عریشہ نے اشتیاق آمیز خوشی سے تھاما اور بڑی بے صبری سے کھولا۔ ہلکی سی کلک کی آواز ابھری۔ اگلے لمحے کیس کا ڈھکن یکدم اوپر اٹھ گیا اور عریشہ کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ کیس کے اندر سیاہ مخملیں کپڑے کے اوپر ایک نازک سا نیکلس شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ نیکلس کیا تھا پلاٹینم کی ایک زنجیر تھی جس پر ہر دو کڑیاں چھوڑ کر ننھے ننھے ہیرے لٹک رہے تھے۔ زنجیر کے عین وسط میں ہیرے کے بجائے ڈیڑھ انچ کی تین کڑیاں لٹک رہی تھیں۔ جن کے آخری سرے پر ایک ایک سفید موتی پرویا ہوا تھا عریشہ بالکل مبہوت ہو کر اس بیش قیمت جگمگاتے نیکلس کو دیکھ رہی تھی۔

"مائی گاڈ! اتنا پیارا۔" معا اس کے ہونٹوں سے ستائش پھوٹی اور عباس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"کون، نیکلس...... کہ دینے والا......؟" اس کا شوخ و شنگ انداز شرارت بھی سمیٹ لایا۔ عریشہ چونک سی گئی۔ عباس نے اس کی نظروں کا خود پر اٹھنا محسوس کیا اور اپنی شرارت کو طول دیا۔

"کیا فیصلہ کرنا مشکل ہے؟"

"ہرگز نہیں، یہ تو بہت آسان ہے۔" عریشہ نے کاندھے جھٹکے اور نیکلس کو اپنی گردن سے لگا کر دیکھنے لگی۔

"تو پھر بتاؤ نا؟" اب اشتیاق اور شوق کا سمندر عباس کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

"آف کورس نیکلس۔" اس نے شرارت بھرے انداز میں کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی جبکہ عباس نے مصنوعی خفگی کے ساتھ منہ لٹکا لیا تھا۔

"میں سمجھا تم مجھے کہوگی۔"

"اگر آپ یہ گفٹ کسی اور لڑکی کو دیتے تو لازماً یہی کہتی مگر میں آپ کی بیوی ہوں۔ خوامخواہ سر چڑھانا نہیں چاہتی حسن کی تعریف کرکے۔" وہ ناک چڑھا کر ازلی نخوت کا مظاہرہ کررہی تھی۔ عباس ٹھنڈا پڑا۔

"میں کسی اور کو کیوں دوں گا بھلا؟" عباس نے جیسے برا منایا۔

"کچھ پتا بھی نہیں ہوتا وقت کا اچھا یہ بتائیں یہ کیسا لگ رہا ہے؟"

"اگر تمہاری بجائے کوئی اور حسین لڑکی پہنتی تو زیادہ اچھا بھی لگ سکتا تھا مگر......!" عباس نے شریر انداز میں کہہ کر گویا بدلہ چکایا جبکہ عریشہ جھینپ کر اسے مکے مارنے لگی۔ عباس نے اس کی جھنجلاہٹ کو محسوس کرتے اسے تھام کر خود سے لگا کر محبت سے تھپکا۔

"ہمیشہ کے لیے نوٹ کرلو میری آنکھوں میں تم سے بڑھ کر خوب صورتی اور کہیں نہیں ہے اوکے؟"

"اوکے۔" عریشہ نے مسکرا کر آسودگی سے کہا اور اس کے کاندھے سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلی۔

❁......❁......❁

شام کا وقت تھا چائے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ ٹیرس کی گرین پالش کی ریلنگ پر دونوں ہاتھ جمائے اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ بے حد خوب صورت وسیع لان، پورچ کی طرف جاتی سرخ ٹائلوں کی روش جس کے ایک طرف باؤنڈری وال تھی اور دوسری جانب لان۔ لان کے ساتھ ہی مردان خانہ تھا۔ جس کا ایک دروازہ حویلی کی جانب جبکہ دوسرا باہر مرکزی پھاٹک کی طرف کھلتا تھا۔ بابا سائیں سے ملاقات کو آنے والے یہیں سے مردان خانے میں جایا کرتے۔ پھاٹک کے ساتھ الگ سے چھوٹا گیراج تھا۔ جس کے گول ستونوں سے سبز بیلیں لپٹی ہوئی تھیں جن سے گہرے آتشی پھول وقفے وقفے سے ٹوٹ کر گرتے تو یوں لگتا جیسے ہوا خوشی میں آنے والوں پر پھول نچھاور کررہی ہو۔ کچھ دیر قبل اس نے تایا سائیں اور وقاص کی لینڈ کروز کو یہاں آتے دیکھا تھا اور تب سے بے چین تھی۔ جو کچھ ہونے جارہا تھا وہ کم از کم اس کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں تھا۔ وقاص کی آنکھوں کی وحشیانہ خوفناک چمک نے اس کا چین وقرار چھین لیا تھا گوکہ اس نے لاریب کو دھمکی نہیں دی تھی۔ مگر ان نگاہوں کی عجیب سی تختی اور بے اعتنائی ہی جیسے از خود اپنے ارادوں کی غماز تھی۔ مسلسل سوچنے کے باعث اس کا دماغ شل ہونے لگا تھا کہ آخر امامہ کو اس انتقام میں بپھرے وحشی انسان سے کیسے بچائے۔ یہ بات وہ دعوے سے کہہ سکتی تھی کہ وقاص کو امامہ سے محبت نہیں ہوسکتی تھی اس فیصلے کے پیچھے محبت کا نہیں انتقام کا ہی جذبہ پرورش پاسکتا تھا۔

"بجو......!" امامہ کی مدھم آواز پر لاریب کے اضطرابی کیفیت میں اٹھتے پاؤں تھم گئے۔ اس نے گردن موڑ کر مضمحل نظروں سے امامہ کو دیکھا۔

"آپ پریشان ہیں بجو؟" سوال ایسا تھا کہ لاریب آہ بھر کے بھینچی نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی اپنی پریشانی کی وجہ۔

"آئی تھنک آپ وقاص کے پروپوزل کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں۔ مجھے اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنی تھی۔" امامہ کی اگلی بات نے لاریب کی جان مٹھی میں لے لی۔ اس نے خائف ہوتے ہوئے امامہ کو دیکھا۔ جس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ جیسے اپنی بات کہنے کو حوصلہ اور ہمت مجتمع کر رہی ہو اور ہمتیں تو لاریب کی بھی جواب دے گئی تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں بجو! مجھے وقاص پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آئی مین وہ اچھے لگتے ہیں مجھے۔" لاریب نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر و استعجاب کا رنگ بے حد گہرا تھا تو منہ غیر یقینی کے باعث ذرا سا کھل گیا۔ پہلے تو اسے یقین نہیں آسکا تھا پھر جیسے اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہوئے چٹخنے کے عمل سے گزرنے لگے۔ امامہ کے چہرے پر جو سرخی تھی وہ گھبراہٹ یا پریشانی کی نہیں حجاب کی لالی کا دل فریب رنگ تھا لاریب کی آنکھیں جلنے لگیں۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"بجو...... وقاص مجھ سے محبت کرتے ہیں اور...... اور مجھے لگتا ہے کہ میں بھی......!" لاریب کو لگا آن واحد میں کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔ وہ ساکن کھڑی اپنے سامنے موجود معصوم اور نوخیز نظر آتی امامہ کو تکتی اس کے چہرے کی شرمیلی مسکان کو فق چہرے کے ساتھ دیکھتی رہی۔

"وقاص محبت کرتا ہے تم سے یہ بات تمہیں کیسے پتا؟" آواز لاریب کے حلق میں پھنس کر نکلی۔ اسے لگا وہ ہاری تو تھی ہی مگر اب کہ وقاص کی اس گھناؤنی سازش کے باعث چاروں شانے چت گری ہے۔

"وقاص نے خود بتایا ہے مجھے ایک بار نہیں بار بار، بجو وہ کہہ رہے تھے ایمان باجو کے ساتھ اگر ان کی شادی ہو بھی جاتی مجبوری میں تب بھی وہ خوش نہیں رہ پاتے کیونکہ انہیں شروع سے میں پسند تھی۔" امامہ دھیمی مسکان کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ جھکی کانپتی پلکوں پر حجاب کا بوجھ دھرا تھا مگر لاریب کے قدموں تلے سے زمین کھسکتی جا رہی تھی۔ اس کا گلا خشک ہو کر اس کی شہ رگ کو بھینچنے لگا۔

"یہ بات اس نے کب کہی تم سے؟ کیا وہ ملنے آیا تھا تم سے مگر کب؟" امامہ کی پلکوں کی لرزش لاریب کی آواز میں اتر آئی۔ اس کی آنکھیں اس عجیب سی سچوئیشن پر بھیگنے لگیں۔ حالت ایسے سپاہی کی سی تھی جو میدان جنگ میں بغیر اسلحہ کے بیکسی کی حالت میں دشمن کے وار سہتا سسک کر مرنے کے قریب ہو۔

"جی انہوں نے کئی فون بھی کرتے ہیں مجھے اور کئی بار جب یہاں آئے تو میرے کمرے میں بھی مجھ سے مل کر جاتے تھے۔" امامہ نے گویا تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ لاریب بے جان ہوتی بے ساختہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے اطراف میں سرد ہواؤں کی شوریدہ سری تھی۔ ان ہواؤں کی سسکیوں کے ساتھ کوئی اور بھی ماتم کناں تھا۔ کون...... شاید اس کا دل، وقاص نے بہت مہارت سے اپنا داؤ کھیلا تھا۔ ناکامی کے سارے اسرار و رموز کو ذہن میں رکھ کر وہ ہارنے کو میدان میں اترا ہی نہ تھا۔ مگر اس کا مقصد لاریب سمجھنے سے قاصر تھی۔ آخر وہ ایسا کیوں چاہتا تھا؟

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا بجو؟" امامہ کو اس کی جانب سے تشویش ہوئی تو گھبرانے لگی۔ لاریب نے گہرا سانس بھرتے ہوئے لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور سر کو اثبات میں ہلایا۔

"ہاں...... مجھے کیا ہونا ہے؟" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

"بجو مجھے پتا چلا ہے آپ بابا جان کو فوری شادی سے منع کر رہی ہیں۔ مم...... میں یہی کہنا چاہ رہی تھی آپ سے پلیز ایسا مت کیجیے۔" امامہ نے قدرے جھجک کر کہا۔ لاریب نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ نہ بھی یہ بات کہتی تو اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی شکستہ تھی مگر وقاص حیدر کی یہ سازش تو جیسے اسے لے ڈوبی تھی۔ بالکل گھائل کر ڈالا تھا اسے۔

ہر طرف تاریکی تھی ہولناک سناٹا۔ امید کی ایک ننھی سی کرن بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مایوسی اور گھٹن ایسی کہ اس کا دل بے انت وحشتیں سمیٹ لایا تھا اور کچھ نہیں سوجھا تو ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ امامہ جا چکی تھی۔ وہ اپنے دکھوں، واہموں، خدشات اور ناامیدی کے احساسات کے ہمراہ تنہا تھی۔ بالکل اکیلی......!!

(جاری ہے)

اس نے دانستہ غلط بیانی کرتے ہوئے بہت آگے کا معاملہ ظاہر کیا مگر پاپا پر جیسے کوئی اثر دکھائی نہیں دیا۔

"ایڈوانس واپس کردو۔ پیسے کی یہاں کوئی کمی نہیں ہے جتنا وہاں سے لیا ہے اس سے دوگنا میں دے دوں گا تمہیں۔" ان کی بے نیازی اور شاہانہ پن قابل دید تھا۔ فراز پر البتہ جھلاہٹ غلبہ پانے لگا تھا۔

"واٹ..... واپس کردوں؟ پاپا آپ کو اندازہ نہیں ساحر اور اس کے کام کی ویلیو کا' لوگ رشک کررہے ہیں میری قسمت پر۔ لاکھوں امیدوار تھے اس چانس کے مگر کامیابی میرا نصیب بنی ہے اور آپ....."

"مجھے زیادہ باتیں نہ سناؤ فراز! اہمیت اس چیز کی ہوتی ہے جسے ہم خاص سمجھیں۔ میرے نزدیک اس کام کی کوئی اوقات نہیں پہلی فرصت میں انکار کردو اسے۔" اب کے ان کا لہجہ سرد ہی نہیں تھا بلکہ تلخی درشتی بھی لیے ہوئے تھا۔ فراز نے ہونٹ سختی سے بھینچ کر اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھا پھر اسی ٹھہرے ہوئے مگر قطعی لہجے میں بولا۔

"آپ کے نزدیک میری خواہش سے زیادہ اہم تاؤ جی کی ناراضی ہے۔ کیوں ڈرتے ہیں آپ ان سے اتنا اور ان کی ہر جائز ناجائز مانتے ہیں میں نہیں جانتا مگر پاپا میں بتادوں آپ کو میں ان کی خاطر اپنے کیریئر کی قربانی نہیں دے سکتا۔ اب مرضی ہے آپ کی کہ آپ مجھے اس نافرمانی کے بعد گھر میں رکھتے ہیں یا نہیں۔" فراز نے اپنی بات مکمل کی اور کمرے سے نکل گیا۔ پاپا کے ساتھ مما بھی بھونچکی بیٹھی رہ گئیں تھیں۔ ان کی خائف ہوتی نظریں شوہر سے ٹکرائیں جو بے حد عجیب انداز میں انہیں دیکھ رہے تھے وہ کچھ اور گڑبڑائیں کہ پاپا اس صدماتی کیفیت سے نکل کر ان پر برس پڑے۔ ان کا خیال تھا یہ انہی کی کوتاہی ہے۔ ان کے ایسا کچھ غلط بھی نہیں تھا وہ خود بھی اس کوتاہی سے خارج نہیں تھے۔ بچوں کو صرف مہنگے اسکولوں میں پڑھانے سے ہی تربیت کا حق ادا نہیں ہوجاتا' بچوں کو ان کی بے ہودگیوں اور ہر صحیح غلط بات کو بے دھڑکی سے منہ پر کہہ دینے کی عادت پر یہ کہنا ذہانت اور خود اعتمادی ہے ان کے ساتھ ہی نہیں معاشرے اور ملک کے ساتھ بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔

"اس کے تیور دیکھ کر ہی بھائی صاحب سب سے زیادہ فکر مند ہیں انہیں اس میں سرکشی کا احساس پوشیدہ نظر آتا ہے۔ اس روز شرجیل والے معاملے پر دیکھا کیسے بولا تھا۔ اسے کہنا کرلے اپنی مرضی' مگر ثابت یہ کرنا ہے جیسے تم نے مجھے بڑی مشکلوں سے منت سماجت کرکے منایا ہے۔" اگلی شب پاپا نے مما سے کہا تو وہ قدرے مطمئن ہوئی اور سگریٹ سلگا کر کش لیتے پاپا یہ سوچ رہے تھے آخر بھائی صاحب کو فراز میں ایسے کیا جن بھوت نظر آتے ہیں جن سے وہ خائف ہوکر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں یہ سچ تھا اگر تاؤ جی نہ کہتے تو وہ کبھی فراز کو فلموں میں کام کرنے کی اجازت نہ دیتے۔

❀.......❀.......❀

اس نے اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کیا اور آگے بڑھ کر زینب کے کمرے کے دروازے کو آہستگی سے ناک کیا۔

"آجاؤ نندنی۔" زینب کی مدھم آواز سن کر اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ زینب کہیں جانے کو تیار ہورہی تھی۔

"آپ کو کیسے پتہ میں ہی ہوں؟" نندنی اس کا صبیح چہرہ تکنے لگی۔ جس پر ایک مستقل حزن بسیرا کرچکا تھا۔ اس سوال پر وہ رواداری سے مسکرادی۔

"میں تمہاری دستک پہچانتی ہوں۔ بیٹھو نا۔" زینب کی مدھر مسکان اور مدھم آواز سب میں یاسیت کا رنگ آبسا تھا۔ عثمان خان نے اس سے بچھڑ کر شاید ہمیشہ کے لیے اسے ادھورا کردیا تھا۔

"شاید آپ کہیں جارہی ہیں زینب؟" نندنی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت وہ گلابی لمبی فراک میں ملبوس تھی۔ یہ لباس جو اس کے پیروں کو چھو رہا تھا' بہت اسٹائلش تھا۔ اس کے دامن پر گلابی دمکتا ہوا کام تھا' جس کی جگمگاہٹ اس کے صبیح اجلے چہرے کو انوکھی تابنا کی عطا کررہی تھی۔

"ہاں میں آج سے مدرسہ جوائن کررہی ہوں نندنی! یہ مدرسہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں میں آج سے قرآن پاک کی تعلیم دیا کروں گی۔ تمہیں مجھ سے کچھ کام تھا۔" اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے زینب کچھ خیال آنے پر جیسے چونک کر بولی۔ نندنی نے بے خیالی میں سر کو نفی میں ہلایا۔ حالانکہ حسن نے اسے بتایا تھا کہ آج وہ اسے ساحر سے ملواسکتا ہے۔ ایک کنسرٹ میں عباس کو بھی انٹری دینی تھی۔ حسن وہیں اسے لے کر جارہا تھا اس کی ساحر کے متعلق دلچسپی دیکھتے ہوئے وہ تیار ہوا تھا' بلکہ نندنی نے اس سے ملنے کی فرمائش خود کی تھی' حسن سے مگر نندنی اکیلی حسن کے ساتھ جانے پر متامل تھی۔ اس کی خواہش تھی

زینب بھی ساتھ چلے اس کے۔

"آپ ڈاکٹر ہیں زینب کلینک جوائن کرنے کی بجائے آپ نے مدرسہ میں جوائننگ کرلی' کیوں؟ میرا نہیں خیال کہ یہاں سے اتنی سیلری ملے کہ آپ......" اس نے اچنبھے سے کہتے بات ادھوری چھوڑ دی۔ زینب رواداری سے مسکرائی۔

"بلاشبہ مسیحائی بھی بہترین شعبہ ہے نندنی اور اس میں پیسہ بھی بہت ہے مگر قرآن پاک کی تعلیم دینا اور علم کو سکھانا سب سے بہترین عمل ہے۔ میں اس کام کو فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہوں' اس کا اجر اللہ ہی بہتر دینے والا ہے۔ تم چلنا کبھی میرے ساتھ' میں دکھاؤں گی تمہیں وہ جگہ۔" نندنی نے کاندھے اچکائے پھر اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"مجھے آپ کی یہ باتیں کچھ اتنی سمجھ میں نہیں آتی' میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ ساحر سے ملنے کا چانس مل گیا ہے۔ پلیز پرے فار می' ابھی میں حسن کے ساتھ جانے ہی والی ہوں۔" وہ ایکسائیٹڈ ہوتے زینب کے ایکدم گلے لگ گئی۔ زینب نے محسوس کیا وہ دھیرے دھیرے کانپ رہی ہے۔ جبھی اس نے نرمی اور آہستگی سے اسے تھپکا تھا۔

"بیسٹ آف لک' اللہ کرے جو بھی ہو ہر لحاظ سے تمہارے حق میں بہترین ثابت ہو۔ مجھے بھی خوشی ہے کہ تمہیں تمہاری تلاش کا حاصل مل رہا ہے...... گڈ لک۔" نندنی کا دل گداز ہوتا چلا گیا۔ اس سے الگ ہو کر اس نے آہستگی سے آنکھیں پونچھیں اور سر جھکا لیا۔ انداز میں اتنی دلگیری اس درجہ یاسیت تھی کہ زینب کا دل دھک سے رہ گیا۔

"زینب' میں اسے پاکر کھو دینے کے خوف سے ہراساں ہوں' اگر اس تلاش کا حاصل نارسائی پر ہوا تو......"

"تم اچھا بھی تو سوچ سکتی ہو نندنی۔" زینب نے اس کا گال تھپکا' وہ مضمحل سا مسکرائی۔ (اچھا سوچنے کی ساری ہمتیں ہی سلب ہوگئی ہیں زینب! میں بہت دیر کر چکی ہوں۔ وہ شادی شدہ ہی نہیں دو بچوں کا بھی باپ ہے۔ یہ ایسی حقیقت منکشف ہوئی ہے' جس نے جسم میں ببول اگا دیئے ہیں۔ لیکن میں پھر بھی قسمت آزمانا چاہتی ہوں تو اس کی وجہ وہ بے بسی ہی ہوسکتی ہے جو ہجر و نارسائی کی صورت مجھے سہنا پڑے گی۔ اسی سے خائف ہوں' سب سے زیادہ) دروازے پر ہونے والی دستک پر نندنی اپنی سوچوں سے چونکی' زینب کی پرتشویش نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں' البتہ کریدنے اور اصرار کرنے کی اسے عادت نہیں تھی' اتنی ہی روادار اور باوقار تھی وہ۔ دروازہ کھول کر حسن اندر آیا اور دانستہ کھنکارا' یہ بھی متوجہ کرنے کا ہی ایک انداز تھا۔ نندنی سنبھل کر کھڑی ہوئی' حسن کی جو محتاط نگاہ اس پر اٹھی وہ ٹھٹکی ہی نہیں مبہوت بھی رہ گئی۔ اتنی ہی دلکشی اور سحر انگیزی اتر آئی تھی اس پہلی بار اس کے سراپا میں۔

"آیئے ورنہ پھر ہمیں دیر ہو جائے گی۔" زینب نے بھائی کو تنبیہی انداز کا غیر محسوس ٹہوکا دیا تھا۔ وہ زور سے گڑبڑایا اور فی الفور خود کو سنبھالا' نندنی متوجہ نہیں تھی۔ اپنا بیگ لے کر اٹھی تھی۔ زینب نے حسن کو نظروں میں ہی شائستگی اور تہذیب کا پیغام پہنچایا تھا۔

"آئی وش آپ بھی چلتیں میرے ساتھ۔" نندنی بیگ کی زپ بند کر کے سیدھی ہوئی اور گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا' زینب نے اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا اور کہا۔

"میں ایسی جگہوں پر نہیں جاتی نندنی! مائنڈ مت کرنا پلیز اوکے؟"

"جی میں سمجھ سکتی ہوں' اٹس اوکے۔" نندنی نے جیسے سمجھ کر سر کو اثبات میں ہلایا اور اپنی منزل کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ منزل جس کا اختتام ایک ہی مقام پر ہونا تھا' لیکن یہ بات ان دونوں کو معلوم نہیں تھی کہ کس نے اپنا راستہ اور اپنا مقصد چھوڑنا تھا تو ایک منزل ایک مقام پر اکٹھا ہونا تھا۔

❀......❀......❀
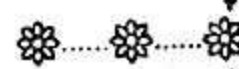
راہی رلاں' ماہی ماہی کراں
تیرے ہجر دی میں سولی چڑھاں
دل نال غماں دے لا کے میں اپنی ہوش بھلا کے
......وچ رب نوں وسا کے
میں رانجھن لبدی پھراں
میں رانجھن لبدی پھراں

اسٹیج پر گلیمرس کی بھرپور عکاس حدیقہ کیانی اپنے مخصوص سٹائل میں نغمہ سرا تھی' کنسرٹ میں کچھ بھی انوکھا یا نیا پن نہیں تھا' نندنی کے لیے وہ ایسے شوز ٹی وی کے علاوہ لائیو بھی دیکھ چکی تھی لیکن یہاں کا اصل تھرل ساحر کی ذات تھی۔ رنگ برنگ تیز روشنیاں اور اسٹیج کا بے حد روشن ماحول' کیمروں کی فلش لائٹس میں نندنی اپنی بے چینی چھپائے بار بار رسٹ واچ کو دیکھتی پہلو بدل رہی تھی۔ اتنا انتظار کیا تھا اب یہ معمولی وقت کاٹنا بے حد دشوار لگ رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ جیسے اک صدی پر بھاری پڑنے لگا۔ تقریب کے اختتام پر ایوارڈز کی تقریب ہونا تھی۔ ساحر بھی ایوارڈ کی تقسیم کے سلسلے میں بلوایا گیا تھا۔ مہمان خصوصی کے طور پر' پھر بالآخر یہ انتظار اپنے اختتام پر پہنچا اور اناؤنسر اس کی آمد کا اعلان بے حد خوب صورت الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اسٹیج پر آنے کی دعوت دینے لگی' پورے پنڈال میں یکلخت خوشگوار شور مچ گیا' سریلی چیخیں اور وسلنگ' نندنی کا دل اس کے سینے میں اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ بآسانی اس کی دھک دھک سن سکتی تھی۔ وہ جو دل میں بستا تھا' جو ہر جگہ محسوس ہوتا تھا مگر ایک گمان' ایک دھوکہ' لیکن اب حقیقت کا روپ دھارے روبرو آیا تھا اس کی ساری صلاحیتیں ہی جیسے بے کار ہو چلی تھیں۔ اس کے گرد مچنے والا شور کچھ مزید بڑھ گیا۔ ہر ہاتھ میں موجود سیل فون کے کیمرے آن ہو چکے تھے اور ساحر کا ہر ہر اینگل محفوظ کیا جارہا تھا۔ مرد شان دار ہو' اس پر بے نیاز اور باوقار بھی تو کم عمر لڑکیوں کے لیے چارمنگ ثابت ہوسکتا ہے۔ سیاہ رنگ جیسے بنا ہی اس کے لیے تھا' نندنی نے اس کلر کو اس سے قبل کسی پر اتنا جچتا ہوا نہیں دیکھا تھا' وہ گنگ ہی نہیں مبہوت بھی تھی۔ ساحر کی دلکش آنکھوں میں بے پناہ کشش تھی' جکڑتی ہوئی' سحر طاری کرتی ہوئی' اصل وقت اصل ستم ٹوٹا تھا جب وہ اناؤنسر کی کسی بات پر مسکرایا تھا' گویا بجلی کا کوئی کوندا تھا جو لپکا تھا اور ہر سمت روشنیاں بکھرتی چلی گئیں' نندنی ساکن تھی اور سحر زدہ' حسن نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر جیسے اسے متوجہ کرنے کو کھنکارا۔

"ساحر کو دیکھ کر لوگ یونہی مبہوت ہو جاتے ہیں' یہ ان کا فلمی نام ہے' بالکل ان کی شخصیت کے لحاظ سے پرفیکٹ' لیکن آپ بھی اتنی سحر زدہ ہو جائیں گی مجھے یقین نہیں تھا۔" وہ مسکرا رہا تھا' نندنی نے جیسے سنا نہیں' تب حسن کو کچھ اور کہنے کی خواہش ہوئی دراصل وہ اس کی توجہ چاہ رہا تھا۔

"آپ آٹوگراف تو لیں گی نا ان سے؟" بات ایسی تھی کہ نندنی کی توجہ حاصل ہوگئی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اب آٹوگراف لینے والے اس کے فینز نے اسے اس طرح گھیرا تھا کہ اس کی ایک جھلک بھی دیکھنا ممکن نہیں رہی تھی' حسن کی بات پہ وہ کچھ متذبذب ہونے لگی۔

"مگر یہاں بہت رش ہے اور میرے پاس آٹوگراف بک بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔ حسن کی اٹھتی مسکراہٹ بہت بے ساختہ اور شریر تھی۔

"آٹوگراف بک پر شاید آٹوگراف نہیں لیا جاتا اور رش سے آپ پریشان نہ ہوں' ہم ویٹ کرلیتے ہیں' آیئے پلیز۔" وہ اٹھا تو نندنی نے اس کی تقلید کی۔ کرسیوں کے بیچ میں سے جو اکثریت خالی ہو چکی تھیں' راستہ بناتے دونوں آگے پیچھے چلتے اسٹیج پر پہنچے تھے۔ جہاں دھکم پیل جاری تھی۔ نندنی گھبرا کر وہیں تھم گئی۔ عباس سے ملنے کی خواہش جتنی بھی شدید تھی مگر اس کا گریز اسے نوجوان لڑکوں کے بیچ گھس جانے پر آمادہ نہیں کرسکا۔

"ہم یہیں ویٹ کرلیتے ہیں۔" وہ ہچکچائی۔

اس سے قبل کہ حسن جواب میں کچھ کہتا' ساحر کو گھیرے کھڑے مجمع میں یکدم ہلچل سی مچ گئی۔ گھیرا ٹوٹا اور مجمع منتشر ہوتا چلا گیا۔ نندنی کی نظریں حیرانی کے عالم میں اٹھی تھیں مگر یکدم ہی ساری حسیات سمیٹ لائیں۔ وہ دور سے دیکھنے میں جتنا حسین اور خوبرو لگتا تھا نزدیک کی یہ جلوہ گری تو جیسے قیامت تھی۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکی۔ پلکیں نیم وا آنکھوں کے ساتھ سکتہ زدہ تھیں۔ عباس مجمع کو چیرتا تیزی سے باہر آرہا تھا۔ سیل فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا اور چہرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

"ڈونٹ وری عریشہ' میں بس پہنچ رہا ہوں' اوکے۔" نندنی نے جا بجا دیدہ سا کن کھڑے اس کی بے حد بھاری اور دلکش مگر معتدل آواز سنی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے لپکے رہے تھے مگر وہ نظر انداز کیے اسٹیج سے اترنے کو سیڑھیوں کی جانب آیا' مگر اسٹیج سے نیچے قدم رکھتے ہی وہ یکدم ٹھٹکا تھا' نندنی اس سے کچھ فاصلے پر ہی سنگی مجسمے کی مانند ساکن مگر بلا کی دلربائی' اٹریکشن اور طلسماتی کشش سمیٹے اپنے قیامت خیز حسن سے بے خبر کھڑی اس میں مگن تھی۔ عباس نگاہ نہیں ہٹا سکا' وہ چاندنی میں نہائی ہوئی کوئی اپسرا تھی' عباس کو اپنی نگاہوں کی بے اختیاری پر اختیار نہیں رہا تھا۔ عباس کا ٹھٹکنا اور پھر رکنا بھلا کس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا تھا۔ وہ ہر نگاہ کا مرکز تھا پھر اس کی نگاہ کا جو مرکز ٹھہری تھی' وہ کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ نندنی بھی اس مسمرائز کیفیت سے اگر نکلی تھی تو وہ عباس کی دل دھڑکا دینے والی توجہ اور پیش قدمی تھی۔ یہ صورت حال جتنی حیران کن تھی اس سے کہیں زیادہ گھبراہٹ و غیر یقینی میں مبتلا کر دینے والی۔

وہ اپنے طور پر ساحر کو مخاطب کرنے کے متوجہ کرنے کے لاکھوں طریقے سوچ چکی تھی۔ کہاں گمان تھا وہ بھی اسے دیکھ کر عام لوگوں جیسا ہی ری ایکشن دے گا۔ وہ غیر یقینی اور حیرانی کے باعث ہی اب گنگ ہو رہی تھی۔ ساحر نے نپے تلے چند قدم اٹھائے اور اس کے روبرو آکر از خود اسے مخاطب کیا اور مسکرایا' غیر

یقینی سی غیر یقینی تھی۔ نندنی اس کی بات کیا سمجھتی، اس پر تو جیسے مارے خوشی کے غشی طاری ہونے لگی تھی۔ اس درجہ عزت افزائی و پذیرائی کا اس نے خوابوں میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔

"ہائے...... آئی ایم ساحر...... ہاؤ آر یو؟" وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ نندنی کو اپنی خوش بختی کا یقین نہیں آسکا۔ اسے یقین ہوا یہ کوئی خواب ہے جو بس ٹوٹنے والا ہے، وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ ایسا بھلا کہاں ممکن تھا، وہ اتنی خوش بخت بھی بھلا؟ اس کے وجود میں ہر سو سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔

"اس وقت میں کچھ جلدی میں ہوں۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیں، میں آپ سے کانٹیکٹ کرلوں گا...... اوکے؟" عباس اس کی کیفیت اور اندرونی خلفشار سے بے خبر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھا چکا تھا۔ کریم خوب صورت چکنے کارڈ پر چمکیلے الفاظ میں ساحر کا نام اور فون نمبر درج تھا۔ آس پاس موجود کتنی نگاہوں میں نندنی کے لیے رشک و حسد تھا۔ جبکہ نندنی وہ تو جیسے ہنوز سکتہ زدہ تھی۔ اس خوش بختی کا ہی تو یقین نہیں آرہا تھا اسے کہ اک عمر وہ ہجر کے صحراؤں میں آبلہ پا بھٹکتی ہوئی صرف نامرادی و مایوسی سے نبرد آزما رہی تھی۔ عباس نے اس سے جواباً اس کا کانٹیکٹ نمبر مانگا۔ شاید وہ کسی بھی صورت اسے گنوانے کا تصور نہیں رکھتا تھا۔ نندنی کے دل میں کتنے دلکش خیال کا احساس ابھرا مگر آنکھوں میں ہنوز تحیر و استعجاب تھا۔ تب حسن نے بوکھلاتے ہوئے سہی مگر خود اسے نندنی کا نمبر نوٹ کرایا اور کارڈ بہت احترام آمیز انداز میں اس سے لیا۔ عباس نے مسکرا کر اسے وش کیا اور پلٹ کر چلا گیا۔ تب نندنی پر چھایا یہ غیر یقینی و حیرت کا سکوت بھی چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"آپ ساحر صاحب کی مداح ہیں میں جانتا تھا، مگر آپ ان کے سامنے اتنی کنفیوژ ہوجائیں گی مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا۔ لوگ تو باقاعدہ رشک کررہے تھے آپ پر۔" جس وقت حسن نے گاڑی اسٹارٹ کی اسے سر جھکائے اسی کیفیت میں پاکر مسکرا کر گفتگو کا آغاز کیا۔ نندنی کچھ نہیں بولی، اس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری مگر مجھے سمجھ نہیں آرہی اگر آپ ساحر صاحب کو اتنا پسند کرتی تھیں تو ان سے آپ نے بات کیوں نہیں کی۔ بجائے خوش ہونے کے آپ مجھے اداس لگ رہی ہیں۔" حسن اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ لانبی مگر جھکی پلکوں والی یہ لڑکی اتنی اٹریکشن رکھتی تھی اپنے اندر کہ وہ اسے نظر انداز کر ہی نہیں سکا تھا۔ نندنی کا دل بھر آیا، وہ خود اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھی۔ بجائے خوش ہونے کے وہ یاسیت کے سمند[ر] کیوں ڈوبتی جارہی تھی۔ پھر ساحر کا رویہ حوصلہ افزا بات تھی

(وہ مجھ سے پہلے کسی اور کا ہوچکا ہے، ہار کوئی معمولی نہیں ہے، یہ خیال کہ وہ کسی اور کا ہے جنون کی سرحدوں سے آگے کا مقام ہے، میں پاگل ہوتی رہی تھی اس رات جب یہ انکشاف ہوا اس خوشی پر یہی نقصان اپنا غلبہ جمارہا ہے پوری طرح کیسے خوش ہوجاؤں۔)

اس کے آنسو دل پر گرنے لگے۔ معاً کسی نئی سوچ نے ملول ہوتا ذہن اجالے سے بھرنا شروع کیا۔ (مجھے لگتا ہے میرے غیر معمولی حسن سے انسپائر ہوچکا ہے۔ کیا وہ مجھ پہلی سے دوسری ملاقات میں شادی کی آفر کرے گا؟)

اس نے قیاس کیا اور دل اتنی تیزی سے دھڑک اٹھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

"مجھے اسے یہ بتانا ہی نہیں چاہیے کہ میں نان مسلم ہوں میں زینب سے کہتی ہوں، مجھے پہلی فرصت میں مسلم بنادے۔" اس نے خوشگوار انداز میں دھڑکتے دل کے ساتھ گمانی کی انتہا پر جاکر سوچا تھا۔ حسن نے حیرت بھرے انداز سے اس لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ کچھ لمحوں قبل سے مختلف کیفیات آشکار کررہا تھا۔ اب آنکھوں و چہرے پر بیک وقت اتنی رونق کہ اس کی خوب صورتی دوآتشہ ہونے لگی تھی۔

"وہ...... کارڈ دے دیں مجھے حسن صاحب!" گاڑی کے سامنے آ کر رکی تو نندنی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مطالبہ کیا۔ حسن نے بنا کچھ کہے کوٹ کی جیب سے کارڈ نکال کر اسے دیا۔ نندنی نے کارڈ تھام لیا۔

"میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں زینب! مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا؟" اس شام وہ بہت بے چینی سے زینب کی منتظر تھی۔ اسے روبرو پاتے ہی جس طرح چھوٹتے مدعا بیان کیا نے زینب کو تحیر میں مبتلا کرڈالا تھا۔

"اتنا اچانک اور عجلت میں فیصلہ کیوں کیا تم نے؟" زینب کی حیرت تمام نہیں ہوئی تھی۔

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے شاید ہی اس سے قبل کسی نے اسلام قبول کیا ہو۔" نندنی نے بات اڑانا چاہی مگر سنجیدگی ہنوز تھی۔

"اسلام ایسا مذہب نہیں ہے نندنی کہ اسے بنا سوچے اختیار کرلیا جائے، اس سے متاثر ہوکر اسے سمجھ کر قبول کرنا سعادت ہے۔ یہ قبولیت ذہنی و قلبی یکسانی ہونی [چاہیے]۔"

وہ چونکی پھر اسے بغور تکنے لگی۔

"کہیں تم اس لڑکے...... کیا نام ہے اس کا؟ اس کی وجہ سے تو ایسا نہیں کررہیں؟ مسلم ہے نا وہ، ملا تھا آج تمہیں؟" زینب کے سوالوں نے نندنی کو نظریں چرانے پر مجبور کرڈالا۔

"وہ ملا ہے زینب! صرف ملا نہیں مجھے لگ رہا ہے وہ انٹرسٹڈ ہے مجھ میں۔ بے حد حیرت انگیز مگر حقیقتاً وہ مجھے دیکھ کر کیسے چونکا پھر خود سے پاس آیا مجھ سے بات کی زینب! مجھے لگتا ہے محبت کی وہ آگ جو مجھے سالہا سال تک جھلساتی رہی ہے اس کا اثر کچھ نہ کچھ اس پر بھی ہوا ہے۔ ورنہ سوچو یہ ممکن تھا کہ وہ ایسا حیران کن رویہ اپناتا۔ میں بہت خوش ہوں زینب! بہت زیادہ۔ دیکھو اس نے اپنا وزٹنگ کارڈ مجھے دیا ہے۔ صرف یہی نہیں، مجھ سے میرا کانٹیکٹ نمبر بھی لیا یعنی وہ مجھے کسی طرح بھی کھونا نہیں چاہتا ہوگا۔ یہ تو اس کی آنکھوں میں میرے لیے کتنی ستائش تھی۔ میں حیران ہوں بلکہ اپنی خوش بختی پر جی بھر کے نازاں۔ وہ مجھ سے جلد ملنا چاہتا ہے آئی ایم شیور وہ مجھے پرپوز کرے گا شادی کے لیے میرا مسلم ہونا تو ضروری ہے نا۔" اس کی آواز میں ایک ترنگ ایک چہکار امڈ آئی تھی۔ یہ وہ نندنی نہ تھی جس سے زینب شناسا تھی یہ تو ایک خوش باش خوش فہم اور زندگی کے تمام حسین رنگوں سے آگاہ کوئی لڑکی تھی۔ جسے اتنی خوشی ملی تھی کہ وہ اس خوشی کی خاطر سب کچھ قربان کردینے پر کمربستہ تھی۔ زینب نے گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کیا پھر عبایا اتار کر رکھنے لگی۔ اس دوران عبداللہ بھی زینب کی امی کے ہمراہ وہاں آگیا تھا۔ زینب کی امی زینب سے کچھ دیر عبداللہ اور مدرسہ میں پہلے دن کی مصروفیات کے متعلق گفتگو کرتی رہی تھیں پھر زینب کے لیے کھانے کا انتظام کرنے چلی گئیں۔ تب زینب عبداللہ کو گود میں لیے اس کے روبرو آ بیٹھی جو اس کی توجہ کے لیے خاصی بے قرار نظر آتی تھی۔

"میں سمجھتی ہوں نندنی ایسے اہم اور بے حد خاص فیصلے جذبات اور عجلت کے مظہر نہیں ہونے چاہئیں۔ تم اس سے مل لو، دیکھو تو سہی اس کا مقصد کیا ہے پھر کوئی اگلا فیصلہ کرنا۔ مذہب کوئی لباس نہیں ہوتا جسے بار بار بدلا جائے۔ یہ انسان کی جذباتی اور قلبی وابستگی کا نام ہے۔ پہچان کا ذریعہ ہی نہیں جسم و روح کی تسلی اور ہم آہنگی اور سکون کے ساتھ بالیدگی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ تمہیں اگر اسلام پسند ہے تو بہتر ہے پہلے تم اسلام کو جانو، مطالعہ کرو پھر قبول کرو لیکن کسی شے کے حصول کے لیے اختیار نہ کرنا۔" زینب کا ملائم لہجہ نندنی کو جھنجلاہٹ اور غصے سے دوچار کرنے لگا۔ اسے لگا زینب اس کی پہلی کامیابی کی راہ میں روڑے اٹکانے کا باعث بن رہی ہے۔

"آپ کو آخر اعتراض کیوں ہے زینب؟ عجیب بات ہے یہ بجائے خوش ہونے کے آپ منع کررہی ہیں مجھے۔" زینب نے ایک نگاہ اس کے خفگی چھلکاتے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی اور نرمی سے مسکرائی۔

"اس لیے کہ تم اسلام کو اللہ کے لیے نہیں، اللہ کی محبت میں نہیں، ایک فانی انسان کے حصول، اس کی محبت کی خاطر اختیار کررہی ہو۔ نندنی میں نے کہا نا اسلام کو اختیار کرنے اور اسے قبول کرنے میں بہت واضح اور بنیادی فرق ہے۔ اختیار کرنا کسی چیز کو اپنا لینے کا نام ہے۔ اپنانا تو زبردستی اور جبر میں بھی آجاتا ہے۔ جبکہ قبولیت جسمانی و ذہنی اور قلبی تسلیم و رضا کے احساس کا نام ہے۔ یہ کام خالصتاً اللہ کے لیے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کی محبت میں اور جب کوئی کام اللہ کی محبت کے بغیر ہو تو وہ بوجھ کی طرح ناگوار اور بے زار کن بھی لگنے لگتا ہے، بوجھ ہمیشہ نہیں سہا جاسکتا، میں نہیں چاہتی تم مذہب اسلام کو بوجھ سمجھو یا اس سے ناگواری محسوس کرو، جلدی کا ہے کی ہے؟ تم وقت کا انتظار تو کرو، اگر اللہ تمہیں اس راستے پر چلانا چاہتا ہے تو اس نے اپنا لائحہ عمل بھی ترتیب دیا ہوگا۔" زینب نے کہا۔

نندنی نے اب کے جواب نہیں دیا۔ اس کے خوب صورت چہرے میں ایک کھنچاؤ سا آگیا تھا، یہاں اس مقام پر ڈالی گئی رکاوٹ نے اسے بدگمان کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی، اسے لگا زینب کو اس کا ساحر سے ملنا، ساحر کا اسے یوں اہمیت دینا اچھا نہیں لگا۔ یقیناً وہ اس کی خوشیوں سے جیلس ہوگئی تھی۔

"اوکے، ایز یو وش، میں ساحر سے مل لوں پھر ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔ شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" وہ یکدم کتنی روڈ ہوگئی تھی۔ اس نے بے تاثر لہجے میں کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ زینب کچھ متحیر ہوکر ہلتے پردے کو تکتی رہ گئی۔ نندنی کی بدگمانی کا تو اسے اندازہ نہیں ہوسکا تھا البتہ نندنی کی یہ رکھائی اسے محسوس ہوئی تھی مگر اس نے اس بات کو اعصاب پر سوار نہیں کیا۔ اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لی تھی کہ وہ نندنی کو پھر سے قائل کرے گی، بلکہ اسلام کے متعلق کچھ کتابیں دے گی، شاید نہیں یقیناً اسے یہ فیصلہ دل سے کرنے کے ساتھ دماغ سے بھی قبول کرنے میں مدد ملے گی۔ اسے یقین تھا سو وہ مطمئن تھی۔

❁ ❁ ❁

"تم بھی ساتھ چلو نا امامہ! اپنی پسند سے لینا جو لینا ہوگا۔"

لاریب شکل سے ہی بےزار لگ رہی تھی کتنے دن بیتے تھے شادی کی تاریخ طے ہوئے اس کے اندر سسکتی ہوئی زندگی کا احساس تھک کر نڈھال ہو رہا تھا کوئی بھی غم کہاں تک منایا جا سکتا ہے بہتے آنسو آنکھوں کو اور دل درد سہتے روح کو بلاآخر ویران کر ہی دیا کرتا ہے۔ اس پر بھی عجیب سی ویرانی وسناٹے کا راج تھا۔ نہ ماں تھی نہ بڑی بہن اب ہر جگہ کو لاریب کے وجود نے پر کرنا تھا سو اس نے چپ چاپ یہ ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھالی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس نے کالج سے چھٹیاں لی ہوئی تھیں اور روز کبھی بابا جان کے ساتھ تو کبھی امامہ کے ساتھ شاپنگ پر جا رہی تھی مگر آج بابا سائیں کے ساتھ امامہ نے بھی انکار کیا تو لاریب گڑبڑانے لگی بابا سائیں کی تو طبیعت بہتر نہ تھی البتہ امامہ کو قائل کیا جا سکتا تھا سکندر کے آج کل جو تیور تھے ان میں تنہائی بہت خطرناک ہو سکتی تھی۔ بابا سائیں یا پھر امامہ کی موجودگی میں وہ شرافت کے جامے میں تو رہتا تھا کالج بھی وہ پچھلے ایک مہینے سے سکندر کی بجائے ڈرائیور کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس میں سکندر کی بے پناہ مصروفیات نہیں لاریب کی کوششوں کا عمل دخل تھا۔ وہ بے حد محتاط تھی اور سکندر کے سائے سے بھی بدکنے لگی تھی۔ اس رات کی سکندر کی باتیں اس کی حرکات وسکنات کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ وہ جب بھی سوچتی تفکر اور گھبراہٹ چھانے لگتی۔

"بہت تھک جاتی ہوں بجو! پلیز مجھے نہ لے کر جائیں مجھے آپ کی پسند پر بھروسہ ہے۔" اس کے اصرار کے جواب میں امامہ کی معصومیت قابل دید تھی۔ لاریب دل ہی دل میں جز بز ہونے کے سوا کچھ نہیں کر پائی۔

"بابا جان حاکم چاچا چلے جائیں گے میرے ساتھ۔" اس نے پہلو تہی کا ایک اور حل نکالنا چاہا اور ڈرائیور کا نام لیا مگر بابا سائیں نے فی الفور تجویز رد کر دی۔

"بیٹے کہاں اس بیچارے کو اس عمر میں بازاروں میں خوار کرو گی سکندر ہی ٹھیک ہے۔ میں بھی سکندر کی تمہارے ساتھ موجودگی کے باعث مطمئن رہتا ہوں۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی اور لاریب پر فرار کے سارے راستے بند ہو گئے۔

(کھا نہیں جائے گا مجھے وہ اور میں اسے سر پر اتنا آخر سوار کیوں کر رہی ہوں؟ اونہہ..... اسے جرأت نہیں کہ مجھے آنکھیں دکھا سکے۔ وہ آج بھی میرا ادنیٰ ملازم ہے۔ میری کوئی لغزش بھی اسے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھانے میں ناکام ... نے خود کو حوصلہ دیا پھر جس وقت وہ تیز گلابی اور آف ... صورت پرنٹ کے شلوار دوپٹہ پر آف وائٹ ٹراؤزر ... ہینڈ بیگ سنبھالے سیل فون پر کچھ نمبر پش کرتی ... نیازی وغفلت سمیت پورچ کی جانب آئی گاڑی ... کھولے اس کا منتظر سکندر جیسے اپنی آنکھوں کی ... میں نہاتا محسوس کرنے لگا۔ دل فریب تو وہ ہمیشہ سے ... ہر گزرتے دن کے ساتھ جیسے کچھ اور نکھرتی جا رہی تھی۔

"سکھاں! بابا جان کو ٹائم پر کھانا دینا اور دوا کھلا ... خیال رکھنا میں شام سے پہلے لوٹ آؤں گی میرے ... پہلے رات کا کھانا تیار کر لینا اوکے۔" سکندر کا کھولا ہوا ... نظر انداز کیے اس نے ملازمہ کو جو اس کے ہمراہ آئی ... ہدایات دیتے کھٹاک سے پچھلا دروازہ کھولا اور اندر ... سے بند کر دیا۔ سکندر نظر اندازی کے اس اعلیٰ مظاہرے ... اٹھا تھا۔ جانے کس احساس کے تحت اس کی آنکھوں ... سرخی دوڑ گئی۔ فرنٹ ڈور دھماکے سے بند کر کے ... ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور بے حد خراب موڈ کے ساتھ ... اسٹارٹ کی تھی۔ ایک دو جگہ تو ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے ... سکندر کی اس ریش ڈرائیونگ کی وجہ سے اس کا سر دو مرتبہ ... شدت سے سامنے سیٹ پر جا لگا تھا۔

"تمہارا دماغ درست ہے سکندر! آہستہ چلاؤ گاڑی ..." اسے منہ نہ لگانے کا سوچ کر بیٹھی تھی اتنا بھڑکی کہ رہ نہ ... سکی۔ وہ برہم نظروں سے اس کی پشت کو گھورنے لگی مگر ... اس پر کسی قسم کا اثر ہوا ہو۔ الٹا رفتار اتنا بڑھی کہ گاڑی ہوا سے ... کرنے لگی۔ ایک گاڑی کو اس نے اتنے خطرناک انداز ... اوورٹیک کیا تھا کہ وہ ننھی سی گاڑی کچلتے رہ گئی۔ لاریب ... اوسان خطا ہونے لگے۔

"اگر تمہارا مرنے کا ارادہ ہے تو برائے مہربانی مجھے بخش ... دو۔" وہ قہر بھری کیفیت میں غرائی تھی۔ جواب میں اس نے ... عجیب ہذیانی قہقہہ سنا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہی تو مرنے کا ارادہ ہے جان من ... مر کے کیا کروں گا۔" اس کا لہجہ و انداز جنونی ہو رہا تھا۔ لاریب ... دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے واقعی ایسا محسوس ہوا ... اپنے ساتھ ساتھ اس کے بھی خون کا پیاسا ہو رہا ہو۔

"سکندر..... گاڑی روکو پلیز......" جب اس نے ایک ...

بہت خطرناک انداز میں موڑ کاٹا تو صرف ٹائروں کے زور سے چرچرانے کی آواز نہیں گونجی تھی لینڈ کروزر بھی فضا میں اچھل کر دوبارہ لہرا کر زمین پر آئی تو لاریب نے فق چہرے کے ساتھ تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آواز میں واضح لرزش تھی۔ وہ جیسے رونے کو تیار تھی۔ موت کو سامنے پا کر ساری تلخیاں و نفرت اسے بھول چکی تھیں۔ جان کتنی پیاری ہوتی ہے یہ اسے اندازہ ہوا تھا' سکندر جو اس پل وحشی ہو رہا تھا مگر لاریب کی تلخی اور سرسراتی آواز نے اس پر لمحے کیفیت میں بھی حیران کن انداز میں اثر پزیری کی تھی اور اگلے لمحے گاڑی کو یکلخت بریک لگے تھے۔ ایک زوردار جھٹکا لگا اور جیسے کوئی قیامت آتے آتے رہ گئی۔ مگر لاریب کے حواس ابھی تک بکھرے بکھرے تھے۔ سکندر نے بیک ویو مرر سے اسے خمار آلود بہکی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"اتنی جلدی ڈر گئیں؟ کتنی ظالم ہو تم لاریب! جی تو سکتی نہیں میرے ساتھ مرنے پر بھی آمادہ نہیں۔" اس نے بھینچا ہوا سانس کھینچا' لاریب کا ریشمی دوپٹہ ڈھلک کر گود میں آ گرا تھا۔ سیاہ مخملیں بال کیچر کی نرم گرفت سے پھسل کر لٹوں کی صورت میں کاندھے' گردن اور چہرے پر پریشان نظر آنے لگے۔ سکندر نے سرد آہ بھری۔

جدائی سے تو بہتر تھا تم زہر دے دیتے
تمہارا نام ہو جاتا' ہمارا کام ہو جاتا

بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے لاریب نے اس کی مخموری آواز سنی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بیک ویو مرر سے کتنے اطمینان سے دیکھ رہا تھا۔ بال اس کے ہاتھوں کی بے جان ہوتی گرفت سے چھوٹنے اور پھر سے چہرے و گردن پر لہرانے لگے۔ سکندر نے عاشقانہ سی آہ بھری تھی۔

تیرا خیال بھی تیری طرح مکمل ہے
وہی شباب' وہی دلکشی' وہی انداز

لاریب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سکندر کا یہ روپ تو اس نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے واقعی سکندر سے خوف آنے لگا۔ وہ یکدم کتنا بے باک ہو چکا تھا۔ اس کی گھبراہٹ سراسیمگی میں بدلنے لگی۔ اس نے دوپٹہ اٹھا کر سرعت سے اپنے گرد لپیٹا اور خائف ہوتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ عجیب سی بے بسی اس کا احاطہ کرنے لگی تھی۔

"سکندر......" اس سے پہلے کہ سکندر کچھ اور کہتا وہ پھٹ پڑی۔

"جی جان سکندر؟" وہ اٹھلاتا ہوا۔ لاریب نے دھواں ہوتے چہرے اور جھلستی نظروں کے ساتھ بے حد تلخی سے اسے دیکھا۔

"کیا بکواس ہے یہ! گاڑی کیوں روکی ہوئی ہے؟" میں بالکل آؤٹ ہونے لگی۔ لیکن سکندر کی نظریں اتنی ... تھیں۔ لاریب کے وجود میں ناگواریت کے ساتھ جھنجلاہٹ کا بھی احساس بکھرتا چلا گیا۔

"گاڑی چلاؤ۔" اس کے تحکمانہ لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ سکندر نے اب کی مرتبہ گردن موڑ کر براہ راست اسے ... اور پھر ہنکارا سا بھر کے کاندھے اچکا دیے۔

"یہ گاڑی اس وقت تک نہیں چلے گی' جب تک تم یہاں...... میرے پاس آ کر نہیں بیٹھ جاتیں۔" سکندر ... تقاضے اور فرمائش نے لاریب کا دماغ گھما کے رکھ دیا ... کے خیال میں وہ حد سے بڑھ رہا تھا۔

"آر یو میڈ؟ تمہیں اندازہ ہے تم کہہ کیا رہے ہو؟" ... ہوئے لہجے میں چلا اٹھی۔ جواباً سکندر نے اس کو طنزیہ نظروں کے حصار میں لیا تھا۔

"بالکل اندازہ ہے' شاید تم یہ بات بھول گئی ہو کہ تم ... میری' تو تمہاری جگہ یہی ہے۔" وہ بپھری تھی تو سکندر بھی ... نظر آنے لگا۔ شاید اس کا یوں ہتک آمیز انداز میں جھٹلایا جانا ... تاؤ دلانے کا باعث بنا تھا۔ لاریب کا چہرہ جانے کس کس جذ... اور احساس کے تحت سرخ ہوا۔ ہونٹ بھینچتی وہ بے حد سنجیدہ ... ملول نظر آنے لگی۔

"تم جو ثابت کرنا چاہتے ہو سکندر اس کا تمہیں کوئی بھی ... حاصل ہونے والا نہیں سمجھے۔ میں کتنی مرتبہ تمہیں یہ باور کرا... ہوں کہ وہ محض میری ایک حماقت تھی۔ جسے میں کسی بھی لمحے ختم بھی کر دوں گی' فی الحال میرے مسائل اور مجبوریاں ... کہ میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ مگر تم......"

"مگر تم مجھے اتنی پسند ہو کہ میں اس مختصر عرصے میں ... تمہاری اس حماقت سے بھرپور خراج وصول کر لینا چاہتا ہوں ... نہ کچھ تو مجھے بھی حاصل ہونا چاہیے نا لاریب بیگم۔" سکندر ... بات کاٹ کر پھنکارتے ہوئے بولا۔ اس کا لہجہ شدید ... کے کاٹ دار احساس نے لاریب کا چہرا ایسے سرخ کر ڈالا ... کسی نے وہاں آگ دہکا دی ہو۔

"مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر گھٹیا اور ... رکھتے ہو گے ورنہ......"

"ورنہ تم لازماً مجھ سے نکاح نہ کرتیں۔ ہے نا؟" سکندر پھر اس کی بات کاٹ کر طنزیہ لقمہ دیا۔ لاریب نے جواب نہیں دیا۔ اس نے انتہائی برہم نظروں سے اسے گھورا۔ سکندر نے البتہ اس کے سراپے پر بھرپور اور معنی خیز نگاہ ڈالی تھی پھر مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا تھا۔

"اب جبکہ تم ایسا کر چکی ہو تو موقع سے فائدہ نا اٹھانا میری سب سے بڑی حماقت ہو گی اور میں احمق نہیں ہوں' سمجھیں؟"

وہ آخر میں پھر غرایا' دکھ' بے بسی اور لاچاری و تضحیک کا احساس لاریب کی آنکھیں چھلکا گیا تھا مگر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں فطری ہٹ دھرمی اور نخوت قائم دائم تھا۔

"تم جو بھی بکواس کرو' مگر یہ طے ہے کہ میں تمہاری گھٹیا فرمائش پوری کرنے والی نہیں ہوں۔ میں واپس جا رہی ہوں۔ بیٹھے رہو یہاں۔" خود کو سنبھال کر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھی کہ سکندر نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آتے اس کی کوشش کو ناکام بناتے کلائی دبوچ کرنا کام بنایا کہ وہ پوری کی پوری اس کے قابو میں آ کر پھڑپھڑانے لگی۔

"بہت غلط خیال ہے محترمہ کہ اب تم مجھے اور میری خواہشوں کو ٹھوکر مار کر چلی جاؤ گی۔ نکاح نامہ کی ایک کاپی ابھی بھی میرے پاس ہے۔ کہو تو پیش کروں؟" اس کا لہجہ جتنا بے حس اور سنگین تھا اس قدر تیزی سے لاریب پر اثر انداز ہوا تھا۔ سکندر کی گرفت میں مقید اس کا ہاتھ اپنی مزاحمت ترک کر گیا اور تن بدن میں ٹھنڈک اترتی چلی گئی۔ موت جیسی خطرناک اور سفاک ٹھنڈک۔

بے بسی و واضح شکست کے مظہر آنسو پھیل کر دائیں بائیں گرنے لگے۔

"ہو گئے...... چھوڑو مجھے آ رہی ہوں میں فرنٹ سیٹ پر۔" اس نے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے شکستگی سے کہا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سکندر کے لبوں پر ایک شوخ مسکان ابھری تھی۔

❀......❀......❀
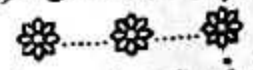
اس کی نظریں سیل فون میں سیو ہو جانے والے ساحر کے تصویر پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک مستقل مسکان کا بسیرا تھا۔ کتنا چاہا اس کا دل مچلا تھا کہ وہ خود ساحر سے رابطہ کرے محبت میں بھلا ایسی انا کیسا فرق مگر ہر بار وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکی۔ جب ملنے کی خواہش زینب کی آواز کی بازگشت روک لیا کرتی تھی۔

"تم اس کی جانب کا بہت طویل سفر اختیار کر چکیں سنڈی! اب وہ مڑ چکا ہے تمہیں اور کچھ بھی جیسا کہ تم کہتی ہو کہ وہ تمہاری جانب خود چل کے آتا گئے نے وہ اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے سنڈی۔ وہ سپر اسٹار رہ چکا ہے بلکہ اس کی مقبولیت و نامداری میں ابھی بھی کوئی کمی نہیں' لاکھوں لڑکیاں اس کی تمنائی ہیں' وہ سب بھی کچھ کم حسین نہیں ہوں گی' مگر اس نے ان سب میں سے تمہیں اہمیت دی ہے' اس اہمیت کو اور بڑھنے دو' کم از کم اتنا کہ وہ تم سے خود رابطہ کرے۔"

"آپ کو اندازہ ہے زینب میں اس کی خاطر کتنا تڑپی ہوں؟ اب وہ میرے سامنے ہے تو میں پھر سے صبر کیسے کیے رکھوں؟ کیسے جبر کروں اور اس کی پیش رفت کی منتظر بنی رہوں۔" جواب میں سنڈی کس قدر بے قراری سے سسک اٹھی تھی۔

"یہ ہر مرد کی سائیکی ہوتی ہے سنڈی! کہ وہ اس عورت کو اپنی زندگی اپنے دل میں کبھی کوئی خاص مقام نہیں دیتا جو پکے ہوئے پھل کی طرح بے اس کی جھولی میں گرنے کو بے تاب رہتی ہو۔ مرد کو دریافت کا پنچھی ایسے ہی نہیں کہا گیا۔ وہ ہمیشہ نا قابل رسائی شے کی جانب لپکتا ہے۔ اسے یہ احساس دلا کر اپنی قدر و قیمت اور نسوانیت کو زیر نہ کرو سنڈی کہ تم خود اس پر جان دینے کو تیار ہو۔ میں جانتی ہوں تمہارے جذبوں کی بے قراری کا عالم چاہے جانے کی خواہش' مگر سنڈی جذبات کو خاص طور پر ایک عورت کے جذبات کو بپھرے سمندر کی طرح نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ساحل پر سر پٹخ کر اپنا وجود بے مایا کر لے۔ عورت کی مثال فضا میں لہراتی پتنگ کی طرح ہوتی ہے' جو کردار کی ڈور کے سہارے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتی ہے مگر تب تک جب تک یہ کردار کی ڈور مضبوط رہتی ہے وہ رفعتوں پر بسیرا کرتی ہے مگر جیسے ہی ڈور کمزور پڑی یا ٹوٹی تو وہ ہوا کے دوش پر پستی کی طرف رخ کر لیا کرتی ہے۔" زینب نے اسے سمجھاتے ہوئے کچھ لمحوں کا توقف کیا پھر گہرا سانس بھر کے اسے بغور دیکھا اور نرمی و محبت بھرے انداز میں اس کا گال تھپک کر رسانیت سے بولی۔

"اور میں نہیں چاہتی کہ میری اتنی پیاری دوست کو کبھی کسی کی نظروں سے گرنے کی اذیت سہنی پڑے۔ خاص طور پر اس شخص کی نظروں میں جو اس کے لیے پوری دنیا سے زیادہ اہم اور خاص ہے۔" بات جتنے خوب صورت انداز اور پیرائے میں کی گئی تھی اتنی ہی آسانی اور سہولت سے سنڈی کو سمجھ آ گئی تھی۔ اس نے لمحہ بھر میں جان لیا کہ وہ اس نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ وہ اگر مغربی ذہن و دل رکھتی تھی تو ساحر ضرور مشرقی مرد تھا اور مشرقی مرد بہت ٹیپکل ہوتے ہیں۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی۔

"میں اس وقت کا ہی انتظار کروں گی ساحر جب آپ خود

میری جانب آئیں گے۔ اس انتظار کے انعام میں مجھے جو جگہ چاہیے اس کا مرکز آپ کا دل ہے۔ میں زینب کے لیے اللہ سے دعا کروں گی وہ اس ناممکن نظر آنے والی بات کو ممکن بنا دے۔" سیل فون واپس رکھتے وہ پرامید اور خوش گمان تھی۔ ایک امید ایک امنگ اسے توانائی بخش رہی تھی۔

❀......❀......❀

"کنیزاں نے جہیز کے تمام جوڑے پیک کر کے سوٹ کیس میں رکھ دیے؟" سکندر بابا سائیں کے کمرے سے باہر آیا تو لاریب کو راہداری کے سرے پر کھڑے ملازمہ سے محو کلام پا کر اس کے قدموں کی رفتار دھیمی پڑ گئی تھی۔ آج مایوں کی رسم کی ادائیگی ہونا تھی، حویلی کی آرائش کا تقریباً سارا کام مکمل تھا۔ مہمانوں کی آمد بھی سہ پہر سے شروع ہو چکی تھی۔ خود لاریب اس وقت گہرے سبز رنگ کے لباس میں اپنی بے حد روشن اور اجلی رنگت کے ساتھ بے حد پیاری لگ رہی تھی مگر اس سے ہمیشہ کی طرح غافل، بے نیاز اور لاتعلق...... سکندر تر کے دل نے اک سرد آہ بھری۔

"لاریب......!!!" جس پل وہ ملازمہ کو جانے کا اشارہ کرتی اپنے کمرے کی جانب مڑی سکندر بے اختیاری کی کیفیت میں اسے پکار اٹھا، لاریب کے قدم ٹھٹکے مگر اسے اہمیت دیے بغیر سرے سے نظر انداز کیے وہ اپنے کمرے میں جا گھسی۔ سکندر چند ثانیوں کو ساکن کھڑا رہ گیا تھا پھر جانے کیا دماغ میں سمائی تھی کہ کسی بھی نزاکت کا خیال کیے بغیر اس کے پیچھے دندناتا ہوا کمرے میں چلا آیا۔

"تم......؟" لاریب جو آئینے کے آگے کھڑی بال سلجھا رہی تھی اسے روبرو پا کے اس کے ہاتھ سے برش چھوٹ گیا۔

"تمہیں بلایا تھا میں نے، بات کیوں نہیں سنی؟" لاریب جتنی بھی جزبز اور خائف تھی مگر صورت حال کی گھمبیرتا سے بے خبر نہیں تھی، جبھی اسے بھڑانے کی بجائے جبراً زمی اختیار کی اور تحمل و رسان کا دامن بڑی دقت سے تھاما۔ اس کا دماغ درست کرنے یا پھر اس کے متعلق انتہائی فیصلہ کرنے کے کام کو اس نے امامہ کی شادی کے بعد پر ڈال دیا تھا۔ یہاں اس نازک موقع پر وہ کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی، جبھی سکندر کی بدمعاشی اور بدتمیزی کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سکندر چونکہ اس کے خیالات سے آگاہ نہیں تھا جبھی اس فرمانبرداری و تحمل پر کسی قدر حیران ہو کر یوں اسے تکنے لگا جیسے اندر کا بھید پانے کا متمنی ہو۔

"تمہیں کچھ کام تھا مجھ سے؟" لاریب کے لیے موجودگی کو برداشت کرنا اس کی نظروں کو سہنا بلاشبہ کٹھن مر... سکندر چونک سا گیا پھر سر کو اثبات میں ہلا کر کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کوئی چیز باہر نکالی، پھر اس کی جانب بڑھا دی۔ لا... کی حیرانی سے چھلکی نگاہوں نے استعجاب کی کیفیت میں کیس کو دیکھا جو اس کی چوڑی ہتھیلی پر دھرا ہوا تھا۔

"تمہارے لیے ہے یہ لاریب...... مجھے اندازہ ہے تمہارے شایانِ شان نہیں مگر میں اس سے زیادہ افورڈ نہیں تھا۔" لاریب کی الجھن زدہ سوالیہ نگاہوں کے جواب میں ... نے جھجک کر وضاحت پیش کی۔ لاریب کا چہرا متغیر ہوا اور پل میں کئی رنگ بدل گیا۔ البتہ کچھ کہے بغیر اس نے ہونٹ ... ہوئے ہاتھ بڑھا کر وہ کیس اٹھا لیا۔ فرمانبرداری کے اس مظاہرے نے سکندر کو سرشار کر ڈالا۔ اسے لاریب سے ... توقع نہیں تھی۔

"اب جاؤ، کوئی آ جائے گا۔" لاریب کے انداز میں ... بھی ناگواری ہو مگر مصلحتاً لہجہ و انداز متوازن تھا مگر یہی ... سکندر کے اندر کی دنیا زیر و زبر کرنے لگا۔ وہ اسے بغور ... ہوئے مدھم سا مسکرایا۔

"کھول کر دیکھو تو لاریب، بلکہ مجھے پہن کر دکھا دو گی تو ... زیادہ اچھا لگے گا۔" اس نئی فرمائش نے لاریب کا دماغ سلگا ... رکھ دیا۔ اس کا دل چاہا سکندر کا تحفہ اس کے منہ پر دے مارے ... اسے دھکا دے کر یہاں سے نکال دے مگر اسے خود کو قابو میں ... پڑا۔ سکندر کو طیش دلا کر وہ اپنا ہی نقصان کرتی آئی تھی اب تک ... پھر اس وقت تو صورت حال اور بھی نازک تھی۔ سکندر کو پروا ... رہی تھی تو کیا وہ بھی فراموش کر دیتی، نقصان تو طے تھا اس ... حصے میں آتا تھا۔

"دیکھو سکندر...... اس وقت یہاں مہمانوں کی آمد ... ہے، کوئی بھی کسی وقت......"

"یہ تاخیر آپ کی جانب سے ہے لاریب صاحبہ ایک ... کا کام ہے، اتنی بے ضرر خواہش ہے میری۔" وہ اک دم ... جتلانے سے باز نہیں آیا کہ وہ اپنی منوائے بغیر وہاں سے ... جائے گا۔ لاریب نے ہونٹ بھینچے اس کی اندرونی کیفیت ... کی سرخ ہوتی رنگت سے عیاں ہونے لگی، کچھ کہے بغیر ... دباتے اس نے چھوٹا سا نفیس کیس کھولا اور بے حد خراب ...

ساتھ سفید پرل کے موتیوں سے سجے گولڈ کے بندے ہاتھ پر اٹھا لیے۔ اس کا ذہن منتشر تھا اور دل میں بغاوت و جھنجلاہٹ کا احساس دوہنا کرنے کو کافی تھا۔ جبھی اس عدم توجہی کے باعث کیس کھلنے پر معمولی بے احتیاطی کی بدولت ایئر رنگ اس کی گرفت سے چھوٹا اور پھسل کر اس کے اور سکندر کی درمیان کارپٹ پر جا گرا۔ اس نے ساکن نظروں سے سرخ کارپٹ پر دمکتے سنہرے بندے کو دیکھا اور بغیر کسی تاثر کے اٹھانے کو جھکی۔ اسی طرح جھکنے پر اس کی پشت پر ترتیب سے پڑے سیاہ مخملیں بالوں کا آبشار یوں ادھر ادھر پھیل کر بکھر گیا جیسے کسی نے ریشم کے تھان کو ہولے سے چھو کر اس کی گرہ کو کھول دیا ہو اور وہ ہولے سے بکھرتا چلا گیا۔ سکندر مبہوت اور سحر زدہ سا کھڑا تھا۔ پہلے کیا کم قیامت خیز منظر تھا جواب یہ افتاد ٹوٹی تھی۔ وہ تو پہلے ہی اسیر تھا اس کا ایک عام سا سادہ سا انداز ہی رات کو اس کی نیندیں حرام کیے رکھتا تھا۔ لاریب اس کی کیفیات سے بے خبر اپنے کام میں مگن تھی۔ اس نے اپنے کانوں میں پہلے سے پڑے ڈائمنڈ ٹاپس اتار کے پھر سکندر کے لائے ہوئے ایئر رنگ پہن لیے۔ دیکھا جاتا تو یہ بڑا مشینی سا عمل تھا۔ جس میں جذبات واحساسات کی ہلکی سی بھی آمیزش نہیں تھی مگر سکندر کی مردانہ انا کو اسے اپنے آگے زیر کر کے ہی بڑی تقویت کا احساس مل رہا تھا۔

"ہو گئی نا تمہاری خواہش پوری؟ اب جاؤ۔" لاریب کا لہجہ پہلے سے کہیں بڑھ کر سرد تھا۔ سکندر جو دم بخود سا کھڑا تھا، خفیف انداز میں چونکا اور جھینپ کر مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"تم کتنی سادہ ہو لاریب، کسی مرد کی خواہشات کا دائرہ اتنا محدود نہیں ہوا کرتا۔ وہ بھی اس مرد کا جو اتفاق سے شوہر بھی ہو، کیا سمجھیں؟" اس کا لہجہ معنی خیز ذو معنیت لیے ہوئے تھا، لاریب کی ساری بے حسی ساری لاتعلقی اس ایک لمحے میں غارت ہو کر رہ گئی تھی، اس نے بے حد ہراساں ہو کر اسے دیکھا۔

"کک...... کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کا عالم بھی قابل دید تھا۔ جس نے اسے مزید حسین جبکہ سکندر کو اسی قدر بے بس کر ڈالا۔

"اگر مطلب کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا بیگم صاحبہ تو فوری طور پر آپ ہضم نہیں کر پائیں گی۔ اس کام کو کسی مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں، فی الحال تو بس اتنا جان لیں کہ آپ کا یہ روپ بھری دوپہر میرے لیے قیامت سے کیا کم ہو گی، چلتا ہوں۔" گہری معنی خیز لہجے میں جتلا کر کہتا اس کا گال تھپک کر آہستگی سے پلٹ گیا۔ لاریب سکتہ زدہ سی کھڑی رہ گئی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر تغیر لٹنے لگا وہ گرنے کے انداز میں وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

❀......❀......❀

عباس نے گہرا کش لیتے ہوئے نگاہ بھر کے بچوں میں مصروف عریشہ کو دیکھا۔ اسامہ کو گود میں لٹائے دیا کی جانب دیکھتی وہ جانے کس بات پر مسکرا رہی تھی۔ عباس کتنا چاہتا تھا کہ بچوں کو گورنس سنبھالے مگر عریشہ کو یہ بات پسند ہی نہیں تھی۔

"ہرگز نہیں عباس میں اپنے بچوں کو اپنی توجہ اور محبت سے محروم نہیں کر سکتی۔"

"لیکن اس طرح ہر وقت ان کے ساتھ دن رات جاگ کر تمہاری صحت بہت تیزی سے متاثر ہو رہی ہے۔" عباس کے ٹوکنے پر وہ مسکرانے لگی۔

"اچھا ہے، جو اتنی موٹی اور بھدی ہو رہی ہوں، تو پھر سے اسمارٹ ہو جاؤں گی۔" اور عباس اسے خفا نظروں سے گھورنے لگا تھا۔ پھر اس کے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی عریشہ نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔

"آپ نے اپنی اماں سے بات کی عباس!" اسامہ بھی سو گیا تو عریشہ نے اٹھ کر اسے کاٹ میں لٹانے کے بعد عباس کو دیکھا۔ عباس چونکا تھا۔ وہ عریشہ کے اس معاملے میں شدید اصرار کے آگے بے بس اور لاچار ہونے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا عریشہ کی یہ خواہش کتنی بڑی ہے۔ بہو کی حیثیت سے اس کی فیملی سے اپنا آپ منوانے کی، شادی کے شروع دنوں کے اصرار کے بعد جب عباس نے اسے اپنی مجبوری بتلائی تھی تو وقتی طور پر عریشہ خاموش ضرور ہو گئی تھی مگر اب بچوں کی پیدائش کے بعد وہ پھر سے عباس پر دباؤ ڈالنے لگی تھی۔ حویلی رابطہ کر کے بچوں کے متعلق بتا کر صلح کرنے پر زور دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا یہ جھگڑا بھی روایتی جھگڑا ہو گا، جو بیٹے کی نسل کی امین بننے والی عورت کو بالآخر قبول کر لے گا۔ مگر عباس صرف خاندانی روایات سے بغاوت ہی نہیں کر چکا تھا بابا جان کی حکم عدولی کر کے ان کی منتخب کردہ لڑکی کو ٹھکرانے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حویلی کے دروازے خود پر بند کروا چکا تھا۔

"کس سوچ میں ہیں عباس...... میں پوچھ رہی ہوں کچھ؟" عریشہ اس کے برابر آ بیٹھی۔ وہ ہمیشہ سے من مانی کرتی آئی تھی اسے عباس پر مکمل کنٹرول تھا۔ وہ ماتھے پر شکن بھی نہیں

لاپاتی تھی کہ عباس اس کی منشا کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہوجایا کرتا تھا' مگر یہ معاملہ ایسا تھا کہ اسے عباس کی خاموشی گراں گزرنے لگی تھی۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بارہا بتایا تو تھا تمہیں۔" عباس کا لہجہ مدھم تھا۔ کسی حد تک شکستہ یہ شکستگی رشتوں کے چھوٹنے کی نہیں تھی' وہ اس خیال سے مضمحل ہوتا تھا کہ عریشہ کی خواہش وہ پوری کرنے سے قاصر تھا۔

"تم آنٹی کو بلوالو ناں کچھ دنوں کو' تمہارا دل بہل جائے گا۔" عباس نے دانستہ اس کا دھیان بٹانا چاہا' عریشہ اپنے کسی خیال سے چونکی پھر سر جھٹک کر رہ گئی۔

"آپ کیوں نہیں سمجھتے ہیں عباس' ہر رشتے کی اپنی اہمیت ہوا کرتی ہے' میری ماں' کبھی بھی آپ کی ماں کی جگہ نہیں لے سکتی' آپ لوگ دو ہی بھائی تھے اس طرح جاگیروں میں آپ کا حصہ بھی گیا' آپ کو یہ قدم اٹھاتے ہوئے کم از کم سوچنا تو چاہیے تھا۔ ہمارے بچوں کا بھی حق غصب ہوا ہے آپ کے ساتھ ساتھ۔" عریشہ کے انداز میں صرف ناگواری نہیں تھی' برہمی و تلخی کا تاثر بھی تھا۔ عباس تو حیران رہ گیا تھا گویا۔

"تمہیں بچوں کی فکر کیوں ہے عریشہ؟ میرے پاس تمہیں کس چیز کی کمی محسوس ہوئی بھلا؟ الحمدللہ میں اپنے بچوں کو بہترین معیار زندگی فراہم کرسکتا ہوں' تم بتاؤ تمہیں اپنی زندگی میں کمی لگتی ہے کوئی؟" عباس نے نرمی و محبت سے کہتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ عریشہ کو خود کو سنبھالنا پڑا تھا۔ اس نے تلخی و غصے پر یاسیت کا لبادہ ڈال دیا۔

"اس سے بڑی کمی کیا ہوگی عباس' کہ آپ کے خاندان میں مجھے بہو کی حیثیت نہیں ملی۔ سسرال کے چاؤ' عورت کا کتنا مان بڑھاتے ہیں' آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہوگا۔" عباس اس کی چالاکی کو سمجھے بغیر اس کی ظاہری یاسیت کو محسوس کرتا بے چین ہونے لگا۔ عریشہ صرف اس کی محبت نہیں تھی' وہ اس کے لیے رگ جاں کی حیثیت رکھتی تھی' اس کی ذرا سی تکلیف کا احساس بھی سانسیں روکنے لگتا تھا۔ جبھی وہ ایکدم فیصلہ کر گیا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم پریشان نہیں ہو' میں اماں جان اور بابا جان سے رابطہ کرنے اور انہیں منانے کی کوشش کروں گا۔"

"سچ......؟" عریشہ نے غیر یقینی میں گھر کر اسے دیکھا پھر بے ساختہ خوشی اس کے چہرے پر جھلکنے لگی۔

"ہوں...... مجھے تم سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہے عریشہ! نہ اپنی انا' نہ ہی اپنی ضد' حالانکہ تب میں نے سوچ لیا تھا پلٹ کر نہیں دیکھوں گا' بلکہ اگر زندگی میں کبھی ایسا موقع آیا کہ مجھے [illegible] گیا تو بھی اس پکار پر کان نہیں دھروں گا۔ لیکن تمہاری خوشی کی خاطر میں خود جھک جاؤں گا۔" عریشہ نے جواباً مسکراتے ہوئے اس کے گلے میں بازو حمائل کیے اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اسے مقصد نکالنا آتا تھا' جبھی وہ آج عباس حیدر کی بیوی کی حیثیت سے تھی۔ ورنہ اس میں ایسا کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا کہ وہ اپنی [illegible] ترین منگیتر کو چھوڑ کر اسے اپنا لیتا۔ اصل بات یاور کی ہوتی تھی۔ یاور اس کی اداؤں میں تھی' اس کی قسمت میں تھی اور انداز [illegible] میں تھی جو جکڑ لیتا تھا اور ہلنے نہیں دیتا تھا۔

عباس حیدر کا فون تسلسل سے وائبریٹ کرنے لگا تو عباس نے چونک کر سیل فون کی جانب نگاہ کی۔ اس کے سیکریٹری کا فون تھا اور وہ بلاضرورت کبھی کال نہیں کرتا تھا۔

"السلام علیکم سر! آپ نے اس سے بات کی جسے آپ نے بطور ہیروئن پسند کیا ہے؟ یونو سر ہمارا کام اسی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ جیسے ہی یہ اوکے ہوتا ہے ہم ریہرسل کا آغاز کردیں گے۔ یہ تاخیر مزید مناسب نہیں ہے۔ یونو سر زیادہ شارٹس سنو فال کے ہیں اور موسم سرما اختتام پذیر ہونے کو ہے۔" عاصم صاحب کی یہی خراب عادت تھی کہ وہ بہت تفصیلی بات کرتے تھے۔ اس ساری تفصیل کا خود عباس کو بھی علم تھا مگر عاصم نے از راہ [illegible] کر شاید اس پر اس کی کوتاہی واضح کرنا چاہی تھی۔

"اچھا کیا عاصم آپ نے یاد دلا دیا' یہ واقعی بہت اہم ہے۔ میں ابھی بات کرتا ہوں ان محترمہ سے۔ مگر...... [illegible] ذہن سے ان کا نام محو ہو چکا ہے۔" وہ یوں خاموش ہوا جیسے [illegible] پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"نندنی...... نندنی گریوال سر۔ وہ انڈین ہیں اور آپ نے کہا تھا آپ ان کا نمبر بھی لے چکے ہیں۔" عاصم صاحب نے سرعت سے پھر اس کی رہنمائی کی' عباس بے ساختہ ان کا [illegible] ہوا تھا اور الوداعی کلمات ادا کرنے کے بعد کال ڈراپ کردی۔ [illegible] سرچ کرکے اس نے نندنی کا نمبر ڈائل کیا' دوسری [illegible] جارہی تھی۔ پہلی سے دوسری بیل پھر تیسری' اس کے بعد [illegible] ریسیو کرلی گئی۔ دوسری جانب ہنوز سناٹا تھا سوائے سانسوں کی سرسراہٹ کے۔

"نندنی گریوال اسپیکنگ؟" عباس کا لہجہ سوالیہ تھا۔ [illegible] اسے بہت دھیان سے دیکھ رہی تھی۔ عباس اس کی [illegible] شرارت سے دبا کر مسکرایا۔

"جج...... جی......" عباس نے ایک بوکھلائی ہوئی مگر بے حد کھنکدار آواز سنی تو اسے وہ چاندنی میں نہایا دلکش پیکر رکھنے والی غیر معمولی حسن کی مالک لڑکی کا شپٹایا ہوا انداز یاد آنے لگا۔

"میں ساحر ہوں' کنسرٹ میں ملاقات ہوئی تھی آپ سے [illegible]۔" عباس نے یوں توقف کیا جیسے دوسری جانب سے رد عمل کا منتظر ہو۔

"جی بالکل! مجھے یاد ہے اور آپ نے کہا تھا میں پھر رابطہ کروں گا' سچ تو یہ ہے کہ میں منتظر تھی۔" اب کی مرتبہ اس کے لہجے میں جھجک کھنک بھی تھی اور اعتماد بھی۔ عباس کو اس درجہ حوصلہ افزا رسپانس نے یک گونہ سکون دیا تھا۔

"تھینکس آلاٹ کہ آپ کو یاد تھا' ورنہ میں تو بالکل بھول بیٹھا تھا۔ خیر مجھے آپ سے ایک بہت اہم اور ضروری بات کرنی ہے۔ جو فون پر تو بالکل مناسب نہیں' آپ بتائیے کیا کرنا چاہیے؟" اس کے جواب [illegible] بہت سہولت سے ملاقات کا وقت اور جگہ کے متعلق ڈسکس کررہا تھا۔ جب اس نے سیل فون کو کان سے ہٹا کر کال منقطع کی تو عریشہ اس کے کاندھے سے سر اٹھائے اسے گھورنے میں مصروف تھی۔ نظریں بے حد تیکھی اور خونخوار تھیں۔ عباس اس کی آنکھوں کا مفہوم سمجھ کر ہی ہنس پڑا تھا۔

"کیا بات ہے اس طرح دیکھنے کا مطلب جانتی ہیں؟" اس کا انداز بے حد شریر تھا۔

"یہ نندنی گریوال کون ہے' جس سے ڈیٹ طے ہورہی ہے وہ بھی میرے سامنے۔" عریشہ نے اس کا سوال نظر انداز کرکے اپنی جلن باہر نکالی۔ عباس ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔

"ڈیٹ نہیں لگا رہا ہوں' تم ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔ میں وہ شوہر نہیں ہوں جو بیوی کی موجودگی کے باوجود گرل فرینڈ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔"

"پھر کون ہے؟ بتائیں......" اس کے چتون ہنوز تیکھے تھے۔

"یہ لڑکی ہے ایک' اتفاقاً مل گئی تھی مجھے...... مجھے ویسی ہی [illegible] میں اپنی فلم کے لیے ہیروئن چاہتا تھا۔" عباس نے سرسری انداز میں کہتے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا مگر عریشہ پھر بھی مطمئن نہیں تھی اسی لیے بغور تکتے جیسے اس کے چہرے پر کچھ [illegible] رہی تھی۔

"کیا وہ اتنی حسین و جمیل ہے کہ آپ پہلی نظر میں ہی گھائل [illegible]" عباس یکدم ٹھٹکا۔ اسے عریشہ کے الفاظ بے حد عامیانہ اور سطحی لگے تھے۔ انداز اس سے بھی زیادہ ناگوار محسوس ہوا۔ مگر وہ عریشہ تھی جس کی بڑی سے بڑی بات بھی وہ سہنے کا حوصلہ رکھتا تھا کہ کسی حد تک اس کی فطرت سے آگاہ ہوچکا تھا' مگر محبت کے آگے اس کی خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان تھا' عریشہ کی انتہا درجے کی محبت نے اسے اعلیٰ ظرفی عطا کی تھی۔

"حسین تو وہ بہت ہے نو ڈاؤٹ...... بٹ عریشہ میں نے اسے اپنی فلم کے لیے سلیکٹ کیا ہے۔ گھائل تو میں تمہارے حسن سے ہوا ہوں۔" وہ رومینٹک ہونے لگا مگر عریشہ کا موڈ بگڑا ہی رہا تھا۔

"کب ملیں گے اس سے آپ؟ میں بھی تب آپ کے ساتھ چلوں گی' عباس آپ کو پتہ ہے ناں مجھے کتنا برا لگتا ہے آپ کا کسی اور لڑکی سے ملنا۔" عریشہ روہانسی ہونے لگی۔ عباس بے بسی سے اسے تکنے لگا۔

"یہ میری فیلڈ کا حصہ ہے عریشہ میں ہرگز کسی سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ محبت ہمیں زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور وہ تم سے کرچکا ہوں۔ اگر میں حسن پرست ہوتا تو لاریب کو چھوڑ کر کبھی تمہارے پاس نہیں آتا' اتنی ہی حسین تھی وہ۔" عباس کے لہجے میں خفیف سی سہی مگر جھنجلاہٹ اتر آئی تھی۔ عریشہ ساکن ہوکر رہ گئی۔

"کون لاریب...... آپ کے چچا کی بیٹی؟" اس نے ہونٹ سکوڑ لیے۔ اس کے انداز میں حد درجہ حقارت تھی۔

"ہاں اور میری فیانسی بھی تھی وہ۔ عریشہ تم اس قسم کی پریشانیاں کیوں پالتی ہو؟ میں صرف تمہارا ہوں اور یقین رکھو صرف تمہارا رہوں گا ہمیشہ۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر عباس نے اتنے جذب سے کہا تھا کہ عریشہ کی بدگمانی ختم ہونے لگی۔

"چاہے کبھی آپ کے ساتھ نہ رہوں تب بھی؟" وہ جھینپ کر مسکرانے لگی۔ عباس آہستگی سے ہنس دیا۔

"ہاں تب بھی' جب میں شوٹ پر ہوتا ہوں تب تو خاص طور پر اتنی حسین طرح دار لڑکیاں ہوتی ہیں میرے اردگرد اور تم میرے سامنے بھی نہیں ہوتیں' عریشہ میں پھر بھی تمہیں سوچتا ہوں۔"

"بددیانتی کی میرے نزدیک محبت میں گنجائش نہیں نکلتی اوکے۔" اس نے بے حد خوب صورت انداز میں کہتے اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے ٹکرایا تو عریشہ ہلکی پھلکی ہوکر ہنس پڑی۔

❀......❀......❀

اس نے خود پر پرفیوم کی پھوار برسائی اور آئینے میں دکھائی

دیتے اپنے عکس کو دیکھ کر تفاخر بھرے انداز میں مسکرا دی۔

(مجھے تو کبھی اپنی خوب صورتی اور دلکشی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ جبھی اسے اہمیت دینے اسے سنوارنے اور نکھارنے کا خیال ہی نہ آسکا۔ تمہاری نگاہوں نے مجھے سراہا تو مجھے اندازہ ہوا یہ میرے لیے کتنا اہم اور کس درجہ ضروری ہے۔ اگر میں اتنی حسین نہ ہوتی تو تمہاری نظر اس انداز میں مجھ پر اٹھتی نہ تم از خود چل کر میرے پاس آتے)

اس نے بلیک پیروں تک آتا لباس پہنا تھا۔ جس کے گلے پر بہت اسٹائلش کام بنا ہوا تھا۔ دوپٹے کا بس ایک تکلف برتا گیا تھا۔ اس نے جی جان سے تیاری کی تھی' ایسے کہ ساحر اسے دیکھتا تو بس اس کے وجود کی سحر انگیزیوں میں گم ہو جاتا۔ اس کے دودھیا جگمگاتے بازو اس لباس میں ایسے دمک رہے تھے جیسے سیاہ رات میں موم شمعیں روشن ہو کر روشنی بکھیرتی ہیں۔ راج ہنس جیسی لمبی گردن میں بیش قیمت نیکلس تھا جس نے اس کی صراحی دار گردن کی خوب صورتی کو اور بھی اجاگر کر دیا تھا۔ کانوں میں پرل کے ٹاپس تھے۔ پیروں میں اتنی نازک پازیب تھی کہ جس کی جھنکار نہ ہونے کے برابر تھی۔ غرض اس نے سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخنوں تک خود کو سنوارا اور اجاگر کیا تھا۔

زینب جو اپنے دھیان میں اندر آئی تھی' اس کی یہ تیاری دیکھ کر ٹھٹکتے ہوئے اس کے حسین جلوے کی تجلیوں کے آگے دم بخود رہ گئی۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں زینب؟" وہ بہت ترنگ میں اس کے سامنے ایڑیوں کے بل گھومی اور بے حد زعم سے مسکرائی۔ گویا اپنی سحر انگیزی دلکشی پر فخر کر رہی ہو۔ جیسے جو اسے دیکھے گا تاب نہیں لائے گا۔ خاص طور پر ساحر' اتنا ہی اعتماد اتر آیا تھا اس کے اندر۔ ساحر کی پیش رفت پر اس کی اہمیت پر۔

"بہت پیاری' ماشاء اللہ تم ویسے ہی اتنی حسین ہو کہ تمہیں اس آرائش کی ضرورت نہیں۔ اس وقت تو میرے پاس الفاظ نہیں' کہیں جا رہی ہو کیا؟" زینب کے لہجے میں محبت بھی تھی اور خلوص بھی۔ نندنی سرشار سے انداز میں ہنسنے لگی۔

"جی ساحر سے ملنے' انہوں نے خود بلوایا ہے مجھے بات کرنے کے لیے۔" زینب کے چہرے پر لڈتے تذبذب کے آثار کو دیکھتے اس نے بالخصوص جتلایا اور یہ جتلاتے اس کا سر اس کی گردن' بہت تفاخر بھرے انداز میں اٹھ گئی تھی۔

"اکیلی جاؤ گی؟ یہ......"

"جی اکیلی...... مجھے ساحر سے ملنے تو اس وقت اکیلے [illegible] چاہیے۔" زینب کو قدرے گم صم اور خاموش محسوس کر کے [illegible] نے نخوت بھرے انداز میں جتلایا۔ جب سے ساحر والا معاملہ شروع ہوا تھا زینب اور نندنی کے بیچ ایک ان دیکھا فاصلہ اور [illegible] مہری خود بخود جگہ پانے لگی تھی اور یہ نندنی کی وجہ سے ہی تھا [illegible] زینب کے پڑھائے اسباق نہیں یاد کرنا چاہتی تھی۔ وہ اب [illegible] گریز اور احتیاط کا دامن نہیں تھامنا چاہتی تھی۔ زینب کنفیوز [illegible] تھی' وہ نہیں تھی سب سے بڑھ کر یہ کہ قسمت نے اس کا در کھٹکھٹایا تھا وہ کیوں خود کو محتاط اور محدود کر کے اس دستک پر دروازہ نہ کھولتی۔ زینب اس کی اس درجہ آرائش کے بعد تنہا ساحر سے ملنے کی [illegible] رہے چین تھی مگر نندنی اس احتیاط کو سمجھے بغیر من مانی پر اتر آئی [illegible] تھی۔ نندنی کے انداز کو دیکھتے زینب نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"جلدی آجانا نندنی' آج میرا ارادہ تھا تمہیں جامعہ [illegible] جانے کا اپنے ساتھ' تم کہہ رہی تھیں نا مسلم ہونا چاہتی ہو؟ خیر پھر سہی۔ بیسٹ آف لک' فی امان اللہ۔" زینب نے رسان [illegible] نرمی سے کہا اور بات ختم کر دی۔ نندنی نے بھی کاندھے جھٹک دیئے۔ وہ دونوں ایک بار پھر ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں بظاہر مخالف اور مختلف راستوں پر چلنے کے لیے مگر یہ مختلف راستے کسی ایک منزل کی جانب لے جانے والے تھے۔ کون جانتا کس کے حصے میں ہدایت آئی تھی یا پھر کس نے ہدایت سے منہ موڑ لینا تھا۔

❀......❀......❀
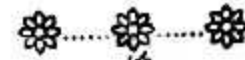
وہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی اور اوپری منزل پر جانے کی غرض سے سیڑھیوں کی جانب آ گئی۔ ایک ایک سیڑھی احتیاط سے چڑھتے بھی اس کا لہنگا بار بار اس کے پیروں تلے آ جاتا تو وہ جھنجلا سی گئی۔ یہ لباس اسے ہرگز پسند نہیں تھا نہ وہ پہننا چاہتی تھی مگر صرف امامہ کا دل رکھنے کی خاطر اسے پہننا پڑا تھا۔ [illegible] امامہ کی فرمائش پر اس نے منع کیا کیسے لمحوں میں اس کا چہرہ [illegible] گیا تھا۔

"آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے بجو! میری شادی پر [illegible] میری ایک بات تو ماننی چاہیے۔ پھر پتہ نہیں نصیب میں [illegible] ہو۔" ان دنوں وہ بات بات پر جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ [illegible] دکھانے کا گناہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جبھی مزاج اور پسند کے [illegible] یہ لباس پہن لیا تھا۔ جھلملاتا ہوا شوخ پیلے زرد کلر کا لہنگا جس [illegible] ن ہی کا کام تھا' ساتھ میں مہرون چولی جس کے گلے کے [illegible] ماٹ کو چھپانے کی خاطر لاریب نے دوپٹے کو بڑے [illegible] سے پھیلا کر شانوں پر سیٹ کر لیا تھا۔ مگر اس طرح لہنگے کے ساتھ دوپٹے کے پلو بھی زمین پر آ رہے تھے اور اس کے [illegible] میں الجھ کر کئی بار اسے لڑکھڑانے اور گرنے کی حد تک لے [illegible] جبھی اس کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس پل بھی اس کا [illegible] الجھا تھا اور وہ بری طرح ڈگمگائی۔

"[illegible] رے دھیان سے جناب۔" وہ اپنے خیالوں میں اتنی گم تھی یا پھر دوپٹے کا ہی کوئی دوش تھا کہ سیڑھیوں کے موڑ [illegible] گرتے گرتے بچی' اس سمت آتے سکندر نے بروقت سنبھال [illegible] تھا جیسے وہ ایسے ہی کسی موقع کا منتظر تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟ تم اپنی حد سے نکلتے نہیں جا رہے ہو؟ بہت [illegible] سکندر بہتر ہے سنبھل جاؤ۔" وہ گرجی تھی پھر اس [illegible] فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔ اس کی گلابی رنگت [illegible] شدت کے باعث دہک اٹھی تھی۔ سکندر پر بحال [illegible] اس کی ڈھٹائی بھی کمال تھی اور اعتماد بھی' جبھی اس کی [illegible] پر دھیان لگائے بغیر اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے کانوں کی لووں کو چھوا۔

"تم نے میرے دیئے ہوئے جھمکے کیوں اتار دیئے؟ کیا [illegible] نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی؟" عجیب انداز تھا' استحقاق [illegible] لاریب تو اس انداز پر بھونچکی رہ گئی۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ سکندر میں تمہارے منہ نہیں لگنا [illegible] میری غلطی تھی کہ تم میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔ یہی [illegible] چاہیے تھی میری اس غلطی کی' لیکن سنو' اس بگاڑ کو میں [illegible] کی بھی خود ہی۔ مگر سکندر مجھے تھوڑا سا وقت دے [illegible] مجبور اور بے بس ہوں میں اپنے رشتوں کے سامنے۔ [illegible] مجھ سے محبت کرتے ہو' اسی محبت کے صدقے۔" وہ یکدم [illegible] بلک پڑی تھی۔ بے بسی' لاچاری اور [illegible] کتنا بھاری ہو گئی لگ رہی تھی وہ اس لمحے۔ سکندر کو جی [illegible] آیا تھا اس پر۔

"[illegible] محبت کرتا ہوں بے حد...... مگر تم بتاؤ کیا کرو گی پھر تم' [illegible] دے دوں تمہیں تو......؟" سکندر کے [illegible] مسکان در آئی تھی۔

[illegible] میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا مجھ سے نکاح کر لو ورنہ [illegible] کیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بابا سائیں کے سامنے جا کھڑی ہو گی اور کہو گی اسے قبول کر لیں بطور داماد۔" وہ ہنس رہا تھا۔ مگر لاریب تضحیک اور ہتک کے احساس سے بھی پارہ پارہ ہوتی چلی گئی۔

"مزا رہے گا تمہاری ساری واہیات حسرتوں کا سن لو تم' میں تمہیں کبھی کسی مجبوری میں بھی قبول نہیں کروں گی' یہ طے شدہ امر ہے نہ تم کبھی میرے قابل تھے نہ بن سکتے ہو۔ وقت مانگنے کا مطلب عزت اور سکون سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا ہے۔ جو نا چاہتے ہوئے بھی آ پڑی ہیں' مجھ پر اس کے بعد میں خود کو تمہارے حوالے کرنے کی بجائے خودکشی کر لوں گی۔" کتنا تنفر اور اشتعال تھا اس کے لہجے میں کہ سکندر کا ہنستا مسکراتا خوش باش چہرا پتھرا سا گیا۔ جبکہ لاریب اسی نفرت اسی طیش زدگی کے عالم میں اسے سامنے سے دھکیلتی باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ اوپر آئی تو اس کا سانس پھول رہا تھا۔ امامہ اسے سیڑھیوں کے اختتام پر ریلنگ کے ساتھ لگی کھڑی نظر آئی۔

"تیار ہو گئیں تم؟ اچھا کیا' ٹائم بھی بہت ہو گیا ہے۔ آؤ نیچے سب رسم کے لیے تمہارے منتظر ہیں۔" گو کہ وہ خود کو کسی حد تک سنبھال چکی تھی۔ اس کے باوجود اس کی آواز بے حد بوجھل ہو رہی تھی۔ رسم کا انتظام لان میں تھا اس وقت سبھی مہمان وہیں جمع تھے۔ جبھی سکندر کو بھی کھل کر اس پر حق جتلانے کا موقع میسر آ گیا تھا۔

"بجو آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" امامہ نے مسکرا کر اس کا یہ انوکھا اور دلربا روپ دیکھا تھا۔

"پیاری تو تم لگ رہی ہو گڑیا! بالکل انارکلی کی طرح۔" لاریب کا دل پھر سے بھر آیا تو اسے گلے لگا لیا۔

"بجو آج صرف ہم دونوں ہیں' باجو پتہ نہیں......" لاریب نے کچھ کہے بنا اس کی جانب دکھی نظروں سے دیکھا تھا۔ امامہ کی آنکھیں چھلملانے لگیں۔

"بابا جان کو چاہیے تھا وہ باجو کی بات مان لیتے۔ انہیں دلہن بنا کر خود رخصت کر دیتے۔ اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے نہ چھنتیں...... ہے نا بجو؟" امامہ کو تو جیسے رونے کا بہانہ چاہیے تھا۔ لاریب کا جیسے دل پھٹنے کے قریب جا پہنچا۔ کچھ کہے بنا اس نے امامہ کو گلے لگا کر تھپکا تھا۔

"سوری میں نے تو آپ کو بھی افسردہ کر ڈالا بجو! کیا آپ سیڑھیوں سے آتے ہوئے گر گئی تھیں؟" امامہ نے اس کی یاسیت کو محسوس کیا تو خود کو سنبھالتے ہوئے بات بدل دی۔

"نہیں بچ گئی گرتے گرتے۔ اسی لیے تو یہ لباس نہیں پہننا

چاہ رہی تھی۔" لاریب کے منہ بنانے پر اس نے شرارت چھلکاتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اب پہن لیا ہے تو میں سکندر بھائی کو آپ کا گارڈ مقرر کیے دیتی ہوں۔ ٹھیک ہے؟" لاریب نے بری طرح چونکتے ہوئے امامہ کے شریر چہرے اور شوخ آنکھوں کو دیکھا اور جیسے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا مطلب...... میں سمجھی نہیں؟" اس کی تیوری چڑھی۔ دل میں عجیب سے انداز میں پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔ اگر دل میں چور ہو تو انسان معمولی اور بے حد عام باتوں پر بھی ٹھٹک کر ان کی معنی خیزیت کو جانچنا پرکھنا شروع کر دیتا ہے۔

"افوہ بھئی! آپ گری تھیں تو آپ کو پکڑا تو سکندر بھائی نے ہی تھا ناں؟ ویسے بجو ایک بات ہے۔ سکندر بھائی آپ کے اتنے نزدیک کھڑے ہو کر مجھے اور بھی زیادہ اچھے لگے۔ آپ جتنی فیئر نازک اور دلکش ہیں نا وہ اسی قدر وجیہہ اسٹرانگ اور شاندار ہیں۔ آپ کا کپل بہت پرفیکٹ ہوگا اگر بابا جان آپ کی شادی سکندر بھا......"

"امامہ...... جسٹ شٹ اپ اوکے...... خبردار جو تم نے یہ فضول بات سوچی بھی۔" وہ اتنی مشتعل ہوگئی تھی کہ کسی طرح بھی خود کو امامہ پر چیخنے سے نہیں روک سکی۔ امامہ کا رنگ اڑ سا گیا۔ وہ یوں ہونٹ بھینچے کھڑی تھی جیسے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو۔ اس کے باوجود بھی ٹپ ٹپ آنسو برس پڑے تھے۔

"آئی ایم ساری امامہ! مگر تم نے بات ہی ایسی کی کہ...... مجھے بتاؤ تمہیں ایک یہی فضول آدمی ملا تھا میرے متعلق سوچنے کے لیے۔ عباس حیدر کا اور اس کا کیا مقابلہ بھلا؟" ہزار ہا ضبط کے باوجود لاریب کے چہرے پر انداز میں حقارت سمٹ آئی۔ امامہ دکھی نظر آنے لگی۔

"آپ کو پتہ نہیں وہ بیچارے کبھی کیوں اچھے نہیں لگے۔ حالانکہ جب باجو یہاں تھیں تب بھی اور ان کے جانے کے بعد بھی سکندر بھائی نے ہمیشہ مجھے اور باجو کو چھوٹی بہنوں کی طرح سے چاہا۔ محبت اور اہمیت دی۔ وہ اتنے ہینڈسم تو ہیں بجو ٹال اینڈ ڈشنگ۔ بس ذرا سے سانولے ہیں۔ تو کیا ہوا مردوں پر تو یہ رنگ بھی جچتا ہے۔ اس وقت پتہ ہے آپ کو وہ مجھ سے ملنے آئے تھے اور حوصلہ دے رہے تھے اس لیے کہ میں باجو کو مس کرتے ہوئے رو رہی تھی۔ پھر جب وہ گئے تو میں بھی باہر آ گئی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ یہاں سے میں نے آپ کو اس طرح دیکھ لیا اگر آپ کو میری بات اچھی نہیں لگی تو......"

"افوہ...... بس اوکے امامہ مان لیا تمہارے بھائی [illegible] ہیں۔" لاریب نے جھلاتے ہوئے کہا۔ امامہ بے [illegible] مسکرانے لگی۔

"صرف نائس نہیں ہینڈسم بھی اچھے خاصے ہیں۔ [illegible] بھائی کے بھلے پاسنگ بھی نہ ہوں مگر ہمیں عباس صاحب [illegible] لینا دینا کیا ہے اب ہمیں تو سکندر بھائی اچھے لگتے ہیں اور [illegible] کے ساتھ تو......"

"اچھا بس زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے [illegible] سب نیچے انتظار کر رہے ہیں۔" لاریب نے اسے ٹوک [illegible] اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ امامہ مسکرانے لگی تھی۔ [illegible] لاریب کے دل میں تیر سا پیوست ہو چکا تھا۔ اس کا عباس [illegible] سکندر کو ترجیح دینا اچھا نہیں لگا تھا۔

(ساری دنیا بھی تم پر سکندر کو ترجیح دے دے گی عباس [illegible] تب بھی اسے قبول نہیں کر سکتی وہ کبھی تمہارا نعم البدل نہیں ہو [illegible] کبھی نہیں) اس کی سوچیں شدت لیے ہوئے تھیں۔

❀......❀......❀
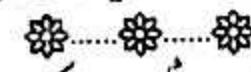
وہ بہت مہنگا اور شاندار ہوٹل تھا۔ پرسکون رومینٹک [illegible] مہکی ہوئی فضا سب کچھ قابل ستائش تھا مگر نندنی کا [illegible] ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ اسے ٹائم دے [illegible] بلانے کے باوجود ساحر خود ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ حالانکہ [illegible] یہاں انتظار کرتے ایک گھنٹے سے زیادہ ٹائم ہونے کو آیا تھا [illegible] کا دل بھر آنے لگا۔ ساری امنگیں سارے خواب جیسے بدل [illegible] یاسیت کے ساتھ مایوسی کا پیراہن اوڑھ رہے تھے۔

اس نے ٹیبل پر رکھی اپنی کلائی پر کہنی کے مقام پر جس [illegible] تھک کر سر رکھا اسی پل عباس حیدر نے گلاس ڈور کے باہر کھڑے [illegible] باوردی گارڈ کے دروازہ کھولنے پر قدم اندر رکھا۔ نندنی کو اس [illegible] اندر داخل ہونے کے بعد ہی مخصوص ٹیبل پر بیٹھے دیکھ لیا تھا [illegible] وہ سیدھا اسی جانب آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھنے سے قبل دانستہ [illegible]

نندنی پردانستہ نگاہ ڈالے بنا وہ اپنی سمت آنے والے [illegible] جانب متوجہ ہو گیا۔ اپنے لیے فریش ایپل جوس آرڈر کر [illegible] نے بہت پرسکون مگر سوالیہ انداز میں اپنی پرکشش آنکھیں [illegible] کی سمت اٹھایا جو اسے روبرو پا کے اتنی کنفیوزڈ ہو چکی تھی [illegible] نظروں کا مفہوم سمجھ لینے کے باوجود کچھ کہنے سے قاصر رہی [illegible]

"چلیں آپ ان کے لیے بھی ایپل جوس لے [illegible] چاہیے ہوگا آپ کو زحمت دے لیں گے۔" عباس نے شائستگی سے [illegible] ویٹر کو فارغ کیا۔ پھر کرسی سنبھال کر بیٹھنے کے بعد بھی اس کی [illegible] طرف دانستہ تاخیر سے متوجہ ہوا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اسے [illegible] بحال کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح آگاہ [illegible] تھا کہ لوگ اس کے روبرو آ کے اسی رعب حسن کی بدولت اپنا فطری [illegible] کھو بیٹھتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان لڑکیاں۔

"سوری مس! آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ ایکچولی نکلا تو ٹائم پر ہی تھا مگر راستے میں ٹریفک جام ہونے کے باعث تاخیر ہوگئی۔ بٹ اینی ہاؤ کیسی ہیں آپ؟" اس نے اپنے مخصوص بے نیاز مگر متاثر کن انداز میں کہا۔

"ج...... جی...... میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ہاتھ مسلے اور اپنی آنکھیں عادت کے مطابق جھکا لیں۔ شاید اس طرح اس کا [illegible] بحال ہو جاتا۔

"آپ نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟ میں یہی سوچ رہی تھی۔" نندنی کے اس سوال پر عباس نے جوس کا گلاس اٹھا کر بہت سلیقے سے ایک گھونٹ لینے کے بعد اسے دیکھا۔ میز پر جلتی ہوئی کینڈل کی تھرتھراتی لو کے پار اس نیم تاریک خوابناک ماحول میں وہ لڑکی جیسے کوئی پرستان کی پری لگ رہی تھی۔

"آپ جانتی تو ہوں گی میرا تعارف میں آج کل ایک نئی فلم بنانے والا ہوں اس کی کاسٹ کے لیے مجھے نئے چہروں کی تلاش تھی۔ ہیرو ہم سلیکٹ کر چکے تھے ہیروئن کے لیے مجھے آپ پرفیکٹ لگیں۔ آئی ایم شیور کہ آپ کام کرنا پسند کریں گی ہمارے ساتھ۔" نندنی حواس باختہ سی بیٹھی رہ گئی عباس نے جتنی آسانی اور سہولت سے اپنی بات کہی تھی اسے اتنی ہی دشواری سے سمجھ آئی۔ عباس کے لیے جتنا آسان تھا یہ کہنا اس کے لیے اس بات کو قبول کرنا اتنا ہی تکلیف دہ اور اذیت انگیز۔ اسے یونہی لگا تھا اسے کسی نے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔ اس شخص کے نزدیک یہ تھی اس کی حیثیت اس کی اہمیت اس نے کتنے زعم سے سارا [illegible] اپنے حسن کو دے دیا تھا۔ ہاں کریڈٹ تو اب بھی حسن کو [illegible] گیا تھا۔ سب سے زیادہ انسان محبت میں ہی دھوکے کھاتا ہے۔ [illegible] یہ حماقتیں بھی محبت کے ہاتھوں سرزد ہوتی ہیں۔ [illegible] طرح سے مجروح ہوا تھا اس کا پندار حالانکہ اس [illegible] جب نندنی نے ساحر کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں تو [illegible] کی فلمی زندگی کے ساتھ اس کی ذاتی زندگی کے متعلق بھی [illegible] معلومات بھی مل گئی تھیں۔ وہ شادی شدہ تھا اس کے حال ہی میں جڑواں بچے ہوئے تھے۔ بیٹا اسامہ بیٹی دیا۔ اس کی بیوی کا نام عریشہ تھا اور وہ اپنی بیوی کو کبھی میڈیا کے سامنے نہیں لایا تھا۔ وہ جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اندر سے وڈیرا ہی تھا۔ غیرت مند اور پوزیسو ایسا مشرقی مرد جو اپنی بیویوں اپنی عورتوں کے لیے بے حد کٹر ہوتے ہیں۔ وہ جانتی تھی مگر وہ پھر بھی جانے کس خوش فہمی کا شکار ہوگئی تھی۔

اتنا سب کچھ جان لینے کے باوجود محض اپنے حسن کے زعم میں مبتلا ہو کر چلی آئی تھی۔ اس خیال کے ساتھ کہ وہ اسے جیت لے گی۔ عباس اس سے شادی کر لے گا۔ تف ہی تو ہوا تھا اسے اپنی سوچ پر۔ کیا ہر مرد ہر ایری غیری عورت کو بنا سوچے سمجھے اپنے دل میں اپنے گھر میں جگہ دے دیا کرتا ہے۔ ہرگز نہیں......

اس کے چہرے پر کچھ ایسا اجاڑ پن اور وحشت تھی کہ عباس حیران پریشان سا رہ گیا۔ جبھی اس نے اپنے انداز میں اسے تسلی دینی چاہی تھی۔ اس خیال کے مطابق جو وہ قیاس کر پایا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ہمارا کام بہت صاف ستھرا ہوتا بس آپ کا چہرا غیر معمولی طور پر حسین اور سحر انگیزی کی حد تک معصوم اور نوخیز ہے ہماری ہیروئن کی یہی ڈیمانڈ ہیں جن پر کم از کم انڈسٹری کی کوئی ایکٹریس پوری نہیں اترتی تھی۔ آپ کو دیکھ کر میں آپ سے ریکویسٹ کیے بغیر نہیں رہ سکا لیکن اگر آپ نے مائنڈ کیا ہے تو پھر بھول جائیں کہ میں نے ایسا کچھ کہا بھی ہے آپ سے۔" وہ اسے ہرٹ ہوتا محسوس کر چکا تھا جبھی بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا نندنی نے نمناک آنکھوں کو اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور پھر سے پلکیں جھکاتے ہوئے ہونٹ بھینچ کے تمام آنسو اندر اتار لیے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔" کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں کہا۔ عباس جو بے حد الجھن و حیرت میں مبتلا اسے دیکھ رہا تھا پہلی بار کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ شاید یہ ہمدردی کا ایک احساس تھا کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اوکے...... ایز یو وش آئیے میں ڈراپ کر دوں آپ کو۔" نندنی کو بھلا کہاں یہ توقع تھی اس نے یکدم چونکتے ہوئے اسے دیکھا مگر آنکھوں میں دھند اتنی اتری ہوئی تھی کہ اس کا وجیہہ سراپا اس کی نظروں میں دھندلایا ہوا نظر آنے لگا۔

"نو تھینکس میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے بامشکل جواب دیا اور قدم بڑھا دیے۔

"تکلف مت کریں' مس نندنی! آپ کی طبیعت مجھے بالکل ٹھیک نہیں لگتی' اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ کے اس معمولی سے کام سے مجھے زحمت ہوگی تو یہ خیال بہت غلط ہے آپ کا۔" عباس حیدر لمبے ڈگ بھرتا اس کے مقابل آ کر اتنے رسان لتنے وقار سے بولا تھا کہ نندنی انکار کرنے کی ہمت نہیں کرسکی۔ اس نے اسی پل جانا تھا وہ شخص اتنا پاورفل ہے کہ نندنی جیسی اس کی محبت میں پوری طرح سے غرق لڑکی اس کے آگے تردید کی تاب رکھتی ہی نہیں ہے۔ چاہے وہ معاملہ کتنا ہی معمولی ہو یا کسی بڑی نوعیت کا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے اور اس حسین جوڑے کو کتنی نگاہوں نے توصیفی وستائشی انداز میں دیکھا اور سراہا تھا۔

"آپ کا شکریہ مس نندنی کہ آپ نے اعتماد کیا مجھ پر۔" عباس نے اس کے لیے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد عباس نے سحر انگیز مسکان کے ساتھ نہایت شائستگی سے تشکر کا اظہار کیا۔ نندنی مسحور سی بیٹھی رہ گئی' اس کا دل بیک وقت غم وانبساط کے درمیان ڈولتا رہا تھا۔ اک لہر شدید غم کی تھی تو دوسری فخر وناز کی کہ عباس نے کسی طور بھی سہی اسے اہمیت سے تو نوازا تھا۔ اس طرح نہ سہی اس طرح سہی۔ یہ اب اس کی قسمت تھی کہ اس کی زندگی میں اس کی حیثیت اس کی جگہ اس درجہ معمولی نوعیت کی قرار پائی تھی۔ مگر پائی تو تھی نا' یہی بہت تھا' کس درجہ وحشت اور بے قراری تھی اس وقت جب اس کی زندگی میں وہ کہیں نہیں تھا' اب کیا اس تلاش کا حاصل یہ فیصلہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ اسے خود کھو دیتی۔ پھر اس کے سامنے رہتے ہوئے اس سے کٹ کر رہنا آسان نہیں تھا۔ وہ کسی طرح بھی اب خود کو اس سے الگ اور لاتعلق نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس وقت جتنا بھی دکھ اور ملال تھا مگر یہ حقیقت اٹل تھی کہ وہ اس کی زندگی میں ٹانک کا کام کرتا تھا۔ اس نے جانا وہ خود کو اس کے دائرے سے نکالنے پر قادر نہیں ہے تو اس نے باخوشی اپنی ساری ڈوریاں اسے تھمانے کا فیصلہ کرلیا۔

ہوٹل سے گھر تک کا فاصلہ طے نہیں ہوا تھا۔ اس کی آئندہ زندگی کا لائحہ عمل ترتیب پایا تھا۔ اس کی زندگی کے اہم ترین فیصلے ہوئے تھے۔ عباس نے جس پل اس کے بتائے گئے ایڈریس کے مطابق زینب کے گھر کے سامنے گاڑی روکی نندنی پوری طرح خود کو سنبھال کر اس اذیت کے سمندر سے باہر نکل آئی تھی۔ جبھی اترنے سے قبل اس نے جھکی نظروں کے ساتھ عباس کو اندر آنے اور چائے پینے کی آفر بہت اپنائیت سے دی تھی ... نے تب اسے قدرے دھیان سے دیکھا اور سر کو نفی میں ... دے دی۔

"سوری' مجھے کسی کام سے جانا ہے' اس لیے رک نہیں ... کیا اب آپ خود کو بہتر محسوس کررہی ہیں؟" دوسرا اور آخری ... اس نے جیسے رسماً مروت نبھانے کو کیا تھا۔ مروت کا ... سہی مگر تعلق تو تھا۔ نندنی بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"جی اب میں' بہتر ہوں۔ آپ کا شکریہ اور اب نہیں ... پھر جب مجھ سے ملیں گے تو لازمی چائے پئیں گے۔" ... اس بات پر چونک اٹھا تھا۔

"پھر......؟" اس کا انداز سوالیہ واستفہامی تھا۔

"آف کورس پھر...... اگر میں آپ کی آفر کو ورنہ نہیں ... لازماً ہم دوبارہ ملیں گے۔" نندنی کے مسکرا کر دیے جواب ... عباس کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتار دیا۔ یہ حقیقت تھی ... کی خاموشی کو اس کا انکار سمجھتے ہوئے وہ خاصا پریشان ہو ...

"اوہ...... ریئلی امیزنگ۔ میں تو سمجھا آپ واقعی انکار ... گی مجھے' تھینکس آلاٹ۔" وہ بہت صاف گوئی سے کہہ ... نندنی سر جھکائے کھڑی رہی۔ اداس ملول اور بے کل سی۔ (... انکار کرتی میں ساحر صاحب؟ ہماری تمنا ہماری آقا ہوتی ہے ... جتنا زورآور ہو غلام کو اتنا ہی تابعدار ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ میں ... اتنی بے بس لاچار نہ ہوتی۔ نہ اس تھوڑے پر راضی بارضا ہوتی ... اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ محبت میں دل تو بڑا کرنا پڑتا ہے)

(جاری ...)

ہوائیں سرد ہوجائیں یا لہجے برف ہوجائیں
ہم اس کی یاد کی چادر خود پہ تان لیتے ہیں
اگر وہ روٹھ جاتا ہے، ہماری جان نکلتی ہے
یہ سانسیں جاری رکھنے کو ہم اُس کی مان لیتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فراز کو ساحر بطور ایکٹرا اپنی فلم میں کاسٹ کرلیتا ہے لیکن جب وہ ماما پاپا سے اس حوالے سے بات کرتا ہے تو وہ اس پر سخت برہم ہوتے ہیں اور قطعی انکار کردیتے ہیں جس پر وہ بغاوت پر اتر آتا ہے بعدازاں تاؤ جی کے سمجھانے پر وہ اسے فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ نندنی حسن کے ساتھ ایک کنسرٹ میں شرکت کرتی ہے جہاں اس کا مقصد ساحر سے ملاقات ہے مگر جیسے ہی ساحر کنسرٹ میں آتا ہے وہ اس کے سحر میں جکڑتی چلی جاتی ہے ساحر کے پاس لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی حسن کے ساتھ اس کا آٹوگراف لینے کے لیے انتظار کرنے لگتی ہے جب ہی ساحر کو عریشہ کی کال آجاتی ہے اور وہ کنسرٹ ادھورا چھوڑ کر جانے کی کرتا ہے جب ہی اچانک اس کی نظر نندی کے سوگوار اور مبہوت کردینے والے حسن کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے اور وہ اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتا ہے جس پر وہ کافی خوش گمانی کا شکار ہوجاتی ہے۔ واپسی پر نندنی زینب سے کہتی ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے جس پر زینب اسے سمجھاتی ہے کہ اسلام کو سمجھ کر ہی اسے قبول کرنا چاہیے نہ کہ نام کے لیے جس پر وہ زینب کی طرف سے بدگمانی کا شکار ہوجاتی ہے۔ لاریب سکندر کے ساتھ شاپنگ کی غرض سے جاتی ہے اور فرنٹ سیٹ کے بجائے پیچھے بیٹھ جاتی ہے جس پر سکندر اشتعال میں آجاتا ہے اور گاڑی کی اسپیڈ خطرناک حد تک بڑھا دیتا ہے جس پر لاریب ہراساں ہوکر اس کی ضد مان لیتی ہے۔ لاریب سکندر کے رویے سے اور پریشان ہوجاتی ہے مگر کچھ سوچ کے امامہ کی شادی تک رُک جاتی ہے اور سکندر کی جانب سے دیا گیا ایئررنگز کا تحفہ قبول کرلیتی ہے۔ عریشہ عباس پر اپنی فیملی کو منانے کے لیے دباؤ ڈالتی رہی ہے اور اب اس کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس پر عباس ہمیشہ کی طرح اس کی خوشی کے آگے سر جھکا لیتا ہے جب ہی اس کے سیکریٹری کا فون آتا ہے اور وہ اس کی یاد دہانی پر نندنی کو اپنی فلم میں کام کرنے کی غرض سے آفر دینے کے لیے کال کرکے ملنے کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ دوسری جانب عریشہ اس کی باتیں ان کے سطحی بیویوں کے انداز میں بات کرتی ہے جس پر عباس اس کو پیار سے سمجھا کے مطمئن کردیتا ہے۔ امامہ اپنی مایوں والے دن لاریب کو سمجھاتی ہے کہ سکندر کس طرح اس کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے مگر وہ امامہ کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اسے جھڑک دیتی ہے۔ نندنی اپنی خوش گمانیوں اور اپنے منزل کے قریب ہونے پر مسرور سی عباس سے ملنے آتی ہے مگر جب عباس اسے اپنی فلم آفر کرتا ہے تو ساری خوش فہمیاں جیسے ختم سی ہوجاتی ہیں اس کا پندار نہایت بُری طرح مجروح ہوتا ہے اور وہ اداس سی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے جب ہی عباس اسے ڈراپ کرنے کی آفر کرتا ہے جسے وہ قبول کرلیتی ہے۔ گھر آنے تک نندنی فلم میں کام کرنے کا فیصلہ کرلیتی ہے وہ عباس کے قریب آ کے دور جانا نہیں چاہتی اور جب وہ عباس کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی ہے وہ پُرسکون ہوجاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

☆☆☆

"ہماری تمنا ہماری آقا ہوتی ہے۔ آقا جتنا زورآور ہو غلام کو اتنا ہی تابعدار ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ ہم ہرگز اتنے کمزور اتنے بے بس نہ ہوں۔ وہ اس تھوڑے پر بھی راضی بارضا رہنے پر مجبور تھی۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ محبت میں دل تو بڑا کرنا ہی پڑتا ہے اگر لینے والے نہ بن سکیں تو خود بخود دینے والوں میں شمار ہوجایا کرتے ہیں لیکن اگر محبت ہو شرط ہی محبت ہے اور یہاں کیا شک تھا کہ محبت تھی بلکہ عشق جنوں خیز تھا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں مس نندنی، ورنہ ہمیں بہت مشکلات کا سامنا ہوتا تھینکس اگین۔" عباس حیدر واقعی ریلیکس تھا اس کا لہجہ بھی پہلے کی نسبت اب بے تکلف تھا نندنی کے ہونٹوں پر موجود پھیکی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی۔

(مجھے پتا چل گیا تھا ساحر صاحب کہ میں اگر تمہاری آفر ٹھکراؤں گی تو کبھی تم سے پھر نہیں مل سکوں گی۔ جبکہ مجھ میں اب یہ حوصلہ ہے نہ ہمت اس انکشاف کے بعد کیا گنجائش بچی تھی کہ میں اپنی من مانی کروں)

"مگر میں نے اگر ہاں نہیں کی تھی تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔" وہ جس طرح مغموم سی خفگی کے ساتھ بولی عباس بے ساختہ ہنستا چلا گیا کتنی خوب صورت تھی اس کی ہنسی نندنی تو جیسے اس سحر میں گم ہونے لگی تھی۔

"مگر یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا انداز انکار کرنے والا تھا۔ اینی ویز مجھے بہت اچھا لگا کہ آپ نے انکار نہیں کیا کیونکہ میں کچھ لوگوں سے پورے یقین کے ساتھ کہہ چکا تھا کہ میں اپنی موی کے لیے ہیروئن سلیکٹ کرچکا ہوں۔ آپ کا انکار مجھے شرمندگی میں ہی نہیں بڑی خواری میں بھی ڈال سکتا تھا۔" نندنی نے جھکی پلکیں اٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا اور پھر سے نہ صرف نظریں جھکائیں بلکہ سر بھی جھکالیا۔ وہ اپنی اہمیت اپنی قدرومنزلت سے آگاہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ جانتا کہ بہرحال اس جیسے شخص کو انکار کرنا کم ازکم نندنی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"تھینکس مس نندنی! فی الحال میں جلدی میں ہوں۔ آپ سے ان شاء اللہ پھر بات ہوتی ہے۔ میں جلد ہی آپ سے آئندہ کا لائحہ عمل طے کروں گا بلکہ میرا اسسٹنٹ آپ سے سارا معاملہ طے کرے گا۔" وہ اسے وش کرتا ہوا چلا گیا تو نندنی نے اس وقت تک وہیں کھڑے ہوکر اسے دیکھا تھا جب تک اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

اس نے درد سے پھٹتے سر کے ساتھ کروٹ بدل کر منہ کو پھر سے تکیے میں چھپالیا۔ عجیب سی وحشت رگ و پے میں سرایت کرتی جارہی تھی۔ اتنے بڑے کمرے میں آج وہ بالکل تنہا تھی۔ اس سے قبل کتنے دنوں تک امامہ مستقل اس کے ساتھ سوئی تھی مگر یہ ساتھ کوئی ہم وقت کا بھی نہیں تھا نہ وہ اس کی اتنی عادی تھی کہ اس کی کمی کو محسوس کرتی۔ دکھ تو اسے اس کا وقاص کے سنگ رخصت ہونے کا رلا رہا تھا۔ پچھتاوا، غم، یاس۔ وقاص کی آنکھوں میں جو جتلاتی ہوئی کیفیت تھی جیت لینے کا طنزیہ احساس تھا۔ اچھی بھلی شکل کے باوجود وہ اسے کسی جانور سے مشابہ لگنے لگا تھا اس کے برعکس امامہ بلڈ ریڈ بے حد اشتعال انگیز جوڑے میں دلہناپے کے روپ کے ساتھ اس کی نوخیزیت اور معصومیت بھرے حسن پر نگاہ نہیں ٹکتی تھی۔ اسے وقاص کے پہلو میں دیکھ کر لاریب کے سارے زخم پھر سے تازہ ہوگئے تھے برسوں قبل ہوئی اماں کی وفات، نئی تازہ دل پر ہونے والی واردات، اپنی رنجیدگی، عباس حیدر کی بے حسی اس دکھ میں مبتلا ہوکر اس کا اپنا وحشتوں کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے اٹھایا گیا قدم ایمان کی کج ادائی کا سنگین مظاہرہ۔ وہ بھلا کس غم کو چھوڑ کر کس پر آنسو بہاتی۔

امامہ کی رخصتی کے وقت جب وہ خود پر ہر قسم کا ضبط توڑ کر بری طرح سے بلکنے جارہی تھی تب سکندر جانے کس سمت سے نکل کر غیر محسوس انداز میں اس کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"رونے سے مسائل کا حل نہیں نکلا کرتا لاریب بی بی! ہر مشکل و پریشانی کا حال اللہ پاک کے پاس ہے آپ دعا کریں اللہ سمیع الدعا ہے۔" اور لاریب رونا بھول کر اسے تکنے لگی تھی۔ وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا۔ بظاہر سامنے دیکھتا ہوا مگر درحقیقت اس کی پریشانی سے بے چین اور مضطرب۔ تب لاریب کو محض ایک لمحے کو لگا تھا اس وقت اس کے پاس جو بچی کھچی پونجی ہے ان میں سکندر کا شمار بھی ہوتا ہے۔ اس رات لاریب نے جانے کتنے عرصے کے بعد عشاء کی نماز ادا کی تھی اور پوری شدت اور دلی آمادگی کے ساتھ امامہ اور ایمان دونوں کی خوشیوں کے لیے خلوص دل سے دعا کی تھی۔ امامہ ٹھیک ہی تو کہتی تھی وہ بھلے انہیں چھوڑ گئی تھی مگر اس سے دل کا تعلق ٹوٹنے والا نہیں تھا۔

وہ بابا سائیں کو کھانا کھلا کر دوا دے آئی تھی۔ گو کہ یہ کام سکندر کی ذمہ داری تھا مگر وہ اپنی موجودگی میں کرواتی تو تسلی رہتی تھی۔ مزید کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہ آئی اور نہ ہی سر درد میں افاقہ ہوا تو ٹیبل لیمپ آن کرکے پین کلرز ڈھونڈنے لگی۔ دوا دراز میں نہیں تھی۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اٹھ کر دروازہ کھولتی باہر آ گئی۔ راہداری سنسان تھی۔ لاریب کچن کی سمت آئی تو کچن کی لائٹ جلتی دیکھ کر اس نے یہی قیاس کیا کہ اندر کوئی ملازمہ ہوگی۔ مگر کچن کے دروازے سے قدم رکھتے ہوئے سکندر سے ہونے والا سامنا لاریب کو جزبز سا کرگیا۔

بلیک ڈریس پینٹ پر سفید براق شرٹ پہنے جس کی آستینیں فولڈ تھیں اور گریبان کے اوپری دو بٹن کھلے وہ چولہے کے آگے کھڑا چائے بنانے میں مصروف تھا آہٹ محسوس کرکے بے اختیار پلٹا اور اسے روبرو پا کر اس کی آنکھوں میں یکایک کتنی چمک اور جگمگاہٹ اتر آئی تھی۔

"آیئے..... آیئے آپ کو بھی یقیناً چائے کی طلب کھینچ لائی ہے۔" وہ خوامخواہ چہکا۔ لاریب نظر انداز کیے آگے بڑھ کر فریج کا دروازہ کھول کر کھڑی ہوگئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" اسے کیبنٹ سے دوائی کی شیشی سے پین کلرز نکالتے دیکھ کر سکندر کو اسے تشویش لاحق ہوئی۔ لاریب نے اسے نظر انداز کیا اور اپنا کام جاری رکھتے ہوئے ریک سے گلاس اٹھا کر سنک سے پانی لیا اور کھڑے کھڑے دوا پھانک

گلاس منہ سے لگالیا۔

”خفا ہیں مجھ سے؟“ چائے کی طلب ہونے کے باوجود وہ محض اس وجہ سے خود پر جبر کرگئی کہ سکندر کے پاس ٹھہرنا اسے گوارا نہیں تھا۔ مگر سکندر اسے پلٹتے دیکھ کر اور خاموشی کو محسوس کرتا اچھا خاصا پریشان ہوچکا تھا۔ جبھی ہاتھ پکڑ کر روکا اور بے حد اپنائیت آمیز انداز میں کہا تھا۔ لاریب تھم سی گئی۔ اس کی نظریں اس کے سانولے ہاتھ میں دبے اپنے بے حد سفید اور نازک ہاتھ پر پڑی تھیں پھر سرد مہر انداز میں سکندر کے چہرے پر جا رکیں۔

”ہاتھ چھوڑو میرا سکندر۔“ اس کا لہجہ بھی اس کی نظروں جیسا تھا۔ سرد اور ٹھہرا ہوا۔ سکندر نے بغیر کسی رد و کد کے اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔ پھر بہت سرعت سے چائے کا مگ اٹھا کر اس کے آگے کیا تھا۔

”پلیز لے لیجیے میں جانتا ہوں آپ کو اس کی ضرورت ہے۔“ اس کا انداز بے حد اپنائیت اور کسی حد تک لجاجت لیے ہوئے تھا۔ لاریب نے خاموشی سے اسے دیکھا تو سکندر کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکان نظر آئی۔

”یقین مانیں میں نے اس میں ایسا کوئی تعویذ نہیں گھولا جس کے اثر سے آپ کو مجھ سے محبت ہوسکتی ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی خفیف سی شوخی و شرارت سمیت لایا تھا۔ لاریب بری طرح جھنجلائی۔

”تم اپنا یہ شوق بھی پورا کر کے دیکھ لینا مجھ پر اثر ہونے والا نہیں۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرائی اور مگ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ سکندر بے اختیار ریلیکس ہوا اور ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ڈائننگ ٹیبل کی میز کے گرد موجود کرسیوں میں سے ایک کو کھینچ کر اس کی جانب کیا۔

”بیٹھ کے پی لیں۔“ لاریب پتا نہیں کس رو میں تھی کہ بے خیال سی بیٹھ گئی۔

”تم اکثر شہر جاتے رہتے ہو سکندر کبھی باجو نظر نہیں آئی تمہیں؟“ سوال ایسا غیر متوقع تھا کہ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

”نہیں ویسے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ آپ کے لیے تو یہ ذکر ممنوع تھا۔“

”اگر کبھی وہ ملیں تو انہیں بتانا ضرور کہ ان کا بھگتان ان کی سب سے لاڈلی بہن کو بھگتنا پڑا ہے۔ وہی جس کو انہوں نے اولاد کی طرح پالا اور سنبھالا تھا۔ سکندر وہ اتنی مفاد پرست تو کبھی نہیں تھیں۔ وقاص نے امامہ کو جھانسہ دینے کو جیسے بھی خواب دکھائے مگر اس کے باوجود میں نے آج امامہ کی آنکھوں میں جو ہراس دیکھا وہ غیر محفوظ مستقبل کا ہے۔ ہم سب بہنیں کتنی عجیب قسمت لے کر پیدا ہوئیں۔ چاہے وہ باجو ہوں میں یا پھر امامہ۔ ہمیں کچھ بھی پورا نہیں ملا۔ سب کا سب ادھورا اور نامکمل۔“ آنسو قطرہ قطرہ اس کی سحر طراز آنکھوں سے گر رہے تھے اور سکندر کتنی بے بسی کی کیفیت سے دوچار تھا۔

”مجھے تمام تر کوشش کے باوجود نیند نہیں آسکتی اور ایسا ہمیشہ اس وقت ہوا ہے جب باجو یا پھر امامہ تکلیف میں ہوں۔ تم بتا سکتے ہو ان دونوں میں سے اس وقت کون کرب یا آزمائش سے دوچار ہے۔“ اس کی آنکھوں میں جابجا وحشتوں کا رقص جاری تھا۔ سکندر تو جیسے بولنے کے قابل نہیں رہا۔

”آپ حد سے زیادہ حساس ہو رہی ہیں لاریب بی بی سر درد کے بجائے آپ کو نیند کی گولی لے کر سونا چاہیے تھا۔ بہت زیادہ سوچنے کے باعث آپ فرسٹیشن کا شکار ہو رہی ہیں۔ آرام کریں پلیز۔“ سکندر نے صرف کہا نہیں تھا زبردستی اسے تھام کر اس کے کمرے تک لے آیا۔ ایک گولی نیند کی اسے کھلائی پھر بستر پر لٹا کر جس وقت اسے کمبل اوڑھا رہا تھا لاریب نے اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”تم انہیں ضرور ڈھونڈنا سکندر۔ انہیں بتانا کہ امامہ ان کی وجہ سے اب تک بہت روئی ہے۔ لاریب کو اس کے بعد سے نیند نہیں آئی اور بابا...... بابا تو اب سونے سے بھی ڈرنے لگے ہیں۔ اس بے خوابی نے انہیں بیمار کردیا ہے سکندر۔ تم بتانا انہیں، تم بتاؤ گے نا انہیں؟“ نیم غنودہ کیفیت میں وہ مسلسل بولے جارہی تھی اور سکندر کا دل اس بے حد حسین لڑکی کے اتنے گہرے دکھ کو محسوس کرتا خون ہوتا جارہا تھا۔

(نہیں لاریب میں تمہیں زور زبردستی سے نہیں پیار اور محبت سے حاصل کروں گا۔ مجھے تمہیں مزید نہیں توڑنا۔ مجھے تمہیں بہت سینت سینت کر رکھنا ہے) اس نے خود سے عہد باندھا تھا۔ مگر کچھ عہد بندھتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔ سکندر نہیں جانتا تھا مگر یہ سچ تھا اس کا یہ عہد بھی ٹوٹ جانا تھا۔

اگلی صبح بہت نکھری اور روشن تھی۔ مگر لاریب ہنوز اپ سیٹ اور مضمحل تھی۔ سکندر مختلف کاموں میں الجھا بھی اس کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جیسے ہی اسے ذرا فراغت نصیب ہوئی وہ بلا جھجک اس کے کمرے کی جانب آ گیا۔

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ اس نے لاریب کا چہرہ بہت دھیان سے دیکھا تھا۔

”مجھے کیا ہونا ہے ٹھیک ہی ہوں۔ امامہ کا کوئی فون وغیرہ آیا؟“ اس نے بالوں کو سمیٹے بغیر بے زار سے انداز میں پشت پر ڈال دیا!

تھا۔ سکندر بے اختیار نظریں چرا گیا۔ وہ اسے یہ بتا کر مزید پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا کہ بابا سائیں کے بار بار کہنے پر اس نے جتنی مرتبہ بھی امامہ یا پھر وقاص کا نمبر ملایا ہر بار کال کاٹ دی گئی تھی۔ لینڈ لائن بھی بند پڑا تھا۔

”جی...... بابا سائیں نے کی ہے بات آپ ناشتا کرلیں پھر ولیمہ پر بھی جانا ہے آپ کو۔“ سکندر نے دھیمے لہجے میں نرمی سے جواب دیا۔ لاریب کے چہرے پر سکون کا ایک رنگ اترا مگر یہ عارضی ثابت ہوا کہ کچھ دیر بعد وہ پھر سابقہ پریشانی کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

”امامہ کا سیل آف ہے۔ وقاص بھی کال اٹینڈ نہیں کررہا، وائے؟“ اور سکندر کی وضاحتیں دیتی جان مصیبت میں آنے لگی تھی۔ لاریب کے اندر بے چینی گھر کرتی جارہی تھی۔ جبھی وہ عجلت میں تیار ہوکر تایا سائیں کے ہاں جانے کو روانہ ہوگئی۔ یہاں سے بابا سائیں کے علاوہ سکندر بھی ہمراہ تھا کہ ان کی طرف تو مہمان ویسے ہی کم تھے۔ جو آئے تھے وہ بھی دلہن کی رخصتی کے ساتھ ادھر چلے گئے کہ رشتہ داری تو دونوں جانب ایک جیسی تھی۔ سو اب ولیمہ میں شریک ہونے کو یہی تین لوگ تھے۔ سکندر ہمیشہ بڑی حویلی آنے سے کتراتا تھا کہ یہاں وقاص ہی نہیں تایا سائیں کا انداز بھی اس کے لیے تحقیرانہ اور تضحیک آمیز ہوتا تھا۔ تایا سائیں بابا سائیں کے بالکل برعکس تھے۔ ان میں رعونت بھی تھی اور تکبر بھی وہ دوسروں کو خود سے حقیر اور کمتر سمجھتے تھے۔ سکندر دل ہی دل میں دعا گو تھا یہ چند گھنٹے بغیر کسی بدمزگی کے گزر جائیں۔

❁......❁......❁

حاکم شہر بتا وقت کے شکنجوں نے
خواہشوں کے پھولوں کو نوچ نوچ توڑا ہے
کیا یہ ظلم تھوڑا ہے؟
درد کے جزیروں نے آرزو کے جیون کو
مقبروں میں ڈالا ہے
ظلمتوں کے دریا ہیں لوگ سب لٹیرے ہیں
موت روٹھی بیٹھی ہے ذات ریزہ ریزہ ہے
تار تار آنچل ہے دربدر جیون ہے
شبنمی سی پلکیں ہیں قرب ہے نہ دوری ہے
زندگی ادھوری ہے
اب یقین آیا ہے موت بھی ضروری ہے

اس نے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑ کر صاف کیا اور چہرہ گھٹنوں پر رکھ کر پھر سے سسکنے لگی۔ ابھی کچھ دیر قبل زینب اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی۔ وہ اسے ہرگز خوش نہیں لگی تھی۔ نندنی کے فیصلے نے اسے شاک میں مبتلا کردیا تھا۔ اسے نندنی کا ساحر کی بات مان لینا پسند نہیں آیا تھا۔

”تم جانتی ہو نندنی یہ مووی بنانا ان میں کام کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟“ وہ کتنی متاسف تھی آواز اس کے حلق سے جیسے پھنس کر نکل رہی تھی۔ شاید وہ اپنے طور پر اسے مسلمان بنا کر ہی خوشی محسوس کرسکتی تھی۔ وہ اسے اس راستے پر لانا چاہتی تھی مگر اسے ٹریک بدلتے دیکھ کر ہرٹ ہوئی تھی۔

”یہ گناہ و ثواب تمہارے مذہب کا حصہ ہیں زینب! مجھے ان سے کیا سروکار۔ میرے لیے تو سب کچھ ساحر کی ذات ہے۔ مجھے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کا وجود روشنی کا وہ جگنو ہے جو اس پوری تاریکی میں ڈوبی کائنات میں میرے لیے امید زندگی اور آس کا باعث ہے۔ تمہیں کیا پتا میں نے اس وقت کے حصول کی خاطر کیسے کیسے کشٹ کاٹے ہیں۔ زمین میرے قدموں کے نیچے ہمیشہ دلدل بنی رہی ہے۔ جس میں میرا وجود دھنسا جاتا تھا۔ یہ لمحہ لمحہ کی موت کس قدر اذیت انگیز ہوتی ہے تم نہیں جان سکتیں۔ میں زمین پر پیر جمانے کی خواہش میں ترس گئی تھی۔ تم چاہتی ہو تم مجھ سے یہ سکون بھی چھین لو۔ یہ ادھوری خوشی بھی لے لو۔ جس سے میں نے خود کو بامشکل بہلایا ہے۔ اس سے ملنے کا کوئی یقین کامل تھا میرے اندر۔ جو مجھے حوصلہ اور ہمت کی تھپکی دے کر ہمیشہ ان وحشتوں سے بچا کر نکال لایا کرتا تھا۔ ورنہ اب تک تو پاگل ہوچکی ہوتی میں۔ محبت کوئی ہار یا جیت نہیں ہوتی زینب۔ میں محبت کی بات کررہی ہوں واضح رہے پیار اور چاہت کی نہیں یہاں کوئی چور دروازے نہیں ہوتے۔ یہاں جتنا آگے بڑھتے جائیں نہ پیچھے سراب آتے جاتے ہیں۔ واپسی ممکن نہیں۔ میں واپس لوٹنا بھی نہیں چاہتی اب تو جو بھی ہے جیسا بھی ہے کی بنیاد پر مجھے قبول ہے۔ وہ میرا نہیں بنا اس سے پہلے کسی اور کا ہوگیا۔ یہ احساس جتنا بھی جان لیوا ہے مگر اس وحشت کے احساس سے بہرحال کم جو ساحر سے دوری میں ہے۔ میں اس سے الگ ہوکر دور ہوکر نہیں جی سکتی زینب اب وہ اگر مجھے کہے گا یہ دن نہیں رات ہے تو میں ہاں کہوں گی۔ آقا کے حکم کے آگے غلام کو ”ناں“ زیب نہیں دیتی ہے پھر میں دلی آمادگی کے ساتھ کروں گی یہ سب۔ کوئی مجبوری نہیں ہے تم یقین کرو۔“ وہ بات کے اختتام تک ہچکیوں سے رو پڑی تھی گویا در پردہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی حق تلفی کا احساس ابھی بھی باقی تھا۔ جس کا اظہار بھلے زبان سے نہ ہوتا تھا مگر دل تو کرتا تھا۔ زینب کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ اسے بہت عزیز تھی۔ اس نے بے اختیار نندنی کو خود سے لپٹایا پھر محبت سے تھپکنے لگی۔

”تم غلط سمجھتی ہو نندنی کہ تمہاری خوشی نے مجھے مایوس کیا ہے۔

ایسا نہیں ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے تم خود کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ تمہاری آنکھوں میں جو ویرانہ پہلے آباد تھا آج بھی جوں کا توں ہے۔ اگر تم اس طرح خوش رہ رہی ہو تو پھر تمہاری آنکھیں اس خوشی کا اظہار کرنے سے قاصر کیوں ہیں؟ ہم محبت کو انڈر اسٹینڈنگ سے زیادہ اہمیت دے کر غلطی کر رہے ہوتے ہیں۔ انڈر اسٹینڈنگ محبت کی طرف لے جاتی ہے مگر انڈر اسٹینڈنگ کے بغیر محبت کو دیمک لگ جاتی ہے۔ تم نے اس سے محبت کی اور اسے ہمیشہ اچھے انداز میں سوچا ہے لیکن اس کی اہمیت اس کے انداز سے عیاں ہے تمہاری پہلی ہی توقع بہت برے طریقے سے ٹوٹ چکی ہے۔ تم صبر کرنا جانتی ہو مگر کب تک، یہ طنابیں ٹوٹ بھی سکتی ہیں۔ ان کی قوت مضبوطی کو مت آزماؤ۔ ایسا نہ ہو تمہیں اس محبت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔" زینب کے لہجے میں خلوص تھا مگر نندنی کے دل میں بدگمانی آنے لگی شک اور بغض سر اٹھانے لگا تو وجہ یہی تھی کہ وہ اسے ساحر کی جانب بڑھنے والے راستوں پر اندھا دھند دوڑنے سے روک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے مشورہ تو نہیں مانگا ہے زینب مائنڈ اٹ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ یاد کریں ساحر کی خاطر میں نے اپنے سگے رشتوں کو چھوڑ دیا۔ اب اگر اس کی طرف جاتے راستے کھلے ہیں تو میں آپ کی باتوں پر کیوں کان دھرنے لگی۔ میں بہت جلد آپ کا گھر چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گی تاکہ آپ کی روک ٹوک نہ سہنی پڑے۔" اس کا لہجہ کافی بدلحاظ تھا۔ زینب کے گلابی چہرے پر سرخی سی چھا گئی وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم نے ٹھیک کہا نندنی تم اپنی مرضی کی مالک ہو ہر فیصلہ کرنے کا حق محفوظ ہے تمہارے پاس۔ دوست اور ہمدرد ہونے کی حیثیت سے میں نے سمجھانے کا فریضہ ادا کر دیا۔ میری بات کسی طرح بھی تم پر لاگو نہیں ہوتی لیکن نندنی تم یہیں رہو گی تو مجھے خوشی ہوگی۔" اس کے چہرے کی کیفیت کے برعکس اس کا لہجہ متوازن تھا اور معقول تھا مگر نندنی پھر بھی اپنی جنونی اور شدید ہیجان کے عالم میں تھی۔ جبھی اسے جواباً گھورنے لگی۔

"یہاں رہوں' تاکہ آپ واعظ و نصیحت کا شوق پورا کرتی رہیں۔ مسلم ایسے ہی ہوتے ہیں زبردستی اپنے دین میں داخل کرنے والے انتہا پسند۔" وہ حقارت سے کہہ رہی تھی۔

"تم ابھی غصے میں ہو نندنی' ہم پھر بات کریں گے۔" زینب کے تحمل کا وہی عالم تھا مگر نندنی مزید بھڑک گئی۔

"لیکن مجھے آپ سے اب کوئی بات نہیں کرنی...... ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ آپ میری خوشیوں سے اس طرح جیلس ہو جائیں گی۔" وہ حلق کے بل چیخنے لگی۔ زینب نے سنا تھا مگر نظرانداز کیے پلٹ کر چلی گئی۔ نندنی بعد میں بھی کتنی دیر تک بلکتی اور تڑپتی رہی تھی۔ عجیب سی وحشت تھی جو اسے اپنے جنونی پنجوں میں جکڑ کر بے حال کر رہی تھی۔

"میں اب کسی کی بھی نہیں سنوں گی ہرگز نہیں۔ مجھے صرف ساحر کا حصول درکار ہے۔ چاہے کیسے بھی ممکن ہو۔" اس کی آنکھوں کی وحشت ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ساحر کی شادی اور پھر بچوں کے متعلق آگاہی نے اسے وحشت کے صحرا میں پہنچ دیا تھا یہ وحشت اور جنون کی ہی کیفیت تھی کہ وہ اپنی فطری حیا اور رواداری سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جو حرام حلال کا فرق بھلا دیتے ہیں۔ انسان کی سوچ پر ایسے لمحوں میں ہی شیطان اپنا قبضہ جما لیا کرتا ہے۔ اس کے ذہن کی سلیٹ پر ہر تحریر ابلیس لکھتا ہے اور انسان پڑھ کر عمل کرتا ہے۔ جب شیطان انسان کے نفس پر قابض ہو جاتا ہے تو منفی خیالات اس کے ذہن کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

وہ محبت بھرا دل رکھنے والی لڑکی محبت کے حصول کی خاطر در در بھٹکی تھی مگر محبت ملی تھی نہ سکون۔ بلاشبہ سکون تو اللہ کی یاد میں پوشیدہ ہے۔ اگرچہ اس نے اس بات کو کبھی سمجھا نہیں تھا۔ لیکن جان تو سکتی تھی اور شیطان کو یہی گوارا نہیں تھا اس سے قبل کہ وہ رب کی طرف راغب ہوتی شیطان نے اسے گناہ کا راستہ پوری طرح آرائش کے ساتھ دکھانا شروع کر دیا۔ یہ شیطانی سوچ ہی تھی کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہر جائز ناجائز کا فرق بھول بیٹھی۔ وہ ساحر کی زندگی میں داخل ہو کر اس کے دل میں داخل ہونے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اس کے خیال میں یہ مشکل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں یہ غلط نہیں تھا۔

❁......۞......❁

کہر زدہ شام نے انتہائی سست روی سے رات کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ عجیب گھٹی گھٹی سی فضا تھی۔ کمرے کی کھڑکی کے پار شہتوت کے درخت کے پتے جانے کب سے ساکن تھے۔ لاریب شام سے ہی اپنے کمرے میں سسک سسک کر بے حال تھی حویلی کی فضاؤں میں گھٹا گھٹا سوگ تھا۔ سکندر آتش دان میں سلگتی چٹختی لکڑیوں کے ساتھ خود بھی سلگ رہا تھا۔ پھر اٹھا اور کھڑکی میں کھڑا ہو کر سگریٹ پھونکنے لگا۔ اس کے وجود میں دھواں ہی دھواں تھا۔ جسے باہر نکلنے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ وہ ساری رات قیامت جیسی تھی۔ اس حویلی کے نصیب میں پہلے بھی ایک ایسی رات آ چکی تھی جب ایمان نے وہ غلط قدم اٹھایا تھا اور آج...... گو کہ سکندر نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس پر کیا بیتی تھی جس نے لاریب کا چین و قرار اس انداز میں لوٹ لیا تھا اس شام وہ معمول سے زیادہ جلدی سب کاموں سے فراغت پا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا تھکن ہی

ایسی تھی کہ بدن ٹوٹتا محسوس ہوتا تھا۔ ابھی غنودگی کی پہلی منزل تھی جب اسے کسی احساس کے تحت آنکھیں کھولنی پڑ گئی تھیں۔ اگلے لمحے اس کے سارے حواس ہی جھنجنا اٹھے۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے صرف تمہاری وجہ سے اگر تم مجھے طلاق دے دیتے اور وہ خبیث مجھ سے شادی کر لیتا تو میری امامہ تباہی سے بچ سکتی تھی۔" سکندر نے حواس باختگی کی کیفیت میں دیکھا۔ لاریب اپنا زخمی وجود لیے اس کے اوپر جھکی ہوئی سراپا قہر نظر آ رہی تھی۔ اس کی سفید رنگت میں غضب کی سرخی نمایاں تھی اور چہرہ آنسوؤں سے پوری طرح بھیگا ہوا۔ وہ اسے جھنجھوڑ کر ہی اپنا غصہ نہیں نکال رہی تھی بلکہ غم و غصے میں انتہائی نازیبا الفاظ بھی کہہ رہی تھی وہ پھر شدید غم و غصے کی کیفیت میں سکندر کی خلوت میں مخل ہو کر اس کی مردانگی اس کی غیرت اس کی انا کو ڈسٹرب اور مشتعل کر گئی تھی۔ ایسا ڈسٹرب جو اس کے جذبات کو وحشی بنا جاتا تھا مگر لاریب کو کبھی احساس تک نہ ہو سکا تھا کہ وہ اسے کس مشکل میں ڈالتی ہے احساس نہ ہونے کی وجہ بہت واضح اور صاف تھی۔ وہ اسے کبھی اس لحاظ کی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی جو اس رشتے کا تقاضا تھا یا پھر جو ایک عورت کو ایک مرد سے بچاؤ اور تحفظ کو اپنانے چاہیے۔ وہ اسے کوئی اہمیت دیتی تو ہی ان باریکیوں پر بھی غور کرتی۔ سکندر کو مشتعل کرنے کی وجہ یہی توہین بھرا احساس تھا جبھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟ آپ کی زندگی میں جتنے بھی مسائل ہیں ان کی وجہ میں ہی کیوں لگتا ہوں آپ کو؟ حد ہے یعنی بے حسی اور بدگمانی کی بھی۔ اب اگر وقاص سائیں نے امامہ بی بی کو رسم کے مطابق آپ کے ساتھ نہیں آنے دیا تو میں کیسے مجرم بن گیا؟" وہ اتنا تپ پا ہو رہا تھا کہ اس سے لڑنے کھڑا ہو گیا۔

"وہ انسان نہیں کہلایا جا سکتا۔ جانور ہے امامہ کو نہیں دیکھا تم نے۔ پتا نہیں کون کون سے بدلے چکائے ہیں اس نے۔ بابا جان تک اگر یہ بات پہنچ گئی تو سہار نہیں سکیں گے اس غم کو؟" لاریب کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی۔ سکندر یکدم ساکت ہو گیا۔ اسے لگا وہ اس سے لڑنے نہیں ایک بار پھر اپنا دکھ بیان کرنے رونے اور دل بہلانے آئی ہے۔ شاید نہیں یقیناً وہ اس غم کو تنہا سہتے تھک گئی تھی۔

"کچھ کہا آپ سے امامہ بی بی نے۔" سکندر کی پریشانی اور اضطراب بالکل فطری تھا۔ امامہ کو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اتنا بڑا ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اسے چھوٹی بہن یا پھر اولاد کی طرح عزیز تھی۔ سوال ایسا تھا کہ لاریب کی نظریں جھک گئیں۔

"مجھے کچھ تو بتائیں پلیز۔" سکندر کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"کچھ جاننے کے لیے ضروری نہیں کہ زبان سے داستان غم سنی جائے۔ سکندر اس کی خاموش نظریں بھی اپنی بربادی کے ساتھ ویرانی کی گواہ بنی ہوئی تھیں۔ اسے بہت شدید ٹمپریچر تھا۔ میں نے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہا تو وقاص نے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا امامہ پر ہمارا اب کسی قسم کا کوئی حق محفوظ نہیں رہا۔ وہ جان بوجھ کر ہمیں ٹارچر کرنے کو امامہ کو اس طرح لے گیا ہے وہ مار ڈالے گا امامہ کو۔" لاریب تمام ضبط گنوا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکندر کی آنکھوں کی سرخیاں کچھ اور گہری ہوتی چلی گئی تھیں۔ بڑی دقتوں سے اس نے لاریب کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے میں بھیجا پھر خود اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ یعنی اس کا خدشہ درست تھا۔ وقاص سے اسے یہی خوف لاحق تھا۔ اس کی بے مہر آنکھوں میں سکندر نے نفرت کے الاؤ دہکتے دیکھے تھے۔

کبھی کبھی زندگی کے کچھ مقام انسان کی بے بس جھولی میں ڈال دیے جاتے ہیں کہ وہ سوائے لاچاری محسوس کرنے کرب سہنے کے علاوہ عملی طور پر کچھ کر سکنے میں ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ سکندر کو لگا تھا حالات کے گھیرے میں مقید لاریب کی زندگی میں یہی مقام آ چکا تھا۔

❁......۞......❁

اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کر کے پھر کھولا اور آہوں کا گلا گھونٹنے کے لیے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس وقت وہ تنہا تھی اور ٹیرس کی ریلنگ سے ٹیک لگائے سرد ہواؤں کی یخ بستگی کو اپنے وجود پر سہہ رہی تھی۔ فراز نے آج اپنی کامیابی کی خوشی میں سب کو بہترین ٹریٹ دی تھی۔ سب گھر والے اسی سلسلے میں اس کے ساتھ ریسٹورنٹ جا چکے تھے۔ وہی نہیں گئی تھی بس۔ یہ نہیں تھا کہ اسے کسی نے کہا نہیں تھا فراز اور سمیعہ کے علاوہ خود شرجیل نے بھی اصرار کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی مزید ہتک و تذلیل نہیں چاہتی تھی۔ جبھی انکار کر دیا۔ جانتی تھی کہ مما کے ساتھ ساتھ تائی ماں بھی خاص طور پر اس کو رگیدنے کا موقع نہیں جانے دیں گی۔ ابھی بھی جب فراز نے اس کے انکار کے جواب میں اصرار کرنا شروع کیا تو مما نے اپنے مخصوص زہر خند انداز میں مداخلت کی تھی۔

"کیوں مجبور کیے جا رہے ہو فراز۔ ہوگی کوئی مجبوری اس کی۔ سمجھا کرو ناں۔ یہیں اس شہر میں گھر سے اڑاتی پھری ہے۔ پتا نہیں کس کس کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا۔ یہ الگ بات میرا بیٹا ہی اتنا احمق نکلا کہ ہاتھ پکڑ کر گھر میں گھسا لایا۔ اسے گھر پر ہی رہنے دو یہ ڈھکی چھپی ہی بہتر ہے۔ کجا وہاں کوئی پرانا آشنا مل گیا تو ہماری عزت تو گئی ناداؤ پر۔" ایمان کے لیے اس درجہ اہانت آمیز سلوک پر بس زمین میں گڑھنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کسی نے اسے تیز

دھارا آ لے سے یکلخت دو ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا ہو۔ وہ وہاں مزید ٹھہر نہیں سکی۔ لیکن کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے ضرور سنا تھا۔ فراز مما سے الجھ رہا تھا یہ اس کی عادت اور فطرت تھی کہ کسی سے زیادتی ہوتے دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا اپنا مزاج تھا۔ وہ حق بات کر دیا کرتا تھا۔ اس بات کی مطلق پروا کیے کہ کس کو کتنی بری لگی۔ مگر اس وقت مما تھیں اس کے سامنے جو بدگمانی نفرت اور اب داؤ چلنے میں تائی اماں کے زیر ٹریننگ تھی۔ ایک کے بعد دوسرے بیٹے کو اسی حسین ناگن کی وجہ سے اپنے منہ کو آتے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکیں۔ جبھی اس پر جو نفسیاتی حملہ کیا وہ اتنا شدید تھا فراز رنج اور غیر یقینی کے دکھ سے شق ہونے لگا۔

”خیر تو ہے نا پتر جی؟ کس قسم کی امید دلائی ہے اس نے تمہیں؟ یہ بے جا حمایت تو ہو نہیں سکتی۔ آخر ایک دنیا دیکھی ہے ہم نے بھی۔ اور اس جیسی نفس پرست مفاد زدہ عورتوں کی عزت کوڑیوں کے مول بکتی ہے۔ اسے اگر یہ احساس نہیں رہا کہ تم اس کے دیور ہو تب بھی تمہیں ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ وہ حرافہ تمہارے بڑے بھائی کے نکاح میں ہے۔“ حملہ اتنا شدید اور کڑا تھا کہ فراز کے حواس سلب ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ شاک سے نکلا تو ایسی ملامتی اور زخمی نظروں سے انہیں دیکھا کہ جن سے کلیجہ پھٹ جائے مگر مما کو تائی ماں کی زبان بولنے اور انہی کی نظروں سے دیکھنے کی عادت ہو چکی تھیں۔

”یہی بھروسہ ہے آپ کو اپنی اولاد پر؟ آپ سمجھیں اگر تو آپ نے بھائی پر نہیں مجھ پر الزام لگایا ہے۔ کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر ہم خود کتنی پستیوں میں جا گرتے ہیں ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا۔ اینی وے آج کے بعد میں کوشش کروں گا اس معاملے میں نہ بولوں۔ یہی چاہتی ہیں نا آپ؟“ اس کے لہجے میں ٹوٹتے ہوئے کانچ کی چبھن کا احساس تھا۔ اعتماد اور بھرم ٹوٹنے کا کرب تھا مگر انہیں پروا کہاں تھی۔ انہیں تو اس بات سے بھی فرق نہیں پڑتا تھا کہ فراز کو انہوں نے کس بری طرح سے ہرٹ کیا ہے۔ وہ تو نبیل اور سمیعہ کی اتنی مغز ماری کے بعد کہیں جا کر یہ معاملہ سلجھا تھا کہ مما نے بھی فراز سے معذرت کی تھی۔ تمام تر تلخی و تنفر کے باوجود یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اپنے بیٹے کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ چاہے وہ شرجیل ہو فراز ہو یا پھر نبیل۔ مشکلوں سے سہی مگر فراز کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔ فراز بیٹا تھا ان کا اس لیے انہیں اس کی پروا تھی۔ ایمان کیا لگتی تھی ان کی کہ انہیں اس کی دل جوئی اس کے احساسات کی پروا ہوتی۔ اب تو وہ مسیحا بھی نہیں رہا تھا جس پر اعتماد کرتے ہوئے ایمان نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا۔

رات بھر بھی وہ بے خواب رہی تھی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلتی ہوئی مضطرب اور صبح دم جو اس نے خواب دیکھا تھا وہ امامہ کے متعلق تھا اور اتنا بھیانک تھا کہ اسے یاد کر کے بھی ایمان کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی وہ یونہی ریلنگ کے سہارے کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ دھیان کے تمام ارتکاز حویلی اور وہاں کے مکینوں سے جا لگے تھے۔ کتنی بار اس کا دل مچلا تھا حویلی فون کرے مگر ہر بار ہی اس نے خود کو روک لیا تھا۔ ان کے زخموں کو تازہ کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ مر ہی تو گئی تھی وہ ان کے لیے؟ لیکن دل کی بے قراری ایسی تھی جسے کسی پل بھی قرار نہیں تھا۔ وہ خود کو روک نہیں سکی۔ موقع بھی مناسب تھا۔ وہ فون استعمال کر سکتی تھی آزادی سے کیونکہ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ کچھ دن پہلے شرجیل نے جس طرح بہانہ کر کے اس سے سیل فون لے لیا تھا اور پھر واپس نہیں کیا تھا وہ سمجھ سکتی تھی شرجیل کو اب اس پر اعتماد نہیں رہا۔ اس نے چپ سادھ لی۔ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اب اسے خود کو یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کا ہی نہیں اس شخص کا بھی اعتماد کھو چکی ہے۔

جب وہ ٹیلی فون تک آئی تو اس کی ٹانگیں جانے کس کس احساس کے زیر تحت کانپ رہی تھیں۔ گو کہ وہ جانتی تھی کہ گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے پھر بھی وہ اس حد تک عدم اعتماد کا شکار ہو چکی تھی کہ اسے اپنا آپ چوروں کی طرح مشکوک لگنے لگا تھا۔ شک عدم تحفظ اور ذلت وہ تیشے تھے جو اس کی خود اعتمادی کا خون کر چکے تھے۔ اسے اس گھر میں آنے کے بعد یہی احساسات وافر مقدار میں ملے تھے۔ حویلی کا نمبر ملاتے ہوئے اس کی انگلیوں میں ہی نہیں دل اور روح میں بھی لرزش اترنے لگی۔ دوسری جانب گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس کا دل اس کے وجود کے ہر حصے میں آ کر دھک دھک کرنے لگا۔ وہ نہیں جانتی تھی دوسری جانب کون فون اٹھاتا۔ اگر بابا سائیں ہوتے تو وہ کبھی بات نہیں کر سکتی تھی۔

”ہیلو۔“ آخری گھنٹی تھی اور ایمان مایوسی کا شکار ہونے لگی تھی۔ جب کال ریسیو ہوئی اور اس کی سہمی ہوئی سماعتوں نے سکندر کی ٹھہری ہوئی آواز کو سنا تھا اور جیسے دل یکدم کسی اپنے کے احساس کو پا کر شدید ترین گھبراہٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ وہ ہزار خواہش کے باوجود منہ سے آواز نکالنے سے قاصر رہی کہ آنسوؤں کا گولا سا گلے میں پھنس گیا تھا جبکہ دوسری جانب سکندر ہیلو ہیلو کرتا اس سے قبل کہ جھلا کر فون بند کر دیتا وہ گھبرا کر سسک کر اسی خوف سے بول پڑی تھی۔

”سس...... سکندر...... پلیز سکندر فون بند نہ کرنا۔“ الفاظ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکلے اور آدھے سے زیادہ فقرہ گھبراہٹ کے باعث شاید دوسری سمت اپنا مفہوم پہنچانے میں بھی ناکام رہا۔

”کون...... ایمان بی بی......؟“ سکندر کی سرسراتی ہوئی آواز نہ صرف سرگوشی میں ڈھل گئی تھی بلکہ اس میں بلا کی غیر یقینی بھی

استعجاب کا رنگ بھی گہرا تھا۔ جواب میں ایمان خود پر ضبط کھو بیٹھی۔

”مجھے بتاؤ سکندر وہاں سب کیسے ہیں؟ بابا جان لاریب اور...... اور امامہ وہ ٹھیک ہے نا؟“ دل میں اٹھ آنے والا شدید خوف ہراساں کر ڈالنے والے اندیشے اضطرابی کیفیت میں ڈھل کر آنسوؤں کی صورت بے دریغ برس پڑے۔ جبکہ دوسری جانب لائن پر اتنا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

”سکندر کچھ تو بولو خدا کے واسطے مجھے بتاؤ وہاں سب خیریت ہے نا؟“ وہ متوحش زدہ اسے پکارتی سوال پر سوال کرنے لگی۔

”مجھے یہ کہنے کا حق تو نہیں ہے ایمان بی بی کہ آپ کو یہاں فون نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ ضرور ہے اگر بابا سائیں یا لاریب بی بی کو پتا چل گیا تو......!“

”تم کسی سے بھی میرے فون کا کچھ نہ کہنا۔ مجھے تم صرف امامہ کے بارے میں بتا دو وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ کتنی بے قراری تھی اس کے لہجے میں ایسی تڑپ اور وحشت کہ سکندر کا دل بھی کانپ اٹھا۔

”جی وہ ٹھیک ہیں شادی ہو گئی ہے ان کی۔“ سکندر کا لہجہ و انداز ٹھہراؤ لیے ہوئے تھا ایمان پر البتہ یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔

”شادی...... امامہ کی؟“ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ اسے یقین ہی نہ آیا تھا۔

”کس کے ساتھ ہوئی شادی؟“ وہ ٹھٹک کر پوچھ رہی تھی۔ جواب میں اس نے سکندر کے سرد آہ بھرنے کی آواز سنی۔

”وقاص سائیں کے ساتھ۔“ اور ریسیور ایمان کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے جا گرا۔ اسے لگا تھا وہ ایک دم جاں کنی کے عالم میں آ گئی ہو۔ آسمان ٹوٹ کر اس کے سر پر آ گرا تھا اور قدموں تلے زمین نہیں رہی تھی۔ وقاص...... جس کی غلیظ نظروں اور سوچوں سے اتنی خائف تھی وہ کہ اس سے بچاؤ کی خاطر ہی اس نے شرجیل کے ساتھ یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا کہ اس کے علاوہ تو اسے کوئی اور راستا سوجھتا ہی نہ تھا بچاؤ کا۔ مگر وہ یہ فراموش کیوں کر گئی تھی کہ اس کا خمیازہ اس کی کسی بہن کو بھی بھگتنا پڑ سکتا تھا۔ بہن بھی وہ جسے اس نے ہمیشہ اپنی آغوش میں اس طرح چھپایا تھا کہ سرد گرم اس تک پہنچنے نہیں دیے تھے۔ اب اس کی وجہ سے اس پر اتنی بری افتاد ٹوٹ پڑی تھی تو اسے خود اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ یہ آگاہی نہیں تھی پچھتاوا تھا جان لیوا پچھتاوا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اذیت انگیز احساس ہو سکتا تھا کہ ازالے کی کوئی راہ بھی کھلی نہیں تھی۔ یہ نقصان عمر بھر کا تھا۔ طوفان آ چکا تھا۔ قیامت برپا ہو چکی تھی۔

❀......❁......❀

دل پر ملال کے جتنے بھی موسم اترتے تھے ان سے اس نے دانستہ نگاہ چرائی۔ وہ فتح کا ارادہ لے کر میدان میں اتری تھی۔ تو اب جیت کو اس کا مقدر ہونا ہی تھا۔ یہ عشائیہ کی تقریب تھی۔ جو ساحر کی جانب سے دی گئی تھی۔ اسی میں فراز اور نندنی کو بطور ہیرو ہیروئن پوری ٹیم سے متعارف کرایا گیا تھا اور فلم کے اسکرپٹ پر اظہار خیال کے علاوہ خاص طور پر نندنی کو اس کے کردار کے متعلق اسرار و رموز سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ویسے تو فراز بھی اس فیلڈ میں نیا ہی تھا مگر نندنی کو تو الف سے بے تک آگاہی نہیں تھی۔ اس کی سلیکشن کی وجہ سراسر اس کا حسن تھا۔ جس کی خاصی دھوم اور کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ خاص طور پر نوجوان لڑکے تو اس کی نگاہ التفات کی خاطر مرے جاتے تھے۔ عباس خود بھی نندنی کے کام کے متعلق کورے پن کو جان گیا تھا کہ اسے نندنی کو اچھا خاصا پالش کرنا پڑ رہا تھا۔ عباس نے اسے فرداً فرداً سب سے ملوایا۔ وہ اس کے پہلو میں یوں چمک رہی تھی جیسے چاند کے گرد قطبی ستارہ دمکتا ہے۔ ہر نگاہ میں ستائش تھی ہر کسی نے ہی عباس کے انتخاب کو سراہا اور داد دی تھی مگر عباس کا پروڈیوسر آفاق سرحدی تو جیسے نندنی پر بری طرح فریفتہ ہوا جا رہا تھا۔

”اگر میں تمہاری ہیروئن کو پہلے دیکھ لیتا تو لازماً اس نئے چھوکرے کو ہٹا کر خود اپنا نام پیش کر دیتا ہیرو کے لیے۔“ اس کا لہجہ عامیانہ تھا جس نے عباس کے ماتھے پر ناگواری کی شکن ابھاری۔ نندنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا مگر وہ عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے آفاق کا یہ انداز پسند نہیں آ سکا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر ایک نظر نندنی کو دیکھا جو اس کے پہلو میں کھڑی اتنی آسودہ اور سرشار لگ رہی تھی کہ جیسے آفاق کی بات پر کان دھرا ہی نہ ہو اور یہ سچ بھی تھا۔ نندنی کو اس کے سوا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا نہ دکھائی۔ اس کی نظر تو جب بھی عباس پر اٹھی تھی اس نے عباس کی نگاہ کو اپنے چہرے پر ٹھہرتے محسوس کیا تھا۔ اس نے خود کو داد دی تھی۔ ابھی شروعات تھی اسے یقین تھا وہ اس شخص کو بہت جلد تسخیر کر لے گی۔ وہ اس کی سوچ اور توقع سے زیادہ آسان ہدف ثابت ہوا تھا۔

پھر بعد کے مراحل بھی بہت تیزی سے طے پاتے چلے گئے۔ فلم سائن ہونے سے لے کر اداکاری کے اسرار و رموز سیکھنے تک۔ یہ الگ بات کہ نندنی کا ان کاموں سے کہیں زیادہ دھیان عباس میں اٹکا رہتا جو آس پاس ہی موجود ہوا کرتا تھا۔ بظاہر نہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوتا تو کیا فرق پڑتا تھا۔ عباس کا ٹیم ورک مضبوط تھا اور ورکرز بے حد محنتی۔ مگر نندنی جو عباس حیدر کے لیے موم کی ڈلی تھی جسے وہ جیسے چاہتا جیسی مرضی شکل میں ڈھال لیتا البتہ اس کے ورکرز کے لیے وہ بے حد مشکل کریکٹر ایٹ کرنے لگی تھی۔ اسے کسی کا نظر نکال کر دیکھنا اور کوئی سراہتا ہوا فقرہ بھی آگ بگولا کر جاتا۔ پھر ایسے میں یہ تو انتہا تھی کہ اس کے کیمرا مین نے نندنی کا ہاتھ پکڑ کر کوئی بات کہنے یا سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اتنا آپے سے باہر ہوئی کہ زمین

آسمان ایک کر دے رہی تھی۔ کیمرامین کی اس نے اتنی توہین کی تھی کہ وہ بے چارہ نکو بن کر رہ گیا تھا۔ اس بات پر اس کے دیگر ساتھی اور ہمنوا بھی اٹھ کھڑے ہوئے جبھی ایک ایشو کھڑا ہو گیا تھا۔ نندنی کے اصل اضطراب اور رنج کا باعث ہی یہ بات تھی کہ صبح سے اسے عباس کی ایک جھلک بھی دیکھنے کو نہیں مل پائی تھی۔

"اسے جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اسے سمجھا دو میں کسی ایسے ویسے گھرانے کی لڑکی نہیں ہوں کہ جس کی بھی مرضی چاہے ہاتھ پکڑ لے۔" نندنی نے شدید غصے کی کیفیت میں جب کوئی دسویں بار یہی بات جتلائی تو کیمرامین شیراز کو بھی تپ چڑھ گئی تھی یعنی حد تھی تذلیل کی۔

"اعلیٰ خاندان کی ہو یا پھر معمولی۔ اس فیلڈ میں آنے والی ہر عورت پبلک پراپرٹی میں شمار ہوتی ہے اس کے متعلق ہر کوئی بہت آزادی سے رائے دینے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ اگر تم اتنی ہی پاکباز تھیں تو پھر یہاں نہیں آنا تھا، آئی سمجھ۔" شیراز جس پل لال بھبوکا چہرے کے ساتھ نندنی کو اس کی اوقات یاد دلا رہا تھا یہی وہ لمحہ تھا جب کسی کی بروقت اطلاع پر عباس عجلت میں وہاں پہنچا تھا مگر تب تک معاملہ بہت حد تک سنگین ہو چکا تھا کہ شیراز کی اس واہیات بات کے جواب میں نندنی اتنی بپھری تھی کہ اس نے طیش میں آ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ شیراز کے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ پورے ہال میں جیسے سناٹا چھا گیا۔ ایک یکسر نئی کام کرنے والی لڑکی سے وہاں کسی کو بھی اس درجہ جرأت مندی کی توقع نہیں تھی۔ نندنی کا غصہ پھر بھی کم نہیں ہوا تو وہ ایک جھٹکے سے جانے کو مڑی مگر ششدر کھڑے عباس حیدر سے ٹکرا گئی۔ دونوں کی نظریں یکبارگی ملی تھیں۔ ایک کی آنکھوں میں حیرت و غیر یقینی اور تاسف تھا دوسرے کی آنکھوں میں ہنوز غم و غصے کی کیفیت کی شدتیں اور حدتیں تھیں وہ رکے بغیر آگے بڑھ جانے کو تھی جب عباس حیدر نے بے اختیار اس کا بازو کہنی سے پکڑ لیا۔

"آپ ایسے نہیں جائیں گی نندنی صاحبہ یہ معاملہ جس حد تک بگڑا ہے اسے سدھارنا میری ذمہ داری ہے شیراز آپ بھی آ جائیں یہاں۔" وہ یونہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا نندنی کا بازو پکڑے کچھ فاصلے پر موجود کرسیوں کی جانب آ گیا۔ نندنی تو جیسے مسمرائز تھی۔ اب اس کی کیا اوقات اور مجال تھی کہ وہ عباس کے سامنے اس کی مرضی کے برخلاف اف بھی کر جاتی۔ عباس کے ہاتھ کے ابلتے ہوئے پرتپش لمس سے زندگی کی حرارت اس کے جسم و جاں میں اتر کر ہلچل مچانے لگی تھی۔ اس لمس نے ہی تو احساس زندگی سے واقفیت دی تھی۔ اسے ناز کرنے پر اکسایا تھا۔

شیراز بے حد خراب موڈ کے ساتھ کرسی سنبھال چکا تھا۔ عباس نے دیگر لوگوں کو وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ پھر نندنی کو سنجیدگی سے تکتا بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی کرسی پر ٹک گیا۔ نندنی حواسوں میں کہاں رہی تھی اس کے سامنے تو اب دھنک رنگ سجے تھے ستاروں کا ایک جہان آباد تھا۔

"جی اب مجھے بتائیں کیا ہوا تھا؟" وہ بیک وقت دونوں کو مخاطب کر چکا تھا۔ شیراز اس کی طرح نہ سحر زدہ تھا نہ ہی مسمرائز کچھ نہیں کہہ پاتا۔

جبھی اس نے ساری بات غصے میں کھول کر عباس کے آگے رکھ دی۔ پھر اس شدید لہجے میں نندنی کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

"ان سے پوچھیں سر کہ انہیں اتنا زعم آخر کس چیز کا ہے؟ دولت و حسن نہ تو ان محترمہ کی ہی میراث ہے نہ ایسی انوکھی چیز کہ جس کی بدولت کوئی ان سے دب کر رہنے پر مجبور ہو جائے۔" اس کے لہجے میں دبی ہوئی نفرت تھی۔ عباس حیدر نے محض ہنکارا ابھرا تھا پھر سوالیہ نظروں کو نندنی پر جما دیا۔

"اب آپ کیا کہیں گی مس نندنی۔" وہ منتظر تھا مگر نندنی کی چپ نہیں ٹوٹی۔ عباس کو غصہ آنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے مس بی ہیو آپ نے کیا ہے مس نندنی۔" وہ چیخ کر رہ گیا۔ نندنی کے آنسو بہہ نکلے۔ عباس تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ آنسو اس کے لہجے کی تپش کو نہ سہتے ہوئے بہے ہیں۔ اس کے لہجے کی معمولی تلخی بھی نندنی کے دل کے ہزار ٹکڑے کر سکتی تھی۔

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں کہ کوئی بھی منہ اٹھا کر میرا ہاتھ پکڑے اور میں برداشت کر لوں۔" وہ خاصی تاخیر سے بولی تب بھی اس کا لہجہ بھرایا ہوا ہی تھا۔ عباس حیدر نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"دیکھیں یہ اس فیلڈ کا تقاضا ہے نندنی۔ اتنی بے تکلفی تو عام بات ہے۔ خیر اگر آپ ریزرو ڈ ہیں تو آئندہ یہ لوگ احتیاط کریں گے لیکن چونکہ آپ شیراز صاحب کے ساتھ مس بی ہیو کر چکی ہیں لہٰذا آپ کو سوری کہنا چاہیے انہیں۔" عباس حیدر کے نرم لہجے میں کہنے پر نندنی نے شدید قسم کی ناگواریت محسوس کی۔

"مم......مگر......!"

"اگر مگر کی گنجائش بالکل نہیں ہے مس نندنی۔ میرے لیے میرے پینل کا ہر ممبر اتنی ہی اہمیت اور عزت افزائی کا حامل ہے جتنی آپ یا مسٹر فراز۔ میں کسی کو بھی کسی کی عزت نفس مجروح کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ سوری کریں شیراز سے۔" اب کہ اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔ نندنی کے نازک احساسات بکھر کر رہ گئے۔ اس دو ٹکے کے آدمی کی اس کے نزدیک حیثیت نہیں تھی کہ وہ سوری کہتی مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ ساحر کے حکم کی پابند تھی۔ سو اس نے بھی شیراز سے معذرت طلب کی تھی تو ریشمی پلکوں سے کچھ ستارے ٹوٹ کر عزت

نفس مجروح ہونے کے باعث کرسٹل جیسے گالوں کی ملامت پر بکھرتے گم ہوگئے۔ عباس حیدر سگریٹ سلگاتے لمحہ بھر کو متوجہ ہوا تھا۔ مگر مشکل میں جا پڑا۔ یہ منظر ایسی ہی کشش سموئے ہوئے تھا کہ وہ سحر زدہ سا اسے تکے گیا۔ منہ بند گلاب کی کلی پر شبنمی اوس کا گرنا اسے یہی خیال آیا تھا۔

"اِٹس او کے مجھے امید ہے آپ آئندہ ہمارے ساتھ کوآپریٹ کریں گی۔" شیراز نے رسانیت سے کہتے اس کی معذرت کو قبول کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تب عباس بھی جیسے اس ٹرانس سے نکل آیا۔

"آپ چائے پئیں گی نندنی۔" عباس نے اس کی گہری یاسیت کو محسوس کرکے ہی نرمی سے مخاطب کیا تھا۔ نندنی نے چونک کر اسے دیکھا پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے پلکیں جھکالیں۔

"مجھے چلنا چاہیے بہت دیر ہوگئی ہے۔" وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل اتنا بھاری تھا کہ رونے کی خواہش بڑھتی جارہی تھی۔ وہ اس بوجھ کو جلد از جلد اتارنا چاہ رہی تھی۔

"چلیں میں ڈراپ کردوں آپ کو۔" عباس نے سگریٹ بجھائی اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔ نندنی نے غیر یقینی میں مبتلا ہوکر اسے دیکھا پھر جیسے اس کے چہرے پر روشنی سی چھاتی چلی گئی۔ اسے صاف لگتا تھا عباس حیدر اسے خصوصی اہمیت سے نوازتا ہے۔

"میں کسی کے پرسنل میٹرز میں انٹرسٹ نہیں رکھتا ہوں نندنی مگر پتا نہیں آپ کے ایٹی ٹیوڈ کو دیکھ کر مجھے اکثر ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ کو دولت و شہرت میں سے کسی چیز کی نہ خواہش ہے نہ حاجت شوبز میں بھی آپ کی دلچسپی مفقود ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی آپ نے پھر بھی میری آفر کو کیوں قبول کیا۔" جس پل وہ اس کے ہمراہ اسٹوڈیو کے گیٹ سے نکل کر پارکنگ میں آرہی تھی عباس حیدر نے بہت الجھن آمیز انداز میں کہا تھا اور جواب میں نندنی کے اندر موسم سرما کی ہواؤں کی سرسراہٹ ہونے لگی تھیں۔ کاش وہ جواب میں وہ ساری بپتا سنا پاتی جو اس کی ایک نظر کے خراج میں اسے بھگتنی پڑی تھی۔ اسے رونا سا آنے لگا۔ بے بسی کی یہ کیسی انتہا تھی کہ وہ سامنے تھا۔ صدیوں کی تلاش کا حاصل مگر وہ اس کا نہیں تھا وہ کہہ نہیں سکی کہ یہ اس کی عیاشی نہیں تھی شوق بھی نہیں تھا۔ یہ تو اس کی مجبوری تھی۔ زندگی مخمل کی سیج پھولوں کا بستر ہوتی ہے۔ انسان انسانوں سے ملتا ہی رہتا ہے مگر کوئی خاص ہوتا ہے۔ جس کی نظر کا طلسمی احساس آپ کی زندگی کو یکسر بدل دیتا ہے۔ پھر ستاروں کا اک نیا جہان متعارف ہونے لگتا ہے۔ انسان ایک لمحے میں اڑ کر اس جہان میں پہنچتا ہے جہاں کی تہذیب رکھ رکھاؤ میں بس یارمن کا حکم چلتا ہے۔ اس کی جنبش آبرو پر نظر آس جما کر بیٹھتی ہے وہی طلب کا باعث..... وہی غرض کا مرکز۔

"آئی ایم سوری شاید آپ کو میری یہ بے تکلفی بھی پسند نہیں آسکی۔ میں نے ایک بات جو محسوس کی وہ کہہ ڈالی آپ پر جواب دینا لازم نہیں ہے۔" عباس حیدر خفیف سا ہوگیا تھا جواب کی تاخیر کے باعث اسے نندنی کی سوچوں تک بہرحال رسائی نہیں تھی۔ شیراز والے معاملے میں وہ اس کی شدت پسندی سے آگاہ ہوچکا تھا۔ آخر وہ بھی مرد تھا۔ اس کی یہ جسارت بھی نندنی کو گراں گزر سکتی تھی۔ نندنی نے چونک کر بلکہ ہڑبڑا کر اسے دیکھا اور بے تحاشا شرمسار نظر آنے لگی۔

"نہیں پلیز ایسی بالکل بھی کوئی بات نہیں ہے آپ محسوس نہ کریں پلیز۔" جھکے سر کے ساتھ خفت زدہ انداز میں اس کی نفی کرتی ہوئی نندنی نے عباس حیدر کو پھر سے اپنے رویے سے الجھا ڈالا تھا۔ اسے یکدم احساس ہوا تھا نندنی کا رویہ اس کے لیے خصوصی اہمیت لیے ہوئے ہے۔ وہ اس کے ساتھ تلخ اور سخت لہجے میں بات نہیں کرتی جو وہ اپنے ساتھیوں کے لیے اس کا محسوس کرچکا تھا۔ اس کی وجہ اس نے اپنے عہدے کا برتر ہونا لیا تھا یہ اس کے امتیاز کا باعث ہی ہوسکتا تھا۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور سوچنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"جہاں تک میں نے آپ کو سمجھا ہے آپ صرف ریزروڈ نہیں شائی بھی ہیں۔ لڑکیوں میں ان خوبیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھے اچھا لگتا ہے جب میں خواتین کو اس نعمت سے سرفراز پاتا ہوں۔ اینی ویز۔ میں پوری کوشش کروں گا ہمارے کام کے دوران کم از کم آپ کے احساسات و جذبات مجروح نہ ہوں۔" عباس کا لہجہ دوستانہ اور اپنائیت آمیز تھا۔ نندنی جواب تک سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس بات پر عجیب سے احساسات کا شکار ہوگئی۔ اس کے ہاتھ میں داہنی کلائی کا وہ حصہ تھا جہاں عباس حیدر کا لمس اترا تھا۔ وہ اسی کیفیت اسی مدہوشی میں گم رہنا چاہتی تھی مگر اسے قدم قدم پر وہ چبھ لگتے تھے۔

"صرف کام کے دوران؟" اس کے شنگرفی ہونٹ کانپے تھے لہجہ گوکہ مدھم تھا مگر اتنا ضرور تھا کہ عباس سن لیتا جبھی وہ کاندھے جھٹک کر بے اعتنائی سے مسکرادیا۔

"ظاہر ہے آپ خود کو اس موی کے بعد ہم تک تو محدود نہیں رکھیں گی۔ ویسے بھی میرا کام کرنے کا ایک الگ انداز ہے۔ میں اپنی فلم کے لیے نئے چہرے متعارف کراؤں گا۔ ہمارا ساتھ تو بس اتنا ہی ہوگا۔" عباس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس پر پھر اس کی اوقات واضح کرکے رکھ دی تھی۔ نندنی کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ اس کے اندر سے اٹھتا حزن پورے ماحول پر چھاتا محسوس ہونے لگا۔ یہاں تک کہ عباس نے بھی اس حزن کو محسوس کرلیا جبھی قدرے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

"خیریت آپ کو میری بات بری لگی یا پھر میں آپ کے بازو کو زیادہ ہی سختی سے پکڑ چکا ہوں۔" اس کے گمبھیر تر لہجے میں خفیف سی شرارت کا رنگ اتر آیا تھا اور نگاہ اس کے ہاتھ پر تھی جو ابھی تک اپنا بازو تھامے ہوئے تھی۔ گوکہ عباس نے مزاح کے رنگ میں کہی تھی۔ اس کے باوجود نندنی کے رگ وپے میں ایسی سنسنی پھیلی کہ وہ یکلخت سرخ پڑتی چلی گئی تھی۔ شرم و حیا گریز اور خفت کا ایسا خوب صورت سنگم اس سے قبل شاید ہی عباس کی نگاہ سے گزرا ہوا۔ وہ چند ثانیوں کو ہی مگر اپنی نظروں پر اختیار کھو بیٹھا۔ معاً وہ سنبھلا اور دانستہ کھنکھارا اسے یکدم احساس ہوا تھا ان کے بیچ اس کے ناچاہتے ہوئے بھی معنی خیزیت در آئی ہے اور یہ سراسر اس کے ہی فقرے کی بدولت تھا۔ جبھی اس نے معاملے کو سرسری رنگ دینا چاہا۔

"مطلب آپ کی طبع نازک پر ناگوار گزرا ہوگا۔ آف کورس شیراز صاحب کی طرح ہوں تو میں بھی ایک مرد اور وہ بھی بالکل غیر تو احتیاط تو لازم تھی مگر غصے میں مجھے کچھ خیال نہیں رہا۔"

"اِٹس او کے مجھے برا نہیں لگا بالکل بھی۔" وہ مدہوش تو تھی ہی بے اختیاری میں اپنے دل کی بالکل صحیح عکاسی کرگئی۔ اس باریکی پر دھیان دیے بنا کہ عباس اس بات سے آخر کیا نتیجہ اخذ کرے گا۔ ہوا بھی یہی تھا۔ عباس صرف چونکا نہیں ٹھٹکا بھی۔ اس نے قدرے گہرائی سے نندنی کے تاثرات کا از سر نو جائزہ لیا۔

"بے خودی سرشاری طمانیت کے ساتھ جھینپ وہ کتنی آسودہ لگتی تھی مگر کیوں؟" عباس نے خاموشی سے اس بات پر غور کیا۔ کیا وہ شیراز کی طرح غیر مرد نہیں تھا اس کے لیے؟ ہاں البتہ وہ شیراز کی طرح عام سا نوجوان نہیں تھا۔ وہ دلکش تھا سحر انگیز تھا۔

"آپ کا گھر آچکا ہے نندنی صاحبہ۔" گاڑی کے رکنے کے بعد بھی جب اس نے نندنی کے وجود میں کوئی تحریک محسوس نہ کی اور اس کی بے خودی کو ہنوز پایا تو عباس نے کسی قدر جتلاتے ہوئے مگر پرتپش انداز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ نندنی ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی اور اس کے چہرے کی بے اعتنائی کو محسوس کرتی خفت سے سرخ پڑ گئی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے عباس کو اندر آنے اور چائے والا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔ جسے عباس نے اسی بے رخی سے ٹھکرادیا جو اس پل اس کے چہرے اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ نندنی کے قدم جیسے ہی زمین پر آئے عباس نے ایک جھٹکے سے گاڑی بڑھادی تھی۔ نندنی کچھ مضطرب سی فرانٹے بھرتی لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی گاڑی کو خالی نظروں سے تکتی رہی۔

❁......✺......❁

پڑا ہے واسطہ محسن محبت کے یزیدوں سے
یہاں ہم اپنی آنکھوں میں بھی پانی رکھ نہیں سکتے

اس نے ایک سرد آہ بھری اور ہونٹ بھینچ کر آنکھوں کی نمی کو اندر اتارلیا۔ سرخ بنارسی ساڑھی اس کے بخار زدہ جسم پر چبھ رہی تھی۔ مگر وہ لباس بدل کر خود کو آرام دہ حالت میں نہیں لاسکتی تھی۔ یہ وقاص کا حکم تھا۔ وہ اسے بجی سنوری اچھی لگتی تھی۔ اس کی طبیعت آج بھی ٹھیک نہیں تھی۔ مگر وقاص کو اس کا احساس کہاں تھا۔ شادی کی پہلی رات سے ہی وقاص نے اسے اپنے ہر انداز سے جتلا دیا تھا کہ وہ اس کے نزدیک پیر کی جوتی سے برتر اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کا رویہ شدید ہتک آمیز تھا۔ امامہ جس سنہرے خواب کی ڈور سے بندھی یہاں تک چلی آئی تھی وہ چھناکے سے ٹوٹ گیا تھا۔ یہ وہ وقاص تو کہیں سے بھی نہیں تھا جو اسے سپنے دکھاتا تھا۔ جس کے بھاری لہجے میں اتنی تاثیر تھی کہ وہ عمروں کا فرق بھلائے اس کی رفاقت اور ہمراہی کی خواہش کرنے لگی تھی۔ اس کی معصومیت اس کا بھولپن وقاص کی پختگی اور کرختگی کے سامنے خاک میں مل گیا۔ اس کی رفاقت کی محض ایک رات میں وہ اپنا لڑکپن اپنا بچپن اور جوانی پھلانگ کر جیسے یکلخت بڑھاپے کی سرحد پر آکر کھڑی ہوگئی۔ اگر واقعات بے رحم اور حالات سفاک ہوں تو ذہن صدیوں کا سفر بھی منٹوں میں طے کرجایا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ وہ ان چند راتوں میں اتنی بڑی اتنی مجبور ہوگئی تھی کہ دکھ کو پردوں میں چھپانا' شوہر کے بھید و راز خفیہ رکھنا اسے سب آ گیا تھا۔ جبھی تو اس نے فون پر لاریب سے رابطہ کرکے اسے دھوکا دینے کی بھی کوشش کی تھی اور خود کو ہر لحاظ سے خوش ظاہر کرکے دکھایا کہ جانتی تھی لاریب اس کی وجہ سے کس عذاب سے دوچار ہے۔ ولیمہ کے دن جو اس کی اجاڑ صورت دیکھ کر وہ گئی تھی اس کے بعد اسے سکون ملنا بھی کہاں تھا۔ اس نے وقت گزاری اور دل کے اندر گونجتے سناٹوں سے نجات حاصل کرنے کو کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ شام کی برفیلی ہوائیں کوریڈور کے پار وسیع لان میں لگے درختوں کے پتوں کو بھی ٹھٹھرا رہی تھیں۔ فضا کی نمی اس بات کا اعلان کررہی تھی کہ رات کو بارش ہوگی۔ اس کے اندر ویسا ہی کہر اتر آیا جیسا باہر فضاؤں میں اترا ہوا تھا۔ اس نے بے دلی سے کھڑکی بند کی اور آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ آتش دان جل رہا تھا مگر سردی سے پھر بھی جسم اکڑا جاتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر کمبل کھینچ لیا۔ ملگجے اندھیرے میں آتش دان کی نارنجی آتشی روشنی بہت خواب ناک لگ رہی تھی مگر جو بات اسے چونکانے کا باعث تھی وہ وقاص کی کمرے میں موجودگی تھی۔ جانے وہ کس پل کمرے میں آیا تھا کہ اسے خبر نہیں ہوسکی تھی۔

اس کے پہلو میں براجمان سگریٹ ہونٹوں میں دبائے وہ

اسے کتنی گہری اور بھرپور نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ امامہ کا بخار کی حدتوں سے دہکتا ہوا چہرہ کچھ اور بھی لو دینے لگا۔ وہ گڑبڑا کر تیزی سے سیدھی ہونا چاہتی تھی مگر وقاص نے اپنا مضبوط آہنی بازو اس کے اوپر رکھ کر اس کوشش کو ناکام بنا گیا۔ امامہ کی نظریں جھکی تھیں اور ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑنے لگی۔ چہرہ بھی متغیر ہوچکا تھا۔

"ڈرتی کیوں ہو مجھ سے..... پسند نہیں کرتی تم بھی اپنی دونوں بہنوں کی طرح مجھے؟" وقاص کے سرد لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔ امامہ کا دل لرزنے لگا۔ اس کی دھاڑ پر وہ حواس باختہ ہوکر زور سے سر کو نفی میں دائیں بائیں ہلانے لگی۔

"نہ..... نہیں۔"

"کیا نہیں..... یعنی پسند نہیں کرتی ہو مجھے؟" وہ چنگھاڑا تھا اور امامہ فق چہرے کے ساتھ رو پڑی۔

"نہیں..... میرا مطلب ہے ایسی بات نہیں میں تو آپ سے محبت.....!"

"بس.....!" وہ حلق کے بل غرایا اسے بے تحاشا نفرت زدہ نظروں سے گھورنے لگا۔

"جھوٹ نہیں بولنا مجھ سے مجھے مکاری سے دھوکے سے شدید نفرت ہے۔" اس نے جھپٹ کر امامہ کا سراسیمہ چہرہ اپنے فولادی پنجے میں دبوچ لیا۔ امامہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپنے لگی۔ وقاص جیسے اس کی بے بسی اور ہراسگی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کافی دیر بعد جب اس نے امامہ کو اپنے پنجہ جنوں سے آزاد کیا تو امامہ نڈھال اور نیم جان ہورہی تھی۔ وقاص کے چہرے کی کرختگی میں البتہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

وہ اپنے کسی بھی عمل میں شرمندگی تو دور کی بات زیادتی کا احساس تک نہیں رکھتا تھا۔ اسے صرف ایمان کی ہتک آمیز حرکت کا طیش ہی نہیں تھا بلکہ لاریب کا متکبرانہ رویہ بھی آگ بگولہ کیے رکھتا۔ ان سب تلخیوں کا بدلہ چکانے کو ہی اس نے امامہ کا انتخاب دانستہ کیا تھا۔ تو وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ لاریب اور ایمان کی وہ بیک وقت دکھتی رگ تھی۔ اس کی ایک اور اہم اور خاص وجہ بھی تھی جس کی وہ قبل از وقت امامہ کو ہوا بھی لگانا نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اپنے مقصد کے حصول سے پہلے تو ہرگز بھی نہیں۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

اداس لمحوں اجاڑ راتوں
میرے تخیل سے دور بھاگو
یہ نیند مجھ سے بیزار ہے کیوں؟
اس دکھ کو مجھ سے ہی پیار ہے کیوں؟
یہ لوگ جو میرے راہبر ہیں
یہ میری سوچوں سے بے خبر ہیں
یہ مجھ سے کہتے ہیں تتلیوں پر
جگنوؤں پر کتاب لکھوں
کہ چاہتوں کا نصاب لکھوں
انہیں میں کیسے بتاؤں کہ اب
بہار موسم گزر چکا ہے
اداس بے کل خزاں کا موسم
میرے دل میں اتر چکا ہے
میرے قہقہوں کا خوشبوؤں کا
وہ دور کب کا گزر چکا ہے
اب تو جینا وبال اپنا
نہ روپ و رنگ و جمال اپنا
تھا جس کو تھوڑا خیال اپنا
وہ شخص کب کا بچھڑ چکا ہے

اچھی بھلی چلتی گاڑی کو اس نے یکدم بریک لگا کر روک دیا۔ اس کی خالی نظریں اس چوراہے پر ٹکی تھیں جہاں تینوں اطراف سڑکیں نکل رہی تھیں۔ چوتھے کنارے اس کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ جگہ شہر کی حدود کو ختم کرتی اور گاؤں کی اراضی کا آغاز کرتی تھی۔ ایک طرف ان کی حویلی کو جاتی سڑک تھی دوسری طرف تایا سائیں کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔ سڑک کے ساتھ کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا پھر اس کے آگے باغات شروع ہوجاتے تھے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اس نے جانے کتنی مرتبہ ان فاصلوں کو پاٹا تھا۔ تایا سائیں کی حویلی میں اس کے لیے سب سے زیادہ کشش کا باعث عباس حیدر کی موجودگی ہی ہوا کرتی تھی جو اس کے قدموں کو کشاں کشاں وہاں لیے جاتی۔ کبھی وہ سرے سے نظر نہ آتا۔ کبھی قسمت یاوری کرتی بھی تو وہ بس چوری چوری اسے دور دور سے دیکھا کرتی اور بس۔ بات تو وہ بہت ہی کم کرتا تھا اس سے یہ اس کی وہ سنہری عمر تھی جس کا دورانیہ چودہ پندرہ سال کی عمر سے انیس سال تک محدود تھا۔ پھر خواب جھلس گئے اور دکھ اس کی جھولی میں آپڑے۔ اس سے بھی پیچھے اگر وہ جاتی تو تایا سائیں کی حویلی میں امامہ اور ایمان کے ہمراہ وہ بہت چھوٹی عمر میں بابا جان کے ہمراہ جاتی رہی تھی۔ جب ان کی ماں کی وفات کو زیادہ وقت نہیں بیتا تھا اور تائی ماں نے ان کے سروں پر اپنی ممتا بھری چادر کو ڈال کر انہیں اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لیا تھا یہی وہ دن تھے جب بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کا بار اٹھایا تھا اور اپنے نوعمر بیٹوں کی نسبت ان پانچ اور آٹھ سال کی عمر کی بچیوں سے بالترتیب طے کردی تھی۔ لاریب تب آنے والے ہر دکھ سے بے نیاز اکثر تائی جان کو چکمہ دے کر امامہ کی انگلی

پکڑے کھیتوں اور باغات کی جانب جانکلتی۔ کبھی بھٹے توڑ کر لاتی کبھی کچے پکے سنگترے۔ اس کی فطرت میں عجیب بے چینی تھی جو کبھی اسے سکون نہ سہنے دیا کرتی۔ حویلی کے دونوں اطراف تب خالی میدان ہوا کرتے تھے۔ پھر باغات اور باغات کے اختتام پر قبرستان۔ اسے یاد تھا ایک بار اس سے امامہ کھوگئی تھی وہ سرخ سرخ سیب توڑنے میں ایسی مگن ہوئی تھی کہ امامہ کو فراموش ہی کردیا۔ جب خیال آیا تو امامہ کہیں نہیں تھی۔

سات سالہ لاریب نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ باغ کا رکھوالا آوازیں سن کر بھاگا آیا اور صورتحال جان کر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی گئی تھیں۔ اس کوتاہی پر جس میں اس غریب کا معمولی سا بھی حصہ نہیں تھا اس کے باوجود اسے دار پر چڑھایا جاسکتا تھا مگر خیر اس طرح گزری کہ تھوڑی سی تلاش بسیار کے بعد امامہ مل گئی تھی۔ لاریب نے ہی اسے سب سے پہلے دیکھا تھا۔ وہ میدان سے بھاگی آرہی تھی۔ ننگے پیر دھول اڑاتی چیختی اس کا فراک اس کے پیروں میں بار بار الجھتا تھا جو بے حد گندا ہورہا تھا۔ دھول مٹی سے اٹی لاریب نے لپک کر اسے بازوؤں میں بھرلیا اس کے پیچھے بھاگ کر آتے کتے کو غصے کے عالم میں آدھی اینٹ کا ٹکڑا اٹھا کر مارا تھا۔ امامہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ مسلسل رونے سے ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

”بیڈاگ مجھے ماردیتا بجو اگر آپ نہ آتیں۔“ امامہ اس سے لپٹی ہوئی سسک رہی تھی۔ لاریب نے اسے بھینچ لیا۔

”ڈرو نہیں میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔“ تب اس نے کتنے بڑے پن سے اسے تسلی دی تھی۔

”مگر اب......!“ امامہ کو اس کی ضرورت ہے یہی لگ رہا تھا اسے۔ وہ اکیلی ہے اور خوفزدہ بھی۔ لاریب کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ بنا کچھ مزید سوچے اس نے گاڑی کا رخ پھیر دیا۔ آدھے گھنٹے کے مزید سفر کے بعد اس کی گاڑی بڑی حویلی کے بلند آہنی پھاٹک سے اندر داخل ہورہی تھی۔ وسیع وعریض حویلی کے سرسبز لان کے آغاز میں ہی پورچ تھا۔ اس کی گاڑی سرخ بجری کی روش پر دیگر گاڑیوں کے پاس جاکر رک گئی۔ دروازہ کھول کر وہ اپنے ازلی بے نیاز پراعتماد انداز میں باہر نکلی اور اندرونی حصے کی جانب آگئی۔ راستے میں ملنے والی ملازمائیں اسے بہت مؤدب انداز میں سلام کررہی تھیں۔

لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک پر تائی جان نڈھال سی بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے میز پر کینوؤں اور سیبوں کی باسکٹ تھی۔ دوسرے صوفے پر مہرو آپا براجمان تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا کینو چھیلتے ہوئے ان کی نگاہ جیسے ہی اس پر اٹھی یکدم چونکتے ہوئے خوشگوار قسم کی حیرت ان کی آنکھوں میں اتر آئی۔

”ارے لاریب چندا...... آؤ نا میری جان تم تو راستہ ہی بھول گئیں کیسی ہو؟“ لپک کر اٹھتے ہوئے وہ پرجوش انداز میں اس کے گلے لگی تھیں۔ لاریب کا انداز البتہ لیا دیا ہی تھا۔

”میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں تائی جان؟“ اس نے جیسے جبراً مروت نبھائی' تائی جان جو حسرت زدہ نظروں سے اسے تک رہی تھیں۔ سرد آہ بھر کر دلگیر انداز میں مسکرادیں۔

”شکر ہے مالک کا تم ٹھیک ہو...... بابا کیسے ہیں تمہارے؟“ وہ ملول تھیں اور بہت مدھم انداز میں بات کرتی تھیں۔ انداز ایسا ہوتا جیسے ان کا بیٹا نہیں وہ خود اس کی مجرم ہوں۔ کبھی وہ وقت بھی تھا جب وہ اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت دیا کرتی تھیں۔ سب کچھ بدل گیا تھا صرف عباس حیدر کے بدل جانے سے۔ لاریب کا دل عجیب سی اذیت کا شکار ہونے لگا۔

”میں امامہ سے مل لوں۔“ مہرو آپا کے اصرار کے باوجود وہ وہاں بیٹھے بغیر پلٹ کر باہر نکل گئی۔ راہداری کے موڑ پر اس کا ٹکراؤ غیر متوقع طور پر وقاص حیدر سے ہوا تھا۔ سفید کلف شدہ کرتا شلوار' سیاہ ویسٹ کوٹ' خوفناک مونچھوں کی صفائی کے باعث وہ انسانی حلیے میں قدرے بہتر نظر آرہا تھا مگر آنکھوں کی سرخی پہلے سے بڑھی ہوئی لگتی تھی۔ لاریب کو اس کی معنی خیز مسکان نے ہی جزبز کیا تھا اس پر اس کا انداز گفتگو۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دونوں بازو سینے پر لپیٹے وہ کچھ اس انداز میں پھیل کر کھڑا ہوا تھا کہ لاریب اس سے ٹکرائے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔

”راستے سے ہٹو امامہ سے ملنے آئی ہوں میں۔“ امڈتی ناگواری کو دبائے وہ جبر کرتے ہوئے رسان سے کہہ رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ وقاص کا چہرہ پتھریلا تھا۔

”اور اگر میں نہ ملنے دوں؟ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ملنے نہیں آسکتی تھیں کبھی بھی۔“ لاریب کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا۔ اس نے بے اختیار چونکتے ہوئے خائف نظروں سے وقاص کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟ تمہیں اندازہ نہیں شاید کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“ وہ بھڑک اٹھی تھی۔ جواب میں وقاص کے ہونٹوں پر زہر سے بھیگی مسکان پھیلتی چلی گئی۔

”اس لیے کہ وہ اب میری ملکیت ہے چاہوں تو تمہیں اس کی شکل کو بھی ترسادوں' کبھی بہت اجارہ داری تھی تمہاری اس پر' خوب مجھ سے چھپاتی تھیں۔ انجام دیکھ لیا' اپنی خوابگاہ میں سجایا ہے میں نے تمہاری کمزوری کو۔“ وہ لاریب کی سرد مہری کے جواب میں بپھر کر بولا۔ لاریب سن کھڑی رہ گئی۔

”جان گیا تھا میں کہ دکھتی رگ ہے تمہاری وہ۔ اب میری مٹھی میں ہے چاہوں تو اسے اگلا سانس نہ لینے دوں مگر بے فکر رہو اسے جان سے نہیں ماروں گا۔ بہت سے حساب نکلتے ہیں تمہاری طرف انتظار کرنا میری جوابی کارروائی کا۔“ وہ پھنکار رہا تھا اور لاریب...... لاریب کا وجود ہر لمحہ بے جان ہوتا جارہا تھا۔ وہ عباس حیدر کا بھائی تھا۔ شکل وصورت میں اس کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ مگر قد وقامت چال ڈھال اور نقوش میں کہیں اس کی جھلک بھی آتی تھی مگر مزاج اور عادات میں اس سے سوا تھی۔ وہ صرف بے نیاز اور کھٹور تھا۔ یہ بے حس اور سفاک بھی۔ اس نے صرف لاریب کو ہی توڑا اور پامال کیا تھا۔ وقاص نے تو اس کے ساتھ امامہ کو بھی نہیں بخشا تھا۔ خود پر تو وہ سب سہہ جاتی کہ مر تو گئی ہی تھی وہ مگر امامہ......

”دیکھو وقاص تمہاری دشمنی مجھ سے ہے نا ہی امامہ سے۔ تمہیں ایسی بات جو نے دھوکا دیا ہے تم......!“

”تم نے کچھ نہیں بگاڑا؟“ وہ حلق کے بل غرایا تو لاریب کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔

”تمہاری نگاہوں میں جو ہتک اور شک ہوتا تھا وہ کوڑے مارتا تھا مجھے اگر میں امامہ سے عام سی سرسری بات بھی کرتا تو تم کتنا اوور ری ایکٹ کیا کرتی تھیں۔ اتنا لوز تھا میرا کریکٹر تمہاری نظروں میں کہ میں گھر کی عزت میں نقب لگانے سے نہیں چوکتا۔“ اشتعال آمیز انداز میں وہ اسے سرخ نظروں سے گھورتا ایک سے بڑھ کر ایک سلگتا سوال اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ لاریب ساکن کھڑی تھی۔

”شادی تو میں تمہارا غرور توڑنے کو تم سے کرتا مگر لاریب بی بی اب جو شکست تمہیں دی ہے یہی برداشت نہیں کرسکو گی تم۔ لمحہ لمحہ سلگو اور تڑپو گی مگر خلاصی نہیں پاؤ گی کیا سمجھیں؟“ اس نے مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ لاریب کی تائید چاہی۔ لاریب پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تو گویا وہ کھل کر بالآخر سامنے آ ہی گیا تھا۔

”ایک تیر سے دو شکار کرنے والا عقلمند کہلاتا ہے مس لاریب شاہ اور میں اسی عقل مندی کا مظاہرہ کرچکا ہوں۔ کیسے' اس کا اندازہ تمہیں بہت جلد خود ہوجائے گا۔ جب تم خود اپنے آپ سے بھی نظریں چار کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔ میں بتاؤں گا شک کرنا کتنا مہنگا پڑا ہے تمہیں وقاص حیدر پر۔“ لاریب حواس باختہ سی کھڑی اس کے سنگی چہرے کی سفاکی کو تکتی رہی۔

”جاؤ مل لو میری بیوی سے بھی کیا یاد کرو گی کہ تمہیں مایوس نہیں لوٹایا۔“ سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیتے ہوئے وقاص نے دانستہ اسے بھڑکانا چاہا تھا مگر لاریب کی صلاحیتیں مفلوج اور منجمد ہی رہی تھیں۔

”سنو اس سے پوچھنا ضرور کہ میں اس سے آخر کتنی گہری محبت کرتا ہوں کہ اس کا دل مجھ سے اتنی سی جدائی پر بھی آمادہ نہیں ہو پاتا کہ جاکر اپنے بڑھے بیمار باپ اور راہ تکتی بہن سے ہی مل آئے۔“ کنپٹی کھجاتے ہوئے اسے خبیث نظروں سے دیکھتا ہوا پھر جتلانے سے باز نہیں آیا۔ لاریب کے ساکن چہرے پر تغیر پیدا ہوا تھا۔ اس نے آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں کو لمحہ بھر کو اس کے چہرے پر ٹکایا۔

”کیا کروں یار۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری کہ اسے محبت کرتے جی نہیں بھرتا۔ اسے بھی میری محبت اتنی پسند ہے کہ......!“ لاریب نے اس کی پوری بات نہیں سنی اور تقریباً دوڑتے ہوئے راہداری عبور کرلی۔ امامہ کے کمرے میں وہ بغیر دستک کے داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر اتنی سرخی تھی جیسے کسی نے وہاں آگ دہکا ڈالی ہو۔

امامہ جو کمبل تہہ کرنے کے بعد بیڈ شیٹ کی شکنیں نکال رہی تھی آہٹ پر مڑی اور اسے روبرو پاکر چند ثانیوں کو اسے جیسے اپنی بصارتوں پر یقین نہیں آسکا تھا۔ وہ لپک کر اس کے گلے لگ گئیں۔ لاریب نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

”آپ رو رہی ہیں بجو؟“ امامہ ہراساں ہوکر پوچھا۔ لاریب نے اپنے آنسو پونچھے مگر صورتحال یہ تھی کہ وہ جتنا خود کو سنبھالنے کی کوشش کررہی تھی اسی قدر بکھرتی جارہی تھی۔ آنسو بارش کی طرح برس رہے تھے۔ عجب بے بسی کا عالم تھا۔

”مجھے معاف کردیں بجو یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں یہاں شادی کروانے کی ضد لگاتی نہ آپ کو اس مشکل سے دوچار ہونا پڑتا۔ میں جانتی ہوں یہاں قدم قدم پر عباس بھائی کی یادیں بکھری ہوئی ہیں اور یہ سب آپ کے لیے بہت اذیت ناک ہے۔“ امامہ اس کے آنسو اپنے ہاتھ کی نرم انگلیوں سے سمیٹتی ہوئی اپنی سمجھ کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کرسکی تھی اور یہ اندازہ بھی اپنے اندر بلا کی تلخی کاٹ اور وحشت سمیٹے ہوئے تھا۔ لاریب پر چھائی اذیت کی گھٹاؤں میں مزید گمبھیرتا اتر آئی۔

”بابا جان تمہارے نہ آنے کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہیں امامہ' ایک بار تو چکر لگایا ہوتا۔“ وہ موضوع اس قدر جان لیوا تھا کہ لاریب نے بات بدلنا مناسب خیال کیا۔

”میں ضرور آؤں گی بجو آپ پریشان نہ ہوں بابا جان کو بھی میری طرف سے تسلی دیجیے گا۔ ویسے میں ہر لحاظ سے مطمئن اور خوش ہوں۔ بس فی الحال وقاص نہیں چاہتے کہ میں حویلی جاؤں تائی

جان نے بھی انہیں سمجھایا تھا مگر وہ خفا ہونے لگتے ہیں۔" نظریں جھکائے اپنا بھرم قائم رکھنے کو ایک کے بعد دوسرا جھوٹ بولتی وہ لاریب کو بہت بڑی بڑی لگی۔ جانے کس خیال کے تحت اس کی بھیگی آنکھیں کچھ اور بھی نمی سمیٹ لائیں۔ تائی جان نے اس کے لیے چائے پر خصوصی انتظام کرایا تھا اور مہرو آپا کے ہمراہ وہیں اس کے ساتھ آن بیٹھی۔ لاریب پر اٹھنے والی ان کی نگاہوں میں زیاں اور حسرت کا احساس چھلکتا تھا۔ جیسے عباس پورے خاندان میں اپنی وجاہت و خوبروئی کے باعث مشہور تھا۔ اسی طرح لاریب کا حسن و جمال بھی یکتا تھا۔ تائی جان تو برملا کہا کرتی تھیں۔ "اللہ نے دونوں کو بنایا ہی ایک دوجے کے لیے ہے۔ چاند سورج کی جوڑی ہے میرے بچوں کی۔ بس خدا نظر بد سے بچائے۔"

مگر اب انہیں لگتا تھا ان کے بچوں کی خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی تھی۔ عباس کی صورت بھی دیکھنے کو ترستی تھیں ان کی آنکھیں جبکہ لاریب کی شکل جیسے کسی نے مسکراہٹ اور زندگی کے رنگ چھین لیے تھے۔ مہرو آپا اور تائی جی کے اصرار کے باوجود اس نے چائے کے علاوہ کسی دوسری شے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ عجلت میں کپ واپس رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اب چلتی ہوں امامہ بہت خیال رکھنا تم اپنا۔" وہ جانے کو تیار ہوئی تو امامہ کے ساتھ مہرو آپا بھی بے چین ہو گئی تھیں۔

"اتنی جلدی کیوں بیٹا تم نے تو کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"معذرت تائی جان کالج سے واپسی پر ادھر آ گئی تھی۔ بابا جان کو تو پتا بھی نہیں ہے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے جواباً رسان سے کہا تھا مگر تائی جان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو فون کر کے بتا دو نا بیٹے کہ آپ ادھر ہو۔ تم کون سا روز روز آتی ہو۔ ابھی بھی امامہ کی خاطر ہی چکر لگایا ہے۔ ٹھہرو تو سہی، بہن کے ساتھ ہی کچھ وقت اور گزار لو۔ اداس ہے تمہارے لیے وقاص کو تو اللہ ہی ہدایت دے۔ اتنا ہٹ دھرم ہے کسی کی نہیں سنتا۔ الٹی کھوپڑی ہے بالکل۔" تائی جان کے انداز میں بیک وقت نرمی و غصہ تھا۔ اس سے قبل کہ لاریب انکار کرتی اس کا سیل فون مدھر سروں میں گنگنانے لگا تھا۔ لاریب نے اپنے ہینڈ بیگ سے سیل فون نکال لیا۔ اسکرین پر بابا سائیں کا نمبر تھا اس نے تیزی سے کال ریسیو کی۔

"آپ خیریت سے ہیں بی بی صاحبہ بابا سائیں پریشان ہیں۔" اس نے سکندر کی آواز سنی تو بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"بابا جان کو فون دو میں ان سے بات کر لیتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟ کوئی پریشانی کی بات ہے بی بی صاحبہ تو......؟"

"واٹ نان سینس سکندر! اتنا احمق سمجھا ہوا ہے مجھے؟ خیر بتا دینا جان کو کہ میں بڑی حویلی میں تائی جان اور امامہ کے ساتھ ہوں۔ شام تک آ جاؤں گی۔" درشتی سے بات کرتی وہ بات کو سمیٹ کر فون بند کر کے رکھنے لگی۔ تو تائی جان قدرے ریلیکس ہوئی تھیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

نندنی نے ہاتھ میں پکڑے ہرے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھا پھر یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ محتاط مگر فکر مندانہ نظر عباس حیدر کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"کیا آپ نے سب کو ایڈوانس پے منٹ کر دی ہے؟" عباس نے کاندھے جھٹکے تھے۔ گویا اثبات میں جواب دیا۔ نندنی نے پھر ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا۔

"سر فی الحال اپنے پاس رکھیں میں کام مکمل ہونے پر......!"

"مس نندنی آپ اپنے گھر میں خصوصی اہمیت و حیثیت رکھتی ہوں گی عین ممکن ہے مگر میرا اصول ہے کہ میں کسی کو کم یا زیادہ توجہ دینے کا قائل نہیں ہوں۔ اگر آپ مجھ سے ایسے خصوصی رویے کی توقع رکھتی ہیں تو میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا خیال ہے آپ میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ گئی ہوں گی اور آئندہ اسی لحاظ سے میرے ساتھ تعاون کریں گی۔" اس کا لہجہ معمول سے ہٹ کر بے حد سخت اور برہم تھا۔ نندنی نے قدرے خائف ہو کر متوحش نظروں سے اس کے پتھریلے تاثرات والے چہرے کو دیکھا تھا۔ مغرور کھیچی کھڑی ناک پر نگاہ اٹھی تو از خود اس کے حاکمانہ مزاج اور سخت دلی کا احساس دل میں جاگزیں ہو گیا۔ ہمہ وقت فراخ پیشانی کا احاطہ کیے رکھنے والی شکن اس کے جاگیردارانہ موڈ کی واضح غماز تھی۔ اس وقت وہ جارحانہ موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ نندنی کا رنگ اڑ سا گیا۔ اسے ڈھونڈنے سے بھی اپنی خطا نہیں مل سکی جو اسے برہم کرنے کا باعث بنی ہو۔ اس کے باوجود اگر وہ غصے میں تھا تو نندنی کی سراسیمگی بھی انتہا درجے کو چھونے لگی تھی۔ عباس نے ایک نظر اس کے رو دینے والے تاثرات کو دیکھا اور کوئی وضاحت دیے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ وضاحت دینے والی بات تھی بھی نہیں۔ غصہ کہیں کا تھا نکلا کہیں تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے اپنے ورکرز کی باتیں سن لی تھیں۔ اس کے اور نندنی کے بارے میں دی گئی آزادانہ رائے جسے سننے کے بعد عباس کو اپنے چہرے سے بھانپ نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

اس کے بیشتر ساتھیوں کے خیال کے مطابق عباس ضرورت سے زیادہ نندنی پر مہربان تھا اور ایسا صرف اس کے غیر معمولی حد تک بہکا دینے والے حسن کی وجہ سے تھا۔ ان لوگوں کو عباس کی وہ نرمی اور ڈھیل جو عباس نے نندنی کو نو آموز اور صنف مخالف ہونے کی بنا پر

احترام کی خاطر دی تھی وہ انہیں عباس کی اس میں انوالومنٹ نظر آ رہی تھی۔ عباس جتنا بھی سیخ پا ہوا تھا مگر مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ وہ اس معاملے پر بول کر اسے ہاٹ ایشو بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ ویسے بھی اگر دیکھا جاتا تو ان لوگوں کی یہ باتیں اتنی بے جا بھی نہیں تھی۔ اس سے قبل تک عباس کا رویہ خاص طور پر ساتھی لڑکیوں سے بے حد رکھائی اور سرد مہری لیے ہوتا تھا۔ تو اس کی وجہ صرف عریشہ ہی نہیں تھی کہ وہ اسے شکایت کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کسی بھی لڑکی کو خصوصی اہمیت دے کر اسے اپنی جانب سے خوش فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا نہ ہی اسکینڈل افورڈ کر سکتا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تب تک معاملہ دوسرا تھا۔ تب وہ بطور ایکٹر کام کرتا تھا۔ اب صورت حال تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ ڈائریکشن کے شعبے میں تھا تو یہ بے اعتنائی و سرد مہری اس کے لیے کسی طور بھی کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتی تھی۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا جبھی صرف خواتین کے ساتھ ہی نہیں سبھی کے ساتھ رویہ تبدیل کر لیا تھا مگر اس کے ساتھی اس کی تبدیلی کو صرف نندنی کی حد تک محسوس کر سکے تھے۔ مگر عباس کا مزاج کافی برہم ہو گیا تھا اور غصے کے وقت وہ ہر مصلحت بالائے طاق رکھ دیا کرتا تھا۔

"یار جتنی حسین ہے نا وہ انڈین بیوٹی، یہ جادو چلنا ہی تھا شکر کرو محترمہ ہندو ہیں ورنہ عین ممکن ہوتا قلم و دل کے ساتھ ان کے دل کی بھی ہیروئن بن جاتی۔" کسی دل جلے نے فقرہ کسا تھا، جس کے جواب میں مشترکہ قہقہہ کتنی دیر تک گونجتا رہا۔ وہ بامشکل خود پر ضبط کرتا پلٹ گیا تھا مگر یہ ضبط یہاں نندنی کے آگے چھلک گیا تھا۔ دوسری سمت نندنی تھی، جس نے اس کی بات کا اتنا اثر قبول کیا تھا کہ خود کو سنبھال نہیں سکی تھی۔ اگلے تین دن بھی جب وہ ریہرسل کی خاطر اسٹوڈیو نہیں پہنچی تو شیراز کی اطلاع پر عباس کو جھنجلاتے ہوئے سہی مگر اس سے رابطہ کرنا پڑا تھا کہ شیراز نے بتایا تھا وہ ان کا فون ریسیو نہیں کر رہی ہیں۔ عباس کے ٹرائی کرنے پر اس کا نمبر بند ملا تھا۔ عباس کو گھر واپسی پر مجبوراً سہی مگر اس کی جانب بھی کھڑے کھڑے آنا پڑا تھا۔ مگر وہ اس پر ایک نگاہ ڈال کر ہی ششدر ہونے لگا۔ وہ محض تین دن میں صدیوں کی مریض لگنے لگی تھی۔ البتہ اسے روبرو پا کر جو چمک جو خوشی اس کے چہرے پر لہرائی وہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں تھا۔

"خیریت...... کیا ہوا آپ کو؟" اس کے بوکھلا اٹھنے پر عباس لیٹے رہنے کا اشارہ کرتا بیڈ سے کچھ فاصلے پر دھری کرسی پر پریشان سا ٹک گیا۔ جواب میں نندنی کی آنکھوں میں اس کی اس بے نیازی و بے صبری کے انداز نے نمی بھر دی۔

"تھینک گاڈ، بس ٹھنڈ لگ گئی تھی تو ٹمپریچر ہو گیا۔" عباس کی خود پر جمی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اس نے اندر کا سارا کرب چھپا کر آہستگی سے جواب دیا۔ وہ اس سے شکوہ کا حق تو رکھتی ہی نہ تھی۔ بھلا غلام آقا کے آگے جرأت شکوہ کر بھی کیسے سکتا ہے شاید یہی عشق ہے آداب غلامی کی ساری تفصیل خود بخود از بر ہو جاتی ہے۔

"آپ کو دوا لینی چاہیے تھی۔ احتیاط بھی بے حد ضروری ہے۔ میں کام میں مزید تاخیر پسند نہیں کرتا مس نندنی۔ آپ کا سیل بھی آف تھا اسی باعث گھر پر آنا پڑا ہے مجھے۔ اب آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تو کرنا چاہیے۔" وہ جھنجلا رہا تھا اور نندنی خائف ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے محض لحہ بھر کو پلکیں اٹھا کر ایک نگاہ عباس پر ڈالی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔" یہ معذرت نندنی کے لیے لازم و ملزوم تھی مگر دل اس کی اس درجہ بے اعتنائی کو بہر حال سہار نہیں پا رہا تھا۔ جبھی اسے خبر تک نہ ہو سکی اور بے مائیگی کے مظہر آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر گالوں پر اتر آئے۔ عباس حیدر نے کسی درجہ حیرانی میں مبتلا ہو کر اس بن بادل برسات کو دیکھا مگر اس پر نگاہ ڈال کر وہ شدید ردعمل نہیں دے سکا کہ اس کی نگاہ پھر اس کے چہرے کی جکڑ لینے والی ملاحت اور سحر انگیزی میں اٹک گئی تھی۔

گلابی رخسار سردی کے باعث سرخ ہو رہے تھے۔ بالکل قندھاری انار کی طرح۔ سیاہ شال لیے وہ بے بسی کی تصویر نظر آتی بھی اپنے اندر بلا کا سحر سموئے ہوئے تھے اور گویا واقعی جیتی جاگتی قیامت تھی۔ اتنا فسوں خیز حسن تھا ہی جکڑ لینے کی صلاحیت سے مالا مال عباس کے دل پر بھی قدرتی سا اثر ہوا۔ غصہ حسن کی تابنائی کی شعاعوں میں جل کر خاک ہوتے دیر نہیں لگی۔ عباس حیدر کو اندازہ تک نہ ہو سکا مگر عباس کی نگاہ نے اختیار سے باہر ہوتے بھرپور انداز میں اس کا چہرہ جانچا تھا۔ معاً وہ کھنکارا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر قدرے دھیمے اور نرم لہجے میں کہنے لگا۔

"اٹس او کے، پلیز آپ رونا بند کر دیں۔ بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم بلکہ اگر آپ کی طبیعت میں تا حال بہتری نہیں ہے تو میرے ساتھ چلیں میں آپ کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتا ہوں۔" وہ نہ صرف اس سے مخاطب تھا بلکہ مسلسل اسے نگاہ کی زد پر بھی رکھے ہوئے تھا۔ وہ بے خبر تھا۔ اپنی نگاہ کی تاثیر کی چارہ گری اور رفو گری سے۔ بس ایک نگاہ التفات اور پھر کسی دوا دارو کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ یہ اس کے لہجے کا رچاؤ تھا جو اسے زندگی کے حوالے کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ یہی لہجہ تھا جس نے اسے زندگی سے مایوس ہونے پر اکسایا تھا۔ اب وہی لہجہ تھا جس کا کمال یہ تھا کہ وہ لمحوں میں ہشاش بشاش

اور تازہ دم تھی چہرے کی رونق آنکھوں کی چمک لوٹ آئی تھی۔ جب عباس وہاں سے جانے کو اٹھا تو نندنی نے اسے اگلے روز آنے کا وعدہ کرکے مطمئن کردیا تھا۔

"تم نے دیکھا زینب وہ صرف نام کا نہیں حقیقتاً ساحر ہے...... ہے نا؟" عباس کے جانے کے کچھ دیر بعد جب زینب اس کی طبیعت پوچھنے آئی تب بھی وہ اسی ٹرانس کے زیر اثر کھوئی کھوئی سی بولی اور زینب چونک ؟ اٹھی۔

"کس کی بات کررہی ہو؟"

"ساحر آئے تھے نا تم نے نہیں دیکھا؟" اور زینب نے گہرا سانس بھر کر سر نفی میں جنبش دی۔

"اب تم بہت بہتر ہو نندنی۔ شکر ہے خدا کا۔" زینب نے اس کا ٹمپریچر چیک کرنے کے بعد بے اختیار سکھ کا سانس لیا اور نندنی آنکھیں موند کر شانت سی مسکرادی۔

"اسی لیے تو ہوں۔" زینب نے اس خود کلامی پر چونک کر اور کسی قدر الجھ کر اسے دیکھا البتہ کچھ پوچھنے سے گریز برتا تھا۔

"تمہارے لیے سوپ بنایا ہے میں نے کہو تو لے آؤں۔" اور نندنی نے محض اس کا دل رکھنے کی غرض سے سر کو اثبات میں ہلادیا۔ زینب کے اٹھ کر باہر جانے پر وہ پھر سے عباس حیدر کو سوچنے لگی۔ پوری توجہ پوری جزئیات کے ساتھ۔

❁......❁......❁

عباس نے گنگناتے ہوئے بال بنا کر ہیئر برش ٹیبل پر اچھالا اور پلٹ کر بیڈ کی جانب آ گیا۔ عریشہ دونوں بچوں کو دائیں بائیں لٹائے بے خود پڑی تھی۔ بکھرے بال ستا ہوا چہرہ دو دو بچوں کی ذمہ داری اور دیگر مصروفیات نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ گوکہ عباس نے گورنس کا انتظام کیا ہوا تھا مگر رات کو پھر بھی بچے عریشہ کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ عریشہ خود بھی بچوں کے ساتھ ہر پل اپنی جان ہلکان کیے رکھتی تو کبھی کبھار عباس کو بھی جھنجلاہٹ ہونے لگتی تھی۔

"یار کیا مصیبت ہے تم تو صرف انہی کی ہو کر رہ گئی ہو۔ میں تو ترسنے لگا ہوں کہ بات بھی کرسکوں۔"

"انہی کی بھی اسی لیے ہوئی ہوں جناب کہ یہ آپ کے ہیں عباس آپ کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتی ہوں۔" وہ مسکرا کر اسے اس محبت کی اہمیت وفا سے آگاہ کررہی تھی۔ عباس نے سرد آہ بھری۔

"خود پر بھی توجہ دیا کرو مجھے اچھا نہیں لگتا تمہارا خود کو نظر انداز کرنا۔"

"آپ ہیں نا مجھ پر توجہ دینے اور خیال رکھنے کو۔" اس کے پاس ہر بات کا جواب حاضر ہوتا۔ اس کی مسکراہٹ میں تازگی ہوتی۔ مان اور تفاخر کا احساس ہوتا۔ عباس آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

"میری توجہ تم نے دیکھی کہاں ہے ابھی؟" اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا تھا اور عریشہ جھینپ کر اسے گھور بھی نہ پائی۔

"اتنی شدت ہے آپ کی محبت کے سب رنگوں میں ابھی جناب کا خیال ہے یہ پوری توجہ کا عالم نہیں ہے تو پھر کیا کہنے ہوں گے اس توجہ و محبت کے۔" اس کے چلبلا اٹھنے سے عباس حیدر ہنستا چلا گیا تھا۔ مگر پھر سنجیدہ ہوکر بات بدل ڈالی۔

"یار تم بھی چلو نا بھوربن میرے ساتھ شوٹ پر ریئلی میں بور ہونے سے بچ سکتا ہوں۔" اس نے کل رات اچانک عریشہ پر زور ڈالنا شروع کردیا تھا جواب میں عریشہ نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرنی شروع کی پھر ساتھ ہی اس پر گرفت بھی کرلی۔

"اتنی ٹھنڈ میں رہنے دیں اور کیا اب لے آئیں گے مجھے شوبز کے لوگوں کے سامنے؟" عباس اس معاملے میں بہت محتاط تھا۔ ابھی تک اس کے قریبی دوست بھی عریشہ سے مل نہیں سکے تھے۔ عریشہ کا خیال تھا اگر اس کا بس چلے تو وہ اسے پردہ کرانا شروع کردے۔

"ٹھنڈ کی پروانہ کرو فل ہیٹنگ ماحول ہوگا وہاں اور ڈونٹ وری تم اب بھی کسی کے سامنے تھوڑا آؤ گی بس چلو۔"

"اتنی سردی میں بچوں کو ٹھنڈ لگ جائے گی تو بہت مسئلہ ہوگا عباس۔"

"اس کا مطلب ہے تم نہیں جانا چاہتی۔" عباس کے گھورنے پر وہ مسکرادی۔

"مجبوری ہے نا جان سمجھا کریں۔ البتہ میں آپ کی ہیروئن کو ضرور دیکھنا چاہوں گی جس کے حسن جہاں سوز کے چرچے ہر سو پھیل گئے ہیں مگر آپ اس کی رونمائی کسی پر نہیں کرا رہے۔" عریشہ کی بات کے جواب میں عباس کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیلتا چلا گیا۔

"میری نہیں صرف میری فلم کی ہیروئن...... او کے۔" اس نے نخوت بھرے انداز میں اسے ٹوکا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

مجھے حکم اذان

ام مریم

یہ ساری عمر کس آشفتگی میں رائیگاں کردی
اُسی کو یاد رکھا ہے جسے دل سے بھلانا تھا
وہ جب اوجھل ہوا تو ہم بھی اپنے آپ سے چونکے
اُسے آواز دینا تھی، اُسے واپس بلانا تھا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

وقاص کی آنکھوں میں انتقام کی بھڑکتی آگ دیکھ کر لاریب امامہ کے حوالے سے کافی تشویش کا شکار ہوجاتی ہے۔ پریشانی کے باعث اسے نیند نہیں آتی اور اس کی طبیعت بھی کافی ناساز ہوتی ہے جب ہی وہ ٹیبلٹ کی تلاش میں کچن میں آتی ہے۔ جہاں پہلے سے موجود سکندر چائے بنا رہا ہوتا ہے۔ وہ زبردستی اسے چائے کے ساتھ ٹیبلٹ دے کر آرام کی تلقین کرتا ہے۔ جب ہی لاریب سکندر سے ایمان کے بارے میں استفسار کرتی ہے اور اسے تلقین کرتی ہے کہ وہ ایمان کو ڈھونڈ کر اسے بتائے کہ کس طرح اس کی وجہ سے امامہ کی زندگی تباہ ہوئی۔ زینب کو نندنی کا ساحر کی بات مان لینا پسند نہیں آتا اور وہ دبے لفظوں میں اسے اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے۔ جس پر وہ زینب سے مزید بدگمان ہوجاتی ہے۔ فراز اپنی کامیابی کی خوشی میں سب گھر والوں کو ٹریٹ دیتا ہے۔ جبکہ ایمان گھر والوں کے بدلے رویے کی وجہ سے گھر پر ہی رک جاتی ہے۔ جب ہی اسے اپنے غلط فیصلے کا پچھتاوا ناگ بن کے ڈسنے لگتا ہے۔ سب کی غیر موجودگی کے باعث اسے حویلی کال کرنے کا خیال آتا ہے اس کی کال اتفاق سے سکندر ریسیو کرتا ہے جواباً وہ جو کچھ ایمان کو بتاتا ہے اس پر ریسیور اس کے ہاتھ سے جا گرتا ہے اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ فلم سائن ہونے کے بعد نندنی کا زیادہ تر وقت شوٹنگ پر گزرتا ہے وہ لوگوں کے عامیانہ رویوں کی عادی نہیں ہوتی۔ اس لیے سب سے لیے دیے انداز میں رہتی ہے کیمرا مین اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے جس پر وہ شدید ردعمل کا اظہار کرتی ہوئی ایک ایشو کھڑا کردیتی ہے جو کہ ساحر عباس کی آمد کے بعد ہی حل ہوتا ہے ساتھ ہی عباس اس پر اس کی حیثیت بھی [...] کردیتا ہے کہ اس کے لیے تمام ورکرز ایک جیسے ہیں [...] کی بے رخی پر کٹ کے رہ جاتی ہے۔ امامہ نے بھی [...] وقاص کے حوالے سے جو خواب دیکھا تھا وہ ایک جھ[...] سے ٹوٹ جاتا ہے۔ شادی کی رات ہی وہ امامہ پر [...] حیثیت اور اپنے انتقام کی وجہ واضح کردیتا ہے جس [...] ٹوٹ کر رہ جاتی ہے مگر بابا سائیں کی طبیعت کی وجہ [...] خاموشی اختیار کرلیتی ہے۔ لاریب امامہ سے ملنے آتی [...] جس پر اس کی وقاص سے خاصی تلخ کلامی ہوجاتی [...] امامہ کو ایک ڈھارس سی ملتی ہے۔ ساحر نندنی کو ایڈوا[...] منٹ کرتے ہوئے اس پر اس کی حیثیت مزید واضح کر[...] ہے جس کا کافی اثر لیتے ہوئے وہ بیمار پڑ جاتی ہے اس [...] دن کی غیر حاضری عباس کے لیے کافی تشویش کا با[عث] ٹھہرتی ہے جب ہی وہ شیراز کی اطلاع پر نندنی کے گھر [...] ہے جس پر نندنی ایک بار پھر خوش فہمی کا شکار ہوتے ہو[ئے] کھل اٹھتی ہے۔ دوسری جانب زینب اس کی یہ حالت [...] کر افسوس کرتی ہے۔ دوسری جانب عباس محبت سے عر[...] کو اپنے ساتھ شوٹنگ پر چلنے کو کہتا ہے جس پر وہ اسے [...] سے انکار کردیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

......☆☆☆......

عباس حیدر بہت آرام دہ حالت میں نیم دراز [...] ناگواری سے کہتا اٹھ بیٹھا۔

"حد ہے یار تم سے بھی، کم از کم تمہیں تو یہ بات نہیں [...] چاہیے۔" اس کا چہرہ غصے سے دہک اٹھا۔ عریشہ پہلے حیران ہوئی پھر خفت زدہ سی ہنسی۔

"بھئی یہ کامن انداز ہے بات کرنے کا، آپ کیوں ڈیپ لی سوچتے ہیں بلکہ آپ نے ڈیپ لی سوچا ہی کیوں؟" آخر میں اس کا لہجہ تیکھا اور ترش ہونے لگا۔

"وہاں بھی لوگ ایسی ہی فضول بات کرتے ہیں۔ بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا چھوڑیں، یہ بتائیں آپ اس لڑکی کو اتنا چھپا کے کیوں رکھ رہے ہیں۔ جبکہ اخبارات اور ٹی وی چینلز پر آپ کی آنے والی مووی کا ابھی سے ڈنکا بجنا شروع ہوگیا ہے لوگ پر یقین ہیں کہ فلم سپرہٹ ہوگی، مگر آپ نے اس لڑکی کو کسی سے متعارف نہ کرا کے سسپنس پھیلایا ہوا ہے۔"

عریشہ کی بات کے جواب میں عباس کے ہونٹوں کی تراش میں مبہم سی مسکان اتر آئی۔ جب بولا تو اس کا لہجہ مخصوص قسم کی بے نیازی لیے ہوئے تھا۔

"یہ تو میری پرانی عادت ہے۔ میں اس لڑکی کی رونمائی کراؤں گا بھی نہیں، جب تک یہ فلم آن ایئر نہیں ہوجاتی۔"

عریشہ نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں چبھن اور شک کا عنصر تھا۔ جبھی عباس حیران ہوتا اسے تکنے لگا۔

"واٹ ہیپنڈ؟" اس کے استفسار پر عریشہ کے چہرے پر زہرخند پھیل گیا۔

"اس احتیاط کی وضاحت کرنا چاہیں گے آپ؟ یاد ہے آپ کا یہ رویہ صرف میرے لیے مخصوص تھا۔ کسی اور لڑکی کا آپ کو اس طرح اہمیت دینا مجھے اچھا نہیں لگا عباس۔" صاف گوئی اور شک کا یہ انداز عباس کا موڈ کافی آف کرگیا۔

"کم آن عریشہ، تم ایک معمولی لڑکی کو خود سے کیوں کمپیئر کررہی ہو؟" اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"آپ غور تو کریں، یہ کام میں نہیں آپ کرچکے ہیں۔ میں نے تو بس آپ کو احساس دلایا ہے اس بات کا جس کے متعلق شاید آپ کا گمان بھی نہیں تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ غیر معمولی حسن اس طرح کے کرشمے دکھا ہی دیتا ہے۔" عریشہ کا لہجہ کافی تلخ اور بے لحاظ تھا۔ عباس تو دکھ کی شدت سے چور ہونے لگا۔

"تم شک کررہی ہو مجھ پر؟" اس نے بامشکل خود کو اس سوال کے پوچھنے کے قابل بنایا تھا۔

"عباس میں جانتی ہوں، میں خوبصورت نہیں ہوں، کسی بھی لحاظ سے آپ کے قابل نہیں تھی مگر آپ نے......"

"اف عریشہ، یہ کیا فضول بات شروع کرتی ہو تم۔" اس نے ناگواریت سے اسے جھڑکا مگر عریشہ کے آنسو بہتے چلے گئے۔

"آپ بھلا کیسے اندازہ کرپائیں گے، میری اس مشکل کا جو آپ سے شادی کرنے کے بعد میری جان کو آگئی ہے۔ خوبصورت لڑکی ہی خوبصورت شوہر ڈیزرو کرسکتی ہے۔ ورنہ ہر کوئی باتیں ہی بناتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے اس ان میچ کپل کے لیے کہ میں نے آپ پر کوئی جادو کردیا ہے۔" عریشہ کی بے بسی عروج پر تھی۔ وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی لوگوں کے نوکیلے تبصرے اسے اتنا ٹارچر کرتے تھے کہ اس نے عباس کے ساتھ کہیں آنا جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اس بات پر بھی شکر ادا کرتی تھی کہ دونوں بچے اس پر نہیں گئے تھے۔ عباس کی طرح ہی خوب صورت تھے۔

عباس عریشہ کو روتے پا کر سارا غصہ بھول گیا۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ اسے اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عباس کو یہ بھی خیال ہی نہ آسکا تھا کہ عریشہ اس معمولی بات کو لے کر اس قدر ذہنی دباؤ میں بھی آسکتی ہے۔

"تمہیں ضرورت کیا ہے لوگوں کی بے تکی فضول باتوں پر کان دھرنے کی۔ بے وقوف ہو بالکل۔" عباس نے ہزار جتن کرکے اس کا دھیان بٹایا تھا اسے ساتھ لگائے تھپکتا رہا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اپنی لو دیتی نظروں سے تکتے ہوئے پوری سچائی سے گویا ہوا تھا۔

"کیا تمہیں میری محبت میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوئی؟ میں تمہیں اتنا چاہتا ہوں عریشہ کہ تمہاری خاطر میں نے وہ کام بھی کیے ہیں جن کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ تم مجھے عزیز ہو جبھی میں اس کام کے نزدیک بھی نہیں جاتا جو تمہیں پسند نہیں، تمہیں لوگوں کو نہیں مجھے دیکھنا چاہیے۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے وہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ اور سنو اگر وہ لڑکی نندنی...... اس کے حوالے سے تمہیں خدشات ہیں تو انہیں جھٹک دو وہ میرے لیے ایک اداکارہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے اگر شوبز سے وابستہ لڑکی کو اپنانا ہوتا تو تم میری بیوی نہ ہوتیں۔"

"اگر میں کہوں آپ نندنی کو نظر انداز کردیں تو آپ ایسا کرلیں گے عباس؟" عریشہ کو جانے کیا سوجھی تھی کہ اس

نے یہ انوکھا اور عجیب سا سوال کرکے عباس کی پھر سے آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ عباس بری طرح چونکا، پھر گہرا سانس بھرا، اسے لگا تھا عریشہ کو آج بھی اس پر اعتماد نہیں اور نہیں اس کی محبت کا یقین ہے۔ وہ اندر سے تھک سا گیا مگر بظاہر خود کو بشاش رکھا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"ہاں کہہ دوں گا۔" وہ سنجیدہ تھا، عریشہ اسے دیکھتی رہی، پھر رو دینے سے [illegible] دی۔

"لیکن آپ ایڈوانس پے منٹ کرچکے ہیں، اس طرح آپ کی رقم ڈوب جائے گی۔ اتنا نقصان برداشت کرلیں گے آپ۔" عباس گہرا سانس لے کر کراہ گیا۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میرے نزدیک اپنا نقصان نہیں تمہاری خوشی، تمہارا اعتماد حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔ جب تمہارے کہنے پر میں نے شوبز کو خیرباد کہا اس وقت میرے پاس دس فلمیں تھیں جو میں سائن کرچکا تھا۔ وہ سب پے منٹ بھی میں نے واپس کیں تھی۔ اور ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز کی سخت سست سنی وہ الگ، یہ بات یہاں کہنے کا مقصد تم پر احسان جتلانا نہیں ہے۔ محبت کی تجدید اور یاددہانی کا ایک انداز ہے۔ عریشہ تم جیسی کل تھیں میرے لیے ویسی آج بھی ہو اور ہوگی بھی، محبت موسم نہیں ہوتی کہ بدل جائے...... پلیز میری طرف سے شکوک کو دل میں جگہ نہ دیا کرو۔"

یہ وہ عباس حیدر تھا جو لوگوں کے لیے سنگلاخ چٹان تھا۔ بے نیاز، روکھا اور خود پسند، مگر عریشہ کے لیے اس کا ہر روپ محبت بھرا تھا۔ دل نواز اور خلوص چھلکاتا ہوا۔ وہ ان لوگوں میں سے بھی نہیں تھا جو وقتی کشش سے متاثر ہوکر ناپائیدار فیصلے کرتے ہیں۔ وہ عریشہ سے صرف متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسیر تھا اس کی محبت کا اور اس اسیری میں نہ پھر بے زاری کا مرحلہ آتا ہے نہ رہائی کی خواہش کا کوئی در کھلتا ہے۔ اس نے اگر محبت کی تھی تو پھر اسے نبھانے کے طریقوں سے بھی آگاہی حاصل کی تھی اور عریشہ...... وہ تو جیسے یہی تجدید چاہتی تھی۔ جبھی اس کی سرشاری کا انداز بھی بہت آسودگی بھرا تھا۔ عباس اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے گیا۔ نیند میں اس نے کروٹ بدلی تھی جبھی اس کی کلائی میں موجود چوڑیاں جلترنگ بجا اٹھیں۔ عباس اپنے خیال سے چونکا۔ سانولی سلونی کلائی میں دہکتے سرخ نگینوں سے مرصع سونے کی نفیس چوڑیاں بہار دکھا رہی تھیں۔ یہ عریشہ نہیں عباس کا شوق تھا۔ اسے عریشہ کی کلائیوں میں چوڑیاں پسند تھیں۔ ان کی کھنک اس کی روح تک میں تازگی بھر دیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ آہستگی سے جھکا اور آہستگی سے عریشہ کی پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔ پتہ نہیں اس کے خوشبودار لمس میں اتنا اثر تھا یا یونہی عریشہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عباس خفیف سا ہوکر سیدھا ہوا۔

"اوہ...... سوری یار...... میرا مقصد تمہیں ڈسٹرب بالکل نہیں تھا، سوجاؤ۔"

"جارہے ہیں آپ؟" عریشہ تکیے کے سہارے اونچا ہوئی۔

"ہاں، تم سوجاؤ، میں ملازمہ سے کہہ دوں گا تمہیں ڈسٹرب نہ کرے۔" عریشہ اس اپنائیت کے مظاہرے پر آسودگی سے مسکرادی۔

"آپ کی طرح آپ کی اولاد بھی بڑے دھڑلے سے یہ کام کرلیتی ہے۔ انہیں بھی کچھ سمجھادیں۔" عباس اس برجستگی کے مظاہرے پر خوشگواریت سے مسکرادیا۔ پھر باری باری جھک کر دونوں بچوں کو پیار کیا۔

"سلطنت کے شہزادہ عالم اور شہزادی صاحبہ کو کچھ کہنے کی ہمیں مجال کہاں، انہیں بڑا ہو لینے دو، پھر خود اپنی والدہ محترمہ کا خیال رکھ لیں گے۔" عباس کی آنکھوں میں مستقبل کے بے شمار سہانے خواب جھلمل کررہے تھے۔

"عباس آپ نے پھر ٹرائی کیا حویلی کا نمبر؟"

عریشہ کے انداز میں بے چینی اور اضطراب اتر آیا تھا۔ عباس چپ سا ہوگیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتا صرف اسی کی خاطر اس نے اپنی انا کو داؤ پر لگا کر حویلی کال کی تھی۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ اس کی بات ہی وقاص سے ہوئی۔ روکھا اور اہانت آمیز انداز تھا اس کا بات کرنے کا۔ جیسے اس کا بھائی نہیں ہو تیسرے درجے کا غلام ہو۔ اس نے بات ہی طعنہ دینے کے انداز میں شروع کی تھی جس کا لب لباب یہ تھا کہ اسے باہر کی دنیا کے جوتے کھا کر آخر پلٹ کر آنا ہی تھا۔ اس کے بغیر اس کا گزارا ممکن ہی کہاں تھا وغیرہ۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ عزت رکھتا ہے تو پلٹ کر یہاں نہ آئے۔

عباس کا انا اور پندار بری طرح زخمی ہوا تھا کہ کتنے

سنبھل نہیں سکا تھا۔ وقاص کو اس سے محبت نہیں تھی وہ تک وہ جانتا تھا مگر وقاص کو اس سے اتنی نفرت ہوگی یہ تو کبھی وہ جان ہی نہ سکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر پلٹ کر نہ دیکھنے کا عہد خود سے کیا تھا۔ اب وہ عریشہ کی خاطر بھی ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے خود سے فرض کرلیا کہ وقاص اس کی غیر موجودگی میں گھر کے دیگر افراد کو بھی نفرت کے اس زہر سے نیلا کرچکا ہے جو اس کے دل میں ان کے لیے تھی۔ جبھی تو بابا جان نے اسے معاف نہیں کیا تھا، جبھی تو اماں جان نے اس کی دائمی دوری اور جدائی برداشت کرلی تھی۔

"دیکھیں نا آپ کو اب شہر سے باہر جانا ہے، اتنے لمبے عرصے کے لیے پیچھے میں اکیلی، نوکروں پر اتنا اندھا بھروسہ آپ کو ہوگا، مجھے نہیں ہے۔ سچی بات ہے مجھے آپ کے بغیر بہت ڈر لگتا ہے، اگر ہماری صلح ہوجاتی ہے آپ کے والدین سے تو میں آرام سے حویلی میں رہ لیا کروں گی، آپ کے اپنوں میں، نہ کوئی فکر نہ پریشانی۔ آپ بھی اطمینان سے اپنا کام کرسکیں گے۔" عریشہ نے بہت سکون سے بات کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ عباس اس کی بات ماننے پر آمادہ ہوجائے۔ وہ جانتی تھی عباس بہت انا پرست ہے۔ اس کی خاطر پیسے اور شوق کی بڑی بڑی قربانیاں دینے والا عباس اپنی انا کو چاہنے کے باوجود سرنگوں نہیں کررہا تھا۔ عباس اب بھی خاموش تھا۔ عریشہ جھنجلانے لگی۔

"آپ بولتے کیوں نہیں؟" اس نے چڑ کر کہا۔

"تم اپنی امی اور بہن کو بلوالینا۔" عباس بولا بھی تو کچھ ایسا کہ عریشہ کا اپنا سر پیٹنے کو دل چاہا۔

"امی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ میرے پاس آکر رہیں۔" عباس نے عاجز ہوکر اسے دیکھا۔

"تو پھر تم ساتھ چلو میرے، بے فکر رہو تمہیں وہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"آئی ایم سوری، میرا خوار ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔ کوئی تک نہیں بنتی اس کی کہ میں خانہ بدوشوں کی طرح یہاں وہاں ڈیرے ڈالتی پھروں۔" من پسند جواب نہ سن کر عریشہ کا موڈ آف ہوگیا تھا۔ اسے اپنے جذبات پر ہرگز اتنا کنٹرول نہیں تھا کہ کسی ناگواری کو دبا جائے۔

"پھر اس کا حل کیا ہے؟ مجھے تم بتاؤ۔" عباس نے راہ نکالی۔ عریشہ کا ہر معاملے میں اپنی مرضی مسلط کرنا اور اس کے مسائل کو نہ سمجھنا اسے ہرٹ کرگیا تھا۔

"شاباش ہے آپ پر، اس بے نیازی پر کون نہ قربان ہوگا، ارے بابا بتایا تو ہے حل، مگر آپ کو میری بات سے زیادہ اپنی انا کی پروا ہے۔" عریشہ چیخ گئی تھی۔ عباس ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے عریشہ! ابھی میں لیٹ ہورہا ہوں، ٹیک کیئر۔" وہ اس کا گال سہلاتا پلٹ کر نکل گیا۔ عریشہ کا چہرہ ضبط کی شدت سے دہک کر انگارہ ہونے لگا۔ اشتعال کو دبائے بغیر اس نے بے حد قیمتی کرسٹل واز اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ ایک مہین سا چھناکا ہوا اور کرچیاں ہر سو بکھر گئیں۔ دیا نیند میں کسمسائی تھی پھر ہاتھ پیر چلاتے ہوئے اس نے رونا شروع کردیا۔ عریشہ جھلتی نظروں سے بلکتی بچی دیکھتی رہی۔

(روئے جاؤ، میں نے بھی ٹھیکا نہیں لے رکھا تمہاری خدمت گزاری کا، اسی بے حس انسان کی اولاد ہو تم بھی جو پتھر سے بنا ہوا ہے، جس نے مجھے جلانے کلسانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اونہہ محبت...... صرف محبت سے پیٹ نہیں بھرتا، مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔ اور اس جاگیردار باحیثیت مضبوط اعلیٰ فیملی میں اپنی حیثیت منواتا اپنا حق وصول کرنا اپنی وراثت پانا ہے، اس پر کوئی کمپرومائز نہیں۔)

بچی کا بلکنا شدت اختیار کرتا جارہا تھا اور عریشہ کی بے حسی اور رعونت بھی۔ اس وقت وہ ایک ماں نہیں تھی، صرف مفاد پرست عورت تھی، جس کے نزدیک اپنی زندگی کی طے کردہ ترجیحات سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔ اپنی اولاد بھی نہیں۔ اسے یہ سفاکیت اور خودغرضی اپنی ماں سے ملی تھی، بلاشبہ وہ بے حد مفاد پرست ماں کی لالچی بیٹی تھی۔

...... ✿ ......

اس نے گہرا سانس بھرا اور کھڑکی کے شیشے سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔ سب کچھ بدل گیا تھا، وہ کھیت وہ باغات جہاں وہ سنگترے توڑنے جایا کرتی تھی، اب کہیں نہ تھے، نہ یہاں سے کھڑے ہونے پر دربار کا وہ سفید گنبد نظر آتا تھا، نہ ہی بے تحاشا درختوں میں چھپا شہر خموشاں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا، جب عباس حیدر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جارہا تھا، اس روز بڑی حویلی میں بہت گہما گہمی تھی۔ تایا سائیں نے دور و نزدیک کے سارے رشتہ داروں کی دعوت کی تھی۔ ایک

طرح سے عباس کو ہنسی خوشی رخصت کرنے اور دعاؤں سے نوازنے کا ایک انداز تھا۔ تب ہی لاریب نے اڑتی اڑتی یہ خبر بھی سن لی تھی کہ تایا سائیں کی خواہش عباس کا نکاح کر کے بھیجنے کی تھی' ہر باپ کی طرح وہ بھی بیٹے کو پابند کرنا چاہتے تھے کہ وہ وہاں کوئی غلط انتخاب نہ کر بیٹھے۔ یہ بات اسے وقت پہ پتہ چلی تھی جب مہرو آپا' بڑی رازداری سے ایمان کو بتا رہی تھیں' کہ تم دعا کرو' ایسا ہوجائے' عباس آمادہ نہیں ہے نا۔" اور چودہ سالہ لاریب کا دل دھک سا رہ گیا تھا۔

عباس کی لاتعلقی' بے اعتنائی کے بعد یہ بہت بڑا رنج اور سبکی سے دوچار کردینے والا انکشاف تھا۔ وہ کچی کلی تھی' نوخیز تھی' پہلی محبت کا تازہ احساس' گویا وہ من پسند کھلونا تھا جس کے دسترس میں آنے سے قبل ہی دور ہونے کا امکان بھی پیدا ہوگیا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی ایسی کون سی جادو کی چھڑی گھمائے کہ سب کچھ حسب منشا ہوجائے' یہی شدید خواہش اسے اس دربار تک لے آئی تھی۔

مگر واپسی پر اس کا سامنا بالکل غیر متوقع طور پر عباس حیدر سے ہوگیا تھا۔ وہ عباس کو دیکھ کر گنگ ہونے لگی تھی۔ نوجوانی کے جوبن کا سنہرا پن لیے حسن اور سحر انگیز سراپا ٹھٹکا دینے کی حد تک شاندار تھا۔ اس پر گریش بلیک سوٹ' میچنگ ٹائی' بے حد قیمتی رسٹ واچ' اس کا معیار' اس کا انداز سرتاپا شاہانہ تھا۔ وہ واقعی کسی ریاست کا شہزادہ لگتا تھا۔ لاریب کے اندر اس کی ملکیت کا احساس فخر بھرتا چلا گیا۔

"تم...... کیا کررہی ہو یہاں پر......؟" عباس کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بے حد خفا ہوا۔ اس کا لہجہ سرد تھا۔

"مم...... میں یہاں دیئے جلانے آئی تھی۔ منت مانگنے......" اس کی دراز ریشمی پلکیں جھک گئی تھیں اور ان میں لرزش اتر آئی تھی۔

"واٹ...... ربش' یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھ لیں؟ یونو واٹ' خواتین کا مزاروں پر آنا منع ہے' گھر چلو' اور آئندہ مجھے بھی یہاں نظر نہ آنا۔" اس نے لاریب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔ یہ جانے اور سوچے بغیر کہ وہ کیا منت مانگنے آئی ہے' اس بات پر بھی دھیان دیئے بغیر کہ اس کے لمس نے لاریب کے پورے بدن میں جیسے بجلیاں کوندی تھیں۔ وہ اتنی کنفیوز تھی کہ ہزار کوشش کے باوجود اس پر اپنے دل کا حال بیان نہ کرسکی' کہ وہ اس کو پانے کی خواہش میں وہاں آئی ہے۔

"کاش...... اے کاش میں نے اس وقت تمہیں ہوتا عباس! شاید تم مجھ پر رحم کھالیتے' تو میں آج اتنی دکھی اور ادھوری نہ ہوتی' تمہاری ہمدردی میں دی گئی مجھے کسی تمغے کسی اعزاز سے کم نہیں لگ سکتی تھی۔" زوردار جھٹکا لگا اور اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکلی سکندر نے اسے چونک کر دیکھا لاریب کا سارا چہرا آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ اسے جب واپس لینے آیا تو سب سے خوشی اسے دیکھ کر اماں ہی ہوئی تھی۔

"شام ڈھل رہی تھی سکندر بھائی! حویلی پہنچتے پہنچتے ہوجاتی' مجھے ان کی فکر رہتی تھی' آپ نے بہت اچھا کیا لینے آگئے۔"

"مجھے بابا سائیں نے بھیجا ہے۔" سکندر نے لاریب کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی' جو اسے نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اتنی فرمانبرداری اور سعادت مندی نہ شو کیا کرو میرے سامنے سمجھے۔ تمہاری اچھائی کو اچھی طرح جانتی ہوں" گاڑی میں بیٹھنے کے بعد زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے لاریب نے اپنی برہمی ظاہر کی تھی۔

"شو کرنے کی ضرورت نہیں ہے' مجھ میں الحمدللہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔" اس نے مسکراہٹ دبائی تو لاریب کی جان جل کر خاک ہونے لگی۔

"اچھا! مثلاً کیا کچھ کرسکتے ہو تم بابا جان کے کہنے پر" سکندر نے احتیاط سے موڑ کاٹا پھر اس کے چہرے کو نظروں سے دیکھا تھا اور اسی سکون سے گویا ہوا۔

"سب کچھ' جو بھی وہ مجھے حکم دیں' آپ کو اتنا بھی شک نہیں کرنا چاہیے میرے خلوص پر۔" جواباً اس کا انداز بھی جلاتا ہوا تھا۔ لاریب واقعی جھلس کر رہ گئی۔

"گڈ...... تو تم سب کچھ کرسکتے ہو' بابا جان کے کہنے پر؟" لاریب نے رخ اس کی جانب پھیر کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے گویا اسے آزمائش میں مبتلا کیا۔

"آزمائش شرط ہے۔"

"اب اگر کسی غیرت مند باپ کی اولاد ہو گے تو مکر گے نہیں اس بات سے' بتاؤ مجھے بابا جان کے کہنے پر طلاق دے دو گے؟" اس نے بہت سکون آمیز انداز میں زہر

بجھے تیر سکندر کے وجود میں پیوست کردیئے تھے۔ سکندر کا صرف چہرا متغیر نہیں ہوا' وجود کسی شدید دھچکے کی زد میں آ گیا تھا۔ اس نے خشک ہوتے ہونٹوں کو تر کرکے کچھ کہنا چاہا مگر اسے بے حد کٹیلی نظروں سے تکتی لاریب نے قطعی انداز میں ہاتھ کھڑا کر کے اسے ٹوک ڈالا۔

"اونہہ...... مکرنا نہیں' تم عہد کرچکے ہو سکندر' کچھ اپنی مردانگی کا ہی خیال کرلو۔"

تضحیک آمیز لہجہ صرف طنزیہ نہیں تھا' سرد پن اور نوکیلی کاٹ بھی لیے ہوئے تھا۔ سکندر کے چہرے پر آن واحد میں کتنے رنگ آ کر گزر گئے۔ گاڑی اس نے روک دی تھی۔ یہ نہر کا پل تھا' آہنی ہیوی گرل کے پار پل کے نیچے نہر کا گدلا پانی بہت روانی اور جوش سے بہتا دکھائی دے رہا تھا' سطح آب پر نہر کنارے لگے درختوں کا سبز عکس ڈولتا تھا۔

"بابا سائیں اس حقیقت سے لاعلم ہیں' جب وہ کچھ جانتے نہیں تو......"

"اس بات کو چھوڑ دو سکندر' یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے' سمجھے؟" لاریب نے اسے جھڑک کر رکھ دیا۔ عجیب مشکل میں سکندر کی جان آپڑی تھی۔ لاریب اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ بابا سائیں کے سامنے یہ حقیقت بیان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں تو پھر مجھے بھی ان کے حکم پر سر جھکانا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ آپ نے زبردستی مجھے اپنے سر کا تاج بنایا تھا۔ اس میں جتنا بھی ناگواری ومجبوری کا عنصر ہوگا آپ کی طرف سے' میں اس سے غرض نہیں رکھتا تھا۔ حیثیت بدلی تھی تو تقاضے فطرت کے عین مطابق تھے مگر بابا سائیں کی حیثیت میرے لیے آج بھی مالک و حکمران کی سی ہے۔ میں اسی باعث ان کا کہا نہیں ٹال سکوں گا چاہے مجھے اپنے جذبات اپنے دل اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی کیوں نہ ہارنی پڑے۔" سکندر نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد یوں آنکھیں بند کرلیں' جیسے بہت تھکا ہوا محسوس کررہا ہو خود کو۔ جبکہ اس کے برعکس لاریب کے اندر شام غریباں اتر آئی تھی۔ بے مائیگی اور سبکی کا احساس اتنا شدید تھا کہ اسے اپنے وجود میں زہر دوڑتا محسوس ہونے لگا تھا۔ یعنی وہ اتنی اہم' اتنی خاص تھی ہی نہیں کہ کوئی اس کی خاطر بغاوت یا سرکشی پر اتر آتا۔ عباس حیدر کے بعد وہ سکندر جیسے بے حد عام سے مرد کے لیے بھی اتنی ہی بے حیثیت بے مایا تھی کہ وہ اسے کسی بھی احساس زیاں کے بغیر آسانی سے چھوڑ سکتا تھا۔ یعنی حد تھی ذلت وتذلیل کی۔ اس کا روم روم جل اٹھا تھا۔

***

اگلے کچھ دنوں میں اس کا عباس حیدر کے ہمراہ شوٹنگ پر جانے کا پروگرام تقریباً کنفرم ہوچکا تھا۔ عباس ان سب کو اپنی تیاری مکمل رکھنے کا کہہ چکا تھا۔ نندنی اسی سلسلے میں شاپنگ کے لیے معروف مارکیٹ آئی تھی۔ خریداری کے دوران وقت گزرنے کا اسے احساس ہی نہ ہوا۔ جب مارکیٹ سے باہر آئی تو تیزی سے پھیلتی شام کی سیاہی اور تیز چلتی ہوائیں بارش کی آمد کی خبر دے رہی تھیں۔ ابھی اس نے چند قدم کا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ٹپ ٹپ برستی بوندوں نے اسے کچھ اور بھی پریشان کرڈالا۔ ماحول میں پھیلی مٹی کی سوندھی مہک اور گھنگھروؤں کی طرح بجتی ہوائیں' اس سے موسم کی دلفریبی ودلکشی بڑھا رہی تھیں۔ اک تواتر سے گرتی پھوار گویا سماں باندھ رہی تھی۔ خوبصورتی کا' رعنائی کا' اس نے بالوں سے شفاف بوندوں کو جھٹکا اور سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنا چاہا مگر بوندوں کے تسلسل نے اس کوشش کو ناکامی سے دوچار کرڈالا۔ بھاگ کر کسی سایہ دار جگہ پر پناہ لیتے بھی وہ اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ پریشانی کا باعث صرف یہی نہیں تھی بلکہ اس پل ایک اور افتاد بھی آن پڑی۔ تیز رفتار بائیک پر سوار موسم کا لطف اٹھاتے من چلے نوجوان لڑکوں کو اس خراب موسم میں تنہا لڑکی مفت کی تفریح اور مال غنیمت محسوس ہوئی تو اس کی جانب لپک آئے۔

"ہائے...... بیوٹی کوئین...... آجاؤ...... اگر لفٹ چاہیے۔"

بائیک کو اس کے گرد بڑے خوفناک انداز میں گھما کر چکر کاٹتے ہوئے ان میں سے ایک نے ہانک لگائی۔ نندنی کا دل اڑ کر حلق میں آگیا۔ اگر وہ بروقت اچھل کر فاصلے پر نہ ہوگئی ہوتی تو بائیک سے ٹکرانے کے باعث اوندھے منہ پڑی ہوتی۔ بچت تو اب بھی نہیں ہوئی تھی۔ توازن برقرار نہ رہنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز چھوٹے تھے جنہیں اٹھانے کو جھکی تو گلے میں لپٹا اسٹائلش سا مختصر اسکارف بھی پھسل کر بارش کے پانی میں گر کر اپنی اہمیت ہی

گنوا بیٹھا۔ ان آوارہ لڑکوں کے قہقہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ نندنی شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ بے بسی اور بیکسی کا احساس اسے ادھیڑ ڈالنے کو کافی تھا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی اس صورتحال سے کیسے نپٹے۔

''اوئے' کھڑے منہ کیا دیکھتے ہو' پکڑو اسے۔''

ان میں سے ایک نے باقی ساتھیوں کو مکروہ اشارہ کیا' جو نندنی کی گھبراہٹ کو دوآتشہ کر گیا۔ انہیں اپنی جانب لپکتے دیکھ کر وہ بدک کر فاصلے پر ہوئی اور اس سے قبل کہ کوئی دفاعی انداز اپناتی سیاہ مرسڈیز کے ٹائر ان سے کچھ فاصلے پر بہت زور سے چرچرائے۔ پھر کوئی عجلت بھرے انداز میں نکل کر قہر آلود انداز میں اس کی جانب لپکا۔ لڑکے بروقت ہوش میں آئے اور اگلے لمحے بائیک لے اُڑے۔ نندنی نے آنسوؤں سے جل تھل پلکیں اٹھائیں تو عباس حیدر کو روبرو پاکے جیسے زمین میں گڑھ گئی تھی۔

''چلنے کا ارادہ ہے یا پھر آپ کسی مزید ایسے فلمی سین کے کری ایٹ ہونے کی منتظر ہیں؟'' عباس کا موڈ بے حد خراب تھا۔ چہرے و آنکھوں کا استہزائیہ تاثر آگ بن کر نندنی کے جسم و جاں کو جلا کر خاکستر کرنے لگا۔ اس حد تک ذلت کا تو اس کے پاس تصور بھی نہیں تھا۔ عباس کے ہمراہ وہ گاڑی میں آبیٹھی تب بھی عباس کے چہرے پر شدید قسم کی ناپسندیدگی و ناگواری تھی' جبکہ اس کے برعکس نندنی کی خوشنما آنکھیں' باہر موسم کی طرح تسلسل سے برس رہی تھیں۔ عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی۔ ڈل گولڈن نازک کڑھائی سے سجا ٹاپ اور نیوی بلیو بے حد اسٹائلش اسکرٹ میں ملبوس وہ بے حد نازک مگر چاندنی سا روپ لیے لڑکی اپنے اندر کچھ ایسا طلسمی تاثر' دلکشی اور سحر انگیزی رکھتی تھی کہ عباس حیدر کا شدید ترین اشتعال بھی دھیرے دھیرے اپنا اثر کھونے لگا۔

''آخر ضرورت کیا تھی' آپ کو اس طرح گھر سے اکیلے باہر آنے کی؟'' اس نے ٹیشو نندنی کی جانب بڑھایا نندنی نے جھکی آنکھوں سے اس کے بڑھائے سفید مہکتے ٹشو کو دیکھا اور بہت آہستگی سے تھام لیا۔

''سوری...... میں آئندہ احتیاط کروں گی۔'' بغیر کسی ہچکچاہٹ کے غلطی کا اعتراف اور معذرت' یہ فرمانبرداری کا بے مثال اور اعلیٰ ترین مظاہرہ تھا۔ جبھی عباس نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ اسی کی جانب ملتجی نظروں سے تکتی نندنی کی اس سحر انگیزی دلکشی و رعنائی کو کچھ اور بھی ابھار کر گیا تھا۔ سرخی مائل گلابی ہونٹ' جگنوؤں کی مانند چمکیلی روشن آنکھیں' بلاشبہ وہ چلتی پھرتی قیامت تھی۔ عباس کی نظر کا اٹھنا پھر ٹھہر جانا نندنی نے محسوس کیا تو اس کا چہرہ گلابی ہو کر دہکنے لگا۔ عباس احساس ہوتے ہی چونکا اپنی نگاہ کا زاویہ بدلا کچھ دیر بعد وہ بولا تو لہجہ کافی سرد تھا۔

''دیکھیے محترمہ! آپ اپنا اچھا برا خود بہتر سمجھتی ہیں آپ کی جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی جسے میں جانتا بھی نہ ہوتا تو اس کی مدد کرنا بھی میرا اخلاقی فرض تھا بلکہ سچ پوچھیں تو جب ان فضول لڑکوں کے نرغے میں آپ کو پایا تو میں ہرگز نہیں جانتا تھا کہ میری آپ سے ملاقات ہونے والی ہے۔'' عباس کا ہرگز ارادہ نہیں تھا اسے یہ بات جتلانے کا مگر اب مقصد اس پر اس کی حیثیت واضح کرنا تھا کہ وہ اپنی نظروں کی بے اختیاری اور اس بے اختیاری کے جواب میں نندنی کی کیفیت کو نوٹ کر کے عجیب سی خجالت محسوس کر رہا تھا۔

نندنی کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔ اس نے بے اختیار لرزتی نم پلکیں اٹھا کر عباس کا بے حد کشش اور وجیہہ چہرہ دیکھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس' دراز قامت بے حد شاندار نظر آتا عباس اسے اس سے بھی زیادہ برے طریقے سے جھڑکتا تو بھی اس کا دل برا ماننے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اتنا ہی مجبور تھا اس کی محبت میں۔ یہی تعشق ہے یعنی اپنی مرضی' اپنی سوچ' حتی کہ اپنی ذات سے بھی دستبرداری' انا کو رخصت کہنے کا وقت یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ خود کو نظر انداز کرنے کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔

گاڑی رکی تو وہ ہوش کی دنیا میں لوٹی اور اتنی خائف ہوئی کہ اسے دیکھنے کی بجائے کھڑکی سے باہر دیکھا اور اگلے لمحے آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئی تھیں۔ عباس اسے زینب کے گھر نہیں لایا تھا بلکہ اس کی گاڑی اپنی عظیم الشان رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔ نندنی نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ ہارن پر ہاتھ رکھے وہ گیٹ کھلنے کا منتظر تھا نندنی کی پریشانی گھبراہٹ سے اسے قطعی کوئی سروکار نہیں تھا۔

''یہ...... یہ میرا گھر نہیں ہے۔'' گیٹ کھل گیا' عباس گاڑی بڑھا کر پورٹیکو میں لایا۔ نندنی کی بے قراری کچھ اور

بڑھی جب عباس نے گاڑی کا دروازہ ان لاکڈ کرنے اور پھر سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے بہت سکون آمیز انداز میں اسے دیکھا پھر اسی رسان سے مخاطب کیا جس کا مظاہرہ وہ اس وقت ہر انداز سے کررہا تھا۔

''میں جانتا ہوں مس نندنی کہ آپ اپنی دوست کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ جس قسم کی آپ جذباتی کیفیت میں تھیں مجھے نہیں لگتا تھا آپ خود کو اتنی جلدی نارمل کرپاتیں۔ مجھے مناسب محسوس نہیں ہوا کہ آپ کی دوست آپ کے متعلق کچھ غلط اندازہ قائم کرلیں۔ یہاں لانے کی وجہ یہی ہے، کچھ دیر رکیں، چائے پی لیں، نارمل ہوجائیں گی تو میں آپ کو چھوڑ آؤں گا اگر آپ کو مجھ پر اعتماد ہو تو۔'' اتنی طویل وضاحت، اس قدر اپنائیت آمیز انداز، یہ کیئرنگ اسٹائل، کیا وہ واقعی اسے اتنی اہمیت دے چکا تھا کہ اس کی دل جوئی یا پھر عزت نفس کی حفاظت کی خاطر اتنا حساس ہوکر سوچے؟ اسے یقین نہیں آسکا اور جب یقین آیا تو اس کی آنکھوں میں تحیر کی جگہ آہستہ آہستہ مسرت کے جگنو اترنے لگے۔

''مائی پلیژر......!'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی، عباس نے کچھ حیران نظروں سے اس عجیب لڑکی کو دیکھا، جس نے آج اسے نہ صرف حیران کیا تھا بلکہ بہت زیادہ الجھا بھی دیا تھا۔ جب وہ اسے ملی تھی تو بے حد کنفیوژ تھی۔ پھر اس کے بعد بتدریج گھبراہٹ و وحشت کا احساس، اس پر بغیر کسی وجہ کے رونا، اور اس کے بعد کسی اہم بات کے بغیر گلاب کی مانند کھل اٹھنا، وہ بلاشبہ بہترین اداکارہ لگی تھی اسے۔ کم از کم وہ تو یہی سوچ پایا تھا۔ اپنے ہمراہ گاڑی سے نکل کر اندرونی حصے کی جانب بڑھتی نندنی کو اس نے پھر ترچھی نظروں سے دیکھا، جس کے چہرے پر خوشی کا تاثر چاندنی بن کر پھیلا ہوا تھا۔

''حاجراں انہیں گیسٹ روم میں لے جائیں۔ اس کے بعد انہیں عریشہ کا کوئی لباس پہننے کو دے دیجیے گا، بارش کی وجہ سے ان کا لباس گیلا ہوچکا ہے۔'' راہداری کے موڑ پر رک کر اس نے ملازمہ کو آواز دی اور کچھ ہدایات دیں پھر پزل نظر آتی نندنی کی جانب متوجہ ہوا۔

''مس نندنی آپ ان کے ساتھ جائیں، ابھی کچھ دیر میں آپ کو اپنی وائف سے ملواتا ہوں۔'' عباس کا لہجہ نارمل تھا مگر نندنی دھک سے رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں اس کی بیوی کس مزاج کی تھی اور اس سے کس انداز میں ملتی۔ عباس چلا گیا، ملازمہ منتظر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اسی پل جیسے سارا ترنگ اور خمار جاتا رہا، اس کی جگہ عجیب سا سناٹا اسے گھیرنے لگا۔ وہ گم صم کھڑی رہ گئی۔ جانتی بھی تھی، وہ شادی شدہ ہے پھر بھی اب اس لمحے یہ بات یہ سوچ گویا کند چھری تھی جو بے حد بے دردی سے اسے ذبح کرنے میں مشغول تھی۔

''چلئے بی بی جی۔'' ملازمہ جو اس کے تباہ کن سراپے کی حشر سامانیوں کے آگے مبہوت کھڑی تھی، سنبھل کر بولی۔ نندنی اسی پل چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی اور آہ بھر کے خود کو سنبھالا۔

''تھینکس...... بٹ مجھے ڈریس نہیں چاہیے، صرف ایک شال لادیں، کپڑے ٹھیک ہیں میرے۔'' عریشہ کا حوالہ ہی اسے رقابت کے جاں گسل احساس سے دوچار کرگیا تھا۔

عباس بیڈروم میں آیا تو عریشہ گیلے بال پشت پر بکھرائے ایزی چیئر پر جھولتی کسی میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ، ہاؤ آر یو؟'' عباس نے نزدیک آکر اس کا ماتھا چوما۔ عریشہ مسکرائی اور میگزین بند کرکے سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔

''بہت دیر کردی آج آپ نے۔''

''ہوں، وہ ایک پرابلم کری ایٹ ہوگئی تھی۔'' عباس نے کچھ بے زاری سے کہتے کوٹ اتارا تو عریشہ پوری طرح اس کی طرف ایسے متوجہ ہوئی جیسے تفصیلات جاننے کی متمنی ہو۔ عباس جھک کر بچوں کو پیار کررہا تھا، اس کی نظروں کو محسوس کرکے گہرا سانس کھینچا۔

''بتاتا ہوں یار، بلکہ ملواتا ہوں، فریش ہونے دو مجھے۔'' وہ اسی بے اعتنائی سے کہتا پلٹ کر واش روم میں بند ہوگیا۔ کچھ دیر بعد بلیک ٹراؤزر اور گرے آدھے بازوؤں والی شرٹ پہنے ہاتھ میں تولیہ پکڑے باہر آیا تو اس کے ماتھے پر بکھرے گیلے بالوں سے پانی کے شفاف قطرے ٹپک رہے تھے۔

''افوہ ابھی بتائیں نا کسے اٹھا لائے ہیں ساتھ؟ حاجراں بتارہی ہے کوئی لڑکی ہے بہت خوبصورت سی آپ نے اسے میرے کپڑے پہننے کو کیوں کہا؟ ابھی شال لے

کرگئی ہے وہ۔" عریشہ کے لہجے میں ازحد ناگواری وسرد مہری کا عنصر تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ خدشات، شک اور ہراس بھی خصوصی طور پر محسوس ہوتا تھا۔ جبھی عباس نے آگے بڑھ کر بے اختیار اسے تسلی آمیز انداز میں تھام کر اپنے کسرتی مضبوط بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا۔

"کیا تم اس وجہ سے پریشان ہو کہ وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے؟" عباس نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا تو عریشہ جھلاہٹ میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"مجھے کیوں پریشانی ہوگی بھئی، میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ صرف میرے ہیں، مجھے کسی کی خوبصورتی سے کیا لینا دینا؟" اور عباس حیدر جو اس کے اعتماد کی یہی بلندی دیکھنے کا خواہاں تھا سرشاری کی کیفیت میں ہنستا چلا گیا پھر اسی خوبصورت ہنسی کے دوران اسے چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

"میں تم سے یہی بات سننے کی خواہش میں اسے یہاں لایا ہوں۔" اس کے انداز میں بے پناہ شرارت غالب تھی۔ عریشہ اسے بے دریغ گھورنے لگی۔

"ہے کون وہ؟"

"نندنی گریوال، تم ملنا چاہتی تھیں نا اس سے، میں نے کنیز کو ملکہ عالیہ کے دربار میں پیش کردیا ہے۔" عباس کا لہجہ ہنوز شرارتی اور شوخ تھا، اس نے بالوں میں برش چلایا پھر اسے بازو کے حلقے میں لیے ڈرائنگ روم کی جانب آ گیا۔ جہاں مضطرب و بے چین نندنی اس کی منتظر تھی۔ اس نے عباس کے ہمراہ چلتی اس عورت کو دیکھا اس کی قربت کو محسوس کیا اور ان کے بیچ رشتے کے متعلق آگاہی کو پا کر اس کے چہرے پر سرسوں کا رنگ پھیلتا چلا گیا۔

عباس، عریشہ کا تعارف کرا رہا تھا اور نندنی کی سانسیں ہر لحظہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے عریشہ کو دیکھ رہی تھی، جس کی شکل جتنی بھی عام تھی مگر اس کا نصیب سب سے زیادہ چمکدار روشنائی سے لکھا گیا تھا۔ اسے لگا اس کے اندر بھڑک اٹھنے والی آگ نے کمرے کی ہر شے کو بھی اس کے ساتھ بھسم کرنا شروع کردیا ہو۔ اس نے نظریں جھکالیں اور اپنے آنسوؤں کو چھپانا چاہا۔

"اور عریشہ یہ......"

"میں جانتی ہوں یہ نندنی ہے مگر سچ یہ ہے کہ نندنی کی بجائے جلاوطن شہزادی لگتی ہے۔ ویسا ہی حسن و جمال ویسی ہی تمکنت اور دلکشی۔" عریشہ کھلکھلائی تھی۔ اس نے بے اعتمادی سے عباس کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ ایسے گناہ کی مرتکب ہوئی تھی جو نندنی کے نزدیک سراسر گستاخی کے زمرے میں آتا تھا۔

"بلاشبہ، جیسا سنا اس سے کہیں بڑھ کر پایا آپ کو۔" عریشہ نے اس کا رخسار چھو کر کتنی خوشی کتنے جوش سے کہا تھا۔ نندنی نے ٹھٹک کر اسے دیکھا اور ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، خوش بختی کی انتہا نہیں تھی اس کے نزدیک عریشہ کے خدوخال میں اس کے لیے وہ نصیب کی ملکہ تھی۔ اسے وہ ملا تھا جس کی چاہ اور تڑپ رکھنے کے باوجود وہ تہی داماں تھی۔ اسے حیرت انگیز طور پر عریشہ سے حسد اور جلن محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس پر بے حد حساب رشک آیا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور چہرا اتنا حسین ہوسکتا تھا جسے عباس نے پیار سے دیکھا تھا۔ جسے عباس نے اپنی مہر محبت سے نوازا تھا۔

"پتہ نہیں، ویسے سنا ہے حسن تو دیکھنے والے کی نگاہ میں ہوتا ہے اور میری نظر میں حسین ترین چہرہ اس دنیا میں صرف ایک ہے، تمہارا چہرہ۔" عباس کی آنکھیں عریشہ کو تکتے دینے لگیں۔ اس نے اس پل جیسے نندنی کی موجودگی کو بھی فراموش کردیا تھا۔

نندنی نے دیکھا عباس کی آنکھوں میں سچائی تھی۔ زندگی کی سب سے بڑی سچائی، یعنی محبت...... عریشہ اس تعریف پر بے ساختگی کے اس مظاہرے پر نوخیز لڑکی کی مانند شرمائی اور عباس اسے وارفتہ نظروں سے تکے جا رہا تھا۔ نندنی کو لگا کسی نے اس کے وجود میں زہر سے بجھی سوئیاں گاڑھ دی ہوں۔ یہ سب ناقابل برداشت تھا۔ جبھی وہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہوگئی، عریشہ نے بوکھلا کر اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔

"ارے...... کہاں جا رہی ہو پیاری لڑکی، بیٹھو نا، چائے بھی نہیں پی تم نے۔" نندنی نے ہونٹ سختی سے بھینچ کر آنسوؤں کا گولہ حلق سے نیچے اتارا اور متغیر چہرے کو جھکالیا۔

"آئی ایم سوری! میں مزید نہیں رک سکتی۔ ... پریشان ہو رہی ہوں گی۔" اس نے جان چھڑانے کو ...

گھڑا اور آگے کی سمت قدم بڑھا دیئے۔ عریشہ نے کاندھے جھٹکے تھے۔

"رکیں نندنی صاحبہ! میں ڈراپ کردیتا ہوں آپ کو۔" عباس کی مداخلت پر وہ رکی ضرور مگر پلٹ کر اسے نہیں دیکھا بلکہ مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"نو تھینکس، آپ کو زحمت ہوگی، میں چلی جاؤں گی۔" نندنی کی آواز میں نمی کا احساس گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ بلاشبہ یہ سب کچھ اس کی ہمت اور حوصلے سے بہت زیادہ تھا۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ پھر سے اسی سچویشن کا شکار ہوں تو چلی جایئے۔ مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہوگا۔" نندنی کو قدم بڑھاتے پا کر وہ جس طرح بھڑک کر بولا تھا، اس انداز نے نندنی کے تو حواس سلب کیے ہی تھے عریشہ بھی اچھا خاصا چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔ اس کی نظریں کھوجتی ہوئی اور آنچ زدہ تھیں۔

"کیا ہوا ہے اس سے قبل؟" اس کا لہجہ کھوجتا ہوا تھا مگر غصے میں مبتلا عباس محسوس نہیں کر پایا۔

"کیا ہوسکتا ہے، اکیلی لڑکی، خراب موسم اور ایسے مواقع کے متلاشی آوارہ مزاج لوگ۔" عباس کا لہجہ زہرخند تھا، نندنی پتھرائی ہوئی سی کیفیت میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔

"آئی ایم سوری! میرا مطلب تھا کہ آپ کو زحمت......"

"اس وقت مجھے زحمت نہیں ہوئی جب میں آپ کو اس کریٹیکل سچویشن سے نکال کر لایا تھا؟" اس کی معذرت نے عباس کے موڈ کو کچھ اور بھی شدید کردیا تھا۔ نندنی لاجواب خائف اور سراسیمہ ہوگئی۔

"اچھا چھوڑیں، کیوں فضول میں اہمیت دے رہے ہیں۔" عریشہ نے تلخی سے کہا اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔ عباس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر قدم آگے بڑھا دیئے۔ نندنی کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی تقلید کرتی۔ مگر اس طرح کہ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ اس شخص کی امیدوں پر پوری نہیں اتر پائی تھی۔ اس کے لیے یہ احساس بھی کسی شدید اضطراب کا باعث تھا۔

......❀......

سورج ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا، نہ ہی آسمان پر اڑتے پرندوں کے پروں پر تھکن وارد ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ یہ تھکن صرف وجود کی تھکن نہیں، ذہنی، اعصابی بھی تھی۔ ہر لحاظ سے ہی ہار گئی تھی وہ، اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ اس نے کروٹ بدلی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ دیں۔ نظر گود میں دھرے البم پر پھسل کر ٹھہری، ایک چھوٹی بچی خوبصورت فراک میں ملبوس کلر فل بال کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

یہ امامہ تھی، اس نے اگلی تصویر پر نگاہ کی، جہاں چھ سالہ لاریب لہنگا سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان نظر آرہی تھی۔ معصوم اور بے حد پیارے چہرے پر بسورتا ہوا تاثر تھا۔ ایمان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں تو یہ عکس دھندلا سا گیا۔

اس نے ہچکی لی اور البم دیکھتے ہوئے آنکھوں کو آستین سے رگڑا۔ اب جو تصویر سامنے تھی اس میں امامہ تتلیاں پکڑ رہی تھیں۔ اس کی انگلی کی نرم پوروں پر تتلی کے رنگ اتر آئے تھے۔ وہ کتنی معصوم حیرت آنکھوں میں لیے اڑتی ہوئی تتلی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی ہوگئی تھی مگر ان آنکھوں کی معصومیت بھری حیرت ہنوز قائم تھی۔ ایمان بری طرح سے سسکنے لگی۔ اسے لگا بچپن میں جو رنگ تتلی کے پروں نے اس کے ہاتھوں پر چھوڑا تھا اس کی جگہ خون نے لے لی ہو۔ یہ خون امامہ کے ارمانوں کے قتل کا خون تھا اور کرنے والی ایمان خود تھی۔ وہ تتلی کو نہیں اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر یہ حیرت رنج میں تبدیل ہوئی اور رنج شدید ترین نفرت میں ڈھل گیا۔ ایمان کے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا۔ جس پل ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا شرجیل بریف کیس اٹھائے اندر داخل ہوا تب تک ایمان کی حالت غیر ہوچکی تھی۔

آنسو...... سسکیاں، آہیں، شرجیل کی سرسری طور پر اٹھی ہوئی نظر اس پر پڑتے ہی چونک کر رہ گئی۔

"ایمان...... کیا ہوا تمہیں؟" بیگ صوفے پر اچھالتا وہ سب کچھ بھلائے اس کی جانب بڑھا۔ ایمان کچھ جواب دیئے بنا روئے گئی تھی۔ وہ خزاں زدہ پتے کی طرح کانپتی تھی اور گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ شرجیل کا سوال بھی اس وحشت اور بے قراری کی نذر ہوگیا۔ شرجیل نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

"پھر کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟" وہ بے زار سا بولا۔ ایمان نے محض سر کو نفی میں ہلا کر تردید کی، جواب نہ دے کر وہ

اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی معاً شرجیل کی نظر اس کی گود میں موجود البم پر پڑی تو صرف آنکھیں ہی نہیں سلگیں چہرہ بھی جیسے تانبے کا بن گیا۔

''اوہ..... تو یہ وجہ تھی آپ کے سوگ کی' کتنی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اپنے پچھلوں کو یاد کرکے نحوست پھیلانا چھوڑ دو۔ اتنا ہی ملال ہے اس جدائی کا تو چلی جاؤ واپس' روکا کس نے ہے؟'' وہ غصے میں آؤٹ ہوتا ہوا زور سے چلایا۔ ایمان اس کے موڈ کی تباہی کو دیکھتی بری طرح سہمی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس کی پیشانی اس ذلت آمیز سلوک پر یوں جل اٹھی تھی جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

اسے اور کچھ نہیں سوجھا تو مضطربانہ انداز میں تصویروں کا البم ہی اٹھا کر دراز میں رکھنا چاہا کہ اس سے محترم کا پارہ ہائی ہوا تھا مگر شرجیل کو اس کا پھر سے خود کو نظر انداز کرکے تصویروں کی فکر کرنا بھڑکا کر بالکل آپے سے باہر کر گیا۔

''ادھر دو مجھے یہ' ان کا بھی قصہ تمام کرتا ہوں' اسی طرح جان چھوٹے گی۔'' شرجیل نے تصویروں پر جھپٹا مارا اور اگلے چند لمحوں میں ایمان کی وہ آخری پونجی بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہوکر کارپٹ پر گری پڑی تھی اور خود شرجیل تنتناتا ہوا واش روم میں جا گھسا تھا۔ ایمان ایسے پتھرائی ہوئی بیٹھی تھی جیسے سکتہ ہوگیا ہو۔ اس نے منجمد نظروں سے ٹکڑوں میں بدل جانے والی تصویروں کو دیکھا' کچھ دیر یونہی تکتی رہی' کوئی اس کے دل کو مٹھی میں لے کر اتنی بے دردی سے بھینچ رہا تھا کہ یہ تکلیف ناقابل برداشت ہوئی جاتی تھی۔ اس کا سن ہوتا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا' اگلے لمحے وہ خود بھی لہرا کر کارپٹ پر ڈھیر ہوچکی تھی۔

چینج کرکے باہر آتے شرجیل کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ مکمل طور پر غافل ہوچکی تھی۔ شرجیل نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ نگاہ اس کے سر کے پچھلے حصے سے فوارے کی مانند پھوٹتے خون پر ٹھٹک کر تھم گئی۔ اس کے حواس یکدم کام کرنا چھوڑنے لگے۔ ایمان کو بستر پر الٹا سیدھا لٹا کر وہ بوکھلایا ہوا باہر دوڑا پہلا سامنا ہی سمعیہ سے ہوا تھا۔ وہ اسے حیرانی سے تکنے لگی۔

''خیریت ہے نا بھائی؟'' شرجیل نے تیز قدموں سے چلتے لمحہ بھر کو رک کر اسے دیکھا اور فوری نبیل کو بلا کر لانے کا کہتا خود پھر واپس کمرے کی جانب دوڑا۔ نبیل میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھا۔ اس قسم کی ہنگامی صورتحال میں اس سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ شرجیل واپس کمرے میں آیا تب بھی ایمان یونہی بے سدھ پڑی تھی۔ البتہ اس کے سر سے بہتے ہوئے خون سے بستر کی سفید چادر تیزی سے رنگین ہوتی جارہی تھی۔

''ایمی آنکھیں کھولو۔'' شرجیل کی فکرمندی اور تشویش میں گھبراہٹ شامل ہونے لگی۔ جس وقت وہ جھک کر اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا اسی پل نبیل فرسٹ ایڈ باکس سمیت عجلت میں اندر داخل ہوا۔ ساتھ میں سمعیہ بھی تھی۔

''مائی گاڈ! یہ سب کیسے ہوا؟'' نبیل بھی خون دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے انہیں پھر چکر آیا ہوگا' کل بھی سیڑھیاں اترتے ہوئے بہت بری طرح سے گرنے سے بچی تھیں۔'' سمعیہ بے حد دکھی ہوکر کہہ رہی تھی۔ شرجیل بھینچے ہوئے ہونٹوں اور خاموش نظروں سے نبیل کو ایمان کی مرہم پٹی کرتے دیکھتا رہا۔

''سمعی تم پلیز دودھ گرم کرکے لاؤ۔'' نبیل نے ایمان کے سر پر پٹی باندھ کر گرہ لگاتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے سمعیہ کو مخاطب کیا پھر متاسفانہ نظروں سے گم صم کھڑے شرجیل کو دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کہاں سے دھکا دیا تھا آپ نے انہیں پورے چھ ٹانکے آئے ہیں انہیں۔'' شرجیل کے اعصاب کو ٹانکوں کا سن کر نہیں' اس الزام پر شاک لگا تھا۔ اس نے ناگواری چھلکاتی نظروں سے نبیل کو دیکھا۔

''واٹ نان سنس۔''

''آپ کو میری بات اتنی بری کیوں لگی بھائی! حیرت ہے حالانکہ جو یہاں ان کے ساتھ سلوک ہورہا ہے وہ......''

''تم آخر کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شرجیل نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہکنے لگی تھیں۔ نبیل نے جواباً دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور سرد آہ بھری۔

''آپ کے بھائی پر چلانے کی آواز کچھ دیر قبل میں نے خود سنی تھی' مر جائیں اس سے بھی' ایک بار مار کر انہیں اس بار بار کی اذیت سے کیوں نجات نہیں دے دیتے آپ۔'' شرجیل کا رنگ یکدم پھیکا پڑا تھا۔

''آئی سوئیر نبیل میں نے دھکا نہیں دیا اسے' مجھے غصہ تھا جبھی کچھ شاؤٹ ہوگیا بٹ......''

''شاؤٹ ہوگئے...... بٹ وائے؟ یاد رکھا کریں بھائی کہ انہیں یہاں اس مقام تک لانے والے بھی آپ تھے۔ یہ بھی مت بھولیں کہ آپ کی وجہ سے وہ یہ عذاب بھگت رہی ہیں' ورنہ جو ان کا بیک گراؤنڈ ہے' یہ اس قسم کا بی ہیویئر ڈیزرو نہیں کرتی اور مزید یہ کہ عورت ہمیشہ مرد کے سہارے ہی مضبوط ہوتی ہے اگر آپ نے ان پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تو چند دن میں ختم ہوجائیں گی۔ انہیں غور سے دیکھیں بھائی' پھر فیصلہ کیجیے گا یہ ویسی ہی ہیں؟ جیسی آپ انہیں لے کر آئے تھے۔'' شرجیل کا جھکا سر اٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ نبیل اس سے کئی برس چھوٹا ہوکر اسے سمجھانے' راہ راست پر لانے کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ وہ عرق ندامت میں ڈوبنے لگا۔

''عورت سے محبت بہت سے مرد کرتے ہیں مگر محبت کے ساتھ عزت بہت کم مرد کر پاتے ہیں۔ بھائی زندگی کا جو ڈھب سامنے ہے وہاں بھابی کو آپ سے محبت سے زیادہ عزت کی خواہش ہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟'' نبیل نے نرمی و آہستگی سے کہہ کر اس کا کاندھا تھپکا پھر دوا کا طریقہ استعمال سمجھا کر باہر چلا گیا۔ تبھی سمعیہ دودھ لیے چلی آئی اور ایمان کو بدستور بے خبر پاکر اس کی تشویش مزید بڑھ گئی تھی۔

''بھابی ٹھیک تو ہیں نا بھائی؟'' وہ جیسے روہانسی ہوکر پوچھ رہی تھی۔ شرجیل جو ہاتھوں پر سر گرائے جانے کس سوچ میں گم تھا' چہرہ اٹھا کر اسے خالی نظروں سے تکنے لگا۔

''آں...... ہاں...... ہاں آجاتی ہے ابھی ہوش میں' انجکشن دیا ہے نبیل نے۔'' اس کا لہجہ بھی اس کے ذہن کی طرح سن تھا۔ سمعیہ نے گہرا سانس کھینچا اور آگے بڑھ کر ٹرے میز پر رکھ دی۔

''چائے بناؤں آپ کے لیے؟'' سمعیہ کی نظریں سوالیہ تھیں' شرجیل نے بے دلی سے سر کو نفی میں ہلایا۔

''نہیں' دل نہیں چاہ رہا۔ بس جاتے ہوئے دروازہ بند کرجانا۔''

''لیکن چچی جان آپ کا پوچھ رہی تھیں۔'' سمعیہ کے دبے ہوئے انداز میں کہنے پر شرجیل نے ہونٹ بھینچے۔

''او کے...... آرہا ہوں میں۔'' اس نے ایک نظر غافل نظر آتی ایمان کو دیکھا پھر سمعیہ کو اس کے پاس رکنے کا کہتا خود اٹھ کر باہر آگیا۔ جس وقت وہ مما کے پاس لاؤنج میں آیا انہیں تائی ماں کے گھٹنے سے لگے دیکھ کر گہرا طویل سانس بھر کے رہ گیا۔

''مل گئی فرصت' ماں کو سلام کرنے کی؟ آتے ہی بیوی کو ہار بنا کے گلے میں ڈال کر بیٹھ جاتے ہو۔ یہ ہار آفس میں بھی ساتھ لے جایا کرو۔'' تائی ماں نے اسے دیکھتے ہی تیوری چڑھا کر طنز کا تیر چلایا۔ مما بھی منہ پھلائے بیٹھیں ناراض لگ رہی تھیں۔

''آپ نے بلایا تھا ممی؟'' شرجیل کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ جسے محسوس کرکے ہی مما سیخ پا ہوئیں اور اسے جھاڑنا شروع کیا۔

''بیٹا' وہیں سے کیوں نہ پوچھ لیا کام؟ آنے کی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔'' شرجیل صبر کا گھونٹ بھر کے رہ گیا' وقت...... وقت کی بات ہوتی ہے' کبھی اس کے ماتھے کا خفیف سا بل بھی مما کی جان پر بنا دیا کرتا تھا۔ بڑا بیٹا تھا اس کا غصہ انہیں سہمائے رکھتا' مگر اب صورتحال الٹ تھی۔ پسند کی شادی اس کی آزمائش اور کٹھن امتحان ثابت ہوچکی تھی۔ وہ ان سے دبتا نہیں تھا۔ بس انہیں مزید اپنی طرف سے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے اپنی وجہ سے ماحول میں تناؤ اچھا نہیں لگتا تھا مگر ہمیشہ سے یہی طریقہ کار رہا ہے' ڈھیل سرکشی اور دباؤ کو بڑھاتی ہے' مما بھی اسے سرنگوں دیکھ کر اس پر چڑھائی بڑھائے جاتی تھیں۔ دبے ہوئے کو دبانے میں ویسے بھی انوکھا لطف محسوس ہوتا ہے۔

''کدھر ہے وہ مہارانی؟ اتنی دیر ہوئی تمہیں گھر آئے' کھانے پینے کی اسے فکر نہ ہوئی تمہاری۔ ذرا پوچھو یہی تربیت لے کر آئی ہے؟ بسا چکی پھر تو گھر۔'' ان کی تلخ کلامی شروع ہوچکی تھی۔ شرجیل نے کانوں میں جیسے روئی ٹھونس لی۔

''ان دیواروں سے نہیں تم سے مخاطب ہوں شرجیل! یا پھر لاڈلی کے متعلق کچھ خلاف مزاج سننا گوارا نہیں؟'' ان کا لہجہ برہم تھا۔ سرخ ہوتی رنگت کے ساتھ شرجیل نے لمحہ بھر کو ان کی جانب نگاہ اٹھائی۔ وہ اس کی ماں تھیں مگر اب انہیں اس کی پریشانی یا کسی اور مسئلے سے شاید کوئی غرض نہیں تھی بلکہ

اگر یہ کہا جاتا کہ وہ اسے خوامخواہ ٹینشن دینے لگی تھیں تو بھی بے جانہ ہوتا۔

''اے بیٹا منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر نہ بیٹھو کم از کم ماں کی بات کا جواب دے دو بیوی جتنی بھی سر چڑھی اور مغرور ہو مگر ماں سے بہر حال رتبے میں کم ہی ہے۔ آئی سمجھ؟ اور بیوی بھی وہ جو بھاگ کر آئی ہو اس کے لیے ماں کو ناراض کاہے کو کرتے ہو؟ ایک چھوڑ ایسی ہزار ملیں گی۔'' تائی ماں نے پان کی گلوری منہ میں دبا کر ہاتھ نچاتے ہوئے طعنے مارنے شروع کیے۔ ان کا انداز بھی آگ لگانے والا تھا۔ شرجیل کا دماغ ماؤف ہونے لگا آخر ضبط کی بھی حد ہوتی ہے کوئی۔

''آپ چپ رہیں تائی ماں! میں آپ سے کوئی بات نہیں کر رہا اور مما کو فارگاڈ سیک ذرا کم بھڑکایا کریں! اگر صالحہ سے میں نے شادی نہیں کی تو اس کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ آپ میری یہ سزا تجویز کریں۔'' وہ پھنکار کر بولا کہ تائی اماں کا منہ کھلا رہ گیا۔ معاوہ سنبھلیں اور پھر جو اس کے لتے لیے کہ الاماں۔ مما بھی جٹھانی سے ہی پوری پوری ہمدردی نبھا رہی تھیں حالانکہ اللہ جانتا ہے ماضی میں شاید ہی کبھی مما کی تائی ماں سے بنی ہو۔ ہمیشہ تائی ماں نے مما کو جوتے کی نوک پر رکھا تھا مگر اب انہوں نے مما کو جانے کیا گیدڑ سنگھی سنگھادی تھی کہ انہیں تائی ماں کی ہر بات درست لگنے لگی تھی۔

''میں کبھی نہیں بخشوں گی تمہیں شرجیل۔ مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ نوبت یہاں تک آپہنچی ہے۔'' مما کے چلانے پر شرجیل شدید ترین اضطراب کا شکار ہوا۔

''میری بات تو سنیں مما آپ۔'' انہیں اس طرح آپے سے باہر ہوتے دیکھ کر شرجیل بھی گڑ بڑایا مگر انہوں نے اسے اسی تنفر بھرے انداز میں زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''خبردار ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے اور آج کے بعد مجھ سے کلام نہیں کرنا۔ غضب خدا کا یہی عزت و توقیر رہ گئی تمہاری نظر میں اپنے بڑوں کی۔'' انہوں نے مگرمچھ کے آنسو بہاتی جٹھانی پر ایک شرمسار نگاہ ڈال کر بیٹے کو دھتکارا تو شرجیل کا پہلے سے منتشر اور تناؤ زدہ ذہن مایوسی کی انتہا پر جاتا بے تحاشا ہیجان سمیٹ لایا۔ شاید اسے ماں سے اس حد تک انتہا پسندی کی توقع نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اصلاح اور بہتری کا سارا بوجھ اس کے کاندھوں پر تھا۔ اس کے سوا چارہ ہی کوئی نہ تھا کہ وہ بگڑے معاملے کو پھر سے سدھارنے کی کوشش کرتا۔

''آئی ایم سوری مما! میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں ایمان کو گرنے سے شدید چوٹ آئی ہے اسٹیچنگ ہوئی ہے اس کی۔ تائی ماں سے بھی میں معذرت کرلیتا ہوں۔ دراصل اسی پریشانی میں یہ......''

''شاباش ہے بیٹا! بہت خوب' بیوی کو ذرا سی خراش آگئی تو تم تائی اور ماں سے متھا لگانے کھڑے ہوگئے کہ جی بیوی کی ٹینشن ہے۔ ارے شرم ہے تو ڈوب مرو چلو بھر پانی میں ارے لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی حرام زادی پر جس نے اپنے دام فریب میں پھانس کر میرے بیٹے کو اندھا کردیا عقل سے چھین لیا مجھ سے۔ دیکھنا بھگتے گی لازمی بھگتے گی۔ میری بددعائیں ہیں اس کے ساتھ۔ سکھ کا سانس لینے کو نہ ترسے تو نام بدل دینا میرا۔'' مما منہ پر ہاتھ پھیر کر آنچل پھیلا کے کوس رہی تھیں۔ شرجیل سنسناتی سماعتوں کے ساتھ کھڑا انہیں دیکھتا انہیں سنتا رہا۔ پھر پلٹ کر ٹوٹے ہوئے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ ایمان کو ذرا دیر کو ہوش آیا تھا پھر دواؤں کے زیر اثر غافل ہوگئی۔ غافل تو شرجیل بھی تھا' ایمان سے خود اپنے آپ سے بھی' مما کے لہجے کی خفگی و تلخی کے ساتھ استہزا کا رنگ آگ بن کر دل کو تپاتا اور بھسم کرتا جارہا تھا۔ یہ رات بہت بھاری رہی تھی' اس پر نیند تو کیا سکون بھی غارت ہوکر رہ گیا تھا۔

صبح فجر کی اذان کے وقت اس کی آنکھ لگی تو اس سے کچھ دیر بعد ایمان کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ مکمل طور پر ہوش میں آگئی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی خوابناک روشنی اور ملگجے اندھیرے کا سنگم تھا۔ وہ ساکن اپنی جگہ پر لیٹی رہی۔ اسے فوری طور پر کچھ بھی یاد نہیں آسکا تھا۔ جبھی خوابیدہ ذہن کے ساتھ آنکھیں جھپکتی کچھ فاصلے پر موجود شرجیل کو دیکھے گئی۔ شرجیل کا چہرہ اس کے کاندھے سے لگ رہا تھا۔ لمبی پلکوں والی بادامی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر سبز رواں سا پھیلا ہوا تھا جو اس کی وجاہت و خوبروئی میں مزید اضافہ کررہا تھا۔ نیم وا ہونٹ اور دراز قامت بھرپور مردانہ وجود' اس نے اس ایک شخص کی خاطر پوری کائنات کو ٹھوکر ماردی تھی اور اس شخص نے اس کائنات

کی خاطر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ اس کا دل سسکنے لگا۔ دماغ میں تیرتا غبار چھٹا تو اسے شرجیل کی بدسلوکی یاد آگئی پھر اذیتوں کالامتناہی سمندر تھا جس میں اس کا وجود ہچکولے کھارہا تھا۔ اس کی انہی سسکیوں کے باعث شرجیل کی آنکھ کھل گئی تھی۔

''ایمی......'' وہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی آواز سنتے ہی سن ہونے لگی جانے اب کیا قہر برپا ہو خوف اس کے وجود کو اپنی بے رحم لپیٹ میں لینے لگا۔

''بہت زیادہ خفا ہو مجھ سے؟'' شرجیل نے پیش رفت کی اور درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے ساتھ آلگا۔ اس کا بازو بہت نرمی سے اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ شرجیل نے اس کا رخ پھیرے بغیر اپنا چہرہ اس کے کاندھے پر رکھ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔

''آئی ایم ساری فار دیٹ' ریئلی ایکسٹریملی سوری ایمی! مجھے اندازہ ہے میں تمہیں بہت ہرٹ کرچکا ہوں۔'' اس کے آنسو نرمی سے صاف کرتے ہوئے وہ بہت پشیمان لگ رہا تھا۔ ایمان نے حیران بلکہ غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا۔ عرصہ بیتا وہ اس کا یہ روپ دیکھنے کی خواہش میں ترس گئی تھی۔ شرجیل نے ان نظروں کی حیرت کو انگاروں کی مانند اپنے بدن کو جھلساتے پایا تو مزید خفت کا شکار ہونے لگا۔

''ایسے مت دیکھو ایمی! کہ مجھے اپنی غلطی اور زیادتی کا احساس مار ہی ڈالے۔'' شرجیل کے وجیہہ چہرے پر کرب آمیز بے بسی اترنے لگی' ایمان بری طرح سے بلک اٹھی۔ ذرا سی توجہ' تھوڑا سا التفات اور محبت...... ایمان کے تو گویا سب زخم ہرے ہیں۔

''آپ نے اسٹیپس پھاڑ دیے شرجیل! وہ آخری نشانی تھی میرے پاس میرے اپنوں کی۔ جو مجھے تھوڑی ڈھارس دیتی تھی۔'' وہ سسک پڑی' شرجیل نے اسے بازوؤں میں بھر کے خود میں جذب کرلیا۔

''آئی ایم سوری ایمی! پلیز معاف کردو مجھے۔ پر اس میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں معافی مانگ لوں گا تمہارے بابا جان سے۔'' شرجیل نے اپنے تئیں اسے حوصلہ دینا چاہا تھا بہلانے کی کوشش کی تھی مگر ایمان ایسے تڑپی جیسے اسے کانٹوں پر گھسیٹا ہو شرجیل نے۔

''یہ ممکن نہیں ہے اب' میں ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ اب کچھ باقی نہیں وہاں میرے لیے۔'' اس کی یاسیت اور دلگیری ایسی تھی کہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کرب کو سنا اس کا لاچار دل کسی بھی پل پھٹ جانے کو تیار ہو۔

''شرجیل وہاں کچھ بھی ویسا نہیں رہا' یونو میرے جرم کی سزا امامہ کو سنادی گئی' میری جگہ پر امامہ کو سولی چڑھا دیا گیا۔ وقاص انسان نہیں ہے میں جانتی ہوں اسے' پھر اب تو سبکی اور ذلت کے احساس سے بالکل وحشی ہو رہا ہوگا' اور امامہ...... اس کا تو کوئی بھی قصور نہیں تھا' میں کیسے معاف کروں خود کو۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے زارو قطار روئی تھی۔ شرجیل نے قدرے الجھی ہوئی متفکر نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں سمجھ نہیں سکا ایمان؟'' اس کی آنکھوں میں استعجاب اور ناسمجھی کا تاثر تھا۔ ایمان نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان سکندر سے ہونے والی اپنی فون کال کی تفصیلات بتادیں۔ جسے سننے کے بعد شرجیل کے متفکر چہرے پر تغیر پیدا ہوگیا تھا۔

''اوہ...... مائی گاڈ یہ بالکل اچھا نہیں ہوا۔'' اس نے سرد آہ بھری' ایمان کے آنسو ہنوز بہہ رہے تھے۔

''مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی مجھے اب کیا کرنا چاہیے' شاید ہمیں یہ جذباتی قدم اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' ہاتھوں میں پیشانی کے بال جکڑے شرجیل کی مایوسی کا عالم ایمان نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ پچھتا رہے ہیں شرجیل۔'' اس کی آواز میں خوف کی سرسراہٹ تھی اور چہرے پر زرد رنگ کی آمیزش بڑھتی جارہی تھی۔

''کیا ایسی صورت حال میں بھی نہ پچھتاؤں؟ تم سے بھی کہیں زیادہ مشکل میں میری جان آگئی ہے۔ ایمان تم اپنے گھر والوں کو چھوڑ آئی ہو ان کے مسائل ان کی ٹینشن ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار ہوکر تمہیں شکستہ کرتی ہے۔ جبکہ میں ہر ہر پل یہ عذاب سہہ رہا ہوں۔ بس فیصلہ ہوگیا ہے میں اب یہاں نہیں رہوں گا' ہم کہیں اور چلیں گے ایمان۔'' اس نے اپنی بات کا تاثر دیکھے بغیر تائیدی انداز میں کہتے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ ایمان حواس باختہ بیٹھی رہ گئی۔

''اکیلے؟'' اس نے پھنسی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

شرجیل نرمی سے مسکرادیا۔

"اکیلے کیوں' میں ہوں گا نا تمہارے ساتھ' ایمی میں جانتا ہوں یہاں تمہیں کس اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ تم ان رویوں کی عادی نہیں ہو' میں تمہاری برداشت کا مزید امتحان نہیں لینا چاہتا' تم نے جو قدم محبت کی تکمیل اور فتح کے لیے اٹھایا اسے میں عبرت یا تختہ مشق نہیں بنانا چاہتا' میں تمہیں اتنی سہولیات جو یہاں میسر ہیں یا پھر جو تم وہاں چھوڑ آئی ہو اگر تمہیں نہ بھی دے سکوں تو بھی ایمی میں اتنا کما سکتا ہوں کہ ہم باعزت زندگی پورے سکون سے گزار سکیں۔"

ایمان جو اس کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی' سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہوگئی۔ انداز میں خفگی اور گہرے کرب کا تاثر تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" اسے شاک لگا۔ شرجیل بھی حیران ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آسکا کہ اتنا ہرٹ آخر کیوں ہوئی ہے۔ حالانکہ شرجیل کا خیال تھا وہ یہ بات سن کر خوشی سے پاگل ہونے لگے گی۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا؟" شرجیل نے اس کی اضطرابی کیفیت کو دھیان سے دیکھا اور اسی حیرانی سے سوال کیا۔

"اس میں اچھا لگنے والی ہی کون سی بات ہے' آپ خود بھی تو سوچیں' کیا امیج بنے گا سب کی نظروں میں ہمارا؟" ایمان جتنی روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی شرجیل کو اتنا ہی شدید غصہ آیا۔

"کیا مطلب...... کیا چاہتی ہو ایمان آخر تم...... اور سب کون؟ اگر ان سے تمہاری مراد میرے پیرنٹس ہیں تو اطلاعاً عرض ہے محترمہ انہی کے شاندار سلوک کی وجہ سے میں یہ سوچنے اور یہ فیصلہ لینے پر مجبور ہوا ہوں۔" اس نے بے حد سرد مہر انداز میں جتلایا۔ ایمان گنگ ہونے لگی۔

"آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں شرجیل...... مجھے بتائیں کیا بات ہوئی ہے؟" وہ متوحش و جتی ہوئی' شرجیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر اس کے اصرار پر شرجیل کو مما اور تایا کی ماں کی ساری باتیں اس کے سامنے کھول کر رکھنی پڑی تھیں۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا؟" اپنی بات مکمل کر کے شرجیل نے اس کے تاثرات کھوجتے ہوئے نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ انداز اختیار کیا' ایمان نے گھٹا ہوا سانس بھرا پھر زخمی انداز میں مسکرانے لگی۔

"یہ سب آپ کے لیے نیا ہوگا۔ میں جب سے یہاں آئی ہوں ایک دن میں متعدد بار ایسا سلوک برداشت کر رہی ہوں۔" اس کا دکھ کی آنچ میں لرزتا لہجہ بے حد مدھم تھا۔ شرجیل نے نظر پھیر لی۔

"ہاں تو میں نہیں چاہتا نا کہ تم یہ سب سہو' ایمی ہم نے بہرحال کوئی جرم نہیں کیا۔" وہ پھر سے غصے میں آنے لگا۔ ایمان خائف نہیں ہوئی۔

"مگر میں آپ سے متفق نہیں ہوں شرجیل' چاہے مجھے یہاں رہ کر کتنا ہی ہتک آمیز رویہ کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔" جواب ایسا تھا کہ شرجیل حق دق رہ گیا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ایمان سزا دینا چاہتی ہو خود کو؟" وہ بھڑک کر بولا اور اسے تنبیہی نظروں سے یوں گھورنے لگا جیسے شک میں مبتلا ہو چوٹ کا اثر واقعی دماغ پر نہ ہو گیا ہو۔ ایمان کے چہرے پر شکستگی پھیلنے لگی۔

"آپ نہیں سمجھیں گے...... جانے دیں۔"

"کیا مطلب بے وقوف سمجھتی ہو تم مجھے؟" پھر اسے ڈانٹنے لگا۔ ایمان نے سرد آہ بھری۔ پھر نظریں اٹھا کر بولی۔

"میری حیثیت یہاں اس گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی ہے شرجیل! میں اس سلوک پر شاکی بھی نہیں ہوں اگر خوش قسمتی سے ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو تو پھر اسے چھپانے کی نہیں اصلاح کرنے اور سدھارنے کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ میری فیملی میں میرا تاثر ایک غلط لڑکی کا پڑ چکا ہے یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ شرجیل میں اپنے بابا جان اور بہنوں سے [illegible] بدگمانی کے داغ کو نہیں دھو سکتی مگر یہاں اپنے حسن سلوک' اپنی خدمت گزاری سے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں۔ مجھے ان سب کو بتانا ہے شرجیل کہ اگرچہ مجھ سے جذباتیت اور نادانی میں یہ غلط قدم اٹھایا گیا ہے مگر درحقیقت میں غلط لڑکی نہیں ہوں نہ میرا بیک گراؤنڈ ایسا تھا۔" شرجیل ہونٹ بھینچے اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو گہرے دکھ کا شکار ہوتا دیکھتا رہا۔

"تمہاری سوچ مثبت ہے ایمی! مگر تم ان بے حس لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کی خاطر خود کو جتنی بھی اذیت دے لو مگر یہ نہ تو کبھی تمہارا جرم ڈھکیں گے نہ تمہیں قبول کریں گے۔ میں جانتا ہوں یہ بات۔" ایمان بہت مشکل سے مسکرائی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپکا۔

"آپ پریشان نہ ہوں شرجی! میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں' کہتے ہیں نا پتھر پر بھی مستقل پانی کا قطرہ گرے تو سوراخ کر دیتا ہے' یہ تو پھر انسان ہیں۔" شرجیل نے تھکی ہوئی سانس بھری پھر اسے دیکھا۔ ضبیح مگر متورم چہرہ کھلے بالوں کے درمیان بخار کی حدتوں سے دہکتا ہوا مزید دلکشی سمیٹ لایا تھا۔ پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی' وہ بظاہر دیکھنے میں جتنی نازک لگتی تھی مگر حوصلہ اور ہمت کمال تھی۔ شرجیل کے پاس جیسے مزید کہنے سننے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

❀......✿......❀

نندنی نے بیگ کی زپ بند کی پھر سیدھی کھڑی ہو کر زینب کو دیکھا' جو فکر مند اور مضطرب لگتی تھی۔ نندنی آہستگی سے مسکرادی۔ اسے اب زینب کے خلوص پر شبہ نہیں رہا تھا۔ اس کے قریب آنے کے بعد نندنی نے اس کا چہرہ بزرگانہ قسم کی شفقت کے ساتھ سہلایا اور گلا کھنکار کر بولی تو اس کے لہجے میں خفیف سی شرارت کا رنگ خود بخود چھلک آیا تھا۔

کشتیاں یوں بھی ڈوب جاتی ہیں
ناخدا کس لیے ڈراتے ہیں......؟
اک حسین آنکھ کے اشارے پر
قافلے راہ بھول جاتے ہیں

"یہاں کچھ یہی معاملہ ہے زینب جی! مگر صرف میرے معاملے میں۔

میں جانتی ہوں آپ فکر مند بھی ہیں اور پریشان بھی' مگر زینب بات میری خوشی کی ہے' یہاں شکایت ہی نہیں کہ ذرا دیکھیں۔"

نہ جانے کتنی شکایتیں ان سے
نہ جانے کتنے گلے تھے ان سے
جو ان کو دیکھا تو بھول بیٹھے
سوال سارے جواب سارے

"آپ یہ بھی سمجھ سکتی ہیں' میری محبت عشق کے درجے پر فائز ہو کر اتنی فیاض ہو چکی کہ قرب کی خواہش بھی ناپید ہو رہی ہے جہاں' صرف نگاہ سیری مانگی ہے' اتنا حق تو ادا کرنے دیں مجھے۔" لجاجت اور یاسیت سے کہتے اس نے زینب کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ پچھلے دنوں جو اس نے زینب سے بدکلامی کی تھی اس کے جواب میں زینب کا تحمل' حلیمی اور بردباری کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کے مظاہرے نے ازخود نندنی کو اس کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلا دیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس سے معافی مانگنے پر بھی مجبور ہوگئی تھی کہ ادھر کوئی شکایت اور شکوہ نہیں بلکہ کیئر نگ انداز کی فراوانی تھی۔ نندنی نے جب اس کا گھر چھوڑ کر جانا چاہا تھا' زینب نے کتنے رسان کتنی محبت سے اسے سمجھایا تھا۔

"ٹھیک ہے نندنی! تم اپنی مرضی کے فیصلے کرلو جہاں چاہو رہو اور جاؤ' مگر یہاں سے جانے کی بات نہ کرو نندنی! تم یہاں رہو گی تو ڈھارس رہے گی مجھے۔" اس کے لہجے میں خلوص کی چاشنی تھی۔ نندنی نے ان احساسات کو دل سے قریب محسوس کیا اور اس کے گلے میں بازو حمائل کر کے اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔

"آپ میری پرابلم کو سمجھیں پلیز' میں ساحر کو نہیں چھوڑ سکتی' مجھے ایک کوشش تو کرنے دیں زینب! مجھے عمر بھر زیاں کا یہ احساس تو کچوکے نہ لگائے گا کہ میں نے اپنے لیے ایک کوشش بھی نہیں کی۔" وہ بے بسی' بے چارگی کے احساس کے زیر اثر آکر بھیگی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ زینب نے کچھ کہے بغیر اسے پرشفقت انداز میں تھپکا اور پھر پیشانی چوم لی۔ وہ اس سے محض چند سال بڑی تھی' مگر فہم و فراست اور انداز و اطوار میں اتنا ٹھہراؤ اس درجہ بردباری تھی کہ اس سے ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ نندنی نے بھی جذبات سے مغلوب ہوتے ہوئے جھک کر اس کے ہاتھ پر عقیدت مندانہ بوسہ ثبت کیا تھا۔

"تم خوشی سے جاؤ' فی امان اللہ' اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

☆☆☆......

سکندر اپنے دھیان میں مردان خانے سے نکل کر تیز قدموں سے پورٹیکو کی جانب جا رہا تھا جب اس کی نظر لان میں چہل قدمی کرتی لاریب پر جا پڑی۔ اگر اس کی نگاہ ہمیشہ کی طرح اسے روبرو پا کے اختیار سے باہر ہوئی تھی اور قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے تو اس میں کچھ نیا نہیں تھا' وہ ساکن اور بے خود کھڑا اسے تکتا رہ گیا تو اس کی وجہ بھی لاریب کی اس کی جانب سے غفلت تھی جس کا بھرپور فائدہ اٹھانے کے

درپے تھا۔ سبز گھاس پر اس کا دھانی آنچل اس کے پیچھے گویا ہاتھ باندھے کسی غلام کی طرح چلتا تھا۔ وہ کسی عمیق سوچ میں گم تھی۔ چہرے پر تفکر تھا اور ان گنت الجھنوں کا جال' شہزادیوں کا سا طمطراق اور تمکنت رکھنے والی اس لڑکی پر اس کا سرکش' نادان دل مکمل رسائی کا خواہاں تھا۔

وہ جو کسی پرشکوہ سی عمارت کی طرح خاموش پراسرار اور جامد نظر آتی تھی پھر ایک معجزہ ہوا اور وہ نعمت خداوندی کی طرح اس کی پھیلی ہوئی جھولی میں ڈل دی گئی۔ وہ اس عنایت پر خوشی وانبساط سے اپنا دل بند ہوتا محسوس کرنے لگتا' وہ اب اس کی ہے' یہ خیال ہی اس کے روئیں روئیں میں تحیر و فخر کا ارتعاش گردش کرانے لگتا تھا مگر اس کی ساحرانہ خوشبو کو وہ ڈھنگ سے محسوس بھی نہ کر پایا تھا کہ یہ خوش بختی غم ویاس' تفکر اور گھبراہٹ میں ڈھلتی چلی گئی۔ اس پر ادراک ہوا تھا وہ لاریب بی بی کا محض اک جذباتی اور ناقابل قبول فیصلہ تھا' جس پر وہ بہت جلد ندامت اور پچھتاوے کا بھی شکار ہوگئی تھی۔ لیکن کیا اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ خود کو اس طرح تہی دست' تہی داماں کر لیتا' وہ جو مصور کی بہترین تخلیق تھی' اور اس کی محبت ہی نہیں زندگی کی اولین خواہش بھی تھی ایسی خواہش جو پوری نہ ہو تو زندگی کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے دستبرداری آسان کام تھا۔

سکندر نے تھکا ماندہ طویل سانس اندر کھینچا اور نظروں کو اس کے چمکتے دمکتے چہرے پر ٹکا دیں۔ وہ تو بے خبری و بے نیازی کے ایسے خول میں بند تھی کہ اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ سکندر کی روح محض ایک نگاہ اس پر ڈال کر لطف وسرور کی کیسے منزلیں طے کر جاتی ہے' اس کا دل محض اس سے بے معنی بات چیت کر کے بھی شوق ہیجان کی کیسی سرحدیں عبور کر آتا ہے۔ اب پھر انوکھا اور جان لیوا مطالبہ کر کے اس نے سکندر کو اضطراب اور وحشت کے لامتناہی سمندروں میں دھکیل دیا تھا۔

معاً لاریب رکی اور گردن موڑ کر اسے دیکھا' یہ یقیناً اس کی نگاہوں کی گستاخانہ گری کا ہی تاثر تھا جسے محسوس کرنے کے بعد ہی اس کی پیشانی پر بل پڑنے لگے تھے۔ جبکہ سکندر فی الفور محتاط ہوا اور نگاہ کا زاویہ بدلتے ہوئے چہرے پر کسی قدر نخوت اور بے نیازی طاری کر لی۔

''بابا سائیں کہہ رہے تھے آپ کو شہر جانا ہے کسی کام سے۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں آ جائیے۔'' اس کے تنے ہوئے چہرے پر محتاط نگاہ ڈال کر وہ بے حد مناسب الفاظ کے چناؤ کے ساتھ متوازن لہجے میں بات کر رہا تھا کہ لاریب کی ناراضی کا گراف نہ بڑھے لیکن شاید اس کی کوششوں کو بار آور نہیں ہونا تھا۔

''ہمارے کام تمہاری احسان مندی کے محتاج نہیں ہیں۔ تم جا سکتے ہو میں اکیلی بھی کر لوں گی۔'' وہ زور سے پھنکاری تھی۔ سکندر آہ بھر کے رہ گیا۔ وہ بابا سائیں کے کمرے میں آیا تو انہیں ٹرے سامنے رکھے اپنا منتظر پایا تھا۔

''ناشتا کر لو بیٹے' پھر تمہیں نکلنا بھی ہے۔ کوشش کرنا شام کو ٹائم پر واپسی ہو سکے۔'' انہوں نے ٹرے سینٹرل ٹیبل سے اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان میز پر رکھی۔ سکندر اتنا بے دھیان تھا کہ اسے خود اس بات کا احساس نہ رہا یہاں تک کہ اس کی جانب سے چائے بننے کے منتظر بابا سائیں نے یہ کام بھی خود کیا۔ اس کے لیے بھی اپنے لیے بھی' پھر مگ اور انڈے کے ساتھ توسٹ کی پلیٹ اس کی سامنے رکھتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

''کوئی بات پریشان کر رہی ہے سکندر؟ ابھی کچھ دیر قبل تو بالکل ٹھیک تھے تم۔'' سکندر چونکا پھر اتنا خفیف ہوا کہ حد نہیں۔

''بابا سائیں! سوری...... ایکچولی میں......'' اس کو بے ربط بے اوسان پا کر بابا سائیں نے مخصوص قسم کی نرمی وحلاوت بھرے انداز میں اس کا کاندھا تھپک کر اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کرتے ناشتے کی سمت اس کا دھیان مبذول کرایا۔

''کھالو پہلے...... ٹھنڈا ہو رہا ہے سب کچھ۔''

''بابا سائیں لاریب بی بی ڈرائیور کے ساتھ شہر چلی جاتیں ہیں۔ مجھے یہاں زمینوں پر بھی کچھ کام تھا تو......'' اس نے بے حد مناسب الفاظ کا چناؤ کر کے لاریب کی خواہش کی تکمیل چاہی تھی۔ جو کچھ جیسے ہو رہا تھا اس میں سوائے نقصان کے کچھ بھی ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ لاریب کی ناراضی میں اضافے سے خائف تھا۔ لاریب دبنے والوں میں سے نہیں تھی یہ تو واضح ہو گیا تھا۔ وہ سود و زیاں سے ماورا ہو کر فیصلے کرنے کی عادی تھی۔ اسے تو یہ تک پروا نہیں تھی کہ سکندر کے حصے میں نقصان آیا یا پھر لاریب

کے اپنے حصے میں جبکہ سکندر کو یقین تھا کشتی اس کی ڈوبنا تھی۔ خود کو بچانے کی کوشش میں ہی یہ کی گئی تدبیر تھی‘ بابا سائیں نے اس کی بات سے تجاہل برتا اور ناشتے میں مشغول رہ کر اسے بھی کھانے کا اشارہ کیا تھا۔ ملازمہ برتن اٹھانے آئی تو بابا سائیں نے اسے لاریب کو بھیجنے کا کہہ دیا تھا مگر سکندر کو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ بابا سائیں لاریب سے اس موضوع پر بات کریں گے وہ بھی اس کی موجودگی میں۔

’’سکندر سے تمہاری کوئی ناراضگی ہے بیٹے؟‘‘ لاریب کے کمرے میں آنے کے بعد بابا سائیں نے کس درجہ سکون سے یہ سوال کیا تھا۔ سکندر تو گڑبڑایا ہی لاریب بھی بھونچکی رہ گئی‘ پہلے اس نے بابا سائیں کو استعجابی نظروں سے دیکھا تھا پھر سکندر کو‘ سکندر نے اس کی آنکھوں کی دلکشی کو قہر و غضب کی لپیٹ میں آتے دیکھا اور سرد آہ بھری۔

’’کیا مطلب بابا جان! میں کیوں کسی سے خفا ہونے لگی؟‘‘ اس کے لہجے کی سرد مہری نے سکندر کے دل میں جیسے غیر محسوس انداز میں کوئی تیر پیوست کر ڈالا۔ وہ نگاہیں جھکائے بیٹھا رہ گیا۔

’’دیکھو بیٹے میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ڈرائیور پر اعتماد نہیں ہے لیکن سکندر کی بات ہی الگ ہے‘ میں اس کی آپ کے ساتھ موجودگی سے مطمئن رہتا ہوں‘ آپ سمجھ رہی ہو نا بیٹے؟‘‘ انہوں نے رسانیت سے کہا۔ لاریب نے ہونٹ کچلتے محض سر کو اثبات میں ہلایا مگر آنکھوں کی سطح پر نمی پھیلتی چلی گئی تھی۔ کیسا مشکل وقت تھا اور بے بسی کا عجب مقام۔ اس کا دل چاہا آگے بڑھے اور بابا سائیں کے چوڑے سینے سے لگ کر بے تحاشا روئے‘ اتنا کہ دل پر دھرا سارا غم ڈھل جائے...... وہ انہیں بتادے‘ ان سے معافی مانگ لے‘ ان سے کہے وہ اسے سکندر سے نجات دلادیں۔ غلطی ہوگئی اس سے مگر اس غلطی کا بوجھ وہ عمر بھر نہیں اٹھا سکتی۔

’’تو پھر جاؤ بیٹے! ابھی نکلو گے تو بھی شام ڈھل جائے گی واپسی پر۔‘‘ بابا جان نے اس کا سر تھپکا۔ وہ انہیں معمول سے زیادہ خاموش‘ زیادہ غمگین محسوس ہوئی تھی۔ لاریب چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔ سکندر جانتا تھا اب اس کی خیر نہیں ہے۔ لاریب کی خاموشی میں جو طوفان چھپے تھے وہ لازمی اس کی ذات کو درہم برہم کرنے والے تھے۔ وہ مضطرب اور بے حد متفکر انداز میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا جب بابا سائیں کی مدھم اور تھکن زدہ آواز پر چونکا۔

’’میں لاریب کی وجہ سے بہت پریشان رہتا ہوں سکندر بیٹے! عباس حیدر کے اس جذباتی فیصلے نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یقینی طور پر لاریب بھی اس طوفان کی زد میں آئی ہے۔ میں اس بات سے سکون نہیں پاتا اگر میری آنکھ بند ہوجائے تو اس کا کیا بنے گا؟ خاندان میں دور نزدیک اس کے جوڑ کا کوئی لڑکا بھی نہیں‘ ایک تم ہو جس کی موجودگی ڈھارس بندھائے رکھتی ہے۔ وعدہ کرو سکندر اگر مجھے کچھ ہوگیا تو تم میری بچی کو بکھرنے نہیں دو گے‘ جب تک اسے اس کی منزل نہیں مل جاتی ساتھ نبھاؤ گے۔‘‘ بابا سائیں نہ جانے کس اضطرابی کیفیت کے زیر اثر تھے کہ اس سے پہلی مرتبہ اس موضوع پر بات کر گئے تھے۔ سکندر تو جیسے پوری ہستی سمیت ہل کر رہ گیا۔

’’آپ پریشان نہ ہوں بابا سائیں! اللہ بہتر کرے گا۔ اللہ پاک آپ کا سایہ رحمت ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے...... آمین۔ امامہ بی بی کی طرح آپ لاریب بی بی کی بھی خوشیاں دیکھیں۔‘‘ بے حد اپنائیت اور محبت سے کہتے سکندر نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکتے ہوئے تسلی دی۔ بابا سائیں نے اس کے سانولے پرکشش چہرے پر شفقت نگاہ ڈالی اور جیسے اس کا دل بہلانے کی غرض سے مسکرا دیئے۔ سکندر کچھ دیر ان کی تسلی و تشفی کے لیے وہاں بیٹھا رہا پھر انہی کے کہنے پر اٹھ کر پورچ میں آیا تو لاریب کو کڑے تیوروں کے ساتھ وہاں اپنا منتظر پایا۔

’’کیا ضرورت تھی سیٹھ صاحب ابھی بھی آنے کی؟ اور انتظار کرایا ہوتا‘ ملازمہ ہوں نا تمہاری کہ تمہارے حکم کی منتظر بیٹھی رہوں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے تیری! کیسے کیسے لوگ کیسے کیسے تیور دکھا رہے ہیں۔‘‘ وہ بن بادل برسات کی طرح برس رہی تھی۔ سکندر نے چپ چاپ سب سنا اور جیب سے چابی نکال کر دروازہ ان لاکڈ کیا۔

(ہاہ کاش کبھی آپ واقعی میرا انتظار کریں جیسے کرنے کا حق ہے‘ صحیح کہتی ہیں آپ مادام! حسرتوں کے مزار بنیں گے میرے) سکندر نے سرد آہ بھری تھی۔

’’پچھلا دروازہ کھولو‘ نہیں بیٹھنا مجھے آگے تمہارے ساتھ۔‘‘ وہ زور سے پھنکاری تو سکندر نے بغیر کسی پس و پیش کے تعمیل کردی مگر جس وقت وہ دروازہ کھول رہا تھا لاریب نے اس کا ہاتھ متنفرانہ انداز میں زور سے جھٹک کر خود یہ کام کیا۔

’’فضول فرمانبرداری کا ڈرامہ نہ کرو میرے سامنے اور شرم تو نہیں آئی ہوگی تمہیں بابا جان سے لگائی بجھائی کرتے۔‘‘ وہ بالآخر پھٹ ہی پڑی تھی۔ سکندر کو اس سے زیادہ برداشت کی امید بھی نہیں تھی‘ ایک بے اختیار قسم کی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھوا تھا۔

’’آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے‘ میں نے بابا سائیں سے اگر کچھ کہا تو وہ آپ کے مفاد......‘‘

’’بکو مت...... سمجھے؟‘‘ وہ حلق کے بل غرائی پھر تنبیہی انداز میں انگلی کھڑی کر کے مزید گویا ہوئی۔

’’مت سمجھنا کہ مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار ہے‘ میں نے آج تک تم سے زیادہ نفس پرست انسان نہیں دیکھا جو اپنی خواہش کی تکمیل کی خاطر کسی حد تک بھی گر سکتا ہے۔‘‘ وہ جیسے ایک بار پھر اس کی عزت نفس پر تازیانہ مار چکی تھی۔ ضبط و برداشت کا پیمانہ چھلکا اور سکندر کے ہاتھوں کی گرفت اسٹیرنگ وہیل پر سخت تر ہوگئی۔

’’آپ کی بدگمانیوں کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے لاریب بی بی لیکن اتنا ضرور کہوں گا بولتے وقت الفاظ کی سنگینی پر غور ضرور فرمالیا کریں۔ مرد کی طاقت اور اختیار کے ساتھ مردانگی پر تازیانہ مارنے والی عورت کی جھولی میں ہار اور ذلت کے سوا کچھ نہیں آتا۔ بپھرا ہوا مرد یہ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس کی اپنی اوقات کیا ہے یا عورت کتنی اعلیٰ مرتبت ہے۔‘‘

’’دھمکی دے رہے ہو مجھے‘ تم درحقیقت ہو کیا؟ اپنی اوقات سے نکل رہے ہو یقیناً۔‘‘ سکندر کی بات سن کر تو وہ غم و غصے کی شدت سے پاگل ہی ہو اٹھی تھی۔ بپھرے ہوئے انداز میں سکندر کی قمیص کا کالر پکڑ کر جس طرح اس نے پیچھے سے جھٹکا دیا تھا وہ بے حد اہانت آمیز احساس تھا۔ سکندر کا سانولا چہرہ سبکی اور تذلیل کے احساس سمیت چند لمحوں میں کتنے ہی رنگ، بدل گیا مگر اس نے کمال ضبط سے خود کو مشتعل ہونے سے روکے رکھا۔ گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور نرمی سے اس کے ہاتھ سے اپنا کالر چھڑوالیا۔

’’یہ بات آپ بھی جانتی ہیں کہ میری پوزیشن دھمکی دینے والی نہیں ہے محض آگاہ کر رہا ہوں وہ بھی اس لیے کہ آپ بھی مت بھولیں ہاتھی اپنی طاقت کے زعم میں ہی

تم پیار کسی سے نہ کرنا

اک عشق نگر کی وادی تھی
جہاں پیار کی ندیا بہتی تھی
کچھ دل والے بھی رہتے تھے
جو پیار کی باتیں کرتے تھے
جب بہار کے موسم آتے تھے
اور پیار کے پھول کھلتے تھے
مست نشیلی شاموں میں
پیار سے دو دل ملتے تھے
ایک روز وہ بستی اجڑ گئی
پھر اک دل کو سوگ لگا
جیون بھر کا روگ لگا
دیوانے پھرتے رہتے ہیں
اور ہر اک سے وہ کہتے ہیں
اقرار کسی سے نہ کرنا
تم پیار کسی سے نہ کرنا

نبیلہ یونس...... فیصل آباد

چیونٹی کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی فرار ممکن نہیں کہ چیونٹی اگر انتقام لینے پر آئے تو ہاتھی کی جان بھی لے سکتی ہے۔ بی کیئر فل لاریب بی بی! مجھے آپ کو ہارتے دیکھنا بھی اچھا نہیں لگے گا۔‘‘ لاریب کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔ اس نے جواباً کاٹ دار نظروں سے سکندر کو دیکھا جس نے گاڑی کی رفتار اب اس لیے دھیمی کردی تھی کہ راستے میں بار بار مال مویشی گائے بھینس اور بکریاں آجاتی تھیں ان کے پیچھے ڈانگ کاندھے پر رکھے نوعمر چرواہا تھا۔ گاؤں کے باسی اس وقت اپنے ڈھور ڈنگر ندی اور جنگل کی طرف چرانے کی غرض سے لے جایا کرتے تھے۔ شام میں واپسی ہوتی تو جانور تازہ دم ہوا کرتے تھے۔ یہ ذہنی سکون تو انسانوں کے ساتھ جانوروں کا بھی بنیادی حق ہے۔ مگر یہ طے ہے کہ نصیب کے بغیر کچھ بھی میسر نہیں آتا‘ چاہے وہ ذہنی و قلبی سکون ہو یا پھر محبت کی فتح۔ لاریب نے یاسیت سے سوچا پھر گہرا سانس بھر کے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

(میں تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کروں گی سکندر تم نے بہت دور تک میرا نقصان کیا ہے)

اس کی سوچوں میں کوئی بپھری ہوئی شیرنی غرائی تھی۔ وہ ایک بار پھر شدت پسندی اور خودغرضی سے صرف اپنے متعلق سوچ رہی تھی۔

......❀......

عباس حیدر اپنی ٹیم کے ہمراہ اسلام آباد ائرپورٹ پر اترا تو صبح کا اجالا اس قدرتی حسن و جمال رکھنے والے شاہانہ مزاج شہر کے خدوخال کو اجالنے میں مصروف تھا۔ سرد ہواؤں کی کاٹ اور ہلکی بوندا باندی ایک دم سے شروع ہوئی تھی اور سبزے سے ڈھکا ماحول بھیگ کر اور بھی دلکش اور سحر انگیزی سمیٹ لایا تھا۔ یہاں سے انہیں مری کے تک مزید سفر کوچ کے ذریعے طے کرنا تھا۔ سارے مرد حضرات میں نندنی ایک اکیلی لڑکی تھی۔ عباس حیدر کو اسی خیال سے اس کی ہر لحاظ سے زیادہ فکر کرنی پڑ رہی تھی۔ ان کے لیے یہاں پہلے سے لگژری کوچ کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ عباس نے ایک بار پھر کوچ کے ڈرائیور سے فون پر رابطہ بحال کیا تو اس نے تمیں منٹ میں پہنچنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

"ہمارے پاس ابھی کچھ ٹائم ہے، آپ لوگ چاہیں تو یہاں اپنی پسند اور ذوق کے مطابق وقت گزار سکتے ہیں۔" وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ جواب میں سب ہی اپنی اپنی رائے سے نوازنے لگے۔ عباس اپنے سیل فون پر مصروف تھا کچھ ای میلز چیک کرتے ہوئے ان کی باتوں کو سرسری انداز میں ہی سن رہا تھا۔ دوسری سمت نندنی تھی، گلابی کلر کے اسٹائلش ٹاپ اور ویلوٹ کے بلیو لانگ اسکرٹ میں ملبوس بے حد خوبصورت اور فینسی جرسی میں ملبوس اپنی تمام تر جاذبیت دلکشی اور سحر انگیزی کے ساتھ صرف عباس کی سمت متوجہ تھی۔ جس کا اونچا لمبا قد اور شہزادوں جیسی وجاہت وخوبروئی کے باعث سیاہ پینٹ کوٹ میں سب سے نمایاں سب سے پرکشش لگ رہا تھا۔ اس کی کھلتی ہوئی سرخ وسفید رنگت سردی کے باعث جیسے دہکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ بلاشبہ وہ کسی ٹھہرے ہوئے فطری منظر کی مانند حسین دلکش اور سحر طراز لگ رہا تھا۔

نندنی اس کی غفلت اور بے خبری کے عالم میں بھی اسے نگاہ بھر کے نہیں دیکھ پائی تھی کہ رعب حسن اسے تاب نہیں لانے دیتا تھا۔ کبھی کبھار اس کے دل میں عجیب وغریب انوکھی خواہش مچلنے لگتی کہ اس جادوگر آنکھوں والے شخص کی سحر طراز چمکیلی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں بند کرے اور پھر دل کی خواہش کے مطابق جی بھر کے اس کی صورت دیکھ پائے۔ اس کے چہرے کے سب ہی نقوش کو ازبر کرے جن پر رعب ودبدبے کے باعث اس کی نگاہ اٹھ نہیں پاتی تھی۔ یہ خواہش جتنی دیوانگی لیے تھی اس سے بڑھ کر تشنگی اور بے چارگی کا احساس لیے ہوئے۔ وہ بھلا اتنی خوش نصیب کہاں تھی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

"آئی تھنک آپ کو سردی لگ رہی ہے مس نندنی" اس خیال کے تحت وہ ازحد ملول ورنجیدہ سر جھکائے بیٹھی تھی، نارسائی کے احساس سے نبرد آزما نڈھال، جب عباس حیدر اسے تنہا پاکر اس کی جانب چلا آیا تھا۔ نندنی نے چونک کر سر اٹھایا۔ عباس حیدر اسی کی سمت متوجہ تھا۔ یہ نظریں جتنی بھی سادہ اور عام نوعیت کی ہوتیں مگر نندنی کے لیے بے حد خصوصی اہمیت کی حامل ہوا کرتی تھیں۔ جو نہ صرف دل کی دھڑکنوں میں ہی بھونچال اٹھاتی تھیں بلکہ چہرے کو بھی دھنک کے سب رنگوں سے گل رنگ کردیا کرتی تھیں۔ نظروں کا یہ تصادم اس کی جان پر بنا گیا۔ سٹپٹا کر نظریں جھکا گئی۔

"خیریت آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" اس کے سرخی میں ڈوبے چہرے اور پلکوں کی حیا آمیز لرزش کو عباس نے کیا خاک سمجھنا تھا، جبھی کسی قدر تفکر بھرے انداز میں سوال کیا تھا۔ نندنی توجہ کے اس سنہرے خوش گماں جال میں قید ہوتی چلی گئی۔

"ج ج جی بس کچھ سردی کا ہی احساس تھا۔" وہ بامشکل ہی الٹا سیدھا جواب دے سکی۔ عباس کی نظریں بدستور اس پر جمی ہوئی تھیں۔

(جاری ہے)

شبِ ہجراں ستاتی ہے اُداسی گھیر لیتی ہے
تمہاری یاد آتی ہے اُداسی گھیر لیتی ہے
تمہاری یاد کی کوئل جو دل کے اُجڑے گلشن میں
کوئی نغمہ سناتی ہے اُداسی گھیر لیتی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عریشہ عباس سے نندنی کو فی الحال میڈیا پر متعارف نہ کرانے کے بابت استفسار کرتی ہے اس کے لہجے میں شک کی آمیزش ہوتی ہے جس پر عباس جھنجلا سا جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ فلم کے آن ایئر ہونے تک وہ اسے متعارف نہیں کرانا چاہتا جس پر عریشہ مزید بدگمان ہونے لگتی ہے اور عباس کو شدید دکھ ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنی کم خوب صورتی کا حوالہ دے کر پریشرائز کرتی ہے اور رونے لگتی ہے جس پر عباس اپنا سارا غم و غصہ بھلا کر اس کی دلجوئی کرتا ہے۔ عریشہ اس پر حویلی کال کرنے کا اور اپنے والدین کو منانے کا دباؤ ڈالتی ہے جس پر عباس چپ ہوجاتا ہے اسے وقاص کا اہانت آمیز رویہ یاد آتا ہے جو اس کی کال پر اس نے اس کے ساتھ اختیار کیا جب ہی عباس دوبارہ عریشہ کو اپنے ساتھ شوٹنگ پر چلنے کے لیے قائل کرتا ہے جس پر وہ انکار کردیتی ہے اور عباس چلا جاتا ہے جس پر وہ اپنے مقصد میں ناکامی پر جھنجلا کر رہ جاتی ہے۔

نندنی شوٹنگ کے حوالے سے شاپنگ کی غرض سے مارکیٹ آتی ہے جب ہی موسم خراب ہوجاتا ہے اور کچھ آوارہ لڑکے اسے تنگ کرنے لگتے ہیں اور اتفاق سے وہاں عباس آجاتا ہے نندنی مارے شرمندگی کے زمین میں گڑھ جاتی ہے۔ عباس اسے اپنے ساتھ گھر لے آتا ہے اور عریشہ سے ملواتا ہے۔ عریشہ اس کی خوب صورتی کو دیکھ کر مزید عدم تحفظ کا شکار ہوجاتی ہے۔ جبکہ نندنی عباس اور عریشہ کی محبت و خوشگوار زندگی میں خود کو ان فٹ محسوس کرتے ہوئے دکھ سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ عباس کی آنکھوں میں عریشہ کا عکس اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ عباس اسے گھر ڈراپ کرتا ہے اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی مان جاتی ہے۔ جبکہ عریشہ کے لیے یہ صورتحال بہت عجیب ہوتی ہے۔

ایمان سسکتے ہوئے امامہ کی تصویریں دیکھ رہی ہوتی ہے جب ہی شرجیل آجاتا ہے اور غصے میں البم پھاڑ دیتا ہے جس پر ایمان شدید صدمے سے دوچار ہوجاتی ہے اور وہیں ڈھیر ہوجاتی ہے۔ شرجیل جب واش روم سے آکر ایمان کی یہ حالت دیکھتا ہے تو فوراً نبیل کو بلا لاتا ہے نبیل ایمان کی ڈریسنگ کرتے ہوئے شرجیل کو اس کی غیر ذمہ داری غصے پر کافی شرمندہ کرتا ہے جب ہی اس کی امی اسے بلا کر کافی طنز و غصہ کرتی ہیں۔ تائی اور امی کی باتوں پر وہ مزید ڈسٹرب ہوجاتا ہے اس کا ایمان کی ذرا سی سائیڈ لینا ہی اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ صبح جب ایمان ہوش میں آتی ہے تو وہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ الگ گھر لینا چاہتا ہے مگر ایمان اسے منع کردیتی ہے کہ وہ اب اس کی والدہ سے اس کا بیٹا نہیں چھین سکتی۔ بلکہ محبت سے ان کا دل جیتنا چاہتی ہے۔ اس کے لیے فی الحال شرجیل کا معذرت کرنا اور اس کا نرم رویہ ہی کافی ہوتا ہے۔

لاریب سکندر کے ساتھ شہر جانے سے منع کردیتی ہے مگر بابا سائیں کے اصرار پر سکندر خاموش ہوجاتا ہے پھر جب وہ لاریب سے پوچھتے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ شاید سکندر نے اس کی شکایت کی ہے جس پر وہ سکندر سے مزید بدگمان ہوجاتی ہے۔

نندنی عباس اور باقی ٹیم کے ساتھ شوٹنگ کی غرض سے نادرن ایریا آجاتی ہے عباس ایک پل کو اس کے صبیح حسن کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتا ہے وہ پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ عباس اس کے پاس چلا آتا ہے۔ وہ عباس کی خود پر جمی نظروں سے کنفیوژ ہوجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁……◉……❁

عباس کے دیکھنے کے انداز میں فکرمندی اور تشویش تھی۔ جب وہ بولا تو یہی تاثر اس کی نظروں کے ساتھ لہجے میں بھی اتر آیا تھا۔

”ابھی جہاں جانا ہے وہاں اس سے زیادہ سردی ہے آپ کو پرابلم ہوسکتی ہے فی الحال تو ہاٹ کافی منگواتا ہوں۔ یقیناً آپ بہتر محسوس کریں گی۔“ فکرمندانہ انداز میں کہتا وہ ہاتھ میں موجود سیل فون پر نمبر پش کرنے لگتا۔ نندنی جو اسے منع کرنا چاہتی تھی کچھ سوچ کر ارادہ ملتوی کرگئی۔ یہ توجہ یہ کیئرنگ انداز اس کے دل کے نخلستان پر برسنے والا ابرِ رحمت تھا۔ وہ کفرانِ نعمت کی مرتکب کیسے ہوجاتی...... اگلے چند منٹ بعد بھاپ اڑاتا مگ اس کے ہاتھ میں تھا۔ نندنی نے گریزاں نظروں سے اسے دیکھا۔

”آپ کافی نہیں لیں گے کیا؟“ عباس جو اسی زاویے سے کھڑا ہنوز سیل فون پر مصروف تھا قدرے چونک کر متوجہ ہوا۔

”نہیں...... کیونکہ مجھے آپ جتنی سردی نہیں لگتی۔“ وہ مسکرا کر نرمی سے بولا۔ لہجے میں خفیف سی شرارت تھی۔ نندنی جھینپ کر رہ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر اس حیا آمیز مسکراہٹ نے اس کے دلکش چہرے کو ایسا انوکھا نکھار اور سحر انگیزی عطا کی تھی کہ عباس حیدر کی نگاہ لمحہ بھر کو ٹھٹک کر اس کے چہرے پر جمی رہ گئی تھی۔ احساس ہونے پر اس نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا۔

(یہ لڑکی بہت خوب صورت ہے عباس اس قدر قیامت خیز حسن ایمان ہلا سکتا ہے۔ قسم سے پہلے اسے مل کر جتنا بھی مبہوت ہوئی تھی مگر اب ڈرنے لگی ہوں کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اسے اپنی مووی سے نکال دو) اسے عریشہ کی بات شدتوں سے یاد آئی۔ جو اس نے پچھلی رات بڑے پرتشویش انداز میں کہی تھی اور عباس نا صرف حیران بلکہ بے حد خفا بھی نظر آنے لگا تھا۔

”میں تمہاری بات کا مائنڈ بھی کرسکتا ہوں عریشہ۔“ دوسرے لفظوں میں یہ مطلب تھا کہ اسے اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اسے یہی بات چڑانے اور مشتعل کرنے کا باعث بنی تھی۔

”بات یہ نہیں ہے عباس دیکھیں میری جگہ پر خود کو رکھ کر سوچیں بار بار کا ملنا ایک ساتھ رہ کا کام کرنا یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ پر یہ چیز اثر انداز نہ ہو۔“ عریشہ کی اپنی رٹ تھی اور عباس اتنا جھنجلایا ہوا تھا کہ زندگی میں پہلی بار اس سے باقاعدہ جھگڑنے لگا۔

”مجھے افسوس ہوا عریشہ کہ تم نے مجھے اتنا عام سا مرد سمجھا لیکن میں ثابت کرنا چاہوں گا کہ میں نہ تو چھچھورا ہوں نہ ہی دل پھینک۔ میرے نزدیک حسن خوب صورتی نہیں جذبات اور محبت اہم ہیں۔ خیر تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی۔“ وہ زندگی میں پہلی بار اس سے سنجیدگی کے ساتھ خفا ہوا تھا۔ عریشہ کی باتوں سے اس کا دل اتنا بوجھل ہورہا تھا۔ وہ اسے اپنے احساسات نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو وہ اسے لاریب سے ملواتا پھر اسے شاید اندازہ ہوتا کہ اس نے عریشہ کی خاطر کیسی بے مثال چکا چوند خوب صورتی کو ٹھکرا کر اس کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے دل میں پہلی بار عریشہ کی جانب سے شکوہ آیا تھا۔

”وین آگئی ہے ساحر بھائی آپ لوگ آجائیں۔“ شیراز نے اس کے پاس آکر کہا تب عباس خفیف سا چونکتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ ناشتا راستے میں وین روک کر ریسٹورنٹ سے پیک کروالیا گیا تھا۔ وین کا سفر ایک بار پھر شروع ہوا کوچ بارہ کہو سے ہوکر موٹروے پر فراٹے بھرنے لگی تھی۔ عباس نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ وہ سب سے الگ تھلگ بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ شعوری طور پر وہ ابھی تک عریشہ کی اس بدگمانی کے حصار سے نہیں نکل سکا تھا۔ اس نے کتنے جتلاتے ہوئے انداز میں اسے کہا تھا۔

”اس لڑکی میں اتنی صلاحیت ہوگی عباس جبھی آپ زندگی میں پہلی بار میری کوئی بات جھٹلا رہے ہیں۔ میرے ایک بار کہنے پر آپ نے فلموں میں کام نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ مجھے بتایئے میری ویلیو ڈاؤن ہوئی ہے یا پھر اس لڑکی

کے حسن کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔" طنز و تمسخر سے ڈوبی آواز میں چھپی کاٹ عباس کے جاگیردارانہ خون کو آگ میں نہلانے کو کافی ثابت ہوئی تھی۔

"تم اپنی سوچوں میں آزاد ہو عریشہ' جو دل چاہے قیاس کرسکتی ہو۔"

بات ذات کے پندار اور انا کے ساتھ عزتِ نفس کی بھی تھی۔ وہ وضاحتیں پیش کیوں کرتا۔ وہ جھوٹا نہیں تھا۔ اس کے دل میں کوئی چور بھی نہیں تھا عریشہ کی تنگ سوچ کے اس رخ نے اسے صرف ہرٹ ہی نہیں بلکہ اذیتوں کے سمندروں میں ڈوبنے ابھرنے کو چھوڑ دیا تھا۔ دوسری جانب عریشہ بھی اسے کہاں توقع تھی اس سے ایسے رویے کی وہ تو جیسے سلگ کر آدھی رہ گئی تھی جبھی ناراضی کے اظہار کو منہ پھلالیا۔ خاموش تو عباس بھی تھا۔ ایک عجیب سا دھندآمیز غبار تھا جو اس کے دل کو ڈھانپتا جارہا تھا۔ عریشہ نے کبھی اس کے مسائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ عباس کی بے تحاشا محبت و اہمیت کو اس نے حق سمجھ کر وصول کیا تھا ہمیشہ۔ اس کے جذبات و احساسات کو سمجھ کر ان کے مطابق ردِعمل کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید وہ ان لوگوں میں شمار ہوتی تھی جو تحفے کو پا کر تحفہ دینے والے کی محبت کے جذبوں کو نہیں سمجھتے بلکہ یہ سوچنے لگتے ہیں ان میں ہی کوئی خصوصیت یا اہلیت تھی کہ انہیں یہ چاہت اور محبت دی گئی۔ یہ لوگ برتری کے احساس سے لبریز' خودی کے زعم میں مبتلا خود کو ہمیشہ اعلیٰ و برتر اور خاص سمجھتے ہوئے دوسروں کو خود سے کم تر درجے پر دیکھا کرتے ہیں۔ عباس کو اتنی سی بات سمجھنے میں بھی بہت وقت لگا تھا۔ اب جبکہ سمجھ لی تھی تب بھی وہ اس حقیقت سے نظریں چرانے کا متمنی تھا اور خوش گمانی کے احساس کو دل میں جگہ دیے بیٹھا تھا وجہ اس کی عریشہ سے محبت تھی۔

اس کی نظریں سیل فون کی اسکرین پر بار بار آس لیے اٹھتی تھیں۔ اسے عریشہ کی جانب سے پیش رفت کی خواہش تھی وہ پہلی بار اس سے خفا ہوا تھا۔ اس خفگی کے اظہار میں بھی مان پوشیدہ تھا کہ وہ اسے اس کے نظریے کو سمجھے گی اور اسے منالے گی۔ رات بھر وہ اس کا منتظر رہا تھا' صبح گھر سے روانہ ہوتے ہوئے بھی یہ آس نہیں ٹوٹی تھی۔ شاید یہ آس کبھی نہیں ٹوٹتی تھی۔ مگر انتظار کی کیفیت بڑی ظالم شے ہے۔ جاں گسل لمحہ لمحہ پگھلاتی ہوئی تو کبھی اتنی سفاک کہ برف میں دبا کر جامد کر ڈالنے پر کمربستہ وہ بھی جامد ہو رہا تھا اور بے خبر تھا کہ کچھ فاصلے پر موجود سندنی پوری جان سے اس کی جانب متوجہ اس کے اضطراب کی گواہ اور اس سے زیادہ بے چین و بے قرار بھی تھی۔

❀......◈......❀

ساری خریداری ہوچکی تو واپسی کو مڑتے اچانک لاریب کو بابا سائیں کی دواؤں کا نسخہ یاد آیا تھا جسے آتے ہوئے وہ خصوصی طور پر بیگ میں رکھ کر لائی تھی کہ ان کی دوائیں ختم ہونے کے قریب تھیں۔

"یہاں فارمیسی پر کچھ دیر کو گاڑی روکنا۔" اسے نا چاہتے ہوئے بھی سکندر کو مخاطب کرنا پڑا کہ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ مگر لہجہ ضرورت سے زیادہ برہم اور تلخ تھا۔ سکندر نے ٹھنڈا سانس بھر کر اس حکم کو سنا اور گاڑی کی رفتار دھیمی کردی۔ اس وقت وہ اسپتال سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔

"لائیں مجھے دیں نسخہ۔" اس نے رخ پھیر کر لاریب کو مخاطب کیا جو سر جھکائے بیگ کھنگال رہی تھی۔ اس بات پر مشتعل انداز میں سر اٹھا کر اسے گھورا۔

"تم عنقریب اپنے اس عہدے سے معزول ہونے والے ہو مسٹر' بہتر ہوگا اپنی کارکردگی کو سمیٹ لو۔" حقارت زدہ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر تنبیہ کرتی دروازہ کھول کر وہ ایک جھٹکے سے اتر گئی۔ سکندر دم بخود رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں یکلخت بے تحاشا جلن اور دھواں بھر گیا۔ وہ ہونٹ بھینچے ساکن بیٹھا رہ گیا۔ اسپتال کی وجہ سے یہاں معمول سے زیادہ رش تھا۔ لاریب دوائیاں لے کر واپس گاڑی میں آن بیٹھی۔ سکندر نے بامشکل خود کو سنبھالا اور احتیاط سے اس رش سے گاڑی نکال کر پھر سے منزل کی جانب ڈال دی۔

مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مستحکم تھی کہ اس کا پہلے سے مضطرب ذہن لاریب کے موڈ کی تباہی کو دیکھتے ہوئے کچھ اور بھی انتشار کا شکار ہوچکا تھا۔ سیل فون کی تسلسل سے ہوتی گنگناہٹ نے اسے چونکا دیا۔ ذرا سا غور کرنے پر جان سکا

تھا یہ لاریب کے سیل فون کی رنگ ٹون تھی۔ لاریب اپنے دھیان میں بیگ کی زپ کھول کر سیل فون نکال رہی تھی مگر اسکرین پر روشن' وقاص حیدر کے نام نے اس کی اجلی پیشانی پر شکنیں نمودار کی تھیں۔ بھلا وقاص حیدر اسے کیوں کال کررہا تھا؟ اسے لگا لازمی کوئی بے سروپا بات ہوگی۔ حسب سابق کوئی دل جلانے والا فقرہ ہوگا۔ اس نے خراب موڈ کے ساتھ کال ڈسکنکٹ کردی۔ اس کا پہلے سے خراب موڈ اس وقت وقاص کی فضولیات کا بار نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ بیل پھر سے بجنے لگی تھی۔ لاریب نے کسی خیال کے تحت کال ریسیو کرلی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ امامہ کی طبیعت کچھ بہتر نہیں تھی۔

"ہیلو امامہ......تو......!" اس کی متفکر پر تشویش آواز کو دبانے کا باعث وقاص حیدر کا بلند آہنگ قہقہہ تھا۔ صاف لگتا تھا وہ اس کی پریشانی کو محسوس کرکے ہی حظ اٹھانے میں مصروف ہوا تھا۔

"فون میں نے کیا ہے اور تمہیں کیا ہے تو تمہاری ڈیئر سسٹر کا تذکرہ کرکے منہ کا ذائقہ تو خراب نہیں کرنا چاہوں گا نا جانِ من۔" اس کا بہکا ہوا انداز لاریب کو شدید ناگواری سے دوچار کرکے رکھ گیا۔

"ہوش میں ہو تم' دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟" لاریب نے اسے جھاڑا اگر وہ سامنے ہوتا تو سر پھاڑنے سے بھی گریز نہ کرتی۔ اتنا ہی غصہ آرہا تھا اسے۔

"صحیح کہتی ہو ڈارلنگ! ہوش صرف شراب ہی تو سلب نہیں کرتی۔ محبوب ہستی کی عنقریب ملنے والی بھرپور اور دلفریب قربت کا تصور بھی چھین سکتا ہے۔ تم بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔ جانِ بہاراں۔" وہ لہک کر بول رہا تھا یقیناً وہ حواسوں میں نہیں تھا۔ اتنا بے لگام اور گستاخ تو وہ کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ لاریب کا وجود جیسے طاقتور یادوں کے زیر اثر بھک سے اڑ گیا۔ اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں سیل فون کو کان سے ہٹا کر لائن کاٹ دی اور خود کو اس کی بے ہودہ بکواس کے اثر سے نکالنے کی سعی کرنے لگی تھی کہ اس پل پھر زور و شور سے فون گنگنا اٹھا۔ لاریب نے جھنجلا کر کال کاٹی تھی۔ یہ طے تھا کہ اب وہ اس کی کوئی بکواس نہیں سن سکتی تھی۔ کچھ رشتے سوائے شرمندگی اور ذہنی اذیت کے کچھ نہیں دیتے۔ وقاص کا شمار انہی میں ہوتا تھا۔ وہ سیل فون کو سائلنٹ پر لگا کر بیگ میں واپس رکھنے والی تھی جب اسکرین چمکی اور وقاص کا ٹیکسٹ موصول ہوا لاریب نے ہونٹ بھینچے اور میسج کھول لیا۔

"تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں' او کے فائن سویٹ ہارٹ آرام سے واپس گاؤں پہنچو۔ یہاں میں بہت شدت سے تمہارا منتظر ہوں۔ آج ہر رکاوٹ ہٹادی ہے تمام راستے صاف ہیں ایسے خوب صورت انداز میں تمہارے حسن کو خراجِ تحسین پیش کروں گا کہ تم خود بھی بھول نہیں سکو گی۔"

لاریب کا چہرہ یوں جل اٹھا جیسے یکلخت کسی نے منہ پر تیزاب پھینک دیا ہو۔ اس نے تیزی سے ٹیکسٹ ڈیلیٹ کردیا مگر وجود پر رینگنے والی چیونٹیوں کی سرسراہٹ کا احساس بڑھتا جارہا تھا گو کہ وہ وقاص کی گھٹیا باتوں کو اہمیت نہیں دینا چاہتی تھی مگر دل گہرے اضطراب میں تھا۔

وہ وقاص کی سوچوں کی آلودگی سے آگاہ تھی۔ جانتی تھی کہ کتنا بے باک ہے یہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ مگر کیا وہ رشتوں کے تقدس اور نزاکت کو فراموش کرکے اس حد تک گر سکتا تھا؟ وہ اس متعلق فیصلہ نہیں کر پارہی تھی۔ جان عجیب مصیبت میں اٹکی جارہی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر وحشت زدہ نظروں سے سکندر کے چوڑے وجود اور مضبوط شانوں کو دیکھا اور اس سے گاڑی کی رفتار بڑھانے کی تاکید کی۔ ابھی اچھا خاصا سفر باقی تھا اور شام تیزی سے ڈھلتی جارہی تھی۔

"خیریت......فون کس کا تھا آپ پریشان ہیں؟" سکندر اس کی جنبش آبرو سے اس کے اندر کو پالیا کرتا تھا پھر اب کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے اضطراب سے لاعلم رہتا۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو مجھے زیادہ پرسنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" سکندر کی اپنائیت بھی اسے شعلہ فشاں بنا گئی تھی۔ اس درجہ توہین آمیز انداز پر سکندر کو ضبط کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔ ہونٹوں کو باہم بھینچے اس نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ پچارو جس وقت گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی مغرب ہونے ہی والی تھی۔ فضا میں دھندلا غبار' خنکی اور

عجیب سی یاسیت گھلی ہوئی تھی مگر خود کو بامشکل سنبھالے بیٹھی لاریب کا چین وقرار اس وقت بالکل رخصت ہوگیا جب اس نے وقاص کی مخصوص جیپ کو اس چوراہے پر اپنا منتظر پایا تھا۔

سیاہ قیمتی سوٹ میں ملبوس جیپ کے کھلے دروازوں سے ٹیک لگائے خبیث مسکراہٹ کے ہمراہ وہ اسے شیطان کا دوسرا روپ نظر آیا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ تو اس کا مطلب وہ محض بکواس نہیں کر رہا تھا وہ واقعی اپنے ابلیسی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہ رہا تھا۔

"سکندر گاڑی کا رخ موڑ دو ہری اپ۔" اضطراری کیفیت کے زیر اثر وہ سیٹ سے اٹھ کر سکندر کی جانب جھکتی ہوئی کچھ ایسے غیر معمولی لہجے و انداز میں چیخی تھی کہ اس کے لہجے میں چھپی سراسیمگی وحشت اور خوف سکندر کو ٹھٹکا کے رکھ گیا۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے محض حکم کی تعمیل کی تھی۔ وقاص کو وہ بھی دیکھ چکا تھا اور اس سے قبل لاریب کی فون کال کے بعد کی بے قراراور اضطراب کو بھی۔ ضروری نہیں بات کو سن کر ہی سمجھا جائے۔ معاملے کی گمبھیرتا کا وہ پہلے سے اندازہ کر چکا تھا۔ لاریب جیسی لڑکی خوامخواہ اس حد تک بے اوسان نہیں ہوسکتی تھی۔

"گاڑی کی رفتار اور تیز کرو سکندر وہ ہمارے پیچھے آرہا ہے۔" لاریب کی ساری توجہ وقاص کی جیپ پر لگی ہوئی تھی جبھی وحشت بھری کیفیت میں وہ اسے بار بار ایک ہی تاکید کرتی تھی۔ سکندر کے اعصاب بے حد چوکنا تھے۔ وہ بہت مشاقی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی کے سائیڈ مرر میں وقاص کی مسلسل تعاقب میں آتی جیپ کو بھی وہ دیکھ سکتا تھا۔ پتا نہیں اس سفر کا انجام و اختتام کیا ہونا تھا جو اچانک ہی اندھا دھند انداز میں حویلی کی مخالفت میں جاری ہوگیا تھا۔ سورج ڈوب گیا اور تاریکی گہری ہوتی چلی گئی۔

گاڑی تنگ کچی سڑک کے بعد یکے بعد دیگرے کئی موڑ مڑ گئی۔ اب وقاص کی جیپ نظر نہیں آرہی تھی۔ نگاہ کے سامنے لامحدود وسعتوں تک پھیلے کھیتوں کے سلسلے کے ساتھ بے آباد زمین تھی۔ یہاں اب سفر جاری رکھنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ کچھ سوچ کر سکندر نے یکدم بریک لگا کر گاڑی بند کردی اور دروازہ کھولتا سرعت سے باہر نکلا۔ لاریب کو اس کی سوچ اور حکمت عملی کی بھلا کیا خبر ہوسکتی تھی۔ جبھی اس کا منہ اس حرکت پر کھلا رہ گیا۔ سکندر نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا اور آؤ دیکھا نا تاؤ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹ لیا اور اپنے ساتھ تقریباً کھینچتے ہوئے وہ اندھا دھند کچے رستے پر بھاگنے لگا۔ لاریب کے حواس اب بالکل ہی جواب دینے لگے تھے۔ وہ ایک طرح سے اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی جارہی تھی۔ ایک جوتا بھی اس کے پیر سے نکل گیا۔ یہ سب اتنا اچانک اس قدر غیر متوقع عمل تھا کہ اس کی جیسے ساری صلاحیتیں ہی بے کار ہو کر رہ گئی تھیں۔

"یہ کیا حرکت ہے..... آر یو میڈ؟" معاً وہ خود کو سنبھال کر حلق کے بل چیخی۔ مگر سکندر کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس کی بات کا جواب دیتا۔ اس کی بھرپور کوشش تھی وقاص کے وہاں پہنچنے سے قبل کسی طرح بھی فصلوں میں خود کو محفوظ کرسکیں۔

وہ بچہ نہیں تھا صورتحال سے اتنا تو سمجھ گیا تھا کہ وقاص سے اس وقت لاریب کی عزت کو خطرہ لاحق ہے۔ اپنی پوزیشن سے تو آگاہ تھا ہی۔ اس وقت وہ نہتا بھی تھا جبکہ وقاص یقیناً تمام تیاری کے بعد ہی میدان میں اترا ہوگا سکندر اگر اپنی جان پر بھی کھیل جاتا اسے وقاص کے شیطانی منصوبے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ موجودہ صورتحال میں اس کے خیال کے مطابق یہ ہی بہترین دفاعی عمل تھا۔ لاریب کی وقتی خفگی کی اس وجہ سے اس نے زیادہ پروا نہیں کی اور یونہی اسے تقریباً کھینچتا آگے بڑھتا رہا وہ لازماً اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوجاتا مگر برا ہوا اس گڑھے کی وجہ سے جس میں عین اس پل اس کا اٹھا ہوا پیر جا پڑا تھا اور وہ توازن قائم رکھے بغیر سنبھلے بنا اس گڑھے میں گرتا چلا گیا ساتھ ہی لاریب بھی کیونکہ اس کا ہاتھ سکندر کی مضبوط آہنی گرفت میں تھا۔ یہ سب کچھ بے حد غیر متوقع اور قیامت خیز تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی حواس بحال نہیں رکھ سکا۔ لاریب تو دہشت کے شدید احساس سمیت بے اختیار چلائی بھی تھی۔ بلبلا تو سکندر بھی گیا تھا کہ سطح پر گرتے ہی اس کا سر پوری قوت سے نیچے کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا تھا۔ اتنی شدت

سے کہ ایک لمحے کو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا مگر اسے بر وقت ہوش میں لوٹنا پڑا تھا لاریب کا نرم و نازک سراپا جو اس کے حواس جھنجھنا کر رکھ گیا تھا وہ اپنی جھونک میں اس کے اوپر آ گری تھی۔ سکندر کا آہنی سینہ اس کے نرم و گداز بوجھ کے نیچے دب چکا تھا۔

لاریب کا چکرایا ہوا دماغ جیسے ہی ٹھکانے پر آیا اور اس ناگوار سچویشن کی ساری تلخی کا احساس جاگا اس نے تڑپ کر فاصلہ بڑھانا چاہا مگر ناکام رہی۔ سکندر کے وجود سے اٹھتی سگریٹ اور آفٹر شیو لوشن کی مخصوص مہک لاریب کے پہلے سے منتشر حواس کو مزید خطا کر کے رکھ گئی۔ وہ اس کے انتہائی قریب تھا اس کی گرم سانسیں لاریب کے چہرے پر بھاپ بن کر لگ رہی تھیں۔ اس لمحے سکندر کے لیے بھی خود پر قابو رکھنا انتہائی دشوار تھا۔ گویا یہ اس کی زندگی کا سب سے قیمتی مگر نازک اور آزمائشی لمحہ تھا۔ چند ثانیوں کو تو اسے سب کچھ بھول گیا تھا۔ مگر اگلے لمحے اس کے ذہن کو خفیف سا جھٹکا لگا۔ لاریب بے آب مچھلی کی مانند تڑپ کر فاصلے پر ہوگئی اور قہر آلود موڈ کے ساتھ اس پر چڑھائی کردی تھی۔ اس کا چہرہ تپنے لگا یوں جیسے آگ سلگ اٹھی ہو جبھی اسے پھنکارتے ہوئے وہ اس کی موجب نازک صورتحال کو بھی فراموش کر گئی ہو۔

"کیا منصوبہ ہے تمہارا..... ساتھ ملے ہوئے ہو نا وقاص کے تم بھی؟" اس کا گریبان پکڑ کر زوردار جھٹکا دیتے ہوئے وہ پھنکاری۔ سکندر سر میں اٹھتی شدید تکلیف کی پروا کیے بغیر سرعت سے سیدھا ہوا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے ہاتھ بڑھا کر لاریب کا منہ سختی سے بند کردیا۔ لاریب کے تو جیسے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

"پلیز لاریب..... کوائٹ پلیز۔ وہ لوگ تعاقب میں ہیں ہمارے۔ اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ ہم یہاں ہیں تو خود سوچیں چھوڑیں گے ہمیں؟" لاریب کے زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑاتے وجود کو نرمی سے سمیٹتا ہوا وہ اتنے رسان سے کہہ رہا تھا کہ لاریب کا خوف کی زیادتی سے بند ہونے کو قریب دل ذرا سا سنبھلا۔ بات اڑے حواس ہونے کے باوجود پلے پڑی تھی۔ جبھی نڈھال انداز میں مزاحمت ترک کی اور اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹانے کو اپنا ہاتھ آگے کیا۔ سکندر نے اس کے مقصد کو سمجھا تو بنا تامل نا صرف اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا بلکہ اسے اپنی گرفت سے بھی آزاد کردیا۔

"ہوسکے تو سیل فون بھی آف کردیں۔ وہ گاڑی کو خالی پا کر فون کے ذریعے ہماری تلاش کرے گا۔" کسی قدر تناؤ سے باہر آتے سکندر نے سرگوشی کی۔ لاریب کو اس کی قربت کا احساس ہوا تو کچھ اور سرک کر دور ہوئی۔ یہ شاید کوئی پرانا کنواں تھا جو اب زیر استعمال نہیں رہا تھا۔ جبھی حادثے سے بچنے کی غرض سے کسی نے اس کے منہ پر جھاڑ جھنکار رکھ کر اس کا منہ بند کردیا تھا۔ مگر وہ اپنی لاعلمی اور اندھیرے کے باعث خطا کھا گئے تھے۔ لیکن یہ بھی غنیمت تھا اس طرح گویا وہ بے حد کھاگ دشمن کی نظر سے پوشیدہ ہوگئے تھے۔ لاریب نے سکندر کی تاکید کے مطابق سیل فون بیگ سے نکال کر آف کردیا تھا۔

وہ کتنی حراساں اور بے کل لگی تھی اسے۔ خوفزدہ ہرنی جیسی بے حد نازک لڑکی۔ سکندر کا بس نہیں چلا اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگا کر سارا خوف سمیٹ لے۔ مگر وہ اس پر قادر کہاں تھا۔ تمام تر استحقاق حاصل ہوجانے کے باوجود ان فاصلوں کو قائم رہنا تھا کہ حیثیتوں کی خلیج بہت گہری تھی۔ سکندر کے اندر جنگ چھڑی تھی تو دوسری جانب وہ بھی کچھ کم خوف زدہ اور بے چین نہیں تھی۔ اس کے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ وقاص کا خوف اس کے غلیظ ارادوں کا ہوا بن کر لاریب کے اعصاب کو ناکارہ کرتا جارہا تھا۔ کچھ دیر قبل کے اس کے الفاظ جیسے اسے دہکتے کوئلوں پر گھسیٹ رہے تھے۔ بدن جھلس رہا تھا عدم تحفظ کا ایسا احساس جاگا تھا کہ وہ سہم سہم کر سانس لیتی تھی۔ معاً اس کی جان حلق میں آن پھنسی اور ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں سرسرانے لگیں۔ دور سے گاڑی کے بھاری انجن کی آواز سنائی دی۔ پھر یہ آواز بتدریج نزدیک تر آ گئی۔

"یہیں کہیں ہے وہ بدبخت گاڑی یہاں ہے تو وہ لازمی اسے لے کر فصلوں میں چھپا ہوگا۔ ڈھونڈو اسے مجھے ہر صورت چاہیے وہ ورنہ میں تمہارے ٹکڑے چیل کوؤں کو کھلا

دوں گا۔" پہلے بھاری قدموں کی بھاگتی دھمک ابھری تھی پھر وقاص کی نشہ سے لڑکھڑاتی ہیجان زدہ آواز نے لاریب کا رہا سہا دم بھی نکال دیا تھا۔ وہ اتنی بے اختیار سکندر کے قریب سرک کر اس کی شرٹ کالر کے نزدیک سے مٹھیوں میں بھینچ کر ننھی بچی کی طرح لرزتی اس سے چپک گئی۔ سکندر اس انہونی اور اچانک افتاد پر صحیح معنوں میں جیسے دہکتے تندور میں جا پڑا جس نازک جذباتی کشمکش کا وہ شکار تھا اس پر لاریب کی یہ قربت' گویا چنگاری پر تیل ڈال کر الاؤ بھڑکانے والی بات تھی۔ وہ سرتاپا لرز اٹھا۔ لاریب اس کی وحشتوں سے بے خبر خود کو اس کے کتنا نزدیک لے آئی۔ وہ خزاں زدہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی اور اضطراری کیفیت کے زیر اثر اس کے کاندھے سے اپنا چہرہ رگڑ رہی تھی۔

"میں نے سارے کھیت اور فصلیں چھان ماری ہیں سرکار' وہ دونوں کہیں نہیں ہیں۔" سکندر نے اس غضب کی آزمائشی کیفیت میں کمداری خوف سے لرزتی آواز سنی تھی جواب میں وقاص آپے سے باہر ہوتا دھاڑتا رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ مزید وقاص نے وہاں طوفان برپا کیے رکھا تھا وہ طیش میں چیختا اور پھنکارتا رہا تھا۔ سکندر جیسے پل صراط پر چل رہا تھا۔

اسے کبھی یہ دعویٰ نہیں رہا تھا وہ فرشتہ صفت انسان ہے مگر وہ کسی کے جذبات واحساسات کے مخالف چل کر محض نفس کی غلامی میں فریق ثانی کے اعتماد کی دھجیاں بکھیر کر انسانیت کی سطح سے گرنے کا بھی قائل نہیں تھا۔ بھلے لاریب سے اس کا قانونی وشرعی رشتہ استوار تھا مگر یہ بھی طے تھا کہ لاریب ایک مرد کی جانب سے عزت کے خوف میں مبتلا ہو کر اس کی قربت میں پناہ ڈھونڈنے آئی تھی۔ وہ اس کا اعتماد کیسے بے مول کر دیتا۔ اسے تو بس جس احساس نے قیامت کی اذیت سے دوچار کیا تھا وہ یہی تھا کہ لاریب کے نزدیک وہ آج بھی اتنا غیر اہم تھا کہ وہ وقاص سے خائف ہو کر اگر تحفظ کی خواہش میں اس کی جانب آئی بھی تھی اس کی مردانگی اس کے جذبات کو خاطر میں لائے بغیر۔

"خود کو سنبھالیں اب وہ لوگ جا چکے ہیں میرا خیال ہے اب ہمیں بھی نکلنا چاہیے۔" لاریب کے نوخیز سراپے کو رعونت زدہ انداز میں جھٹک کر خود سے دور کرتا ہوا وہ اتنے سرد انداز میں کہتا اٹھ کر کھڑا ہوا تھا کہ لاریب جو اس کی پناہ میں سب کچھ فراموش کیے ہوئے تھی چونک کر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی اور خود کو سنبھال کر اپنا دوپٹا کھینچا جو تقریباً ڈھلک چکا تھا۔

"یہاں سے تو نکلنا بھی آسان نہیں ہوگا' میرے خدا...... اب کیا کریں؟" اپنی جیب سے سیل فون نکال کر اس کی ٹارچ آن کیے کنوئیں کی چکنی اور پانچ فٹ اونچی دیوار کا جائزہ لیتا ہوا جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔ لاریب نے ایک خفت زدہ نگاہ اس پر ڈالی اس کے ذہن پر اپنی کچھ دیر قبل کی حرکت کی شرمندگی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔

(شٹ ایسا بھی کیا خوف' پتا نہیں کیا سمجھ رہا ہوگا خود کو اب طرم خان کی اولاد) وہ بے دردی سے ہونٹ کچل رہی تھی۔ سکندر پہلے کسی نہ کسی طرح خود باہر نکلا پھر ہاتھ پکڑ کر لاریب کو اوپر کھینچا۔ لاریب کو صاف محسوس ہوا اس نے یہ عمل کس درجہ سرد مہری اور مشینی انداز میں انجام دیا تھا۔ ایک پل کو ایسا لگا تھا جیسے وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود چلتا بنے گا۔ انسلٹ سے کہیں زیادہ گہرا احساس حیرت زدگی کا تھا۔ اسے خاک سمجھ نہیں آ سکی سکندر کا موڈ اس قدر تباہی کے دہانے پر کیونکر پہنچا ہوا ہے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے سکندر' اگر وہ لوگ کہیں چھپ کر بیٹھے ہوئے ہمارے باہر نکلنے کے منتظر ہوئے تو......!" گاڑی کی سمت بڑھتے اس نے نا چاہتے ہوئے بھی اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ سکندر چلتے ہوئے ٹھٹک کر رکا۔ اس امکان کا خدشہ تو اسے بھی لاحق تھا مگر اس وقت یہ رسک بھی ضروری تھا۔ بہرحال رات یہاں گزاری بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پیچھے کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ عقب میں ہل چلی ہوئی زمین اور کچھ ٹنڈ منڈ درخت اور سامنے کچھ فاصلے پر موجود ان کی گاڑی تھی۔ سر جھٹک کر سکندر نے قدم بڑھا دیے یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے سر سے بہتے گاڑھے خون پر لاریب کی نظر جا پڑی تھی۔ جو بہہ کر گردن کے ساتھ اس کی سفید براق قمیص کا ایک حصہ بھی داغ دار کر چکا تھا۔ وہ یکدم ساکن ہو کر رہ گئی۔

"تم زخمی ہو سکندر' یہ چوٹ کیسے لگی تمہیں؟" اس کی تشویش بڑی قابلِ دید تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو سکندر اس

خصوصیت بھری توجہ ومحبت کے مظاہرے پر قربان بھی ہو سکتا تھا۔ مگر اس وقت اندر کوئی احساس نہیں جاگا۔ وجہ یہی تھی وہ اپنے ساتھ ساتھ پوری دنیا سے بھی روٹھا ہوا لگتا تھا۔ جبھی کان دھرے بغیر گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے دیکھی تو اندازہ ہوا۔ وہ خبیث انسان جاتے ہوئے کمینگی دکھا گیا تھا۔ گاڑی کے تمام ٹائر پنکچر تھے۔

"دھت......!" باہر نکل کر جائزہ لیتے سکندر کے اعصاب پر جھنجلاہٹ ظاہر ہونے لگی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے سکندر' کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس کی بے نیازی ولاتعلقی کو دیکھتی لاریب کا ضبط رخصت ہو گیا تھا۔ جبھی ڈپٹ کر بولی۔ خطرہ ٹل جانے کا احساس اسے اچھا خاصا ریلیکس کر گیا تھا۔

"یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے مادام' صد افسوس اتنی سی چوٹ سے مرنے سے بھی رہا ہوں۔" سیل فون جیب سے نکال کر ڈرائیور کریم بخش سے رابطہ بحال کرنے کی کوشش میں مصروف وہ اتنے جھلائے ہوئے انداز میں بولا تھا کہ لاریب حق دق رہ گئی۔ سکندر مطلق دھیان دیے بنا اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔ پہلے اس نے کریم بخش کو گاڑی لے کر آنے کا کہتے ایڈریس ذہن نشین کرایا پھر بابا سائیں کو کال کر کے انہیں مختصر گاڑی خراب ہونے بتاتے تاخیر پر پریشان نہ ہونے کی تاکید کرتا رہا۔

"آپ بس آدھا گھنٹہ انتظار کریں بابا سائیں' ہم ان شاء اللہ پہنچ رہے ہیں۔" اس نے وقاص کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لاریب کی تسلی کے لیے یہی کافی تھا۔

"یہ لو دوا لگا لو زخم پر' خاصا گہرا لگتا ہے۔ ابھی تک بلیڈنگ ہو رہی ہے۔" لاریب نے بابا سائیں کے لیے جو ادویات خریدی تھیں ان میں احتیاطاً پائیڈین اور کاٹن کو بھی شامل کر لیا تھا جو وہ گھر میں ہمہ وقت رکھا کرتی تھی۔ اس وقت یہی کام آئی تھی۔ سکندر نے سیل فون جیب میں رکھتے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا پھر دونوں چیزیں لے کر ڈیش بورڈ پر پٹخ دیں۔ منہ سے کچھ نہ کہنے کے باوجود اس کے تاثرات پھاڑ کھانے والے ہو رہے تھے۔ لاریب کی طبع نازک پر جیسے کاری چوٹ پڑی۔ اس نے بے ساختہ اسے گھورا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تمہارا دماغ کس بات پر خراب ہے۔ مگر یہ زخم بے پروائی کا متقاضی ہرگز نہیں ہے لاؤ میں ڈریسنگ کر دیتی ہوں۔" اس نے صرف کہا نہیں بلکہ زبردستی سکندر کا سر تھام کر اپنے زانو پر رکھا اور ہاتھ کی انگلیوں سے ٹٹول کر زخم تلاش کر کے بال ہٹا کر متاثرہ جگہ کا جائزہ لیتی زخم کی ڈریسنگ میں مشغول ہو گئی۔ جبکہ سکندر کے تو جیسے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اب بھلا تھی مجال اس میں کہ اس ساحرہ کے حکم سے سرتابی کر سکتا۔ لاریب نے اسپرٹ میں روئی بھگو کر پہلے زخم صاف کیا پھر دوا لگا کر روئی کو زخم کے کھلے منہ پر رکھ دیا۔ سفید پٹی کو نرمی سے لپیٹ کر گرہ لگاتے ہوئے اس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"زخم گہرا ہے سکندر' میرا خیال ہے اسٹیچنگ ہوگی ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا' سن رہے ہو؟" اسے گم صم پا کر لاریب نے اسے کاندھے سے پکڑ کر خود سے پرے ہٹایا۔ سکندر کی نظر محض لمحہ بھر کو اس سے ملی تھی۔ کیا کچھ نہ تھا اس ایک نظر میں۔ محبت' طلب' نارسائی' کرب' بے بسی۔ لاریب نے پورا نہیں تو کسی حد تک ضرور جان لیا تھا۔ اس نگاہ کے تقاضوں کو جبھی خائف ہوتے فی الفور نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ اسے یکدم ہی جیسے اپنے اور اس کے بیچ رشتے کا احساس جاگا تھا۔ جبھی مضطرب ہوتی رخ پھیر گئی۔ خاموشی کا گہرا احساس تمام تر معنی خیزیت کے ساتھ ان کے بیچ تھرتھرانے لگا۔ لاریب کا دل خدشات لیے دھک دھک کر رہا تھا۔

"کیوں فکر مند ہوتی ہیں بی بی صاحبہ' محافظ لٹیرے نہیں ہوتے وہ اپنا آپ داؤ پر لگا کر بھی اپنا فرض نبھایا کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ زہرخند تھا۔ لاریب کے سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا۔ سکندر کا یہ جتلاتا ہوا انداز اسے زمین میں گاڑھ کر رکھ گیا تھا۔ کتنا چاہا تھا اس نے اپنے مخصوص آتش فشانی موڈ کے ساتھ اس کا سامنا کرے مگر اسے شدید ناکامی کا شکار ہونا پڑا۔ سکندر پھر فون پر مصروف تھا۔

"کریم بخش کہاں ہو تم؟" کریم بخش نے جانے کیا کہا تھا کہ وہ کھٹاک سے اپنی جانب کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"نیچے تشریف لائیے، کریم بخش گاڑی لے آیا ہے۔"
لاریب نے اترنے سے قبل گردن موڑ کر نیچے دیکھا کچھ فاصلے پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمک رہی تھیں۔ وہ بے اختیار نیچے اتر آئی تھی۔

❀......◈......❀

وہ مسحور کھڑی ماحول کی خوب صورتی کو اندر اتار رہی تھی۔ ہلکے ہلکے سبزے سے ڈھکے پہاڑ اردگرد کے ماحول کو خوابنا کی تاثر عطا کررہے تھے۔ شام دھیرے دھیرے ختم ہوکر رات میں تبدیل ہورہی تھی۔ انہیں یہاں بھوربن کے ہوٹل میں قیام کا یہ تیسرا دن تھا۔ پرسوں علی الصبح وہ یہاں پہنچے تو ہر کسی نے تھکان کے باعث آرام کو ترجیح دی۔ نندنی کو ایسے میں بھی کہاں چین تھا۔ محض ایک گھنٹے کی نیند لے کر وہ چہل قدمی کو باہر نکل آئی تھی۔ ماحول کی دل کشی اور خوب صورتی نے جیسے اسے جکڑ لیا۔ خوب پیارے سے رنگوں کے مفلر، کوٹ، ٹوپی میں ملبوس وہ اردگرد کا نظارہ کرتی سرخوشی کی کیفیت میں چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ اسے ماحول کی اجنبیت سے بالکل بھی خوف نہیں آیا۔ ریسٹ ہاؤس کے سامنے سیاہ سڑک جو شہر تک جاتی تھی سامنے گھاس کا میدان اور اس کے اختتام پر آسمان سے ہم کلام ہوتے پہاڑ، دائیں جانب ٹیڑھا میڑا راستا، پگڈنڈیاں، پہاڑ، نیم تاریکی اور خوشبو کے ساتھ سبزے کی باس، انجان پھولوں کی دل لبھاتی مہک، خوفناک دریا ایک گمان کی صورت دکھائی پڑتا تھا۔ وہ محو تھی، مگن تھی، ہوتی کیوں نہ مبہوت کرنے کا سارا سامان تھا قدرتی خوب صورتی سے لے کر عباس حیدر کی ساحرانہ قربتوں سمیت۔

موسم کے تیور یک دم بدلتے تھے بے نیاز و مغرور محبوب کی طرح۔ وہ تو حیران ہوکر پل پل روپ بدلتے موسم کے تیور دیکھ رہی تھی۔ ابھی تیز دھوپ تھی، اگلے چند منٹوں میں آسمان پر بدلیاں، پھر آسمان تاریک شفاف نیلم کی طرح لگتا۔ دھوپ گم ہوتی تو منظر سائے کی چادر اوڑھ لیتا۔ ہر شے ہی رنگ بدل دیتی۔ گھاس کے کتنے رنگ تھے ہر صبح قدرت گردو نواح کے نئے روپ پیش کرتی۔ پھر وہاں کے رہائشی لوگوں کا خیرہ کن حسن، پھٹے پرانے کپڑوں میں کی سختیاں سہتے وہ جیسے گدڑی میں لعل چھپے تھے مگر یہ سب کچھ مل ملا کر بھی عباس کے چہرے کے آگے ماند پڑ جاتا تھا۔ وہ ایسا سورج تھا گویا جس کی آب و تاب ہی ہر منظر کو اجالتی ہے۔

کل رات عباس اور اس کے دیگر ساتھی موج مستی کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے علاقائی لوگوں کے عشائیے میں ان سے گیت سنے تھے۔ آگ کا الاؤ روشن تھا اور اس کے اطراف وہ سب براجمان تھے۔ ایسے میں نندنی کی نظریں یا تو عباس حیدر کا گھیراؤ کررہیں ہوتیں یا پھر جھکی رہتیں۔ وہ بے خبر اور مگن تھی مگر عباس جو اتنے سارے مردوں کی موجودگی میں اکیلی نندنی کا وہاں بیٹھنا پسند نہیں کررہا تھا اس وقت کچھ اور بھی مضطرب ہونے لگا تھا۔ جب اس نے پروڈیوسر آفاق کی نظروں کا حصار نندنی کے گرد بندھتا محسوس کیا تھا۔ حیران تو عباس پہلے بھی تھا جب آفاق نے انہیں آج سہہ پہر جوائن کیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پیڑ گننے میں دلچسپی نہیں رکھتے بس پھل کھانے والے ہوتے ہیں۔ وہ خواری کا قائل نہیں تھا۔ جتنا بڑا رئیس تھا اس قدر سہل پسندی اس کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔ اس کڑے موسم میں اس طرح آکر کام میں دلچسپی لینا تو ہرگز سمجھ نہیں آتا تھا۔ عباس کو اپنی اس الجھن کا سرا اس وقت ہاتھ آیا جب اس نے آفاق کو نندنی کے گرد چلاتے پایا تھا۔ بات اگر یہاں تک رہ جاتی تب بھی قابل قبول اور برداشت تھی۔ آفاق کی بے باکی بڑھی تھی اور وہ نندنی پر ذومعنی اور کسی حد تک چیپ فقرے بھی کسنے لگا تھا۔ آفاق کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ عباس کھل کر اسے سرزنش کرتا، کر بھی لیتا۔ وہ بہرحال نندنی کے حوالے سے کسی اسکینڈل کو افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ عریشہ تو پہلے ہی اس سے اچھی خاصی بدگمان ہوچکی تھی۔ اسی معاملے کو لے کر جھی وہ چپ سادھنے کے سوا کچھ نہیں کرسکا تھا۔

"میں تو اسی صورت ڈانس کروں گا اگر کوئی حسین ہمراہی میسر آئے۔" شوخ گانے کی دھن پر جب ان کے کئی ساتھی اٹھ کر محو رقص ہوئے تو کسی نے عباس اور آفاق کو بھی آفر کی تھی عباس تو مسکرا کر ٹال گیا مگر آفاق نے پھر پٹڑی چھوڑ دی۔ اس کی ہوس زدہ نظروں کا مرکز نندنی کے علاوہ کس کا وجود

ہو سکتا تھا۔

"مس نندنی! میرا خیال ہے آپ کو جا کر آرام کرنا چاہیے۔ رات بہت ہوگئی ہے۔" عباس کسی طرح بھی اب خود پر جبر نہیں کرسکا اور نندنی کو وہاں سے اٹھانے پر تُل گیا۔ نندنی تو چونکی تھی ہی آفاق بھی بری طرح جز بز ہوگیا۔

"پاگل ہوسا حیار چراغوں میں روشنی بجھانے کی بات کر رہے ہو۔" وہ صاف بہکا ہوا تھا۔ عباس نے اندر ہی اندر تلملا کر اس کی بات نظر انداز کردی۔

"جایئے نندنی' کل ہمیں شوٹ کرنی ہے۔ آپ فریش ہوسکیں گی۔" اب کہ اس کا لہجہ کڑا اور سخت تھا۔ نندنی گڑبڑا کر یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔ عباس کا بگڑا ہوا موڈ جتنے بھی پردوں میں پوشیدہ تھا مگر وہ بے خبر نہیں رہ سکی۔

"آیئے میں آپ کو کمرے تک رہنمائی کردوں۔" آفاق بھی اٹھا تھا عباس نے بروقت اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"ابھی تو محفل عروج پر ہے۔ بھنگڑا نہیں ڈالیں گے آپ۔" وہ جیسے زبردستی مسکرایا تھا۔ لحاظ اور پردہ برقرار رہنا چاہیے تھا۔ یہی بہتر تھا ان تینوں کے حق میں۔ عباس جانتا تھا آفاق بھی یقیناً سمجھتا تھا جبھی ڈھیلا پڑ گیا۔ نندنی تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ لائٹ جلا کر اس نے بستر پر جاتے جاتے کھڑکی کی جانب دیکھا۔ پردے تنے ہوئے تھے۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور بیڈ پر آ گئی جب ہی اس کے فون کی میسج ٹون گنگنائی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر بے دھیانی میں میسج کھولا مگر عباس کا نام دیکھ کر اسے جیسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ سکا۔ دل کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل سی ہونے لگی۔

"اپنے روم کی کھڑکیاں اور دروازہ اچھی طرح بند کرلیں۔ کوئی بھی ہو دروازہ نہیں کھولیے گا صبح سے پہلے" عجیب ہدایات تھیں۔ وہ تو جیسے ششدر ہو کر رہ گئی یہ حیرانی تمام ہوئی تو اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے لبریز ہونے لگے تھے۔ اس نے کچھ سوچا پھر نچلا لب دانتوں تلے داب کر ساری لائٹیں بجھادیں۔ اس کے بعد کھڑکی کے آگے تنا پردہ ذرا سا سرکایا گلاس ونڈو سے نیچے لان کا منظر بالکل واضح تھا۔ روشنیوں سے چمکی سبز گھاس کے قطعے' دو فٹ اونچی سفید لکڑی کی گرل نما حد بندی اور آگ کے الاؤ کے گرد وہ دنیا بھر کا حسین ترین چہرا۔ اس شب اس نے ہر خوف ہر احساس سے ماورا ہو کر اسے جی کر دیکھنے کی خواہش پوری کی تھی۔ یہاں تک کہ عباس وہاں سے اٹھ کر چلا بھی گیا مگر وہ مبہوت سی بعد میں بھی وہیں کھڑی رہی۔

❁......۞......❁

ٹیرس کی ریلنگ کے اوپر دونوں ہاتھ جمائے وہ سائے میں ڈوبے ماحول کو تک رہی تھی آسمان بالکل تاریک تھا اور ستارے بے حد روشن۔ نشیب میں آبادبستی کے کسی گھر میں روشنی چمکتی نظر آتی تھی۔ ہواؤں کی شوریدہ سری عروج پر تھی جو اس کے بالوں اور شال کو اڑائے جاتی تھی۔ یہ موسم کی شدت ہی تھی کہ ہر سو اتنی جلدی سناٹا چھا گیا تھا ورنہ ابھی رات کے صرف آٹھ ہی بجے تھے۔ آج دن میں اس نے یہیں سے کھڑے ہو کر سنو فالنگ میں انجوائے کرتے اپنے دیگر ساتھیوں کو دیکھا تھا۔ عباس کی اس رات کی تنبیہ کے بعد وہ سب کے ساتھ بیٹھنے سے گریز برتا کرتی۔ سب لوگ بیچے شغل میں مصروف تھے۔ فراغت کا ان کے پاس آج آخری دن تھا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ جی بھر کے مگن تھے۔ فراز سنو مین بنانے کو سب سے زیادہ شور ہنگامہ کر رہا تھا۔ جس سے سب ہی محظوظ ہو رہے تھے۔ جب سب کے سنو مین تیار ہوئے تو سب سے زیادہ شاندار فراز کا ہی تھا۔ جس کی بلا جھجک سب نے تعریف بھی کردی۔

"یہ اتنا چارمنگ اس لیے ہے کہ میں نے ساحر بھائی کا تصور ذہن میں رکھ کر بنایا ہے۔ ساحر بھائی اپنا ٹوپا دیں۔ یہ ایک دم سج جائے گا۔" فراز نے عباس کے سامنے بے حد تعظیم سے جھکتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلائے تو عباس خفیف سا ہو کر مسکرایا اور اپنی سرحدی کیپ سر سے اتار کر اس کی جانب بڑھا دی۔ فراز نے 'یاہو' کا بلند و بانگ نعرہ مارا یوں جیسے دنیا فتح کرلی ہو اور بھاگتا ہوا اپنے سنو مین کی جانب آ گیا پھر بہت نزاکت سے کیپ اسے پہنائی اور بڑے اسٹائل میں اسے سیلوٹ پیش کیا۔ تقریباً سبھی اس کی حرکتوں

سے لطف اٹھا رہے تھے۔

"ارے ظالمو کوئی میری تصویر ہی بنادے میرے شاہکار کے ساتھ۔" وہ بسورا تو کتنے ہی ہاتھ حرکت میں آئے اور اپنے اپنے سیل فون کا کیمرا آن کردیا۔ فراز مسخروں کی طرح مختلف پوز دینے لگا معاً وہ مچلا۔

"جب تک سنو مین کو جپھی نہ ڈالی تو تصویر کا حسن مکمل نہیں ہوتا' اجازت ہے ساحر بھائی؟" وہ شوخی سے آنکھیں نچا کر بولا۔ ایک بار پھر قہقہہ پڑا ساتھ ہی فراز نے سنو مین کو دبوچ لیا۔ چونکہ یہ قدم کچھ زیادہ ہی جذباتیت میں ڈالا گیا تھا جبھی سنو مین دھڑام سے گر کر اس کے قدموں میں برف کا ڈھیر بن گیا۔ فراز تو جیسے دھک سے رہ گیا۔ یہ ٹوٹا تو اس کا غصہ دیکھنے والا تھا۔ وہ شدید طیش میں برف ٹھوکروں سے اڑانے لگا۔ عباس کی ٹوپی ایسے میں کب اس کے پیروں تلے آئی کب مسلی گئی اس کا دھیان ہی کہاں تھا۔ مگر نندنی بے اختیار چیخی تھی اور پھر یونہی غصے سے چلاتی نیچے دوڑی آئی۔ اس کا پیروں کو چھوتا میکسی نما لباس اس کے جوتے کی ایڑی تلے آ کر مسلا جانے لگا مگر اس کو پروا ہی کب تھی۔ اس کی آنکھیں غم و یاس کی مظہر تھیں تو چہرہ دکھ کی تصویر۔ اس نے پہلے جھک کر ٹوپی اٹھائی جھاڑی اور سینے میں بھینچ لی۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ سب حق دق رہ گئے تھے۔ ایسا سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کوئی ہو ہی نہ نندنی البتہ اسی ہیجان زدہ کیفیت میں فراز پر گرج برس رہی تھی۔

"شیم آن یو سر کی عزت اور تم نے اسے اپنے گندے بے ہودہ پیروں میں روند ڈالی۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل تھیں۔ صرف فراز ہی گنگ نہیں تھا دیگر لوگ بھی سکتہ زدہ تھے اس کا ردِ عمل ہی ایسا انوکھا اور شدید تھا۔ اتنی عام سی بات اور ایسا قہر' خود عباس بھی بھونچکا رہ گیا تھا جبھی وہ صورتحال کی گمبھیرتا کے خیال سے خود آگے بڑھا۔

"ہوں...... ہوں اٹس او کے مس نندنی' کیا ہوگیا لائیں مجھے دیں کیپ۔" عباس کو خود کو سنبھالنا پڑا کہ جن آنکھوں میں حیرت اور غیر یقینی تھی۔ ان میں اب معنی خیزیت تھی۔ وہ نظریں نندنی اور عباس کو فسانے گھڑتی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ عباس نے آگے بڑھ کر اتنے نارمل انداز کو اختیار کیا جیسے اس کے نزدیک یہ غیر معمولی بات ہو اور بڑا واقعہ ہی نہیں۔

"نہ...... ہرگز نہیں...... اب یہ اس قابل نہیں کہ آپ اسے پہنیں۔" نندنی کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔ اس کی آنکھوں کی نمی ہر لمحہ بڑھتی جارہی تھی۔ کیپ کو اس نے ہنوز سینے سے بھینچا ہوا تھا۔ عباس میں ہمت نہیں تھی کہ اطراف میں موجود نگاہوں کی معنی خیز کھنکاروں کو برداشت کرتا۔ خاص طور پر آفاق کی نظریں جیسے انگارے تھیں دہکتے ہوئے۔

"واٹ نان سینس مس نندنی' بی ہیو یور سیلف۔ بچی نہیں ہیں آپ۔ ناؤ گیٹ لاسٹ فارم ہیئر۔" وہ دبے ہوئے لہجے میں اتنا مدہم بولا تھا کہ نندنی ہی سن پائی۔ نندنی کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر ساکن کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر ایک لفظ کہے بغیر پلٹ کر بھاگی تھی۔

"بے چاری عام سی لڑکی! حسن شے ہی اتنی ظالم ہے یار۔" آفاق اس کے نزدیک آ کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوتا ہوا تاؤ دلانے والے انداز میں بولا تھا۔ عباس کسی طرح بھی خود پر ضبط نہ کرسکا تو اس پر بھی چلا اٹھا۔

"شٹ اپ آفاق صاحب کو بیٹ' میں ہرگز کوئی بے ہودگی برداشت نہیں کروں گا اوکے؟" اس نے انگلی اٹھا کر کہتے اسے گھور کر دیکھا اور لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد بھی وہ کھولتا رہا سب سے زیادہ غصہ ہی اسے نندنی پر تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ چہل قدمی کو نکلا تھا۔ واپس ریسٹ ہاؤس آیا تو نندنی کو ٹیرس پر کھڑے پا کر اس کے قدم لمحہ بھر کو تھمے تھے پھر وہ ہونٹ بھینچے اس کی جانب پیش قدمی کر گیا تھا۔

نندنی نے بے اختیار گردن موڑی۔ وہ اس کے سامنے اپنے طلسمی سراپے کے ساتھ موجود تھا۔ عباس اس کے یوں غیر متوقع طور پر متوجہ ہونے پر تھوڑا سا حیران ضرور نظر آیا مگر کچھ کہا نہیں وہ کہاں جانتا تھا نندنی اس ایک شخص کے قدموں کی چاپ سن کر بھی اسے پہنچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عباس مضبوط قدموں سے چلتا اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا تھا۔ اس کا انداز بے حد سنجیدگی اور گمبھیرتا لیے

ہوئے تھا۔ نندنی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"پوچھ سکتا ہوں نندنی صاحبہ یہ احمقانہ حرکت کیوں کی آپ نے؟" اس کی سرد بے حد مدہم آواز میں تنبیہ کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ اسے نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ نندنی کی رنگت متغیر ہوئی۔

"میں حیران ہوں آپ کو اتنی سوجھ بوجھ بھی نہیں کہ اس قسم کا رویہ آپ کے لیے مشکلات کھڑی کرسکتا ہے۔ پہلی فلم کے شوٹ کے بعد اگر خدانخواستہ اسکینڈل بن گیا تو پورا کیریئر داؤ پر لگ جائے گا۔ آپ کو اپنا نہیں تو میرا خیال کرنا چاہیے تھا۔ میں ہرگز بھی اس قسم کا اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا۔" آخر میں وہ اپنی برہمی کو کسی طرح بھی ظاہر ہونے سے روک نہیں سکا۔ نندنی ہنوز خاموش تھی کسی مجرم کی طرح سر جھکائے گم صم۔ البتہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں ٹوٹ کر بکھرنے لگی تھیں۔ عباس کی جھنجلاہٹ بڑھی۔

"سن رہی ہیں کیا کہہ رہا ہوں میں آپ سے؟" وہ بھڑکا تھا۔ نندنی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے محض سر ہلایا پلکیں ابھی بھی نہیں اٹھی تھیں۔ آنسوؤں میں البتہ روانی آ گئی تھی۔ عباس نے سرد آہ بھری۔

"رات جو میں نے ٹیکسٹ بھیجا تھا وہ پڑھا تھا آپ نے؟" عباد کی آواز میں پھر سے سرد پن غالب آنے لگا۔ نندنی کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔ وہ جیسے پوری جان سے متوجہ ہوئی سر ہلا کر رہ گئی اور عباس کا غصہ اس کے اثبات میں جواب ملنے پر ہی آسمان کی وسعتوں پر پرواز کرنے لگا تھا۔

"یہ اثر لیا ہے آپ نے اس بات کا۔" وہ پھنکارا اور اسے آنچ دیتی نظروں سے گھورنے لگا۔ نندنی کا رنگ فق ہوگیا۔ اس نے سراسیمہ ہوکر عباس کو دیکھا جس کی رنگت شدید غصے کے باعث لال ہورہی تھی۔

"کیوں کھڑی ہیں اس طرح رات کے وقت اکیلی، کمرے میں جائیں پلیز۔ میرے لیے مشکلات کو مت بڑھائیں۔" وہ چیخ گیا تھا اور نندنی اپنی آنکھوں میں اترتی دھند کی پروا کیے بغیر پلٹ کر اندھا دھند اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی اگلی صبح وہ ناشتے کے لیے بھی باہر نہیں آئی تھی۔ تقریباً گیارہ بجنے کو تھے۔ جب عباس کو خود اس کا خیال آیا تو اس کی جانب چلا آیا۔ اس کی دستک کے جواب میں نندنی نے دروازہ کھولا اس کا چہرہ ستا ہوا اور پپوٹے بوجھل تھے۔ وہ دروازے سے ہٹ گئی تو عباس گہرا سانس بھرتا اندر چلا آیا۔

"آئی ایم سوری، رات میں آپ سے مس بی ہیو کر گیا ایکچولی میں کچھ اپ سیٹ تھا تو......!" عباس کی وضاحت اور معذرت نے نندنی کو ایسے تڑپا کے رکھ دیا جیسے کسی نے چابک رسید کیا ہو۔

"اٹس اوکے...... پلیز نو ایکسکیوز۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ٹوکا۔ بھلا یہ محبت کے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ وہ دیوتا ہوکر داسی کے آگے جھکتا ہے اچھا لگ سکتا تھا۔ عباس نے ایک نظر بغور اسے دیکھا۔ کل کے آف وائٹ لباس میں جس پر شکنیں پڑ چکی تھیں۔ بال پشت پر بکھرے تھے مگر اس بے ترتیبی میں بھی بلا کی خوب صورتی کے باعث ایک حسن تھا۔

"اگر آپ نظریں اٹھا کر کسی کا چہرہ دیکھ لیا کریں تو اس سے اور کچھ نہ سہی کم از کم یہ تو ہوگا کہ آپ لوگوں کے رویوں اور تاثرات کو پہچان کر اپنا بروقت بچاؤ کرسکیں گی۔" عباس حیدر کا لہجہ اصلاحی تھا۔ نندنی نے بے ساختہ ٹھٹک کر الجھ کر اسے دیکھا مگر اسے پہلے سے متوجہ پا کر اس کی نم لانبی پلکیں حیادار انداز میں لرز کر فی الفور جھک گئیں۔

"م...... میں سمجھی نہیں؟" وہ واقعی گڑبڑا گئی تھی۔ عباس نے تناؤ کی کیفیت میں مبتلا ہوتے اسے دیکھا اور سرد آہ بھری۔

"آفاق صاحب سے احتیاط کیا کریں۔ وہ کچھ اچھے اخلاق کے مالک نہیں ہیں۔ میرا کام آپ کو مطلع کرنا تھا باقی آپ خود بہتر سمجھتی ہیں۔ میں ناشتا بھجوا رہا ہوں کرلیجیے گا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے بغیر پلٹ کر چلا گیا۔ نندنی گم صم متفکر کھڑی تھی۔

❋......✺......❋
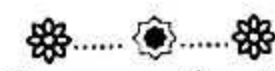
"میم آپ کی طبیعت ٹھیک ہے تو شوٹ کی تیاری کریں۔ ساحر صاحب نے پوچھا ہے۔" نندنی اپنے کمرے میں تھی بیڈ پر دراز متفکرانہ سوچوں میں الجھی ہوئی جب اس کے سیل پر

عباس کے اسسٹنٹ شیراز کی کال آئی تھی۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ اسے قطعی اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ ایسا کیا کرے جو یہ ناگوار سلسلہ یہیں رک جائے۔ یہ کام اس کی عادت فطرت اور مزاج کے جتنا بھی خلاف تھا مگر اس نے محض عباس کی قربت کی اندھی خواہش کی تکمیل کی غرض سے سراب کا پیچھا کیا اور واقعی جیسے کسی دلدل میں آ پھنسی تھی۔

عباس نے جس انداز میں اسے آفاق کے حوالے سے آگاہ کیا اور پھر ساری ذمہ داری اس پر ڈال کر بری الذمہ ہوگیا وہ احساس جتنا بھی حقیقت کے قریب ہو مگر اذیت سے بھرپور تھا۔ عباس کی ذات میں واقعی وہ اتنی مگن تھی کہ اردگرد کیا ہو رہا تھا سب فراموش کر ڈالا۔ امیر کبیر مگر بھاری تن و توش کا مالک آفاق اسے اپنی حریصانہ نظروں کے ساتھ شدید قسم کے عدم تحفظ کے احساس سے دوچار کیا تھا۔ یہ ذہنی ہیجان ہی تھا کہ وہ بیمار پڑ گئی تھی۔ اتنا شدید بخار تھا کہ اگلے روز اسے اپنا ہوش نہیں رہی تھا۔ وہاں اس کی بیماری کے حوالے سے سب کا یہی خیال تھا کہ موسم کی شدت کو برداشت نہیں کر پائی اور ٹھنڈ لگ گئی۔ کئی گھنٹوں کی غفلت کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں ہلکا نیلا غبار پھیلا ہوا تھا اس کا ذہن بے دار ہوا تو ساتھ ہی پھر وہی ٹینشن اس کے اعصاب پر حملہ آور ہونے لگی جس نے اس نوبت تک پہنچایا تھا۔

"ارے ارے ریلیکس مس نندنی! اینڈ ٹیک اٹ ایزی۔" اسی لمحے اس کی خبر گیری کو آنے والا عباس اس کی پھر سے بند ہوتی آنکھوں سے اس کی بے ہوشی کا اندازہ لگا کر ہی بے ساختہ گھبرا کر ٹوک گیا۔ اس حیات آمیز آواز میں اتنی قوت تو تھی کہ نندنی کا بوجھل ہوتا ذہن جھٹکا کھا کر جاگا اور اس نے بے ساختہ گردن موڑی تھی۔ زندگی جیسے تمام تر دلکشی کے ساتھ بانہیں کھولے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ گئی۔ وہ خواب آور نظروں سے عباس کو تکتی اپنی خوش بختی کا خود کو یقین دلانے لگی کہ ابھی وہ مکمل طور پر ہاری نہیں ہے۔ ابھی زندگی کی سب سے اہم وجہ اور بنیاد موجود ہے۔ عباس مجسم حقیقت بنا اس کے روبرو تھا۔

"بہت پریشان کر کے رکھ دیا آپ نے۔ اب الوداع کہیں اس بیماری کو پلیز، دکھائیں ٹمپریچر ہے ابھی۔" عباس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اپنے ہاتھ میں اس کی کلائی تھام لی اور نندنی کی جیسے نبض تھم گئی تھی جسم الگ پسینے سے شرابور ہونے لگا۔ لمس تھا کہ انگارہ جس نے پورے وجود کو دہکا ڈالا تھا۔ اگر عباس مزید چند سیکنڈ بھی اپنا ہاتھ نہ ہٹاتا تو لازمی وہ اپنی جان سے گزر جاتی۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ اعصاب لرز رہے تھے اور ضبط آندھیوں کی زد پر آئے پتے کی طرح لرزتا تھا۔ نارسائی کا احساس اس پل جان لیوا حد تک سفاک اور بھیانک تھا۔ جبکہ دوسری جانب عباس اپنے لمس اپنے قرب کی تباہ کاریوں سے یکسر بے خبر اسی متوازن لہجے میں مخاطب تھا۔

"کیسا محسوس کررہی ہیں اب آپ خود کو؟" اور نندنی کو اپنا آپ دار پر چڑھا ہوا محسوس ہونے لگا۔ کیا بتاتی وہ اسے کیسے بتاتی۔ اس کا بس ہی کیا تھا۔ یہی بے بسی کا شدید احساس تھا جس نے اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے کے بعد چھلکا دیں۔ اس میں تو تاب نہیں تھی کچھ بولنے کی۔ اسے اپنے احساسات پر کنٹرول ہی نہ رہا تھا۔ دل اتنا شاکی تھا کہ دھاڑیں مار کر رونے کا طلبگار ہو رہا تھا۔ اس پر اپنے اس پاگل پن سے خائف ہوتے اس نے عیاں نہ ہونے کے خوف سے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ اسے ڈر تھا اس نازک ترین لمحے میں آنکھیں اس کی خواہش کی مجنونیت کے آگے ہار کر دل کا حال عیاں نہ کردیں۔ یہ بھی شکر ہوا تھا کہ عباس حیدر کی توجہ بٹ گئی۔ اس کے سیل پر کال آ رہی تھی۔ وہ اس سے معذرت کرتا پلٹ کر باہر چلا گیا اور نندنی خود سے لڑنے کو تنہا رہ گئی۔

"میم پلیز ٹیل می! ساحر صاحب کا کہنا ہے کہ اگر آپ تھوڑی سی ہمت کریں تو کچھ سین فلمائے جاسکتے ہیں۔ ایکچولی آج سنو فالنگ زوروں پر ہے نا۔" شیراز کی کال دوبارہ آئی تھی۔ شیراز اس کی خاموشی سے اکتا کر اپنی بات پر زور دینے کو عباس کا حوالہ دے رہا تھا۔ نندنی نے سرد آہ بھرلی۔ اس نے جانا تھا اب وہ انکار کی پوزیشن میں نہیں رہی ہے۔ انکار کی صورت عباس کی خفگی کا سامنا ہوتا جسے وہ ہرگز سہنے کا یارا نہیں رکھتی تھی۔ اسے ہاں کہنی پڑی اور پھر وہ اٹھ کر اپنی

تیاری میں مشغول ہوگئی تھی۔ یہ سین اسے تنہا ہی اوکے کروانے تھے۔ یہ ایک امیر کبیر لڑکی کی کہانی تھی جو اس علاقے میں بغرض سیاحت آئی ہے۔ یہیں اس کی ملاقات فراز یعنی ہیرو سے ہوتی تھی۔

وہ خاصی بے بسی سے تیار ہوئی تھی۔ میک اپ آرٹسٹ شہلا صدیقی تھیں جنہیں عباس نے نندنی کی شائی اور گریزاں نیچر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں آنے کے بعد ہائر کیا تھا۔ اس تعاون کے لیے نندنی چاہ کر بھی اس کی مشکور نہیں ہوسکی تھی کہ اس کے اعصاب پر تو موی کے کئی بولڈ سین اور آفاق کی حریصانہ نظروں کا پہاڑ جیسا بوجھ دھرا ہوا تھا۔

''مجھے لگتا ہے آپ خود کو فریش نہیں پا تیں نندنی' یہ آپ کا پہلا پراجیکٹ ہے جو واضح رہے آپ ساحر صاحب کے لیے کر رہی ہیں۔ یو نو وہ اتنے لکی ہیں کہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے ہیں تو سونا بن جاتی ہے۔ اس موی کے نوے فیصد چانسز کلک کر جانے کے ہیں پھر بھی آپ بالکل ایکسائیٹڈ نہیں ہیں۔'' شہلا صدیقی کی حیرت اپنی جگہ بجا تھی۔ نندنی اب اسے کیا جواب دیتی۔ محض مضمحل سا مسکرائی۔

''انچولی میں ابھی خود کو فریش اینڈ ایکٹیو فیل نہیں کرتی اور کوئی بات نہیں ہے۔''

''آپ بہت امپریسیو اینڈ فیسی عینک حد تک حسین ہیں۔ میک اوور کی تو بس فارمیلٹی نبھانا پڑتی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ اس کی تعریفوں میں رطلب السان ہوچکی تھی۔ تب ہی نندنی کی تیاری مکمل ہوئی۔ نندنی کے چہرے پر البتہ کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ وہ اسی سپاٹ انداز میں اٹھ کر باہر آگئی۔ بے دلی اور یاسیت اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ وہ اس پل بلیو جینز پر وائٹ ٹاپ اور بہت ساری پاکٹس والی تیز گلابی رنگ کی بہت اسٹائلش جیکٹ میں ملبوس تھی۔ سر پر گلابی ہی اونی ٹوپی تھی جس کے اطراف سے لہراتے اس کے سلکی بال شانوں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ الٹرا ماڈسی لڑکی دکھائی دیتی تھی مگر اس کی جاذبیت اور معصومیت اسے کسی نازک سی گڑیا کی طرح دکھا رہی تھی۔ عباس نے دانستہ اس سے نگاہ ہٹالی۔ سامنے بل کھاتی سڑک تھی۔ دائیں جانب آسمان چھوتے پہاڑ اور بائیں جانب گہری کھائیاں اور آڑھی ترچھی ندی جو اتنی بلندی سے دیکھنے پر ایک لکیر کی صورت نظر آرہی تھی۔ آسمان نیلا تھا۔ چمکیلا بلور جیسا۔ مگر گھنے درخت اس کے اجالے کی راہ میں حائل تھے کہ وہ اپنی روشنی زمین تک پہنچا سکتا۔ اس کے اردگرد بادلوں جیسی تاریکی تھی۔ کہیں کوئی ڈھیٹ کرن پتوں پر ناچ اٹھتی تھی کبھی بس۔ وہ سب ابھی مناظر سے لطف اندوز ہوتے آکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عباس نے گہرا سانس کھینچا اور سبزے کی باس اور جنگلی پھولوں کی مہک کو محسوس کرنا چاہا۔ یہاں تو سبزے کا بھی رنگ اور ہی تھا اور عجیب پھول جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے بلکہ پھولوں کے رنگ بھی نئے تھے۔

عریشہ کی اس کے معاملے میں اپنائی گئی ہٹ دھرمی اور بے حسی اسے ہر لحہ اذیت دینے میں مصروف تھی۔ بھلا اس سے قبل کب اس نے بے مائیگی کے احساس کو چکھا تھا جو برداشت کرنے کا ہنر آتا۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور کھڑکی سے باہر نگاہ کی جہاں قدرت کی صناعی ہر سو بکھری پڑی تھی۔ ترچھی چھتوں والے گھر پہاڑوں سے گرتے برف کی صورت جمے جھرنے اور مختلف رنگوں کے فلک بوس پہاڑ' خوبانی اور اخروٹ کے درختوں کی یہاں بہتات تھی مگر ہر شے کو برف کی چادر بہت نرمی سے ڈھانپتی جارہی تھی۔ ونڈ اسکرین پر وائپر گرتی برف کو ہٹانے میں مصروف تھے۔ مزید پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد گاڑی روک دی گئی۔

''یہاں سے آگے پیدل جانا ہوگا' ساحر بھائی!'' شیراز کے کہنے پر عباس جو اپنے خیالوں میں محو تھا چونک کر متوجہ ہوا اور گہرا سانس بھرتا اپنی طرف کا دروازہ کھولنے لگا۔ باہر نکل کر اس نے جگہ کا جائزہ لیا۔ یہ نیچے وادی کو جاتا ٹیڑھا میڑھا راستہ تھا جس پر پھسلن ہو رہی تھی کہ اردگرد پھیلی گھاس پر گری برف نے راستے کو مزید دشوار بنا دیا تھا ایک جانب گہری اور تاریک گھاٹیاں تھیں دوسری جانب بہت بڑے اور اونچے پہاڑ تھے جو آسمان کے سروں سے ہم آغوش تھے۔

''راستا تنگ ہی نہیں خطرناک بھی ہے لہٰذا دھیان سے چلیے گا؟'' عباس نے سر سے برف جھاڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو تاکیداً کہا تھا۔ پھر یہ چھوٹا سا قافلہ اس سرسبز راستے پر ہولیا تھا۔ سبھی بے حد چوکنا تھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتے تھے۔ شیراز ہی یہاں سب کو گائیڈ کر رہا تھا۔ باقی سب اس کے پیچھے تھے۔ نندنی سب سے آخر میں تھی۔ وہ اتنی اپ سیٹ اور غائب دماغ ہو رہی تھی کہ ویسی چابک دستی اور احتیاط کا مظاہرہ نہیں کر پا رہی تھی جو اس راستے پر چلنے کے لیے ضروری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا دو سے تین مرتبہ پیر پھسلا مگر وہ بروقت سنبھل گئی تھی۔ چوتھی مرتبہ یہ بے احتیاطی اسے گویا لے ڈوبی تھی۔ اس کا پیر پھسلا تو وہ خود کو چاہنے کے باوجود سنبھال نہیں سکی اور دل خراش چیخ کے ساتھ ہزاروں فٹ گہری کھائی میں نیچے لڑھکتی چلی گئی۔

❀……◈……❀

سکندر سونے کی تیاری تقریباً مکمل کر چکا تھا۔ دھیمے سروں میں دروازہ بجا کر لاریب نے اندر قدم رکھا۔ سکندر کی حیرانی اس کی پھیل جانے والی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے تم سے زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' آنکھیں چار ہونے پر اس نے اپنے مخصوص تنفر بھرے انداز میں اپنی آمد کی وضاحت پیش کی۔ سکندر نے گہرا سانس بھر کر سرہانے پڑی اپنی شرٹ اٹھائی اور پہننے لگا۔

''ڈاکٹر کے پاس گئے تھے تم؟'' بیڈ سے کچھ فاصلے پر موجود کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ اپنے مقصد کی بات کریں۔'' اس کا چہرہ ہنوز سپاٹ تھا۔ لاریب کو عجیب سی توہین محسوس ہوئی۔ (بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے پتا نہیں خود کو سمجھنے کیا لگا ہے) وہ جل گئی تھی لعنت بھیجنے والے انداز میں اسے دیکھا اور سر جھٹک کر خود کو اس احساس سے نکالا۔

''میں وقاص کی گھٹیا حرکت کی وجہ سے پریشان ہوں۔ تشویش کی بات تو ہے نا' اسے اتنی جرأت آخر ہوئی کیسے سکندر وہ اس سے پہلے بھی ایسی چیپ حرکت کر چکا ہے۔ یاد ہے جب وہ میرے بدلے میں امامہ کو پکڑ چکا تھا یہیں میرے کمرے کے باہر......!'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بات کر رہی تھی جبکہ سکندر کے پتا نہیں کتنے زخم ادھڑ گئے تھے۔

''آپ کے خیال میں یہ بھولنے والی بات ہے؟ شک آپ نے مجھ پر کیا تھا بلکہ الزام لگایا تھا اسی طرح رات کے وقت تفتیش کرنے آئی تھیں نا؟'' سکندر نے اپنی سرد نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ اس کا لہجہ و انداز پھنکارتا ہوا تھا۔ لاریب کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزرا۔ اس نے بے ساختہ انداز میں نظریں چرالیں۔

''ہاں بس وہ غلطی تھی میری' میں تب وقاص سے اتنی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کرتی تھی۔'' اس نے بالآخر اعتراف جرم کر کے سکندر کے ہونٹوں پر زہر خند بکھیر دیا تھا۔

''غلطیوں کا سلسلہ موقوف کیوں نہ ہوا پھر؟'' اس کا لہجہ آنچ دینے لگا تھا۔ لاریب نے چونک کر تا مبہم نظروں سے اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کچھ کہتی وہ اسی برہم انداز میں پھر گویا ہوا۔

''وقاص سے آپ کو ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی اور مجھ سے تھی۔ کیا آپ مجھے اتنا ہی گرا ہوا انسان سمجھتی ہیں؟'' لاریب کا رنگ فق سا ہوگیا اس نے گڑبڑا کر اسے دیکھا تھا۔ سکندر نے یہیں اکتفا نہیں کیا۔

''اور گستاخی معاف محترمہ' میں بہر حال انسان ہوں۔ فطری تقاضوں سے مبرا نہ سمجھیں مجھے۔ اس قسم کی بے احتیاطی کسی دن مہنگی نہ پڑ جائے آپ کو۔ مزید یہ کہ اس قسم کے معاملات میں سارا قصور ساری غلطی مرد کی ہی نہیں ہوا کرتی۔'' سکندر کا اشارہ اس طرح رات کو اس کے پاس چلے آنے کی طرف تھا۔ لاریب نادان نہیں تھی کہ سمجھ نہ پاتی جبھی احساس ذلت اور سبکی کے ساتھ ساتھ خجالت سے بھی منجمد ہو کر رہ گئی۔ چہرہ ایسے دہک اٹھا جیسے کسی نے آگ سلگا ڈالی ہو۔

''ٹھیک ہے' میں صبح بات کروں گی تم سے' تم اچھے خاصے گھٹیا ہو چکے ہو ویسے۔'' ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے وہ شدید غصے میں دل کی کیفیت کو الفاظ کا روپ دے گئی تھی۔ جو

اسے مہنگی پڑی۔ سکندر کو تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ جبھی وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اور لاریب کی کلائی وحشی انداز میں دبوچ کر اپنے مقابل کیا۔

"میرا خیال ہے آج آپ کو شرافت اور گھٹیا پن کے درمیانی فرق کو اچھی طرح سمجھا ہی دوں۔" اس کے محض ایک زوردار جھٹکے کے نتیجے میں لاریب کسی پلاسٹک کی گڑیا کی مانند ہوا میں لہرا کر بستر پر منہ کے بل جا گری تھی۔ سکندر کے فقرے کی ذومعنیت اور بلا کے زہریلے پن نے اس کے چہرے کو سراسیمگی کا اشتہار بنا دیا تھا۔ دھڑکنوں میں جیسے طوفان برپا ہو کر رہ گیا۔ سکندر کے چہرے پر وحشت آمیز غیض بھرے تاثرات تھے اور تیور حد سے بڑھ کر جارحانہ۔

"مم...... میں مذاق کر رہی تھی سکندر...... پلیز مجھے جانے دو۔" اس کا سارا اعتماد اور طنطنہ سکندر کے غیض و غضب کے سامنے پل بھر میں رخصت ہو گیا۔ ثابت ہوا تھا وہ جتنی بھی بے نیاز اور روڈ بنتی تھی اندر سے عام سی لڑکی تھی۔ خطرے کے وقت پانی پر بلبلا ثابت ہونے والی۔ مگر سکندر کا غم و غصے سے سلگتا دماغ اس وقت کسی مصلحت یا گنجائش کا متقاضی نہیں تھا۔ وہ طیش سے بھرا ہوا تھا جبھی اس پر جھک کر جارحیت بھرے انداز میں اس کا چہرہ اپنے بے رحم سخت فولادی ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"تمہارے نزدیک میں سر سے پیر تک مذاق ہوں۔ میری عزت نفس، میری مردانگی، میری انا کسی کو بھی خاطر میں لانا تمہاری توہین ہے۔ تمہارے نزدیک میں موم کا پتلا ہوں کہ تم جب جی چاہے جس انداز میں چاہو مجھے استعمال کرو اور پھینک دو۔ میں تمہیں بتانا چاہوں گا لاریب بیگم کہ میں انسان ہوں جیتا جاگتا۔ جذبات و احساسات سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ تمہارے نزدیک یہ ایک بے معنی کھیل ہو گا مگر میرے لیے نہیں یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ بن چکا ہے۔" وہ اس کی ہراس سے پھٹ جانے والی نم آنکھوں کو گھورتا ہوا پھنکار کر بولتا رہا۔ لاریب کی اس کے خوفناک تیوروں کے آگے حواس باختگی کا عالم بھی عجب بے بسی لیے ہوئے تھا۔ مارے بے بسی و توہین کے ضبط کا پارہ تمام ہوا تو ٹپ ٹپ آنسو اس کی لانبی پلکوں سے ٹوٹ کر بکھرے اور سکندر کے ہاتھ [illegible] بھگو گئے۔ سکندر یوں ٹھنڈا پڑ گیا جیسے کسی نے بھڑکتی آگ پر یکلخت پانی ڈال دیا ہو۔

"یہاں سے چلی جاؤ لاریب اور کوشش کرنا مجھے [illegible] اس طرح سے ڈسٹرب نہ کرو۔ میں ایک بار پھر تم پر رحم کھا رہا ہوں۔ حالانکہ نہ تو تم اس قابل ہو نہ مجھے اس کی خواہش ہے مگر...... ایک بات یاد رکھنا اب مجھ سے طلاق کا مطالبہ [illegible] ورنہ انجام کی ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔" اسے چھوڑ کر سیدھا ہوتا ہوا وہ بے حد سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔ لاریب کا وہ حال تھا کہ "جان بچی سو لاکھوں پائے۔" وہ اٹھ کر اندھا دھند بھاگی۔ اس طرح کہ سکندر کو گمان گزرا وہ اس کی آخری بات خاص طور پر ڈھنگ سے سن بھی نہیں پائی۔ اس پر عمل کرنا تو دور کی بات تھی۔ توہین کا سلگتا ہوا احساس اسے خاکستر کرنے لگا۔ وہ بستر پر اوندھے منہ گرا تو گلابی خوشبو [illegible] دوپٹے سے چہرہ مس ہوا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا لاریب کا دوپٹا بستر پر پڑا تھا۔ جو وہ یہیں چھوڑ گئی تھی۔ [illegible] عجیب سے احساسات سے مغلوب ہو گیا۔

"جب بھی آتی ہو شدید ترین کرب کے ساتھ اپنی کوئی نہ کوئی نشانی چھوڑ جاتی ہو لاریب بی بی! یہ بے پروائی تو اچھی بات نہیں۔" وہ اٹھا تھا اور دوپٹا اٹھا کر الماری کے سب سے نچلے خانے میں اس کے سنہری جھمکے اور ٹوٹی ہوئی سرخ چوڑیوں کے ٹکڑوں کے ساتھ رکھ دیا۔ اب طیش کی جگہ عجیب سا دل گداز احساس تھا جو اسے جکڑ رہا تھا۔

(وہ پریشان تھیں، مجھے ان کی بات تو تحمل سے سننی چاہیے تھی۔ پریشانی بانٹنے کے بجائے میں اپنے زخم کریدنے میں لگا جاتا ہوں۔ یہ تو محبت کے ادب کے سراسر منافی ہے۔ پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے مجھے) ملول سے انداز میں لائٹ بند کر کے بستر پر لیٹنے کے بعد کروٹیں [illegible] خود اپنے اوپر خفا ہوتا رہا تھا۔

❀......◉......❀

وہاں اس ویران اور سنسان جگہ پر یکلخت افراتفری مچ گئی تھی۔ حادثہ ایسا تھا کہ کوئی بھی شخص اعصاب کو [illegible]

ہونے سے نہیں بچا سکا۔ لیکن عباس حیدر کی پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اسی لمحے تاریک اور گہری کھائی میں خود اتر کر نندنی کو زندہ نکال لانے پر تلا ہوا تھا مگر اسے بڑی مشکلوں سے روکا گیا۔

"ٹیک اٹ ایزی ساحر بھائی، مس نندنی کو میں یہاں سے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ سکتا ہوں مطلب یہ کہ وہ لڑھک کر بہت نیچے پستی میں جا گری ہیں۔ ہم یہاں سے انہیں احتیاط سے نکال سکتے ہیں مگر بے احتیاطی خطرناک ہو سکتی ہے۔" شیراز جو پگڈنڈی پر لیٹ کر بھاری ٹارچ سے نیچے کھائی میں روشنی ڈال کر جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اچھی خبر کے ساتھ پرجوش انداز میں اٹھا مگر عباس جھنجلا سا گیا تھا۔ جبھی غصے میں اس پر الٹ پڑا۔

"کمال کرتے ہیں آپ شیراز صاحب، معاملہ انسانی جان کا ہے۔ احتیاط کا دامن پکڑے بیٹھے رہیں تو کوئی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا ہے۔ ہٹیں آپ میں خود دیکھتا ہوں۔" وہ اتنے حتمی دوٹوک اور قطعی انداز میں بولا تھا کہ پھر کسی کو کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں ہو سکی اور وہاں موجود ہر شخص نے حیرت و تحیر کے عالم میں دیکھا کہ عباس نے اپنی جان کو کھلے خطرے میں ڈال کر کھائی میں اترنے کے بعد نندنی تک رسائی حاصل کی تھی۔ وہ سب اوپر حق دق ہی رہ گئے تھے۔

"ساحر بھائی آپ واپس چل کر نہیں آئیے گا یہ سراسر رسک ہے آپ رکیں میں کرتا ہوں کچھ۔" شیراز ہنوز اسی انداز میں لیٹا ہوا ٹارچ سے ان دونوں پر روشنی ڈال رہا تھا۔ عباس نندنی تک پہنچنے میں تو احتیاط سے کام لے چکا تھا وہ تنہا تھا اور پتھروں کی آڑ اور سہارا لے کر نیچے اتر گیا تھا مگر واپسی پر نندنی کے بے ہوش وجود کو لے کر یہ مرحلہ طے کرنا ہرگز بھی آسان کام نہیں تھا۔ ان کے پاس پیراشوٹ کی رسی اور دیگر ضروریات کی ساری چیزیں موجود تھیں جو کسی ایسے ہی حادثے کی صورت میں احتیاطاً رکھ لی گئی تھیں مگر عباس نیچے اترتے ہوئے اس احتیاط کو خاطر میں نہیں لایا تھا۔ دراصل وہ نندنی کے ساتھ ہو جانے والے اس حادثے کی وجہ سے اتنی تشویش اور فکر مندی کا شکار ہو گیا تھا کہ حواس سلب ہو گئے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں اس پل ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔

مگر اب نندنی کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد وہ قدرے ریلیکس تھا۔ جس قسم کا لباس نندنی پہنے ہوئے تھی جسمانی چوٹوں سے تو بچت ہو گئی تھی ہاں البتہ چہرے کے ساتھ گردن پر کچھ خراشیں ضرور تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ اور بے ہوشی کی وجہ خوف کی گہری علامت ہی ہو سکتی تھی۔ عباس نے احتیاطاً اس کی دھڑکن چیک کی تھی جو نارمل تھی۔ اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔ چند لمحوں کے توقف سے اوپر سے رسی نیچے پھینکی گئی تھی جس کے ساتھ عباس کو اپنے ساتھ ساتھ نندنی کو بھی باندھنا تھا تاکہ پیر پھسلنے یا پھر لڑکھڑانے کی صورت میں وہ کھائی کی تاریکیوں میں گرنے سے محفوظ رہیں مگر درحقیقت کٹھن اور اعصاب شکن مرحلہ یہی تھا۔ وہ جتنا بھی لاتعلق اور بے نیاز رہتا تھا مگر ایک یکسر غیر انجان نوجوان لڑکی کو خود سے اتنا نزدیک لا کر رسیوں سے بندش کرنے کا تصور ہی اسے عجیب سی کنفیوژن میں مبتلا کر رہا تھا۔ محض ایک سال قبل جب وہ خود بطور ہیرو فلموں میں کام کرتا تھا تب اس کے لیے یہ بے حد معمولی اور عام بات تھی مگر عریشہ سے شادی کے بعد وہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ وجہ یہی تھی وہ عریشہ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اب اس کے آس پاس ایسی کسی بات کا خیال بھی عجیب تھا۔ ایک لمحے کو وہ پچھتایا بھی خوامخواہ جذباتیت میں خود نیچے اترنے کی جلدی کی یہ کام ذرا تحمل اور بردباری کے مظاہرے کے ساتھ کسی سے بھی لیا جا سکتا تھا مگر اب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار بھی نہیں تھا۔

برف گرنے کی رفتار میں تیزی اور شدت آ رہی تھی۔ اوپر سے اس سے بار بار پوچھا جا رہا تھا اگر وہ ریڈی تھا تو پھر اس کو کھینچا جاتا۔ اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے اس ناگوار کام کو انجام دینا شروع کیا۔ پہلے اس کو اپنے کمر کے گرد لپیٹ کر گرہ مضبوط کی پھر ہنوز بے سدھ پڑی نندنی کے لو دیتے سحر انگیز وجود کو ایک بازو کے حصار میں سمیٹ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے ڈولتے جسم کو اپنے گھٹنے پر ٹکا کر اسے اپنے ساتھ باندھنا شروع کیا۔ یہ کام گرتی ہوئی برف اور اس کی کیفیات

کی بدولت مزید دشوار ہو چلا تھا۔ اسے اس پل شدت سے عریشہ کے ساتھ ہونے والی اپنی دھواں دھار لڑائی کا ایک ایک لفظ یاد آ رہا تھا جو محض اس کے حسن و خوب صورتی کے باعث اسے رفیوز کرانے کا ٹھان چکی تھی۔ پتا نہیں عریشہ کا ذہن اس قسم کی صورت حال تک رسائی حاصل کر سکا تھا کہ نہیں مگر وہ ضرور اس وقت خود سے نظریں چراتا مضطرب ہوا جاتا تھا۔ اگر عریشہ کو یہ سب پتا چل جائے تو وہ اس کی دلی حالت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ رسی کو کھینچ لیا گیا۔ عباس پراگندہ ذہن کے ساتھ اوپر چڑھنے کی کوشش میں اتنی بار پھسلا کہ اوپر موجود انہی کی سمت متوجہ لوگ پریشان اور متفکر ہوگئے تھے۔ دوسری سمت نندنی تھی جسے عین اس لمحے ہوش آ گیا تھا جب وہ اسے سنبھالے تقریباً کھائی کے سرے پر موجود اپنے ساتھیوں کا سہارا لے کر نیم پختہ سڑک پر گرنے کے انداز میں شکستہ سا بیٹھا تھا۔ نندنی اس کے جسم سے بندش کی بنا پر وہ ایک طرح سے اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ وہ ہوش میں نہیں آئی تھی حواسوں سے باہر ہوگئی تھی۔

یہ قربت تو اس نے خوابوں میں نہیں سوچی تھی۔ بے اختیار ایک کراہ اس کے لبوں سے آزاد ہوئی اور عباس ان بندشوں کو کھولتا چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوگیا۔ لیکن اس سرسری بے حد خجالت آمیز نگاہ کو وہ فی الفور چرا بھی گیا تھا۔ جبکہ نندنی کی تو کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی بے کار ہو چکی تھیں۔ حالانکہ وہاں موجود دیگر لوگ اسے ہوش میں پا کر اس سے خیریت کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ مگر وہ کچھ سنتی تو کہتی بھی کچھ۔ ایک عجیب سی دیوانگی کا قبضہ تھا اس کے حواسوں پر نظریں دیوانوں کی طرح عباس کے ایک ایک نقش کو ازبر کرنے کی کوشش میں تھیں۔ اس کے لیے عباس کے چہرے میں اتنی کشش اتنی جاذبیت تھی کہ صدیوں تلک بھی نظر ٹکا کر دیکھتی تو بھی نیت سیراب ہوتی نہ دل بھرتا۔

"تم لوگ کھڑے تماشا دیکھنے کے بجائے یہ بندشیں کھلوا کیوں نہیں دیتے۔ میری جان مصیبت میں پڑی ہوئی ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہے۔" وہ عباس حیدر کے غصے میں پیچ و تاب کھاتی سرد آواز پر جیسے خوابوں کی حسین رہگزر پر چلتے یک دم کھولتے ہوئے پانیوں میں آن گری۔ اللہ جانے عباس اس کی اس دیوانگی کو سمجھ کر جان کر ہی اتنا خفا ہوا تھا کہ بلا دریغ اپنے ماتحتوں پر برس پڑا تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ جو کچھ بھی جیسے بھی تھا نندنی کے لیے بے حد تکلیف، ہتک اور ذلت کا سبب تھا۔ وہ جیسے کسی سنہرے جال میں پھڑ پھڑائی۔

عباس کی پرکشش آنکھوں میں قہر سامان تاثرات اس کے علاوہ کس کے لیے ہو سکتے تھے۔ اس نے سمجھا تھا تو دھڑکنوں میں جو بھونچال اٹھا ہوا تھا یکدم تھم سا گیا۔ ایسا سناٹا پھیلا تھا کہ دل دھڑکنا بھی بھول گیا۔ شیراز نے آگے بڑھ کر عباس کی مدد کی تھی۔ جیسے ہی بندشیں ڈھیلی ہوئیں نندنی سرعت سے فاصلے پر ہوگئی۔ اس کے تن بدن میں قیامت کی حدتیں اور ملال تھا۔ دیکھا جاتا تو اس آگ میں عباس کا کچھ بگڑا نہیں تھا اور اس کا کچھ بچا نہیں تھا۔ واپس گاڑی تک آتے اس کے آنسو بے آواز بہتے رہے تھے۔ شوٹ ایک بار پھر ملتوی ہوگیا تھا اور عباس کا موڈ صرف اسی ایک بات کو لے کر تو اتنا قہر آلود نہیں ہو رہا تھا۔

"آئی تھنک آپ کو کوئی اندرونی شدید چوٹ آئی ہے میم۔" فراز کو اس کے اس طرح زار و قطار رونے کی یہی وجہ سمجھ میں آ سکتی تھی۔ نندنی کے دل پر کسی نے جیسے پیر رکھ دیا۔

(چوٹ تو لگی ہے اور اتنی گہری جس کا علاج اب عمر بھر نہ ہو سکے۔ کیا کوئی برزخ سے بھی زندہ سلامت بچ کر نکلا ہے۔ میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا مجھے ایسا فیصلہ کرنا ہی نہیں چاہیے تھا) اس کے آنسوؤں میں شدت اور روانی آنے لگی۔ عباس کا موڈ اتنا خراب تھا کہ وہ باقی سب سے رخ پھیر بیٹھا ہوا مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ نندنی کے لیے یہی رویہ تکلیف اور بے پناہ اذیت کا باعث تھا۔ جن آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے چراغ جلتے دیکھنے کی خواہش تھی ان میں بے زاری کوفت اور ناگواری و ناپسندیدگی کو دیکھنا اس کے صبر اور ضبط کی ساری طنابیں توڑ گیا تھا۔ اس کے وجود میں زہر بھر رہا تھا۔ ایسا زہر جو ہر پل اس کے وجود کو نیلا کرتا جا رہا تھا۔

❁......۞......❁

اک ہاتھ میں خوابوں کی دولت، اک ہاتھ میں کاسہ لائے ہیں

ہم خاک نشیں تیری چوکھٹ پر اک سجدہ کرنے آئے ہیں
تو مانے یا اب رد کر دے جو چاہے وہ حالت کر دے
ہم دور سے چل کر آئے ہیں اک عرضِ تمنا لائے ہیں
کوئی شہزادہ کسی جنگل سے آنے کا رستہ بھول گیا
اک شہزادی کے ہاتھوں میں جو پھول ہیں مرجھائے ہیں
جو دور کہیں سے آتا ہے چپ چاپ چلا بھی جاتا ہے
اسے دیکھ کر کسی دن روزن سے جو تو نے خواب دکھائے ہیں
کوئی صحرا پار نہیں بھٹکا کوئی دریا بیچ نہیں ڈوبا
یہ جھوٹے سچے قصے تو کچھ لوگوں نے پھیلائے ہیں
اک عمر خلش تو رہنی ہے بس تجھ سے بات یہ کہنی ہے
جب وقت گزر جائے تو یہاں کچھ لوگ بہت پچھتائے ہیں

نندنی نے اس غزل کو اپنی ڈائری میں نوٹ کیا۔ بار بار پڑھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ہاں یہی انجام ہونا تھا اس کی وحشت بھری محبت کا، نارسائی اور خواری کے ہاتھوں یہ انجام کہ...... وہ از خود یہ فیصلہ کرے۔ اس شخص سے دوری اختیار کر لے جسے اس نے ایک عمر کی آبلہ پا تلاش کے بعد کھوجا اور پایا تھا مگر نہیں...... پایا ہی تو نہیں تھا یہی تو اذیت و اضطراب کی اصل وجہ تھی۔ اسے سردی کبھی پسند نہیں رہی تھی۔ وہ سرد موسم برداشت نہیں کر پاتی تھی۔ مگر عباس کی وجہ سے اس نے سرد موسم کو برداشت کیا تھا مگر وہ عباس کا سرد رویہ نہیں سہار سکی۔ اس کے رویے کی سرد مہری، لہجے کی تپش، روح کا جھلسا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا وہ جامد تاثر، وہ تو جیسے برف میں دب جانے والی لاش کی مانند اکڑ گئی تھی۔ کتنا تکلیف دہ تھا یہ مگر سچ تھا ایسا سچ جس سے وہ نظریں چرا ہی نہیں سکتی تھی۔ نصیب کے بغیر کچھ نہیں ملتا چاہے جتنی بھی جدوجہد کر لی جائے۔ وہ اسے نہیں ملا۔ عباس کے لہجے کی تبدیلی اور آنکھوں کی ناگواری ہی تھی جس نے اس کی دنیا زیر و زبر کر ڈالی تھی۔ وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی بس یہی نہیں جو اس نے عباس کے چہرے پر عباس کی نظروں میں اپنے لیے احساس دیکھا تھا۔

محبت اور عزت میں چناؤ کا مرحلہ آیا تو دل کی تمام تر گریہ وزاری اور بربادی و التجا کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے عزت کا انتخاب کر لیا تھا۔ یہ مرحلہ جتنا بھی کٹھن تھا مگر اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ جانے مزید کتنی دیر وہ بلکتی اور سسکتی رہی تھی پھر اٹھ کر واش روم میں گئی۔ اچھی طرح منہ دھویا پھر چہرہ تولیے سے پونچھ کر باہر آ گئی۔ بیڈ پر پڑا اپنا اسکارف اٹھا کر اچھی طرح خود کو کور کیا پھر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر قدم رکھ دیا۔ راہداری عبور کر کے عباس کے کمرے کے باہر آن رکی۔

"مجھے ساحر صاحب سے ضروری بات کرنی ہے، کیا میں اس وقت ان سے مل سکتی ہوں؟" اس نے اسی وقت کمرے سے باہر آتے شیراز کو مخاطب کیا تھا تو بھی اس کی آواز بوجھل تھی۔

"اوہ...... آیئے میم، ساحر صاحب میٹنگ میں ہیں۔ میں ان کے آرڈر پر آپ کو ہی بلانے آ رہا تھا۔" شیراز نے شائستگی سے کہتے اسے بے حد تعظیم دیتے ہوئے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیا۔ نندنی کچھ کہے بغیر دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوگئی۔ عباس سامنے ہی صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔ اس کی صورت سے ہی بے پناہ سنجیدگی جھلک رہی تھی۔ دیگر لوگ آس پاس صوفوں پر براجمان تھے۔

"آیئے محترمہ، مجھے آپ سے کچھ اہم بات ڈسکس کرنا ہے۔" عباس نے رسان سے کہتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ صاف لگتا تھا جو بھی بات تھی ابھی تک اس کے انتظار میں آشکار نہیں کی گئی تھی۔ نندنی نے اس کی بات نظر انداز کی اور یونہی کھڑی رہی۔ گلا کھنکار کر اسے مخاطب کرنے سے قبل اس نے جھکی نظروں کے ساتھ سر بھی جھکا لیا تھا۔

"مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔ جو بے حد اہم ہے۔ مجھے امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔ آئی ایم سوری مجھے اندازہ ہے کہ آپ کا بہت لاس ہوگا مگر میں خمیازہ بھگتنے کو بھی تیار ہوں۔ معذرت خواہ ہوں میں آپ کی اس فلم میں کام کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ ایڈوانس کا چیک ہے ایک بار پھر معذرت۔" اس نے جتنی بھی وقت سے سہی مگر اپنا فیصلہ بہت واضح انداز میں پہنچا دیا تھا۔ کمرے میں یکلخت سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ دم بخود تھا۔ متحیر تو عباس بھی تھا جس کام

کی خاطر اس نے یہ ہنگامی میٹنگ کی تھی اور جسے کرتے وہ کسی حد تک کنفیوژ بھی تھا وہ اس چھوٹی سی عام سی لڑکی نے کتنے دھڑلے سے کر دکھایا تھا۔ اس کے سر پر دھماکہ ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے مس نندنی اس حادثے سے خوفزدہ ہوگئی ہیں۔"

"یہ سراسر حماقت ہے میم' پلیز اس فیصلے پر نظر ثانی کیجیے۔ کیونکہ ایسے گولڈن چانس زندگی بار بار نہیں دیتی۔"

"محترمہ آپ اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مار رہی ہیں آپ کا وہ کیریئر جو ابھی شروع بھی نہیں ہوا خطرے میں جا پڑے گا۔ آپ جتنا بھی سر پٹخیں کہ ساحر صاحب نے آپ کو نہیں نکالا بلکہ آپ نے خود ان کی فلم میں کام سے انکار کیا ہے کوئی ڈائریکٹر یا پروڈیوسر مان کر نہیں دے گا۔" مختلف تبصرے اور مشورے یکا یک ابھرنے لگے۔ اس کے اس فیصلے کو سراسر جذباتیت اور بے وقوفی سے تعبیر کیا جا رہا تھا مگر وہ مطمئن اور مضبوط نظر آ رہی تھی۔

"میں چلتی ہوں گڈ بائے۔" اس نے چیک وہاں رکھا اور عباس سے نگاہ ملائے بغیر تیزی سے پلٹ گئی۔ عباس شاکڈ تھا معاً وہ سنبھلا اور نندنی کا صوفے پر بے پروائی سے ڈالا گیا چیک جھپٹ کر خود بھی اس کے پیچھے اس کے کمرے تک آ گیا۔ دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے والی نندنی اسے یوں لال بھبوکا چہرے کے ساتھ روبرو پا کر دھک سے رہ گئی۔

"اس اچانک اور حتمی فیصلے کی وجہ جاننا چاہوں گا۔" اس کا لہجہ خشک' روکھا اور بے تحاشہ برہم تھا۔ نندنی کا دل مٹھی میں آ گیا۔

"آئی ایم سوری فار ڈیٹ' بٹ......!"

"شٹ یور ماؤتھ' محترمہ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ......!"

"میں جانتی ہوں میں آپ کے ساتھ بدعہدی کر رہی ہوں مگر......!"

"مجھے ہر صورت اس فیصلے کا محرک جاننا ہے ایسے نہیں جا سکتی ہیں آپ۔" وہ اس کی بات پھر سے کاٹ کر حلق کے بل چیخا۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی جو کام وہ خود کرنے جا رہا تھا ایک بار پھر صرف عریشہ کو منانے عریشہ کی خوشی کی خاطر وہ اگر کسی اور نے کر دیا تھا تو اس کی انا پر اتنی کاری ضرب کیوں لگی تھی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے آپ سے جواب دینے کی پابند ہیں آپ۔" عباس کی آنکھوں میں خون سا اترنے لگا۔ نندنی دہل سی گئی۔

"میں اس کی وجہ بتانے سے قاصر ہوں۔ میں جانتی ہوں میری وجہ سے آپ کا بہت شدید نقصان ہو چکا ہے یہ میرا کنگن رکھ لیں اصلی جواہر لگے ہیں اس میں' کسی حد تک آپ کا......!" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کہ سبکی و تذلیل سے بھڑک اٹھنے والے عباس کا ہاتھ زناٹے کے تھپڑ کی صورت نندنی کے حواس چھین کر لے گیا تھا۔ اسے توقع ہی کہاں تھی عباس کے اتنے شدید ردعمل کی جبھی گال پر ہاتھ رکھے پتھرائی ہوئی سی کھڑی رہ گئی۔

"آپ خود کو بہت برتر سمجھتی ہوں گی اس دولت کی وجہ سے مگر ہر نقصان نہ تو پیسے سے بھرنے والا ہوتا ہے نہ ہی ہر شخص اس پیسے کے آگے بکنے والا سنا آپ نے؟" عباس کی آنکھوں سے پھوٹتا دہکتا آتش فشاں نندنی کو بھسم کرنے لگا۔ اسے لگا وہ کسی بھی پل حواس کھوتی لہرا کر فرش پر جا گرے گی۔ مارے ذلت و رنج کے اس کا رنگ بالکل پیلا پڑ چکا تھا۔ عباس ہونٹ بھینچے کچھ دیر یونہی کھڑا اسے سسکتے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر پلٹتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ نندنی کا بایاں گال سرخ ہو کر انگلیوں کے نشان ابھار چکا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر عباس نے اپنے منتظر لوگوں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ اس کا موڈ ایسا آتش فشانی ہو رہا تھا کہ کسی کو کچھ پوچھنے یا کہنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ سب عجلت میں ایک دوسرے کے پیچھے نکل گئے۔ عباس ہونٹ بھینچے کمرے کے وسط میں کھڑا رہا تھا۔ پھر اضطراری کیفیت کے زیر اثر آگے بڑھ کر سگریٹ کیس میں سگریٹ نکال کر سلگائی۔ کش لے کر دھواں بکھیرتے ہوئے بھی وہ بے حد مضمحل نظر آتا تھا۔ کل کے نندنی کے حوالے سے اس واقعہ نے اسے خود اپنے آپ سے خفت زدہ کر دیا تھا۔ جبھی اس نے

عریشہ سے خود ساختہ جھگڑے میں موجود انا کو نکال دیا تھا تو وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ اسے عریشہ کے خدشات درست لگے تھے بلکہ وہ اپنے تئیں خود کو عریشہ کا مجرم بھی سمجھ رہا تھا۔ فیصلہ نندنی کے خلاف ہوا تو اس نے عریشہ سے رابطہ کر لیا تھا حالانکہ اس سے قبل وہ ضد میں تھا اور عریشہ کی جانب سے پیش رفت چاہ رہا تھا۔

عریشہ کا اس سے رابطہ نہ کرنا اس کی بے حسی' کٹھور پن' نخوت اور سرکشی کی علامت تھی جس نے عباس کو بہت ہرٹ بھی کیا تھا مگر وہ اس سے اتنی شدید محبت کرتا تھا کہ ان معمولی باتوں کو اہمیت دے کر دل میں رکھ کر بغض پال کر اپنی زندگی کی خوب صورتی کو زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے عریشہ سے رابطہ کرنا چاہا تو کافی دیر کوشش کے بعد سماعتوں کو عریشہ کی سرد اور روکھی آواز سننے کو ملی مگر وہ دل برا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"خیریت ہے نا عریشہ...... تم کال کیوں نہیں پک کر رہی تھیں میری؟"

"خیال آ گیا آپ کو میرا...... اس حسن کی شہزادی' حوروں کی ملکہ کی ناز برداریوں سے نجات مل گئی؟" عباس کا دل اس طنز پر خفت و تنفر سے بھرتا چلا گیا۔ وہ ہونٹ بھینچے اس کی خفگی سہتا رہا۔

"میں تمہاری اس ناراضی کی وجہ سے ہی عریشہ...... نندنی کو اپنی فلم کی کاسٹ سے نکال چکا ہوں۔ میں اس بات کی پروا نہیں کر رہا ہوں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔ روپیہ پیسہ ایک طرف' میرا کیریئر میرا امیج داؤ پر لگتا ہے۔ عریشہ میں تمہاری خوشی کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ موڈ تو ٹھیک کرو اپنا۔" عریشہ کے برعکس اس کا لہجہ مدھم تھا۔ اس میں جو اپنائیت جو خصوصیت کے ساتھ مان تھا وہ صرف عریشہ کے لیے ہی تھا۔ محبت کے سفر میں سارا بردن اس کے سر ہوتا ہے جو اس کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ جس نے چاہ کی ہوتی ہے وہ جانتا تھا جبھی کبھی بھی عریشہ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ ڈالا تھا نا اس سے کوئی مطالبہ کیا تھا۔ وہ تو آج تک اس کی چاہت اس کی خواہش کے مطابق ہی خود کو ڈھالتا آیا تھا۔ اس وقت بھی اسے خوش کرنا منانا چاہا مگر عریشہ کو کتنا احساس ہوا اور اس نے کسی حد تک قدر جانی اس کا اظہار اس کے الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"نکال دیا ہے تو میں کیا کروں؟ میری وجہ سے تو نہیں کیا' اگر ایسا کرنا ہوتا تو اس وقت کرتے جب میں نے کہا تھا۔" اس نے تلخی سے کہا اور اگلے لمحے فون کاٹ دیا۔ عباس کے وجیہہ چہرے پر ایک سایہ لہرانے لگا۔ عریشہ کی شدید ناراضی اس کی بے چینی کو بڑھاوا دے رہی تھی۔ وہ شکستہ ہو رہا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ عریشہ اسے سمجھے اس پر اعتماد کرے تاکہ وہ اپنا کام پوری توجہ سے کر سکے۔ وہ جانتا تھا یہ شوبز کی دنیا تھی جہاں رائی کا بھی پہاڑ بنتا تھا۔ یہ تو پھر بہت بڑی بات ہوتی۔ وہ خوامخواہ خبروں میں رہنے اور اسکینڈلائز ہونے کو سخت ناپسند کرتا تھا مگر عریشہ نے اس کے لیے ہمیشہ ایسے مسائل پیدا کیے تھے کہ وہ بار بار اپنے فیصلے بدلنے پر مجبور ہوا جاتا تھا۔ دوسرا شدید اور کاری وار اسے اس وقت سہنا پڑا تھا نندنی نے اس کے پورے پینل کے سامنے انکار کا طمانچہ اسے مارا۔ یہ اس جیسے مشہور و معروف نامور ڈائریکٹر کی ذلت کی انتہا تھی۔ جس کی فلم میں کام کرنے کو شوبز کے چمکتے ستارے بانگ و دہل اپنی خوش نصیبی گردانتے تھے ایک غیر معروف بالکل نئی آنے والی لڑکی نے اس کی فلم سائن کرنے کے بعد خود ہی رد بھی کر دی تھی۔ اس پر حد یہ کہ ایڈوانس کا چیک واپس کرتے اپنے پاس سے خیرات دینے کی بھی کوشش کی۔ وہ حواسوں میں رہتا بھی تو کیسے۔ گویا سبکی اور تضحیک کی بھی حد ہو گئی تھی۔ حالانکہ جب عریشہ کی ناراضی دور کرنے کو ہی سہی اس نے نندنی کو اپنی کاسٹ سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ زیادتی کا احساس اس کے دل پر کسی بوجھ کی طرح دھرا تھا۔

"سر میم نندنی واپس جا رہی ہیں۔" اس کے سیکرٹری کا فون اس کے سیل پر بڑی اہم اطلاع کے ساتھ آیا تھا۔ جو اس کے اشتعال کو مزید بڑھا گیا۔

"تو یہ بات تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" وہ جواباً پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

"سر...... وہ......!"

"شٹ اپ۔" وہ زور سے دھاڑا اور سلسلہ منقطع کر کے سیل فون اسی مشتعل انداز میں دیوار پر دے مارا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وہ مارے تذلیل کے وحشی اور پاگل ہوا جارہا تھا۔

❀......◈......❀

صالحہ ہال کمرے کے آف وائٹ مخملیں صوفے پر دونوں ٹانگیں اوپر رکھے چوکڑی مار کر بیٹھی اپنی پاٹ دار آواز کا جادو جگا رہی تھی۔ ترچھی نظریں لاؤنج کے کھلے دروازے سے نظر آتے فراز پر تھیں جو ابھی کچھ دیر پہلے گھر پہنچا تھا۔ جھنجلایا ہوا۔ بے حد خفا اور ناراض ہر کسی کی بات کے جواب میں کاٹنے کو دوڑنے لگتا۔

"افوہ آخر آپ کو ہوا کیا ہے برادر؟ اس ناراضی اور اچانک واپسی کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔ آپ تو شوٹ کے لیے نادرن ایریا گئے تھے نا؟" نبیل کالج سے واپس آیا تو اسے دیکھ کر نرمی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ساری کسی کا دل توڑنے اور دکھانے کی سزائیں ہیں۔ عذاب تو بھگتنا پڑتا ہے پھر۔" صالحہ نے مزہ لے کر کہا اور اٹھ کر دونوں کے قریب آ گئی۔ فراز پر مجال ہے اثر ہوا ہو جیسے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا لیٹا رہا۔

"صالحہ باجی آپ تو جائیں یہاں سے پلیز۔ بھائی کا موڈ آف ہے۔ ایسا نہ ہو آپ پر اتر جائے سارا غصہ۔" نبیل نے اس بلا کو ٹالنا چاہا۔ جانتا تھا فراز کو اس سے کتنی چڑ ہے۔ اس کی موجودگی میں تو خاص طور پر ایک لفظ نہیں اگلے گا۔ جبکہ نبیل کے پاس ٹائم کم تھا۔ اسے فریش ہو کر کھانا بھی کھانا تھا اور بھائی کی دل سوزی بھی کرنا تھی اس کے بعد اسپتال بھی سدھارنا تھا جہاں آج اس کی ڈیوٹی تھی مگر صالحہ نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا کر بے نیازی سے دونوں کو دیکھا پھر بے ڈھب ہنسی ہنستے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ارے مجھے کیوں پروا ہونے لگی ایک ناکام ارادوں کے مالک شخص کے غصے کی اونہہ، گئے تھے موصوف مایہ ناز ہیرو بننے۔ سارے خواب ہی چکنا چور ہو گئے۔ ارے ہر کوئی ساحر جیسا خوب صورتی اور قسمت کا بادشاہ نہیں ہوتا۔ مائی گاڈ کیا حسن و جمال ہے ظالم کا۔ نظر تو اسے اسکرین پر ... چندھیانے لگتی تھی۔ سنا ہے حقیقت میں اس سے کہیں ... چارمنگ اور حسین ہے۔ تم نے تو دیکھا ہوگا فراز ... آئیز واقعی گرین ہیں یا لینز یوز کرتا ہے؟ پتا نہیں کم بخت ... ایک بیوی کی خاطر کام کیوں چھوڑ دیا۔ اب تو اسکرین ... نظر نہیں آتا۔" اشتیاق، بے چینی، شوخی اور آخر میں ... جھنجلاہٹ لیے اس کے لہجے کا اتار چڑھاؤ ان دونوں ... لیے کوفت اور بےزاری کا باعث تھا مگر رواداری کا تقاضا ... کہ خاموشی سے برداشت کیا جاتا۔ عقل میں بے شک ... سہی مگر عمر میں دونوں سے آگے تھی وہ۔

"آپ اپنے کمرے میں چلیں نا تھکے ہوئے ہیں کچھ دیر آرام کرلیں مما سے کہہ کر چائے بھجواتا ہوں۔" نبیل نے نرمی سے کہا۔ ایک طرح اسے صالحہ کے تسلط سے نجات کی راہ سجھائی۔ بات فراز کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی جبھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس پل شرجیل ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کیے بازو پر کوٹ رکھے دروازے کے پاس سے گزرتا ان دونوں کو دیکھ کر حیران ہوتا رک گیا۔

"تم...... تم کب آئے فراز؟" اس کے خوبرو چہرے پر حیرانی بھی جچتی تھی۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل اور شاندار تھا۔ فراز نے اسے دھیان سے دیکھا۔

"کیسے ہیں شرجیل بھائی؟" وہ اٹھ کر اس کے گلے لگا تھا۔ شرجیل نے محض سر ہلایا پھر اسے دیکھا گویا سوال اپنی جگہ قائم تھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل، بھابی ٹھیک ہیں؟" فراز کو اس بے امان نازک سی لڑکی کا خیال آیا جس کی آنکھوں میں بجھی زندگی کی امید کا وہ بھی گواہ تھا۔

(جاری ہے)

مجھے ہے حکم اذاں

اس دل کے چند اثاثوں میں اک موسم ہے برساتوں کا
اک صحرا ہجر کی راتوں کا اک جنگل وصل کے خوابوں کا
ہم لوگ جنوں کے عالم میں منزل کی طلب بھی بھول گئے
اب دل کو بھلا سا لگتا ہے صحرا میں عکس سرابوں کا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عباس عریشہ کی خفگی پر دل گرفتگی کے ساتھ ٹرپ پر روانہ ہوجاتا ہے وہاں رہ رہ کر اسے عریشہ کے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوتا ہے اور وہ عریشہ کی جانب سے پیش رفت کا خواہاں ہی رہتا ہے۔ لاریب بادلِ ناخواستہ سکندر کے ساتھ خریداری کی غرض سے شہر روانہ ہوجاتی ہے۔ واپسی پر اسے وقاص کی دھمکی آمیز کال موصول ہوتی ہے جس پر وہ پریشان ہوجاتی ہے البتہ سکندر سے کوئی ذکر نہیں کرتی مگر جب گاؤں کی حدود میں وہ مخصوص چوراہے پر وقاص کی جیپ کو منتظر پاتی ہے تو ششدر رہ جاتی ہے اور سکندر کو گاڑی تیز چلانے کا حکم دیتی ہے۔ وقاص ان کا پیچھا کرنا شروع کردیتا ہے اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے گاڑی کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ سکندر وسیع کھیتوں کے آگے بے آباد زمین کے قریب گاڑی روک دیتا ہے اور وہ لاریب کو بچانے کے لیے پیدل چلنے کا مشورہ دیتا ہے بدقسمتی سے وہ دونوں ایک کنویں میں گر جاتے ہیں جس کا فائدہ سکندر اور لاریب کو ہوتا ہے وقاص ان تک پہنچ نہیں پاتا مگر جاتے جاتے گاڑی کے سب ٹائرز پنکچر کر جاتا ہے۔ سکندر بڑی مشکل سے اپنے نفس کو لگام دیتے ہوئے لاریب کو کنویں سے باہر نکالتا ہے پھر حویلی فون کرکے گاڑی منگواتا ہے۔ عباس نندنی کے گرد پروڈیوسر آفاق کی ہوس زدہ نگاہوں کا تعاقب کرتا ہے تو الجھ کر رہ جاتا ہے۔ ساتھ ہی اکیلے میں وہ اسے آفاق کی فطرت اور معاملے کی سنگینی سے بھی آگاہ کردیتا ہے جبکہ فراز سنو مین بنا کر سب کے ساتھ انجوائے کررہا ہوتا ہے جب کہ وہ ساحر کی کیپ لے لیتا ہے اور تصویریں بنانے لگتا ہے بے دھیانی میں سنو میں گر جاتا ہے ساتھ ہی ساحر کا کیپ بھی اس کے پاؤں تلے دب جاتا ہے۔ جس پر نندنی بہت شدید ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہے ساحر عباس سمیت سب ہی حیران رہ جاتے ہیں خاص کر ساحر اسے جھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ شوٹ کی غرض سے پرخطر رستے پر ان سب کو پیدل سفر طے کرنا ہوتا ہے جس کے لیے کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے مگر نندنی اپنی بے پروائی کے باعث گہری کھائی میں جا گرتی ہے اور اسے بچانے کے لیے عباس کھائی میں جاتا ہے کھائی سے نکلتے وقت نندنی کی قربت اس کے لیے سخت بےزاری کا باعث ٹھہرتی ہے اور اس کی نگاہوں میں نفرت دیکھ کر نندنی ڈھے سی جاتی ہے وہ اسی وقت فلم نہ کرنے کا فیصلہ کرلیتی ہے اور اگلے روز سب کے سامنے وہ ساحر کو فلم کرنے سے انکار کردیتی ہے جبکہ ساحر خود عریشہ کی خواہش کے آگے جھکتے ہوئے نندنی کو فلم سے نکالنے کا سوچ رہا ہوتا ہے مگر نندنی کے فیصلے پر وہ بھی حیران رہ جاتا ہے اور اس کی بدتمیزی پر اس سے بازپرس کرتا ہے اور اس کا ہاتھ نندنی پر اٹھ جاتا ہے۔ جواباً وہ سب چھوڑ کر چلی جاتی ہے عباس بھی شوٹنگ وائنڈ اپ کرتا ہوا سب کو چلنے کا کہتا ہے۔ فراز خراب موڈ کے ساتھ گھر لوٹ آتا ہے جس پر صالحہ اور شرجیل سب اس سے استفسار کرتے ہیں کہ وہ اتنی جلدی واپس کیسے لوٹ آیا۔

(اب آگے پڑھیے)

"ٹھیک ہے اسے کیا ہوتا ہے۔" شرجیل نے نخوت سے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ اس کے انداز سے صاف پتا چلتا تھا کہ دونوں کے بیچ پھر کسی بات پر جنگ کا طبل بجا ہوا ہے۔

فراز کی سوالیہ بے تاب نظریں نبیل کی جانب اٹھیں۔ وہ گہرا سانس بھرتا کاندھے اچکا کر رہ گیا۔

"مجھے ایمان بھابی پر بہت رحم آتا ہے نبیل بے چاری رل گئی ہیں یہاں آ کر۔" فراز نے متاسفانہ تبصرہ کیا۔ نبیل تو اب اس قسم کے تبصروں سے بھی گریز کرتا تھا یہاں اس کی ہمدردی کو بھی مشکوک انداز میں لیا جانے لگا تھا۔ وہ ایمان کی مشکلات میں اضافے کا قائل نہیں تھا جبھی اس سے اپنائیت وہمدردی کا مظاہرہ ترک کردیا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں کیا وجہ ہوئی اچانک واپسی کی؟ صالحہ کی انفارمیشن سے تو مجھے خطرے کی بو آ رہی تھی۔ ساحر کی وجہ سے وہ کوئی فلمی میگزین یا پھر ٹی وی شو نہیں چھوڑتی جس میں اس کے حوالے سے کسی معمولی خبر کی بھی ذرا سا شک ہو لہٰذا بریکنگ نیوز تو ہوتی ہیں اس کے پاس۔" وہ دونوں چلتے ہوئے فراز کے کمرے تک آ گئے تھے۔ فراز نے شکستہ انداز میں بھنچا ہوا سانس کھینچا۔

"بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔" اس کے سرد آہ بھر کے کہنے پر نبیل بھونچکا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"تفصیلات چاہئیں بھائی' معذرت خواہ ہوں اس قسم کی مبہم باتیں سر سے کافی اوپر سے گزرتی ہیں۔" وہ بلا جھجک اپنی نالائقی کا اعتراف کر رہا تھا۔

"انڈیا سے برآمد ہونے والی حسین وجمیل ہیروئن صاحبہ نے ساحر عباس کی مووی میں کام کرنے سے انکار کرکے میرا تو بیڑہ غرق کردیا ہے یار۔ ساحر بھائی اتنے غصے میں تھے کہ سب کچھ وائنڈ اپ کر کے واپس آ گئے ہم بھی گھر نا سدھارتے تو اور کیا کرتے؟" اس نے ٹھنڈی آہوں کے درمیان جو تفصیل دی وہ اچھی خاصی حیران کن اور ناقابل یقین تھی جو لوگ ساحر کی مقبولیت سے آگاہ تھے وہ نندنی کے اس اقدام کو حماقت سے ہی تعبیر کرسکتے تھے۔ نبیل بھی ششدر تھا۔

"لیکن اتنے بڑے اقدام کے پیچھے کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے۔"

"ضرور ہوگی دراصل ساحر صاحب کی خفگی سے ہر کوئی خائف ہے مگر یہ بھی طے ہے کہ یہ بات چھپ بھی نہیں سکتی دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"افوہ......افسوس ہوا اب کیا کریں گے آپ؟" نبیل کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی کہ فراز کا چہرہ غم ویاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"کیا بتاؤں میرے یار میرا تو آل ریڈی دماغ گھوما ہوا ہے۔" فراز اپنے اوپر کمبل کھینچتے ہوئے جیسے مارے بندھے جواب دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے آرام کریں آپ' میں چلتا ہوں اللہ بہتر کرے گا۔ پریشان نہیں ہونا اوکے۔" نبیل اسے ہاتھ ہلاتا لائٹ اور دروازہ بند کر کے رخصت ہوگیا۔ فراز کا ذہن نندنی کے تصور پر جھنجلا رہا تھا اگر اس کا بس چلتا تو وہ لازمی اس خوب صورت بلا کا گلا گھونٹ دیتا جس کی وجہ سے وہ کنویں کے پاس جا کر بھی پیاسا لوٹا تھا۔

❁......❀......❁
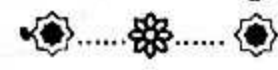
"امامہ کہاں ہے؟" وقاص حیدر آج بہت دنوں بعد حویلی آیا تھا۔ دھاڑ کی زوردار آواز کے ساتھ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو ڈسٹنگ میں مصروف ملازمہ دہل کر پلٹی اور اسے روبرو پا کر دل تھام کر رہ گئی۔

"سائیں چھوٹی مالکن بڑی مالکن کے ساتھ شہر گئی ہیں۔" وہ گھگھیا کر بولی اور کترا کر سائیڈ پر ہوتے گویا اس گرانڈیل ہاتھی کو بیڈ تک رسائی کا راستا پیش کیا۔

"شہر......وہ کیوں؟ اس کی ماں مرگئی ہے جس کا کفن خریدنا ہے اسے شہر سے۔" جوتوں سمیت بیڈ پر گر کر وہ آنکھیں موند چکا تھا مگر اس اطلاع پہ وہ دھاڑتے ہوئے بیٹھ گیا ملازمہ بے چاری کا پتہ پانی ہونے لگا۔

"مم...... مجھے نہیں پتا سائیں۔" وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"تو تیرے خصم کو پتا ہونا ہے' کام کیا ہے تیرا یہاں مفت کی روٹیاں توڑنے نہیں رکھا ہوا۔" اس کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ ادھیڑ عمر ملازمہ کے چودہ طبق روشن کر گیا۔ وہ تیورا کر گری ضرور تھی مگر مارے خوف کے حلق سے آواز نہیں نکال سکی۔

"دفع ہو اب اپنی منحوس شکل سمیت' ثریا کو بھیج چائے دے کر' کہنا میرے پاؤں داب آ کر۔" گرج برس کر وہ پھر اوندھے منہ بستر پر گر گیا۔ ثریا مالی کی الہڑ نوخیز اور نوجوان لڑکی کا نام تھا آج کل وقاص کی نظر عنایت اس پر تھی گوکہ بابا جان کے خوف سے اس قسم کی عیاشیاں حویلی کے اندر نہیں کرتا تھا مگر کبھی کبھار بابا جان اور امامہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حویلی کے بند کمرے میں ایسی بددیانتی کا اس کے نزدیک لطف ہی الگ تھا۔ امامہ اور اماں جان کی واپسی شام ممکن ہوسکی تھی تب تک وہ شراب اور شباب کے نشے سے دھت خود سے بےخبر تھا۔

"مجھے لگتا ہے وقاص آ گیا ہے شکار سے واپس' مجھے پتا ہوتا آج لوٹ آئے گا تو اسے بھیج دیتی تمہارے ساتھ۔ بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا دم کہاں کہ اتنا طویل سفر کرسکوں۔" پورچ میں وقاص کی جیپ دیکھ کر تائی جان نے بیک وقت خوشی وتاسف کا اظہار کیا تھا۔ دل تو امامہ کا بھی بے ہنگم انداز میں دھڑک اٹھا تھا آج کتنے دنوں بعد وہ اس ستمگر کی صورت دیکھ سکے گی۔ اس کی تمام ترکج ادائیوں کے باوجود دل تھا کہ اس کی جانب کھنچتا تھا۔ یہ محبت بھی بڑا خراب والا معاملہ ہے۔ ذلت ورسوائی سے لے کر بے نیازی وکج ادائی کے تمام وار سہہ کر سرسبز وشاداب رہتا ہے۔

وہ ایک نئی ترنگ کے ساتھ کمرے میں آئی تھی مگر وقاص کی حالت نے اس پر پھر اس کی اوقات واضح کی تھی۔ اس کا دل یاسیت سے بھر گیا۔ بے مائیگی ہی بے مائیگی تھی۔ جانے کتنی دیر اس نے آنسو بہائے تھے۔ تب وقاص نے کروٹ بدلتے ہوئے سوتی جاگتی کیفیت میں اس کی موجودگی کو محسوس کیا تو کڑے انداز میں سوال کیا امامہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"میں نہیں گئی تھی اماں جان لے کر گئی تھیں چیک اپ کے لیے۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"ان چونچلوں کے بغیر تیرا بچہ پیدا نہیں ہوگا کیا؟ یہ نخرے ناک کے راستے نکال دے تو۔" اسے بالوں سے پکڑ کر اپنے پہلو میں پٹختے ہوئے وہ لمحوں میں حیوانیت کا چولا چڑھانے لگا۔ امامہ کے چہرے پر کرب واذیت رقم ہونے لگی مگر اس نے خود پر ضبط کے پہرے بٹھا دیے۔

"ٹھیک ہے' میں آئندہ نہیں جاؤں گی۔" اس نے تابعداری کا مظاہرہ کر کے اپنی جان چھڑانا چاہی مگر وقاص کا اٹھا ہوا ہاتھ تھپڑ کی صورت اس کی قوت گویائی چھین کر لے گیا۔ اس نے خوف سے وقاص کا غیض وغضب کا مظہر چہرہ دیکھا یوں جیسے اپنا قصور جاننا چاہا ہو۔

"اتنی ہی فرمانبردار ہو نا تم میری۔" وہ غرایا اور مٹھیاں بھینچ کر غصہ ضبط کرنے لگا۔ امامہ ساکن پڑی رہی۔

"تیرے پچھلے تجھے یہاں پھینک کر بھول گئے نہ کبھی تو اِدھر سدھاری نہ وہ تیری خبر کو آئے ایسا کون سا جرم سرزد ہوا ہے تجھ سے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ امامہ کی جلتی ہوئی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ یہ بات تو اسے بھی اپنے گھر والوں سے پوچھنی تھی۔ کتنا عرصہ ہوا لاریب نے بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا حالانکہ کبھی وہ وقت بھی تھا کہ جب لاریب کو سب سے زیادہ امامہ کی ہی فکر رہا کرتی تھی وقاص کے اٹھ کر کمرے سے چلے جانے کے بعد اس نے اپنا سیل فون اٹھا کر لاریب کا نمبر ڈائل کیا۔ گھنٹیاں بجتی رہیں مگر وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی امامہ جھنجلا گئی کچھ خیال آنے پر اس نے سکندر کا نمبر ملایا تھا۔

"السلام علیکم امامہ بی بی ٹھیک ہیں آپ۔" سکندر کی مخصوص شفقت آمیز آواز اس کی سماعتوں میں اتری تو آنکھیں پھر سے پانیوں سے لبریز ہوگئیں۔

"وعلیکم السلام سکندر بھائی' میں تو جیسی ہوں آپ چھوڑیں۔ یہ بتائیں بجو اور بابا جان کیسے ہیں آپ بھی بھول گئے مجھے۔ اب تو لگتا ہے اپنوں کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤں گی۔" گوکہ اس کا ہرگز ارادہ نہیں تھا شکوہ وشکایت کا وہ

www.paksociety.com

بھی سکندر سے مگر اس کے انداز میں کچھ ایسی خصوصیت و محبت کا احساس ہوا کرتا تھا کہ وہ خود پر ضبط کھو کر زار و قطار رو پڑی۔ دوسری جانب سکندر اس کے انداز پر نا صرف گھبرایا بلکہ بوکھلا اٹھا۔ جبھی اسے پکارتا' سمجھتا' حوصلہ دیتا وہ اتنا بے ربط ہوا جا رہا تھا کہ امامہ کو خود کو سنبھالنا پڑا۔

"آپ کہیں تو میں ابھی آ جاتا ہوں بابا سائیں کو لے کر یا پھر ممکن ہو سکے تو آپ یہاں تشریف لے آئیں۔" سکندر اس کے دل کی تسلی کی خاطر کہہ رہا تھا۔ امامہ مضمحل سا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"نہیں سکندر بھائی پلیز' بابا جان کو کچھ کہہ کر پریشان مت کیجیے۔ سوری میں نے اپنی بے وقوفی کی بنا پر آپ کو پریشان کر کے رکھ دیا۔" کتنا بدل گئی تھی وہ پہلے نادانی میں صرف اپنے دل کی کہا کرتی تھی مگر اب اسے اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کا خیال رہنے لگا تھا۔

"بجو میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہیں' انہی سے بات کرنی تھی مجھے۔" اس نے دانستہ بات بدل دی۔ سکندر کی جواباً گہرا سانس بھرنے کی آواز سنائی دی۔

"میں دیکھتا ہوں غالباً وہ باہر ہوں گی اور سیل فون کمرے میں۔ وہ خود آپ کو کال کر لیں گی۔" سکندر کے تسلی آمیز انداز پر امامہ نے شکریہ ادا کرتے سلسلہ منقطع کر دیا۔

⊛……✿……⊛

لاریب نے واش روم سے نکل کر بال تولیے کی قید سے آزاد کیے اور تولیہ بے پروائی سے صوفے پر پھینک دیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے آ کر ابھی اس نے ہیئر برش اٹھایا ہی تھا کہ دروازے پر دستک دے کر سکندر نے اندر قدم رکھا۔ لاریب نے گردن نہیں موڑی کہ آئینے میں اس کا عکس بہت واضح طور پر ابھرا تھا جسے روبرو پاتے ہی لاریب کی اجلی پیشانی پر ناگواریت ابھر آئی تھی۔

"کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے صرف دستک نہیں دی جاتی۔ اجازت کا انتظار بھی کیا جاتا ہے۔ ایٹی کیٹس کس چڑیا کا نام ہے معلوم بھی نہیں ہوگا تمہیں۔" اس نے ترشی سے ٹوکا۔ چہرہ غیض کی آنچ سے تمتما کر کچھ اور بھی کشش اور دلکشی سمیٹ لایا تھا۔ نظروں میں تلخی بھی تھی اور تنبیہہ بھی مگر سکندر پر مجال ہے اثر ہوا ہو۔ وہ اسی پر اعتماد پر سکون انداز میں جو آج کل اس نے خصوصیت سے لاریب کے سامنے اپنا لیا تھا اور وہ اس کے عین مقابل آن ٹھہرا پھر اس کی شعلے برساتی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑتے ہوئے اسی سرد مہر انداز میں بولا۔

"یہ تکلفات وہاں چلتے ہیں جہاں درمیان میں کوئی تعلق کوئی رشتہ نہ ہو۔ میاں بیوی کو اللہ پاک نے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ محترمہ میں دستک کا تکلف بھی نہ برتوں تو آپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔" اس کا لہجہ و نظریں جتلاتی ہوئی تھیں۔ لاریب نے رخ موڑ لیا۔

"کیوں آئے ہو؟" اس نے جیسے جل کر پوچھا۔ سکندر جانے کس بات پر محفوظ ہو کر ہنس پڑا۔

"اس کا مطلب آپ کی سمجھ میں میری بات آ گئی ….. گڈ۔ اسی طرح فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتی رہیں تو زندگی سہل اور خوشگوار گزرے گی۔ قوی امید ہے کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جب ہمارے بچے ہم سے اس حسین اتفاق کا راز پوچھیں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا بتا دینا چاہیے' اپنی نسل کی بہتری ہی ہوگی۔" وہ یکدم انداز بدل کر چھیڑ چھاڑ کر آغاز کر چکا تھا۔ لاریب تو جیسے سر تا پا کسی ان دیکھی آگ میں جھلس گئی۔ یعنی بدتمیزی اور بے حجابی کے ساتھ گستاخی کی بھی انتہا تھی۔ اس کا بس نہیں چل سکا سکندر کا منہ نوچ ڈالے۔

"اگر تمہیں اسی طرح کی گھٹیا بکواس کرنی ہے سکندر تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ کس بات کا زعم ہے آخر تمہیں؟ یوں بے ہودہ باتیں کر کے مجھے کیا جتلانا چاہتے ہو کہ میں بے بس ہو گئی ہوں؟ ہرگز نہیں لاریب شاہ نا کبھی بے بس تھی نہ ہو گی تم آخر ہو کیا؟ دو ٹکے کے معمولی انسان یہ ہے اوقات تمہاری؟ سن لو میں نہیں ڈرتی کسی سے بھی۔ بابا جان کو میں خود بتاؤں گی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سولی بھی چڑھ جاؤں گی تم اپنی خیر مناؤ۔" وہ اتنا مشتعل ہوئی تھی کہ رنگت ہر لمحہ سرخ اور گلے کی رگیں پھولتی جا رہی تھیں۔ سکندر سکون سے سینے پر بازو لپیٹے کھڑا اسے دیکھتا رہا اس کے اعتماد میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"آپ کی بہادری کے اس مظاہرے کا منتظر رہوں گا میں بھی ضروری نہیں ہے اس مرتبہ بھی نقصان میرے حصے میں آئے۔ قسمت یاوری کرے تو میرا بیڈ روم آپ کے اس حسین وجود کی روشنی سے جگمگا بھی سکتا ہے۔ خیر فی الحال تو آپ اپنا خون نہ جلائیں۔ اس وقت تو میں آپ کو امامہ بی بی کے متعلق بتانے آیا تھا۔ بہت پریشان تھیں آپ سے بات کرنے کی خواہاں بھی ہو سکے تو انہیں کال کر لیں۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے وحشت زدہ تاثرات پر اک گہری استحقاق بھری نظر ڈال کر پلٹ چکا تھا۔ لاریب اس کی بکواس سے لحہ لحہ کٹ کر گرنے کے عمل سے گزرتی آنسو اندر اتار رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد کتنی دیر مٹھیاں بھینچے ٹہلتی ہوئی اسے گالیاں دیتی رہیں۔ بے بسی کا شدید احساس رگ جاں میں خنجر اتارے جاتا تھا کس مصیبت میں جان پھنس گئی تھی۔ اس کا دل چاہا اپنے بال نوچ نوچ کر اونچی آواز میں روئے۔ سیل فون کی بیپ پر وہ اس وحشت انگیز کیفیت سے باہر آئی اور بستر پر پڑے سیل فون کو دیکھا۔ اسکرین پر امامہ کالنگ کے الفاظ جگمگ کر رہے تھے۔ اس نے سرد آہ بھری اور آگے بڑھ کر سیل فون اٹھا لیا۔

"ہاں امامہ…… کیسی ہو؟" کوشش کے باوجود اس کا لہجہ وہ تازگی اور بشاشت نہیں سمیٹ سکا۔ اندر کی ساری بے دلی اور یاسیت اس کی آواز میں بھی اتر آئی تھی۔

"مجھے چھوڑیں' آپ کی فکر میں فی الحال تو ہلکان تھی بجو' اتنے فون کیے آپ نے ریسیو ہی نہیں کیے پھر سکندر بھائی سے بھی کہا آپ سے بات کرا دیں' شاید بھول گئے ہوں گے۔" امامہ فکر مند انداز میں تیز تیز بولتی چلی گئی۔ لاریب کے اندر سرعت سے سکندر کے نام کا زہر پھیلا۔ اس کی رگ رگ میں نفرت دوڑ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں امامہ…… خواہ مخواہ پریشان نہ ہوا کرو۔"

"تو مجھے آپ ٹھیک لگتی ہیں بجو نہ میں خود ٹھیک ہوں۔" اس کا جواباً گلا بھرانے لگا۔ لاریب نے بے دردی سے ہونٹ کچل ڈالے۔

(یا اللہ' کوئی ایسا معاملہ بھی بچا ہے زندگی میں جس میں خوشی کی کوئی رمز رہ گئی ہو میرے لیے)

"میں خود کو بہت تنہا محسوس کرتی ہوں بجو' آپ یا پھر بابا جان بھی مجھ سے ملنے نہیں آتے۔ بھلے وقاص میرے تایا زاد ہی ہیں مگر اب شوہر ہیں طعنے دیتے ہیں مجھے آپ کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے میری پوزیشن کا۔" اس وقت امامہ جانے کس رو میں تھی کہ شکوہ کر گئی تھی۔ لاریب کا پہلے سے زرد چہرہ بالکل سرسوں کے پھول کی طرح سے ہو گیا۔

"تم فکر نہیں کرو امامہ' بابا جان آئیں گے تمہاری طرف اور وقتاً فوقتاً تمہاری طرف چکر لگا لیا کریں گے۔" اس نے بے ساختہ قسم کی تسلی سے نوازا مگر امامہ کی پھر بھی تشفی نہیں ہو پائی۔

"اور بجو آپ….. آپ کو بھی تو آنا چاہیے نا' میرا دل اس بات پر روتا ہے بجو کہ اماں جان کے بعد ہم بہنوں میں بھی اتنی دوریاں حائل ہو گئی ہیں۔ مرے ہوئے کا صبر آ جاتا ہے مگر بچھڑے ہوئے کبھی نہیں بھولتے۔ میں آپ کو یا پھر اپنی باجو کو اپنے دل سے نوچ کر کیسے پھینک دوں۔" امامہ کو تو جیسے رونے کا بہانہ چاہیے تھا۔ لاریب کی جان پر بن گئی۔ اتنے فاصلے تھے کہ وہ اپنی ماں جائی کے دکھ پر اسے سینے سے لگا کر تسلی دینے اس کے آنسو پونچھنے سے بھی قاصر تھی۔ اس نے کتنی دقتوں سے اسے چپ کرایا تھا۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ۔"

"وقاص کبھی نہیں مانیں گے بجو آپ کو ہی میرے پاس آنا پڑے گا۔" امامہ کے لاچاری ظاہر کرنے پر لاریب جو الجھن و اضطراب میں تھی اسی جھنجلاہٹ میں اس پر خفا ہونے لگی۔

"تو بھاڑ میں جھونکو وقاص کو اسی لیے تمہیں منع کیا تھا کہ نہ کرو اس لعنتی سے شادی' عمر بھر کی ٹینشن' تمہاری وجہ سے میں بھی عذاب بھگت رہی ہوں مفت کا۔" اس کے اس طرح خود

پرچڑھ دوڑنے پر امامہ کی کھلاہٹ مزید بڑھ گئی۔

"آپ مجھ پر کیوں خفا ہو رہی ہیں...... میرا کیا قصور ہے؟" وہ جیسے پھر سے رونے کی تیاری میں تھی۔

"تمہارا نہیں تو کیا میرا قصور ہے امامہ؟ حماقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مجھے اس واہیات سوچ کے مالک انسان کے گھٹیا پن کا کچھ حد تک تو اندازہ تھا لیکن وہ اس قدر پستی میں جا گرے گا یہ تو میرے تصور میں بھی کہیں نہیں تھا۔ تم سے شادی ہی اس نے اس لیے کی تھی کہ اس طرح مجھے اپنے زیر بار کر سکے مگر امامہ سن لو میں کبھی بھی اس کے مذموم ارادوں کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" بڑھی وتلخی کے ساتھ غم وغصے کا شکار وہ امامہ کو چند دن قبل کا وقاص کا بے غیرتی کا واقعہ سناتی چلی گئی۔

"اللہ نے بچایا ہے مجھے خود سوچو تمہاری حویلی آنا رسک سے خالی ہو سکتا ہے۔" وہ چڑچڑے پن سے سوال کر رہی تھی جبکہ دوسری جانب امامہ شاکڈ ہو گئی تھی۔ یہ خاموشی و سناٹا لاریب کو پریشانی سے دوچار کر گیا۔ جبھی اس نے بار بار امامہ کو پکارا تھا۔ لیے لگا لائن پہلے سے کٹ گئی تھی۔ امامہ نے اس کی پوری بات نہیں سنی مگر کسی ضروری بات کو اس سے کرنے آئے بابا سائیں ضرور انکشافات کی زد پہ آئے دل تھام کر رہ گئے تھے۔

❁ ...... ❀ ...... ❁

میں تو مدرسہ میں تھی سچ پوچھو تو مجھے یقین نہیں آ تا تھا تم اتنی جلدی آ گئی ہو واپس۔" زینب کا چہرہ و آواز خوشی و اطمینان چھلکاتی تھی۔ نندنی دکھ بھری آواز سے اسے دیکھتی خاموش بیٹھی رہی۔

"کچھ بتاؤ تو' اتنی جلدی کیسے کام نپٹ گیا تمہارا مجھے تو اداس لگ رہی ہو بلکہ بیمار بھی۔" اپنی کہتی زینب یکدم ٹھٹکی اور اس کا پرسوز چہرہ تکتے ہوئے پریشان نظر آنے لگی۔ نندنی کا دل تو ایسا آ بگینہ تھا جو ذرا سی ٹھیس لگنے کی دیر ہوتی تڑختا تھا بکھرتا تھا ہمدردی کے پھائے زخموں پر رکھے گئے تو بجائے سکون کے تکلیف کی شدت سے بدن لرز اٹھا۔ آنکھوں کا آئینہ دھندلایا اور ٹپ ٹپ شفاف آنسو گلاب چہرے پر ایسے برسے جیسے شبنمی موتی بکھر گئے ہوں۔

"میں ہار گئی ہوں زینب' ہر لحاظ سے شکستہ' زندگی نے مجھے دکھوں اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں دیا آپ مجھے بتائیں اگر وہ میرے نصیب کا حصہ نہیں تھا تو کیوں ٹکرایا مجھے۔ کیوں دوبارہ سے نظر آیا' مجھے مزید دکھی کرنے کو' میں کہاں تک اپنے ضبط اور حوصلے کو آزماؤں؟ میں نہیں لڑ سکتی مزید خود سے میرے لیے مر جانا ہی بہتر ہے۔" ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے وہ بری طرح سے بلک پڑی۔ اسی طرح سسکتے' تڑپتے ہوئے اس نے وہاں پیش آنے والے سارے واقعات کہہ سنائے جو اذیت و نارسائی کے احساس سے لبریز تھے۔

"ساحر کی آنکھوں میں اپنے لیے بے زاری اور نفرت دیکھنا میرے ضبط و برداشت کی انتہا تھی۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔" زینب کے چہرے پر اس پل کتنی بے بسی تھی۔ اس کا غم مٹا نہ سکنے کی اس کا درد کم نہ کرنے کی بے بسی۔

"حوصلہ کرو نندنی' اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوا کرتی ہے جیسے سمندر بہت وسیع ہوتا ہے مگر ہم اپنے چلو میں اتنا ہی پانی بھر سکتے ہیں جتنا ہماری ہتھیلی کی روک میں سما سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ کی رحمتیں لامحدود ہیں مگر ہم اتنی ہی پا سکتے ہیں جتنا ہمارا ایمان پختہ ہے۔ اللہ پر بھروسہ ایمان اور یقین قائم رکھو ان شاء اللہ ایک دن منزل پالو گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری مشکلات کو آسانیوں میں بدلے تمہیں پتا ہے نندنی سب سے مضبوط وہ لوگ ہی ہوتے ہیں جو اپنے ارادوں میں پختہ ہوں کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے مضبوط لگن کا ہونا از حد ضروری ہے۔ یہ لگن اگر روحانی راستوں پر چلنے کو اختیار کی جائے تو سبحان اللہ' ایک واقعہ سناتی ہوں تمہیں۔ روحانی بزرگ خواجہ معین الدین چشتی' انہوں نے بیس سال اپنے مرشد کے ہاں پانی بھرا تھا اور بیسویں سال ان کے مرشد نے پوچھا تھا لڑکے تمہارا نام کیا ہے۔ آتش پرشوق قلب میں نہ دہک رہی ہوتی تو اصولی جواب یہ بنتا تھا کہ بیس سال میں آج نام پوچھنے کا خیال آیا' مگر روشنی ہدایت کے خواستگار برگزیدہ نے اپنے ظرف و تابعداری سے اپنے روشن مستقبل کا پتا دیا اور مودبانہ عرض کیا۔ "معین الدین" بیس سال بھی بے نام رہنے والے اپنے رہنما کی نظر التفات کا انتظار کرتے ہیں اور شرح صدر کی خاطر بیس سال صرف پانی بھرتے ہیں۔" اور نندنی جو واپس انڈیا جانے کا فیصلہ کر چکی تھی گنگ بیٹھی اس کا منہ تکنے گئی۔ اسے خود پر شرم آئی۔ وہ اتنی کمزور تھی یہ تھی اس کی محبت؟ بس اتنی سی آزمائش اور پھر راہ فرار' یہ محبت تو نہ تھی یہ اخلاص تو نہ تھا یہ عشق تو نہ تھا۔ جس میں کوئی چور دروازہ نکلتا ہی نہیں' طے ہوا تھا وہ واپس نہیں جائے گی چاہے اسے کامیابی ملے نہ ملے۔ وہ اسی شہر اسی ملک کی فضاؤں میں رہے گی جن میں عباس کی سانسوں کی مہک شامل تھی۔ اسے یہاں سے نہیں جانا چاہے عمر بھر بھی عباس اسے نگاہ التفات کے قابل نہ سمجھے مگر وہ محبت میں گستاخی کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔

❁ ...... ❀ ...... ❁

"السلام علیکم کیا حال ہے بیگم صاحبہ؟" عباس حیدر نے گلاس وال کے ساتھ کھڑی بارش کا نظارہ کرتی عریشہ کو پیچھے سے آ کر کاندھوں سے تھام کر نرمی سے لگایا اور اپنا سر اس کے کاندھے سے ٹکا دیا۔ عریشہ نے ناز بھری خفگی سے اسے دیکھا پھر کسمسا کر اس کے حلقے سے نکلنے کو مچلی۔

"ابھی تک خفا ہو؟" عباس نے مسکراہٹ دبا کر اس کی ناک کو شرارت و اپنائیت بھرے انداز میں دبایا۔ عریشہ نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا۔

"زیادہ فرینک ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں۔" وہ رنجی اور نخوت زدہ انداز میں اسے جھڑک دیا۔ عباس کو یہ توہین آمیز انداز برا لگا تھا مگر اظہار نہیں کیا یہ سچ ہے محبت میں انسان بہت ساری ناگوار باتوں کو سہنے کا ظرف حاصل کر لیا کرتا ہے۔

"میں وہ کام کر چکا ہوں مادام جس کے لیے آپ نے مجھ پر یہ پابندیاں لگائی تھیں۔" عباس نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور خوش دلی سے کہا۔ عریشہ کی نظریں ہنوز مشکوک تھیں۔

"کوئی ثبوت؟"

"کیا اب میری زبان کا بھی بھروسہ نہیں ہے؟" عباس کو واقعی دکھ ہوا تھا۔ عریشہ نے پروا ضروری نہیں سمجھی اور اس ڈھٹائی سمیت سر کو نفی میں جنبش دینے لگی پھر جتلا کر بولی تھی۔

"امی کہتی ہیں مرد پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ آستین کا سانپ بن کر جب چاہے ڈس لے۔ خاص طور پر حسین مرد کی تو حفاظت اور بھی کٹھن کام ہے۔ آپ تو پورے پاکستان کی عورتوں کے دلوں میں دھڑکتے ہیں۔ کوئی آپ کے دل میں بھی دھڑک سکتی ہے۔" عباس نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور مسکرا کر ٹال گیا مگر وہ عریشہ تھی جس نے اس کے سیکرٹری سے تصدیق کرنے کے بعد باری باری دیگر اراکین سے بھی بات کی تھی۔ اس دوران عباس ہونٹ بھینچے خود پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھاتا رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آئی عریشہ شروع سے ایسی کٹھور تھی یا اب ہو گئی تھی۔

"تھینک یو ویری مچ عباس' آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔" اپنی تسلی کے بعد وہ پھر وہی عریشہ بن گئی ہنس مکھ' نرم' گداز' محبتیں لٹاتی ہوئی۔ عباس کے لیے اس کا یہ روپ بے حد تکلیف کے ساتھ رنج کا بھی باعث بن رہا تھا۔ شریک سفر کی ذہنی ہم آہنگی بہت سارے مسائل سے نجات دلا سکتی ہے مگر اس کے نصیب میں یہ سکھ یہ سکون نہیں آ سکا تھا۔

"کیا ہوا چپ کیوں ہیں جناب؟" عریشہ کو اس کی خاموشی ناگوار محسوس ہوئی۔ عباس سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"بہت تھکا ہوا ہوں عریشہ' ملازمہ سے کہہ کر چائے بنوا دو۔ بچے کہاں ہیں؟" فریش ہونے کے خیال سے واش روم کی سمت جاتے وہ رک کر اسے سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔

"سو رہے ہیں دونوں' میں کہتی ہوں چائے کا۔" عریشہ نے بچوں کے کاٹ کی جانب اشارہ کیا اور انٹر کام کا ریسیور اٹھا لیا۔ عباس واش روم میں بند ہو چکا تھا۔ باتھ لینے کے بعد باہر آیا تو گیلے بال ماتھے سے جھٹکتے ہوئے اس نے پہلے جھک کر دونوں بچوں کو پیار کیا پھر پلٹ کر بستر میں جا گھسا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی عباس۔" جب وہ

چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لے رہا تھا تو نیند کے خمار سے اس کی سحر انگیز آنکھوں کی دلکشی مزید بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ عریشہ کے مخاطب کرنے پر اس نے سوالیہ نظریں اٹھائیں پھر طمانیت سے مسکرایا۔

"بات تو مجھے بھی کرنی ہے تم سے ذرا یہاں آؤ۔" بلاوا خاص تھا انداز میں شوخی و شرارت تھی، صاف ظاہر تھا وہ کچھ دیر قبل کی تمام ناگواری بھلا چکا تھا۔ وہ ہمیشہ یونہی اس کی جانب سے بہت جلدی دل صاف کرلیا کرتا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کا دل اس کی جانب سے میلا ہوتا ہی نہ تھا۔

"اونہہ.....کوئی بدتمیزی نہیں چلے گی۔" عباس کی پیش رفت پر وہ مصنوعی ناز سے چلانے لگی۔

"اسے بدتمیزی نہیں محترمہ رومینس کہتے ہیں کیا سمجھیں۔" عریشہ نے مصنوعی خفگی سے گھورا اور منہ بنالیا مگر عباس من مانی کے موڈ میں لگتا تھا۔

"پتا ہے کتنی لمبی جدائی کاٹی ہے یار خفا مت ہونا پلیز۔" اس کے گال کو شرارت بھرے انداز میں چھو کر وہ ہنسا تو عریشہ اسے دیکھنے لگی۔ اس کی سحر انگیزی، اور دلکشی کمال تھی بے خودی سی چھانے لگتی تھی عریشہ پر اسے اتنے نزدیک دیکھ کر۔

"کچھ منواؤ گی تو ماننا بھی پڑے گا جانِ عباس کاروبار زندگی لو اور دو کے اصول پر ہی چلتا ہے۔" عباس کی وارفتگی میں بھی بلا کی احتیاط اور نرمی پنہاں ہوا کرتی تھی۔ وہ ایسے چھوتا تھا اسے جیسے بلور سے بنی ہوئی ہو۔

"مگر میں آپ کو اپنے بارے میں کاروباری نہیں سمجھتی تھی۔" عریشہ نے ناراضی جتلانا ضروری سمجھا۔

"یہ کاروبار تو محبت کا کاروبار ہے۔ جتنا انویسٹ کروں گا اس سے بڑھ کر نفع پاؤں گا۔ دیکھ لو ہر حکم تمہارا چلتا ہے سب کچھ تمہارا ہے حالات و واقعات گواہ ہیں ہم آپ کے سامنے ہارے ہوئے ہیں۔" عباس کا لہجہ گواہ تھا اس کے لیے اس ہار میں بھی خوشی و طمانیت کے ساتھ فخر و انبساط بھی ہے۔ عریشہ کی خود پسند خود غرض اور حاکمانہ فطرت کو تقویت کی ڈور ملی تھی مگر بظاہر وہ ٹھنک گئی تھی۔

"کیسے مان لوں میں ثبوت بھی مانگتی ہے ہر گواہی۔" بات ایسی تھی کہ عباس کا متحیر ہونا عین فطری تھا اس نے سر اونچا کر کے عریشہ کا چہرہ جانچنے کی کوشش کی انداز میں خفیف سی چبھن کا احساس تھا۔

"عریشہ میں کتنے ثبوت فراہم کر تو چکا ہوں۔ پھر بھی......!" وہ سخت شاکی ہو چکا تھا عریشہ نے بے اعتنائی کے ساتھ کاندھے جھٹکے اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ چھوٹی موٹی معمولی باتیں اتنی اہمیت کی حامل ہی کہاں ہیں عباس صاحب سمجھ لیں آپ مجھ ان لالی پاپ سے نہیں بہلا سکتے۔ میری ڈیمانڈ آپ کے حوالے سے پہچان ہے آپ کے خاندان میں اپنا مقام حاصل کرنا ہے جانتے تو ہیں آپ۔"

عباس یکدم ٹھنڈا پڑ گیا۔ عریشہ کی اس حد تک برتی گئی خود غرضی و بے حسی اسے تاسف میں مبتلا کرنے لگی وقت اور حالات گواہ تھے کہ اس نے اپنے کیریئر کی خاطر ہی سب کچھ داؤ پر لگایا تھا اور عریشہ نے اس سے اس کا کیریئر چھین لیا تھا۔ اک مرتبہ نہیں عباس کو اس کی خاطر دوبارہ یہ قربانی دینی پڑی تھی مگر وہ پھر بھی خوش نہیں تھی وہ اس کے احساسات کو سمجھے بغیر بس اپنی منوانے کی خواہش مند تھی۔ وہ جتنا بھی انا پرست تھا مگر اس نے عریشہ کی خاطر یہ بھی کیا تھا لیکن اسے آگے سے کامیابی نہیں ہوئی تھی اور وقاص نے اس کے سارے راستے بند کردیے تھے تو گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی۔ عریشہ کو پھر بھی اس بات کا اس کی مجبوری کا احساس نہیں تھا۔

"میں کوشش کر چکا عریشہ، تمہاری یہ خواہش ضروری پوری ہو مگر یہ کام میرے بس سے باہر کا ہے کیا تم اب اس بات کو لے کر میرے ساتھ مس بی ہیو کیا کرو گی؟ تمہیں پتا بھی ہے میں ناراضی برداشت نہیں کرسکتا تمہاری۔" اس کے چہرے سے کتنی بے بسی جھلک رہی تھی۔ عریشہ کو اس کی یہ بے چارگی زہر لگی۔

"آئی ایم سوری عباس صاحب، اطلاعاً عرض ہے کہ میں مزید آپ کی اس من گھڑت فرضی مجبوری کے جھانسے میں نہیں

آؤں گی سن لیں یہ ناراضی اتنی دیر تک ختم نہیں ہوگی جب تک آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کردیتے۔" وہ نہایت بے نیازی سے کہتی اس کے ہاتھ جھٹک کر وہاں سے چلی گئی۔ عباس حیدر رنج حیرت اور غیر یقینی سے ششدر بیٹھا رہ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁
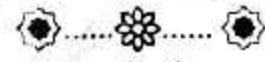
"کیا ہوگیا ہے عائشہ کی بچی، اریبہ ہوں میں اریبہ شاہ، پہچانا کہ آ کر سر پھاڑوں تمہارا۔" فراز شاپنگ آرکیڈ میں گھوم پھر کر خریداری میں مصروف تھا جب اپنی پشت سے آئی اس دانت کچکچاتی آواز پر یونہی بے ارادہ گردن موڑ کر دیکھا، بلیک جینز پر لمبی دھانی قمیص، دوپٹے میں ملبوس ہاتھوں میں شاپنگ بیگز اٹھائے وہ ہینڈ سیٹ کے ذریعے فون پر بات کرتی الٹرا ماڈ اور خوش روی لڑکی تھی۔ جس کی خصوصیت اس کے گولڈن براؤن کرلی بال، اجلی بے داغ سفید رنگت اور براؤن آنکھیں تھیں۔ وہ حسین ہی نہیں حسین ترین لڑکی تھی۔ فراز کی سرسری انداز میں اٹھی ہوئی نگاہ پلٹنے کے معاملے میں بے بس ثابت ہوئی۔

"میں تمہاری برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کو یہاں خوار ہوتی پھر رہی ہوں اور محترمہ ابھی تک نیند کے مزے لوٹ رہی ہیں۔ میں کہتی ہوں ساری تیاری میرے پہنچنے سے پہلے کر رکھو ورنہ میں آ کر حشر کردوں گی تمہارا۔" وہ اسی خونخوار انداز میں مخاطب تھی۔ اب البتہ رک کر کاندھے پر لٹکتے بیگ میں آدھے سے زیادہ منہ گھسائے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ فراز نے گہرا سانس بھرا اور سر پر ہاتھ پھیرتا سیدھا ہوگیا۔ وہ محترمہ بھی ایک شاپ میں گھس گئی تھی۔ فراز کو اپنے لیے کچھ پسند نہیں آ سکا تھا۔ دراصل اس کا ذہن الجھاؤ کا شکار تھا وہ بے حد الجھن ہو رہا تھا۔ بنے بنائے کام میں آ پڑنے والی رکاوٹ نے اسے مایوسی اور بے دلی کا شکار کردیا تھا۔

کچھ دیر مزید سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے بعد اسے بھوک محسوس ہوئی تو برگر کارنر پر چلا آیا۔ ریسٹورنٹ کا داخلی دروازہ مستعد و مودب نظر آتے باوردی گارڈ نے اس کے لیے وا کیا۔ فراز کی نگاہ جس پل اس کی خوش آمدیدی مسکراہٹ میں الجھی اسی لمحے کوئی اس کی جیسی بے خیالی کا شکار اندر سے باہر آتا وجود اس سے ٹکرایا تھا۔ فراز تو جیسے بھنا کر رہ گیا۔

"آؤچ، اندھے ہو تم، اتنی بڑی بڑی آنکھوں کی موجودگی کے باوجود محض لڑکیوں سے ٹکرانے کا شوق ہی ایسی تھرڈ کلاس حرکتوں پر اتر آتے ہو۔" وہ نازک مزاج محترمہ تو جیسے پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑی تھی۔ نظریں ملامت بھری تھیں۔ فراز نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے بے حد غصے سے اسے دیکھا تو جیسے ٹھٹکا، یہ تو وہی محترمہ تھیں جو شاپنگ آرکیڈ میں زور و شور سے اپنی دوست پر لعنت ملامت کر رہی تھیں۔

"نیچے کرو اپنی آنکھیں ورنہ نکال کر ہتھیلی پر دھر دوں گی۔ اریبہ شاہ ایسی ویسی لڑکی نہیں کہ جس کا جی چاہے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورنے لگے۔" وہ تیکھے چتونوں اکھڑے درشت تیوروں سے بولی تھی۔ فراز تو اس شعلہ جوالہ کو دیکھتا رہ گیا مگر اس کے الفاظ ضرور اسے تلملا کر رکھ گئے تھے۔ یعنی حد تھی غرور اور نازکی کی۔

"دیکھیے محترمہ اپنا راستہ ناپیے میں ہرگز بھی جان بوجھ کر آپ سے نہیں ٹکرایا۔ حد ہے خوش فہمی کی۔" فراز نے جواباً بغیر کسی لحاظ کے تڑخ کر کہا اور تن فن کرتا اس کے تاثرات کے پروا کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

"دنیا لوفروں سے بھری پڑی ہے مگر یہ ذرا مختلف کمینہ ہے۔" اپنے پیچھے دانت چبا کر کہے گئے تبصرے نے کانوں سے دھواں نکال دیا تھا۔ وہ چاہتا تو پلٹ کر اسے ایسا جواب دیتا کہ وہ اپنی بات پر پچھتائے بغیر نہیں رہتی مگر اس کی نسوانیت کا لحاظ کر کے چپ رہا۔

"فراز کہاں ہو یار تم؟" ابھی وہ آرڈر کرنے کے بعد سیدھا ہو کر بیٹھا ہی تھا جب اس کے سیل فون پر شرجیل کا ٹیکسٹ آیا۔

"گھر سے باہر ہوں بھائی، خیریت۔" اس نے جوابی ٹیکسٹ ارسال کیا اور ویٹر کو اپنے سامنے میز پر کھانا چنتے دیکھنے لگا۔

"آج ایمان کو چیک اپ کے لیے جانا تھا یار میں

میٹنگ میں ہوں تین گھنٹے سے پہلے فارغ نہیں ہوسکتا۔ اس دوران اس کا اپائنمنٹ نکل جائے گا تم لے جاؤ گے اسے؟" شرجیل کا اصرار اسے مخمصے میں ڈال گیا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھر کر پھر ٹیکسٹ ٹائپ کیا۔

"جی بھائی! ٹائمنگ بتادیں مجھے۔" شرجیل نے ٹائم بتادیا تھا۔ فراز وہاں سے اٹھا تو اس کے پاس ایک گھنٹہ ابھی باقی تھا۔ وہ آسانی سے گھر پہنچ کر ایمان کو کلینک لے جاسکتا تھا۔ جی ٹی روڈ سے آگے سڑک کے سائیڈ پر وائٹ کرولا کے انجن پر جھکی کھڑی وہ وہی لڑکی تھی جسے آج کی تاریخ میں وہ دو مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ کھلے ہوئے بونٹ اور اس کے چہرے کی جھنجلاہٹ از خود بتاتی تھی کہ گاڑی میں کوئی خرابی پیدا ہوچکی ہے۔ فراز نے کچھ سوچا پھر اپنی گاڑی اس سے کچھ فاصلے پر جاکر روک دی۔

"ہیلو میم...... میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟" اس نے گلا کھنکارا تو اریبہ نے بے طرح چونک کر اسے دیکھا اور جیسے شناسائیت کا عکس اس کی گہری سنہری آنکھوں میں بھی اتر آیا تھا۔

"تیسری مرتبہ کا ایک ہی دن میں ہونے والا یہ ٹکراؤ بے معنی نہیں ہوسکتا۔ جبھی میں آپ سے بات کررہا ہوں۔" وہ دانستہ مسکرایا۔ اس پل وہ قنوطیت کے اس حصار سے بھی نکل آیا تھا جو اسے جکڑے ہوئے تھا۔ جبھی لہجہ خوشگوار تھا اریبہ کے انداز میں بھی قدرے نرمی اور رسانیت جھلک رہی تھی۔

"گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی شاید کچھ فالٹ آگیا ہے۔" مدھم انداز میں کہہ کر اس نے نظریں کترالیں۔ فراز نے اس کی بڑھائی چابی پکڑی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہوگئی تھی فراز جانے کیوں ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔

"مس اریبہ ہم دوبارہ مل سکتے ہیں؟" وہ گاڑی سے باہر آیا تو اسے گہری نظروں سے تکتے اہم سوال کیا تھا۔ اریبہ بے طرح چونکی۔

"اس احسان کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔" اس نے تیکھے انداز میں سوال کرکے فراز کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کردیا۔

"یہی سمجھ لیں آپ۔"

"لیکن میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں مسٹر آپ بہت غلط سمجھے۔" اس نے اچھا خاصا برا مانا۔

"میں بھی اس قسم کا لڑکا نہیں ہوں مس اریبہ ٹرسٹ می' چلیں بس اپنے گھر کا ایڈریس دے دیں۔" اب کے اس کے لہجے میں سنجیدگی اور متانت تھی۔ اریبہ نے پہلی بار اسے بغور دیکھا پھر گھورنے لگی۔

"وہ کس لیے! دیکھیں......!"

"آپ غلط سلط اندازے قائم نہ کریں' مجھے ضروری کام ہے آپ سے......!"

"مجھے کسی قسم کے کام کے لیے بھی آپ کی ضرورت نہیں ہے' اوکے گڈ بائے فار ایور۔" وہ اسے چڑا کر کہتی ہاتھ ہلا کر رخصت ہوگئی۔ فراز ہونق ہوکر رہ گیا تھا۔ پھر خاصے خراب موڈ کے ساتھ واپس اپنی گاڑی میں آن بیٹھا تھا۔ اس لڑکی کا مغرور اور دلکش چہرہ بار بار اس کے تصور کے پردے پر لہرا کر اسے ڈسٹرب کررہا تھا۔

"حیرت ہے کیا کوئی اتنی جلدی بھی کسی پر اثر انداز ہوسکتا ہے؟" وہ بار بار اچنبھے سے سوچتا رہا۔ گھر پہنچا تو ایمان کچن میں اتنی مصروف تھی کہ گویا سر کھجانے کی بھی فرصت میسر نہیں تھی۔

"آپ تیار نہیں ہوئی ابھی تک بھابی؟" وہ بے حد جھنجلا سا گیا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس سے قبل کہ ایمان اس کے پلے میں کچھ ڈالتی مما نے آکر خاصے غصیلے انداز میں سوال کیا تھا۔ فراز متوقع تفتیشی پریڈ سے ہی بے زار ہونے لگا۔

"بھابی کو چیک اپ کے لیے اسپتال جانا ہے' شرجیل بھائی بزی تھے مجھے سونپا ہے یہ کام۔ بھابی میں نے ٹیکسٹ چھوڑا تھا آپ کے نمبر پر پھر بھی تیار نہیں ہوئیں آپ۔" وہ پہلے مما کو جواب دے رہا تھا پھر ایمان کو مخاطب کرلیا انداز بے حد سرسری قسم کا تھا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا معاملہ گمبھیر ہو۔

"مما یہ کام شذرا یا سمیعہ کرلے گی نا' بھابی کو لے جاؤں میں؟" اس نے نرمی و رسانیت کے ساتھ دانستہ محبت کا مظاہرہ کرتے مما کے گلے میں بازو حمائل کیے تھے۔ ان کے تیکھے و ترش تاثرات اس کی حرکت کے جواب میں قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔ انہوں نے جیسے طوعاً و کرہاً سر کو اثبات میں ہلایا۔

"چلیں بھابی کوئیک...... ٹائم بہت کم ہے۔" اس نے دانستہ جلدی مچادی۔ ایمان خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"مسکراہٹ اور نرم بول آدھی مشکلات کو تو لازمی آسانی میں بدل سکتے ہیں یونو؟" ایمان تھکی تھکی پژمردہ سی آکر اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی تو فراز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے گفتگو کا آغاز کردیا ایمان جواب میں کچھ کہے بغیر محض سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

"کیا ہوا پسند نہیں آئی میری بات؟" فراز بہت متفکر سا اس کا چہرہ جانچ رہا تھا۔

"کیا کہوں فراز بھائی سوائے اس کے کہ رشتوں کی تبدیلی بھی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے ماں ہیں وہ آپ کی یہ محبت و نرمی بالکل فطری انداز کی ہے آپ کے لیے ان کا دل جیتنا بالکل مشکل کام نہیں بلکہ یہ دل تو آپ کا جیتا ہوا ہی ہے۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی فراز کو اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

"لیکن پیاری بھابی جی یہ بات تو مانیں گی سیانے کہہ گئے ہیں پتھر پر بھی پانی کا قطرہ مستقل گرے تو سوراخ ہوجاتا ہے ہماری والدہ ماجدہ تو پھر انسان ہیں۔" اس کا شریر انداز دل جلی کی نرمی سموئے ہوئے تھا ایمان آنکھوں کی نمی سمیت نظریں جھکا گئی۔

"کسی کام کا بیڑا اٹھانا ہو تو سب سے پہلے ہمت حوصلوں اور مضبوط قوت ارادی کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔ میرے پاس یہ تینوں نعمتیں وافر مقدار میں موجود تھیں لیکن بیک وقت اتنے محاذوں پر لڑنا پڑا کہ کال پڑ گیا وجود میں ان خزانوں کا ہارا ہوا انسان کیسے کوئی محاذ سر کرسکتا ہے؟" اس کے انداز کی افسردگی اس کے اندر کی مایوسی و ناامیدی کی جانب اشارہ کرتی تھی۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی بھابی' قسم سے آپ نے ہمیں بہت مایوس کیا۔ میں تو سوچ رہا تھا پسند کی شادی کرکے آپ کی پارٹی کو کمک فراہم کروں گا مگر آپ......!" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر تاسف سے سر جھٹکا ایمان البتہ چونکی تھی پھر جیسے پرخلوص مشورہ دیتے اصلاحی انداز میں بول پڑی۔

"آپ تو کانوں کو ہاتھ لگالیں پسند کی شادی نہیں کریں گے۔" اس نصیحت پر فراز بدک سا گیا اور خاصے روٹھے ہوئے انداز میں اسے تکا۔

"کم از آپ سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ دشمن کے قبیلے کے افراد جیسی باتیں کریں۔" ایمان اس کے انداز کی خفگی اور شکایتی پن پر دھیرے سے ہنس دی تھی پھر گہرا سانس بھر کر کھڑکی کے پار دیکھا اور کاندھے اچکا دیے۔

"ہمدردی کی بدولت کہہ رہی تھی۔ نہیں چاہتی ہوں کوئی اور غریب اس پل صراط آ چڑھے جسے تنہا اسے عبور کرنے کی مشقتیں سہنی پڑیں۔" اس کے انداز میں بیت جانے والی اذیتوں کا تاثر رقم ہونے لگا۔ فراز متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

"محترمہ خاصی پٹاخہ قسم کی چیز ہیں مخالف محاذ کی شکست یقینی ہے۔" فراز نے اریبہ کا تصور کرکے مزا لیا جبکہ ایمان اس کے پریقین انداز سے ہی الجھی تھی۔

"کیا آپ کسی کو پسند کرچکے ہیں فراز بھائی؟" اور فراز دھیرے سے ہنستا چلا گیا۔

"پتا نہیں' ابھی کچھ کہہ تو نہیں سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ موصوفہ باقیوں سے الگ لگی ہیں۔"

"اوہ...... پھر تو سمجھیں پھنس گئے آپ' یہیں سے آغاز ہوتا ہے اس حادثے کا۔" وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی فراز نے کاندھے اچکا دیے۔ گویا کہہ رہا ہو دیکھی جائے گی۔

❁......❁......❁

بے زاری' پژمردگی' یاسیت نے جیسے اس کا گھیراؤ کرلیا تھا۔ یہ خیال یہ سوچ یہ احساس ہی جان لیوا ہوتا تھا کہ اب اس کی زندگی میں عباس کی ہمیشہ رہ جانے والی کمی آ ٹھہری ہے۔ وہ اس سے کبھی دوبارہ نہیں مل سکتی۔ ملنے کا آخری بہانہ بھی

اس نے خود ختم کرڈالا تھا۔ کبھی کبھار تو یہ قنوطیت اس حد تک بڑھتی کہ وہ خود اپنے آپ کو کوسنے لگتی۔ زینب نے کتنا چاہا تھا وہ اس کے ساتھ مدرسہ جانا شروع کردے مگر اس کا دل ہی کہیں نہ لگتا تھا۔ آج بھی وہ زینب کے مجبور کرنے پر اس کے لیے کچھ کتابیں لینے کے واسطے آئی تھی ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے اس نے مارکیٹ کی جانب پیش قدمی کی ہی تھی جب اسے ٹھٹھک جانا پڑا۔

"ایکسیوزمی مس نندنی۔" اس نے جانا اس کے قدموں میں موٹی آہنی زنجیر آپڑی ہے۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ مڑ کر دیکھے بنا وہ جان سکتی تھی پکارنے والا عباس حیدر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ وہ ساکن کھڑی رہی یوں جیسے سرائز ہوگئی ہو جبکہ عباس خود تیز قدموں سے چل کر اس کے مد مقابل آ گیا تھا۔ نندنی کی پلکوں پر ڈھیروں بوجھ آ گرا اور دھڑکنوں میں اک خوشگوار طوفان برپا ہوگیا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی خوش بختی تھی کہ وہ باب جسے وہ اپنے طور پر بند سمجھ رہی تھی کھلا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا ہر مصلحت بھلا کر خوشی سے رقص کرے جھومے گائے۔

"کیسی ہیں آپ؟" عباس کی نظریں اس پر تھیں اور وہ سرتا پا رنگتی جارہی تھی۔ خوش گمان، خوش فہم اور سرشار مگر عباس نے اس کی خاموشی اور نظریں اٹھا کر نہ دیکھنے کو کچھ اور سمجھا اس لحاظ سے بولا تھا۔

"آپ کو اس ناراضی کا حق حاصل ہے۔ آف کورس اس وقت میں بہت مس بی ہیو کر گیا تھا آپ سے۔" وہ خفت زدہ انداز میں گویا تھا۔ نندنی نے گھبرا کر لحہ بھر کو نظر اٹھائی مگر وہ کوئی وضاحت نہیں کرسکی۔ عباس حیدر کھدر کے لباس میں ملبوس تھا۔ نندنی کے دل نے بلا جھجک اعتراف کیا تھا کہ اس سے قبل کسی پر سفید رنگ اتنا جچتا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا ہوگا۔ اس نے یہ رنگ پہن کر گویا اس کی شان بڑھادی تھی۔

"اٹس اوکے۔" اس کا لہجہ مدھم تھا اور جس کے لیے اتنی مہربانی ہوئی تھی وہ اپنی دلربائی سے آگاہ تک نہ تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کی ایک نظر عنایت ہوئی ہے اور سارے گلے شکوے رنج نندنی کے آگے اپنی حیثیت کھو بیٹھے۔

"مجھے آپ کی طبیعت بہتر نہیں لگتی، خیریت؟" یہ اس کی نفیس انصاف پسندانہ سوچ کا ہی کمال تھا کہ اسے سر راہ روبرو پا کر وہ اس سے معذرت کیے بغیر نہیں رہ سکا مگر اب ذرا سا غور کرنے پر وہ اپنے حلیے اپنے چہرے کی ماند ہوتی چمک دمک سے جیسے برسوں کی مریض محسوس ہوئی تو اظہار تشویش کیسے نہ کرتا کہ وہ شگفتہ و نوخیز گلاب کی مانند نظر آتی لڑکی یکا یک جیسے خزاں کی زد پر آچکی تھی جبکہ نندنی کا دل اس سوال کے جواب میں آنسوؤں کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ کیا بتاتی وہ اسے عشق کی بیماری کسی خرابے سے کم تھی یا ہجر و نارسائی کا احساس سرطان کی طرح رگوں کو رگیدتا تھا۔ یہی تو سب سے بڑے عذاب تھے جان کے۔

"جی بس پچھلے دنوں طبیعت اپ سیٹ رہی آپ ٹھیک ہیں۔" وہ چاہتی بھی تو اس سے بے نیازی نہیں برت سکتی تھی۔ اب تو پھر وہ اس کی طرف متوجہ تھا مہربان تھا۔

"الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک۔" عباس کا لہجہ جواباً آسودگی اور خوش گواری لیے تھا۔ نندنی نے رشک آمیز نگاہ اس پر ڈالی اور بک شاپ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ عباس اس کے ہمراہ تھا۔ نندنی کو حیرانی نے آن لیا۔ "مجھے آپ کی کچھ چیزیں لوٹانا تھیں۔ آپ وہ چیک اور جیولری وہیں ہوٹل میں چھوڑ گئی تھیں شکر ہے آپ سے ملاقات ہوگئی آپ ابھی اپنی فرینڈ کے ہاں ہی مقیم ہیں نا؟" عباس نے اب کے مقصد کی بات کی تھی۔ نندنی نے چونک کر اسے دیکھا۔

(میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میرے نزدیک ان چیزوں کی قطعی کوئی اہمیت نہیں ہے سات سمندر پار کرکے میں جس گوہر مقصد کی تلاش میں آئی تھی وہ مجھے کبھی نہیں مل سکتا۔ میری بدنصیبی طے شدہ ہے)

"آپ کو شاید یوں میرا سر راہ ملنا پسند نہیں آسکا۔" عباس نے اس کی خاموشی اور گریز سے یہ ہی نتیجہ نکالا تھا۔ نندنی جیسے تڑپ کر بلبلا کر رہ گئی۔

(اب میرے لیے کیا ہیں میں کبھی آپ کو نہیں بتاسکتی۔ کاش اے کاش زندگی نے حالات نے اور وقت نے میرے ساتھ یہ کھیل نہ کھیلا ہوتا میں اتنی نامراد نہ ٹھہری ہوتی) اس کی آنکھوں میں اتنی نمی اتری تھی جس نے گلے میں بھی آنسوؤں کا پھندا بنادیا جسے بڑے ضبط سے حلق سے اتار کر وہ کسی نہ کسی طرح بولی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے آپ کو غلط محسوس ہوا۔" جواب دینا ضروری تھا۔ نظر اندازی چاہے مجبوراً ہو گستاخی میں شمار ہوتی تھی۔ وہ گستاخی کی مرتکب کیسے ہوجاتی۔ اسے جانے کیا کچھ یاد آیا جو بیک وقت تکلیف و راحت کا سامان تھا۔

"مجھے آپ کی طبیعت ہرگز بہتر نہیں لگتی۔ آیئے میں ڈراپ کردوں آپ کو۔" بکس کا شاپر اٹھا کر وہ چلتی ہوئی پارکنگ لاٹ کی سمت آ گئی تھی جب عباس نے اسے پیشکش کی نندنی نے ہونٹ بھینچ کر کھولے۔

"سوری آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتی اجازت دیجیے۔" نندنی نے شائستگی سے انکار کرکے اسے الوداعی نظروں سے دیکھا۔ عباس کے تاثرات بدل گئے۔

"اوکے......ایز یو وش۔" لہجہ بلا کا خشک اور کھردرا ہوچکا تھا نندنی کا دل بھاری ہونے لگا۔ روڈ پر آ کر اس نے ٹیکسی روکی اور خود کو پچھلی سیٹ پر گرادیا۔ عباس ہونٹ بھینچے گاڑی کا لاک کھولتا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ اس کے خیال میں اس نے اپنی زیادتی کا ازالہ کردیا تھا۔

❁......❁......❁

سر لامکاں سے طلب ہوئی
سوئے منتہیٰ وہ چلے نبیؐ
کوئی حد ہے ان کے عروج ہے
بلغ العلا بکمالہ

نندنی کتابوں کا بنڈل اٹھائے سنگ مرمر کی چوڑی سیڑھیاں چڑھ کر مدرسہ کے ہال کمرے میں داخل ہوئی تو سپید دوپٹے کے ہالے میں نوخیز شگفتہ چہرے کی مالک کم عمر دوشیزہ اپنی خوش الحان آواز میں نعتیہ اشعار پڑھنے میں مصروف تھی۔ نندنی کی توجہ اس کے الفاظ کی تاثیر نے کھینچی تھی حالانکہ آخر میں عربی زبان کا فقرہ اس کی سمجھ سے بالاتر رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ بے نیازی سے آگے نہیں بڑھ سکی اور بے اختیاری کی کیفیت میں وہیں کھڑی ہوکر پوری توجہ سے اسے سننے میں مصروف رہی۔ یہ بالکل غیر شعوری طور پر سرزد ہونے والا عمل تھا۔ جس کے متعلق اسے خود بھی پوری طرح آگاہی نہیں تھی۔ وہ سحر انگیز آواز رکھنے والی لڑکی پڑھ رہی تھی۔

رخ مصطفیٰ کی یہ روشنی
یہ تجلیوں کی ہماہمی
کہ ہر ایک چیز چمک اٹھی
کشف الدجا بجمالہ

وہ لڑکی ایک جذب کی کیفیت میں جھومتی تھی۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں اتنا اطمینان اور آسودگی کی کیفیت تھی کہ نندنی گم صم ہوکر اسے تکتی چلی گئی۔ (کیا کوئی اتنا مطمئن اور سرشار بھی ہوسکتا ہے اگر ہوسکتا ہے تو کیسے؟) وہ حیران سی سوچے گئی۔

یہ کمال حق محمدیؐ
کہ ہر اک پہ چشم کرم رہی
سر حشر نعرۂ امتی
حسنت جمیع خصالہ

زینب نے دور سے نندنی کی اک جھلک دیکھی تھی۔ جبھی سرخوشی کی کیفیت میں اٹھ کر اس کی جانب آئی مگر وہ جیسے کسی اور ہی جہاں میں گم لگی تھی۔ زینب نے ایک نگاہ دوسری نعتیہ اشعار پڑھتی صائمہ پر ڈالی اور دانستہ خود بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔ وہ نندنی کا ارتکاز توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

بخدا ہے عشق محمدیؐ
میرا ذکر و فکر ہے بس یہی
صلوعلیہ والہ
صلوعلیہ والہ

صائمہ نے اشعار مکمل کیے اور اپنا سپارہ کھول لیا۔ اب وہ

ہل ہل کر اپنا سبق دہرا رہی تھی۔ زینب نے نرم مسکان کے ساتھ نندنی کو دیکھا وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آ کر جھینپی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میرے کمرے میں آ جاؤ زینب کے انداز میں محبت تھی بولنے کے انداز میں بھی ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ جانے کے انداز میں بھی کبھی کبھی نندنی کو لگتا وہ سراپا محبت ہے۔ محبت کی مٹی سے گوندھ کر بنایا ہوا وجود۔

"میں نے سوچا انہیں ان کے اصل مقام تک پہنچا آؤں۔" نندنی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کتابوں کا بنڈل اس کی جانب بڑھایا اور دلکش مسکراہٹ سمیت کہا۔

"بہت اچھا کیا میری خواہش تھی تم یہاں ضرور آؤ۔" زینب کے لہجے میں خلوص تھا نندنی رواداری سے مسکرادی۔ پھر نظر گھما کر اطراف کا جائزہ لیا۔

"عمارت تو بہت خوب صورت ہے مجھے پسند آئی۔" زینب سادگی کے اس مظاہرے پر یکدم ہنس پڑی تو نندنی حیرانی سے اسے تکنے لگی تھی۔

"تم بیٹھو میں تمہارے کھانے کو کچھ منگواتی ہوں۔" زینب اسے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ نندنی اسے روکنا چاہتی تھی مگر زینب نے اسے موقع نہیں دیا۔

"اندھیروں میں رہنے والے روشنی میں جائیں تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اگر روشنی میں رہنے والے اندھیروں میں آ جائیں تو ٹھوکریں لگا کرتی ہیں۔ ماحول سے مانوس ہونے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔" نندنی سرسری انداز میں اس نشست گاہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اک نسوانی آواز اس کی سماعتوں میں اترنے لگی۔ موضوع والفاظ ایسے تھے کہ وہ یکدم پوری طرح متوجہ ہوئی۔

"میں نے پڑھا تھا کہ لوگ فریب کے نام پر لڑیں گے جھگڑیں گے حتیٰ کہ اس کے لیے جان تک دے دیں گے۔ مگر اس پر عمل نہیں کریں گے اور آج بدقسمتی سے یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ کیا قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ جو کفر کی تاریکیوں سے نکل آئے اسے دھتکار دو۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنے پیاروں کو چھوڑ آئے اسے دھتکار دو۔ اسے بے آسرا کر دو؟

اسلام کا نام لے کر اپنے مفاد کے لیے کسی کا کبھی نہ پورا ہونے والا نقصان کر دو۔ کیا یہ انعام اسلام قبول کرنے والے کا؟ یہ صلہ ہے ان کی قربانی کا؟ کیا اسلام یہ کہتا ہے کہ صبح اٹھ کر نماز پڑھو اور بیٹیوں کو جنم دے کر چھوڑ دو؟ پھر یہ کیسے مسلمان ہیں جو رشتہ بھی توڑتے ہیں اور خود کو مسلم بھی کہلاتے ہیں۔ نیک اور پرہیز گار کہلاتے ہیں۔ مسلمانو! ہوش کے ناخن لو حدیث کا مفہوم ہے جو رشتے توڑ دے وہ ہم میں سے نہیں سوچیں ہم کہاں جا رہے ہیں۔ صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں دین مکمل نہیں ہو جاتا۔ ہمیں حقوق العباد بھی نبھانے ہوں گے۔ انسان کو اشرف المخلوقات ایسے ہی نہیں بنایا گیا کہ اسے ان تمام آزمائشوں سے گزار کر ہی اللہ نے پرہیز گاری کی سند سے فیض یاب کرنا ہے۔ اللہ پاک ہمیں اسلام میں پورے داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے صرف کچھ جزو کو اختیار کرنے سے دین مکمل نہیں ہو سکتا۔" زینب اندر آئی تو اس کے ہاتھ میں موجود چھوٹی ٹرے میں موجود گلاس میں انار کا تازہ جوس تھا۔

"مجھے پتا ہے تم چائے دن میں بس اک بار پیتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر نندنی کو گلاس پیش کیا۔ نندنی نے ایک سپ لے کر سوچتی نظروں سے زینب کو دیکھا تھا پھر یکدم اسے مخاطب کر لیا۔

"مجھے اپنے اللہ کے بارے میں کچھ ایسا بتاؤ زینب جو دل کو یہ ڈھارس دے سکے کہ جو وہ کر سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ تم کہتی ہو نا سب کچھ ہی کر سکتا ہے تمہارا اللہ۔" اس کا اضطراب اس کے لہجے سے اس کے الفاظ سے عیاں تھا۔ زینب مسکرادی۔

"بلاشبہ اللہ ہی کائنات کا خالق و مالک اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اسی کے اختیار میں ساری خدائی ہے۔ یوں تو اللہ کی بے شمار صفات ہیں مگر اس کی ایک صفت جس کے متعلق میں تمہیں بتانے لگی ہوں وہ رزق پہنچانے کی قدرت ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ سمندر میں مچھلیوں کو رزق پہنچاتا ہے۔ کیا اس قادر مطلق کا ہی کمال و شان نہیں جو اس کام پر قدرت رکھتا ہو جو جانتا ہو جو علم رکھتا ہو اور واضح رہے سمندر میں صرف مچھلیاں نہیں ہے اور بھی آبی مخلوقات ہیں۔" اس نے اپنی بات مکمل کر لی۔ اس کے ہونٹوں پر تفخر بھری مسکان تھی۔ نندنی نے سوچا بھی تھا سمجھا بھی تھا جانا بھی تھا جبھی اس کے خدوخال میں ہیجان سا در آنے لگا۔

"تم سچ کہتی ہو زینب، میں مان لوں گی اپنے اسی سب کچھ کر لینے کی قدرت رکھنے والے اللہ سے کہ وہ مجھے اس شخص کا ساتھ دے دے میں نہیں رہ سکتی اس کے بغیر۔ آج پھر میں نے اسے دیکھا آج پھر میں نے جانا۔ میں ادھوری ہوں نامکمل، ناآسودہ میں کبھی اس اذیت سے نہیں نکل سکوں گی۔ اپنے اللہ سے کہو نا۔" وہ ہسٹریک ہوتی اسے جھنجوڑنے لگی۔ اس پر پوری طرح دیوانگی طاری ہو رہی تھی۔ زینب نے بے قراری سے اسے تھام لیا۔ اسے خود سے لگایا اور اس پر سورۂ اخلاص اور آیۃ الکرسی پڑھ کر پھونک ماری۔

"یہ کل کائنات اللہ کی ہی تخلیق کردہ ہے۔ ہمارا ایمان کامل ہے کہ خشکی وتری میں کوئی پتا بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں گر سکتا۔ جس کو جو بھی ملتا ہے کم یا زیادہ وہ اللہ کی طرف سے ہی ملتا ہے میں اس سے دعا مانگوں گی۔ وہ دینے کی شان رکھتا ہے، دیکھو یہاں میں اک بات ضرور واضح کرنا چاہوں گی۔" زینب نے اس کے سسکتے بلکتے وجود کو بانہوں کے گھیرے میں لیے کر نرمی و محبت سے سمجھانا شروع کیا تھا۔ نندنی جواب تک رو رو کر نڈھال ہو چکی تھی اور بھربھری مٹی کی ڈھیر ہو چکی تھی نم پلکیں اٹھا کر خوفزدگی کے عالم میں اسے تکنے لگی۔

"وہ بادشاہ ہے، مالک کل ہے، بے نیاز، چاہے تو عطا کرے چاہے تو نہ کرے ہم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ اس کے زیر فرمان زیر تابع اور عاجز جو ہیں اس نے کہا۔

"مجھ سے مانگو میں عطا کرنے والا ہوں۔" یعنی کسی اور سے مانگنے سے منع فرمایا۔ ہمیں مانگنا تو اسی سے ہے مگر زبردستی کوئی نہیں میری دعا ہے خدا تمہیں دائمی سکون اور خوشی سرفراز فرمائے، آمین۔" زینب نے اسی پرسکون انداز میں بات ختم کر دی وہ ساکن بیٹھی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بے بسی بے قراری اس کے ہر انداز سے چھلک چھلک جاتی تھی۔

"آپ بہت نیک ہیں زینب، پرہیز گار بھی میں نے سنا ہے ایسے لوگ اللہ سے بہت قریب ہوتے ہیں اللہ ان کی بات نہیں ٹالتا۔ میرے لیے دعا کریں زینب۔ میرے لیے اپنے اللہ کو منالیں اس سے مجھے عباس کو لے دیں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ جینے اور مرنے کے بیچ کی یہ تکلیف بہت شدید بہت جان لیوا ہے۔ آپ اپنے اللہ سے کہو نا وہ میری اس اذیت کو ختم کر دے فار گاڈ سیک زینب۔ فار گاڈ سیک۔" وہ دھیرے دھیرے حواس کھو رہی تھی۔ اس کی بلک میں ذبح ہوتے جانور کی سی پھڑپھڑاہٹ کا احساس اور کربناکی تھی۔ نندنی نے اسے سنبھالنا چاہا تھا مگر وہ کمزور دل کمزور اعصاب کی مالک لڑکی اس کے ہاتھوں سے بھربھری مٹی کی مانند پھسلتی جا رہی تھی۔ وہ بدحواس ہو کر رہ گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
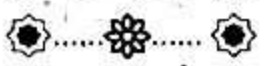
"سکندر......" بابا سائیں کی پکار پر سکندر جو کچھ فاصلے پر کھڑا پائپ لگائے پودوں کو سیراب کرنے میں مصروف تھا چونک کر متوجہ ہوا۔ بابا سائیں بے حد سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ سکندر نے نل بند کیا اور پائپ ایسے ہی چھوڑتا عجلت میں سبزے کی باڑھ پھلانگ ان کے عین سامنے آ گیا۔

"خیریت بابا سائیں آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" انہوں نے جواب میں اسے کچھ دیر خاموش نظروں سے ایسے دیکھا جیسے اس کے چہرے اس کی آنکھوں سے کچھ پڑھنے کچھ اخذ کرنے کی کوشش میں ہوں۔ سکندر فطری طور پر کنفیوز ہوا تھا۔ پہلا خیال ہی لاریب کی جانب گیا۔ (کہیں محترمہ وہ حماقت کر تو نہیں گزریں؟)

"لاریب کو وقاص کب سے اس طرح پریشان کر رہا ہے

سکندر؟'' انہوں نے بے حد متفکرانہ انداز میں سوال کیا۔ سکندر بے ساختہ چونک اٹھا۔ جو معاملہ وہ سمجھا تھا وہ اگر نہیں بھی تھا تب بھی بات تو تشویش ناک ہی تھی۔ اس نے مضطرب نگاہ بابا سائیں کے گمبھیر چہرے پر ڈالی اور ہونٹ بھینچ لیے۔

''میں پرسکون تو پہلے بھی نہیں تھا مگر اب تو جیسے راتوں کی نیندیں بھی حرام ہوگئی ہیں کس سے کہوں بھلا اللہ ہی رحم فرمانے والا ہے۔ بیٹے میں چاہتا ہوں لاریب کا جتنی جلدی ہوسکے عقد کردوں۔'' بابا سائیں بے حد پریشانی و بےقراری کے عالم میں پیشانی مسل رہے تھے۔ سکندر لب بستہ کھڑا تھا۔

''آپ سمجھتے ہیں یہ مسئلے کا حل ہے؟'' سکندر نے بالآخر لب کشائی کی۔ وہ انہیں کیا بتاتا۔ اس مسئلے پر تو وہ بھی ان کے جیسی ہی بےقراری اور لاچاری محسوس کرتا تھا۔ بس نہ چلتا تھا وقاص کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے یا پھر لاریب کو لے کر خود کہیں غائب ہوجائے۔

''ہاں بیٹے بالکل حل ہے۔ بیاہتا عورت محفوظ بھی ہوتی ہے اور مضبوط بھی پھر وقاص کی نیچر سے اتنا تو میں بھی آگاہ ہوں۔ وہ شادی شدہ عورت میں دلچسپی نہیں رکھے گا۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ زہر آلود ہوگیا تھا۔ سکندر اپنی جگہ جھلس کر رہ گیا۔ عصر کی اذان ہوئی تو بابا سائیں نماز کے لیے اٹھ گئے سکندر اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہیں بیٹھا رہا۔

''تم کیا کررہے ہو یہاں' پوری حویلی میں ڈھونڈ لیا۔'' لاریب اچانک اس کے سر پر آ کر غرائی۔ سکندر نے اس شعلہ جوالہ بنی دشمن جاں کو سرخ نظروں سے دیکھا۔

''بابا سائیں کو وقاص کے حوالے سے فضول حرکت بتانے کی کیا ضرورت تھی آخر؟'' وہ جل کر بولا لاریب کی بھنویں تن گئی تھیں۔ چہرے سے ناگواریت کا واضح اظہار جھلکا۔

''دماغ ٹھیک ہے میں کیوں بتانے لگی۔'' وہ بدمزاجی سے ترخ کر رہ گئی۔

''پھر انہیں کیا از خود الہام ہوگیا؟'' جواباً سکندر کا لہجہ طنز سمیٹ لایا۔ بے حد جھنجلا رہا تھا وہ۔ لاریب نے اس بدتمیزی پر اسے محض گھورنے پر اکتفا کیا۔ یہ ضرور تھا کہ اس کی آنکھیں اس انکشاف کے بعد اضطراب سمیٹ لائی تھیں۔ وہ گم صم سی کسی خیال میں گم ہونے لگی تھی۔

''بابا سائیں آپ کی شادی کا فیصلہ کرچکے ہیں ان کا خیال ہے کہ اس طرح آپ کی عزت محفوظ ہوسکتی ہے۔'' سکندر بہت دھیان سے اسے تکتا ہوا گویا آگاہ کررہا تھا۔ لاریب نے بے طرح چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تفکر اور بےکلی یکدم در آئی تھی۔

''میں پھر تم سے کہوں گی سکندر خاموشی کے ساتھ درمیان سے ہٹ جاؤ یہی بہتر ہے تمہارے لیے۔'' خاصی تاخیر سے بولی تھی تو اس کا لہجہ بھی اس ہیجان اور بےقراری کی زد پہ آچکا تھا مگر اس کا مطالبہ ایسا ضرور تھا جو سکندر کو آپے سے باہر کر کے رکھ سکتا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اس کے مقابل آ کر کینہ توز نظروں سے اسے گھورتا پھنکارتی ہوئی آواز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''یعنی بزدلی پر اکسا رہی ہیں مجھے' میں ایک مرد ہوں یہ حرکت زیب نہیں دیتی مجھے سمجھیں آپ اور اختیارات کو ختم کرنے کے بجائے میں ان کا دائرہ بڑھا بھی تو سکتا ہوں۔ محترمہ آپ کی شادی کے لیے مرد کی ضرورت ہے نا؟ الحمدللہ ہر لحاظ سے مکمل ہوں۔ آپ نے خود سلیکٹ کیا تھا مجھے وہ بھی زبردستی یاد کریں۔'' اس کا انداز قہر آمیز تھا۔ لاریب نے اپنے اندر اذیت اور بےبسی کو اترتے محسوس کیا تو سرد آہ بھر کر چہرے کا رخ پھیر گئی۔

''تمہارے منہ میں نہیں لگنا چاہتی۔'' وہ تلخی سے کہتی وہاں سے چلی گئی مگر تب سکندر کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سابقہ جذباتیت و انتہا پسندی کے بعد اب وہ اس قسم کی بھی حماقت کر گزرے گی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لاریب واقعی اس جھنجٹ سے نجات چاہتی تھی جبھی اس نے دل کڑا کیا تھا اور رات اس وقت ان کے کمرے میں

چلی آئی تھی بابا سائیں نماز کی فراغت کے بعد سونے کی تیاری میں تھے اسے دیکھ کر حیران ضرور ہوئے البتہ مسکرا کر اس کا استقبال کیا تھا۔

''آؤ بیٹے بیٹھو۔'' لاریب بے حد نروس تھی جبھی ٹانگوں کی لرزش پر قابو کی غرض سے فوری طور پر نشست سنبھال لی اس کے باوجود اس کی ٹانگوں کی لرزش نہیں تھمی۔ وہ تخت یا تختہ کا عزم لے کر ضرور آئی تھی مگر اسے یہ بھی یاد تھا جب ایمان کی وہ بےوقوفی ان پر کھلی تھی تو بابا سائیں زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا ہوگئے تھے ایسا اب بھی ہوسکتا تھا خدانخواستہ مگر لاریب کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی اور راستہ رہ بھی نہیں گیا تھا۔ اسے آج نہ سہی کبھی نہ کبھی یہ کڑوا گھونٹ بھرنا ہی تھا۔ اس وقت کا جو کتنا ہی کڑا سہی سامنا کرنا تھا۔ اپنے طور پر اس نے سکندر پر ہر طرح دباؤ ڈال کر دیکھ لیا اور جواباً اس کی بےلحاظی بدمعاشی نے ہی درحقیقت اسے اتنا زچ کردیا تھا کہ وہ یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ یہ خیال ہی دل میں آگ لگاتا تھا کہ سکندر فتح حاصل کرے گا۔ وہ اسے کسی قیمت پر بھی خود سے جیتتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''بابا جان مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پلیز میری بات کو ذرا تحمل سے سنیے گا اور یہ پہلو ہرگز نظر انداز نہ کیجیے کہ اگر مجھ سے نادانی ہوئی ہے تو وہ میری کچی عمر کی غلطی تھی آپ یہ سوچ کر مجھے معاف کردیجیے گا پلیز کہ غلطی انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہے۔ بابا جان یہ بھی یاد رکھیے گا کہ پہلی غلطی پر اگر معافی نہ ملے تو غلطی کرنے والا سنبھلنے کے بجائے گرنے والوں اور شدید نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوسکتا ہے۔'' خاصی دیر تک حوصلے اور الفاظ مجتمع کرتے رہنے کے بعد اس نے بالآخر تمہید باندھی تھی تو اس کی آواز پر رقت طاری ہوتی چلی گئی۔ بابا سائیں تسبیح کے دانے گراتے شفقانہ نظروں سے اسے دیکھتے رہے پھر مسکرا کر محبت سے اس کا سر تھپکا۔

''میری بیٹی اتنی سمجھ دار ہے کہ اس سے غلطی نہیں ہوسکتی مجھے یقین ہے۔'' انہوں نے اس محبت سے گویا اس کا حوصلہ اس کا دل بڑھایا تھا لاریب کے وجود پر جیسے کسی نے چابک سے ضرب لگائی تھی۔ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔ اس محبت اس اعتماد پر۔

''نہیں بابا جان' ایسا ہوچکا ہے میں نے کہا نا' میں تب بہت نادان تھی۔ اچھے بھلے کی تمیز سے ماورا۔'' اس نے شد و مد سے اپنی بات پر زور دیا اور پلکوں کی ریشمی باڑھ پھلانگ کر گالوں پر اتر آنے والے آنسوؤں کو اس ناراضی کے عالم میں پونچھ کر صاف کیا۔ بابا سائیں محض مسکرائے پھر سر کو اثبات میں ہلانے لگے۔ گویا اس کی بات سے اتفاق نہ رکھتے ہوئے بھی تسلیم کرلیا ہو۔

''آپ بولو بیٹے' یہ تو میں سننے کے بعد فیصلہ کروں گا درحقیقت آپ سے غلطی ہوئی بھی ہے یا نہیں۔'' ان کی مسکراہٹ ویسی ہی تھی مطمئن اور پرشفقت لاریب کا دل غم سے بوجھل ہونے لگا۔ (یا اللہ میرے بابا جان کو بلند حوصلہ' ہمت اور صحت و زندگی عطا فرما میری اس ہرٹ کردینے والی بات پر انہیں کم سے کم تکلیف سے دوچار کرنا آمین)

اس نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر اپنے مالک کل سے التجا کی تھی بابا سائیں کچھ حیران اور سوالیہ نظروں سے اس کے تذبذب کو دیکھ رہے تھے۔ لاریب کا سر مجرمانہ انداز میں جھک گیا۔ وہ پھنسی ہوئی آواز میں کہنا شروع ہوئی تو اسے دیکھ کر لگتا تھا وہ ضبط اور اذیت کے کڑے مراحل سے گزر رہی ہے۔

''جب عباس نے شہر جا کر شادی کرلی تو میں بہت زیادہ ہرٹ ہوئی تھی بابا جان۔ میں اس سے غیر معمولی حد تک اٹیچ تھی اس باعث شدید دھچکا مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور...... اور میں نے ضد انتقام اور نفرت کی انتہا کو چھوتے محض عباس پر کچھ ثابت کرنے کی اندھی خواہش میں خود بھی یہ قدم اٹھا لیا۔ بابا جان میں نادان تھی' پاگل اور بےوقوف ہی تھی کہ بنا سوچے سمجھے کنویں میں چھلانگ لگادی۔ برباد تو میں نے ہی کیا خود کو۔ وہ تو ہمیشہ میری اس بربادی سے بھی غافل رہے گا۔ اپنی خوشیوں میں مگن۔ جس کے لیے میرا وجود بےمعنی تھا

میرے احساسات وجذبات بے مایہ تھے۔اس کے لیے میرا فیصلہ میری بربادی کیسے قابل توجہ ہوسکتی ہے۔" وہ سسک تو رہی تھی یکدم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔اس کا غم آج بھی تازہ تھا۔اس کی تکلیف آج بھی ناقابلِ برداشت تھی۔اس کی کسک اس کی بے چینی اسے آج بھی حواسوں سے ماورا کردیتی تھی۔بابا سائیں پتھر کے بت کی طرح ساکن بیٹھے اسے تڑپتے بلکتے دیکھتے رہے۔خاصی تاخیر سے لاریب نے خود ہی ذرا سا سنبھالا اور پھر سے کہنا شروع ہوئی۔یوں لگتا تھا آج وہ دل کا ہر بوجھ اتار دینا چاہتی ہو۔

"مجھے معاف کردیں بابا جان۔میں نے آپ کو دھوکہ دیا میں نے خود اپنے ساتھ ظلم کیا۔مجھے اعتراف ہے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔میں آپ کی مجرم تھی میں آپ کے سامنے اپنا جرم ظاہر بھی کرنا چاہتی تھی۔مگر حالت کے بدلتے رخ نے مجھے بزدل بنادیا مگر بابا جان میں......!"

"کون ہے وہ......جس کے ساتھ تم نے نکاح کیا؟" پتھر کا بت تڑخا تھا اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔پھر وہ ریزہ ریزہ بکھرتا چلا گیا۔ان کی آواز بھی ان کے وجود کی طرح شکستہ تھی۔لہجے سے ٹوٹے اعتماد اور بے یقینی کی اذیت چھلکتی تھی لاریب کی جھکی نظروں پر جیسے ٹنوں کے حساب سے شرمندگی کا بوجھ آ کر گرا۔اس نے خود کو آبلا پا پھر دہکتے کوئلوں پر کھڑے پایا۔

"سکندر...... بابا جان میں نے بارہا اس سے طلاق کا مطالبہ کیا مگر وہ گھٹیا انسان......!"

"لاریب آپ جائیں اپنے کمرے میں۔" بابا سائیں جیسے یکدم ڈھے گئے تھے۔انہوں نے یوں اس کی بات کاٹ دی جیسے مزید کچھ سننا نہ چاہتے ہو۔ان کے بوڑھے غم زدہ چہرے پر اس مختصر دورانیے میں اذیت وکرب کے اتنے رنگ اترے تھے جنہیں حساب میں لانا ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ لاریب نے سہم کر خائف نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بابا جان مم......میں......!"

"یہاں سے جاؤ لاریب...... فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دو۔" ان کی آواز گھٹی ہوئی اور سرد تھی۔لاریب کو ان کے مبہم تیوروں سے خوف آنے لگا۔وہ ان سے ان کی طبیعت کے متعلق سوال کرنا چاہتی تھی مگر حوصلہ نہیں ہوسکا۔اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان کے حکم کی تعمیل میں کمرے سے نکل جائے۔

(میں نے اپنی زندگی میں خود سے صرف اک بار شکست تسلیم کی ہے سکندر حیات اور وہ آخری شکست عباس کے حوالے سے تھی۔تم بھول جانا کبھی میں تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکوں گی۔اگر میرے خواب چکنا چور ہوئے ہیں تو تم کیسے خوش رہ سکتے ہو۔مجھے اپنانے کا سوچ رہے تھے تمہاری اتنی اوقات تھی نہ ہی حیثیت میری غلطی کو میری مستقل سزا بنانا چاہتے تھے۔میں نے اس ناسور کا خاتمہ کر ڈالا) وہ بے حد مطمئن تھی یہ جانے بغیر کہ آئندہ کیا ہونا ہے۔

❁......❁......❁

"تیار ہو تم؟" عباس نے میگزین بند کرکے عریشہ کی جانب توجہ کی جو بلیک ساڑھی میں اس کے سامنے تھی اور گویا اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی۔بڑی مشکل سے منت سماجت کے بعد وہ اس کا موڈ بحال کر پایا تھا۔وہ بھی اس وعدے کے ساتھ کہ کل وہ خود حویلی جا کر بابا اور اماں جان سے معافی مانگ کر صلح کی بات کرے گا عریشہ کی خاطر وہ کچھ بھی کرسکتا تھا کر چکا تھا تو یہ کیوں نہیں۔

"اسامہ کو لے لیں ساتھ طبیعت کچھ بہتر نہیں اس کی۔" عریشہ کے کہنے پر عباس نے فی الفور سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں یار، ہم جلدی واپس آجائیں گے ڈونٹ وری۔" اس کے صاف منع کرنے کے باعث ہی عریشہ اٹھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"سیدھی طرح کہہ دیں صرف میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ویسے اطلاعاً عرض ہے وہ آپ کا بیٹا ہے جناب۔"

"تم تو اچھی خاصی سمجھ دار ہو بھلے بیٹا ہو مگر اسے بھی کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہیے میں آج صرف اپنی بیوی کی کمپنی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے چہک کر کہنے پر عریشہ بے تحاشا ہنس پڑی اور عباس جیسے اس کی ہنسی کی جھنکار میں گم ہونے لگا تھا۔یہی بے خودی کا عالم گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی رہا تو عریشہ نے ٹوکنا ضرور سمجھا۔

"اتنا رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں فی الحال دھیان سے ڈرائیو کریں۔" جس پل عباس نے اسٹیئرنگ پر دھرا ہاتھ اٹھا کر اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر ہونٹوں سے چھوا۔یہی وہ لمحہ تھا جب اس کا دھیان سامنے سے چوکا تھا۔یہی غلطی تھی جس کا نتیجہ سامنے آ گیا تھا شراب کے نشے میں دھت ٹرک ڈرائیور بریک لگانے کی کوشش میں بری طرح سے ناکام ہوا۔ٹرک کار کو روندتا چلا گیا۔ایک قیامت خیز دھماکا ہوا جس کی آواز سے فضا میں اڑتے طائر ٹھٹک گئے۔ماحول میں انسانی چیخوں کی کربناک دہشت بھری آواز کچھ دیر گونجی پھر ہر سو موت کا سناٹا پھیل گیا۔

❁......❁......❁

اس کی نیند بہت بے سکونی اور بے قراری لیے ہوئے تھی۔اس بات کی کچھ فاصلے پر موجود تسبیح پڑھتی زینب بھی گواہ تھی۔اس کی طبیعت کی خرابی کے باعث زینب نے معمولی غذا زبردستی کھلانے کے بعد دوا دے کر سلایا تھا اور خود عشاء کی نماز میں مشغول ہوگئی۔عبداللہ بھی سو چکا تھا۔زینب نے نماز کی ادائیگی کی پھر تسبیح لے کر بستر پہ آ گئی۔عبداللہ کے ریشمی بال پیار سے سہلاتے ہوئے اس کی توجہ بار بار بھٹک کر نندنی پر جاتی تھی۔لانبی پلکوں والی غلافی آنکھوں کے بوجھل پپوٹے لرزتے تھے۔معاً وہ نیند سے ہراس زدہ چیخ کے ساتھ بیدار ہوئی تو زینب کو تسبیح چھوڑ کر اس کی جانب بھاگنا پڑا۔نندنی کا سانس دھونکنی کی مانند چلتا تھا تو آنکھوں اور چہرے پر وحشت وسراسیمگی کا ایسا تاثر کہ زینب بھی پریشان نظر آنے لگی۔

"نندنی' کیا ہوا گڑیا' خیریت؟" اس کے خزاں زدہ پتے کی مانند لرزتے کانپتے وحشت چھلکاتے وجود کو زینب نے اس قت بانہوں میں زبردستی سمیٹا تھا جب وہ ننگے سر ننگے پیر اٹھ کر حواس باختہ سی دروازے کی جانب بھاگی تھی۔

"تم خواب میں ڈر گئی ہو نندنی......ریلیکس۔" اسے خود سے لپٹ کر زار وقطار روتے پا کر زینب نے اس کی ڈھارس بندھانی چاہی۔نندنی نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں کے ساتھ اک نظر زینب کو دیکھا اور بے اختیار بلک پڑی۔

"ساحر کہاں ہے زینب......ساحر ٹھیک نہیں ہے۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے زینی مجھے اس کے پاس لے چلو ابھی۔" عجیب مطالبہ ہوا تھا۔اس پر اس کی غیر ہوتی حالت زینب چکرا کر رہ گئی جیسے سوچ سمجھ ساتھ چھوڑ جائے۔

"تم نے ساحر کے متعلق کوئی برا خواب دیکھا ہوگا نندنی' خود کو سنبھالو پلیز۔" زینب نے ہاتھوں سے نکلتی نندنی کو زبردستی خود سے لگا کر تھپکا جس کی وحشتوں اور سراسیمگی کا کوئی انت ہی نہیں تھا۔زینب کی اس تسلی پر بجائے سنبھلنے کے وہ بے تحاشا غصے میں آ کر ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔

"آپ مجھے لے کر جانا نہیں چاہتی تو ٹھیک ہے میں خود چلی جاتی ہوں۔مجھے پتا ہے ساحر کے گھر کا۔مجھے یقین ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔وہ بہت تکلیف میں ہے میں جانتی ہوں۔" غیض وتنفر کی جگہ پھر سے بے چارگی اور بے بسی و کرب نے لے لی وہ پہلے سے بھی بڑھ کر شدتوں سے اور اونچی آواز میں روئی تھی۔زینب نے گھبرا کر اسے پھر سے پکڑ کر خود سے بھینچا۔

"اس وقت اکیلی کہاں جاؤں گی نندنی۔تمہیں رستوں کی بھی پہچان نہیں ہے سوئٹ ہارٹ' پلیز سنو میری بات تم ایسا کرو' ساحر کو کال کرو نمبر ہے نا تمہارے پاس اس طرح بغیر بتائے کسی کے گھر جانا وہ بھی اتنی رات کو کچھ مناسب نہیں لگتا۔" زینب نے اسے نرمی اور لجاجت سے سمجھایا تھا نندنی متوحش نظروں سے کچھ دیر اسے تکتی رہی پھر لپک کر آگے بڑھی اور بستر کے سرہانے پڑا سیل فون جھپٹ کر اٹھا لیا۔ عباس کا نمبر سرچ کرتے اسے ڈائل کرتے اس کا وجود ہی نہیں اس کی انگلیاں بھی کپکپا رہی تھیں۔گھبراہٹ اور دہشت کے احساس سے مفلوج ہوتی حسیات کو بامشکل سنبھالے وہ بار بار اس کا نمبر ٹرائی کرتی تھی۔جس کی گھنٹیاں

بجتی تھیں مگر کال ریسیو نہ ہوتی تھی۔ بیل کا بجنا زندگی تھی امید تھی مگر بیل کا بج بج کر بند ہوجانا اضطراب اور عذاب تھا سوالیہ نشان تھا۔ وہ ہیجان زدہ کیفیت کے زیراثر دیوانگی کے عالم میں بار بار نمبر ملائے گئی۔ اس کے دل میں ہر سو خوف و ہراس کا راج تھا اسے لگتا تھا اس پاگل کردینے والی صورتحال میں وہ ہرگز بھی حواس بحال نہ رکھ پائے گی۔ عباس کا کال ریسیو نہ کرنا ہی اس کے واہمات کو مزید جگہ دے رہا تھا۔ وہ جیسا بھی ہے ٹھیک ہو بھلے وہ میرا نہ ہو مگر سلامت رہے وہ کتنا تڑپ تڑپ کر سوچے گئی۔

''ہے...... ہیلو ساحر...... کہاں ہیں آپ؟ خیریت سے ہیں نا' پلیز مجھے بتائیں آپ ٹھیک ہیں؟'' معاً زینب نے اس کے چہرے پر ڈولتی وحشت میں آس کا ایک ننھا جگنو چمکتا دیکھا مگر یہ ایک لمحے کی ہی بات تھی۔ اگلے پل وہ سفید لٹھے کی طرح بے رنگ ہوتی چلی گئی تھی۔ یوں جیسے پتھرا گئی ہو۔

''نندنی......!'' زینب اس کی حالت سے ہی تشویش میں مبتلا ہوکر چیخی اور لپک کر اس کی جانب بھاگی آئی مگر وہ ریتلی دیوار کی طرح اس کے بازوؤں میں بکھرتی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

انہوں نے زاویہ بدل کر اپنی ہمتوں کو مجتمع کیا اور اٹھ کر آہستگی سے بیٹھ گئے۔ سینے میں شدید درد تھا۔ فضا سے جیسے آکسیجن کھینچ لی گئی تھی۔ کیسا احساس تھا گھٹن میں مبتلا کردینے والا وحشت کے صحراؤں میں بھٹکا دینے والا ایمان کے بعد امامہ اور اب لاریب بھی۔ ان کا دل چاہا وہ بلند آواز سے روئیں۔ اتنا کہ کچھ تو دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔

''یااللہ ان آزمائشوں میں مجھے سرخروئی عطا فرما انصاف کے ساتھ اپنی رضا کے ساتھ۔'' ان کا آنسوؤں کے سمندر میں ڈولتا دل رب کے حضور پیش ہوکر گڑگڑانے لگا انہیں یاد تھا ایمان کے بعد جب لاریب کی پیدائش ہوئی تو ان کی شریک حیات کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر کر چھلک گئی تھی۔

''کیا ہوا حاجرہ! آپ اس طرح کیوں روئیں؟'' انہوں نے کتنی حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

''مجھے دکھ ہے میں آپ کو بیٹے کی خوشی نہیں دے پائی۔ جانتی ہوں بیٹا باپ کے لیے کیسی طاقت مضبوطی اور سہارے کی حیثیت و اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔'' تب انہوں نے لاریب کی پیشانی چوم کر حاجرہ بیگم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بے حد نرمی و محبت سے رکھ دیا تھا۔

''ہماری اماں اللہ بخشے کہا کرتی تھیں اولاد مرد کے نصیب سے ملا کرتی ہے۔ یہ میرا نصیب ہے حاجرہ اور رب کی رحمتیں۔ میں ان سے شاکی یا پھر بے زار کیسے ہوسکتا ہوں۔ میری بس یہ خواہش ہے کہ ہم ان کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کے فرائض و حقوق سے بخیر و خوبی سبکدوش ہوجائیں۔ اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔ اللہ سے بیٹا چاہیے آپ کو تو وہ بھی مل جائے گا۔ یہ بیٹیاں بھی ہماری شہزادیاں ہماری کائنات ہیں۔'' تب یہ بات انہوں نے مسکرا کر اور بھرپور آسودگی کے ساتھ پورے یقین سے کہی تھی۔ ماضی میں کی گئی بات اور لہجے کی بازگشت کی گونج ان کی سماعتوں میں پھر سے اتری تو پلکوں پر موجود آنسو بے تابی سے ٹوٹ کر گریبان میں گم ہونے لگے۔

(مجھے معاف فرمادے میرے مالک میں تیرا گناہ گار بندہ ہوں اس مشکل وقت میں مجھے اپنے پاس سے درست فیصلے کی طاقت و ہمت اور فہم عطا فرما آمین) آدھی رات کا وقت تھا جب وہ جائے نماز پر کھڑے ہوکر نماز استخارہ ادا کرنے میں مشغول تھے۔ زندگی کے اس عجیب موڑ پر آ کر جب ان کی ساری ذہنی صلاحیتیں بے کار ہوگئی تھیں۔ وہ اپنے رب سے مشورہ کی سعادت حاصل کرنے اس کے دربار میں حاضر ہوچکے تھے۔

❁......❁......❁
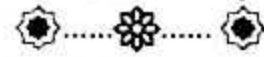
لاریب نے ساری رات جیسے کانٹوں پر بسر کی تھی۔ مجال ہے جو پلک بھی جھپکی ہو۔ بے قراری کا عالم یہ تھا کہ بستر سے اٹھ کر کمرے میں چکرانے لگتی تھی۔ تقریباً آدھی رات کو اس نے دروازہ کھولا اور قدم باہر رکھ دیا۔ راہداری خاموش اور سنسان تھی۔ دور کہیں سے چوکیدار کی مدہم سیٹی کی آواز کے ساتھ گیدڑوں اور جھینگروں کی آوازیں رات کے مخصوص ماحول کا تاثر قائم کیے تھی۔ لاریب کا دل ذرا سا سہما مگر اگلے لمحے وہ نارمل تھی۔ اس کا رخ بابا سائیں کے کمرے کی جانب تھا اس وقت تک وہ لازمی بستر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وہ برسوں سے انہیں باقاعدہ تہجد کی ادائیگی کرتے دیکھ رہی تھی۔ راہداری کا موڑ مڑتے اسے قدموں کی چاپ ہتھوڑوں کی مانند اعصاب پر برستی محسوس ہوئی تو کچھ سوچ کر جوتے وہیں اتار دیے۔ بابا سائیں کے کمرے کے دروازے کی نچلی درز سے روشنی پھوٹ کر باہر آرہی تھی۔ اس کا دل ذرا سا سنبھل گیا ناب گھما کر دروازہ دھکیلا حلق پریشانی اور خوف کے باعث سوکھا جارہا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے ذرا سی گردن اندر گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ بابا سائیں جائے نماز پر حالت رکوع میں کھڑے تھے۔ سفید داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ یہاں تک کہ آنسو قطرہ قطرہ ٹپک کر جائے نماز پر گرتے لاریب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اس کا دل یکدم جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ ڈالا۔

(میں خود کو کیسے معاف کروں گی بابا جان آپ کی اذیت کا خیال اب شاید مجھے کبھی کھل کر سکھ کی سانس بھی نہیں لینے دے گا) اس نے اسی آہستگی سے دروازہ بھیڑا اور پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وضو کرکے نماز پڑھی پھر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہوگئی۔ اس کے بعد حسب معمول لان میں چہل قدمی کے خیال سے باہر آئی تھی مگر کچن کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے سکندر کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس کے قدم بے اختیار تھم گئے۔ کچھ سوچا پھر باورچی خانے کی چوکھٹ پر آن کھڑی ہوئی۔ سکندر بہت مگن انداز میں چائے بناتا نظر آیا۔ کچھ فاصلے پر ملازمہ برتن مانجھ رہی تھی۔

''شیما باہر جاؤ تم مجھے سکندر سے بات کرنی ہے۔'' لاریب کی سرد جامد اور ٹھہری ہوئی آواز سن کر ہی خود میں مگن و مست سکندر نے چونکتے ہوئے گردن موڑی۔ نیلے بے حد اسٹائلش گرم سوٹ اور خوب صورت سی شال میں ملبوس اس کی اجلی رنگت میں گلابوں کا سا عکس گھلا ہوا تھا۔ تیکھی کھڑی ناک اور پورے چہرے پر حکمرانی کرتی ہوئی دلنشیں آنکھیں جن سے غرور جھلکتا رہتا تھا۔ وہ سرتا پا حسین تھی وہ سراپا قیامت تھی ملازمہ سب کچھ ادھورا چھوڑ کر حکم کی تعمیل میں باہر نکل گئی۔

''بہت ہوچکی عیاشی اور بدمعاشی' اب تم یہاں سے چلنے کی تیاری پکڑو' سمجھے؟'' اس کے لہجے میں نفرت بھی تھی اور حقارت بھی۔ سکندر نے چولہا بند کیا پھر اسے مڑ کر کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا ناگواری سے ٹوک کر بولا۔

''تمیز سے بھی بات کرسکتی ہیں آپ۔'' وہ بھڑکا تھا اور لاریب تمسخر سے ہنستی چلی گئی۔

''میری مجبوری یہ ہے کہ سکندر حیات صاحب کہ میں مراتب و حیثیت کے مطابق اہمیت دینے کی قائل ہوں۔ جو جس رویے کا اہل ہوگا اسے وہی مل سکتا ہے۔'' اس کی حسین آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے لاریب کا یہ ہتک آمیز رویہ کبھی کبھار اس کی برداشت اور ظرف سے بہت بڑھ کر ضبط پر مجبور کردیا کرتا تھا یہ نک چڑھی' تیکھی' بدمزاج لڑکی اپنی تمام تر محبت کی بے بسی سمیت بھی اسے آتش فشاں میں ڈھالنے لگتی تھی۔

''بہت اکڑنے لگے تھے تم میری ایک غلطی کی وجہ سے اب میں تمہارے قدموں تلے سے زمین کھینچ رہی ہوں تم اپنے ٹھکانے یعنی پستیوں میں اترنے کو تیار ہوجاؤ۔'' وہ دل جلاتی مسکان سمیت کہہ رہی تھی۔ یہ وہ ہرگز لاریب نہیں تھی جو بابا سائیں کے سامنے سسک سسک کر اپنی غلطی کا اعتراف کررہی تھی یہ وہ لاریب بھی نہیں تھی جو عباس کی رنجکشن اور بے وفائی کے زخم دل پر لیے بے اماں پھرتی اور روتی تڑپتی تھی۔ یہ وہ لاریب تھی جو اپنے سے کمتر لوگوں کو حقیر سمجھتی اور انہیں ذلیل و خوار کرنے کا حق اپنے پاس محفوظ سمجھتی تھی۔ وہ خدا کو بھولے ہوئی تھی۔ جبھی بہت پرسکون انداز میں بہت بڑے بڑے فقرے کہتے اسے خدا سے ذرا سا بھی خوف محسوس نہیں ہو

رہا تھا۔ سکندر بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ان سنی کیے رخ پھیرے چائے چھان کر مگ میں نکالتا رہا۔

"جاننا نہیں چاہو گے کیا کیا ہے میں نے؟" لاریب کو سکندر کا سکون بدمزا کر گیا تھا جبھی خار کھائے انداز میں تلملا کر اسے مخاطب کیا۔

"آپ کو اگر بتائے بغیر قرار نہیں ہے تو ٹھیک ہے کہیں میں سن رہا ہوں۔" سکندر کے جواب نے اسے سیخ پا تو کیا تھا مگر اسے اپنی نظروں کے سامنے ہارتا دیکھنا چاہ رہی تھی۔

"رات میں نے بابا جان کو اپنی غلطی بتلا کر معافی کی درخواست بھی پیش کر دی ہے۔ اب ذرا سوچ سمجھ کر ان کے سامنے جانا عین ممکن ہے وہ تمہیں دیکھتے ہی اپنی گن کی ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار کر اس گستاخی کی معمولی سزا اور انجام سے دوچار کر دیں۔" وہ حظ لینے والے انداز میں کہتی اس کے چہرے کو متبسم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ رات بابا سائیں کے سامنے اس نے اعتراف کیا تھا کہ تب وہ نادان تھی بے وقوف تھی حالانکہ حقیقت یہ ہی تھی کہ وہ اب بھی نادان تھی بے وقوف بھی تھی اور حد سے زیادہ جذباتی تھی آج بھی وہ صحیح فیصلے کی قوت حاصل نہیں کر پائی تھی۔ وہ عباس کو خود سے بچھڑ جانے کے بعد جس بے حواسی کا شکار ہوئی تھی وہ اس پر آج بھی مسلط تھی۔

سکندر کی سماعتیں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ بے جان ہوتے ہاتھ سے چائے کا مگ چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ سنہری چائے اور مگ کی کرچیاں اک ساتھ ماربل کے فرش پر بکھر گئیں۔ گرم چائے کے کچھ چھینٹے اڑ کر سکندر کے کپڑوں پر گرے۔ مگر وہ اتنا شاکڈ تھا کہ فی الوقت ہر احساس سے دور لگ رہا تھا۔ لاریب کے لیے اس کا ردعمل غیر متوقع ہرگز نہیں تھا۔ مسکراہٹ دبا کر اس نے شوخ نظروں سے سکندر کے غم و یاس میں ڈوبے چہرے کو دیکھا پھر اسے چونکانے ہوش میں لانے کی غرض سے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا اور گویا اس کا مضحکہ اڑا کر ہنسی۔

"اسٹیچو کیوں بن گئے ہو ڈیئر سکندر کم آن بی بریو موت کو سامنے دیکھ کر اتنا بھی نہیں سہمتے۔" وہ سراسر اس کا تمسخر اڑا رہی تھی۔ سکندر نے سرخ چہرے کے ساتھ شدید کرب کو سہتے سختی سے اپنا ہونٹ دانتوں سے کچلا۔ خوف و خدشات پانی کے ریلے کی مانند اس کے وجود میں اترتے جا رہے تھے۔ لاریب کا کم ظرف اطمینان گواہ تھا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس حد تک جا چکی ہے جو کسی کے لیے زندگی موت کا کھیل بن سکتا تھا۔ اسے سب سے زیادہ بابا سائیں کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ ایمان کی اسی حرکت پر وہ جس طرح حواس کھو گئے تھے اب ان پر کیا بیتی ہوگی یہی سوچ اسے اپنی اذیت اور نقصان سے بے نیاز کرنے کو کافی تھی۔ وہ اندھا دھند ان کے کمرے کی سمت بھاگا تھا مگر اپنی سوچ اور پسند کے مطابق سوچنے والی لاریب نے اس کی عجلت پر بوکھلا کر تیزی سے اس کا بازو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔

"اب کہاں بھاگ رہے ہو بزدل انسان میں حساب کتاب کے بغیر تمہیں روپوش نہیں ہونے دوں گی سمجھے تم۔" وہ چیخ پڑی اور چونکہ ہر صورت اسے روکنے کی متمنی تھی مگر سکندر کی طاقت کے آگے بے بس ہو کر وہ اپنی سعی کو ناکامی سے بچانے کی کوشش کے جنون میں مبتلا ایک طرح سے اس دھکم پیل کے نتیجے میں اس سے چپک کر رہ گئی تھی۔ سکندر جھنجلایا ہوا تھا جبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر جارحانہ انداز میں دور دھکیلتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا۔ لاریب اس دھکے کے نتیجے میں لڑکھڑا کر کچن کی سلیپ سے ٹکرائی تھی اس کی کمر کی ہڈی پر چوٹ بھی آئی جس کی اس پل اس نے قطعی پروا نہیں کی تھی اور گرتی پڑتی اس کے تعاقب میں باہر بھاگی آئی۔ مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی کہ سکندر کا رخ بابا سائیں کے کمرے کی جانب ہی تھا۔ پھر اس کی متحیر آنکھوں نے سکندر کو ان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جاتے پایا تو وہیں تھم گئی۔ اس کے غصیلے اور تنے ہوئے چہرے پر ڈھیرے ڈھیرے اطمینان اور آسودگی اترتی چلی گئی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور قدموں کا رخ پھیر لیا۔ اب اسے کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے بھرپور یقین تھا محض چند گھنٹوں کے اندر اس کے حسب منشا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔

❁ ...... ❀ ...... ❁
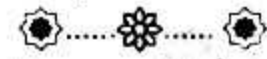
سکندر جتنی پریشانی اضطراب اور بے قراری و عجلت میں بابا سائیں کے کمرے میں آیا تھا انہیں اس قدر اطمینان سے ایزی چیئر پر براجمان پا کر کچھ اتنا بری طرح بدحواس ہوا تھا کہ کچھ اور نہ سوجھا تو اسی تیزی سے واپسی کو مڑا تھا۔ ایک لمحے کو ایسے لگا لاریب اس کے ساتھ کوئی سنگین مذاق کر چکی ہے۔ عجیب سا خجالت آمیز احساس اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔ جبھی خفیف سی جھنجلاہٹ نے اس کے اعصاب کا احاطہ کر لیا تھا۔

"آجاؤ سکندر...... واپس کیوں جا رہے ہو؟" دروازہ کھول کر چوکھٹ پر پڑنے والا اس کا قدم بابا سائیں کی ٹھہری ہوئی پر رسان آواز پر ساکن رہ گیا۔ اسے فوری طور پر خود کو سنبھال کر بابا سائیں کے سامنے رہنا دشوار ترین کام لگا تھا۔

"مجھے لگا تم کچھ پریشان ہو خیریت ہے؟" ان کا لہجہ و انداز ہنوز نرم تھا۔ سکندر نے گہرا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"جی...... جی بالکل میں چائے لے کر آتا ہوں۔" اس نے وقتی راہ فرار ڈھونڈی۔

"پہلے کیوں نہیں لے کر آئے اور اتنی گھبراہٹ کیوں تھی تمہارے چہرے پر سکندر۔" اسے لگا بابا سائیں کی زیرک نگاہیں اسے اندر تک پڑھ رہی ہیں۔ جبھی وہ اپنے اوسان بحال نہیں رکھ سکا۔

"کچھ نہیں بابا سائیں بس ایسے ہی۔" وہ بوکھلا سا گیا۔ اس کا اعتماد اس پل پوری طرح زائل ہو چکا تھا۔ جب بابا سائیں نے یونہی اس کے چہرے پر نگاہ جمائے اسے اشارے سے اپنے پاس آ کر بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ بھلا سکندر کے پاس اس کے سوا کیا چارہ تھا؟

"تمہیں پتا ہے نا سکندر میں لاریب کی وجہ سے کتنا پریشان ہوں۔" ان کی نظریں ہنوز اس پر جمی تھیں اس پر موضوع بھی وہ جس سے وہ اس پل سب سے زیادہ کترا رہا تھا سکندر کا رنگ متغیر ہونے لگا۔

"لاریب نے رات خود مجھے وہ بات بتا دی تمہیں لگتا ہے سکندر کہ تمہیں یہ بات اتنا عرصہ مجھ سے چھپا کر رکھنی چاہیے تھی؟" انہوں نے سوال کیا اور سکندر کو لگا کمرے کی چھت اس پر آن گری ہے۔ وہ آنکھیں پھیلائے انہیں تکتا رہ گیا۔ اس کے گمان تک میں یہ بات نہیں تھی۔ بابا سائیں اتنے پرسکون انداز میں اس سے باز پرس کریں گے۔ وہ تو لاریب کی بات کو محض مذاق پر محمول کر رہا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد لہر اتری وہ لب بستہ ساکن بیٹھا رہ گیا۔

"لاریب کا کہنا ہے کہ یہ نادانی و جذباتیت میں سرزد ہونے والی غلطی تھی جس پر اسے ندامت بھی ہے اور پچھتاوا بھی۔ تمہاری ذاتی رائے اس معاملے میں کیا ہے میں یہ بھی جاننا چاہوں گا۔" بابا سائیں کی آواز اس کے اعصاب پر جیسے ہتھوڑے کی مانند ہی ضرب کاری کر رہی تھی۔ یہ سب کچھ جتنا اچانک اور غیر متوقع تھا وہ مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود خود کو بری طرح شکستہ خائف اور پشیمان محسوس کر رہا تھا۔ اس پر ستم بابا سائیں کی جواب طلب منتظر نظریں۔ اسے خود کو سنبھال کر صورتحال کی گمبھیرتا کو فیس کرنا ہی تھا۔ جبھی اس نے پہلے تھوک نگل کر حلق تر کیا پھر گلا کھنکار کر خود کو بولنے کے قابل بنانے کے بعد جب گویا ہوا تو کچھ دیر قبل کی ساری عدم اعتمادی و تغیر سے نجات حاصل کر کے اپنے فطری سادہ مگر پر اعتماد اور مضبوط انداز میں واپس آ چکا تھا۔

"آپ کا شکوہ بجا ہے بابا سائیں میں بلاشبہ مجرم ہوں آپ کا اور ہر طرح کی سزا کا منتظر بھی اس سب کے باوجود میں خود کو آپ کا زیر بار اور احسان مند نہیں ملازم بھی سمجھتا ہوں۔ اس لیے آپ جو بھی سزا دیں گے میں پوری آمادگی اور خوشی سے اسے قبول کروں گا جہاں تک آپ کو نہ بتانے کا معاملہ ہے تو اللہ گواہ ہے میرے پیش نظر صرف آپ کو اس ذہنی شاک سے بچانا مقصود تھا دوسری اہم بات یہ ہے بابا سائیں کہ ساری غلطی سارا قصور میں لاریب بی بی پر نہیں ڈال سکتا مجھے اس جرم کے اعتراف میں زندگی کے

اس مقام پر آ کر کوئی عار نہیں کہ میں ان کے لیے بہت عرصے سے ہی خصوصی جذبات رکھتا تھا۔ بابا سائیں مجھے اپنی حیثیت کبھی نہیں بھولی تھی۔ میں جذبوں کے آگے مجبور و بے بس ضرور تھا مگر خود کو کبھی ان بلند آہنی دیواروں کی قید سے نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا جن میں، میں نے اس انکشاف کے بعد خود کو محصور کر لیا تھا۔ لیکن بابا سائیں وہ کمزور لمحہ تھا جب لاریب بی بی کی نادانی نے جذباتیت کی انتہا پر جا کر مجھ سے وہ مطالبہ کیا میں چاہتا تو انکار بھی کر سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا تو اس کی وجہ یہی تھی شاید کہ میں خود کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ جس کیفیت میں لاریب بی بی تب تھیں اگر میں ان کی اس خواہش پر سر نہ جھکاتا تو شاید نہیں یقیناً حویلی کے حصے میں اس سے بڑھ کر نقصان آتا جس سے اب تک دوچار ہوا جا چکا ہے۔" وہ اپنی بات کہہ کر یکدم خاموش ہو گیا۔ یوں جیسے اعتراف گناہ کے بعد سزا کا منتظر ہو بابا سائیں نے ایک نظر اس کے ضبط کی کوشش میں بھینچے ہونٹوں کو دیکھا پھر متاسفانہ سانس بھری تھی۔

"اب تم کیا چاہتے ہو سکندر؟" انہوں نے اس کا چہرہ ٹٹولا۔

"میں آپ کے فیصلے کا منتظر ہوں بابا سائیں آپ مجھے اپنا فرمانبردار پائیں گے۔"

"اگر میں تمہیں کہوں لاریب کو طلاق دے دو یہ معاملہ جتنی رازداری اور خاموشی سے شروع ہوا تھا اسی خاموشی سے ختم کر دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔" سکندر کو ان سے سو فیصد یہی توقع تھی۔ اس کے باوجود اس کا دل پاتال میں ڈوبتا گیا۔ چہرے پر جو تاریکی پھیلی وہ الگ۔

"چاہتی تو لاریب بی بی بھی یہی ہیں مگر میں آپ کے حکم پر سر جھکا دوں گا۔"

"لاریب کو چھوڑو میں تمہاری مرضی جاننا چاہتا ہوں۔" انہوں نے بے حد غصے میں آ کر ڈانٹا۔ سکندر چند لمحوں کو ساکن سا رہ گیا۔ (کیا اس کی مرضی کی اتنی اہمیت تھی ان کی بٹی نے تو کبھی یہ اہمیت نہیں دی تھی) سکندر نے گلا کھنکارا۔

"پلیز بابا سائیں، اس بات کو رہنے دیں میں خود کو اس قابل نہیں پاتا کہ خواہش کی جرأت بھی کر سکوں۔" اس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا اور چہرے پر عجیب نافہم تاثر بابا سائیں کے ہونٹوں پر جیسے مسکراہٹ کا شائبہ سا گزرا وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے مقابل آ کر کھڑے ہو گئے۔

"انسان کس قابل ہے یہ طے کرنا اس کا نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے۔ مجھے یہ بتاؤ تم لاریب کی حفاظت کی خاطر کس حد تک جا سکتے ہو؟" عجیب سوال ہوا تھا اور اس سے زیادہ اور بھرپور فلسفانہ خیالات کا شاندار اور پیارا اظہار سکندر نے حیرانی کا مظہر چہرہ اٹھا کر انہیں اچنبھے سے دیکھا۔

"میں کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا بابا سائیں مگر میری ہمیشہ کوشش رہی ہے انہیں جس حد تک ممکن ہو سکے خطرے سے بچاؤں باقی حفاظت کا اصل ذمہ دار تو اللہ کریم ہی ہے۔" وہ جتنا سنجیدہ نظر آ رہا تھا بابا سائیں کے چہرے پر اتنا ہی اطمینان اور فخر اتر آیا۔

"میں نے سوچا ہے سکندر لاریب کی ذمہ داری اور دیکھ بھال اپنے حصے سے نکال کر اب مستقل تمہیں سونپ دوں مگر یاد رکھنا سکندر یہ میرا تمہارا یا پھر لاریب کا نہیں اللہ کا فیصلہ ہے۔ جاؤ اپنے والدین کو اس فیصلے کی خوشی میں شریک کرو میری خواہش ہے یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ ہاں یہ احتیاط ضروری ہے کہ نکاح کی سابقہ کارروائی مخفی رکھی جائے۔ ہم تجدید نکاح کر لیں گے۔ لوگوں کی زبانیں بند رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے۔" سکندر شل اعصاب لیے ہونق کھڑا تھا جو کچھ سنا تھا وہ اتنا ناقابل یقین تھا کہ وہ کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکا تھا۔ اس نے متحیر نظروں سے بابا سائیں کو دیکھا جو مطمئن تھے جبکہ سکندر کے چہرے وآنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھتا رہا تھا۔

(جاری ہے)

قسط نمبر 12

دل اِک خون کے قطرے سے زائد نہ تھا مگر
آنسوؤں نے اس کو بھی طوفان بنا دیا
وہ قیس تھا کہ جس نے بیاباں کو گھر کیا
ہم نے تو اپنا گھر ہی بیاباں بنا دیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فراز کا ساحر کی موری میں کام کرنے کا شوق نندنی کی بدولت پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ اپنے شوق میں آنے والی اس رکاوٹ کے سبب وہ الجھن کا شکار ہوتا ہے کہ اس کا ٹکراؤ اربیہ نامی لڑکی سے ہوتا ہے جو اسے برا بھلا کہتی ہے مگر وہ اس میں ایک خاص کشش محسوس کرتا ہے۔ وقاص امامہ کے شہر جانے پر خاصا ناراض ہوتا ہے اور واپس آنے پر امامہ کو بھی اپنے عتاب کا نشانہ بناتا ہے وہ دلگرفتہ ہو کر لاریب سے بات کرتی ہے مگر سکندر کے فون اٹھانے پر خاموش ہو جاتی ہے سکندر اس کا پیغام لاریب کو دینے کی غرض سے آتا ہے مگر لاریب اسے خوب برا بھلا کہتی ہے۔ امامہ سے ہونے والی گفتگو بابا سائیں خفیہ طور پر سن لیتے ہیں اور وقاص کے رویے پر خائف نظر آتے ہیں۔ نندنی ساحر کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد زینب کے پاس آتی ہے جس پر وہ اسے نہایت خوش اسلوبی سے سمجھاتی ہے لیکن نندنی صرف ساحر کو حاصل کرنے کی ضد کرتی ہے۔ عباس عریشہ کو منانے کی خاطر اپنا کیریئر داؤ پر لگا دیتا ہے مگر وہ پھر بھی خائف رہتی ہے۔ آخر کار عباس اس کی ضد مانتے ہوئے بابا جان اور اماں سے معافی مانگنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی عباس اور عریشہ خطرناک حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں نندنی عباس کو لے کر خاصی پریشان ہوتی ہے اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور کسی مصیبت میں ہے اور اس بات کی تصدیق عباس کے نمبر پر فون کرنے سے ہو جاتی ہے۔ لاریب سکندر کے رویوں سے تنگ آ کر بابا سائیں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہے کہ عباس کی شادی والے معاملے کو لے کر وہ سکندر سے نکاح کر چکی ہے جس پر بابا سائیں حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ وہ اس بات سے سکندر کو بھی آگاہ کر دیتی ہے جس پر سکندر خوف و پریشانی کے عالم میں بابا سائیں کے پاس جاتا ہے جس پر وہ اسے لاریب سے تجدید نکاح کے بارے میں کہتے ہیں جس پر سکندر بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتا رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

خوش بختی نے اس کے در پر چپکے سے دستک دے دی تھی اور وہ حیران کھڑا تھا۔

"مجھے پتہ ہے اب خوشی کے مارے اگلے کئی دن تمہیں نیند نہیں آئے گی مگر یہ خوشی کا اظہار بہتر ہے تم اپنی فیملی کے سامنے جا کر کرو۔" اس کے حواس جو پہلے ہی مختل تھے بابا سائیں کے ہلکے پھلکے شریر انداز میں کہی گئی بات پر خفت و شرمندگی میں ڈھل گئے۔

"معذرت خواہ ہوں بابا سائیں! مجھے لگتا ہے آپ نے حالات سے مجبور ہو کر یہ سمجھوتہ کیا ہے براہ کرم کسی کو آگاہ کرنے سے قبل اس کے نقصانات پر ضرور غور کر لیں۔ میں بہرحال خود کو اس توقیر و اعزاز کے قابل نہیں پاتا۔" وہ بے حد شکستہ اور اپنی حیثیت سے آگاہی کی بدولت بری طرح بکھرا ہوا تھا بابا سائیں نے غم کے مظہر بنے اس کے چہرے کو دھیان سے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے اس کے پاس آ کر بے حد محبت سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تمہیں یاد ہے سکندر جب تم پہلی بار منشی صاحب کے ساتھ میرے پاس آئے کتنے سے تھے؟ میرا کوئی بیٹا نہیں تھا اور میری بیٹیوں کو بھائی کی خواہش شدید تھی۔ تم میں کچھ ایسا غیر معمولی پن تھا کہ میں کبھی تمہیں ملازموں والی حیثیت دے ہی نہ سکا۔ تم نے اپنے وجود سے میری بیٹیوں کے لیے بھائی کی کمی کو پورا کیا تو میں بھی بلا ارادہ بلا اظہار خود بخود تمہیں بیٹے کی جگہ پر قبول کرتا چلا گیا۔ مجھے بتاؤ کبھی میرے سلوک سے تمہیں لگا کہ یہ باپ بیٹے کے علاوہ مالک و ملازم جیسا سلوک تھا...... نہیں ناں؟ اور دوسری اہم بات یہ کہ تمہیں صرف امامہ اور ایمان نے ہی بھائی سمجھا اور مانا تھا لاریب شروع سے ہی اس رشتے سے منکر رہی ہے۔ مجھے آج پتہ چلا وہ ایسا اس لیے کرتی تھی کہ اک دن تمہارا اس سے رشتہ تبدیل ہو جانا تھا۔" ان کا انداز ہلکا پھلکا تھا گویا انہوں نے یہ فیصلہ کرنے سے قبل اس حقیقت کو ہر لحاظ سے قبول کر لیا تھا مگر سکندر پھر بھی مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔

"مگر اس فیصلے کے بعد آپ ہر طرف سے زیر عتاب آ جائیں گے بابا سائیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کے علاوہ اور کسی نے بھی مجھے اس حیثیت سے قبول نہیں کرنا۔ خاص طور پر لاریب بی بی۔" سکندر صورتحال کی نزاکت کو پوری طرح عیاں کر کے ان کے سامنے رکھ دینا چاہتا تھا جواباً بابا سائیں نے اسی رسانیت آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپکا۔

"مجھے دنیا کی پروا نہیں ہے سکندر...... میں نے کہا نا یہ میرے رب کا فیصلہ ہے۔ استخارہ میں مجھے بہت واضح اشارہ ملا ہے اس کام کے مثبت ہونے کا۔ جہاں تک لاریب کا معاملہ ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ جذباتی ہے اپنے اچھے برے سے آج بھی لاعلم ہے سمجھ جائے گی وقت کے ساتھ ساتھ۔" انہوں نے گویا اسے ہر لحاظ سے لاجواب ہی نہیں مطمئن بھی کر دیا تھا۔ سکندر کے پاس اب کہنے کو کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اگر یہ اللہ کا فیصلہ تھا اور بابا سائیں کی دلی آمادگی سے ہو رہا تھا تو پھر وہ خود میں ہر دیوار سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا تھا۔ اس پریشانی سے نکلا تو قدرت کی اس درجہ فیاضی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے کنول کھلانے لگی۔

✿......✿......✿

ناشتے کی ٹرے شرجیل کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے گریزاں نظروں سے اسے دیکھا۔ ٹائی کی ناٹ لگانے کے بعد وہ بہت مصروف انداز میں رسٹ واچ باندھ رہا تھا۔

"آج آپ آفس نہ جائیں شرجیل۔" اس نے پہلو میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو دباتے ہوئے گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا تو شرجیل نے ہاتھ روکتے ہوئے ابرو اٹھا کر اسے تیکھے انداز میں دیکھا۔

"ہنہ...... آفس نہ جاؤں تا کہ گھر میں ہونے والی فضول لڑائی ملاحظہ کروں تم میں بھی کچھ گٹس نہیں تھے ورنہ اب تک صورتحال سنبھل چکی ہوتی۔ کام سے جی چرانا فطرت ہے تمہاری۔" وہ بھڑک اٹھا تھا جبھی غصے میں اسے سخت سست سنانے لگا۔ وہ وہی زبان بول رہا تھا جو اسے سکھائی جا رہی تھی۔ جس کا بالآخر اس پر اثر ہو ہی گیا تھا۔ ایمان کا پیلا پڑتا رنگ کچھ اور زرد ہونے لگا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شرجیل بہت درد ہو رہا ہے مجھے۔" وہ کراہ کر کہتی یوں نیچے بیٹھ گئی جیسے کھڑے ہونے کی ہمت بھی ختم ہو گئی ہو۔ شرجیل نے ٹرے اپنی جانب گھسیٹتے ہوئے کوفت بھری نظر اس پر ڈالی۔ اسے ایمان کا ہر لحظہ پسینے میں ڈوبتا چہرہ بھی نظر نہیں آیا۔

"اچھا زیادہ ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں؟ ڈاکٹر نے جو ڈیٹ دی ہے ڈیلیوری کی اس میں ابھی پورا ایک ہفتہ باقی ہے۔ میری ضروری میٹنگ ہے رکنے سے

قاصر ہوں۔'' ٹرے غصے میں دھکیل کر اٹھتے ہوئے اس نے بے حد تلخی سے کہا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ ایمان کچھ لمحوں کو دھک سے رہ گئی۔ بے بسی اور بکی کے ساتھ تکلیف کا اتنا شدید احساس تھا کہ وہ کسی طور بھی خود کو سنبھال نہیں سکی۔ ضبط کا بندھن ٹوٹا اور بے اختیار روتی چلی گئی۔ شرجیل کا رویہ پچھلے کچھ دنوں سے بے حد تکلیف دہ اور ہتک آمیز تھا۔ ایمان اسے آفس واپسی پر اکثر تائی ماں کے کمرے میں جاتا دیکھتی تھی۔ یہ انہی کی صحبت کا اثر تھا کہ وہ اس حد تک بدمزاج اور کھردرا ہورہا تھا۔ ایسے میں ایمان سوائے صبر کے اور کربھی کیا سکتی تھی مگر یہ مقام بہت زیادہ دہشت کے حصار میں مقید کردینے والا تھا۔ اسے تائی ماں کی وہ دھمکی یاد تھی جو انہوں نے بے حد واشگاف انداز میں اسے دی تھی۔

''اس کھونٹے کو مستقل نہ سمجھ بیٹھنا لڑکی! شرجیل پر ہمیشہ میری صالحہ کا حق تھا مگر تم نے اس حق کو غصب کرلیا۔ یاد رکھنا میں اپنے دشمنوں کو رعایت نہیں دیا کرتی۔ ایسی جگہ پر لے جا کر ماروں گی کہ پانی کو ترسو گی۔'' ایمان کو لگتا تھا وہ اپنا کہا پورا کردکھائیں گی۔ یہاں تھا ہی کون جو اس کے درد سے آگاہ تھا...... ایک شرجیل تھا وہ بھی اپنا کہاں رہا تھا۔

''بھابی مما بلا رہی ہیں' کہہ رہی ہیں ناشتا کب ملے گا'' شندرا جو اسے پیغام پہنچانے آئی تھی اس کے چہرے پر جو کیفیت تھی ٹھٹک کر اس کی صورت تکنے پر مجبور ہوئی۔

''خیریت بھابی...... آپ رو رہی ہیں؟'' اس نے سہم کر سوال کیا۔ ایمان کی حالت اتنی خراب ہورہی تھی کہ جواب دینے کی ہمت بھی ناپید تھی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے شندرا' پلیز مما کو جلدی یہاں بھیج دو۔'' لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے آزاد ہوئے تھے۔ لہجے میں سرسراہٹ تھی' شندرا تو خوفزدہ ہوتی الٹے قدموں بھاگی اور سیدھا جا کر ہال کمرے میں دم لیا۔ جہاں اس پل مما اور تائی ماں ایک ساتھ سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ اسے آندھی طوفان کی طرح آتے دیکھ کر تائی ماں کے ماتھے پر تیوریاں چڑھیں۔

''کہاں آ ئیں! آرہی ہے پھاپا کٹنی کہیں کی؟'' ان کے لہجے میں جہالت ونخوت تھی۔

''وہ...... چچی جان بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں' بلکہ بہت زیادہ خراب ہے' کہہ رہی ہیں آپ کو بھیجوں۔'' شندرا کی بات سنتے اور بدحواسی کو محسوس کرتے ہی تائی ماں کا ماتھا ٹھنکا۔ ان کی بے ساختہ نگاہ مما سے ملی جو یقیناً ان کی طرح ہی معاملے کی تہہ تک جا پہنچی تھیں۔ جبھی کچھ عجلت میں اٹھی تھیں۔ لاکھ اختلاف سہی اسے ہر لحاظ سے ناپسند بھی کرتی تھیں مگر معاملہ اب کہ اپنی نسل کی بقا کا تھا۔ جبھی ان کے انداز میں انوکھا جوش وخروش اور خوشگوار سی فکرمندی در آئی۔

''ارے...... اگر طبیعت خراب تھی تو شرجیل کو گھر روک لیتی...... لو بتاؤ' کیسی بے وقوف لڑکی ہے' پتہ بھی ہے اس وقت گھر پر کوئی مرد نہیں ہوتا' شندرا بیٹے تم نمبر ملاؤ بھائی کا' کہو جہاں بھی ہے فوراً پہنچے۔'' ان کی پھرتی اور کیئرنگ انداز تائی ماں کو جلا کر خاکستر کرگیا تھا۔ انہوں نے پہلے جھپٹا مار کر سیل فون تک رسائی پا جانے والی شندرا کو پھٹکار کر فون اس سے چھینا اور اسے ڈانٹ کر وہاں سے بھگایا پھر تیکھے چتونوں سے دیورانی کو دیکھا۔

''شاباش ہے بھئی تم پر' خوب صلہ دینے لگی ہو' میری دن رات کی پڑھائی پٹی کا' ثابت ہوا ہمیشہ سے عقل کی پوری ہو' بیٹھو یہاں آرام سے' خبردار جو ہلیں بھی تو......''

ان کا لہجہ صرف تحکمانہ نہیں تھا' سفاکیت سے بھی بھرپور تھا' مما اچھی خاصی ہونق ہوکر انہیں تکنے لگیں۔

''مم...... مگر بھابی بیگم وہ...... بچہ......'' وہ ہکلائیں۔

''ابھی نہیں آنے والا اس دنیا میں' یاد کرا بھی پورے آٹھ دن ہیں۔ ڈاکٹروں نے اگلے مہینے کی تاریخ دی ہے۔'' ان کا کاٹ دار لہجہ طنزیہ تھا۔ مما ذرا سا کھسائیں مگر پھر جیسے انہیں سمجھانا چاہا۔

''ڈاکٹر کی تاریخ حتمی تو نہیں ہوسکتی ناں بھابی بیگم' یہ تو اللہ کے کام ہیں' طبیعت زیادہ خراب ہے بہو کی' ہسپتال تو

لے جانا پڑے گا۔'' وہ یکدم گھبرائیں کہ ایمان کی گھٹی گھٹی چیخیں اب یہاں تک بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ بار بار انہیں اور تائی ماں کو پکار رہی تھی اس کی آواز میں ذبح ہوتے جانور کی سی بلک اور اذیت آتی جارہی تھی۔ قریب تھا کہ مما جٹھانی کی پروا کیے بغیر وہاں سے بھاگ کر بہو کی داد رسی کو پہنچتیں تائی ماں نے ان کا ارادہ بھانپتے ہوئے جھپٹ کر ان کا بازو پکڑ کر اپنے پاس گھسیٹ لیا پھر انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر آنکھیں نکال کر ان پر غرائیں۔

''میں نے کچی گولیاں کبھی نہیں کھیلیں ہیں شائستہ بیگم! شرجیل کو میں ہمیشہ سے صالحہ کے لیے پسند کرتی تھی اس لڑکی سے جان چھڑوا کے مجھے صالحہ کا بیاہ ہر صورت شرجیل سے کرانا ہے اور تو دم نہیں مار سکتی' پتہ ہے کیوں......؟ اب آج سے ذرا اٹھائیس سال پیچھے چلی جا' جب آفاق اپنی پسند کی ہوئی عورت کو شادی کرکے اس گھر میں لایا تھا۔ وہ ہمارے سسر کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' ایک دولت مند عورت کا اکلوتا بیٹا۔ جس نے محض مرد کا سہارا پانے کو ہمارے سسر سے شادی کی تھی۔ یہ کہانی تو یاد ہوگی تجھے' مگر میں یاددہانی کو دہرا دیتی ہوں' یہ ساری جائیداد جاگیریں' عیش وعشرت ہمارے سسر کو اسی بیوی سے شادی کرنے کے باعث میسر آئے تھے کہ ہماری ساس تو اللہ بخشے کب کی بہشتن ہوئی تھیں جو اباجی کو اس عقد سے کوئی روکتا۔ امیر کبیر بیوی بھی جلد چل بسی تو ہمارے سسر نے بڑا انصاف کیا۔ اپنی جائیداد ساری اولادوں میں بانٹی اور امیر کبیر بیوی کا سارا حصہ اس آفاق کے نام کردیا۔ ساتھ میں وصیت نامے میں لکھ دیا کہ ان کی موت کی صورت میں اٹھارہ سال سے پہلے آفاق کے حوالے نہیں کیا جائے گا' اور وارث اس میں سے کھا سکتے ہیں دستور کے مطابق۔ وہ خود تو مرکھپ گئے مگر اس سنپولیے کو ہمارے سینوں پر مونگ دلتے چھوڑ کر' جب وہ اٹھارہ کا ہوا تھا تو انہی دنوں بیاہ کرآئی تھی' مگر تیرا بیاہ ضرور آفاق کے کارنامے کے بعد ہوا تھا۔ وہ بھی کچھ زیادہ ہی اتاؤلا نکلا تھا نانا کی طرح عیاش اور ماں کی طرح نفس پرست' جبھی تو اپنے لیے کوٹھے سے ہی زنانی اٹھا لایا تھا' نکاح کرکے۔ اونہہ گندا خون شامل کرنا چاہتا تھا ہماری نسل میں۔ جو نہ مجھے گوارا تھا نہ تیرے بھرا (تاؤجی) کو جبھی وہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا' یاد ہے ناں تجھے بھی تو بھی تو شامل تھی۔''

بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے ٹھٹھہ لگایا' ان کا ہذیانی قہقہہ اور ایمان کی دم توڑتی بلکتی نقاہت زدہ آواز...... بے بسی سفاکیت اور خوف وہراس کا عجب انوکھا سنگم تھا۔ مما فق چہرے کے ساتھ دم سادھے بیٹھی تھیں۔

''سلو پوائزن دیا تھا ہم نے ان دونوں زن خصم کو' مگر حرام کی جنی پھر بھی اس سنپولیے کو مرنے سے پہلے جن گئی۔ دونوں کی موت تو بظاہر ٹریفک حادثے میں ہوئی تھی' مگر ہم جانتے ہیں حقیقت کیا تھی' جس دن جنازے اٹھے اسی رات کو اس سنپولیے کا بھی سر کچل کر کام نپٹانا تھا پر...... کم ذات نوکرانی دغا دے گئی۔ کوئی پوچھے کہاں کا انصاف کیا' ہماری تھالی میں کھا کر چھید کرنے سے باز نہ آئی۔ ایسی اڑنچھو ہوئی کہ آج تک بھید نہیں ملا۔ خیر لعنت بھیج اس داستان پر' سالہا سال بیت گئے مگر کبھی اس حوالے سے کوئی بڑی خبر سننے میں نہیں آئی۔ اللہ کرے وہ نوکرانی اس چھچھوندر کے ساتھ ہی کہیں غرق ہوگئی ہو۔ خیر اب کی بات کرتے ہیں ابھی کی' اس لڑکی کا ایسی ہی حالت میں ٹیٹوا دبانا ہے' یا پھر کوئی اور حل سوچیں؟'' ان کی گفتگو کا انداز پیشہ ور قاتل کی طرح تھا۔ اپنی لومڑ جیسی مکار نظروں کو ان کے چہرے پر ٹکائے' وہ مشورہ چاہ رہی تھیں' مما جھرجھری لے کر جیسے بھیانک ماضی سے حال میں لوٹ آئیں' حال جو ماضی سے کم ہی بھیانک تھا۔

''آ...... آپ مجھ پر الزام لگا رہی ہیں بھابی بیگم! میں اس قتل کے فعل میں شامل نہیں تھی۔ آپ کی باتیں اتفاقاً سن لی تھیں تو آپ نے مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر خاموش رہنے کا کہا تھا۔ کیا کرتی پھر میں؟'' اپنی صفائی اور بے گناہی کا ثبوت فراہم کرتیں وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔ تائی ماں ان کے گڑبڑانے پر مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسیں پھر ان کے کاندھے پر چپت لگائی۔

”کہا نا گھبرانے کی بات نہیں وہ بات قابل پکڑ ہے ہی نہیں اب کی بات کر آج کی۔“ ان کی آنکھوں میں بھیڑیے کی سی چمک تھی۔ ایسی چمک جو شکار کو سامنے پا کر درندگی کی علامت بن جایا کرتی ہے۔ مما کو اس پل صحیح معنوں میں ان سے خوف محسوس ہوا۔

”بھابی بیگم یقین کریں میں آپ کی ہر بات مان لوں گی مگر اس وقت بچی کو اسپتال لے جانے دیں وہ مرجائے گی ورنہ۔“ وہ گڑگڑائیں اور اپنا ہاتھ ان سے چھڑوا کر ایمان کے کمرے کی جانب بھاگیں جہاں اب موت کا سناٹا اور خاموشی طاری ہوچکی تھی۔

✿......✿......✿

زینب غم سے نڈھال بے حال اور سراسیمہ نندنی کے ہمراہ اسپتال پہنچی تو وہاں اک قیامت کا ساماں تھا۔ عباس حیدر کی اہلیہ اس حادثے میں موقع پر جاں بحق ہوچکی تھی جبکہ خود عباس حیدر موت و زیست کی کشمکش میں ہوش و خرد سے بیگانہ اپنے اس عظیم اور ناقابل تلافی نقصان سے بے خبر تھا۔ اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنے بندوں کو ان کی برداشت سے بڑھ کر نہیں آزماتا‘ تکلیف جب ضبط اور برداشت سے بڑھے تو پھر بے خبری طاری ہوجاتی ہے گویا عباس کے لیے اس وقت بے ہوشی بھی غنیمت تھی۔ یہ خبر جیسے جیسے پھیلی اسی لحاظ سے ہاسپٹل میں خبر رساں کمپنیوں اور ٹی وی چینلز کے نمائندوں کا جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ لحہ بہ لحہ کی سنسنی خیز خبریں نیٹ ورک کے ذریعے براہ راست پہنچائی جارہی تھیں۔ دوسری جانب عباس تھا جس کی جسمانی و ذہنی حالت شدید خطرے کے زیر اثر تھی۔ حادثہ اتنا شدید اور بھیانک تھا کہ ریسکیو ٹیموں نے موقع پر پہنچ کر تباہ شدہ گاڑی کے پارچے کاٹ کر اندر سے خون میں لت پت اجسام کو باہر نکالا تھا۔ عریشہ کو ختم ہوئے بھی ایک گھنٹہ بیت چکا تھا جبکہ عباس کے سینے میں اٹکی سانسوں کی مالا کی بے ترتیبی کو دیکھ کر لگتا تھا کسی بھی پل ٹوٹنے کو ہے۔ خون آلود زخموں سے اٹا جسم اور چہرا جو قدرت کی صناعی کا عظیم شاہکار تھا اس پل پہچان میں بھی وقت سے آتا تھا‘ مگر اس وقت اس بے لواحقین میں کوئی بھی نہ تھا‘ کہ عریشہ کے والدین اس کی نعش لے کر جاچکے تھے جیسے عباس سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہو۔ اس کے لیے باپ کا تڑپتا ہاتھ دعا مانگنے والا نہ تھا‘ دوپٹے سے آنکھیں پونچھتی منہ ہی منہ میں تسبیحات پڑھتی ماں نہ تھی‘ جاں نثار مددگار بھائی نہ تھا‘ والہانہ اشکبار بہن موجود نہ تھی‘ بس ایک نندنی تھی جس کی حالت غیر تھی اور جس نے محض ایک نگاہ عباس کو دیکھا تھا تو چہرا بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ عباس کی حالت ہی ایسی تھی جب اسے آپریشن روم سے باہر نکالا گیا سفید پٹیوں میں جکڑا وہ ساکن اور بے خود نظر آتا تھا‘ اس کی خون آلود لمبی پلکیں عارضوں پر ایسے ساکن تھیں جیسے اب کبھی نہ اٹھنے کا تہیہ کرچکی ہوں‘ اس کی حالت دیکھ کر نندنی کی چیخیں نکل گئیں۔

”وہ زندہ تو رہے گا نا؟ میں پاگل ہورہی ہوں‘ مجھے حوصلہ دو‘ مجھے یقین دلاؤ زینب ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ اتنا شدید ایکسیڈنٹ ہو تو کوئی نہیں بچتا‘ مگر اسے بچنا چاہیے‘ تم کہتی ہو نا مارنے والے سے بچانے والا طاقت ور ہے‘ وہ رحم کرنے والا ہے‘ اس سے کہو مجھ پر رحم کرے‘ زینب اپنے اللہ سے کہو وہ اسے بچالے۔“ وہ منتشر ہورہی تھی‘ ٹوٹ رہی تھی بکھر رہی تھی۔ زینب نے اسے بانہوں میں جکڑ کر بھینچا اور اس کا وحشت چھلکاتا آنسوؤں میں ڈوبا چہرا چوم لیا۔

”حوصلہ کرو نندنی‘ اسے کچھ نہیں ہوگا‘ وہ زندہ رہے گا‘ اگر تمہاری ہنسی کا نام ساحر ہے‘ تمہاری خوشی کا عنوان ہی ساحر ہے تو تمہاری ہنسی اور خوشی کے لیے دعا مانگنا میرا فرض ہے‘ میں ابھی وضو کرکے دعا مانگتی ہوں‘ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے‘ وہ تمہیں اس نقصان سے ضرور بچالے گا۔ بس تم حوصلہ نہ ہارنا۔ تم مایوس نہ ہونا۔“ زینب نے اسے تسلی دی تھی مگر وہ جانے کب غم سے نڈھال ہوتی اس کے بازوؤں میں ڈھے گئی تھی۔

✿......✿......✿

اس کے اعصاب پر خوف و ہراس کا غلبہ تھا‘ اٹکی

وحشت جس کا کوئی شمار نہیں تھا۔ بکھرے بے ترتیب بال‘ میلا ہوا لباس‘ سوجھی آنکھوں والی‘ خود سے بے پروا غافل‘ یہ لڑکی تو جیسے کوئی جوگن تھی‘ ایسی جوگن جس کے سامنے اس کا سارا جہان لٹنے کو تھا‘ اس کے حواس قائم رہتے بھی تو کس طرح؟ یہ چوبیس گھنٹے اس پر قیامت کی طرح بھاری تھے۔ اس کے سر پر سورج سوا نیزے پر تھا تو پیروں کے نیچے پل صراط‘ وہ ہر لحہ کٹ کٹ کر جہنم میں گرتی تھی۔ اور اذیت سے بے حال تھی۔ عباس حیدر‘ ہنوز انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ نندنی پچھلے چوبیس گھنٹوں سے ہی بنا کچھ کھائے پیے ہر ہر لحہ تڑپ اور بلک رہی تھی۔ اسے بے قراری اور وحشت ہی ہوسکتی تھی اس خیال سے کہ وہ اسے کھودے گی...... اسے‘ جسے وہ کتنے سالوں سے مسلسل تلاش کرتی رہی تھی۔

وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے رو رہی تھی‘ اب تو جیسے آنسو بھی ختم ہوگئے تھے‘ اس کے غم کی وسعت کے آگے اپنی شکست تسلیم کرکے شرمندہ تھے ساتھ نہ نبھانے پر......!

بائیس گھنٹے گزر گئے‘ پھر تیسواں گھنٹہ بھی گزرا اور چوبیس واں اختتام پذیر ہونے لگا۔ نندنی کے اعصاب پر خوف و دہشت کا احساس اپنے سرد پنجے گاڑھنے لگا اور جسم ایسے لرزتا تھا جیسے تشنج کی مریضہ ہو‘ وہ جلے پیر کی بلی کی مانند اٹھ کر کوریڈور میں پھرنے لگی۔ یہاں سے وہاں‘ وہاں سے یہاں‘ قرار کہاں تھا؟ یہ ایک آخری گھنٹہ بھی گزرتا تو پھر بس‘ کہانی ختم‘ آس ختم‘ زندگی ختم‘ ہر سو اندھیرا‘ مایوسی‘ ویرانی‘ وحشت......! کیا وہ بچ پاتی عباس حیدر کو اپنے سامنے مرتے پا کر؟ یہ دنیا کا سب سے دشوار کام تھا اسے جدا کرنا‘ اس کی آنکھیں بے بسی کے اظہار کو پھر سے بہنے لگیں‘ آنسو کے خشک ہوجانے والے چشمے پھر سے پھوٹ نکلے‘ وجود خوف کے احساس سمیت برف تلے دفن ہونے لگا۔

تو کیا میں اس اذیت کو سہنے یہاں آئی تھی کہ اس زندگی سے بھی عزیز تر شخص کو لحہ لحہ ریت کی طرح پھسل کر زندگی ہارتے دیکھوں؟

”موت سے بدتر ہے یہ عالم‘ میرے اللہ‘ اللہ اللہ“ معاً وہ ٹھٹک گئی۔ اس کی نگاہ بھی ٹھٹک گئی‘ جس کے سامنے اللہ کے پاک اسمائے حسنہ تھے‘ ہاسپٹل کی شفاف راہداری کی شفاف دیوار پر لکڑی کی خوبصورت منقش تختی پر روشنی کا منبع بنے ہوئے۔

”اللہ......“ اس نے خود کو یقین دلایا اس کی زبان سے بھی یہی لفظ نکلا ہے اور نظر نے بھی اسی نام کو چوما ہے‘ وہ جو زینب کا خدا ہے‘ زینب کہتی ہے وہ سب کا خدا ہے‘ یہاں تک کہ میرا بھی‘ ہر کسی کا‘ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے‘ تسلیم کرے نہ کرے‘ مگر اس کی بادشاہی‘ شہنشاہی‘ اور مملکت سے انکار نہیں‘ اس کی مملکت سے کوئی نکل بھی نہیں سکتا۔ مجھے ایک بار تو زینب کے اللہ کو بھی آزمانا چاہیے‘ اس سے بھی مانگنا چاہیے‘ خود‘ کیا پتہ...... وہ میرا منتظر ہو‘ زینب تو یہی کہتی ہے...... وہ اپنے بندوں کا ہر وقت منتظر رہتا ہے‘ میں بھی تو اس کی کچھ لگتی ہوں نا‘ اس کی پیدا کی ہوئی‘ زینب کہتی ہے وہ اپنے ہر ایک بندے سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔“

”اللہ......!!!“

اس نے سوچا‘ اس نے پکارا‘ اسے جس پر اس نے پہلی بار یقین کرنا چاہا تھا‘ اسے جس پر وہ پہلی بار بھروسے پر قائل ہوئی تھی۔ وہ جو اپنے نام سے دکھتا تھا‘ جھلکتا تھا‘ اپنے پاس بلاتا تھا‘ مسکراتے ہوئے‘ پیار سے‘ جہاں اجنبیت تھی ہی نہیں‘ جہاں جھجک تھی ہی نہیں‘ جہاں اپنائیت ہی تھی اور بے پناہ محبت‘ جس کا محض تصور ہی دل کی تقویت کا باعث تھا۔ اس کے احساس سے ہی چاہت کی خوشبوئیں اور انجانی مسرت کی لہریں نکل کر انسان کو محسور کرلیتی ہیں‘ صرف دل میں اتر کر سارے راز پاجاتے ہیں‘ سارے مقصد جان جاتے ہیں‘ دھڑکن کو سنبھالتے ہیں‘ اندھیروں کو مٹاتے ہیں‘ وہ بھی بے خود ہونے لگی‘ تڑپنے لگی‘ گڑگڑانے لگی۔

''تو زینب کا رب ہے' تو میرا بھی رب ہے' یہ زینب کہتی ہے' میں بھی کہوں گی مگر تب جب تو میری مان لے گا...... میں آج پہلی بار آئی ہوں تیرے پاس' تو مجھے خالی نہ لوٹا' بس عباس کو بچالے اسے کچھ نہ ہونے دینا' میں اسے اس طرح مرتے نہیں دیکھ سکتی' تو جانتا ہے' میں اکیلی ہوں' بالکل بے بس' اگر عباس کو کچھ ہوا تو میں بھی مارلوں گی خود کو۔ مجھے زندگی کا سامان زندگی کی خواہش تو مہیا کر۔'' گھٹنوں پر گری وہ زاروقطار رو رہی تھی' اسے خبر نہیں تھی' اللہ سے دعا کیسے مانگتے ہیں' اس نے کبھی دعا مانگی ہی نہ تھی' وہ سرتاپا لرزتی تھی اور گریہ وزاری کے دوران زینب کی امی سے سنی وہ مناجات بھی دہراتی تھی جو اس نے انہیں کام کاج کے دوران ایک سوز کی کیفیت میں پڑھتے اتنی بار سنا تھا کہ اس کے فقرے اسے زبانی یاد ہونے لگے تھے۔ اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں مگر وہ اسی بے قراری سے پکار رہی تھی۔ تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

ہمارے سب خواب وقت کی بے رحم آندھیوں میں جل بجھیں گے؟

دو نیم دریا چاہ تاریک و آتش' سر دو جاں نوازی کے سلسلے ختم ہوگئے کیا؟

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

خدائے لم یزل

تیری سجدہ گزار بستی کے سب مکینوں کی التجا ہے

کوئی تو ایسی سبیل نکلے کہ

وہ گھٹنوں کے بل دوزانوں ہوگئی' ہاتھ دعا کے انداز میں پھیل گئے' آنسو لڑیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھرتے اور پھیلے ہاتھوں کی اوک کو بھرتے تھے۔

تجھ سے منسوب گل زمینوں کی سب عظمتیں پھر سے لوٹ آئیں

وہ چاہتیں' وہ محبتیں وہ رفاقتیں پھر سے لوٹ آئیں!

خدائے لم یزل!

خدائے لم یزل!

وہ اضطراری کیفیت کے زیر اثر بلکتی رہی اور اسی بے قراری سے اپنی پیشانی سجدے میں جانے کے بعد فرش پر ٹیک دی۔ وہ زینب کے اللہ سے عباس کی زندگی مانگ رہی تھی' اس کے بدل میں وہ اپنی اطاعت کا وعدہ اس سے کررہی تھی' اس کے علاوہ اسے فی الحال اور کچھ بھی درکار نہیں تھا۔ پھر اس کے وعدے کو سچے رب نے اپنا وعدہ پورا کردکھایا' اس کے ایک قدم کے جواب میں اس نے باقی کا تمام فاصلہ خود ختم کردیا۔ رحمت کی عنایت ہوئی تھی اور اسے مالا مال کردیا گیا۔

نندنی کو یہ خبر ملی تو اسے خوشی سے سکتہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وہ ہنستی تھی...... روتی تھی' چہار سو روشنی تھی' اجالا تھا' خوشبو تھی' وہ پھر سجدے میں گر گئی' اس نے جانا یوں خود کو اس مالک حقیقی کے آگے جھکا دینے میں کیسی لذت کیسا کیف کیسی آسودگی ہے' جس کے سامنے دنیا کی ہر نعمت ہیچ ہے' اس نے یہ بھی جانا' زمین سجدے کے لیے اتنی خوبصورت پہلے کبھی نہ تھی' تن میں شکر کا ایسا دھمال بھی پہلے کبھی نہ تھا۔

✿......✿......✿

وہ سکتہ زدہ آئی سی یو کے بند دروازے کے آگے کھڑا تھا' اس کی خوف سے پھیلی آنکھوں میں کسی حادثے کا واہمہ گھات لگائے بیٹھا نظر آتا تھا' اور دل اتنا سہا ہوا تھا کہ رک رک کر دھڑکتا تھا۔ فراز کی اطلاع پر جب وہ حواس باختہ ہسپتال پہنچا تو ایمان کو آپریشن کے لیے لے جایا جاچکا تھا۔ فراز کے لیے جو تازہ صورتحال اس تک پہنچی وہ انتہائی مایوس کن تھی۔ ڈاکٹر نے اتنی تاخیر سے پہنچنے کے باعث شدید ملامت کرنے کے بعد کیس لینے سے انکار کردیا تھا۔ فراز کی منت سماجت کے جواب میں کسی بھی نقصان کی ساری ذمہ داری انہی پر ڈال دی گئی تھی۔

''جو مریضہ کی حالت ہے اس کے پیش نظر اب کوئی معجزہ ہی انہیں بچا سکتا ہے۔ بہرحال دعا کریں' کیونکہ ان کا کیس بہت زیادہ تاخیر کے باعث بگڑ چکا ہے۔ زہر اندر پھیلنا شروع ہوچکا ہے۔'' اہم معلومات فراہم کرنے کے بعد ڈاکٹر خود آپریشن روم میں چلی گئی' اور فراز اسی پل

وہاں آنے والے شرجیل پر تمام ادب لحاظ بھلا کر بلا دریغ اس پر برس پڑا۔

''اب کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ آپ کا ہر کام چاہے وہ کتنی ہی معمولی نوعیت کا کیوں نہ ہو بھابی سے زیادہ اہم رہا ہے۔ ان کی ذات و زندگی سے بھی زیادہ' پلیز چلے جائیں یہاں سے' مجھے آپ کی شکل سے ہی وحشت ہورہی ہے۔ آپ اس قابل ہی نہیں تھے کہ بھابی اس حد تک آپ کی خاطر چلی جاتیں۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا ہسٹریک ہوتا چلائے گیا۔ شرجیل اتنا شاکڈ تھا کہ اس کی بات کا برا ماننے کی بھی پوزیشن میں نہیں رہا۔

''میری بات سنیں' اگر بھابی کو کچھ ہوا تو اس کے ذمہ دار صرف آپ ہوں گے، سمجھے آپ؟'' وہ کسی طرح بھی اپنی آواز کی بھراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا تو پلٹ کر تیز قدموں سے وہاں سے نکل آیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ اپنا سیل فون گھر پر بھول گیا تھا۔ آدھے راستے سے پلٹنا پڑا تھا تو سیدھا ہال کمرے کی جانب آیا کہ اس نے اپنا فون وہیں چھوڑا تھا' مگر مما اور تائی ماں کے بیچ ہونے والی گفتگو نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ ثابت ہوا وہ لوگ صرف ظالم نہیں قاتل اور غاصب بھی ٹھہرے تھے۔ انکشافات کا بوجھ ہی کیا کم تھا کہ اس پر ایمان کی اس حد تک بگڑ جانے والی حالت وہ حواس بحال رکھتا بھی تو کیسے؟ ایمان تک جب وہ پہنچا وہ مکمل طور پر حواس کھو چکی تھی۔ جسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالنے کے بعد اس نے مما کو بھی بیٹھنے کی مہلت نہیں دی کہ وہ اتنا ہی متنفر ہورہا تھا ان سب سے۔ سچ کہا ہے کسی نے ''خواہش ناتمام رہے تو دھیرے دھیرے جسم و جاں کو سلگاتی رہتی ہے لیکن اگر ہوس پوری نہ ہو تو طوفان کھڑے کردیا کرتی ہے۔'' غلط راستوں پر بھٹکا کر بے صبرے پن' وحشی طرز عمل پر ہی سفاکیت کے ساتھ جارحیت کو بھی جنم دیتی ہے۔

اس گھر کے مکینوں کو اب انسانیت کے درجے پر رکھ کر بھی سوچنا اس نے اپنے لیے ناجائز قرار دے دیا تھا۔ وہ ڈسٹرب تھا اور بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑائے پھرتا تھا۔ معاً سیل فون کی گنگناہٹ پر اس کی توجہ کا ارتکاز ٹوٹا۔ اس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالا' اسکرین پر مما کا نام چمک رہا تھا' اس کی پیشانی پر تلخی بھرا ناگوار تاثر ابھرا۔

(اب بھلا آپ کو کس بات کی بے صبری ہے؟ موت کی خبر دینا چاہ رہی ہیں)

اس نے زہر خند سے سوچا اور سیل فون کو ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔ کم از کم اس وقت وہ ان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

(مجھے بھابی کی خبر تو لینی چاہیے) خیال آنے پر اس نے گاڑی کا رخ پھر سے اسپتال کی جانب موڑ دیا۔ تیز ڈرائیونگ کا مظاہرہ کرتا ہوا وہ گاڑی کو لاک کرکے تیز قدموں سے ہاسپٹل کے اندر چلا آیا۔ شفاف راہداری کا موڑ مڑتے اسے شرجیل کی جھلک نظر آئی۔ نرس گلابی کمبل میں لپٹا ہوا بچہ اسے پکڑا رہی تھی۔ فراز کے قدموں میں مزید تیزی آگئی۔

''شرجیل بھائی بھابی......'' باقی کی بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ شرجیل آنسوؤں سے بھیگے چہرے کے ساتھ بے قراری سے اس کے گلے لگا تھا اور جیسے ہر ضبط کھو گیا۔ فراز کا دل جیسے گہرے پاتال میں گرتا چلا گیا۔

✿......✿......✿

اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی کی رفتار ذرا سی بڑھائی پھر سرشاری کے احساس سمیت ہولے سے ہنس دیا۔ وہ خوش تھا تو خوشی کے اظہار میں بھلا کیا قباحت تھی۔ فتح کا احساس ہی کتنا کیف آگیں کتنا دلکش ہے' صحیح معنوں میں آج ہی تو جیتا تھا وہ۔

(تو طے ہوا محترمہ لاریب شاہ آپ ہمارے لیے ہی بنی تھیں) اس کے ہونٹ مسکائے اور آنکھیں کسی خوبصورت سوچ کے ساتھ چمک اٹھیں۔

(کیسا ہوگا وہ وقت لاریب جب تم تمام تر آمادگی کے ساتھ مجھے اپنا آپ سونپو گی)

ہاہ...... خوشی سے کہیں میرا دل دھڑکنا نہ چھوڑ دے۔

وہ جھینپا' اس نے گہرا سانس بھر کے آسمان کی جانب دیکھا اور تشکرانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ آسمان پر کہیں کہیں آوارہ بدلیاں اڑتی پھرتی تھیں۔ تاحد نگاہ لہلہاتے کھیتوں میں بل کھاتی پگڈنڈیاں اور ان پر کسیاں اور دیگر اوزار تھامے آتے جاتے کسان...... سروں پر چارے کے گٹھر اٹھائے دوپٹے سے آدھے چہرے ڈھانپے کچھ دیہاتی خواتین۔

سکندر نے احتیاط سے موڑ کاٹا اور گاڑی کا رخ اپنے گھر کی جانب کردیا۔ بابا سائیں کے حکم کے مطابق ابھی کچھ دیر قبل اس نے اپنے والدین کو مناسب الفاظ میں یہ خبر سنادی تھی' اماں کو تو یقین ہی نہ آتا تھا۔ کچھ لمحوں کو ان کا چہرا تاریک بھی پڑا تھا اور انہوں نے ہڑبڑا کر ثانیہ کو دیکھا جو دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بڑے غیر محسوس انداز میں وہاں سے اٹھی تھی۔ البتہ بابا نے بے حد خوشی و مسرت کے ساتھ جوش کا اظہار کرتے اسے بڑے تپاک سے گلے لگایا۔

''میرے پتر تو تھا ہی اس قابل کہ اللہ تجھے یہ مقام یہ مرتبہ عطا فرماتا۔'' ان کے اس والہانہ پن پر سکندر جھینپ کر ہنس پڑا۔

''میری تو حیرانی نہیں مک رہی سکندر کے ابا۔ جو بھی ہے پر وہ لڑکی تو جیسے کوئی شہزادی ہے۔ خدانخواستہ کوئی عیب تو نہیں پڑ گیا چوہدری صاب کی دھی میں جو......'' اور اس خدشے کے جواب میں بابا نے جو اماں کو سنائی جوان کے پلے میں ڈالیں' الامان سکندر کے روکنے کے باوجود بھی بابا گرجتے برستے ہی رہے تھے۔

''ہمارے سکندر ے میں آخر کمی کس بات کی ہے بے عقلے' اتنا پڑھا لکھا' خوبصورت گھبرو' پھر ساری عمر حویلی میں رہا ہے۔ انہی وڈے لوگوں کے جیسا ہے اس کا رہن سہن' پتر بنایا ہوا ہے اسے چوہدری صاب نے۔''

''بابا چلیں رہنے دیں' کیوں غصہ کرتے ہیں؟ اماں کی بات بھی غلط تھوڑی ہے۔ میں کہاں ہوں لاریب بی بی کے قابل' مگر قسمت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں۔

لاریب بی بی کے مرتبے کا لڑکا ان کے خاندان میں میسر نہیں تھا' بابا سائیں کو اس وجہ سے سمجھوتہ کرنا پڑا ہے۔ لاریب بی بی کے کردار میں کوئی کمی نہیں ہے اماں۔''

فطری طور پر وہ اماں کی بات کی وجہ سے یکدم بجھ سا گیا تھا۔ یہ بھلا کیوں فراموش کردیا اس نے کہ لوگ بھی اس بات کو ہضم نہیں کریں گے اور اگر عام لوگ قبول نہیں کرسکتے تو پھر لاریب کے متعلق ایسا سوچنا بھی حماقت ہے۔ وہ بابا کی طفل تسلیوں کے باوجود وہاں سے اٹھا تو اندر سے مضمحل تھا' پتہ نہیں زندگی اسے کس موڑ کس دوراہے کی جانب دھکیلے جارہی تھی۔

❁......❁......❁

مجھے بھی دنیا یہ راس آئے
میں بھول جاؤں تجھے دعا ہے

وہ دھندلی آنکھوں سے کمپیوٹر اسکرین پر موجود عباس حیدر کی تصویر کو تک رہی تھی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسو اس کی ریشمی پلکوں سے ٹوٹے اور دوپٹے میں جذب ہوئے۔

''تو اندر جو سناٹا اور وحشت تھی یہ...... یہ وجہ تھی اس کی عباس! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ بھی تمہیں معاف کرے' تمہیں پھر بھی کچھ نہیں ہونا چاہیے' عباس اس کے باوجود کہ تم میرے لیے نہیں ہو' مگر تمہیں پھر بھی حوادث دنیا ایذا نہ دے' میں تمہیں بددعا کبھی نہیں دے سکی' اللہ گواہ ہے۔'' اس نے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا اور اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھولا کہ عباس کو دیکھنے سے قبل احتیاطاً وہ دروازہ لاک کرلیا کرتی تھی۔

''بی بی صاحبہ آپ کو صاحب نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔'' ملازمہ کی اطلاع نے اس کے شکستہ اعصاب کو کچھ اور بھی اضمحلال عطا کیا تھا' اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ لازمی کوئی بہانہ کردیتی مگر جانتی تھی اب بابا سائیں اس تک اس کی زندگی کا اہم فیصلہ پہنچانے والے تھے۔

''تم چلو' آتی ہوں میں۔'' اس نے بھیگی آواز پر قابو پا کر رسانیت سے کہا۔ ملازمہ کے جانے کے بعد اس نے گہرا سانس بھرا اور خود کو سنبھالنے کی سعی کرتی بوجھل

قدموں سے چلتی وہ ان کے کمرے کے دروازے پر آ کر ٹھہر گئی۔

''جی بابا جان!''

''یہاں آؤ لاریب! اور بیٹے جو کچھ میں کہوں اسے تحمل سے سننا اور ٹھنڈے دل سے غور کرنا کہ میں نے اگر فیصلہ کیا ہے تو تمہارا باپ ہونے کی حیثیت سے مجھے اس فیصلے کا حق حاصل تھا۔'' لاریب نے اس تمہید پر کچھ چونک کر اور بے حد سہم کر انہیں دیکھا۔ گویا ان کے فیصلے کو جاننا چاہا ہو' بابا سائیں اس وقت نارمل اور پرسکون نظر آئے تھے۔

''آ...... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بابا جان؟ میں سمجھ نہیں سکی۔'' اس کی آواز میں ہراس اور خدشات کی یلغار صاف محسوس ہونے لگی۔ بابا سائیں نے نگاہ بھر کے اس کے خائف بے حد سہمے چہرے کو دیکھا پھر اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے سامنے آئے اور مسکرا کر اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا۔

''سکندر اچھا لڑکا ہے' تمہارا انتخاب ہرگز غلط نہیں تھا' بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے مجھے اچھا لگا میری بیٹی نے میرا دھیان اس جانب مبذول کرادیا۔ ورنہ تم جانتی ہو میں تمہاری وجہ سے کتنا پریشان تھا۔'' لاریب نے دیکھا وہ مسکرا رہے تھے۔ جبکہ لاریب حق دق کھڑی تھی۔ اسے لگا اسے اس کی سماعتوں نے دھوکہ دیا ہے' اگر ایسا نہیں ہے تو بابا سائیں اس کے ساتھ اس کی زندگی کا سنگین مذاق کررہے ہیں۔ اس نے بہت کچھ سوچا' بہت انداز میں اپنے آپ کو ڈھارس دینی چاہی مگر بابا سائیں کہہ رہے تھے۔

''آپ جانتی ہو بیٹے میں بہت بوڑھا بہت ناتواں ہوچکا ہوں' جبکہ جو حالات ہیں ان کے مطابق میری بیٹی کو اس وقت مضبوط اور بھرپور آسرے کی ضرورت ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے میں جلد سے جلد باقاعدہ سکندر کے ساتھ آپ کی رخصتی کردوں۔'' لاریب کا رنگ ایک دم سے اڑ گیا۔ چہرا پتھرانے لگا۔ تعجب' بے یقینی' صدمہ' جیسے

ہر لفظ اس کی کیفیت بیان کرنے کو ناکافی تھے۔ صحیح معنوں میں اسے لگا پے درپے پڑنے والی افتاد نے اس کے حواس سلب کرلیے ہیں' بابا جان کے اس سفاکانہ فیصلے نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے بعد سر پر آسمان بھی گرادیا تھا۔ یعنی یک نہ شد دو شد' سکندر کو شوہر کی حیثیت سے قبول کرنا دوسرے لفظوں میں لمحہ لمحہ موت کی سزا ہی تو سنائی گئی تھی۔ اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہونے لگی مگر کیا قیامت تھی کہ وہ اپنے غم و غصے اور نفرت کا اظہار کرنے سے قاصر رہی۔ اس کا وجود پتھر کا مجسمہ بن چکا تھا۔

''اتنی خاموش کیوں ہو بیٹے؟ کیا آپ کو میرا فیصلہ پسند نہیں آیا؟'' بابا سائیں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ اس سکتے سے نکل کر یوں تڑپ اٹھی جیسے ذبح ہوتا جانور چھری تلے پھڑپھڑاتا ہے۔

''بابا جان......'' وہ بے ساختہ و بے اختیار بلک اٹھی۔

''آپ کہہ دیں بابا جان آپ مذاق کررہے ہیں۔ میری معمولی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دیں مجھے۔'' وہ گھٹنوں کے بل ان کے پیروں میں گرتی فریاد کناں ہوتی بلند آواز سے رونے لگی۔ بابا سائیں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''ہم فیصلہ کرچکے ہیں لاریب! یہ تمہاری غلطی کی سزا نہیں ہے یاد رکھو' وقت و حالات کی نزاکت کے پیش نظر ایک بہترین اور اہم اقدام ہے لیکن بے فکر رہو تم رخصت ہو کر کہیں نہیں جاؤ گی' اسی حویلی میں رہو گی۔ البتہ سکندر کے تمام حقوق تم پر واجب الادا ہوجائیں گے۔ اس کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔'' وہ اس وقت فیصلہ سناتے ایک سخت گیر باپ تھے۔ لاریب وحشت چھلکاتی نظروں سے انہیں تکتی ان کے چہرے پر کسی نرمی کی گنجائش کھوجتی رہی مگر ناکامی کی صورت اسے بپھرا کے رہ گئی۔ اگلے لمحے وہ تند و تیز موج کی طرح اٹھی اور سر اٹھا کر ان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

''تو پھر سن لیں آپ بھی' مجھے آپ کا یہ فیصلہ ہرگز

قابل قبول نہیں ہے اس سزا کو عمر بھر کا روگ بنانے سے ہزار درجے بہتر ہے آپ زہر دے کر مار دیں مجھے۔''
ہیجان زدہ آواز میں کہتے وہ تقریباً چلا اٹھی اور مزید کچھ کہے سنے بغیر پلٹ کر کمرے سے بھاگ گئی۔ راہداری کے موڑ پر اسی سمت آتے سکندر سے زور سے ٹکرائی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں ایک کی آنکھوں میں گریز تھا دوسرے کی نفرت کی چنگاریاں جو بھسم کر ڈالنے کی طاقت رکھتی تھیں۔ لاریب نے اسی تنفر اسی حقارت آمیز انداز میں اسے زور سے دھکا دیا اور پاگلوں کی طرح دوڑتی راہداری کا موڑ مڑ گئی۔ سکندر ہونٹ بھینچے گم صم کھڑا تھا۔

❁......❁......❁

اس نے آنکھوں سے بہتا سیل رواں ہاتھ کی پشت سے صاف کیا اور سوچے ہوئے پپوٹے بامشکل اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگی۔ زینب کے رب نے ایک بار پھر اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ موت کو شکست دے کر عباس نے زندگی کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ اب وہ خطرے سے باہر تھا۔ تب سے ہی جیسے نندنی کو بھی زندگی کی نوید ملی تھی۔

''اب تو کچھ کھالو نندنی' مجھے ڈر ہے تم خود بیمار نہ پڑ جاؤ۔'' زینب اس کے ہمراہ آ کر بیٹھ گئی۔ وہ حجاب میں تھی اور اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔ نندنی نے اب کے کوئی مزاحمت نہیں کی اور زینب کے بڑھائے نوالے آہستگی سے منہ میں رکھنے لگی۔

''تمہارا خدا بہت مہربان ہے زینب! اس نے ایک بار پھر میری بات رد نہیں کی۔ اس نے ثابت کر دیا وہ وحدہ لاشریک ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے اسی کی مرضی کا پابند ہے۔ مجھے بتاؤ میں اس کا شکریہ کیسے ادا کروں؟'' اس کا لہجہ مدھم تھا' زینب نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا دی۔

''وہ دلوں کے حالوں سے آگاہ ہے نندنی' اگر تمہارے دل میں تشکر کے جذبات ہیں تو اللہ ان سے ہرگز بے خبر نہیں ہے۔'' زینب کا لہجہ ہنوز نرم تھا۔

''منت تو ہر مذہب کا حصہ ہوتی ہے نا زینب! میں نے منت مانی تھی اگر ساحر ٹھیک ہو جاتا ہے تو میں خود کو اللہ کے تابع کر لوں گی۔ تمہارے رب نے اس بات کو ثابت کر دکھایا ہے' مجھے مسلمان بننا ہے زینب۔'' وہ بے حد ٹھہرے ہوئے پر رسان انداز میں گویا تھی۔ زینب نے ٹھٹک کر اسے دیکھا' اس کے لہجے میں کوئی ہچکچاہٹ' کوئی تردد نہیں تھا۔ اس کے باوجود زینب فوری کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔

''کیا تم صرف منت پوری کرنے کے لیے مسلمان ہونا چاہتی ہو نندنی؟'' اس اہم سوال پر نندنی کھل کر مسکرانے لگی۔

''مقصد صرف یہی تو نہیں ہے زینب! اب تو جیسے کوئی ابہام کوئی شبہ باقی ہی نہیں رہا' ضروری تو نہیں ہے کہ میں اسلام کو مکمل طور پر سمجھنے کے بعد اس کو اختیار کروں' اصل معاملہ ہی تسلیمات واقرار ورضا کا ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے رب کی طاقت' اس کی سچائی کو مان لیا ہے' کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بات اہمیت کی حامل ہو سکتی ہے؟'' اس کی نظریں سوالیہ انداز میں زینب کے چہرے کا احاطہ کر گئیں۔ زینب نے مسکرا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

''بالکل نہیں' اور یہ کہ خدا تمہیں یہ فیصلہ مبارک کرے آمین۔'' زینب نے بے اختیار ہو کر اسے گلے سے لگا لیا۔ نندنی کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت بھیگتی چلی گئیں۔

❁......❁......❁

وہ دونوں خاموش تھے۔ ان کے بیچ موت کی سی خاموشی قائم ہو چکی تھی۔ جیسے کچھ کہنے سننے کو باقی رہ ہی نہ گیا ہو۔ صدمہ اور تاسف ایسا تھا کہ الفاظ اپنی حیثیت اپنا احساس کھو چکے تھے۔ فراز کے چہرے پر صرف گھمبیر ناراضی ہی نہیں تھی' گہری اور خوفناک خاموشی بھی تھی جو کسی طوفان کا پتہ دیتی تھی۔ شرجیل ابھی تک سکتہ زدہ تھا۔ بچہ اس کی گود میں تھا اور بھوک کے ساتھ شاید ماں کی گود کی طلب میں بھی بار بار بلک کر رونے لگتا تھا۔ فراز ہر بار

بچے کی پکار پر پہلے اسے پھر شرجیل کو دیکھا' جس کے ساکن وجود میں کسی قسم کی تحریک پیدا نہیں ہورہی تھی۔ کوفت کے ساتھ فراز کو شدید غصہ بھی آنے لگا۔ ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے گاڑی روک کر اس نے بچے کے لیے پیمپرز' فیڈر اور ڈاکٹر کا تجویز کردہ دودھ اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کچھ مزید اشیا کی خریداری کی اور واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ شرجیل ہنوز اسی پوزیشن میں تھا۔ فراز کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

''اب کس بات کا سوگ منارہے ہیں آخر آپ؟'' اس نے دانت بھینچے اور قہر بھری نگاہ سے شرجیل کو دیکھا۔

''بالکل وہی ہوا ہے جو آپ چاہتے تھے۔ مبارک ہو آپ کو کہ آپ کی جان چھوٹ گئی۔ خوشیاں منائیں اور آج یا دسے صالحہ سے نکاح پڑھوا لیجیے گا۔'' وہ یک دم برس پڑا۔ اتنا زہر تھا اس کے انداز واطوار میں کہ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے شرجیل پر طاری بے خودی اور صدمہ کی کیفیت کا تاثر ٹوٹ گیا۔ اس نے تڑپ کر فراز کے قہر ساماں تاثرات سے سجے چہرے کو شاکی نظروں سے دیکھا۔ اس کی انہی نظروں نے فراز کو مزید بروفراختہ کردیا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے جیسے بہت ہی معصوم اور بے گناہ ہیں آپ؟'' وہ پھنکارا اور جواب میں شرجیل کی انگاروں کی مانند دہکتی آنکھوں سے شدت جذب سے ہار کر دو شفاف موتی ٹوٹ کر بکھر گئے۔

''ہاہ..........'' اس کے منہ سے کراہ نکلی۔

''بالکل ٹھیک کہتے ہو تم' میں مجرم ہوں اس کا۔ اب میں خود کو دار پر بھی چڑھا دوں تو سزا ختم نہ ہو۔ اب میں چاہوں بھی تو خود کو نہ معاف کرسکوں گا نہ بری الذمہ یہ سب میرا ہی کیا دھرا ہے۔'' رنج اور تاسف نے وحشت کا روپ دھارا تو اس پر بے بسی ہیجان کی صورت وارد ہوئی تھی۔

''اس نے مجھے روکا تھا' وہ مجھے بتاتی رہی تھی کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں مگر میں بے حسی اوڑھے اس سے اتنے فاصلوں پر جا کھڑا ہوا تھا کہ اس کے درد اس کی تکلیف کو محسوس کرنے کی حس ہی کھو بیٹھا' فراز میں مجرم ہوں' میں قاتل ہوں' مجھے سنگسار کرو' تاکہ کچھ تو میرا کفارہ ادا ہو اور میں سکون پاسکوں۔'' وہ حواسوں میں نہیں تھا۔ اس کی ذہنی حالت بگڑ رہی تھی۔ فراز کو سب کچھ بھول کر صرف اس کی فکر پڑ گئی۔ بوکھلاتے ہوئے پہلے گاڑی کو سائیڈ پر روکا' پھر بپھرے ہوئے اپنے ہی بالوں کو نوچتے نیم دیوانے سے شرجیل کو سنبھالنے لگا۔ جو بے حد کٹھن مرحلہ ثابت ہورہا تھا۔ بالآخر وہ اس کے بازوؤں میں نڈھال ہو کر ڈھے گیا۔ کئی گھنٹوں کی ذہنی اذیت و کشمکش کے ساتھ مجرمانہ چھری کا کاٹتا ہوا بے رحم احساس' بھوک' پیاس' بے آرامی نے مل جل کر اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔ اس پر فراز کی سنگ ملامت' اسی طرح کاری ایکشن سامنے لاسکتا تھا۔ فراز نے پرتشویش نظروں سے آنکھیں موندے سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھے شرجیل کو دیکھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا' جیسے ساری متاع ساری' ہستی داؤ پر لگا کر خالی ہاتھ رہ گیا ہو۔ فراز کا غصہ ہمدردی اور نرمی میں تبدیل ہونے لگا۔

ان کی گاڑی علوی لاج کے شاندار پورٹیکو میں آن کر رکی تو گھر کے افراد میں جیسے کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر بھی اس جانب سے نئی تازہ خبر کے منتظر تھے۔

''کیا ہوا خیریت تو گزری بیٹے؟ کوئی اطلاع نہیں' نہ فون ریسیو کرتے تھے اور یہ بچہ......!'' سب سے پہلے مما لپک کر آئی تھیں۔ فراز کی گھمبیر چپ شرجیل کی تباہ کن حالت اور بن ماں کے روتا ہوا بچہ' کوئی اجڑی سی دلگیر کہانی سناتا تھا۔ ان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''بہو تو ٹھیک ہے نا بیٹے؟'' انہوں نے سہمے ہوئے انداز میں کہتے دونوں بیٹوں کو باری باری دیکھا' مگر جواب میں خاموشی تھی۔

''تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو اور یہ شرجیل...... اسے کیا ہوگیا ہے؟'' فراز نے اشارے سے سمعیہ کو قریب بلا

کر بچہ اسے تھمایا' ساتھ ہی وہ شاپنگ بیگ بھی جس میں بچے کے لیے کی گئی خریدا ہوا سامان تھا۔

''فیڈر تیار کر کے اسے پلا کر سلا دو۔ میرا خیال ہے تم اسے سنبھال سکتی ہو' نیکی کا کام ہوگا۔'' وہ مڑا پھر شرجیل کو نرمی سے تھام کر اس کے بیڈ روم میں لے آیا۔

''ٹینشن' فری رہیں بھائی' فی الحال آپ کے لیے یہ بے حد ضروری ہے۔'' اسے لٹانے کے بعد کمبل اوڑھاتا ہوا سیدھا ہوا تو مما جو اس کے ساتھ ساتھ یہاں تک آئی تھیں ضبط گنوا کر چیخ پڑیں۔ فراز نے جواباً انہیں بے حد سرد نظروں سے دیکھا تھا۔

''بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' باہر آجائیں بتارہا ہوں۔'' اس کا لہجہ بھی اس کی نظروں کی طرح سرد اور جامد تھا۔ مما اس کے لہجے و انداز کی کاٹ اور طنز پر دھیان دیے بغیر شرجیل کے چہرے پر پرتشویش نگاہ ڈالتیں تیزی سے فراز کے پیچھے کمرے سے باہر آگئیں۔

''اب بول بھی دو فراز' مجھے لگ رہا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔'' وہ سہمی ہوئی بولیں' فراز زہر خند سے مسکرانے لگا۔

''کیوں گھبراتی ہیں' ابھی آپ اپنے ہنر تم آزمایئے گا' گو کہ آپ نے انہیں مارنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی مگر اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ وہ زندگی اور موت کی درمیانی کیفیت میں معلق کردی گئی ہیں۔ صرف آپ کی سفاکیت کی وجہ سے کوئی کتنا کچھ سہہ گیا مما! ظلم کی انتہا ہوگئی یہاں۔ کومے میں ہیں ایمان بھائی' جانتی ہیں کومے میں جانے والے مریضوں میں سے کوئی ایک آدھ ہی خوش نصیب ہوتا ہے جو دوبارہ صحت مند زندگی کی جانب لوٹتا ہے' ورنہ ان سرد اندھیروں میں بھٹکتا بالآخر موت کی آغوش میں جا سوتا ہے۔ کبھی فرصت ملے اور ضمیر جاگے تو انا' مفاد اور خود غرضی کی اس جنگ میں سود و زیاں کا حساب لگایئے گا۔ شاید اندازہ کرسکیں آپ نے کس درجہ گھاٹے کا سودہ کیا ہے۔'' تاسف و ملال سے کہتا وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا۔ جبکہ صورتحال کو جاننے کی مشتاق دروازے سے لگی کھڑی تائی ماں اور صالحہ نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر ہاتھ پر ہاتھ مار کر فتح وشادمانی سے سرشار ہنستی چلی گئیں۔

''خس کم جہاں پاک۔'' تائی ماں نے ہنسی کو ذرا دیر کے لیے روک کر کہا جبکہ کچھ فاصلے پر موجود مما کی آنکھوں میں آئے آنسو بھی ٹھٹھر گئے۔ سود و زیاں کا دفتر تو کھلا ہی گیا تھا۔ احتساب تو اب ہوا ہی چاہتا تھا۔ ضمیر زندہ ہو تو جرم کا چھوٹا پن بھی بڑی اذیت سے دوچار کرجاتا ہے۔ ملامت کا کوڑا ہر ضرب کے ساتھ پچھتاوے اور ملال میں جتلا کرتا توبہ کی آس دل میں جگاتا ہے۔ وہ بھی جیسے خواب غفلت سے جاگ اٹھیں۔

✿......✿......✿

ہوا تھمی تھی ضرور لیکن
وہ شام جیسے سسک رہی تھی
کہ زرد پتوں نے آندھیوں کو
عجیب قصہ سنا دیا تھا
کہ جس کو سن کے تمام پتے
سسک رہے تھے بلک رہے تھے
جانے کس سانحے کے غم میں
شجر جڑوں سے اکھڑ رہے تھے
بہت تلاشا تھا ہم نے تم کو
ہر اک رستہ ہر اک وادی
ہر اک پربت ہر ایک گھاٹی
کہیں سے تیری خبر نہ آئی
تو یہ کہہ کے ہم نے دل کو ٹالا
ہوا تھمے گی تو دیکھ لیں گے
ہم اس کے رستوں کو ڈھونڈ لیں گے
مگر ہماری یہ خوش خیالی
جو ہم کو برباد کرگئی تھی
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن
بڑی ہی مدت گزر گئی تھی

اس نے نظم پڑھتے ہوئے اچانک کتاب بند کردی۔

آنکھوں میں دھند ہی اتنی اتر آئی تھی۔ وہ ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے بے اختیار سسک پڑی۔ اس کی کوئی دھمکی، کوئی فریاد کارگر ثابت نہیں ہوسکی، بابا سائیں کا فیصلہ تو جیسے پتھر پر لکیر تھا، کتنا سر پٹخا تھا اس نے۔

"میں نے کہا نا بابا جان آپ ایسا نہیں کریں گے۔" وہ جتنی بار بھی ان کے روبرو آئی تھی اس نے ہر بار مختلف انداز میں یہی ایک بات کہی تھی مگر بابا سائیں کے چہرے کے تاثرات میں معمولی سی گنجائش کا تاثر بھی نہیں ملتا تھا۔ میں اسے کبھی اس حیثیت سے قبول نہیں کرسکتی بابا جان، وہ میرا ساتھ ڈیزرو بھی نہیں کرتا، خود سوچیں، کہاں عباس، کہاں یہ......" اس کے لہجے کا تنفر و حقارت اتنی بھرپور تھی کہ بابا سائیں کو تاؤ آنے لگا تھا۔

"یہ مت بھولا کرو لاریب کہ عباس وہ ہے جس نے ٹھکرا دیا تھا تمہیں، اب تو تمہیں اس کا نام بھی زبان پر نہیں لانا چاہیے اور سکندر...... سکندر بھی تمہاری اپنی چوائس اپنا انتخاب ہے۔" وہ اتنی سخت بات تلخ انداز میں ہرگز نہ کرتے، اگر وہ اپنی ضد پر اکڑی نہ رہتی۔ لاریب کو دھچکا لگا۔ اس نے یوں انہیں دیکھا، جیسے یقین کرنا چاہتی ہو جو اس نے سنا وہی کہہ چکے ہیں وہ۔ بابا سائیں نے نظریں چرالیں، لاریب تو اس سبکی و تذلیل پر جیسے کٹ ہی گئی تھی۔

"تو اس کا مطلب آپ مجھے سزا دینا چاہتے ہیں؟ اس غلطی کی؟" وہ حواسوں میں لوٹی تو اس نے رگوں میں خون کی جگہ انگارے اور پارہ دوڑتا محسوس کیا۔ اس کا سوال کڑا تھا۔ اتنا کڑا کہ بابا سائیں کو لگا وہ اس پر اپنی کمزوری آشکار کرکے اسے شہہ دینا نہیں چاہتے تھے جبکہ وہ جان بھی چکے تھے وہ اپنا نقصان کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

"چلو آپ ایسا ہی سمجھ لو مگر لاریب...... بیٹے میں فیصلہ کرچکا ہوں۔" اس نے سنا اور وحشت زدہ سی ہوکر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے اندر بھڑکتی آگ فروزاں ہو کر اسے کچھ اور تیزی سے دھڑا دھڑ جلانے لگی۔

"تو پھر سن لیں بابا جان، مجھے ہرگز بھی آپ کی تجویز کردہ یہ سزا منظور نہیں۔ میں خودکشی تو کرلوں گی مگر یہ سب نہیں ہونے دوں گی۔" اس کے لہجے میں بغاوت، سرکشی ہٹ دھرمی اور تلخی بھی تھی، یہ طے تھا وہ اپنے ہاتھ پیر توڑ کر خود کو اس قابل نفرت شخص کے آگے نہیں ڈال سکتی تھی۔ بابا سائیں نے اس دھمکی آمیز انداز پر بے حد چونک کر اسے دیکھا پھر یکدم غصے میں آکر اس کی جانب بڑھے، اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھ پاتی ان کا ہاتھ اس پر اٹھ گیا۔

"ایسا ضرور کرنا تم، مگر اس سے قبل تمہیں میری مری ہوئی صورت دیکھنا پڑے گی۔ لاریب میں سکندر کے والدین کو ہی نہیں اپنے حلقہ احباب میں بھی سب کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرچکا ہوں۔ اس فیصلے سے مجھے ہٹانا میری موت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ کاش میں اس شرمناک صورتحال کا سامنا کرنے سے بہت پہلے ہی مرگیا ہوتا۔" غم و غصے اور ہیجانی کیفیت کے باعث وہ سرتاپا کانپ رہے تھے اور لاریب نے جانا وہیں اس کی شکست فاش ہوئی ہے۔ آنکھوں میں آنسو لیے وہ اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔ کیسا احساس تھا یہ جس نے وجود میں ان گنت سوئیاں گاڑھ دی تھیں جن کی اذیت جانکنی کی اذیت سے کیا ہی کم ہوگی۔

(عباس حیدر اگر تمہیں میری زندگی میں شامل نہیں ہونا تھا تو مجھے راستے سے بھٹکانے...... میری زندگی میں تمہاری آمد اتنی ضروری بھی نہیں تھی، میں کیسے جیوں تمہارے بغیر، مجھے جینے کے سب ڈھنگ بھول گئے ہیں) اس کے وجود کے ایوانوں میں وحشت سر پٹختی پھرتی تھی۔ یہاں اس حقیقت سے صرف وہ آگاہ تھی کہ اس خونی حادثے میں عباس سے اس کی من پسند بیوی چھن گئی ہے، اس کا دل خوش فہمی کی انتہا پر تھا کہ بلآخر وہ لوٹ کر اس تک آجائے گا۔ جبکہ یہاں محبت کا راستہ کالی دیواریں کھڑی کرکے پاٹا جارہا تھا۔ اس کی تو ایک ہی تمنا تھی، عباس کے انتظار میں رہنے کی۔

اس سے بڑا بھی کوئی المیہ ہوسکتا تھا کہ سفر کی تھکن اور گرد سمیٹے مسافر اپنا زخم زخم وجود لیے واپس لوٹتا تو انتظار میں بچھی پلکوں کی چھاؤں نہ ملتی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن وقت کی صیادوں نے زخمی چڑیا کے پر بے دردی سے کاٹ ڈالے تھے۔ اس کا وجود سوائے پھڑ پھڑا کر اپنے زخموں کو بڑھانے کے اور کسی شے پر قادر نہ رہا تھا۔ عجیب بے بسی بے کسی کا عالم تھا۔ اس کے آنسو بے آواز گر رہے تھے۔ وہ خود سے بچھڑی لگ رہی تھی۔ جب ہی دروازہ کھلا اور امامہ تقریباً خوشی سے چلاتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔

"بجو...... یہ کیا سن رہی ہوں میں، اللہ اللہ! اتنی پیاری خبر، میرا تو خوشی سے برا حال ہونے لگا۔ سکندر بھائی اور آپ...... اف اف کتنے اچھے لگیں گے دونوں۔" وہ اس کا سر چومتے ہوئے گال چومتے چومتے رہ گئی۔ گویا ابھی ابھی ہی تو اس کی نظر لاریب کے پتھر بنے چہرے پر موجود آنسوؤں پر ٹھہری تھی۔

"کیا ہوا بجو آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" امامہ کی بے قراری کا عالم بھی خوب تھا۔

"مصلوب ہونے والوں سے یہ پوچھنا کہ وہ غمگین کیوں ہیں، سفا کی کی انتہا ہی ہوسکتی ہے۔" اس کا نمناک لہجہ امامہ کا کلیجہ شق کرکے رکھ گیا۔ اس نے ٹھٹھرا کر لاریب کو دیکھا تھا۔

"میں سمجھی نہیں بجو!" اس کی آواز میں کسی خدشے کے احساس نے لرزش پیدا کردی۔ لاریب نے دانستہ ہونٹ بھینچے رکھے۔

"ابھی حویلی میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا ٹکراؤ سکندر بھائی سے ہوا وہ تو بالکل نارمل لگے مجھے۔" امامہ کی حیرت سے کہی بات پر لاریب کا زہر سے بھرا دل کچھ اور بھی نفرت سمیٹ لایا۔

"وقاص نہیں آیا تمہارے ساتھ؟" اس نے امامہ کا چہرہ جانچا، اس کی مثال اس ڈوبتے انسان کی تھی جو تنکے کا ہی سہارا غنیمت سمجھتا ہے۔

(کاش وقاص ہی کوئی خوامخواہ کا شر پھیلا دے اور اس ظلم و جبر کے سلسلے کی روک تھام ہوجائے، کوئی تو بچائے مجھے اس اندھی کھائی میں گرنے سے) اس کا دل سسک سسک کر بے حال ہونے لگا۔ وقاص تو شکار کے لیے اپنے خاص دوستوں کے ساتھ علاقہ غیر گئے ہیں۔ ایک مہینہ سے پہلے واپسی ممکن نہیں۔ میں ایویں تھوڑا ہی نظر آرہی ہوں آپ کو یہاں پر۔"

"دھت......" امامہ کی فراہم کردہ معلومات نے اسے بالکل ہی مضمحل کرڈالا تھا۔

(تو ثابت ہوا عباس حیدر کہ تمہاری طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند ہوا چاہتا ہے...... مجھے بتاؤ میں کہاں تک حالات سے لڑوں کہ اب تو ہمتیں بھی جواب دے رہی ہیں)

اس نے بے حد شکستگی محسوس کرتے آنکھیں بند کرلیں مگر صبر و قرار کہاں تھا۔ وہ تو کب کا کھو گیا تھا اور کھونے والی چیزیں ضروری نہیں واپس بھی مل جائیں۔

❁......❁......❁

اس نے گہرا سانس بھر کے بے تاب نظروں سے عباس حیدر کو دیکھا جو تیزی سے روبصحت تھا مگر اب اسے عریشہ کے حوالے سے تسلی دلاسہ دینا دشوار امر ہوچکا تھا۔ وہ عریشہ سے فوری طور پر ملنے کا شدت سے خواہش مند تھا، اس کی حالت کے پیش نظر اس سے یہ روح فرساں خبر چھپائی گئی تھی۔ ورنہ شاید وہ آج اس حد تک امپرونہ کرچکا ہوتا۔

"آپ کا بہت شکریہ مس نندنی...... اس تعاون کے لیے مشکور ہوں۔ اب میں بہتر ہوں اور اپنا خیال بھی رکھ سکتا ہوں، آپ پلیز میری خاطر خود کو اتنی زحمت نہ دیا کریں۔" اس کے لہجے کا تکلف بے حد تکلیف کا باعث تھا مگر وہ اسے کسی بھی معاملے میں ٹوکنے کی ہمت ہی نہ رکھتی تھی۔ حالانکہ آج کل وہ باقی سب کو نندنی پکارے جانے پر بڑی روانی اور اعتماد سے ٹوک دیا کرتی۔

"نندنی نہیں، مائی نیم از فاطمہ! الحمدللہ میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔" مگر عباس حیدر سے یہ اہم بات کہتے وہ جھجک جاتی تھی ان سابقہ چند دنوں میں اس نے کتنے بڑے بڑے فیصلے کیے تھے۔ دائرہ اسلام میں

داخل ہونے سے لے کر عباس کے دونوں بچوں کو اپنی کفالت میں لینے تک‘ صرف یہی نہیں اس نے زینب کا گھر چھوڑ کر اپارٹمنٹ کرائے پر حاصل کر کے وہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ زینب کے مدرسہ کے بالکل سامنے تھا۔ اور زینب نے اس کی مدد کے خیال سے ایک بے سہارا عمر رسیدہ عورت کو مستقل فاطمہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس سے پہلے فاطمہ کے اس طرح الگ ہونے کے فیصلے پر بھی زینب نے اختلاف کیا تھا مگر فاطمہ اب مزید اس پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی‘ تبھی اسے طریقے سے قائل کر لیا۔

”میں آپ کی محبت اور احسانوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی زینب! سب سے بڑا احسان وہ ہے جو آپ نے مجھے یہاں لا کر کیا کہ میں نے اسی بدولت پہلے عباس پھر اللہ کو پایا ہے۔ آپ جانتی ہیں زینب میری منزل کچھ اور ہے...... میرے مسائل بھی بہت الگ ہیں‘ مجھے اپنے لیے نہیں جینا‘ میں بہت پہلے زندگی کو اس شخص کے لیے وقف کر چکی ہوں‘ وہ نہ سہی میں تو اس سے محبت کرتی ہوں‘ مجھے اس کی ضرورت جتنی کل تھی اتنی ہی آج بھی ہے۔ بلکہ یہ خواہش مزید بڑھ گئی ہے۔ جو لوگ زندگی میں لازم و ملزوم ہوں ان کو اپنا بنانے اور اپنے سے قریب رکھنے کے لیے ہمیں جس قسم کے بھی حالات کو فیس کرنا پڑے‘ ہمیں کرنا چاہیے‘ میں پیچھے ہٹنے کو گناہ کا درجہ دیتی ہوں‘ یونو مجھے اس کے دیئے زخم بھی پھول محسوس ہوتے ہیں۔ جنہیں میں اپنی خوشیوں پر زیادہ فوقیت دیتی ہوں۔ مجھے ساحر کی اک اک ادا سے عقیدت ہے۔ چاہے وہ غصہ ہو نفرت ہو یا پھر بدگمانی بیگانگی یا پھر بے نیازی‘ جو بھی ہو دل سے قبول ہے۔ یہ ایسی حالت دل کے ہاتھوں آخری حد تک مجبور اور لاچار ہونے کے بعد ہی آتی ہے۔ تب ہی ایسی خواری نصیب بن سکتی ہے۔ پھر روئیں‘ تڑپیں مگر سوائے اس کے کہیں اور قرار بھی نہیں‘ فرار بھی نہیں‘ پھر یہاں فرار چاہتا بھی کون ہے۔“ وہ دکھ سے ہنسی تھی اور زینب چپ کی چپ رہ گئی۔ فاطمہ اسے بتا نہیں سکی تھی کہ عباس کی طرف سے دل کو ذرا تسلی ہوئی تو اسے پہلا خیال بھی اس سے وابستہ لوگوں کا آیا تھا تو اس کے گھر کی جانب بچوں کی خبر گیری کو اس کے قدم اٹھ گئے تھے۔ یعنی وہ واقعی خود کو فراموش کر گئی تھی اور وہاں جا کر اس نے عباس کے جگر گوشوں کی بے قراری دیکھی تو تڑپ اٹھی تھی۔ جبھی ملازموں کو اچھا خاصا ڈانٹ کر رکھ دیا۔

”تم لوگ آخر سمجھتے کیا ہو کہ صاحب بیمار پڑ گئے تو گھر پر تم سب کی اجارہ داری ہو گئی؟ شیم آن یو کم از کم اس عیش و عشرت سے نکل کر اتنا ہی خیال کیا ہوتا کہ ان معصوموں کو یہاں تڑپانے کی بجائے ان کی گرینڈ ما تک پہنچا دیتے۔“ اس نے بچوں کے کپڑے تبدیل کیے پھر انہیں فیڈ کرانے کے بعد ملازموں کی کلاس لگائی تھی۔

”میم ہم ایسا کر چکے تھے۔ بیگم صاحبہ کی ڈیتھ اور صاحب کی شدید بیماری کے باعث بچوں کو سنبھالنے کا اصل حق اور ذمہ داری بچوں کی نانی کی ہی تھی مگر بیگم صاحبہ کی والدہ نے بچے ایک منٹ کے لیے بھی رکھنا گوارہ نہیں کیے یہ کہہ کر کہ جب ان کی ماں ہی نہیں رہی تو غیر آدمی کی اولاد سے ہمارا کیا تعلق‘ میم پتہ نہیں‘ ہمیں بتانا چاہیے آپ کو کہ نہیں مگر یہ سچ ہے کہ بیگم صاحبہ کی والدہ اور بھائیوں نے اس حادثے کے بعد سے وقفے وقفے سے یہاں آ کر گھر کی تمام قیمتی اشیاء کا صفایا کر دیا ہے‘ ہم نوکر ذات بھلا کیا بول سکتے تھے مگر ڈرتے ہیں کل کلاں کو الزام ہم پر ہی آئے گا۔ آپ اچھی انسان معلوم ہوتی ہیں اس لیے آپ کو بتا رہے ہیں کچھ کیجیے؟“ ادھیڑ عمر ملازمہ جو بچوں کو سنبھالنے پر مامور تھی‘ نے اہم اطلاع دی‘ جس کی باقی سب ملازموں نے بھی تائید کی تھی۔ فاطمہ کے تو رونگٹے کھڑے ہونے لگے تھے۔ کیا ایسا ممکن تھا؟ وہ بے یقینی کے بھنور میں ڈولنے لگی۔

”یہ بچے اتنے چھوٹے ہیں میم کہ مجھ سے نہیں سنبھلتے بہتر ہوگا کہ آپ ان کے لیے گورنس کا انتظام کرا دیں۔“ ملازمہ نے بھی صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔ تب فاطمہ نے وہ فیصلہ کیا جو اس کے خیال میں ضروری تھا۔ عباس کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کی اہمیت بھی بہت زیادہ تھی فاطمہ کے نزدیک۔ وہ ان سے چشم پوشی اختیار کر ہی نہیں سکتی تھی۔

”آپ جس طرح مجھ سے باقاعدگی سے ملنے آتی ہیں نندنی اسی طرح عریشہ کے پاس بھی جاتی ہیں؟ مجھے ڈاکٹر نے بتایا اس کی ٹانگوں میں فریکچر ہوا ہے‘ میں نے ہزار بار کہا میں اب ٹھیک ہوں‘ مجھے عریشہ کے پاس جانے دیں مگر مانتے نہیں۔“ عباس کی جھنجلاہٹ زدہ بے زار آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونکی اور یکدم خائف نظر آنے لگی۔ یہ وہ موضوع تھا جس سے کتراتی وہ عباس کے سامنے آنے سے گریز برتا کرتی تھی۔ وہ دن میں پتہ نہیں کتنی مرتبہ ڈاکٹرز سے عریشہ کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔ اس کی اتنی امیج منٹ کو دیکھتے ہوئے ہی ڈاکٹرز فی الحال اسے کچھ بتانے سے گریزاں تھے۔

”جی...... جی آپ ابھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئے ہیں‘ اس لیے۔“ وہ گڑبڑا کر بے ربط ہو کر بولی‘ عباس نے جھلاتے ہوئے زور سے سر جھٹکا۔

”میرا سیل بھی اب میرے پاس نہیں ہے‘ عریشہ کے پاس بھی کہاں ہوگا‘ نندنی ہمارے لیے دو فون سیٹ خرید کر لادیں۔ مجھے ہر صورت عریشہ سے رابطہ کرنا ہے۔“ وہ اتنی قطعیت سے کہہ رہا تھا جیسے اب انکار سننا ہی نہ چاہتا ہو۔ فاطمہ نے بوکھلا کر سر ہلایا اور پلٹ کر وہاں سے نکل آئی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر ہلکان تھی کہ عباس اس کربناک اور سفاک حقیقت کو آخر کس طرح قبول کر پائے گا۔ اسے پھر سے اس کی فکر لگ گئی تھی۔ وہ پھر سے مضطرب تھی۔

✿......✿......✿

ایزی چیئر پر وہ بے دم سی پڑی جھولتی تھی۔ ویران آنکھیں سامنے دیوار پر آویزاں اداس منظر کی عکاسی کرتے پورٹریٹ پر ٹھہری تھیں۔ دروازے پر آہٹ ہوئی مگر اس نے مڑ کر آنے والے کو دیکھنے کی خواہش محسوس نہیں کی۔ ہر احساس ہی سینے میں دم توڑ گیا تھا۔

”دیکھیں تو بجو میں کسے لے کر آئی ہوں۔“ امامہ کی شوخ لہکتی آواز پر اس نے نم پلکوں کو غیر محسوس انداز میں پونچھا اور رخ پھیرتے جیسے شعلوں میں گھر گئی۔ امامہ سکندر کا ہاتھ تقریباً دبوچے شرارت چھلکاتی نظروں سے لاریب کو دیکھتی گویا اپنے کارنامے پر داد کی منتظر تھی۔ گو کہ سکندر کے انداز میں سنجیدگی تھی اور صاف لگتا تھا وہ محض مروت و لحاظ میں امامہ کو آنے سے انکار نہیں کر سکا ہے۔ اس کی نظر محض لحہ بھر کو لاریب کے بھیگے چہرے سے ٹکرا کر پھر جھک گئی۔

”رئیلی بڑی مشکل سے قابو کر کے انہیں لائی ہوں۔ آپ پوچھیں ذرا ان سے‘ اپنا کمرا کیسا ڈیکوریٹ کروا رہے ہیں؟ ویسے راز کی بات ہے‘ یہ آپ کے کمرے میں آئیں گے یا آپ ان کے کمرے میں منتقل ہوں گی‘ ایک تیسرا آپشن بھی ہے۔ عین ممکن ہے بابا جان آپ دونوں کے لیے حویلی کے اوپر والے پورشن میں بیڈروم سیٹ کرا دیں۔“ امامہ کھلکھلا رہی تھی۔ سکندر اس کی شرارت پر جھینپا‘ اس کا سانولا پرکشش چہرا یکدم لو دینے لگا تھا۔ لاریب کی آنکھیں سلگنے لگیں۔

”کیا مطلب میں سمجھی نہیں‘ کیا یہ محترم گھر داماد بننے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟“ وہ زور سے پھنکاری۔ امامہ کے ساتھ سکندر نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بل کھا کر اس کے مقابل آئی اور اس کی گریزاں نظروں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھ کر کھڑی ہو گئی۔

”ایسی ہی بات ہے نا یقیناً؟“ اس کے لہجے سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ سکندر کو اس کا انداز اس کا رویہ ہتک آمیز لگا مگر خود پر جبر کر کے محض سر اثبات میں ہلایا۔

”بابا سائیں کا یہی حکم ہے۔“ لاریب کچھ دیر اسے کینہ توز نظروں سے گھورتی رہی پھر جب بولی تو اس کا لہجہ اس کے اندر کی ساری تپش سمیٹ لایا تھا۔

”انہیں منع کر دو‘ اگر انہیں مجھے بیاہنا ہے تو پوری طرح رخصت کریں۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بجو؟ آپ جانتی ہیں

سکندر بھائی......"

"جانتی ہوں یہ آدمی غریب نادار ہی نہیں ہے' کھنڈر زدہ گھر کا بھی مکین ہے۔ جہاں سہولیات کا تصور تک نہیں ہے مگر بابا جان کے علم میں یہ بات تھی' اس کے باوجود انہوں نے یہ سزا دی ہے مجھے۔ میں اسے ہی قبول کروں گی' انہیں کہہ دو امامہ' مجھے ان کی یہ خیرات قبول نہیں ہے' جب سزا کا حکم سنایا جائے تو پھر اس کی صعوبتوں پر نگاہ نہیں کی جاتی۔" اس کا لہجہ نہایت سرد تھا۔ امامہ کو اس پل اس سے خوف محسوس ہوا اور سکندر ہونٹ بھینچے وہاں سے جا چکا تھا۔ امامہ نے ہی یقیناً یہ بات بابا سائیں کو بتائی تھی جبھی اگلے کچھ لمحوں میں ہی وہ اس کے سامنے تھے۔

"یہ کیا حماقت ہے لاریب کیوں اس طرح تنگ کرتی ہو بوڑھے باپ کو؟" وہ جیسے بے بس کھڑے تھے۔ لاریب کرب کے جاں گسل عذاب سے گزر کر بڑی دقتوں سے ہنسی۔

"بابا جان جہاں اپنی ساری منوائی ہیں ایک میری مان لیں۔ کچھ مانگ تو نہیں رہی آپ سے۔" اس کے انداز میں ایسی دلگیری تھی کہ لحہ بھر کو سہی مگر بابا سائیں بھی ڈگمگا گئے مگر محض اک لمحے کو۔

"شاید اس طرح تم مجھے باز رکھنا چاہتی ہو اس فیصلے سے۔ ایسا ہی سہی' تم سکندر کے ساتھ رخصت ہو کر اس کے گھر چلی جانا۔" وہ جتنا بھی شکستہ تھے مگر لاریب کی اذیت اس کے کرب کا اندازہ پھر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے ایسی نظروں سے انہیں دیکھا جیسے آخری پونجی ہارنے والا جیتنے والے کو دیکھتا ہے۔ مایوسی دلگیری اور صدمے کی آخری حد پر کھڑی تھی وہ۔ کیسا المیہ تھا' وہ جیتنے کی خواہش میں مزید ہارتی' مزید لٹتی جا رہی تھی۔

"میں یہاں سے ایک پیسے کا بھی جہیز لے کر نہیں جاؤں گی۔ آپ کو آپ کی جاہ وحشمت مبارک ہو۔ رخصتی کے وقت کا جوڑا بھی سکندر کے گھر سے آئے گا اور میں ...... میں کبھی پلٹ کر پھر کبھی اس حویلی میں نہیں آؤں گی۔ ٹھیک ہے نا بابا جان؟ قبر میں مردے کو اتارنے کے بعد اس کی واپسی کی امید رکھی بھی نہیں جاتی۔ بے حرمتی کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے۔" وہ ہنس رہی تھی۔ کیسا ہیجان در آیا تھا اس کی ہنسی کی چھنک میں۔ بابا سائیں نے ایک اذیت سے نڈھال ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔ انہوں نے اس کے وجود میں اترے طوفان کے جھٹکے اپنے اندر محسوس کیے۔ ان کا چہرہ شدید رنج کے باعث دھندلانے لگا۔ انہیں لگا وہ بہت سارا رونا چاہتی ہے۔ وہ اتنی ضدی اتنی خودسر ہو رہی تھی کہ انہوں نے اک تھکی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور خود کو کچھ اور بھی بوڑھا محسوس کرنے لگے۔

"اپنے باپ کی بے بسی کو اگر آزمانا مقصود ہے تو یونہی سہی بیٹے۔" انہوں نے اب خود کو سنبھالنے کی سعی بھی نہیں کی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہتے پلٹ کر تیزی سے چلے گئے۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے' کانپ تو وہ بھی رہی تھی سرتاپا' یہ جدائی ایسی ہی وحشت زدہ کیفیت اور نقصان کا احساس ہے۔ جس کا تصور ہی دہلا جاتا ہے جس پر بیتتی ہے اس کی اذیتوں کا کیا شمار' یہ تو یعقوب سے نہ سہی جا سکی تھی' یہ تو پھر عام انسان تھے۔

(تو پھر یہ طے ہوا جب ناحاصلی ہی مقدر ہے تو پھر کیوں نہ ناشاد بھی رہا جائے' جب جلنا ہی نصیب ہے تو پھر وہ آگ صرف ہجر کی کیوں ہو' ہم جل رہے ہیں تو پھر سارے جہان کو کیوں نہ جلا دیں۔ ایسا تو ضروری ہو جایا کرتا ہے نا۔ دل کو یہ اطمینان تو ہوگا' سزا کے مستحق اور حق دار صرف ہم نہیں ٹھہرے جیتنے والوں کو بھی یہ کرب جھیلنا چاہیے) وہ پور پور زہریلی ہو رہی تھی۔

✿......✿......✿

چہرے پر آکسیجن ماسک اور بازو میں لگی ڈرپ سے ہی اندازہ ہو پاتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ ورنہ اس کی مدھم چلتی سانسوں کے علاوہ زندگی کی کوئی رمق اس کے وجود سے نہیں ملتی تھی۔ اسے تکتی شرجیل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرتی چلی گئیں۔

(کوئی ایسا بھی کرتا ہے امی! نہ شکوہ' نہ شکایت اللہ

ایسی جامد خاموشی...... تمہاری یہی خاموشی مجھے ڈس رہی ہے' پلیز اٹھ جاؤ' وعدہ کرتا ہوں کبھی اس غلطی کو نہیں دہراؤں گا' ایک موقع تو دو مجھے ازالے...... تلافی کا)

ضبط چھلکا تو وہ اس کا ہاتھ تھامے سسک پڑا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی اور کوئی قریب آن رکا۔ شرجیل مگر اس احساس سے بے خبر ہی رہا تھا۔

"میں یہ غم برداشت نہیں کر پا رہا ہوں امی' اگر یہی صورتحال رہی تو مر جاؤں گا۔ میری زندگی بچانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہو جاؤ' جانتی ہو نا میں کس قدر عادی ہو چکا ہوں تمہارا؟"

"جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں اپنا عکس نظر نہیں آتا' اسی طرح انسان کی شخصیت بھی آزمائش کی بھٹی میں جھلسے بغیر کھل کر سامنے نہیں آتی۔ ہم کیا ہیں کیا کر سکتے ہیں' اس کا صحیح اندازہ ہی مصیبت کی گھڑی میں ہوتا ہے۔ باقی سب خوش گمانیاں ہیں جو ہمیں اپنی ذات سے لاحق ہوتی ہیں اور صاحب غم سے گھبرانا نہیں چاہیے' کہ غم ہی تو انسان کا استاد مکرم ہوتا ہے۔ منزل تک پہنچنے کی چاہ ہو تو زادِ راہ تو لینا پڑتا ہے' کوئی بھی مرتبہ یا مقام بغیر درد بغیر تکلیف کے ممکن کہاں۔" پر رسان' دھیما' گھمبیر لہجہ اور بے حد سبک انداز گفتگو' شرجیل کو محض گمان ہی گزر سکا کہ وہ اسی سے مخاطب ہے۔

"ڈاکٹر ابراہیم احمد! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" سبز آنکھوں بالکل سفید رنگت چھوٹی داڑھی دراز قامت' وہ بے حد وجیہہ نوجوان تھا' جو شکل وصورت سے فارنر مگر لباس سے عرب کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ شرجیل نے شاید ہی اس سے پہلے کسی کو اتنا پُرنور دیکھا ہو۔

شرجیل بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بہت احترام آمیز انداز میں اس سے ملا تو وجہ اس کی شخصیت کا غیر معمولی حسن اور متاثر کن انداز گفتگو تھا۔

"مخل ہونے پر معذرت خواہ ہوں مگر آپ کو اتنا غم زدہ پا کر میں کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔" وہ نرمی سے وضاحت کر رہا تھا۔ شرجیل کے چہرے پر پھر سے غم و یاس کے وہی سائے لہرانے لگے۔

"یہ شاید واقف ہیں آپ کی' انہیں کیا ہوا ہے' بتانا پسند کریں گے آپ؟ اگر مائنڈ نہ کریں تو...... ایکچولی پیشے کے لحاظ سے میں بھی ڈاکٹر ہوں' آج یہاں آنا ہوا ہے' مگر عین ممکن ہے میں آپ کو کچھ بہتر مشورہ دے سکوں۔" ابراہیم احمد نرمی و رسانیت سے کہہ رہا تھا' شرجیل نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

✿......✿......✿

"تم اندر تو آؤ نا یار۔" فراز اپنے دوست عالیان کو ڈراپ کر کے کسی ضروری کام سے جانا تھا' مگر عالیان اسے ہر صورت چائے پلانے پر مصر ہوا بیٹھا تھا۔ دونوں کالج فیلو رہ چکے تھے۔ آج عرصے بعد اتفاقاً پھر ملاقات ہونے کی وجہ عالیان کی گاڑی کا دغا دے جانا تھا' فراز نے فطرت سے مجبور ہو کر اخلاقیات نبھائی تھیں۔

"سوری عالی یار' پھر کبھی سہی' اس وقت واقعی ضروری کام ہے۔"

"کام سے تو تم جاؤ گے ہی' صرف پانچ منٹ' آجاؤ شاباش۔" عالیان کے اتنے اصرار کے آگے فراز کو مزید انکار آکورڈ لگا جبھی اس کے ہمراہ اس کے گھر کے ڈرائنگ روم تک چلا آیا۔ عالیان اسے بٹھا کر خود اندر چلا گیا۔ کچھ تاخیر سے وہ تو نہیں آیا البتہ چائے لے کر جو ہستی آئی اسے دیکھ کر فراز کو اپنی بصارتوں پر جیسے یقین نہیں آ سکا تھا۔

"آپ...... اریبہ شاہ! اللہ اللہ کوئی جانتا بھی نہیں ہوگا کتنا ڈھونڈا آپ کو کسی نے۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے اس نے اپنی حیرت کو ازلی شوخی میں چھپا کر بڑے شریر انداز میں کسی حد تک بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا۔ چونکی تو اریبہ بھی تھی' ذرا دھیان سے اسے دیکھنے کے بعد وہ بھی دیر سے سہی مگر پہچان کا مرحلہ طے کر گئی تھی۔ تبھی تیکھے چتونوں سے اسے گھورا۔

"تو تم میرا پیچھا کرتے یہاں تک پہنچ گئے؟"

"ہائیں......!" اس سراسر الزام نے فراز کو ہونق

کر کے رکھ دیا۔

❁......❁......❁

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا۔ جسے خیال آنے پر منہ سے لگا کر کش لے لیتا' بڑھی ہوئی شیو' بکھرے بال' اور شکن آلود لباس' کہیں سے بھی تو یہ وہ شرجیل نہیں لگتا تھا جس کی ڈریسنگ اور وجاہت پر صنف مخالف کی جان جاتی تھی۔ فراز نے اس کا جائزہ مکمل کر لینے کے بعد سرد آہ بھری اور پلٹ کر زارون (شرجیل کے بیٹے کا نام زارون تجویز ہوا تھا' یہ کام بھی سمعیہ نے کیا تھا۔ ورنہ شرجیل کو تو صحیح معنوں میں اپنی ہوش بھی نہیں تھی۔ رہ گئے باقی گھر والے تو وہ بے حس اور سفاکی کی دبیز چادر اوڑھے خواب غفلت میں گم تھے۔ نبیل اور شنذرا کے ساتھ لے دے کے مما تھیں جو خیال رکھ لیں مگر کوئی کہاں تک کسی کا خیال رکھ سکتا ہے اگر کسی کو خود اپنی پرواہ نہ ہو) کے ننھے بلکتے وجود کو سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی سمعیہ کو دیکھا۔

اس دن سے زارون سمعیہ کی ہی ذمہ داری بن چکا تھا' مستقل۔ حالانکہ تائی ماں نے بہت واویلا مچایا تھا کہ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی بھلا کہاں تھی اس قابل کہ بچے کی دیکھ بھال کر سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ ان سنی بھی سمعیہ نے ہی کی تھی۔ جبھی کسی نہ کسی طرح گاڑی گھسٹ رہی تھی۔ صالحہ بیگم جو شرجیل پر اجارہ داری کے خواب سجائے بیٹھی تھیں کو بہر حال کبھی اتنی توفیق نہیں ہو سکی تھی کہ کبھی بچے کو روتے پا کر فیڈر بنا کر ہی غریب کے منہ کو لگا دے۔

''شرجیل بھائی' ہم اس کا نام زارون رکھ دیتے ہیں' مجھے بہت پسند ہے یہ نام۔'' چند دن قبل جب سمعیہ بچے کو گود میں لیے اسکے پاس آ کر بولی تب بھی وہ اسی خود فراموشی کی کیفیت میں مبتلا دھواں اڑانے میں مصروف تھا' کچھ فاصلے پر موجود فراز نے جواب میں خاموشی کو پا کر سر اونچا کر کے پہلے شرجیل پھر سمعیہ کو دیکھا جو جواب نہ ملنے کے باعث کچھ خجل سی ہو چکی تھی۔

''ہاں' بہت پیارا نام ہے' یہی رکھ لیتے ہیں' محمد زارون احمد۔'' فراز نے فائل بند کر کے میز پر رکھ دی اور خود اٹھ کر سمعیہ کے پاس آ گیا اور جھک کر بچے کو پیار کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' سمعیہ کے دکھ بھرے انداز پر فراز کی جتلاتی ہوئی نظریں شرجیل کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ گویا در پردہ احساس دلانا مقصود ہو کب تک اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے چشم پوشی کرتے اس معصوم نازک لڑکی پر بوجھ ڈالے رکھو گے' مگر ادھر بے نیازی و غفلت کا عالم ہنوز تھا۔ فراز نے ہونٹ بھینچ کر طیش دبایا۔

''میرا خیال ہے' ہمیں زارون کے لیے گورنس کا انتظام کر لینا چاہیے بھائی' سمعیہ کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ بہت اہم سال ہے یہ اس کا۔'' فراز نے شرجیل کے سامنے نشست سنبھالتے ہوئے زبردستی اس کی توجہ حاصل کی اور اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتی سگریٹ کھینچ لی۔ شرجیل کی جامد آنکھیں لمحہ بھر کو بے زار انداز لیے اٹھیں' یوں جیسے مداخلت ناگوار گزری ہو۔

''جو تم مناسب سمجھتے ہو کر لو۔'' وہ ہنوز لاتعلق تھا اور لاتعلق ہی رہنا چاہتا تھا۔ جواب بھی جیسے جان چھڑانے کو دیا تھا۔

''مت بھولیں کہ یہ میری نہیں آپ کی ذمہ داری ہے۔ ایک نقصان کے اٹھا لینے کے بعد بجائے سنبھلنے کے آپ دوسرے نقصان کے اسباب پیدا کرنے شروع کر چکے ہیں۔ عقلمند انسان وہی ہوتا ہے جو غلطی سے سیکھے۔ بھابی کے ساتھ جو کچھ ہوا سراسر آپ کی نااہلی کی بدولت ہوا' یہ بچہ ہر لحاظ سے آپ کی توجہ و محبت کا مستحق ہے' بی کیئر فل اوکے؟'' اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا لیکن اسے لگ رہا تھا اس کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہے۔ شرجیل کے انداز میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ خود ساختہ دکھوں میں ڈوبا وہ اپنے اطراف سے غافل رہنا چاہتا تھا۔

''تم گئے تھے ملنے ساحر سے فراز؟ سنا ہے بہت حالت خراب ہے' ابھی بھی اس کی' میں نے تو لمحہ لمحہ کی تفصیلات ملاحظہ کی ہیں ٹی وی پر' لیکن ساحر کو نہیں دکھا

رہے' ایکچولی اس کا کوئی اپائنٹمنٹ منٹ نہیں دیا جا رہا تا۔ تمہاری بات اور ہے' تم مل سکتے ہو' ورنہ تو ٹی وی کے کسی نمائندے کو اس کے پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا جا رہا۔ سنا ہے اس کی بیوی کی موت کی خبر چھپائی گئی ہے اس سے پلیز تم اگر گئے تو مجھے بھی ساتھ لے جانا۔ بہت دل کرتا ہے اس سے ملنے کو۔" صالحہ جانے کدھر سے نکل کر اس پر نازل ہوچکی تھی۔ فراز نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھا' کیسے لوگ تھے یہ' اپنے گھر کو چھوڑ کر باہر جھانکنے اور دلچسپی تلاش کرنے والے۔

"بتاؤ نا؟ اتنے شوخ کیوں بن رہے ہو' ہیرو بننے کے چانس بھی گئے اب تو...... ہاہاہا۔" وہ اس کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ فراز نے جھلستی نظروں سے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچے وہاں سے چلا گیا۔

✿......✿......✿

سکندر نے دستک کے بعد اندر قدم رکھا تو بابا سائیں کو کمرے کے وسط میں ٹہلتے پا کر محتاط نظروں سے ان کا جائزہ لیتے گویا ان کے موڈ کا اندازہ کرنا چاہا۔

"آپ نے بلایا تھا۔" کچھ تاخیر سے اس نے انہیں خود مخاطب کیا تو وہ یوں چونکے جیسے اسی پل اس کی موجودگی سے آگاہ ہوئے ہوں۔

"خیریت...... کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" سکندر کے انداز میں اضطراب تھا۔ سمجھ سکتا تھا جو بھی مسئلہ ہے لاریب کا پیدا کیا ہوا ہے۔

"آؤ سکندر! بیٹے آپ تو جیسے اب شکل دکھانے ہی آتے ہو۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئے۔ سکندر کی خفت و خجالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"اماں اور بابا شادی کی وجہ سے خوش ہی اتنے ہیں بابا سائیں' ہر جگہ بازاروں میں مجھے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ حالانکہ متعدد بار کہا ہے اپنی پسند سے خریداری کرلیں۔" وہ جھینپا ہوا سا وضاحت پیش کرتا بابا سائیں کو روٹین سے ہٹ کر بہت پیارا لگا تھا۔ جبھی نرمی سے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

"خوش نصیب ہیں وہ والدین جنہیں یہ خوشیاں حاصل ہیں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ لاریب مجھ سے الٹے سیدھے مطالبات منوا رہی ہے۔" وہ جیسے ہرٹ ہوتے کہہ رہے تھے۔ سکندر نے سکون سے ان کی بات سنی پھر سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"آپ پریشان نہ ہوں' بابا سائیں' یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔" سکندر نے خود کو کمپوز رکھا' حالانکہ حقیقتاً وہ خود تشویش میں گھرا ہوا تھا...... سمجھتا تھا کہ وہ محض ضد میں آکر یہ سب کر رہی ہے مگر اس مسئلے کا بہرحال کوئی حل بھی نہیں تھا سوائے اس کی ماننے کے۔

"اٹس اوکے بابا سائیں...... میں پورا گھر خاص طور پر اپنے کمرے کو اس مختصر سے ٹائم میں بھی ہر ممکن کوشش کررہا ہوں ان کے شایان شان بنانے کا' مجھ پر بھروسہ کریں بابا سائیں۔" وہ بہترین بیٹا ہونے کا ثبوت فراہم کررہا تھا۔ بابا سائیں کے دل سے آدھے سے زیادہ بوجھ سرک گیا۔

"جیتے رہو...... آباد رہو۔" انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب دروازہ کھول کر تایا جان نے اندر قدم رکھا۔ اس منظر نے تو جیسے صحیح معنوں میں ان کی آنکھیں سلگا کے رکھ دی تھیں۔

"مجھے تم سے ایسی توقع کبھی بھی نہیں تھی۔ عباس کی منگیتر تھی لاریب تم نے اس کی جگہ دی بھی تو کسے؟ کچھ تو حسب نسب کا خیال کیا ہوتا؟" وہ غضبناک تھے' آتے ہی برسنے لگے۔ بابا سائیں خود کو سنبھال کر سکندر سے الگ ہوئے اور ایک شرمسار قسم کی نگاہ سکندر کے دھواں ہوتے چہرے پر ڈالی۔

"تم جاؤ لڑکے یہاں سے' مجھے بات کرنی ہے اپنے بھائی سے کچھ۔" ان کا لہجہ حقارت اور تنفر سے بھرپور تھا۔ سکندر جو ہونٹ بھینچے کھڑا تھا متغیر رنگت کے ساتھ تیزی سے پلٹا' مگر بابا سائیں نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سکندر بیٹے کی طرح ہے میرے لیے' ہمارا کوئی بھی معاملہ اس سے الگ نہیں۔ آپ کہیے جو کہنا ہے اور

دوسری اہم بات یہ کہ عباس اپنی جگہ خود خالی کر کے گیا تھا۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ میں اس کی جگہ کسے سونپتا ہوں۔ میرے نزدیک حسب نسب سے زیادہ شرافت اور کردار اہم ہے۔ مجھے فخر ہے کہ سکندر ان خوبیوں سے مالا مال ہے۔"

"میں چلتا ہوں بابا سائیں' کچھ دیر میں آتا ہوں۔" سکندر کے لیے وہاں ٹھہرنا دوبھر ہوگیا تھا۔ جبھی وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتا تیزی سے مڑا۔

"تم بہت غلط کر رہے ہو بہرحال! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی کہ خود کو اتنا گرالو گے' ایک معمولی ملازم کو داماد بنا کر بیٹھ گئے ہو' دنیا میں لڑکوں کی کمی نہیں ہوگئی تھی۔" دروازے سے نکلتے ہوئے بھی ان کا زہریلا فقرہ کوڑے کی مانند اس کی روح پر ضرب کاری کر گیا۔ حسیات بھی ایک مرض ہے اگر سمجھا جائے تو۔ جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن سمجھانے میں شدید ناکامی کا سامنا ہوا کرتا ہے۔ یہ زندگی سے نبرد آزما ہونے کے لیے صبر کی مانند ایک ڈھال بھی ہے۔ جہاں تعلق میں سچائی پیدا ہوجاتی ہے وہاں قناعت' راحت اور وسعت خود بخود پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر المیہ یہی تھا کہ یہاں تعلق میں یہ مقام نہیں تھا محبت نے صرف اسے خواری وذلت کے احساس سے ہی دوچار کیا تھا۔

"بات سنو۔" وہ اپنے دھیان میں تھا' اتنا گم کہ لاریب کی راہداری میں موجودگی کو بھی محسوس کرنے سے قاصر رہا۔ اس پکار پر چونکا اور ٹھٹک کر خالی نظروں سے اسے تکنے لگا۔ عجیب نظریں تھیں بیابانوں کی سی ویرانی سمیٹے۔

"تمہیں نہیں لگتا تم نے خود اپنے ساتھ زیادتی کرلی ہے؟" سوال ہوا تھا اور سکندر کے ہونٹوں پر دنیا کی تلخ ترین مسکراہٹ اتر آئی۔

"اچھا...... نئی اطلاع ہے۔ ورنہ ساری دنیا کو آپ سے ہمدردی لاحق ہے کہ آپ ظلم کا شکار ہورہی ہیں۔"

"اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے بلاشبہ' لیکن کسی مرد کی بھی اس سے زیادہ بدنصیبی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اس کی شادی ایسی عورت سے کردی جائے جو اسے پسند کرتی ہو نا عزت کے قابل جانتی ہو۔" لاریب کا چلایا ایسا نشتر تھا کہ وہ کسی طرح بھی اپنے جذبات کو کنٹرول نہیں کرسکا' سرخ ہو کر دہکتے چہرے کے ساتھ اس نے لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آپ شاید اس طرح مجھے طیش دلا کر اپنا مقصد حل کرنا چاہتی ہیں' باقی تو ہر لحاظ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے نا آپ کو۔" اس مرتبہ آگ لگنے اور آپے سے باہر ہونے کی باری لاریب کی تھی جبھی وہ آتش فشاں لاوے کی طرح پھٹ پڑی۔

"میں اپنے سے کمتر لوگوں سے توقعات نہیں باندھا کرتی' نفس کی بے دام غلامی کرنے والوں سے تو بالکل نہیں۔ لیکن یہ طے ہے کہ میں تمہاری زندگی اجیرن کردوں گی' یاد رکھنا۔" احساس ذلت کے سبب اس پر جیسے خون سوار ہوگیا تھا۔ جبھی اس کا لہجہ اس حد تک ہتک آمیز ہوگیا۔

"محبت ونفرت کی جنگ میں ہمیشہ محبت کی فتح ہوتی ہے۔ ویسے ہی جیسے باطل کی جتنی بھی اجارہ داری قائم رہے مگر حق کو ایک دن پورے طمطراق سے چھانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ قانون قدرت ہے۔ ہم اپنی توانائیاں محبت پر صرف کریں گے فیصلہ وقت پر چھوڑ دیں گے۔" جواباً سکندر نے جس درجہ تحمل' سکون اور رواداری کا مظاہرہ کیا' وہ لاریب کو چند لمحوں کو ہونق بنا گیا۔ معاً وہ خود کو سنبھال کر خاصے تضحیک سے بھرے انداز میں مسکرائی۔

"تم کچھ بھی کہو' کچھ بھی کرلو لیکن یہ طے ہے کہ میں تمہیں کبھی عزت ومحبت سے نہیں نواز سکتی۔" وہ جتنی برہمی سے پھنکاری' سکندر نے اسی قدر بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیے۔ اس سے قبل کہ وہ پلٹ کر وہاں سے جاتا تایا جان بہت جارحانہ انداز میں راہداری کے سرے پر نمودار ہوئے ان کا انداز جتنا غصیلا اور قہر آمیز تھا ان کے پیچھے آتے بابا سائیں اسی قدر گڑبڑائے ہوئے

ہراساں اور پریشان نظر آئے تھے۔

تایا جان سکندر و لاریب کے بھونچکے چہروں کو نظر انداز کیے امامہ کو بلند آواز سے پکارتے آگے بڑھ گئے۔

"میں اپنی بہو کو ساتھ لے کر جارہا ہوں۔ میرا نہیں خیال کہ تم اسے روکنے کی جرأت کرو گے' یاد رکھنا یہ غلطی تمہیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے' یہ طے ہے کہ میں اس کی موجودگی اس گندے ماحول میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

اگلے چند لمحوں میں وہ بدحواس سٹپٹائی ہوئی امامہ کا ہاتھ پکڑے پھر وہیں آچکے تھے اور بے بس نظر آتے بابا سائیں پہ آنکھیں نکال کر غرائے۔ وقت نے انہیں بہت سے گزند پہنچائے تھے مگر ان کی اکڑ اور تنفر کا وہی عالم تھا۔ بابا سائیں شاکڈ کھڑے رہ گئے۔ ان کا یہ آخری طعنہ تو دودھاری تلوار کی طرح انہیں کاٹ کر رکھ گیا تھا۔ تایا جان جیسے آندھی طوفان کی طرح آئے تھے ویسے ہی چلے بھی گئے۔ سکندر نے فوری طور پر حرکت میں آتے بابا سائیں کو سہارا دیا جن کی حالت قابل تشویش ہوچکی تھی۔ وہ یونہی سہارا دیئے جلدی سے کمرے میں لے گیا۔ لاریب وہاں تنہا کھڑی رہ گئی تھی۔

(تمہارے جرائم کی فہرست طویل تر ہوتی جارہی ہے سکندر حیات' جو تمہارے حق میں اچھا نہیں) دانتوں پر دانت جمائے انتہائی طیش کے عالم میں وہ سوچ رہی تھی۔

✿......✿......✿

اسی خود فریبی کی آڑ میں بھلا کب تلک
شب غم سے بھاگو گے دور موسیٰ کے طور تک
وہ جو چھپ کے بیٹھا ہوا ہے دل کے کواڑ میں
وہی دکھ کہیں نہ کہیں سے بجلی گرائے گا
وہ سیاہ رنگ پہاڑ ہے
وہ تو بولتا بھی ہے چل بھی سکتا ہے بھاگ بھی
دل غم زدہ ذرا بھاگ بھی
اسے جاگ جاگ کے جھومتے ہوئے دیکھ بھی
بڑی احتیاط سے غور کر
اسے چھاؤں بننے سے روک دے
ابھی ٹوک دے
وہ پہاڑ ہے......!!
کوئی بے قرار شجر نہیں
دل غمزدہ یہ بھی یاد رکھ
تیرے پر نہیں......!!

اس نے آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو نہیں روکا' نہیں پونچھا' وہ آنسو بہا بہا کر تھک گئی تھی مگر آنسو بہہ بہہ کر تھکتے تھے نہ ختم ہوتے تھے۔ اللہ جانے غم کا کتنا بڑا ذخیرہ تھا جس کا اختتام ہونے میں نہیں آتا تھا۔ آ بھی کیسے سکتا تھا' وہ جو دل و جان اور زندگی سے بھی عزیز تر شخص تھا' اسی نے خود کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ عریشہ کے حوالے سے ملنے والی آگاہی نے کچھ اس انداز میں اس کے ذہن پر اثر کیا تھا' ایسے نقوش چھوڑے تھے کہ وہ حواس سلامت نہیں رکھ سکا۔ ہیجان کا وہ دورہ اتنا شدید تھا کہ وہ اس جدائی کے جاں گسل پاگل کردینے والے خیال کو قبول کرنے پہ آمادہ نہیں تھا اور خود کو ختم کرنے پر تل گیا تھا۔

یہ کیسی محبت تھی اس کی اس میں دیوانگی کا کیسا رنگ تھا کہ وہ اس کے بغیر زندہ رہنے پہ آمادہ نہیں تھا۔ اس کے تند خیز لہر کی مانند بپھرے وحشت چھلکاتے وجود کو قابو کرنے اور خود کو نقصان پہنچانے سے بچانے کی خاطر ڈاکٹرز نے اسے مجبوراً دوا کے زیر اثر سلا دیا تھا مگر کب تک...... ہر بار ہوش میں لوٹ کر آنے پر اس پر وہی مجنونیت اور دیوانگی و ہیجان زدہ کیفیت کا غلبہ اتنی شدت سے اثر انداز ہوتا تھا کہ ڈاکٹرز کے لیے اسے نارمل قرار دینا بھی مشکل ثابت ہونے لگا۔ اس دن فاطمہ کے پیروں تلے سے صحیح طور پر زمین سرک گئی تھی' جس روز ڈاکٹرز نے عباس کو اس صدمے کے اثرات اتنی شدت سے قبول کرنے پر ذہنی طور پر ابنارمل قرار دے کر مینٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرانے کا حتمی فیصلہ دے دیا تھا......!!

(جاری ہے)

مجھے کھ کرادیں

اُم مریم

نہ اب رقیب، نہ ناصح، نہ غمگسار کوئی
تم آشنا تھے تو تھیں آشنائیاں کیا کیا
ستم پہ خوش کبھی لطف و کرم پہ رنجیدہ
سکھائیں تم نے ہمیں کج ادائیاں کیا کیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سکندر بابا سائیں کے فیصلے پر بیک وقت خوشی و حیرانگی کے ملے جلے جذبات سے دوچار ہوتا ہے ایسے میں وہ بابا سائیں کو اس فیصلے کے نتیجے میں پیش آنے والے سنگین نتائج سے آگاہ کرتا ہے مگر بابا جانی کے اطمینان کو دیکھ کر وہ بھی وقتی خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ ایمان طبیعت کی بگڑتی صورتحال سے شرجیل کو آگاہ کرتے ہوئے اسے آفس جانے سے منع کرتی ہے جواباً وہ اسے اس کا محض ڈرامہ قرار دیتے ہوئے دفتر چلا جاتا ہے شزا اسے ناشتا بنانے کے لیے بلانے آتی ہے مگر اس کی زرد رنگت دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے پھر ایمان کے کہنے پر وہ مما کو جاکے بتاتی ہے جو فوراً فکر مندی سے گھبرا جاتی ہیں مگر تائی اماں انہیں اپنی سفا کی کی وجہ سے ایمان کو ڈاکٹر کے پاس جانے سے روک لیتی ہیں وہ انہیں گزرے ہوتے واقعات یاد دلا کے بلیک میل کرتی ہیں جواباً مما چپ ہو کے رہ جاتی ہیں جو بھی تھا آفاق والے معاملے میں وہ بھی تاؤ اور تائی جی کے ساتھ شریک تھیں جب ہی اتفاق سے فراز گھر آجاتا ہے اور ان کی ساری باتیں سن کر گنگ رہ جاتا ہے ماؤف ذہن کے ساتھ وہ ایمان کو ہسپتال لے کر بھاگتا ہے جو ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی ہوتی ہے۔ نندی نڈھال سی حالت میں زینب کے ہمراہ ہسپتال پہنچتی ہے جہاں عریشہ کی موت کی خبر اور عباس کی خطرناک حالت دیکھ کر وہ صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔ وہ زینب کو اپنے اللہ سے عباس کے لیے دعا کرنے کو کہتی ہے۔ عباس کو اس حالت میں 24 گھنٹے ہونے والے تھے اور اس کا ہوش میں آنا نہایت ضروری تھا۔ نندنی کب سے ایک ہی پوزیشن میں گنگ سی بیٹھی تھی اس مشکل گھڑی میں اسے اللہ ہی کی یاد آئی تھی سارے جہاں سے مایوس ہو کے اس نے عباس کی زندگی کے لیے اللہ کو پکارا تھا اور اس کی زندگی کے صدقے میں اپنا آپ اللہ کے حضور پیش کر دیا تھا جواباً اللہ نے بھی اسے اپنی رحمتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔ شرجیل فراز کی اطلاع پر حواس باختہ ہسپتال پہنچتا ہے ایمان کی حالت اور فراز کی دل چیر دینے والی باتوں سے وہ مزید پشیمانی و صدمے کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایمان ایک پیارے سے بیٹے کو جنم دے کر خود کومہ کی حالت میں چلی جاتی ہے، جس سے شرجیل اور فراز دونوں غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ لاریب کو اخبار کے ذریعے عباس کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملتی ہے وہ اسے معاف کرتے ہوئے دل سے اس کی سلامتی کی دعا کرتی ہے جبھی بابا سائیں اسے بلا کے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہیں لاریب حق دق ان کا منہ تکتی رہ جاتی ہے۔ وہ بے ساختہ بلک اٹھتی ہے پھر وہ بارہا بابا سائیں کو اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے مگر انہیں اپنے فیصلے پر قائم دیکھ کے وہ ان سے شدید بدگمان ہو جاتی ہے۔ نندنی عباس کو زندگی کی طرف لوٹتے دیکھ کر اللہ کی رحمتوں، صداقت پر دل سے ایمان لے آتی ہے پھر زبان سے اقرار کے لیے زینب کے روبرو اپنے مسلمان ہونے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے جس پر زینب خوشی سے اسے گلے لگا لیتی ہے۔ فراز شرجیل پر طنز کرتا ہوا بچے کی ضروری اشیاء خرید کر اسے گھر لے آتا ہے ان کے گھر آتے ہی تمام افراد میں کھلبلی سی مچ جاتی ہے۔ مما ایمان کو نہ پا کر فراز سے استفسار کرتی ہیں جواباً وہ انہیں نہایت تلخی سے ایمان کی کومے میں جانے کی بابت بتاتا ہے تائی اماں فاتحانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے مما کو دیکھتی ہیں جبکہ مما احساسِ جرم سے سر جھکا کر رہ جاتی ہیں۔ نندنی عرف فاطمہ عباس کے بچوں کی ذمہ داری بھی اپنے کندھوں پر لے لیتی ہے اسے حقیقتاً عریشہ کی والدہ کے رویے سے گہرا دکھ پہنچتا ہے ادھر عباس تیزی سے صحت کی جانب گامزن ہوتا ہے فی الحال اسے عریشہ کی موت کی خبر سے آگاہ نہیں کیا جاتا مگر اب وہ بارہا عریشہ کے متعلق سوال کر رہا ہوتا ہے۔ فراز اپنے دوست عالیان کو ڈراپ کرنے اس کے گھر جاتا ہے جہاں اریبہ شاہ کو پا کے وہ خوشگوار حیرت کا شکار ہو جاتا ہے۔ شرجیل شکست خوردہ حالت میں اپنے حالات پر ماتم کناں رہتا ہے ایسے میں سمعیہ ہی اس کے بیٹے کی ذمہ داری سنبھالتی ہے اور اسی کے کہنے پر بچے کا نام مزاردن رکھ دیا جاتا ہے فراز سمعیہ کی پڑھائی کے حرج کو دیکھ کے شرجیل پر مزید گرجتا ہے اور اسے گورنس کے انتظام کا کہتا ہے۔ تایا جان بابا سائیں کے سکندر کو داماد بنانے کے فیصلے پر شدید اختلاف کرتے ہیں ان پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اور امامہ کو اپنے ساتھ واپس لے جاتے ہیں جبکہ لاریب سکندر کو مزید طیش دلانے کی کوشش کرتی ہے۔ عباس عریشہ کی موت کی خبر سن کر ہیجان زدہ کیفیت کے زیر اثر آجاتا ہے ڈاکٹرز کے لیے اسے نارمل قرار دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ فاطمہ یہ سب سن کے گنگ رہ جاتی ہے جب ڈاکٹر عباس کو مینٹل ہسپتال میں شفٹ کرنے کا کہتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

☆☆☆

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟'' فاطمہ کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے دنیا لٹ رہی تھی۔ وہ اسے نہیں ملا تھا۔ وہ اسے مل نہیں سکتا تھا۔ یہ خیال بھی کچھ کم اذیت ناک اور وحشت زدہ نہیں تھا مگر وہ اس حالت کو پہنچ جائے گا کہ زندگی سے منہ موڑ لے گا یہ حقیقت کند چھری تھی جو بے دردی سے رگ جاں میں اذیت کے ان گنت رنگ شکار کر رہی تھی۔

''پریشان نہ ہوں محترمہ بسا اوقات شدید ذہنی صدمہ عارضی طور پر ایسی کیفیت میں لے جاتا ہے بہتر علاج اور دیکھ بھال کی بدولت ذہن اس صدماتی کیفیت سے نکل کر پھر سے اپنی کھوئی ہوئی قوتیں بحال کر لیتا ہے یہ ہیجانی کیفیت مستقل نہ ہو بس آپ بھی دعا کریں اللہ بہتر کرے گا۔'' ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں تسلی سے نوازا تھا مگر فاطمہ اپنے دل کا کیا کرتی جس میں سرسراتی وحشت اور گھبراہٹ کو کہیں ٹھکانہ نہ مل رہا تھا غم کا لامتناہی پہاڑ تھا جو اس پر آن گرا تھا جس روز عباس کو ذہنی امراض کے اسپتال میں منتقل کیا گیا فاطمہ کو لگا عباس کی طرح اس غم سے ہار کر وہ بھی اپنا ذہنی توازن کھو دے گی۔ دل کو کسی طرح بھی قرار نہیں آسکا تو ایک عرصہ بعد زینب کی جانب چلی آئی۔ جانتی تھی اس وقت زینب مدرسہ میں ہوا کرتی ہے۔ جامعہ کی شاندار سفید عمارت کا آہنی دروازہ عبور کر کے وہ وسیع و عریض ہال میں پہنچی جس پر سفید قالین بچھے ہوئے تھے ان پر بہت سلیقے سے ڈیسک لگی ہوئی تھی۔ ڈیسکوں کے پیچھے سفید یونیفارم اور گلابی اسکارف میں ملبوس لڑکیاں بیٹھی تھیں اور زینب انہیں لیکچر دینے میں مصروف تھی۔ اس نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا اور مسکرا کر اشارے سے اسے وہیں بیٹھنے کو کہا اور اپنا لیکچر جاری رکھا۔

''سب سے پہلے تو آپ لوگ یہ ذہن میں رکھیں یہاں آپ کو دین پڑھایا جا رہا ہے مذہب نہیں، دین اور مذہب میں بہت فرق ہے۔ دین Religeon کو کہتے ہیں اور مذہبی عقیدے یا اسکول آف تھاٹ کو۔ پڑھنے سے قبل ایک بات ذہن میں رکھیں اور گرہ سے باندھ لیں کہ دین میں دلیل صرف قرآن پاک یا حدیث سے ہی دی جاسکتی ہے۔''

فاطمہ بیٹھ چکی تھی مگر اس کے دل کی وہی حالت تھی۔ اس کا دل چاہا زینب کو لیکچر دینے سے روک دے اس کا دھیان

اپنی جانب مبذول کرائے اس کے گلے لگ کر روئے اس سے کہے کہ "مجھے نہیں پتا میں ہر بار غم کی شدت پر تمہاری جانب کیوں دوڑ آتی ہوں۔ شاید تمہاری اپنے دین میں خصوصی محبت و لگاؤ ہے اس کے باعث مقناطیسیت ہو سکتی ہے تمہاری انکساری کا یہ عالم ہے کہ تم نے اس وقت بھی مجھے گلے لگایا محبت دی جب میں تمہاری قوم تمہارے قبیلے سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ مجھے اعتراف ہے تم عام نہیں ہو یہ مقناطیسیت تو بڑی محنت کے بعد انعام ہوا کرتی ہے۔ مجھے تمہاری دعاؤں کی خواہش ہے مقبول دعاؤں سے بڑھ کر کوئی انمول خزانہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو متواتر برسنے لگے۔ زینب کا لیکچر نجانے کتنا آگے بڑھ گیا تھا جب دوبارہ اس کا دھیان اس جانب ہو سکا۔

"انسانی تاریخ پر نظر دوڑاؤ، جس قوم میں قربانی کی انتہا دکھائی دیتی ہے وہی سب سے معزز ہے۔ حدیث ہے کہ "تم ایمان کی لذت کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ ترین چیز خدا کی راہ میں قربان نہ کردو۔" یہ الوہی مسرت کا راز ہے اپنی مرضی سے کسی جذباتی دباؤ کے بغیر اپنی ذاتی چیز کسی کو دے دینا یہی قربانی ہے۔ قربانی کے عمل سے گزرتے ہوئے انسان اپنے اندر خیر و شر کے عظیم معرکے سے دوچار ہوتا ہے۔ پھر جب اس عمل سے گزر جائے تو روح کی لطافت کو محسوس کرتا ہے۔ جو مادی زنجیروں کی جکڑ بندیوں سے نجات کا احساس دلاتی ہے۔ نجات کا دائمی احساس ہی مسرت ہے۔ انسان کی زندگی میں بسا اوقات کوئی نہ کوئی ایسی کمی ضرور ہوتی ہے جو چبھتی رہتی ہے حالانکہ بظاہر دیکھنے والوں کو یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ اس شخص کی زندگی میں کوئی کمی ہے مگر اس شخص کو زندگی بہت بوجھل محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ تم پر وہ پڑی جو تو نے کمائی" تکلیف کے وقت یہ احساس کہ وہ تکلیف نہیں دیتا ہم اپنی تکلیف کا خود بندوبست کرتے ہیں یہ اعتراف روح کو ہلکا کر دیتا ہے اور تکلیف برداشت کرنے کی ہمت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔" زینب کو آخر کیسے پتا چلا اس کے دل کی کیفیت کا؟ کیا اسے اللہ نے بتا دیا؟ یا اللہ نے خود اس کے دل کی ڈھارس کے سامان کی خاطر زینب کی زبان سے ایسے الفاظ ادا کروا رہا تھا کہ بے قرار دل ایسے تھمنے لگا جیسے کسی نے محبت سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے وجود پر انوکھی کشش کے اثر سے وجدان طاری ہونے لگا۔ زینب کے لہجے کی تاثیر نے اسے جکڑ لیا تھا۔

دل کیسے قبول کرتا ہے کیسے سمجھتا ہے یہ اس نے ابھی جانا۔ بڑا لاثانی علم ہے یہ قرآن کا جس کے دل پر ادراک کی صورت میں نازل ہونے لگے اس پر آگہی و لطف و سرور کے نئے نئے جہاں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ اسے زینب کے گلے لگ کر رونے کی خواہش باقی نہیں رہی۔ اسے جو تقویت جو حوصلہ درکار تھا وہ مل چکا تھا۔ وہ ابھی اور زینب سے ملے بغیر واپس چلی گئی۔ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی ملازمہ عمر رسیدہ خاتون تھیں، بچوں کو صحیح طور پر سنبھال نہیں پاتی تھیں۔ یہ فاطمہ کی ذمہ داری تھی جو وہ احسن طریقے سے نبھانا چاہتی تھی وہ اللہ کی خوشنودی کا پہلی بار دل سے خیال کر رہی تھی۔

❁......❀......❁

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سانس لینے کی حسرت میں مرجائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں
ایسی الجھیں یہ سینے میں سانسیں کہ پھر
ہم دوا پینا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی ہمدم نہ راہی نہ راحت ملے
ایک پل کا سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ
دشت ہی دشت ہوں گے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں
جس کو چاہیں اسے پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں چپ چاپ دنیا کو ہم
دل یہ چاہے تو پھر بھی نہ آئیں کبھی

اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے
کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی وہاں پر وہ ناپید ہو
ابن آدم کی چاہت کے کڑے جرم میں
اپنی ہی ذات کے کھوکھلے بھرم میں
اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے
روئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے مجھے چھوڑ آئے کوئی

یہ بھی اپنی نوعیت کی عجیب و غریب شادی تھی۔ دلہن خاندانی جاہ و حشمت کے باوجود ایک نسبتاً ہلکے اور عام سوٹ میں تیار ہوئی تھی اس کا اکلوتا سنگھار ہونٹوں کی نیچرل پنک لپ اسٹک تھی ڈائمنڈ سے مزین لاکٹ اور بریسلیٹ کانوں میں پرل کے ٹاپس بھی جو بابا سائیں نے اسے امتحانات کی کامیابی کے موقع پر تحفہ میں دیے تھے وہ بھی اتار دیے تھے گویا وہ اپنی ضد اور اکڑ پر قائم تھی۔ خوشی تو درکنار اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے کوئی جوگن ابدی جوگ لے کر صحراؤں کی خاک چھاننے کو عازم سفر ہو۔

دوسری جانب سکندر تھا بے حد سنجیدہ اور بے پناہ تفکر میں ڈوبا اس نے اپنے گھر والوں کو کسی بھی رسم کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ لاریب کے موڈ کے پیش نظر وہ اسے بھڑکنے کا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بابا سائیں سے تو خیر کچھ چھپا ہوا تھا ہی نہیں۔

"جیتی رہو شاد و آباد رہو میں جانتا ہوں بیٹے آپ مجھ سے بہت شاکی اور خفا ہو ابھی آپ کا دکھ سوا ترے ہے کبھی میرے فیصلے کو آپ نے اپنی سزا سمجھ لیا ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب آپ کو اس کی سمجھ آئے گی۔ یہ وقت کی ضرورت ہی نہیں آپ کی بھلائی اور خوشی کا فیصلہ بھی ہے۔ مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا اس کے باوجود چاہے میں اس دنیا میں رہوں یا نہیں لیکن آپ کی خوشی طمانیت اور آسودگی کا احساس لازمی۔ تجھ تک پہنچ کر جیسے مطمئن کردے گا۔" رخصتی کے موقع پر جب وہ بابا سائیں سے ملے بغیر اجنبی تاثرات کے ہمراہ سکندر کی گاڑی میں بیٹھنے کو تھی بابا سائیں نے خود آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر بے اختیاری کی کیفیت میں اس کا سر سینے سے لگا کر بھیگی لرزیدہ آواز میں کہا تھا۔

ان کے الفاظ کے جواب میں لاریب کے چہرے کے کھردرے بے گانہ تاثرات میں ایک تبدیلی آئی تھی وہ استہزائیہ مسکراہٹ کی جھلک کا بہت واضح رنگ تھا جس نے پہلے سے تار تار ان کی روح کو مزید بریدہ کر ڈالا۔

"ہو سکے تو ذرا سی گنجائش نکال لینا بیٹی اور اس بوڑھے بیمار باپ سے کبھی ملنے چلی آنا۔ میں تم سے تمہارا دل دکھانے پر معافی کا طلبگار ہوں۔" ان کا ضبط بالآخر رخصت ہو گیا تھا۔ وہ سسک پڑے تھے کہ لاریب کے تاثرات ہی ایسے دل شکن تھے وہ ایسے پتھر میں ڈھل گئی تھی جس پر کسی قسم کی بھی ضرب کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ سپاٹ انداز میں ان سے الگ ہوئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سکندر سے بابا سائیں کے چہرے کی اذیت نہیں دیکھی گئی تو آگے بڑھ کر انہیں بے اختیار تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"حوصلہ کریں بابا سائیں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" سکندر اپنے تمام تر جذبوں کو دبا کر نرمی سے بولا۔ ورنہ اس پل لاریب کی ہٹ دھرمی پر جتنا غصہ اسے آ رہا تھا بس نہ چلتا تھا لاریب کو دو تھپڑ لگا کر اس کا دماغ ٹھکانے پر لے آئے۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹے۔ مجھے خود سے کہیں زیادہ تمہاری فکر لاحق ہے پتا نہیں کیا کچھ سہنا پڑے۔" انہوں نے خود کو سنبھال کر آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔ سکندر کیا کہتا خاموش کھڑا رہا۔

"جاؤ بیٹے سب منتظر ہیں تمہارے لاریب اگر غصے میں کچھ کہے تو اس کی گستاخی کو معاف کر دینا۔ وہ مجھ سے بہت بدگمان ہے۔ اگر تم سے بھی ہو گئی تو کہیں کی نہیں رہے گی۔" وہ دلگیری سے کہہ رہے تھے سکندر کو ان پر ٹوٹ

کر رحم آیا اور خود اپنے اوپر بھی بابا سائیں کے لیے تو لحاظ و مروت تھی جبکہ اس کے معاملے میں تو وہ ہرگز بھی لحاظ کی قائل نہیں تھی۔ اللہ جانے اس کا انجام کیا ہونے والا تھا۔ وہ خود اپنے اوپر ہنسا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بابا سائیں ان شاء اللہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" ان کے ہاتھ کو نرمی سے دبا کر وہ اپنی ذات کا یقین سونپ رہا تھا۔ بابا سائیں نے پیار بھرے انداز میں اس کا گال سہلایا پھر پیشانی چومی اور گاڑی میں بٹھا دیا۔ زندگی کا ایک نیا سفر نیا موڑ نیا رنگ اس کے سامنے تھا۔ وہ وقت جس کے متعلق اس نے خوابوں میں سوچا تھا آج اس کے سامنے تھا مگر وہ اس آسودگی اس خوشی سے دور تھا جو ہمیشہ اس تصور سے بندھی ہوتی تھی۔

❁……❁……❁

وہ ساکن کھڑا تھا دل میں یاسیت کا گہرا احساس لیے کیا کمی تھی بھلا اس گھر میں صرف ایک ایمان کے نہ ہونے نے اس کی زندگی سے دور ہو جانے سے۔ کاروبار زندگی جوں کا توں تھا۔ ویسا کا ویسا وہی خوشیاں، وہی قہقہے، وہی ہنسی بدل گیا تھا تو بس ایک وہ اس کی خاطر تیاگ ڈالا تھا تو ایمان نے خود کو۔ کتنا احمق تھا وہ کس قدر بے وقوف...... تائی کی باتوں میں آ کر اس نے ایمان کی زندگی میں اپنی بدگمانی، بد عہدی اور بے وفائی کا زہر گھولا تھا۔ جن کا عدل اور انصاف سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا آگہی زیاں تھی اور زیاں درد کا لامتناہی صحرا کہاں تھی امان، کہیں بھی نہیں وہ ہنسنا مسکرانا بھول گیا تھا وجود کے اندر دور تک وحشتوں کا ڈیرا تھا۔

فراز نے اس کی سماعتوں میں جو زہریلے تیر اتارے تھے ان کی سنسناہٹ کا اثر جاتا ہی نہ تھا۔ کتنی تکلیف دہ کربناک اور ناقابل قبول تھی یہ حقیقت کہ اس کے والدین کا حصہ بھی اس قتل و ناانصافی کے ساتھ حق تلفی و غصب کے معاملات میں ملوث رہا تھا۔ کیسا جھگڑا تھا یہ جو فراز کی پسند کی شادی کی مخالفت میں شروع ہوا تھا اور ماضی میں دور تک دھوپ کے نخلستان کو آشکار کرتا چلا گیا۔ انکشافات کی ننگی تلوار تھی جس نے بے دریغ شرجیل کے وجود پر ضرب لگائی تھی اسے اس تعلق اس قرابت نے شرمندگی سے دوچار کر دیا۔

"تم پسند کی شادی کرنا چاہتے ہو تو کر لو مگر اپنی یہ بے ہودہ بکواس بند رکھو، سمجھے؟" سب سے زیادہ غصہ تاؤ جی کو آیا تھا اس کے باوجود انہوں نے حواس بحال رکھے ہوئے تھے وہ ہر ممکن طریقے سے فراز کو سب کے سامنے ماضی کریدنے پر باز رکھنا چاہتے تھے۔

"آپ لوگوں کی مکمل رضامندی شامل ہونی چاہیے اس میں صرف یہی نہیں مجھے میری اس وراثت سے حصہ چاہیے جو آفاق چاچو کی نہیں قانوناً و شرعاً آپ کی تھی۔ میں نہیں چاہتا کوئی خونی منصوبہ آفاق چاچو کی فیملی اور ایمان بھابی کی طرح اس جرم کی پاداش میں میری زندگی کی خوشیوں کو بھی نگل لے۔ میں یہاں سے جانا چاہوں گا معذرت کے ساتھ مگر مجھے اب آپ پر ہرگز بھروسہ اور اعتماد نہیں اسی وجہ سے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ اس کی وجہ آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ میں نا تو آفاق چاچو کی طرح بے خبر ہوں اور نا شرجیل بھائی کی طرح بے عقل مجھے اپنے تحفظ اور بقا کے طریقے آتے ہیں۔" وہ کتنا غضبناک ہو رہا تھا۔ شرجیل میں مزید سننے کی تاب نہیں تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا فراز کا رویہ و عمل کچھ بھی غلط نہیں تھا۔ بہرحال خدا ایک مدت تک ہی ظالموں کو مہلت دیتا ہے۔ پھر تختے الٹ دیے جاتے ہیں اور یہ نقصان بھی اپنے قریبی اور عزیز ترین رشتوں کی بدولت جھولی میں گرتا ہے۔

"میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں آخر اس بچے کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ تیس سال کم نہیں ہوتے اگر وہ زندہ ہوتا تو لازمی رجوع کرتا جائیداد نہ سہی پہچان پانا تو اس کا بنیادی اور اہم حق تھا۔ کیا وہ زندہ نہیں ہوگا شرجیل بھائی؟" فراز کو ایک نئی جستجو جو لگ گئی تھی۔ شرجیل محض خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کتنی ویرانی آ گئی تھی اس کی آنکھوں میں۔

"ایمانداری کی بات ہے مجھے تو اس بدقسمت بچے پر بہت رحم آ رہا ہے بلکہ بچہ بھی کہاں آپ سے بھی بڑا ہے۔ اس لحاظ سے میرا تو دل کرتا ہے اخبار میں ساری تفصیلات

کے ساتھ ایک اشتہار چھپوا دوں کسی کو اس کا حق مل جائے گا یہ بھی نیکی ہوگی۔" وہ پھر اس کی صلاح مانگ رہا تھا۔ شرجیل اس قابل ہی کہاں تھا کہ کچھ کہہ پاتا۔ فراز کو احساس ہوا تو سر جھٹک کر اٹھ گیا۔ پھر وہ تاؤ جی اور پاپا کے پیچھے کچھ ایسے انداز میں ہاتھ دھو کر پڑا تھا کہ انہیں اس کا رشتہ لے کر اریبہ شاہ کے یہاں جانا پڑا۔

"مجھے فوری طور پر جائیداد اور کاروبار سے حصہ بھی چاہیے۔" مطالبہ اتنا کڑا تھا کہ تاؤ جی کو خود پر کنٹرول رکھنا دشوار ہو گیا۔

"احمق لڑکے، تو اتنا پھنے خاں کیوں بنتا ہے آخر بات سن یہ ساری جائیداد ہم میں سے کسی کے نام نہیں کہ اس کی بندر بانٹ اتنی آسانی سے ہو سکے۔ یہ ہمارے بس کا کام ہی نہیں۔ وہ حرام خور اس سانپ کی اولاد کو لے کر بھاگی تو ساتھ میں جائیداد کے سارے کاغذات بھی لے گئی تھی۔ بنوانے کو تو نئے جعلی کاغذات بھی تیار ہو جاتے ہیں مگر میں رسک لینے کو تیار نہیں ہوں۔ ہمیں ضرورت بھی کیا ہے تقسیم کی، سب کھا رہے ہیں نا مل کر عیش میں ہیں تو بھی عیش کر بس اپنی زبان بند کر لے کسی طرح ورنہ میں قینچی سے کاٹ کر بھی پھینک سکتا ہوں تیرے تو باپ کی جرأت نہیں ہوئی میرے آگے بولنے کی تو کس کھیت کی مولی ہے۔" تاؤ جی نے آنکھیں نکال کر کہا تو فراز کے وجود میں یکلخت ہی سناٹے اتر آئے تھے۔

"تو اس کا مطلب یہ سب کچھ واقعی صرف آفاق چاچو کا ہے اور ان کے بعد ان کے اس لاپتا ہو جانے والے بیٹے کا گند آپ کو ہی مبارک ہو یہ یتیموں کا مال۔ میں اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اپنے قوت بازو پر بھروسا ہے مجھے کما کر کھلا سکتا ہوں اپنی فیملی کو۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ تاؤ جی نے نخوت انداز میں ہاتھ ہلایا۔ پھر فراز کے ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ جانے پر سر اٹھا کر بے حد طنزیہ نظروں سے چھوٹی بھاوج (مما) کو دیکھا اور کڑے انداز میں گویا ہوئے۔

"شائستہ تم نے بات کی شرجیل سے؟ یقیناً نہیں کی ہوگی اتنی توفیق ہی کیوں ہونے لگی تمہیں۔ ارے سب کے سب ہی احسان فراموش ہیں۔ یہ تیرا بیٹا جو آج میرے منہ کو آ رہا ہے دوسرا جورو کے غم میں نڈھال پڑا ہے۔ تف ہے ایسی مردانگی پر۔ مجھے تو شرم آ رہی ہے انہیں اپنی نسل کہتے ہوئے بھی۔" وہ بے حد غصے میں آ چکے تھے۔ ان کا ہر لفظ بلند ہوتا لہجہ مما کو خائف اور بے بس کر گیا۔ انہوں نے گڑبڑا کر جٹھانی (تائی اماں) کو دیکھا مگر ان کے چہرے کے تلخ و غصیلے تاثرات کو تکتے وہ بالکل گڑبڑا گئیں۔

"ایسا نہیں ہے بھائی صاحب، میں شرجیل کو آمادہ کر لوں گی آپ پریشان نہ ہوں۔"

"کب کرو گی تم؟ ایک بیٹا ہے وہ اتاؤلا ہوا جا رہا ہے بیوی لانے کو تو دوسرے کو بھی ساتھ ہی نپٹاؤ۔ مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ تمہیں ہو نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں فراز کے ساتھ ہی شرجیل اور صالحہ کا نکاح کر دیا جائے۔" تاؤ جی نے ایک طرح سے حکم جاری کیا تھا۔ مما کی گھبراہٹ و اضطراب میں یکلخت اضافہ ہو گیا۔ وہ جانتی تھیں اس حکم میں اب ترمیم نہیں ہو سکتی۔ انہیں ناچار اسی شام شرجیل سے سب کہنا پڑا مگر وہ تو سنتے ہی تھے سے اکھڑ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں ممی؟ آپ کو اندازہ نہیں ہے شاید۔" وہ طیش میں آ کر چیخا۔

"آپ جانتی ہیں ممی میری شادی ہو چکی ہے۔ ایمان زندہ ہے ابھی، یہ بھی مت بھولیں کہ اسے اس حال تک پہنچانے والے بھی کوئی اور نہیں آپ لوگ ہیں۔" وہ ہونٹ کاٹتا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"ایمان کے مجھ پر بہت قرض ہیں ممی، مجھے مزید شرمسار نہ کریں۔" اس کے لہجے میں ٹوٹتے کانچ کی چھنک اتر آئی تھی۔ ممی کو اس پر بے تحاشا رحم آیا مگر وہ بے بس تھیں۔ جبھی لجاجت سے قائل کرنے لگیں۔

"بیٹے آپ سمجھنے کی کوشش کرو ایمان جس حالت میں ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تمہارے بیٹے کو ماں کی گود کی ضرورت ہے اور......!"

"اور یہ کہ صالحہ اسے کبھی ماں کا پیار نہیں دے گی۔ ممی

آپ کو کیوں یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ کتنے دن ہوئے زارون کو سمیعہ سنبھال رہی ہے۔ حالانکہ وہ چھوٹی ہے اور اس کی تعلیم کا بھی حرج ہو رہا ہے تائی ماں اور صالحہ کو احساس ہوا اس بات کا' دوسری اہم بات یہ کہ ایمان کی طرف سے ساری دنیا بھی مایوس ہو جائے تو میں اس کی واپسی' اس کی صحت یابی سے مایوس نہیں ہوں گا۔" اس کا جتلاتا ہوا لہجہ شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ انہیں اس پل بیٹے کی شاکی نظروں سے نظریں چار کرنا دشوار محسوس ہوا مگر ایک مجبوری تھی' جس کے تحت وہ اس پر دباؤ ڈالے جا رہی تھیں۔

"تم بھی سمجھو بیٹے' ابھی یہ صالحہ کی ذمہ داری نہیں ہے ذمہ داری بنے گی تو خود بخود......"

"معاف کیجیے گا ممی۔" شرجیل نے زہر خند لہجے میں ان کو ٹوک دیا۔

"میں کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہیں ہوں' جہاں تک شادی کی بات ہے تو سن لیں اول تو مجھے شادی کرنی ہی نہیں اگر اپنے بچے کی خاطر مجھے ایسا قدم کبھی مجبوراً اٹھانا پڑا تو قرعہ فال صالحہ کے نام کبھی نہیں نکلے گا۔ میرا سارا نقصان جن لوگوں کی بدولت ہوا میں انہی کی جیت کا سامان مہیا کروں۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے آپ آئندہ اس تکلیف دہ موضوع پر مجھ سے بات نہیں کریں گی۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔ لہجہ دو ٹوک تھا قطعیت سے بھرپور۔ یہ شرجیل کی سوچ ہو سکتی تھی تائی ماں کی نہیں تجسس کے مارے انہوں نے ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو کو چھپ کر سنا تھا اور نفرت کے زہر سے نیلی پڑتی چلی گئیں۔

(پچھتاؤ گے شرجیل تم' میں دعوے سے کہتی ہوں کہ تمہیں اپنا تھوکا چاٹنے پر مجبور نہ کیا تو نام بدل دینا میرا میں نے تو بڑے بڑے فرعون سیدھے کر لیے تم کیا چیز ہو) وہ وہاں سے پلٹیں تو ان کا شیطانی دماغ آئندہ کی منصوبہ بندی میں مشغول ہو چکا تھا۔

❁......❁......❁

اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔ دل نہایت بوجھل تھا آج شدتوں سے اس کے دل نے تمنا کی تھی کوئی اس کا اپنا ہوتا' ایسا راز داں جس کے گلے لگ کر وہ سارے آنسو بہا دیتا۔ لاریب رخصت ہو کر یہاں آئی تو گویا غریب کی جھگی میں ماہتاب اتر آیا تھا۔ واقعہ تو حیران کن ہی تھا لوگ اس کی قسمت پر رشک کرتے نہیں تھکتے تھے۔ سب جانتے تھے وہ وسیع جاگیروں کے مالک اعلیٰ نسب شاہ صاحب کی بیٹی ہے۔ طبع نازک پہ کوئی بات گراں نہ گزرے جبھی اس شب بالخصوص اماں نے محلہ کی خواتین لڑکیوں بالیوں اور بچوں کو گھر میں آمد پر پابندی لگا دی۔

لاریب کو ایک طرح پلکوں کے سائے میں سکندر کے کمرے تک پہنچایا گیا تھا۔ جو جتنا بھی سجا سنوار لیا گیا تھا مگر اس پھولوں کی ملکہ حسن کی شہزادی کے شایان شان نہیں بن سکتا تھا۔ اماں دلہن کو کمرے میں پہنچا کر سکندر کو ڈھونڈتی ہوئی کچن میں آئیں تو اسے چولہے کی بجھتی آگ کے آگے بیٹھے راکھ کریدتے پایا۔ وہ گم صم تھا اور ہرگز بھی خوش نہ لگتا تھا۔ اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی سے یک ٹک اسے دیکھتی تائی کی آنکھیں بھر بھر آنے لگیں۔

"تو یہاں کیا کر رہا ہے سکندر؟ جا اپنے کمرے میں دلہن انتظار کر رہی ہوگی۔" یہ ایسی بات تھی' جس پر سکندر کا سناٹوں میں گھرا دل قہقہہ لگانے کو چاہا۔ مگر خود اپنا مضحکہ اڑانا دل گردے کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس نے جانا وہ بزدل ہے اتنا بزدل کہ اپنے زخم چھپا کر ہنس نہیں سکتا۔ اپنی ماں کی تسلی کی خاطر بھی نہیں۔

"یہ لے پکڑ پتر دلہن کو پہنا دینا۔ اب جا۔" وہ دل کڑا کیے اپنے کمرے کی جانب چلا آیا۔ اس پل لاریب کے موڈ کا سامنا کرنا بھی کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ اتنا کم ہمت کیوں ہو رہا تھا۔ نئی زندگی کی شروعات کے پہلے ہی مرحلے پر اس پر تھکن اور اضطراب کا غلبہ تھا پہلے قدم پر ہی اسے دھچکا لگا۔ مصنوعی پھولوں اور سنہری پٹیوں سے کی گئی مسہری کی ڈیکوریشن اجڑ کر ایک بے ترتیب ڈھیر کی صورت چٹائی پر پڑی تھی۔ دیگر اشیا کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا سکندر نے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے

نظر گھما کر پورے کمرے میں گویا اس فتنہ سامان کو تلاشا جس کی یہ معمولی تباہی وہ ملاحظہ کر چکا تھا۔ اس پل کھٹکا محسوس کر کے وہ بے اختیار ایڑیوں کے بل گھوما اور اس کڑاکے کی سردی میں لاریب کو تازہ غسل کر کے باہر آتے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ گیزر کے انتظام کے بغیر اتنے یخ بستہ پانی سے نہا کر اس نے اپنے اندر جلتی نفرت کی آگ کو بجھانے کی کوشش کی ہوگی۔ اس سوچ نے ہی اسے ہونٹ بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تو اپنے تئیں تم نے یہ اہتمام کر کے اس جگہ کو میرے قابل بنانے کی کوشش کی تھی کتنے احمق ہو تم۔" لاریب نے تولیہ اتار کر گیلے بال جھٹک کر پشت پر گرانے کے بعد مسہری کی داہنی جانب نیچے اپنی قسمت کو روتے کاغذی پھولوں کے ڈھیر کی جانب اشارہ کیا۔ سکندر ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔ وہ اسے یہ بتا کر خود کو مزید ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ اس کی خوشی میں دیوانے ہوتے اس کے ماں باپ کا شوق تھا۔

"یہاں کیوں آئے ہو تم؟" ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش اٹھا کر وہ آتش دان کے قریب چلی گئی۔ اس کا نازک نچکتی ڈال جیسا بدن سردی کے باعث کپکپا رہا تھا اور ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ اس سوال پر سکندر نے بری طرح چونک کر اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ البتہ پیشانی پر موجود تردد کی لکیریں ناگواری کے بلوں میں تبدیل ہو گئیں۔

"مطلب کیا ہے آپ کی اس فضول بات کا۔" اس کے چاندی جیسے نقرئی دلکش سراپے پر تلخ و ترش نگاہ جما کر وہ تیکھے لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔ لاریب نے تمسخرانہ ہنکارا بھرا۔

"اب جبکہ میں اس کمرے میں موجود ہوں تو تمہارا یہاں کوئی کام نہیں ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک اپنی حیثیت سے تو آگاہ ہو ہی اچھی طرح یا پھر کہو تو وضاحت کروں کہ تم......!"

"لاریب میں آپ کی بدتمیزیاں اور گستاخیاں بہت برداشت کر چکا۔ میرا ضبط نہ آزمائیں تو ہی اچھا ہے۔" سکندر کا انداز تنبیہی تھا۔

"مجھے دھمکیاں دینے کے بجائے بہتر ہوگا تم یہاں سے چلے جاؤ' میں تھک چکی ہوں اور اب آرام کی خواہش مند ہوں جو ظاہر ہے تمہاری موجودگی میں مجھے میسر نہیں آ سکتا۔" وہ جواباً تھک کر بولی۔ لہجے میں عزت نام کو نہیں تھی۔ سکندر کا دماغ اس تحکمانہ و متکبرانہ انداز میں الٹ سا گیا۔ دل چاہا ساری مروت لحاظ بالائے طاق رکھے اور آج اسے اچھی طرح اپنی اہمیت سمجھا دے مگر اس پھولوں سے نازک تر چاندنی میں نہایا ہوا روپ رکھنے والی لڑکی میں اس خرد ماغی کے باوجود کچھ ایسا ضرور تھا جو سکندر کو بے بس کر جاتا تھا۔ وہ اس کے آگے ہمیشہ ہارتا آیا تھا تو وجہ اس سے محبت کا جذبہ تھا۔ جو ایسا خالص تھا کہ اس کی خواہش اور چاہ کو الٹ جانے ہی نہیں دیتا تھا۔ بس ایک نظر اس کے حسین و دلربا چہرے پر اٹھتی اور سارے منفی جذبے برف کی چادر میں جا چھپتے۔

"ایسے غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ اس کی نظروں کی تپش کو محسوس کرتے ہی بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔ سکندر کو اس ساری صورت حال کی گمبھیرتا کے باوجود اس کی اس آخری کانشس ہو جانے والی حرکت نے بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ جتنی بھی بہادر بنتی' تھی تو آخر ایک لڑکی ہی نازک اور کمزور۔ مرد کی طاقت اور طیش کے آگے بالآخر اپنی نسوانیت سمیت ہار مان جانے والی۔ یقیناً یہی خوف اسے بھی لاحق تھا اس پل۔

"اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں۔" سکندر کا موڈ ایک دم بدلا جبھی شرارت سوجھی تھی۔ لاریب پہلے تو ہونق ہوئی پھر جھلس کر رہ گئی۔

"بکواس مت کرو سمجھے اور سنا نہیں تم نے یہاں سے جاؤ۔" وہ اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیتے ہوئے چیخی سکندر نے اس کی کلائیاں ہی جکڑ لی تھیں۔

"چاہوں تو ایک منٹ میں تمہیں زیر کر لوں اپنے سامنے اور تم کچھ نہ کر سکوں گی۔ یہاں تک کہ ہمیشہ کی طرح شور مچا کر بابا سائیں کو بلانے والی دھمکی بھی نہیں دے سکتی ہو اور تم جانتی ہو کیوں؟" اس نے جتلاتے

ہوئے لہجے میں کہہ کر انگشت شہادت سے اس کی تھوڑی کو اوپر اٹھایا۔ لاریب جواب تک کسی ٹرانس میں تھی اس کیفیت سے نکل کر پھڑ پھڑا کر اس کی گرفت سے آزاد ہوئی اور تڑپ کر فاصلہ بڑھایا۔ سینے میں موجود دل اس کی گستاخانہ جرأت پر بے طرح دھڑ دھڑا اٹھا تھا۔

"تو تم نہیں جاؤ گے؟" اس نے بھنچی ہوئی آواز میں سوال کیا گویا خود کو مجروح کیفیت سے آزاد کرانا چاہا جس میں ابھی تھوڑی دیر قبل وہ نا چاہتے ہوئے بھی گرفتار ہوئی تھی۔

"کیا فضول ضد ہے یار! کچھ تو خیال کرو کتنا آکورڈ لگے گا میرا کمرے سے باہر جانا اماں بابا یا پھر ثانیہ سے مخفی نہیں رہے گا۔ ضروری ہے اپنی چپقلش کو یوں آشکار......!"

"مجھے سبق مت پڑھاؤ سمجھے۔" وہ حلق کے بل چیخی اس طرح کہ سفید اجلی رنگت دہک اٹھی۔ سکندر اسے دیکھے گیا کتنی حسین تھی وہ مگر اس سے بڑھ کر سنگدل بے حس ظالم۔

"اگر تم نہیں جاؤ گے تو ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں یہ طے ہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک کمرے میں نہیں رہوں گی۔" اپنی شال بستر سے اٹھا کر اوڑھتی ہوئی وہ اسی طیش کے عالم میں دروازے کی جانب لپکی تھی کہ سکندر بوکھلا کر اس کے راستے میں آ گیا لاریب نے بھنا کر کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو لاریب' خوامخواہ ایشو نہ بنائیں مجھ پر بھروسا تو کرنا چاہیے آپ کو۔" وہ جیسے بری طرح زچ ہو کر مفاہمت آمیزی سے کہہ رہا تھا لاریب نے اب کی مرتبہ اس کی بات کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا اور کترا کر نکلنا چاہا تھا کہ سکندر نے سرعت سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"اگر یہ ناگزیر ہے تو پھر میں چلا جاتا ہوں آپ کو یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کے لہجے میں جہاں بھر کی تلخی آ بسی تھی۔ اگلے لمحے وہ دروازہ کھولتا باہر نکل گیا تھا۔ لاریب نے جانے کب کا سینے میں اٹکا ہوا سانس بحال کیا اور دروازہ لاکڈ کرنے کے بعد بستر پر آ گری۔ فضا میں کتوں کے بھونکنے کی آواز کے سوا ہر سو سناٹا طاری تھا۔

وہ کتنی ہی دیر بستر پر ساکن پڑی رہی۔

(یہ تو ابھی شروعات ہے مسٹر سکندر حیات' تم مجھے جیتنا چاہتے تھے مجھ پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے دیکھنا میں تمہارے پاس کچھ باقی نہیں رہنے دوں گی۔ کبھی یاد کرو گے کسی سے ٹکر لی تھی) وہ سلگتے دل و دماغ کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

سکندر باہر آیا تو دونوں کمروں کے دروازے مضبوطی سے بند تھے اور کھڑکیوں سے تاریکی جھانکتی تھی۔ اس کا مطلب اماں بابا ہی نہیں ثانیہ بھی لیٹ چکی تھی۔ وہ اس خیال سے مضطرب تھا کہ ایسی کون سی جگہ ٹھکانہ کرے کہ رات بھی گزر سکے اور بھرم بھی رکھ پائے۔

معاً بابا کے کھانسنے اور چارپائی کے چرچرانے کی آواز سن کر سکندر ہڑبڑا گیا۔ بابا یقیناً واش روم جانے کو اٹھے تھے۔ ان کے باہر آنے کی صورت میں ہونے والے سامنے سے خائف ہوتا وہ کچھ ایسے گڑبڑایا کہ قریب ترین زینہ تیزی سے چڑھ کر بنا سوچے سمجھے اوپر چھت پر آ گیا۔ غضب کی سرد رات میں ہوائیں جھکڑوں کی صورت پھنکاریں مارتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس نے کچھ سوچا اور آگے بڑھ کر اسٹور کے طور پر بنائے چھت کے کونے میں موجود کمرے میں آ گیا۔ جس کا دروازہ بھی نہیں لگوایا گیا تھا۔ اماں نے وہاں ترپال کا موٹا پردہ لٹکا کر اینٹوں سے دبا دیا تھا تاکہ بلی یا کتے اسے مسکن نہ بنا لیں۔ سکندر نے پورے گھر میں چونا پھروا کر مقدور بھر بساط کے مطابق فرنیچر بھی نیا ڈلوا لیا تھا اور پرانا سامان یہاں رکھ دیا تھا۔ سکندر نے پردہ کھسکایا اور اندر آ کر ایک چارپائی خالی کر کے پیٹی کا ڈھکن اٹھا کر بستر نکالا اور رضائی' تکیہ نظر نہیں آ سکا اس نے صبر وشکر سے اسی پر قناعت کیا اور لائٹ آف کرتا بستر سنبھال کر لیٹ گیا۔

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور دل میں دور تک پھیلا سناٹا۔ زندگی تن آسانی کا نام تو کبھی نہیں تھی کہ ہوش سنبھالنے کے ساتھ اس نے حقیقت کی تلخی اور محبت میں نارسائی کا عذاب بھگتا تھا مگر ایسی لاچاری و بے کسی بھی کبھی نصیب نہیں بنی تھی لاریب کا یہ رویہ بہت ہی شدید تھا۔ وہ

جانتا تھا یہ بھرم تا دیر قائم نہیں رہ سکے گا۔ پھر اس کے بعد...... آگے اس کا ذہن کام نہیں کرتا تھا۔ اس نے کروٹ بدلی تو اندازہ ہوا سردی کا احساس شدید تر ہے۔ اس کا وجود باقاعدہ کپکپانے لگا تو اس نے ٹانگیں سکیڑ کر گھٹنے سینے سے لگا لیے اور نیا سگریٹ سلگا کر خود کو پھر سے اس احساس سے چھڑانا چاہا مگر یہ آسان نہیں تھا۔ وہ جانے کتنی دیر یونہی کانپتا اور لرزتا رہا پھر بالآخر نیند کی آغوش میں اتر گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

لاریب نے آنکھیں مسل کر خود کو نیند کے احساس سے آزاد کرنا چاہا اور بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تب ہی ماحول کی تبدیلی نے قسمت کی انتہائی شکستگی کا احساس بخشا تھا جو آنکھوں کی جلن کے ساتھ ہی کڑھی بڑھا گیا ایک اذیت کے عالم میں اس نے ہونٹ بھینچے اور سر بیڈ کی پٹی سے ٹیک دیا۔

بیڈ کی پائنتی کی جانب موجود کھڑکی کا پٹ کھلا ہوا تھا اور ہوا سے پردہ بار بار ہلتا تھا اور باہر برآمدے کے ساتھ صحن کا منظر بھی واضح کر جاتا۔ صحن کا سرخ اینٹوں کا فرش دھل کر صاف وشفاف ہو چکا تھا۔ آنگن میں چمن کے جالی دار پردے سے جھانکتی سرما کی زرد دھوپ کے ٹکڑے گیلے فرش پر چمکتے تھے۔ معاً ڈیوڑھی سے کوئی اندر آیا۔ اس پل ہوا نے پردہ برابر کر دیا۔ لاریب نے نگاہ کا زاویہ بدل کر اپنی بدلی ہوئی حیثیت ومقام پر پوری سفاکی سے غور کیا تو آنکھوں کو بھیگنے سے بچانا بس کی بات نہ رہی۔ اس نے ایک کرب وملال کی کیفیت میں آنکھیں بھینچ لیں۔ برآمدے میں قدموں کی آہٹ ابھری پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ دہلیز پر جھکا ہوا اجالا بھاگ کر اندر گھس آیا۔ اس اجالے کے ہمراہ اندر داخل ہونے والا سکندر ہی تھا۔ جس نے لاریب پر ایک نگاہ بھی دانستہ ڈالنا ضروری نہیں سمجھا اور آگے بڑھ کر الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ اٹھ گئی ہیں تو فریش ہو جائیں اماں ناشتے کا کہہ رہی ہیں۔" اتنی مختصر بات کے دوران وہ دو سے تین مرتبہ چھینکا تھا۔ لاریب بے تاثر نظروں سے اس کی چوڑی پشت اور مضبوط شانوں کو دیکھتی رہی۔ اس کا لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ رات اس نے جبھی تو مرتبہ سکندر کو پینٹ کوٹ میں دیکھا تھا اگر دل میں اتنی نفرت وکدورت نہ ہوتی تو یہ تبدیلی اور اس کی دلکشی اسے متاثر کیے بغیر نہ رہتی کہ وہ ہرگز بھی نظر انداز کیے جانے والا نہیں تھا مگر بات تو ساری دل کی ہے۔ سارے فساد کی جڑ ہی یہی دل تھا۔ اس آخری بات نے اسے سرتاپا جھلسا کر رکھ دیا جبھی تڑخ کر بولی۔

"میں اب تک تمہارے ساتھ ناشتہ نہیں کرتی رہی ہوں۔ خود کو مجبوراً بھی میرے وجود سے محدود کرنے ضرورت نہیں۔" اس درجہ تلخ کلامی پر سکندر نے بے حد کٹیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بے فکر رہیں مجھے اس حماقت کی قطعی نہ ضرورت ہے نہ ہی حاجت میں ناشتا کر چکا ہوں آپ کو نہیں کرنا تو اماں کو منع کر دیتا ہوں اس زحمت سے۔" عجیب اوندھا سیدھا جواب تھا بالکل ہی غیر متوقع۔ لاریب ایک پل کو تو ہونق ہو کر رہ گئی۔ پچھلے تین دنوں سے وہ جس طرح احتجاجاً بھوک ہڑتال پر تھی کہ بابا سائیں سے بات منوانے کو سب سے زیادہ اس گر کو آزما کر دیکھا تھا مگر نقصان تو ہو چکا تھا۔ اب بھوک کا احساس اتنا شدید تھا کہ معدے میں اینٹھن ہو رہی تھی۔

"زبردستی و ناخوشی سے ہی مگر نان نفقے کی ذمہ داری تو تم پر عائد ہو چکی ہے۔ ناشتے میں مجھے فریش مکھن کے ساتھ سلائس اور ابلے ہوئے انڈے چاہییں۔" اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ اپنے مخصوص مغرور انداز میں جیسے اپنے ملازم کو آرڈر کر کے خود واش روم میں جا گھسی تھی۔ سکندر استہزائیہ مسکرایا پھر پلٹا تو اسی پل دروازہ کھٹکھٹا کر اماں نے قدرے جھجک آمیز انداز میں اسے پکارا تھا۔

"سکندر ے پتر......!"

"آ جائیں اماں۔" سکندر نے سر آہ بھر کر مؤدب انداز میں کہا بلکہ خود آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"پتر تیری ووہٹی اٹھ گئی میں نے تو ناشتا......!" اماں کی نظروں نے یہاں وہاں لاریب کو ڈھونڈا پھر سوالیہ نگاہوں سے اسے تکتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آئیے...... میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔" واش روم کی جانب اشارہ کرکے لاریب کی موجودگی سے آگاہ کرتا وہ ان کا ہاتھ پکڑے کچن میں چلا آیا۔ سکندر نے سلینڈر گیس کے ساتھ چولہے کا بھی انتظام کردیا تھا مگر اماں کو لکڑیاں جلاکر کام کرنے کی عادت تھی۔ کچن میں مٹی کے چولہے میں اس وقت بھی لکڑیاں سلگ رہی تھیں۔ اماں کا اہتمام دیکھنے لائق تھا۔ وہ تو فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی تیاری میں لگی تھیں۔ حلوہ پوری پائے کا سالن نان اور نجانے کیا کچھ۔ وہ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ اس نے لاریب کے من پسند ناشتے کی ٹرے خود سے تیار کی تھی۔ یہاں تک کہ چائے بھی خود بنائی۔ فریج سے ڈبل روٹی کا پیکٹ نکال کر سلائس پلیٹ میں جمائے ساتھ میں تازہ مکھن کی کٹوری چائے ابل گئی تو اس نے فل سائز کا مگ اٹھایا چھان کر چائے مگ میں نکالنے کے بعد اس نے حیران نظر آتیں اماں کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کی بہو بھلے گاؤں کی پیداوار ہے مگر اس کا طرز زندگی گاؤں جیسا نہیں ہے۔ کچھ دیر ٹھہریں اور ثانیہ کو بھی بلوالیں میں یہ ناشتا محترمہ کو دے کر آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" وہ پتا نہیں کیا چھپانا چاہ رہا تھا اماں تو گم صم نظر آنے لگی تھیں۔

"چھڈ دے پتر میں لے کر جاتی ہوں یہ ٹرے۔" انہوں نے گڑبڑا کر کہا۔ جہاندیدہ تھیں بیٹے کی گمبھیر خاموشی و سنجیدگی پورے نہ سہی کچھ نہ کچھ معاملے کی بھنک تو انہیں بھی مل گئی تھی۔ بہو اونچے مزاجوں والے گھر کی اولاد تھی۔ یہ خدمت ان کا حق تھا پر بیٹے سے نہیں کرانا چاہتی تھیں مگر سکندر کو بھلا کیسے گوارا ہوسکتا تھا وہ نہیں چاہ سکتا تھا لاریب اس کے علاوہ اس کے گھر والوں کے ساتھ بھی ایسا غلامانہ ہتک آمیز رویہ و سلوک کی عادی ہو۔

"نہیں اماں! آپ نہیں جائیں گی بس کچھ دیر رکیں میں ابھی آتا ہوں۔" ٹرے اٹھائے رسانیت آمیز گمبھیر سنجیدگی سے کہتا وہ اگلے لمحے کچن کی چوکھٹ پار کر گیا۔ کمرے میں آیا تو لاریب کو اس لمحے واش روم سے نہا کر نکلتے دیکھ کر وہ جیسے چکرا گیا تھا۔

(رات بھی اتنی سردی میں نہائی تھی پھر اب...... ایسی کون سی آگ ہے جسے بجھانے کی کوششوں میں سرگرداں ہے اور اگر ایسا ہے بھی تو کیا اس سرد پانی میں اتنی سکت ہے کہ اسے بجھا سکے)

"اگر باتھ لینا اتنا ضروری تھا تو بتادیا ہوتا میں پانی گرم کرادیتا۔ اس طرح طبیعت بھی خراب ہوسکتی ہے۔" ٹرے میز پر رکھتے وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔ تولیے کی قید سے بال آزاد کراتے لاریب نے ناگواریت سے اسے دیکھا۔

"مجھے اپنی ضروریات کے لیے ڈیمانڈ کرنے کی عادت نہیں ہے۔ اتنا احساس تھا تو پہلے انتظام کررکھتے۔" اس کا لہجہ ویسا ہی تھا سرد یخ بستہ۔ سکندر نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اس پر ایک محتاط نگاہ ڈالی۔ جھلملاتی جگمگاتی بے حد شفاف رنگت اس پل کچھ نیلی سی پڑ رہی تھی۔

"یہ ناشتا رکھا ہے اس سے فراغت کے بعد ولیمہ کی تقریب کے لیے تیار ہوجایئے۔ شہر سے میں نے بیوٹیشن کو بلوا رکھا ہے جہاں خود پر اتنا جبر کیا ہے تھوڑا سا اور سہی اس الماری میں لباس کے علاوہ آپ کی ضروریات کا دیگر سامان بھی آپ کو مل جائے گا۔" لاریب کے چہرے پر اٹھتے درشت اور نخوت بھرے تاثر کو دیکھ کر وہ پہلے ہی دفاعی و مفاہمتی انداز اختیار کر گیا۔ گویا تند خیز دریا کی لہروں کو کناروں سے باہر آنے سے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ دیے۔ لاریب سر جھٹک کر بال سنوارنے میں مصروف رہی۔ دھلا دھلایا نو خیز جگمگاتا ہوا روپ دلہناپے کی رعنائیوں سے بھرپور تھا۔ سکندر کے دل سے ایک ہوک اٹھی جبھی سرعت سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔

لاریب نے برش میز پر پٹخا اور ہونٹ بھینچے صوفے کے سامنے رکھی میز پر موجود ناشتے کی ٹرے کو دیکھا۔ مکھن، سلائس، چائے، انڈے سب لوازمات پورے تھے مگر پھر بھی کہیں کوئی کمی تھی۔ اس کی نظریں سلائس پر پڑ گئیں۔ جس پر مکھن لگانا شاید وہ بھول گیا تھا۔ وہ جو اس کے حوالے سے چھوٹی سے چھوٹی چیز پر خصوصی دھیان اور توجہ دیا کرتا تھا

اس کی آنکھیں جانے کسی جذبے کے تحت نمی سمیٹ لائیں اور ذہنی رو بھٹکی اور کچھ سال پیچھے کا ایک منظر ذہن میں روشن ہونے لگا۔ تب جب اس کی جان کو اتنے روگ نہیں لگے تھے۔ اس کی سماعتوں میں ایمان کی خفگی چھلکاتی آواز کی بازگشت دستک دینے لگی۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھی ہو لاریب! ٹائم بھی دیکھ لو چھ بج چکے ہیں اور ناشتا ابھی باقی ہے تمہارا۔" امامہ کے بیگ میں چیزیں پوری کرکے زپ بند کرتے ہوئے وہ لاریب کی سمت متوجہ ہوئی تھی تو اسے مگن انداز میں مارننگ شو کی ہوسٹ کی باتوں میں کھوئے پاکر اسے کچھ اس طور غصہ آیا تھا کہ آگے بڑھ کر سب سے پہلے ٹی وی کا ہی سوئچ آف کیا تھا۔ لاریب کو مارننگ شوز پسند تھے۔ جب تک اپنے کمرے میں تیار ہوتی یہ شغل وہاں جاری رہتا پھر رہی سہی کسر ناشتے کے دوران پوری کی جاتی۔

"تمہارا بس ہی نہیں چلتا ورنہ تو گاڑی میں بھی ٹی وی رکھوالو اور کلاس روم میں بھی۔" ایمان کے گھورنے پر بجائے شرمندہ ہونے کے وہ ڈھٹائی سے دانت نکالنے لگی تھی۔

"یہ تو کوئی اتنا مسئلہ ہے بھی نہیں۔ یو نو عباس جو سیل فون یوز کرتے ہیں اس میں دیگر لاتعداد عیاشیوں کے ساتھ ایک یہ عیاشی بھی میسر ہے۔ مہرو آپا نے بتایا ہے مجھے۔" ایمان کی معلومات میں اضافہ کرتے اس کے کم عمر نوخیز چہرے پر کیسی جگمگاہٹ اتر آئی تھی ایمان اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اچھا اسکول میں فرینڈز کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ عباس سے تمہارا یہ والا رشتہ بھی ہے اور یہ کہ وہ اسٹڈی کے لیے امریکا میں ہے۔" ایمان کی تاکید پر اس کے اندر کیسا غضب کا احتجاج امڈ آیا تھا مگر بحث کی نہ ہی وجہ پوچھی البتہ بجھ سی ضرور گئی۔

"ناشتا کرو بھئی! کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" ایمان کے کہنے پر اس نے معصومیت کی انتہا پر جا کر آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کیسے کروں! آپ نے سلائس پر مکھن لگایا۔" ایمان سر پیٹنے والی ہوگئی۔

"یہ کوئی اتنا مشکل کام تھوڑی ہے جو تم...... لاریب بڑی ہوجاؤ اب میٹرک میں ہو۔" ایمان کے ڈانٹنے پر اس کا منہ بن گیا تھا۔

"مجھے مکھن لگانا نہیں آتا بٹرنگ سے زیادہ چاپلوس کام اس دنیا میں کوئی نہیں۔" اس کے من گھڑت ارشادات شروع ہوچکے تھے۔ سکندر نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا پھر اس کے آگے سے سلائس کی پلیٹ اٹھالی۔

"دیکھیں بجو سکندر بھائی نے دو منٹ میں کردیا یہ کام اب یہ ہر روز بناکے اس ذمہ داری کو نبھایا کریں گے مجھے پورا یقین ہے۔" امامہ کھلکھلائی اور بالکل درست آئندہ کا نقشہ کھینچا۔ ایمان البتہ ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئی۔

"مگر واضح رہے سکندر یہ کام زیادہ سے زیادہ تمہاری شادی تک انجام دے سکے گا مجھے نہیں لگتا عباس تمہیں اتنا سر پر رکھے۔" ایمان نے جیسے اس کی برین واشنگ کی تھی وہ بے نیازی سے نوالے لیتی چائے پیتی رہی۔

"تو پھر بجو آپ عباس بھائی کے بجائے سکندر بھائی سے شادی کرلیجیے گا۔ ساری زندگی آپ کے لیے خوشی خوشی مکھن لگاتے رہیں گے۔" امامہ کے انداز میں وہی لاابالی پن تھا جو اس عمر کا تقاضا ہوا کرتا ہے۔ سکندر اور لاریب کی نظروں کا تصادم ایک دم ہوا تھا۔ ایک جانب گڑبڑاہٹ اور خجالت تھی کی دوسری جانب خفگی شکایت رنج اور شدید غصہ۔ وہ امامہ پر برس پڑی تھی۔

"اچھا...... اچھا چھوڑو۔ سب جانتے ہیں نہ تو تمہاری شادی سکندر سے ہونی ہے نہ اسے یہ کام کرنا پڑے گا۔" ایمان نے بروقت سیز فائر کراتے ہوئے کہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پر وہ جیسے چونک کر کربناک اذیت انگیز حقیقت میں واپس لوٹ آئی تو آنکھیں آنسوؤں سے جھل تھل تھیں۔ جبھی اندر آتے سکندر کا چہرہ اس کی نظروں دھندلا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری، میں بھول گیا تھا کہ الماری کی چابی میرے پاس ہے یہ رکھ لیں اور......؟" اپنے دھیان میں

بولتا وہ اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی ٹھٹکا، متغیر رنگت، آنکھیں برس پڑنے کو بے قرار تھیں، سکندر یکدم شکستگی اور تھکاوٹ سے چور ہو کر رہ گیا۔

"کیوں آتے ہو بار بار میرا تماشا دیکھنے؟" وہ حلق کے بل چیخی، تمام تر کڑوی و مضمحل یادوں کا مرکز و محور وہی تھا۔ اسے سامنے اور فاتح پا کر بھی بھلا دماغ نہ الٹتا تو کیا ہوتا۔ بھلا کیا دیا تھا اس کی محبت نے اسے۔ کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹ کر بکھرتا اور گیلی لکڑی کی مانند سلگ کر دھواں دیتا اذیت کے بھی ایک رنگ ایک انداز تھوڑی ہوتے ہیں۔ بھینچے ہونٹوں اور سرخ چہرے کے ساتھ وہ پلٹا تو پورا وجود اضطراب میں گھرا ہوا تھا۔ لاریب باقاعدہ رو رہی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خسارے میں تھے۔

❁......❀......❁

اس نے آنسوؤں کی دھند کے پار اس شخص کو دیکھنے کی کوشش کی جس کی موجودہ حالت اس کا دل پھاڑنے کا سبب بنا کرتی تھی۔ باقاعدہ علاج توجہ کچھ بھی تو اس پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا ڈاکٹرز مایوس ہونے لگے تھے۔

"یا اپنی ول پاور کو استعمال نہیں کر رہے ہیں مس فاطمہ کسی بھی مرض میں شفایابی کے لیے پیشنٹ کا ول پاور کا استعمال بے حد اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انہیں شاکس بھی لگائے گئے ہیں ان کی کیفیت کچھ بہتر ہے مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ خود کو زندگی کی طرف نہیں لانا چاہتے۔ ان کی آنکھوں میں دیکھیں، ہر امید ہر خواہش دم توڑ چکی ہے۔ ایسے مقام پر دعا کے علاوہ ایک ہی حل ہوتا ہے۔ پیشنٹ کو ان قریبی لوگوں سے ملوایا جائے جن سے اسے محبت ہو تاکہ انہیں زندگی کی طرف لوٹنے میں مدد مل سکے۔ آپ کو تو اندازہ ہوگا ان کی زندگی میں ان کی وائف کے علاوہ کون لوگ اہم ہوں گے۔" جواب میں فاطمہ سر آہ بھر کر رہ گئی۔ وہ کیا کہتی وہ اس کے متعلق بس اتنا ہی جانتی تھی جتنا عباس کو جاننے والے اس کے عام فہم۔

"جیسا کہ آپ کو بھی پتا ہے کہ انہوں نے پسند کی شادی کی تھی اپنے پیرنٹس سے تو ان کا کسی قسم کا کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔ کل میں ان کے دونوں بچوں کو لے آؤں گی۔ مجھے امید ہے کچھ نہ کچھ بہتر نتائج ضرور ملیں گے ہمیں۔" اور واپسی سے قبل وہ عباس سے ملنے آئی تو اس پرکشش جھلملاتی رنگت والے شخص کی اداسی اس کے دل پر براہ راست اثر انداز ہونے لگی تھی۔

"مانتی ہوں عباس آپ کو عریشہ سے بہت محبت تھی مگر زندگی میں اس کے علاوہ بھی بہت ساری خوب صورتیاں ہیں، اتنا تو میں بھی اپنے دکھ پر نہیں روئی تھی جتنا آپ رو رہے ہیں۔ میں آپ کو روتا نہیں دیکھ سکتی۔ میرا دل پھٹتا ہے۔ بس نہیں چلتا کیسے عریشہ کو لا کر آپ کے حوالے کر دوں، وہ کر دوں جو آپ چاہتے ہیں۔" اس کے حسرت آمیز لہجے کی کرچیاں عباس کو کتنی چبھی تھیں یا پھر وہ یونہی اسے بے دھیانی میں دیکھنے لگا تھا۔ وہ گمشدہ بچے کی طرح حیران ششدر تھی۔ بہت تکلیف دہ طوفان اس کے دل سے اٹھ کر آنکھوں میں پھیل گیا۔

"ساحرلے دیکھیں۔ یہ بیٹا ہے آپ کا اسامہ اور یہ آپ کی باربی ڈول آپ کو پتا ہے آپ کے بچوں کی کیئر اچھے انداز میں نہیں ہو رہی آپ کی اس بیماری کی وجہ سے ان کا کون ہے آپ کے علاوہ؟ ماں دنیا سے چلی گئی مگر آپ تو حیات ہیں آپ پر ان کے حقوق ان کی ذمہ داریاں لاگو ہیں آپ کو ان کی خاطر تو خود کو سنبھالنا چاہیے۔" ڈاکٹرز کا کہنا تا دہی اور کسی حد تک سختی بھی لیے تھا۔ جو کم از کم فاطمہ کو بالکل اچھا نہیں لگا مگر اس وقت اس کے اندر سنسناہٹ سی دوڑنے لگی۔ جب اس نے عباس کے سپاٹ چہرے کے تاثرات میں تبدیلی محسوس کی۔ دھیرے دھیرے اس کے تاثرات میں تغیر پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد کا جو اثر تھا وہ بے پناہ کرب واذیت اور وحشت بھرا تھا۔ سندنی کا دل دھڑک اٹھا۔

"میں عریشہ کے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ اس کے بغیر مجھے زندگی نہیں چاہیے سنا تم نے......سنا؟" وہ ایک دم اٹھا اور شدید ہذیانی کیفیت میں دیوار کے پاس جا کر اپنا سر دیوانہ وار دیوار سے پھوڑنے لگا۔ فاطمہ کے حلق سے کربناک چیخیں نکلیں۔

ڈاکٹرز اگر اسے بروقت نہ پکڑ لیتے تو عباس اب تک اپنا آپ ضرور زخمی کر لیتا۔ فاطمہ پر ہنوز وحشت اور ہراس کا غلبہ تھا۔ وہ اس کا جنون دیکھتی رہی جو ڈاکٹرز کے ہاتھوں سے بپھر کر نکلا جاتا تھا۔ ایسا والہانہ بےخود جنونی اظہار وہ تو سچ مچ پاگل ہو گیا تھا۔ اسے لگا اس کے اطراف میں ایک بار پھر تاریکیاں ہوں۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

❁......❀......❁

"میں تھک گیا ہوں اس آزمائش سے مصیبتوں نے جیسے گھیراؤ کر لیا ہے میرا۔" شرجیل نے رقت آمیز آواز میں کہا اور سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ شکن آلود لباس اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ بکھرے بال لیے وہ واقعی مضطرب تھا۔ مضمحل اور وحشت زدہ اس کے سامنے بیٹھے ابراہیم احمد نے اس کے نڈھال انداز کو دیکھا پھر ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔ ہسپتال میں ہونے والی ملاقات آخری نہیں تھی۔ ابراہیم احمد سے شرجیل بعد میں بھی کئی بار ملا تھا۔ جیسی اس کی ذہنی کیفیت تھی ان دنوں اسے کسی ہمدرد کسی سامع کی ضرورت ہر وقت رہتی تھی۔ ابراہیم سے وہ جب بھی ملتا تمام الجھنیں تمام پریشانیاں اور اضطراب اس سے کہہ کر کسی حد تک خود کو ہلکا محسوس کرتا۔

محمد ابراہیم کی خوبی یہ تھی کہ وہ اس کی بات بہت تحمل سے سنتا اور مفید مشوروں سے نوازا کرتا۔ شرجیل کو اس کی سب سے اچھی بات ہی یہ لگتی تھی کہ وہ اس کی کسی قسم کی بھی بات کو ٹوکے بنا سنتا تھا۔ البتہ جب اس کی ڈھارس بندھا تا زخموں پر پھاہے رکھتا تو اتنی خوب صورتی سے غیر محسوس انداز میں اس کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بھی واضح کرنے کے ساتھ نصیحت کر جاتا۔ اب بھی وہ بولا تو اس کا لہجہ پرسکون بہتی ندی کی مانند ہموار اور متوازن تھا۔

"اللہ کے ہر کام کا طریقہ بہت فطری پن اور دلکشی لیے ہوئے ہے محمد شرجیل احمد۔" وہ اسے باقی سب کی طرح صرف شرجیل کہہ کر کبھی مخاطب نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کے نام کے ساتھ محمد اور احمد کا اضافہ کرتا تو شرجیل کو اپنا نام یکدم معتبر باوقار اور خوب صورت لگنے لگتا۔ ابراہیم احمد نے اسے حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

"جانتے ہو جب اللہ کسی کے دل میں قیام کرنا چاہتا ہے نا؟ تو وہاں پہلے کسی اور کو ٹھہرا کر دیکھتا ہے آیا یہ مٹی اس کی محبت کے لیے کتنی زرخیز ہے اور جب اللہ کسی کو اس کی غفلت سے نکالنا چاہتا ہے تو اسے ٹھوکر لگاتا ہے۔ ٹھوکر سے مراد تم غم بھی لے سکتے ہو۔ غم کی شدت میں بہت کم لوگ ہیں جو ہوش بحال رکھیں اور رب سے شاکی ہونے کے بجائے شکر گزاری اور رضامندی کے اظہار کو اپنا سر جھکالیں پسندیدہ وہی ہیں جو اللہ کی رضا میں راضی بارضا رہنا جانتے ہیں۔ تم کوشش کرو اس مشکل گھڑی میں اگر خوشی اور سکون کو کھویا ہے تو اللہ اور اس کی رضا کو نہ کھوؤ، اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھو تم کھوئی ہوئی خوشی اور سکون کو بھی پالو گے۔" ابراہیم احمد کا لہجہ و انداز ناصحانہ تھا۔ شرجیل گم صم ہو گیا۔

"آس اور امید کا تعلق اللہ کی ذات سے ہی ہونا چاہیے۔ اگر کچھ لینے والا "وہی" ہے تو یاد رکھو "دینے والا" بھی وہی ہے۔ حدیث ربانی کا مفہوم ہے "اگر تم نے خود کو میری رضا کے تابع کیا تو تمہیں وہ بھی دوں گا جو تمہاری رضا ہے۔" "تو شرجیل احمد صاحب کیا بہتر ہے ہمارے لیے ہمیں اتنا سینس تو ہے نا؟" شرجیل نے چونک کر دیکھا۔ ابراہیم احمد کا روشن چہرہ مسکرا رہا تھا۔

ہمیشہ کی طرح وہ وہاں سے اٹھا تو دل کے بوجھ میں کمی محسوس کر رہا تھا۔ رات کا دوسرا پہر تھا جب اس نے علوی لاج میں قدم رکھا تھا۔ باوردی الرٹ واچ مین نے اس کی گاڑی پہچان کر گیٹ وا کیا۔ پورچ کے شیڈ میں لگی مرکزی لائٹ کی روشنی اوس میں بھیگی گھاس پہ منعکس ہو رہی تھی۔ اپنے کمرے کی جانب جاتے شرجیل کے قدم زارون کا خیال آنے پر تھم گئے تھے۔ وہ آج دوپہر جب گھر سے نکلا تھا تو زارون کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ممی کا اصرار اس کی شادی کے لیے بڑھتا جا رہا تھا۔ جبھی زیادہ وقت گھر سے غائب رہنے لگا۔ اس نے راہداری کے آخری کمرے کی جانب دیکھا۔ روشنی کھڑکی کے شیشوں اور دروازے کی نچلی

درز سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کا مطلب واضح تھا سمعیہ لازمی جاگ رہی ہے۔ شرجیل آہستہ روی سے چلتا دروازے کے باہر آن رکا اور دستک دی۔

"کون ہے؟ آ جاؤ بھئی دروازہ کھلا ہے۔" اندر سے سمعیہ کی مدھم مگر تھکان زدہ آواز سننے کو ملی تھی۔ شرجیل نے دروازے کو دھکیلا تو کھلتا چلا گیا۔ سامنے ہی سمعیہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی نظر آئی۔ گود میں زارون تھا۔ سمعیہ کا چہرہ ستا ہوا جبکہ آنکھوں میں رتجگوں کی سرخیاں تھیں۔ صاف لگتا تھا وہ بچے کی وجہ سے بے آرامی کا شکار رہی ہے۔ شرجیل کو عجیب سے تاسف نے آن لیا۔ وہ اپنی عمر سے بڑی ذمہ داری نبھا رہی تھی۔ اس کا یا احسان شرجیل کو زیر بار کر جاتا تھا۔ وہ گداز ہوتے دل اور نم آنکھوں سے عقیدت مندانہ مشکور و ممنون نظروں سے اسے تکتا پرسوز انداز میں مسکرایا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا مجھے زارون کو دیکھنا تھا سمی گڑیا۔" سمعیہ گڑبڑا کر کجل سی مسکرانے لگی۔

"نہیں شرجی بھائی ڈسٹربنس کیسی؟ ابھی میں نے زارون کو دوا کی آخری ڈوز دی ہے۔ سوچا ہے تو سوچ رہی تھی کچھ پڑھ لوں۔" معاً کچھ خیال آنے پر چونکی۔

"آپ نے کھانا نہیں کھایا ہوگا گرم کرکے لاؤں؟" وہ اس کا جواب سنے بغیر آہستگی سے اٹھی اور گود میں سوئے زارون کو اسے تھمانا چاہا۔ شرجیل نے نرمی و احتیاط سے زارون کو لیا جیسے اس کی نیند خراب نہ کرنا چاہتا ہو۔ یہی وہ لمحہ تھا جب دھاڑ سے دروازہ کھول کر تائی ماں دھاڑتی ہوئی اندر آئی تھیں۔ ان کے پیچھے اور بھی کئی حیران نظر آتے چہرے تھے۔

"یہ لو دیکھ لو اپنی آنکھوں سے مجھ پر تو یقین نہیں تھا نا تمہیں کہ دنیا بھر کی جھوٹی لگتی ہوں۔ اب کرلو فیصلہ کہ میں غلط تھی۔ یا یہ تمہارے معصوم بچے......؟" تائی ماں ان پر الزام لگا رہی تھیں یقیناً دونوں حق دق رہ گئے۔ بلکہ سمعیہ کے تو پیروں تلے زمین کھسکنے لگی اور رنگ بے تحاشہ پیلا پڑ گیا۔ شرجیل الگ شاکڈ تھا۔ اس کے گمان تک میں یہ بات نہ تھی کوئی اس پر اس انداز میں شک کرسکتا ہے۔ اس طرح اسے سمعیہ میں انوالو کرسکتا ہے۔

"ارے کتنی ہے یہ لڑکی شروع سے ڈورے ڈال رہی تھی شرجیل پر کامیاب اب ہوئی ہے شرمی ذرا دیکھو اس کی بچپن دوپٹے کے اس خصم کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی ہے۔"

"تائی ماں......!" شرجیل حلق کے بل غرایا۔ اس طرح کے اس کے بانہوں میں موجود سویا ہوا زارون جاگ اور بے قراری سے رونے لگا۔ مگر اس کی جانب دھیان ہی کس کا تھا۔ مما پاپا تاؤ جی چاچی چچا (سمعیہ کے والدین) ہر نگاہ میں شک تھا۔ وہ کیسے سہہ جاتا۔

"چیخ مت، چیخ کر اپنے عیبوں پر پردہ ڈالے گا تو اب رنگے ہاتھوں پکڑا ہے نا۔" شرجیل کا یا احتجاج تائی ماں کو ایک آنکھ نہیں بھایا غصے سے آنکھیں نکالتیں وہ اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر چلائیں۔ سمعیہ یونہی گھٹنوں کے بل گری جیسے ٹانگوں نے جسم کا بوجھ سہنے سے انکار کردیا ہو۔ اس پل دکھ کا مقام ہی تھا کہ اس کے ماں باپ نے بھی اسے الزامات کی بوچھاڑ سے بچانے کو ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ یعنی وہ بھی تائی ماں کے ہم خیال تھے۔

"چپ ہوجائیں تائی ماں ورنہ......!" شرجیل پھر درمیان میں چیخا۔ وہ اتنا مشتعل ہو رہا تھا کہ اس نے روتے ہوئے زارون کو اسی وحشت زدگی کے عالم میں بستر پر پھینک دیا اور خود پھر کر تائی کی جانب اتنے خطرناک تیوروں سے بڑھا کہ اگر پاپا اور چاچو بروقت حرکت میں آ کر اسے قابو نہ کرلیتے تو یقیناً وہ تائی ماں کا گلا دبانے سے بھی گریز نہ کرتا۔ سمعیہ تو تھر تھر کانپنے لگی۔ روتے ہوئے زارون کی سمت کسی کا بھی دھیان نہیں تھا۔ ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ چاچو اور پاپا شرجیل کو باہر لے گئے۔

"لے جاؤ اس کمینے کو اس کا فیصلہ کل کیا جائے گا۔ یہ طے ہے کہ میں اپنے گھر میں یہ گندا کام برداشت نہیں کرسکتا۔" تاؤ جی نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"ماما......!" سمعیہ تڑپی تھی اور چچی جان کی جانب لپکی مگر وہ اسے متنفرانہ نظروں سے تکتی جھٹکے سے پلٹ کر چلی

تی۔ سمعیہ سن پڑنے لگی۔ اسے خوف محسوس ہوا اپنے انجام سے۔ وہ جانتی تھی اس کی ماں نے زارون کو اس کے لئے پر کتنی مخالفت کی تھی اور یہ مخالفت وہ تائی ماں کی یہ پر ہی کر رہی تھیں کہ انہیں یہ گوارا نہیں تھا۔ سمعیہ شرجیل کو یہ مورل سپورٹ دے وہ من پسند بچھی کو گھائل کرکے اپنے پسندیدہ جال میں پھانسنا چاہتی تھیں۔ ان کی اس گھر کے ہر فرد پر حکمرانی تھی۔ مگر نئی نسل کچھ الگ ذہنیت لے کر پیدا ہوئی تھی۔ وہ شرجیل ہو یا پھر فراز اور اب سمعیہ بھی وہ خود کو ہارتا کیسے برداشت کرلیتی۔ وہ اب بھی جیتنا چاہتی تھیں۔ چاہے کتنے ناجائز طریقے سے ہی کیوں نہیں۔ نہیں بغاوت کا سر کچلنا آتا تھا۔ اپنے عہد میں انہوں نے اپنے سے چھوٹے دیوروں اور دیورانیوں پر نفسیاتی دباؤ کے تحت حکومت قائم رکھی تھی۔ مگر نوجوان نسل سے ماضی کے سارے عیب چھپے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب منہ میں سونے کے چمچے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لحاظ سے نزاکت بھی تھی مزاج میں اور سرکشی کا عنصر بھی۔ مگر تائی ماں کو یقین تھا ذرا مشکل سے ہی مگر وہ یہ معاملہ بھی اپنے حق میں ہموار کرلیں گی مگر اس مرتبہ یہ ان کی بھول تھی۔ آگے ان کو کیا اس سے بھی اگلے دن وہ ہر داؤ استعمال کرکے ہار گئیں۔ مگر شرجیل کسی طرح بھی صالحہ سے نکاح کے لیے راضی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا تنفر اس کی تلخی مزید بڑھ گئی تھی۔

"اگر آپ اس رات یہ سب کچھ نہ کرتیں میں تب بھی صالحہ سے شادی نہ کرتا مگر اس کے بعد تو سوال ہی نہیں ہوتا آپ کا پالا اس مرتبہ یاد رکھیں کسی آفاق علوی سے نہیں پڑا۔" کیسا زہریلا اور کاٹتا ہوا لہجہ تھا اس کا۔ ایک وہ تائی ماں کو لگا تھا وہ ہار گئیں مگر یہ بھی تھا کہ انہیں ہار تسلیم نہیں کرنی تھی۔

◉......❀......◉

اس نے بے حد خراب موڈ کے ساتھ تمام زیورات اتار پھینک دیے اور پھر دوپٹہ بھی نوچ کر پھینک دیا۔ اسے قرار بھی کب تھا۔ مگر بابا سائیں کا ولیمہ میں شریک نہ ہونا اسے بری طرح توڑ گیا تھا۔ کتنی بری طرح بے مایا کرگیا تھا۔ آنکھوں میں اتنی جلن تھی جو بیان میں لانا ممکن ہی نہ تھا۔ "آپ بھی چاہتے تھے بابا جان کہ مجھ سے آپ کی جان چھوٹ جائے تو پھر ایسے ہی کیوں اس کا کوئی اور طریقہ بھی تو ہوسکتا ہے کوئی ایسا طریقہ جو آپ کو بھی ملال اور پچھتاوے سے دوچار کردے۔" اس کی سوچوں میں وحشت تھی سراسیمگی ہی سراسیمگی تھی۔ اسی جنونی کیفیت میں اس نے فروٹ کی ٹوکری سے چھری جھپٹ کر اٹھالی۔

"اب یاد کرکے روتے رہیے گا کہ آپ نے بھی میرے میرے ساتھ زبردستی اور زیادتی کی انتہا کی تھی۔ ساری زندگی کی کسک نہ چھوڑ دی دل میں تو کہیے گا لاریب آپ کے لیے غم کا سرچشمہ ہوگی جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ جو کبھی تھک کر نہیں بیٹھتا بلندی سے گرتا ہے شور کرتا ہے تکلیف دیتا ہے۔" اس کی لانبی پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر بے قرار سے گریبان میں جذب ہوئے۔ وہ اس مجنونانہ کیفیت کے زیر اثر اس سے قبل کہ خود کو نقصان پہنچاتی۔ دروازے پر ہونے والے کھٹکے نے اسے گھبرا کر پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ اگلے لمحے وہ ساکن رہ گئی۔ سکندر بابا سائیں کو سہارا دیتے کمرے میں لا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹے آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" وہ پھیکی مسکان کے ساتھ ٹوک رہے تھے مگر لاریب دیکھ چکی تھی ان کا لہجہ ان کے وجود اور چہرے کی طرح کمزوریوں کی زد پر آیا ہوا تھا۔ محض ایک رات میں وہ یوں نچڑ گئے تھے جیسے کسی نے سارا خون جسم سے کھینچ لیا ہو۔ لاریب گنگ سی انہیں دیکھتی چلی گئی۔

"بہت زیادہ خفا ہو بیٹے...... ہے نا؟" انہوں نے بہت تحمل سے مسکرا کر دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ لاریب آنسو ضبط نہ کرسکی جبھی ہونٹ بھینچے اور سرعت سے رخ پھیر لیا۔

(ایک دنیا کو مخالف کرکے آپ نے مجھے جہنم واصل کیا۔ آپ کا یہ فیصلہ اگر اتنا ہی درست تھا۔ بابا جان تو خود کیوں ہمتیں ہار رہے ہیں کاش میں بہت پہلے مرگئی ہوتی۔ نہ عباس مجھ سے چھنتا نہ میں پاگل ہوتی نہ آپ کو

باجو کے بعد میرا بھی دکھ سہنا پڑتا) اس کا جسم ڈھیرے ڈھیرے کانپنے لگا۔ چھری اس کی گرفت سے چھوٹ کر گری تب سکندر نے چونک کر پہلے اس کے پیروں میں پڑی چھری کو پھر اسے دیکھا اور سرد سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"لاریب بیٹے۔"

"میں مر چکی ہوں آپ کے لیے کیوں آ گئے پھر آپ؟" ڈوپٹا اٹھا کر شانے پر ڈالتی وہ بے حد تلخی سے کہہ گئی۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹے آپ مجھے بہت تکلیف دے رہی ہو یہ تمہاری ناراضی کا ہی خیال تھا کہ طبیعت کی خرابی کے باعث ولیمہ پر اتنی تاخیر سے پہنچا ہوں تمام تر ہمت جمع کرنے کے باوجود۔" وہ بولے تو ان کی آواز میں لرزش تھی۔ لاریب کے بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی مگر نہ رخ پھیرا نہ انہیں دیکھا۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ بابا سائیں کے گلے لگ جائے۔ بہت روئے کچھ تو دل کا بوجھ کم ہو کچھ تو بابا سائیں کا ملال کم ہو مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ خود کو معاف کر سکتی تھی نہ بابا سائیں کو۔ سکندر اور اس کا شوہر...... یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ حد کر دی تھی بابا سائیں نے سزا سنانے والی۔ بابا سائیں اس کی جانب سے پیش رفت سے مایوس ہو کر خود اس کے سامنے آ گئے۔ وہ کیسی بے کلی سے روئی تھی۔ وہ جس کا دل ان کے لیے پتھر ہو گیا تھا۔ وہ تڑپ اٹھے اور اسے کسی چھوٹی سی بچی کی طرح اپنے سینے سے لگا لیا۔ لاریب کی تو جیسے حالت ہی غیر ہونے لگی۔ کیسے بلکنے لگی تھی وہ اپنے ہر ہر نقصان پر۔

"آپ معاف بھی کر سکتے تھے مجھے کر سکتے تھے مگر آپ نے نہیں کیا آپ مار سکتے تھے مجھے اس اذیت سے نجات دلانے کو مگر آپ نے روز روز کی موت کو تجویز کیا میرے لیے۔" ایک کے بعد دوسرا شکوہ زبان پر آ رہا تھا سکندر جیسے کند چھری سے ذبح ہو رہا تھا کچھ کہے بغیر وہ سرخ چہرہ لیے تیزی سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔

"معاف تو کیا ہے تمہیں لاریب ورنہ ان معاملوں میں ہمارے یہاں چپ چاپ لڑکیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ میں جبر اور زبردستی کا بھی قائل نہیں رہا۔" ان کا لہجہ ہوا تھا مگر لاریب کو شدید دھچکا لگا۔ وہ تڑپ کر ان سے الگ ہوئی۔

"جبر اور زبردستی؟" وہ زہر خند سے ہنسی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں آپ نے من کی مراد دی ہے مجھے؟" اس کے لہجے میں ٹوٹتے کانچ کی چبھن تھی۔ بابا سائیں کا بھی دل لہولہو ہونے لگا۔

"بیٹے گنجائش رکھ کر سوچو آپ کو میرا یہ فیصلہ شدید اور بے جا نہیں لگے گا۔" انہوں نے نرمی و محبت سے گویا اسے قائل کرنا چاہا۔

"نہیں ہے گنجائش دل میں قیامت تک پیدا ہو بھی نہیں سکتی آپ کے اس چہیتے کے لیے۔" اس کے لہجے میں صرف بغاوت نہیں تھی نفرت بھی تھی تضحیک کا بہت گہرا عنصر بھی بابا سائیں کی اذیت دوہری ہونے لگی۔ انہوں نے جانا کم از کم ابھی وہ اسے ہرگز قائل نہیں کر سکتے جبھی کتنے بے بس نظر آنے لگے تھے۔

"مجھے لگتا ہے جو میری چار دن کی زندگی ہے اسے بھی آپ مجھے چین سے نہیں رہنے دو گی ٹھیک ہے تمہاری مرضی مگر لاریب اس بات پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور ضرور کرنا۔ اس معاملے میں اگر کوئی بے قصور ہے تو وہ سکندر ہی ہے۔ مجھے وہ بہت عزیز ہے آپ اگر اسے تکلیف میں مبتلا کر بھی گئی تو اذیت کا احساس مجھ تک لازمی پہنچے گا اس لیے بھی کہ اس کے لیے اس آزمائش کا ذریعہ میں ہی بنا ہوں۔ محبت کرنے والی وفا شعار عورت سب سے بڑے سکون کا باعث ہوا کرتی ہے۔ یہ احساس مجھے ہمیشہ تمہاری ماں کی قربت میں میسر آیا ہے۔ تمہیں بھی ان کی بیٹی ہونے کی لاج نبھانا ہے بیٹے۔ اپنا خیال رکھنا خدا دائمی خوشیوں کے ساتھ تمہیں فہم و فراست اور نیک ہدایت سے بھی نوازے جیتی رہو...... آمین۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا اور پلٹ کر تھکے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئے۔ لاریب کے اندر جیسے آگ سی بھڑک اٹھی۔

(اس کا مطلب بابا جان کو مجھ سے زیادہ اس دو ٹکے کے معمولی انسان کی پروا ہے۔ تو پھر ٹھیک ہے میں اس کا چین حرام کر دوں گی)

سکندر بابا سائیں کو حویلی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا ان کی طبیعت کی خرابی کے باعث ٹھہرنا چاہتا تھا مگر انہوں نے اس کی کوئی چلنے ہی نہ دی تھی۔

"نہیں بیٹے یہاں بہت لوگ ہیں میرے پاس لاریب اکیلی ہے تمہارا انتظار ہوگا اسے۔" بات ایسی تھی کہ وہ زہر خند ہوئے بغیر نہیں رہ سکا مگر بولا تو انداز اتنا نارمل تھا کہ بابا سائیں بھی شک میں پڑنے لگے۔

"اٹس او کے بابا سائیں میں کال کر کے انہیں بتا دیتا ہوں مگر آپ کو اکیلے۔"

"سکندر...... بیٹے ضد نہیں کرتے آپ جاؤ بس۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔ سکندر کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ رہا۔ ملازم کو بلا کر اس نے بابا سائیں کا خصوصی خیال رکھنے کی تاکید کی پھر جب لوٹا تو اس کے قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر اس نے کمرے میں جانے کے بجائے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے ٹھکانے کا رخ کیا۔ نوشابہ دن اس پل کچھا اور بھی چیش اور بے سکونی سمیٹ لایا تھا۔ ابھی کمرے میں آ کر وہ بستر بچھا کر لیٹا ہی تھا تب ہی اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔ سکندر نے بوکھلا کر سرعت سے سیل فون نکالا اسکرین پر لاریب کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جہاں سکندر نے اسے دیگر سہولیات اسے فراہم کی تھیں ایک سیل فون بھی دیا تھا جانتا تھا لاریب اپنا فون حویلی چھوڑ آئی ہے۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی البتہ کچھ بولا نہیں تھا۔

"کہاں ہو تم؟" سکندر تو بھونچکا رہ گیا اسے کال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔

"بڑی جلدی خیال نہیں آ گیا آپ کو بہر حال یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" سکندر خود کو بھڑکنے سے نہیں روک سکا۔

"تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً پہنچو۔" محال ہے جو ادھر اثر ہوا ہو اس طنزیہ کاٹ دار انداز کا۔ سکندر کی جھنجلاہٹ نقطہ عروج پر جا پہنچی۔ [illegible]

"آئی ایم ساری میں نہیں آ سکتا۔ آپ کو جو بھی کہنا ہے صبح کہیے۔" اس نے نروٹھے پن سے کہہ کر فون بند کرنا چاہا تھا کہ اس کی پھنکارتی آواز پر یکدم ٹھٹک گیا۔

"یاد رکھنا اگر تم فوری نہیں آئے تو میں تمہارے ابا سے شکایت لگانے لگی ہوں کہ تم گھر سے باہر ہو۔" اس کی تیز غصیلی آواز پر سکندر سوائے ہونٹ بھینچنے کے کچھ نہ کر سکا۔

"دس منٹ ہیں تمہارے پاس پہنچ جاؤ ورنہ......" اس نے دھمکی آمیز انداز میں کہہ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ سکندر بل کھا کر رہ گیا پھر نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر نیچے چلا آیا۔ کمرے میں ٹہلتی لاریب نے تھم کر غصیلی نظروں سے اسے دیکھا پھر طنزیہ مسکرانے لگی۔

"کاش تم دو منٹ اور نہ آتے تو میں تمہارے کرتوت جا کر تمہارے ابا کو بتاتی۔" اس نے دانستہ سکندر کو بھڑکانا چاہا تھا وہ بھڑکا تو ضرور مگر اسے جھلسانا ضروری خیال کیا جبھی آگے بڑھ کر ایک دم اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اسے جارحانہ گرفت میں جکڑتا اپنے نزدیک تر کر لیا۔

"کون سے کرتوت...... بولو؟" اس کی آواز دھیمی تھی مگر گھن گرج والی۔ لاریب جو اسے ذہنی اذیت دینے کا سوچے بیٹھی تھی سکندر کی اس درجہ فضول حرکت پر کٹ کر رہ گئی اور گرفت سے نکلنے کو زور سے پھڑپھڑائی کہ اسے اپنا مقصد تو بھول ہی گیا تھا مگر سکندر نے پہلے سے مضبوط گرفت کو کچھ اور بھی سخت کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر لڈتی گھبراہٹ دراسیمگی کے ساتھ بے بسی سکندر کے اندر دلی تسکین کو ابھار رہی تھی۔

"اب بتائیں کیوں بلایا ہے مجھے اس طرح سے وہ بھی اس کے باوجود کہ آپ نفرت کرتی ہیں مجھ سے پھر بھاڑ میں ایک بار کیوں نہیں ڈال دیتی مجھے۔" وہ اس پر جھک کر غرایا اس کے لہجے سے آنچ آنے لگی دکھ کی سلگتی ہوئی آنچ۔ لاریب کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

"چھوڑو مجھے...... چھوڑو۔" وہ مزاحمت ترک کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ سکندر نے اس کے چہرے

سے چھپی ہے۔ جی وا چارگی نے رخنوں کو دیکھا اور اندر تک زخمی ہو گیا۔ وہ جانتا تھا اتنا ہی ناپسند کرتی ہے وہ اسے بلکہ نفرت کرتی ہے اس سے۔

"ہمارا اسی طرح فاصلوں پر رہنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ آپ کی نفرت تو شاید مجھے جلا کر خاک نہ کر دے میری محبتیں ضرور آپ کو چاروں شانے چت گرا دیں گی۔ یقیناً ایسا تو کبھی نہیں چاہیں گی نا آپ۔" سکندر نے کچھ اس انداز میں اسے دونوں شانوں سے تھام کر خود سے قریب کیا کہ وہ بے بس سی اس کے سینے سے لگ گئی اور اس کی دھڑکنوں کو اپنی خوفزدہ دھڑکنوں میں مدغم ہوتا محسوس کرتی رہی۔ سکندر نے اسے جھٹکے سے چھوڑا تو وہ نیم جان سی وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ سکندر ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک بار پھر اس کے آگے شکست خوردہ کھڑا تھا۔ اس کی مرضی کے خلاف خود کو چلانے پر وہ آج بھی قادر نہیں تھا۔ وہ آج بھی اپنے سے زیادہ اس کے دکھ پر مضطرب تھا۔ اسے آج بھی اپنے دکھ سے آگے لاریب کا ہی دکھ بڑا لگ رہا تھا۔ ہر شکایت، ہر شکوہ سینے میں دم توڑتا تھا۔ وہ واپس پلٹا تو اس کے قدموں سے یاسیت اور تھکن ہی نہیں بہت سارا ملال بھی لپٹا ہوا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

شرجیل نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھا دی تھی۔ مگر وہ حواسوں میں ہی نہیں تھا۔ دل و دماغ میں جیسے انگارے چیخ رہے تھے۔ فراز کی شادی سر پر تھی مگر گھر میں ایک نیا فساد برپا ہو چکا تھا۔ اس رات کا ڈرامہ کیا کم تھا کہ اس تماشے کو انتہا تک پہنچانے کا عزم کرتے سمعیہ کا جھٹ پٹ رشتہ طے کر دیا گیا تھا۔ شرجیل کے لیے اختلاف و اضطراب کی وجہ یہی تھی جس سے سمعیہ کا رشتہ طے کیا جا رہا تھا۔ وہ چالیس سے اوپر کا آدمی تھا۔ پہلے سے دو بیویاں بھگتانے والا ادھیڑ عمر خرانٹ صورت مرد جس کی اس کے برابر کی اولاد تھی۔ شرجیل کو یہ سراسر ظلم اور زیادتی لگی تھی۔ وہ یہ زیادتی برداشت نہیں کر سکا تو مشتعل ہوا تھا۔

"لیکن میں آپ لوگوں کو ہرگز بھی سمعیہ کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔" جس وقت وہ دندناتا ہوا تاؤ جی کے سامنے آیا انہوں نے طنزیہ ہنکارا بھر کر اسے سر تا پیر معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر مسکرائے۔

"آ گیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ اب تم کہو گے سمعیہ کا نکاح میرے ساتھ کر دو بیٹا؟" حد تھی گھٹیا پن کی۔

"اللہ کے لیے تاؤ جی کچھ تو اپنی عمر کا لحاظ کر لیں۔ میرے اور سمعیہ کے ذہنوں میں ایسی کوئی آلودگی نہیں ہے جسے آپ نے اس رات کوئی رنگ دینے کی کوشش کی۔" وہ بولا تو شدت غیظ سے اس کا لہجہ لرز رہا تھا۔ چہرے پر ایسے تاثرات تھے جو بے بسی کی انتہا پر جا کر آتے ہیں۔ وہ جیسے روہانسا ہو رہا تھا اپنی اور اس معصوم لڑکی کی پوزیشنیں کلیئر کرنے کو اسے قطعی سمجھ نہیں آتی تھی ان شرپسند لوگوں کی سازشوں سے سمعیہ کو کیونکر بچایا جائے۔ وہ پیاری لڑکی جس نے اس وقت اس کا ساتھ دیا تھا جب اس کے سگے بھی بیگانے بن بیٹھے تھے۔ اس کی نیکی کا یہ عبرتناک انجام تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"دیکھو لڑکے ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بالکل درست ہے۔ لڑکی کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ ایسا رشتہ بھی غنیمت ہے۔ بھلا کون ایسی آنکھوں دیکھی مکھی نگلتا ہے؟" وہ کتنے سکون سے کہہ رہے تھے شرجیل نے اس آخری بات پر جیسے تھرا کر انہیں دیکھا۔

"کیا...... کیا مطلب...... آ...... آپ نے اس آدمی کو یہ بھی بتلا دیا کہ......؟" الفاظ اس کے حلق میں پھنس گئے۔ تاؤ جی اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"کل کو بات کھلتی تو معاملہ خراب ہوتا وہ بھلا مانس انسان ہے پھر بھی مان گیا کہا نا آنکھوں دیکھی مکھی......!" وہ اپنے کارنامے کو فخر سے بیان کر رہے تھے۔ شرجیل کو ان سے زیادہ چاچو چاچی کے رویے نے شدید دکھ میں مبتلا کیا تھا جو بیٹی کی حالت اور پارسائی پر دھیان کرنے کے بجائے تاؤ جی اور تائی ماں کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر رہے تھے اور مجال ہے جو اس کھلے ظلم کے

مظاہرے پر احتجاج کا ایک لفظ بھی ان کی زبان سے نکلا ہو۔ شرجیل نے اچھی طرح جانا یہ برگزیدہ لوگ تھے تن آسانی جن کا شیوہ تھا۔ غیرت...... انا اور عزت جانے کب کی ان کے پیروں کی دھول ہو چکی تھی۔ اس نے چپ سادھ لی مگر اس کی خاموشی کے پیچھے کون سا اسرار ہے کوئی نہ جان سکا۔ یہاں تک کہ اپنی قسمت کا فیصلہ سن لینے کے بعد سسک سسک کر بے حال ہوتی سمعیہ بھی۔

وہ تو آدھی رات کو جب درد سے پھٹتے سر کو آرام دینے کی غرض سے دوا لے کر سوئی تھی کہ کسی کے جھنجوڑ کر جگا دینے پر ہڑبڑا کر اٹھی اور شرجیل کو روبرو پا کر اس کی آنکھیں حیرت سے زیادہ خوف سے پھٹنے لگی تھیں۔

"شرجی بھائی آپ......!" اس کا خوف اس پل دہشت میں بدل گیا جب شرجیل نے کچھ کہے بغیر آگے بڑھ کر سرعت سے اس کے حیرت سے کھلے منہ پر اپنی مضبوط ہتھیلی جما کر گویا ہر آواز کا ہی گلا گھونٹ ڈالا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

اس نے جلتی ہوئی آنکھوں کو بے دردی سے مسل کر آنسو پونچھنے چاہے۔ دل جیسے سسک سسک کر بے حال تھا گھر کی فضاؤں میں گھٹا گھٹا سوگ رچا بسا تھا۔ کتنے دن ہوئے تھے اب تو اسے گھر لوٹے بھی مگر اس کا کیا ہوتا کہ وہ زندگی کی طرف نہیں لوٹ رہا تھا لوٹنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ جدائی کا وحشت انگیز جاں گسل احساس رگ و جاں کو مسلتا تھا تو سرخ شعلوں کا بے درد الاؤ اسے بھسم کرنے لگتا۔ چہار سو آگ ہی آگ تھی۔ من کو جلاتی آتی جاتی سانسوں کو دہکاتی۔ یہ خیال یہ سوچ اسے صبر نہیں آنے دیتی تھی کہ عریشہ اس دنیا سے اس سے ناخوش گئی ہے۔ وہ خفا تھی اس سے دماغ میں یہ احساس ہی شرارے چھوڑتا تھا۔

حبس زدہ شام نے دھیرے دھیرے رات اوڑھ لی۔ معاً دروازے پر کھٹکا ہوا اور گلے لیمپ لائٹیں جل اٹھنے کے باعث یکلخت کمرا روشنیوں میں نہا گیا۔ عباس نے خون رنگ آنکھوں کو قہر بار انداز میں اٹھایا۔ جیسے ڈسٹرب کرنے والے کو جان سے مار دینے کا خواہش مند ہو۔ ملازموں میں یہ جرأت صرف احسان بابا کی ہی ہوا کرتی تھی جو اسے زندگی کی طرف لانے کو جدوجہد کرتے تھے وجہ یہی تھی۔ عباس نے خود بھی ان کی بزرگی کے باعث انہیں عزت و توقیر سے ہی نوازا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اس کے خیر خواہ تھے۔ مگر دروازے پر احسان بابا کی بجائے فاطمہ تھی۔

"مم...... میں آپ کی طبیعت پوچھنے آئی تھی۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" وہ ہکلائی عباس نے جیسے سنا نہیں۔ وہ یک ٹک فاطمہ کو تک رہا تھا عجیب نظریں تھیں۔ خالی خالی کھوئی کھوئی ذہن میں عریشہ کی آواز کی بازگشت اتر آئی۔ عباس کی آنکھیں کچھ اور وحشت سمیٹنے لگیں۔

"میں جانتی ہوں عباس وہ بہت خوب صورت ہے۔ دین ایمان ہلا دینے کی حد تک۔ میں نے خود محسوس کیا ہے۔ تم بھی اسے دیکھتے ہو تو تمہیں اپنی نظروں کی بے اختیاری کا احساس نہیں رہتا۔ یعنی طے ہوا اس کا حسن تم پر بھی اس انداز میں اثر دکھاتا ہے جیسے کسی بھی عام انسان پر۔ یہی فطری چیز ہے تم کدھر سے خود کو اس معاملے میں الگ اور خاص کہتے ہو۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے جبھی تو منع کرتی ہوں تمہیں۔" اس کی سماعتوں میں عریشہ کی آواز کا شور تھا۔ اس نے کرب آمیزی کے انداز میں ہونٹ کاٹے اور آنکھیں جھکا کر ان کی جلن ختم کرنے کو سختی سے بند کیا تو آنسو پلکوں سے ٹوٹ گرے۔ فاطمہ نے اس کی اندرونی کیفیت کو نہیں سمجھا البتہ اس کے آنسو دیکھ لیے تھے جبھی تڑپ کر آگے بڑھی۔ وہ عباس کی بے اعتنائی کے باوجود پیچھے رہ ہی نہیں سکتی تھی۔

"میں یہاں سے گزر رہی تھی سوچا آپ کی خیریت دریافت کرتی چلوں۔" عباس نے یوں یکدم آنکھیں کھول دیں جیسے کسی نے اس کے وجود پر چابک رسید کر ڈالا ہو۔ وہ یوں کرسی چھوڑ کر اٹھا جیسے بچھو نے ڈس لیا ہو اور اسے سرخ آنکھوں سے گھورتا اس کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔ آن کی آن میں اس کا چہرہ سنگین تاثر دینے لگا تھا۔

"آئندہ یہ زحمت مت کیجیے گا، سمجھیں؟" اس کے دھیمے لہجے میں سرد غراہٹ اور غضب کا قہر پوشیدہ تھا۔

آنکھیں لہو ٹپکا رہی تھیں اور تیور قتل کردینے والے فاطمہ کو کہاں توقع تھی اس درجہ توہین آمیز سلوک کی۔ مارے گھبراہٹ کے اس کے ہاتھ سے پاؤچ چھوٹ گیا۔ وہ خوف سے پھٹ جانے والی آنکھوں اور حیرت سے نیم وا ہونٹوں کے ساتھ فق چہرہ لیے اسے تک رہی تھی۔

"آپ کی ذات پر کوئی حرف نہیں آیا مگر میرا...... میرا بہت ناقابل تلافی نقصان ہوچکا ہے چلی جاؤ یہاں سے میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔" اس کے اندر باہر آگ دہک اٹھی تھی۔

یہ پسپائی تو موت تھی انا کی بھرم کی نسوانیت کی بھی۔ اس کی آنکھیں سمندر کا نقشہ پیش کرنے لگیں۔ ہونٹ کانپتے رہے ایک لفظ کہے بغیر وہ لڑکھڑا کر مڑی اور اپنے ہی دوپٹے سے الجھتی کمرے سے نکل بھاگی۔ اس پیش رفت نے اسے ہمیشہ بے مایا ہی رکھا تھا۔

عباس جو خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتا تھک گیا تھا واپس اپنی جگہ گرتے ہوئے گھٹنوں میں سر چھپا کر بچوں کے انداز میں بلکنے لگا۔ وہ رات قیامت جیسی تھی۔ بھیانک دردناک اور طویل عریشہ کے بعد اس کے پاس آنے والی مسلط ہونے والی ہر گھڑی قیامت میں تھی۔ وہ خود کو فراموش کرگیا تھا۔ وہ جینا بھول گیا تھا۔ اس نے جان لیا تھا۔ زندگی کی کسی خوشی پر اب اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے عریشہ کو ناراض کیا تھا اس نے عریشہ کو کھودیا تھا۔ اب کچھ باقی نہیں تھا۔ اب اسے کچھ چاہیے بھی نہیں تھا۔

◈......✿......◈
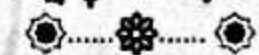
ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لیے جھولی میں اور سر پر ساہوکار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا تھی ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ لفظ جنہیں معانی نہ ملیں
کچھ گیت شکستہ جانوں کے

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لاریب کی نظریں زیرو سائز نیلے بلب پر جمی ہوئی تھیں۔ جس کے گرد پروانوں کا ہجوم تھا۔ آتش کی حدت سے پروانے جلتے تھے مگر اس ذوق وشوق سے ان کی جگہ دوسرا لے کر جانیں گنوانے میں مصروف، عجب حماقت آمیز دیوانگی کا عالم تھا کہ واپسی کی ساری راہیں کھلی ہونے کے باوجود اس دائرے میں گردش کرتے تھے اور مٹتے جاتے تھے۔ اس کا اپنا حال بھی تو اس سے کچھ الگ نہیں تھا۔ بالکل یہی وحشت یہی دیوانگی ایسی ہی بے بسی اس کا بھی مقدر تھی کم وبیش آخر کیا ہے یہ محبت نفع ونقصان سے بے پروا بے نیاز اس کی آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔ آہٹ پر ہی وہ چونک گئی تو سکندر کو روبرو پاکر اس نے نظر کا زاویہ ہی نہیں بدلا ہونٹ بھی بھینچ لیے۔ انداز میں عجیب سی بے بسی تھی جو کسی بھی حساس دل کو رلادے۔ محبت میں ہار جانا سب سے بڑی اذیت ہے اس دنیا کی سکندر بھلا اس کی کیفیت کو نہ سمجھتا اس نے بھی تو اسی اذیت کا بار اٹھایا تھا۔

"مجھے یہیں لیٹنا ہوگا اسٹور روم میں کل رات اماں نے دیکھ لیا مجھے میرا بہانہ شاید کام دکھا گیا وقتی مگر میں ان کے شک کو یقین میں بدلنا نہیں چاہتا۔ کچھ عرصہ برداشت کرلیں صورت حال قابو میں آئے تو میں لازمی کوئی انتظام کرلوں گا۔" سکندر اس سے نظریں چار کیے بنا کہہ کر صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور جھک کر اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ کمرے میں پھیلے سناٹے میں کچھ اور اضافہ ہوگیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مجھے ہے حکمِ اذاں
اُم مریم

اس کو فرصت نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن
وہ اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ڈاکٹر کی زبانی عباس کے مینٹل ہسپتال میں شفٹ کردینے کا سن کر فاطمہ کو اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ اس سے عباس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی وہ دل میں بوجھل پن لیے زینب کے پاس چلی آتی ہے وہاں اس کی باتوں سے فاطمہ کے دل کو ڈھارس ملتی ہے اور وہ عباس کے بچوں کی ذمہ داری سنبھالتی ہے جبکہ دوسری طرف ساحر زندگی سے قطع تعلقی اختیار کیے عریشہ کی یادوں میں محو رہتا ہے عباس کو اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر فاطمہ بچوں کو وہاں لاتی ہے لیکن اس کا شدید ردعمل اسے سخت اذیت دیتا ہے۔

دوسری طرف لاریب اپنے گستاخانہ رویوں اور طرزعمل کی بدولت سکندر کا جینا دشوار کردیتی ہے وہ کسی طور بھی سکندر کی کمرے میں موجودگی کو برداشت نہیں کرتی جس پر اسے لاریب کا بھرم رکھتے باہر رات گزارنا پڑتی ہے۔ ولیمہ کی رات بابا سائیں لاریب سے ملنے آتے ہیں لیکن تب بھی اس کا انداز وہی سرد مہری لیے ہوتا ہے۔

شرجیل پر جب تائی اماں کی اصل حقیقت کھلتی ہے تو اس کے ہاتھ پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں آتا فراز کی باتیں سن کر اس کے اندر شدید اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کے ساتھ اپنے ناروا سلوک پر وہ خود اذیتی میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے بچے کو بھی فراموش کر بیٹھتا ہے۔ تائی اماں چاہتی ہیں کہ شرجیل صالح سے نکاح کرے لیکن وہ اس بات پر صاف انکار کردیتا ہے شرجیل کا صاف انکار تائی ماں کو مشتعل کردیتا ہے وہ اس سے بدلہ لینے کی خاطر سمیعہ کے حوالے سے اس پر الزام عائد کرتی ہیں جس پر وہ دونوں ہی حیران رہ جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ فوراً ہی سمیعہ کے لیے ایک عمر رسیدہ آدمی کا رشتہ تلاش کرکے اس کے نکاح کی بات کرتے ہیں جس پر شرجیل انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے لیکن اس کی بات کو غلط رنگ میں لیا جاتا ہے۔ ان حالات میں شرجیل سمیعہ کو تائی ماں کی سازش کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے ہر کوشش کرتا ہے۔

دوسری طرف فراز تاؤ جی کے سامنے آفاق چاچو کا ذکر لے بیٹھتا ہے ان کے منہ سے تمام حقیقت اگلوانے کی خاطر وہ جائیداد میں حصے کی بات کرتا ہے جس پر تاؤ جی اسے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں لیکن وہ انہیں یتیموں کا مال کھانے پر سخت سناتا ہے اور آفاق چاچو کے اس بیٹے کی تلاش میں رہتا ہے کہ جس کی یہ تمام جائیداد ہے لیکن اسے مزید کچھ معلومات حاصل نہیں ہو پاتیں۔ اس تمام پلاننگ کے دوران وہ تاؤ جی اور اپنے پاپا کو اریبہ کے ہاں رشتہ لے جانے کے لیے آمادہ کرلیتا ہے بصورت دیگر وہ آفاق چاچو کے بیٹے کی گمشدگی کا اشتہار اخبار میں دینے کا کہتا ہے جس پر مجبوراً وہ اس کی بات مان لیتے ہیں۔

لاریب اپنے ہونے والے نقصان پر ماتم کناں ہوتی ہے جب ہی سکندر اماں کا ذکر کرتے اس کے پاس ٹھہرنے کی بات کرتا ہے جس پر لاریب عجیب خدشات کا شکار لیے اسے دیکھتی رہ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

یہ خاموشی سکندر کے لیے حیران کن ہی تھی۔ جبھی اس نے بے اختیار چہرہ اونچا کر کے اسے خاصے تحیر سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سکندر نے شرارت آمیز انداز میں مسکراہٹ دبائی۔

"کچھ بولیں گی نہیں' یہ نازک ہونٹ تو زہر اگلتے' انگارے برساتے ہی اچھے لگتے ہیں۔ خاموشی کا مطلب طبع نازک کی ناسازی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔" لاریب نے اس گوہر افشانی پر بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور اسی طرح خاموش بیٹھی رہی تھی پھر گہرا سانس بھرا اور بے مہر انداز میں گویا ہوئی۔

تمہارے ہاتھ لگے ہیں تو جو کرو سو کرو
ورنہ تم سے تو ہم سو غلام رکھتے ہیں

سکندر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ معاً اس نے خود کو سنبھالا اور اپنی جگہ چھوڑ کر پرسکون انداز میں بستر کے نزدیک آ رکا۔

"تو گویا آپ نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا' ہتھیار پھینک دیے؟" وہ پتا نہیں کیوں اتنا سنجیدہ تھا۔ لاریب اسے سرد نظروں سے دیکھتی رہی۔

"گڈ...... پھر تو آج سے سارے تکلفات ختم ہوجانے چاہیں۔ ساری دوریاں مٹ جانی چاہیں۔ کیا ہوا اگر غلام سہی مگر شوہر تو بن چکا ہوں نا۔" سکندر کا لہجہ ہموار تھا۔

"فضول باتوں سے بہتر ہے کہ تم جا کر اپنی جگہ پر لیٹو۔" اندر سے ہولتی ہوئی وہ بظاہر بہت درشتی سے بولی تھی۔ انداز اتنا کترایا ہوا اور خائف تھا کہ سکندر کو اس کا گریز اس کا خوف صاف محسوس ہوا۔

"میری جگہ ہے کون سی اس کا تعین بھی آپ ہی کریں گی۔" اس کا لہجہ تلخ تر ہو چلا۔ لاریب نے لرزتی پلکیں لحہ بھر کو اٹھا کر اس کا آنچ دیتا چہرہ دیکھا پھر ہونٹ بھینچ لیے۔

"مجھے پریشان نہیں کرو پلیز۔ ورنہ آج تمہیں نہیں مجھے باہر جانا پڑے گا۔" اس نے بے رحم لہجے میں جتلانا ضروری سمجھا۔ جبکہ سکندر کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہوگیا۔

"میرا ضبط مت آزمائیں لاریب بی بی۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کا بھرم ٹوٹے۔ میں وقتی طیش واشتعال میں آپ سے کوئی گستاخی کر جاؤں اور اپنی محبت کو عمر بھر کے لیے کسی الزام کی زد پر رکھ دوں کچھ تو خیال کریں آپ کو نہ سہی مگر مجھے ضرور محبت ہے آپ سے۔" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور صوفے پر لیٹ کر فوری کروٹ بدل لی۔ اپنے اوپر اس نے وہی براؤن مردانہ شال پھیلالی تھی جسے وہ اوڑھے ہوئے تھا۔ اس کا دل عجیب سی وحشت بھری یاسیت کا شکار ہو چکا تھا۔ بھلا کوئی اختتام یا منزل تھی اس سفر لا حاصل کی۔ اسے لگنے لگا وہ انتظار اور صبر کرتا بالآخر جان سے گزر جائے گا۔ مگر وہ پتھر دل لڑکی کبھی موم نہیں ہوسکے گی۔

"میرے سامنے اس فضول اور تھرڈ کلاس محبت کا ڈھنڈورا نہ پیٹا کرو سمجھے' گھن آتی ہے مجھے، اتنی ہی نفرت کرتی ہوں میں تم سے اگر تم سمجھو اگر تم جان پاؤ۔" وہ بھیگے ہوئے بے گانگی چھلکاتے لہجے میں جتلانا ضروری سمجھ رہی تھی۔ سکندر توہین و بیکی کے ساتھ ساتھ اذیت کے شدید ترین احساس سمیت پتھرا سا گیا۔ مارے تضحیک و ذلت کے اس کا چہرہ یکلخت پیلا پڑ گیا۔ کس درجہ سفاک اور بے رحم تھی وہ بے حد خوب صورت نظر آنے والی لڑکی۔ اس نے اذیت کی برف اس پوری رات اپنے وجود پر گرتی محسوس کی۔ ہزار ہا ضبط کے باوجود بھی وہ آنکھوں کو نم ہونے سے نہیں بچاسکا۔

اندر آتش دان میں کوئلے دہکتے تھے بالکل ویسی ہی تپش سکندر کے وجود میں اتر آئی تھی۔ وہ صوفے پر کروٹیں بدلتے تھک گیا تھا۔ جبھی نیچے چٹائی پر لیٹ

گیا۔ چٹائی کو فرش کی یخ بستگی نے سیلن زدہ کر رکھا تھا۔ یہ ٹھنڈک ایک تواتر سے اس کے جسم میں اتر رہی تھی مگر صوفے پر ٹانگیں سکیڑ کر لیٹنا بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں تھا۔ کچھ ویسے بھی اس وقت ایک بے حسی اور خود اذیتی کا احساس بھی حاوی تھا جبھی ڈھیٹ بن کر لیٹا رہا۔ نیند ابھی گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ جب کسی احساس کے زیر اثر اسے پھر سے جاگنا پڑ گیا۔ ذہن خوابیدہ تھا وہ اس طرح آنکھ کھلنے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ لاریب کی وحشت بھری چیخ پر اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑے ہونے پر مجبور ہوا۔ سب سے پہلے اس نے لائٹ آن کی تھی۔ پلٹ کر دیکھنے پر سب سے پہلی نظر بیڈ پر بیٹھی حواس باختہ چہرے والی لاریب پر پڑی جس کے کھلے بال بے ترتیب تھے اور چہرہ پر خوف وہراس کا غلبہ' سکندر نے فی الفور نگاہ بدل لی۔

''سانپ۔'' وہ پھر چیخی اور چھلانگ مار کر بستر سے اتری اور اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نازک جسم طوفان کی زد پر آئی نازک ڈالی کی طرح لرز رہا تھا۔

''مم...... میں نے خود دیکھا۔'' اس نے سکندر کو یقین سونپنا چاہا جو پتا نہیں سانپ کا سن کر بھی کیوں بے نیاز اور بے گانہ بنا کھڑا تھا۔

''خود دیکھا...... اندھیرے میں؟'' سکندر کا سرد لہجہ طنز آمیز تھا۔ مگر لاریب اس پل حواسوں میں ہی نہیں تھی کہ اس کے لہجے کی کاٹ پر غور کر سکتی۔

''وہ...... وہ میرے ہاتھ پر رینگ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ جھٹکا تو......!'' آنسوؤں سے بھیگی' بے اوسان اور لرزاں آواز میں اسے آگاہ کرتی ایک دم ٹھٹکی اور خود خوفزدہ نظروں کو فرش پر متلاشی انداز میں دوڑانے لگی۔

''وہ مجھے کاٹ بھی سکتا تھا تم دیکھو تو' یہیں کہیں ہوگا۔'' خوف سے کانپتی وہ غیر محسوس مگر لاشعوری طور پر سکندر سے قریب ہوئی اس کے بازو سے چپک گئی تھی۔ سکندر نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں اپنا بازو جھٹک کر اسے دور ہٹایا مگر لاریب نے اس کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ اس کے خراب موڈ سے بے خبر اس پل لاریب کے حواسوں پر بس سانپ کا خوف سوار تھا۔

''اچھا...... چھوڑیں...... دیکھنے تو دیں مجھے۔'' سکندر کی جھنجلاہٹ اور بڑھی تھی۔ کسی قدر غصے سے کہتے اس نے اپنا بازو چھڑوایا اور اسی غصے میں چند لمحوں کے اندر اس نے پورا کمرا الٹ کر رکھ دیا۔ مگر سانپ کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

''سو جایئے ایسا کچھ نہیں ہے یہاں' وہم ہے آپ کا۔'' سکندر کے بے رخی سے بھرپور انداز میں بے اعتنائی کا تاثر گہرا تھا۔ لاریب خائف اور متذبذب کھڑی تھی۔

''اب کیا ہے؟'' وہ جیسے پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

''مم...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' روہانسے انداز میں جو توضیح دی گئی وہ سکندر کی جان جلا کر رکھ گئی۔

''بہت خوب......! تو محترمہ اب آپ کے ڈر کا تعویذ میں کہاں سے جا کر لے آؤں' حکم کیجیے۔'' بے رحم کھردرا لہجہ لاریب کے اعصاب سن کر گیا۔ وہ توہین کے احساس سے منجمد رہ گئی۔

''افوہ...... کہا نا کچھ نہیں ہے یہاں' چلیں لائٹ جلتی چھوڑ دیتا ہوں لیٹ جائیں۔'' سکندر کو ہی پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ پتا نہیں کیا تھا اس میں ایسا کہ وہ ہمیشہ بے بس ہو جایا کرتا مگر لاریب پر اس کا وہی لہجہ جس میں بے زاری تھی اس کے دل پر ایسی ضرب کاری کر گیا تھا جبھی وہ کسی طرح بھی خود پر قابو نہیں پا سکی۔ آنسو بے صبرے پن کا مظاہرہ کرتے برس پڑے۔ سکندر کی نظر اس بن بادل برسات پر پڑی تو سر پیٹنے والا ہو گیا۔

''ملکہ عالیہ کیا گستاخی سرزد ہوگئی غلام سے اب؟'' چبھتا ہوا لہجہ سماعتوں میں جیسے سیسہ پگھلانے کا باعث بنا تھا۔ لاریب کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے تکنے لگا۔

''تم میرے ساتھ آجاؤ' وہاں بیڈ پر۔'' اس سے نظریں چار کیے بنا لاریب نے جو فرمائش کی وہ سکندر کو

بھک سے اڑا گئی۔ جو بھی تھا' جیسے بھی تھا سکندر کی مردانہ انا پر شدید چوٹ پڑی تھی۔ جبھی آنکھوں میں غضب کی حدت سمٹ آئیں۔ کوئی پوچھتا کیا تھی بھلا لاریب کے نزدیک اس کی اہمیت۔ محض کاٹھ کا الو' جسے ضرورت کے وقت وہ اٹھا کر سر پر بھی رکھ سکتی ورنہ وہ اس کی ٹھوکروں کی زد پر تو تھا ہی۔ دانتوں پر دانت جمائے وہ ایک لفظ کہے بغیر چادر سر تک تان کر لیٹ گیا۔ لاریب جس کا دل خوف سے بند ہو رہا تھا بے حسی کے اس مظاہرے پر ششدر رہ گئی۔ کچھ دیر ساکن کھڑی اس کے خیمہ زن وجود کو تکتی رہی پھر ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چادر کا کونا کھینچا۔

''سکندر پلیز۔'' اس کا مدھم لرزتا لجاجت آمیز لہجہ تھا۔ خوفناک رات کا سہم اور سانپ کی دہشت کا وحشت بھرا احساس اسے اس وقت سارا طنطنہ بھلائے ہوئے تھا۔ سکندر ایسے اٹھا جیسے کوئی طوفان ہو۔

''کیا سمجھتی ہو تم مجھے لاریب؟'' اسے خونخوار نظروں سے گھورتا وہ زور سے چیخا تو لاریب اس کے جارحیت بھرے انداز پر دم بخود رہ گئی۔

''نفرت کرتی ہو مجھ سے' گھن آتی ہے تمہیں مجھ سے تو پھر یہ گنجائش بھی کیوں؟ کیا سمجھوں میں اسے تمہاری عنایت یا بھیک میں دی گئی توجہ؟ یہ تو طے ہے نا کہ تم جذبات میں بے قابو ہو کر میرے پاس نہیں آئی ہو پھر بھی میں فرشتہ نہیں ہوں کہ اس آزمائش میں کوئی حد کراس نہ کروں۔ بچی ہو تم' اس سیدھی بات کو خود سے کیوں نہیں سمجھ جاتیں۔ کیوں مجھے آزمانے پر تلی ہوئی ہو؟'' وہ برس رہا تھا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور چہرہ سرخ اور تیور اتنے خونی کہ لاریب کو اس سے خوف آنے لگا۔ سکندر تیز تر تنفس کے ساتھ اسے اپنے سامنے سے دھکیلتا آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ لاریب صدمے کی انتہا پر جا کر گنگ کھڑی تھی۔ دھیرے دھیرے حواس بحال ہوئے تو اس کی بات کا مفہوم سمجھ میں آیا اور جیسے زمین میں گڑھ گئی۔

❀ ...... ◉ ...... ❀

وہ ہرجائی تھا نہ ہی دل پھینک۔ بس وقت اور حالات نے اس کے ساتھ عجیب کھیل کھیلا تھا کہ وہ بے مہر ہی نہیں اسے بے وفا بھی سمجھ بیٹھی تھی۔ ایسی روٹھی تھی کہ پھر پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ازالہ کی کوئی صورت ہی ممکن نہ رہی تھی۔ ناراضی کا یہ احساس اتنا شدید تھا اس قدر بوجھل کردینے والا کہ اسے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا دکھائی نہ دیتا تھا۔ ملازموں نے کئی بار بتایا بچوں کو فاطمہ بی بی لے گئی ہیں۔ اسے ان کی خبرگیری تو کرنی چاہیے مگر وہ دھیان سے سنتا کب تھا کہ عمل کی نوبت آتی۔ اسے تو غم سے فرصت نہیں تھی۔ اس نے تو غلط فہمی دور بھی کی تھی یہ الگ بات یقین نہیں کیا گیا اور عریشہ کی بدگمانی صحیح معنوں میں عباس کو دل کے پاگل پن سے دوچار کرگئی۔ ماضی کے ان لمحوں کو پوری جزئیات سے سوچنا جب عریشہ اس کے ساتھ تھی اور پھر اس کمی اس نقصان کا احساس حواسوں پر پر سوار کرلیتا۔ وہ واقعی خود اذیتی کا شکار تھا۔ وہ غم کی جس اتھاہ گہرائی میں گرا تھا اس سے باہر آنے کے بجائے مزید نیچے اترتا جارہا تھا۔

راہداری عبور کرتے ہوئے سے ہال کمرے میں ملازمہ نے ایک طویل عرصہ بعد صاحب کو کمرے سے باہر دیکھا تو حیرت وخوشی سے اپنی جگہ ٹھٹک گئی۔ عجلت بھری آواز میں اس پر سلامتی بھی بھیجی مگر وہ جواب دیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ لان کے ساتھ پورچ تھا مگر وہ گاڑی کی جانب نہیں آیا باوردی شوفر نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور اپنی خدمات پیش کرنی چاہی۔

"کہاں چلیں گے سر؟" عباس نے ستی ہوئی لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا اور سر کو نفی میں جنبش دے کر کھلے گیٹ سے باہر نکل آیا۔

"سر ٹھیک ہورہے ہیں شکر ہے مالک کا' لگتا ہے بچوں کو لینے گئے ہوں گے۔" اس سوچ نے احسان بابا کو خوشی بخشی۔ عباس کی بیماری اور غیر حاضری کے دوران احسان بابا (مالی) ہی تھے۔ جنہوں نے تمام ملازموں کو کنٹرول کررکھا تھا۔ اس سے قبل بھی وہی تمام ملازموں کی تنخواہ کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ عریشہ کی موت اور عباس کی بیماری نے ایک قسم کا سارا چارج ہی احسان بابا کے ہاتھ میں خودبخود منتقل کردیا تھا۔ دیانتدار بزرگ آدمی تھے عباس کو ان پر بھروسہ ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کا احترام بھی کرتا تھا۔ احسان بابا بھی عباس کے بہت زیادہ خیرخواہ تھے۔ بے اولاد تھے جبھی عباس کے لیے اولاد جیسی شفقت ومحبت کے احساسات رکھتے تھے مگر عریشہ کی والدہ اور بھائیوں کی یہاں غنڈہ گردی اور اجارہ داری کے خلاف وہ بھی کچھ نہیں کرسکے کہ بہرحال ان کی اہمیت ایک ملازم کی ہی تھی۔ عباس کے ٹھیک ہو کر گھر آنے کی صورت میں احسان بابا نے اسے اس بابت بتانے کی کوشش کی تھی مگر یہ پہلا موقع تھا کہ عباس نے انہیں ناراضی سے دیکھا اور بات منقطع کردی تھی۔

"میرے لیے عریشہ کے ساتھ اس سے وابستہ رشتے بھی قابل احترام ہیں پھر اگر عریشہ نہیں تو یہ ساری مادی چیزیں خودبخود میرے لیے اپنی حیثیت کھوچکی ہیں۔ آپ جانتے ہیں یہ گھر عریشہ کے لیے بنایا اور سجایا تھا میں نے' وہ نہیں ہے وہ چلی گئی ہے اور...... اور وہ اب کبھی واپس نہیں آسکتی۔" ان کے کاندھے سے لگ کر روتا وہ کتنا قابل رحم لگ رہا تھا۔

احسان بابا کا دل پھٹنے کے قریب ہوگیا تھا۔ ان کے سجدے اس کے بعد دراز ہونے لگے تھے۔ ہر نماز کے بعد وہ صدق دل سے عباس کے صبر واستقامت کے ساتھ اصلاح کی دعا بھی مانگا کرتے تھے شام رات میں ڈھلنے جارہی تھی۔ یہ فروری کے آخری دن تھے۔ کراچی میں ان دنوں سردی رخصتی کے مراحل طے کررہی ہے۔ وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے یونہی نکل آیا تھا ہوا میں خنکی کا احساس غالب تھا مگر عباس نے کب کی اپنی پروا چھوڑ رکھی تھی۔ گلی محلوں سڑکوں بازاروں میں رونق تھی۔

مساجد کو وہ کسی اجنبی نگاہ سے دیکھتا بے مقصد چلتا اچانک ٹھٹک کر رکا۔ وہ بھلا کب مذہب سے اتنا نزدیک تھا۔

"مومن کی مثال ایک ترازو جیسی ہے جب اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔" اس کی سماعتوں میں یہ آواز پوری جزئیات سے اتری۔ قدموں کی رفتار خودبخود سست پڑ گئی۔ اس کے عین سامنے بلند میناروں والی شان دار مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ابھرنے والی یہ آواز اس مسجد کے امام صاحب کی تھی۔ وہ خالی نظروں سے مسجد جانے والوں کو دیکھتا رہا۔

"کھڑے کیوں ہو جوان' اندر چلو۔" ایک بزرگ نے جاتے جاتے اسے پکارا۔ وہ چونک گیا۔ کچھ لڑکے بھی رک کر حیران وغیریقینی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"یہ ساحر ہیں نا؟ فیمس ہیرو' میرے خدا یہ وہی تو نہیں کیا میں انہیں سچ مچ دیکھ رہا ہوں۔" ایک لڑکا دوسرے کے کان میں گھس کر شوخ چہکتی آواز میں کہہ رہا تھا۔ عباس سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا رہا۔ اس کے دل ودماغ میں عجیب سی کشمکش جاری تھی۔

"بالکل وہی ہیں' انہیں حادثہ پیش آگیا تھا یاد ہے نا؟ آؤ بات کرتے ہیں ان سے انہیں ان کی وائف کا پرسہ بھی دے دیں گے۔"

"ارے رکو...... یہ نارمل نہیں ہیں اور......!" وہ دونوں بدستور کھسر پھسر کررہے تھے۔ عباس کے اندر یکلخت الاؤ بھڑک اٹھے۔ وہ پلٹا اور ان آوازوں کی پہنچ سے دور ہونے کو پاگلوں کی طرح دوڑنے لگا۔ صرف زیاں کا احساس نہیں تھا تمام زخم بھی ہرے ہوگئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے اٹھتے ہوئے قدموں سے لپٹ کر بے مول ہوتے رہے۔ اسے آج بھی اپنا نقصان یاد تھا۔ اسے آج بھی اللہ سے شکوہ تھا۔ مگر وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس نے خود اللہ کو کب سے بھلا رکھا ہے۔ یہ غفلت یہ بے نیازی سراسر نقصان کا باعث تھی مگر وہ تو جیسے اب ہر نقصان سے بے نیاز ہوچکا تھا۔

❀ ...... ◉ ...... ❀

سرما کی یہ گلابی شام انتہائی سست روی سے رات اوڑھتی جارہی تھی۔ عجیب یاسیت زدہ فضا تھی۔ شہتوت کے پتوں نے برفیلی ہوا کے تھپیڑوں کے باعث شور مچا رکھا تھا گھر میں غیرمعمولی خاموشی تھی۔ صرف کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں گونجتی تھیں۔ لاریب کمرے میں بے مقصد ٹہلتی کبھی رک کر سیل فون کو دیکھنے لگتی۔ یہ سیل فون بھی سکندر نے لاکر دیا تھا۔ تب وہ جو اس سے نگاہ بھی نہیں ملا پائی تھی اس وقت الجھ گئی تھی۔

"مجھے تمہاری اس عنایت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ حسب عادت اکڑ گئی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ کر خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہر بات میں ضد نہیں کرتے لاریب' ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"مجھے تم سمیت تمہاری عنایات کی کبھی ضرورت نہیں پڑسکتی سن لو تم۔" لاریب کو اس وقت تک ہتک کے شدید احساس نے جکڑ رکھا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر بھڑکتی تھی سکندر نے اس رات آخر کیا سوچ کر اس کی توہین کی۔ جبھی جھلتی رہی تھی مگر اس وقت جتلانا ضروری تھا۔

"مجھے لگتا ہے اس رات تم شدید غلط فہمی کا شکار ہوگئے تھے۔ مسٹر وہ محض سانپ کا خوف تھا۔ تمہیں بیڈ پر بلانے کی وجہ اور کوئی نہیں ہوسکتی سمجھے؟" اور سکندر جو حیران سا اسے تک رہا تھا اس وضاحت کو سن کر بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

"آپ نہ بھی بتائیں تو میں آگاہ ہوں اپنی اہمیت و اوقات سے۔" اس کی ہنسی تھمی تو اس نے کہا اور لاریب نے محسوس کیا اس پل سکندر کی آنکھیں جھلملائی ہیں۔ جیسے پانی کی سطح پر روشنی کا عکس چمک اٹھے۔

"کبھی سوچنا ضرور لاریب تم کتنی ظالم ہو' محبت رد

کیے جانے کے قابل نہیں ہوتی مگر تم نے میرے انمول جذبوں کو اتنی شدت سے پامال کیا ہے کہ اس توہین کا احساس مجھے اندر تک زخمی کر جاتا ہے۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گیا۔ لاریب نے غصے سے اسے دیکھا مگر اس کی گہری بولتی نظروں کی تپش سے نظریں چرالیں۔ اس کی دیوانگی لاریب کے لیے اب کھلا خطرہ تھی۔ وہ حد بندیاں لگاتے لگاتے ہلکان ہونے لگی تھی۔

"اس طرح محبت کا پرچار نہ کیا کرو میرے سامنے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا اور سکندر نے ضبط کی کوشش میں آخری حد تک خود کو آزمایا تھا۔

"مجھے یہ خوش فہمی کبھی لاحق نہیں رہی کہ میرے جذبے کبھی آپ پر اثر انداز ہوں گے۔ یا آپ کو کبھی اپنے رویوں پر ہی تاسف ہوگا۔ میں ہمیشہ اس بات پر متاسف رہا ہوں کہ آپ کے لیے تمام تر نیک خواہشات رکھنے کے باوجود آپ کے کسی کام نہیں آسکا۔" اس پل سکندر کی سرخ آنکھوں سے جانے کیوں لاریب کو نگاہ چرانا پڑ گئی۔

سیل فون کی گنگناہٹ پر لاریب نے اپنی سوچوں سے چونک کر موبائل کی جلتی بجھتی اسکرین کو دیکھا۔ جس پر سکندر کا نام بلنک کرتا تھا۔ لاریب بے تاثر نظروں سے اسکرین کو گھورتی رہی یہاں تک کہ گھنٹی بند ہوگئی۔ وہ اس وقت اتنی خفا تھی سکندر سمیت خود سے بھی کہ اس سے بات کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"لاریب میں آج گھر نہیں آسکوں گا۔ آپ آتش دان جلا لینا اور کھانا وقت پر کھا لینا، پلیز۔" مزید دو تین مرتبہ جب گھنٹی بج کر بند ہوئی اور لاریب نے فون نہیں سنا تو سکندر نے ٹیکسٹ کے ذریعے اسے اپنی بات پہنچائی۔ جسے پڑھ کر لاریب کے چہرے پر حقارت بھرے تاثرات امڈ آئے۔ اگلے لمحے اس کی انگلیاں طیش کے عالم میں اس کا نمبر ملا رہی تھیں۔

"جی حکم؟" کال ریسیو ہوتے ہی لاریب کی سلگتی سماعتوں میں سکندر کی شیریں آواز گونجی تھی۔

"بات سنو...... تمہیں یہ خوش فہمی کس نے دلائی کہ مجھے تمہارے گھر آنے یا جانے سے کوئی واسطہ ہے۔ اگر تم قیامت تک بھی میرا انتظار کرو گے تو میں قیامت تک بھی پلٹ کر تمہاری جانب نہیں دیکھوں گی۔" وہ پھنکاری تھی۔ اشتعال کی شدید کیفیت نے اس کا چہرہ و آنکھیں دہکا کر انگارہ بنا دیں۔ دوسری جانب سناٹا بولنے لگا۔ اتنا گمبھیر سناٹا کہ لاریب کو لائن کٹ جانے کا گمان گزرا۔

"ہیلو......" اس نے بے ساختہ پکارا۔ تب سکندر کے سرد آہ بھرنے کی آواز ابھری۔

"اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟" اس کا ٹھہرا ہوا لہجہ معمول کے مطابق تھا۔

"میں لعنت بھی نہیں بھیجتی تم پر، میری بلا سے کبھی لوٹ کر نہیں آنا، سمجھے؟" اس نے غرا کر کہتے فون پٹخ دیا۔

"پتر سکندر تو آج نہیں آسکے گا، دھی رانی آپ روٹی کھا لو میں لا دوں؟" لاریب نے کھٹکے پر پلٹ کر دیکھا تو اماں کو کھڑے پا کر اس کا پہلے سے خراب ہوا دماغ کچھ اور بھی تلخی سمیٹ لایا۔

"مجھے نہیں کھانا، جب کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو خود لے لوں گی، ہاتھ پیر سلامت ہیں میرے اور بات سنو...... بلا اجازت منہ اٹھا کر میرے کمرے میں نہ گھس آیا کرو۔ ماں ہوگی تم سکندر کی اور وہ میرے جوتے کی نوک پر رہتا ہے اس سے تم اپنی حیثیت و مقام کا تعین کر لو۔" بے رحم بدلحاظ لہجہ جس میں سوائے تذلیل کے اور کچھ نہیں تھا اماں کا رنگ بتدریج پھیکا پڑ گیا۔ ان کے ہونٹ کچھ کہنے کی کوشش میں کانپے اور آنکھیں اتنی تیزی سے برسیں کہ لاریب بھی ششدر رہ گئی۔

"گستاخی معاف کر دو پتر، ہم تو نوکر ذات ہیں میں دوبارہ کبھی آپ کے کمرے میں نہیں آؤں گی۔" وہ بولیں تو ان کا لہجہ آنسوؤں کی نمی سے بھیگا ہوا اور

رقت آمیز تھا۔ اپنی میلی پرانی سی اوڑھنی سے آنسو رگڑ کر صاف کرتے وہ پلٹ کر کمرے سے چلی گئیں۔ لاریب ہونٹ بھینچے ساکن کھڑی رہ گئی۔ اس بوڑھی عورت کے آنسو دل پر موجود غم اور بوجھ کو بڑھاوا دے گئے تھے مگر اس کی سوچوں میں ابھی بھی آگ جل رہی تھی۔

(میں تمہارا جینا حرام کر دوں گی سکندر، آخر کب تک برداشت کرو گے اور یہ بالکل صحیح طریقہ ہے تم سے جان چھڑانے کا) اس کا منتقم انداز اس پل بھی شدت پسندی لیے تھا۔

❁......◉......❁

"ہوش کے ناخن لے ثانیہ۔ خبردار جواب میں نے تمہارے منہ سے کوئی بات سنی۔" اماں بلا دریغ ثانیہ کو جھاڑنے میں مصروف تھیں۔ جسے ابھی تھوڑی دیر قبل ہی سکندر ساہیوال سے لے کر آیا تھا۔ سکندر کی شادی کی رات ہی وہ خالہ کے ہمراہ ساہیوال چلی گئی تھی کیوں...... وجہ سکندر بھی جانتا تھا اور اماں بھی مگر خالہ نہیں جانتی تھیں۔ جبھی حیران تھیں اور اماں یہی نہیں چاہتی تھیں ثانیہ مزید کوئی حماقت کرے۔ ان کی شدید ڈانٹ فون پر سن کر بھی وہ واپس آنے پر آمادہ نہیں تھی تو اماں نے سکندر کو اسے لینے بھیج دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب وہ یہاں تھی مگر ہرگز بھی خوش نہیں لگتی تھی۔

لاریب نے چادر میں لپٹی سانولی مگر پرکشش لڑکی کو سکندر کے ہمراہ آتے دیکھا تھا مگر وہ اسے جانتی نہیں تھی۔ سکندر کمرے میں آنے کے بجائے اماں کے پاس چلا گیا تھا۔ اب ان کے کمرے سے ہی بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لاتعلق بنی بیٹھی رہی۔

"اسے سمجھا دے سکندر، مجھے دکھی نہ کرے۔" اماں اٹھ کر چلی گئیں۔ سکندر نے سر اٹھا کر ثانیہ کو نہیں دیکھا۔ البتہ اس کی حسرت بھری نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ وہ اس کے غم سے نا آشنا تھی جبھی اسے رشک سے دیکھتی تھی۔

"تمہیں تمہاری محبت کی جیت مبارک ہو سکندر۔" اس کے ہونٹوں پر غم آلود مسکان تھی۔ سکندر نے پھر بھی اسے نہیں دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت جلدی ہے تمہیں اپنی دلہن کے پاس جانے کی؟" اس کے لہجے میں رقابت کی تپش تھی۔ سکندر نے عاجز نظروں سے اسے دیکھا۔

"اپنے جذبوں کو بے مول مت کرو ثانیہ۔ اگر اب تک خاموش رہی ہو تو پھر اب یہ خاموشی اور بھی ضروری ہے۔ مجھے ہرگز اچھا نہیں لگے گا اگر تم اپنا یہ بھرم کھو دو گی۔" اس سے نگاہیں چار کیے بنا کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ ثانیہ سکتہ زدہ بیٹھی رہ گئی۔ پھر یہ سکتہ ٹوٹا تو اس نے اپنا موبائل فون اٹھا کر صفدر کا نمبر سرچ کیا اور کال ملا دی۔

"تم خالہ کو بھیج سکتے ہو صفدر۔ مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔" محض دو فقرے بولنے کے بعد اس نے ادھر کی سنے بغیر فون کاٹ دیا۔ یہ اس سے اگلے دن شام کی بات ہے جب اماں، بہن کو روبرو پا کر حیران ہو رہی تھیں۔ مگر ان کا مدعا جان لینے کے بعد اگر انہوں نے فوری انکار کیا تھا تو وجہ اس کی نااہلی تھی جو پورے خاندان میں مشہور تھی۔ نکما اور کام چور ہی نہیں وہ شرابی اور جواری بھی تھا۔

"آپا غصہ نہ کر، ثانیہ سے بھی پوچھ لے۔ میں اپنی مرضی سے اگر آتی تو کئی سال پہلے کی آ گئی ہوتی۔" خالہ کی بات سن کر اماں کو لگا تھا زمین پھٹی ہے اور وہ اس میں سما گئی ہیں۔ انہوں نے خالہ کو جیسے تیسے ٹال دیا مگر ثانیہ کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔

"تجھے شرم نہ آئی ثانیہ یہ گل کھلا کر آئی ہے تو وہاں۔" اور ثانیہ دکھ سے ہنس پڑی تو آنکھوں میں جھلملاتی نمی اس کے گالوں پر اترنے کو بے قرار ہونے لگی۔

"نہیں اماں، میں نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی۔ حرکت کرنی ہوتی تو یہاں کرتی۔ سکندر کو پانے کو اب تو محض مسلط ہو جانے والے عذاب سے

چھٹکارے کی خواہش ہے۔" اور اماں اس جواب پر دکھ کی اتھاہ گہرائی میں اترتی چلی گئی تھیں۔

"اسے روک لے سکندر ے بھلا کوئی خود بھی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے؟" شام کو سکندر کو ساری بات بتاتے اماں رو پڑی۔ اکلوتی مرادوں سے لی بیٹی کا روگ انہیں کھوکھلا کرنے لگا تھا۔ گم صم تو سکندر بھی ہوگیا تھا۔ اس کے پاس بھی کہاں حل تھا اس مسئلے کا اپنی اپنی جگہ وہ سب ہی دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھے مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ ثانیہ کو اس حماقت کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ جبھی وہاں سے اٹھ کر وہ چھت پر آ گیا جہاں ثانیہ ڈھلتی شام کی ملگجی دھوپ میں بیٹھی پرندوں کو باجرہ ڈال رہی تھی۔ اسے دیکھ کر چونکی اور ڈھلکتا ہوا آنچل پھر سر پر رکھ لیا۔

"زندگی میں سب کچھ ہمارے لیے نہیں ہوتا ثانیہ ہماری قسمت کے فیصلے ہمیں نہیں اللہ کو کرنے کا حق ہے وہ جیسا کرے جو دے اسے لینا اور اسی پر راضی رہنا چاہیے۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ ثانیہ کا جھکا سر کچھ اور جھک گیا اور آنکھیں برس پڑی تھیں کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ کپکپائے۔

"اماں خالہ کو انکار کر چکی ہیں اور......!"

"تم انہیں منع کرو سکندر ے مجھے یہاں نہیں رہنا۔ نہیں ہے اتنا حوصلہ مجھ میں اب۔" وہ ضبط گنوا کر چیخی اور سکندر خائف ہونے لگا۔ کچھ کہے بغیر وہ اس کے پاس بیٹھا اور اس کا کانپتا ہوا ہاتھ سہلایا مگر ثانیہ کسی ایسی جذباتی کیفیت میں تھی کہ اس کا سہارا پاتے ہی ڈھے گئی۔ اس کے کاندھے سے سر ٹیکے وہ جس پل زار و قطار رو رہی تھی لاریب نے اسی پل زینہ طے کر کے اوپر قدم رکھا تھا۔ دونوں کو اس پوزیشن میں دیکھ کر وہ یکدم ٹھٹک گئی۔ کیا تھا اس لمحے اس کی نظروں میں...... استعجاب، غیر یقینی یا پھر گہرا طنز۔ گو کہ سکندر کے ساتھ ثانیہ بھی سنبھل گئی اور تیزی سے سکندر سے فاصلے پر ہوگئی مگر سکندر کے لیے شدید تشویش کا باعث لاریب کا تلخ تاثرات لیے وہاں سے پلٹ جانا تھا۔

"یہ...... لاریب بی بی...... برا مانیں گی نا بہت؟" ثانیہ حراساں تھی جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ سکندر نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوزڈ کیا اور سر جھٹکا۔

"صفدر کسی طرح بھی تمہارے قابل نہیں ہے ثانیہ اگر تم خود کو یہ سزا دو گی تو میں عمر بھر خود کو تمہارا مجرم سمجھتا رہوں گا۔"

"لاریب بی بی غصے میں تھیں، پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا آج تک کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں ہوئی ہم سے اور آج......!" وہ متاسف اور بے حد متفکر سی ہاتھ مسل رہی تھی۔

"پریشان مت ہو، چھوٹے لوگ اور معمولی باتیں ان کے معیار سے بہت نیچے ہیں۔" سکندر کا لہجہ تلخ اور کاٹ دار تھا ثانیہ کے چہرے پر دکھ پھیل گیا۔ وہ اسے ڈوبتی نظروں سے تکنے لگی۔

"مگر تم معمولی نہیں ہو اس بات کا اندازہ انہیں کبھی نہ کبھی ہو جائے گا۔" سکندر کے چہرے کی تلخ مسکان مزید گہری ہوگئی۔ کچھ کہے بغیر وہ نیچے اتر کر آیا تو لاریب کو صحن میں کرسی پر بیٹھے بظاہر میگزین کی ورق گردانی کرتے پایا۔

"یہ لڑکی کیا لگتی ہے تمہاری؟" اس کا مخاطب گھر سے باہر جاتا سکندر تھا۔ اس نے بے اختیار تھم کر اور کسی قدر خائف انداز میں لاریب کی شکل دیکھی۔ اماں بھی وہیں تھیں۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا کچھ بھی الٹی سیدھی ہانک دیتی۔

"کون ثانیہ؟ پتر یہ بہن ہے سکندرے کی۔" اماں نے سکندر کی جانب سے جواب نہ پا کر جلدی سے وضاحت کی۔ سکندر نے لاریب کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکان کی جھلک دیکھی۔

"جو آپ سمجھی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے، بہتر ہے دل میں کسی غلط فہمی کو جگہ نہ دیں۔" وہ تیز قدموں سے

اس کے قریب آیا اور بے حد مدہم آواز میں اس طرح کہا کہ صرف وہی سن سکے۔ لاریب کے چہرے کے زہر خند تاثرات میں حقارت بھی سمٹ آئی۔

"نو آرگیومنٹ اوکے، بیوی سمجھ کر وضاحتیں پیش نہ کرو میرے آگے۔" وہ مدہم مگر سرد لہجے میں غرائی اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سکندر بھی اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

"شادی کیوں نہیں کر لیتے اس سے؟ ویسے بھی تم یہی ڈیزرو کرتے ہو۔" وہ اسے دیکھتے ہی پھنکاری سکندر اسی سنجیدگی سے تکتا کچھ اور نزدیک آ گیا۔

"مجھے آپ سے یہی کہنا ہے لاریب صاحبہ کہ آپ کی دشمنی آپ کی نفرت مجھ تک محدود رہے تو بہتر ہے اپنی فیملی کا ہر فرد مجھے صرف عزیز نہیں ان کی عزت نفس بھی مجھے پیاری ہے۔ میں ہرگز آپ کو اجازت نہیں دوں گا کہ آپ انہیں کسی بھی لحاظ سے ہرٹ کریں۔ میرا خیال ہے آپ بات سمجھ گئی ہوں گی میری۔" اپنی کہہ کر وہ رکا نہیں جس سنجیدگی سے آیا تھا اسی سنجیدگی سے پلٹ گیا۔ لاریب تو گویا گنگ رہ گئی۔

❀ ......۞...... ❀

کسی سے اس لیے بھی دشوار ہے خفا ہونا
منانے آئے گا ہم کو بھی یار مشکل ہے

سکندر برآمدے کے پلر کے ساتھ بچھے تخت پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک بازو آنکھوں پر تھا۔ خالہ کو صفدر کے رشتے سے انکار اور معذرت کی جا چکی تھی جبھی وہ خاصا ریلیکس تھا۔ اماں کچھ فاصلہ پر دھونے والے کپڑوں کا ڈھیر لیے بیٹھی تھیں۔ بابا اپنی بکریوں کا چارہ کاٹنے جانے والے تھے اور درانتی کی دھار کو پتھر کے ٹکڑے پر رگڑ کر تیز کرنے میں مصروف تھے۔ آنگن دھوپ سے بھرا ہوا تھا۔ فضا میں بابا کی درانتی کی رگڑ کی آواز پھیلی ہوئی تھی جس میں کچن سے ثانیہ کے کھانے پکانے کے دوران گاہے بگاہے اٹھتی برتنوں کی کھنک دب رہی تھی۔ تبھی لاریب اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں آ گئی۔ اس کے لمبے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ شعاعیں بکھیرتا نازک سراپا اور بے نیازی و نخوت کا مخصوص تاثر اسے مغرور اور بے تحاشہ دلکش بنا کر دکھاتا تھا۔ سکندر کی نگاہ اس پر ٹھہری تو دل سیرابی کی خواہش کی تکمیل سے نظریں نہیں چرا سکا۔ عجیب سی حسرت عجیب سی بے کسی اس کے دل پر وارد ہونے لگی۔

عجیب راز جنوں تھا جو میرے دل پر کھلا
تیری گلی میں بھی آ کر قرار مشکل ہے
ہمارا کون ہے اہل وفا کی بستی میں
ملے گا کوئی ہمیں غمگسار مشکل ہے

اس کے لبوں سے سرد آہ نکل گئی۔ کچھ خواہشیں کتنی بے مایا ہوتی ہیں مگر ان کی تکمیل کی چاہ ذلت و خواری کی اتھاہ گہرائی میں لے جا کر لمحہ لمحہ تڑپاتی ہے، سلگاتی ہے اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے محبت؟ اس کے دل نے کتنی المناکی کی کیفیت میں دماغ سے سوال کیا تھا۔

"لے بھلا اب یہ سکندرا خود سو گیا۔ ہمیں کہاں یہ مشین چلانی آتی ہے۔ اس وقت بچی تھی تو چلا دیتا۔ کم نبٹ جاتا ہتھ سے وی دھونے نہیں دیتا مجھے، کہتا ہے اماں تیری سہولت کی خاطر تو لایا ہوں مقصد گھر بھرنا اور سجانا تھوڑی تھا۔" گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتی لاریب اماں کی آواز پر چونکی اور بے مقصد انہیں تکنے لگی۔ اس کے باوجود بھی کہ وہ اس سے مخاطب نہیں تھیں بابا سے کہہ رہی تھیں لہجے میں بیٹے کی محبت کا فخر اور مان بول رہا تھا۔ کیسی ہوتی ہے یہ محبت، جھاڑ میں الجھ جانے والے نازک سے کپڑے کی مانند جسے جتنی مرضی احتیاط اور نرمی سے الگ کرو، سوراخ اور چھید پھر بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ لاریب کا دل گداز ہونے لگا۔ یہ وہ عورت تھی جس کی وہ دانستہ قدم قدم پر تذلیل کرنے لگی تھی مگر وہ پھر بھی محبت و شفقت کا سمندر تھیں جس میں اس کی نفرت کی چند بوندیں اپنا وجود لمحہ بھر میں کھو بیٹھتی تھیں۔

وہی آنکھوں سے چھلکتی ممتا بھری چاہ، وہی خصوصی

لگاؤ بھرا بیٹھا انداز جس میں ایسی اثر پذیری تھی کہ لاریب کو اپنے عمل اپنے فعل پر نا چاہتے ہوئے بھی شرمندگی آن جکڑتی اس پل بھی جب وہ باہر آئی تو کیسے انہوں نے اس کا آؤ بھگت کیا تھا۔ بیٹھنے کو کرسی پیش کی تھی۔ اتنے دن ہوئے تھے اسے یہاں رہتے مگر ان کا انداز پہلے دن کی طرح ہی والہانہ ہوتا تھا۔ وہ ان کی محبت کے آگے اپنی نفرت کو بے تاثر پاتی تو اندر تک سناٹے پھیل جاتے تھے۔ سارے منصوبے ساری ترکیبیں خاک میں جاملتیں۔

"تے رہن دے، ضروری ہے ابھی کم کرنا، تھکا ہوا آیا ہے لگ گئی ہے اکھ تو بے آرام نہ کر بڑی مہربانی۔" بابا نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا اور درانتی کے ساتھ چارے کا کپڑا اٹھا کر نکل گئے۔ سکندر نے گہرا سانس بھرا اور کسلمندی جھٹک کر اٹھنے کو تھا کہ یکدم اسی زاویے پر ساکن رہ گیا۔ اس نے حیرت سے لاریب کو اٹھتے اور اماں کے پاس جاتے دیکھا۔ پتا نہیں وہ ان کی مدد کر رہی تھی یا گائیڈ کرنے کی کوشش۔

"پہلے پانی اور سرف ڈال کر اسے آن کریں، ایسے۔" اس نے خود بٹن کو گھمایا پھر کپڑوں کے ڈھیر کی سمت متوجہ ہوئی۔

"کلرز اور وائٹ کپڑوں کو الگ کرلیا کریں تاکہ رنگ خراب نہ ہو۔" کپڑوں کے الگ ڈھیر بناتے ہوئے وہ باقاعدہ سمجھا رہی تھی اور اماں بوکھلائی جارہی تھیں۔ اونچے گھرانے کی نازک مزاج بہو کے کرنے کے یہ کام تھوڑی تھے۔ ان کی بوکھلاہٹ اسی باعث تھی۔ مگر لاریب کسی اور موڈ میں تھی کہ دھیان دیے بغیر لگی رہی۔ شاید اس وقت موڈ بحال تھا اور دل پر رحم کا فطری جذبہ حاوی تھا۔ جبھی ان سے کی گئی زیادتیوں کا معمولی سا ازالہ کرنے میں مگن تھی۔ جھکنے کے باعث اس کے بے حد لمبے سلکی بال ڈھلک کر کاندھوں سے ہوتے آگے جھولنے لگے۔ ان کی اوٹ میں اجلا جھلملاتا ہوا چہرہ گویا چاند کے گرد سیاہ بدلیوں کا جھرمٹ

جدید محاورے

- جاتی وزارت کی شیروانی ہی سہی۔
- خرچ بڑھتا گیا جوں جوں کمائی کی۔
- ایک روٹی ساری دنیا میں گھماتی ہے۔
- کر چوری...... بھر تجوری۔
- شاعر کا منہ کھلے تو وہ محبوب مانگتا ہے۔
- سیاست دان کا منہ کھلے تو وہ ووٹ مانگتا ہے۔
- پولیس کا منہ کھلے تو وہ مک مکا کی صدا لگاتا ہے۔
- ڈاکٹر کا منہ کھلے تو وہ کثیر چارجز مانگتا ہے۔

انا خان مہوش...... رنگ پور

تھا۔ وہ مسحور ہونے لگا۔

"جب بزر بجے گا تو مشین خود بخود رک جائے گی۔ پھر یہ کپڑے نکال کر دوسرے ڈال دیجیے گا۔" وہ اگلی ہدایت دے کر پلٹی اور واپس اپنی کرسی پر جا کر بیٹھنے کی بجائے اس کا رخ برآمدے کی جانب ہوگیا تھا۔ ارادہ کمرے میں جانے کا ہوگا مگر اس پل سکندر کی حیرانی و گڑبڑاہٹ کی انتہا نہ رہی جب اس نے سکندر کے سر پر پہنچ کر ہاتھ بڑھایا اور اس کی آنکھوں پر دھرا بازو ایک جھٹکے سے کھینچا۔

"کیوں دیکھ رہے ہو اس طرح سے مجھے؟" تپتی گھورتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ استفسار کررہی تھی۔ سکندر کے گمان میں بھی نہیں تھا وہ اس کی اس چوری سے آگاہ ہوجائے گی اور استفسار بھی کرے گی۔ جبھی فطری طور پر کنفیوژ ہوکر رہ گیا۔

"مجھے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے۔" اس کا لہجہ حقارت سے بھرپور تھا۔ وہ ایک بار پھر وہی تلخ ترین لڑکی تھی۔ جو اجنبیت تلخی اور نخوت میں ثانی نہیں رکھتی تھی۔ سکندر کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ ہوگیا۔ اس کے خیال میں لاریب کا فقرہ نہیں چابک تھا جو اسے بلبلانے پر مجبور کرگیا تھا۔ لاریب اپنی

بات کہہ کر جا چکی تھی معاً وہ یکدم اٹھا اور تلملاتا ہوا اس کے پیچھے آ گیا۔

"کسی کی شرافت کو اگر بزدلی گردانا جائے تو پھر اس غلط خیال کی تصحیح ضروری ہوجاتی ہے۔ میں محض آپ کی انا اور نسوانیت کا لحاظ کررہا تھا مگر ضروری نہیں یہ لحاظ قائم رکھا جائے۔ مجھے لازماً اپنی پوزیشن کلیئر کردینی چاہیے کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور۔" اس نے جاتے ہی لاریب کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر بے بس کرتے ہوئے اپنے مقابل کیا اور اس کی کسی حد تک حیران اور خوفزدہ ہوجانے والی نظروں میں اپنی آنکھیں گاڑھتا ہوا بے حد درشتی سے بولا۔ لاریب کو اس اچانک پڑنے والی افتاد پر جتنے بھی پتنگے لگے ہوں مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کے سرکش خودسر تیور لاریب کی جان نکالنے لگے تھے۔ شاید وہ اس کی بات کو اپنی مردانگی پر تازیانہ سمجھ بیٹھا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے سکندر، ہوش میں تو ہو تم؟ چھوڑو مجھے۔" وہ اس کے بازوؤں کے آہنی حصار میں پھڑ پھڑائی۔ جتنی بھی اندر سے خائف تھی مگر یہ طے تھا کہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا یہی تنفر سکندر کی سرکشی کو بڑھانے لگا۔

"تم یقین کرو...... تم مجھے غصے میں اور بھی اچھی لگتی ہو، یو نو...... یہ غصہ بھی آس دلاتا ہے امید جگاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی تمہاری بے گانگی کو ختم کردے گا۔ اس بے گانگی میں دراڑیں پڑتی ہیں تو آس اور امید کی روشنی مجھے اجالنے لگتی ہے۔ تاریکیاں تکلیف دہ نہیں رہتیں۔ مستقبل غیر واضح نہیں لگتا۔" اس کے الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ شوخ تھا اس قدر تلخی و تنفر اس کے اندر اتر آیا تھا کہ اس کے ایک ہی جھٹکے کے نتیجے میں لاریب اچھل کر بستر پر گری ساتھ ہی سکندر بھی۔ لاریب خود کو چھڑانے جبکہ سکندر اس پر تسلط جمانے کی کوشش میں تھا اور فطری طور پر سکندر اس پر حاوی تھا۔

اس تصادم اور دھکم پیل کے نتیجے میں پہلے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرا ٹیبل لیمپ لہرا کر زمین بوس ہوا پھر گلدان گر کر ٹوٹا اور عین اس پل جب سکندر کے توانا بپھرے ہوئے وجود کے آگے وہ پر کٹی چڑیا کی مانند مکمل طور پر اس کی تحویل میں جا چکی تھی باہر سے اماں کی پریشان کن اور گھبراہٹ زدہ آواز بند دروازے کے پیچھے سے اس تک پہنچی تھی۔

"سکندرے...... سکندرے پتر خیر تے ہے نا، کی ہویا؟" انہی کی آواز جیسے سکندر کو وحشت کے صحراؤں سے زبردستی کھینچ لائی۔ اس نے اپنے بازوؤں میں پھنسی خزاں زدہ پتے کی طرح کانپتی وحشت چھلکاتی لاریب کو ہونٹ بھینچ کر دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

"یہ مت سمجھیے کہ چھوڑ رہا ہوں آپ کو رات کو پوچھوں گا۔" اس کا لہجہ ہنوز تند تیز اور غصیلا تھا۔ اسے تنفر بھرے انداز میں زور سے جھٹکتا آندھی طوفان کی طرح باہر نکل گیا۔ لاریب کتنی دیر تک اپنے بکھرے حواس بحال نہیں کر پائی تھی۔ بے بسی بے مائیگی کا سسکتا ہوا احساس آنکھوں میں خوف کے باعث ٹھہر جانے والے آنسوؤں کو گالوں پر اتار لایا۔ اس کی دھمکی کو یاد کرکے اس کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔

❀......۞......❀

ہونٹ سختی سے بھینچے سر جھکائے وہ مٹی کے چولہے میں سلگتی آگ کو تکتی تھی۔ کچن کی فضا میں حدت آمیز ملگجا اندھیرا تھا۔ لائٹ اس نے دانستہ بند کردی تھی۔ اماں اور ثانیہ نے کام کاج کے دوران اسے وہاں بیٹھے ضرور دیکھا تھا مگر ظاہر ہے ٹوکنے یا وجہ پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکی تھیں۔ سکندر کچھ دیر قبل ہی گھر پہنچا تھا کھانا اماں نے اسے وہیں کمرے میں پہنچا دیا وہ خائف سی وہیں بیٹھی رہیں۔

"کیا یہ بنا دروازے کا اوپن کچن میری حفاظت گاہ بن سکے گا؟" اس نے خود سے سوال کیا اور بے بسی کے نوکیلے تیر دل میں اترتے محسوس کرکے آنکھوں کو نم ہونے سے بچا نہیں سکی۔ زندگی لاچاری و بے بسی کے

کیسے انوکھے جاں گسل موڑ پر لے آئی تھی۔ باہر وقفے وقفے سے گونجتی آہٹیں مدھم پڑتی گئیں۔

گویا اماں اور ثانیہ کے سارے کام نبٹ گئے تھے۔ جیسے ہی ان کے کمروں کے دروازے بند ہوئے اسی لمحے کا منتظر سکندر باہر آجاتا پھر...... پھر اس کے بعد......! اس سے آگے بے بسی اور وحشت زدگی کے احساس کی ان کہی داستان کا آغاز ہوجاتا۔ لاریب کا بس ہی نہیں چلتا تھا کہ بیرونی دروازہ کھول کر گھر سے ہی بھاگ جائے۔

"آہم......!" سکندر کی مدھم کھنکار پر وہ اپنی جگہ پر ایسے اچھلی جیسے سانپ دیکھ لیا ہو۔ سکندر کی گہری نظروں کا ارتکاز اس کی گھبراہٹ کو پارہا تھا۔

"سونے کا ارادہ نہیں ہے آج؟" اس کا مدھم لہجہ صلح آمیز تھا مگر لاریب کو اس وقت وہ زہر سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔ اس نے خود کو غیر محسوس انداز میں سکڑا۔ وہ بری طرح خائف اور بے امان نظر آتی تھی۔ سکندر کو اس پر رحم آیا۔ وہ اس کے خوف سے اچھی طرح آگاہ تھا۔

"آپ اندر چلیں لاریب اگر میری موجودگی سے آپ ہرٹ ہیں تو پھر ٹھیک ہے میں نہیں جاتا بیڈ روم میں جسٹ ریلیکس۔" اس کا گمبھیر لہجہ بہت مدھم تھا۔ لاریب نے چونک کر بلکہ ٹھٹک کر اسے دیکھا مگر اگلے لمحے نگاہ کا زاویہ بدل لیا کہ وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

"آئی ایم سوری اس وقت میں بہت غصے میں تھا۔ مجھے بہر حال آپ سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ لاریب نے بے اختیار لانبی پلکیں اٹھائیں، سکندر نظریں چار ہونے پر بے بسی سے مسکرایا۔

"اکین سوری میں کبھی بھی کسی بھی معاملے میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا بلکہ اگر میرے بس میں ہوتا تو آپ کی سب سے شدید خواہش جان وار کر بھی پوری کردیتا۔ ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ محافظ لٹیرے نہیں ہوسکتے۔ حالات نے آپ کو بے بس ضرور کیا ہے میں بھی آپ کو جبر اور ناپسندیدگی کے راستوں پر نہیں چلا سکتا۔" وہ ایک بار پھر وہی سکندر تھا۔ دھیما پر خلوص اور خود پر ضبط و جبر کا قائل۔ لاریب پر پہلی مرتبہ اس کی شخصیت کا یہ رنگ کھلا یا شاید پہلی بار دل سے اس کی برداشت ہمت اور اعلیٰ ظرفی کی قائل ہوئی۔ اس کے مدھم لہجے میں کتنی تشنہ آرزوؤں کا قتل تھا یہ بھی عین اسی پل اس پر کھلا تھا مگر وہ اس آخری سوچ پر دانستہ دھیان لگانا نہیں چاہتی تھی۔ سکندر کے اشارہ کرنے پر اس نے اٹھ کر قدم بڑھائے جو دروازے کی چوکھٹ پر جاکر تھم گئے۔ اس نے پلٹ کر سکندر کو تذبذب کی کیفیت میں دیکھا۔

"تم کیا کروگے اب؟" سکندر کی ساری یاسیت اور پژمردگی جیسے اندر سے امڈ کر آنے والی شوخی و شرارت کے آگے بھاپ بن کر اڑ گئی۔

"میں نے تو آج ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی سر کرنے کا گولڈن پلان بنایا تھا مگر...... اب ساری رات سگریٹ پھونکوں گا اور تصویر جاناں سے ہی دل بہلانے کی کوشش کروں گا۔ حالانکہ کامیابی کے چانسز کم ہیں۔" اس کا چہرہ بھلے سنجیدہ تھا مگر آنکھوں سے شرارت کے رنگ چھلک پڑتے تھے۔ لاریب کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشہ سرخ پڑ گیا۔ حجاب آمیز خفگی کا شکار ہوتی وہ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہیں سکی اور اندر گھس کر زوردار آواز سے دروازہ بند کرلیا۔

وہ ہمدردانہ جذبات جو اس کے لیے دل میں جاگے تھے اسی خباثت کی نذر ہوگئے۔ وہ مہر لگا چکی تھی اس سوچ پر کہ وہ گھٹیا انسان ہرگز بھی کسی ہمدردی کے لائق نہیں۔ دوسری جانب سکندر سیڑھیوں کی جانب بڑھتا اب ہلکا پھلکا ہوکر مسکرایا تھا۔ لاریب کا جھنجلاہٹ غصے اور ناراضی کے گہرے تاثر سے سجا چہرہ اس کے تصور کے پردے پر لہراتا تھا۔ اس جھنجلاہٹ نے بھی اس کی خوبصورتی پر اثر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس روپ میں بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کا سبب بن چکی تھی۔ یعنی

طے ہوا تھا حسن ہر عالم میں اثر دکھاتا ہے۔

"میں تمہیں اپنی محبت سے ہی فتح کروں گا لاریب، مجھے ہمت نہیں ہارنی۔" وہ نئے سرے سے پر عزم ہوا۔ محبت انسان کو کبھی مایوس ہونے نہیں دیتی۔

❀ ...... ۞ ...... ❀

کل رات کے تفکر اور غصے کے باعث وہ کھانا نہیں کھا سکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صبح اٹھتے ہی پہلا شدید احساس بے تحاشہ بھوک کا تھا۔ اس نے کسلمندی سے کروٹ بدلی پھر سر اٹھا کر ملگجے اندھیرے میں وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ نو بج رہے تھے صاف مطلب تھا سکندر جاچکا ہوگا۔ اس کا ذہن بے حد ریلیکس ہوا۔ واش روم میں آکر منہ ہاتھ دھونے کے بعد جوڑے کی شکل میں کھلے بال لپیٹتی دروازے تک آئی تو کچھ خیال آنے پر مڑ کر بیڈ کے سرہانے پڑا دوپٹا اٹھا کر شانوں پر پھیلا لیا۔ سکندر بھلے چلا گیا تھا مگر بابا کی موجودگی کا امکان باقی تھا۔ وہ جتنی بھی خودسر بے لحاظ بنتی تھی مگر فطری حیا اور تربیت کا اثر تھا کہ کبھی ان کے سامنے بنا دوپٹے کے نہیں گئی تھی۔ دروازہ اور برآمدہ پار کرکے وہ باہر آگئی۔ آنگن خالی تھا البتہ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازوں کے ساتھ اماں اور ثانیہ کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لاریب صحن عبور کرکے دروازے پر آئی تو اماں کی نگاہ اس پر پڑی۔

"آؤ آؤ پتر! ماں سو واری صدقے جگ جگ جیو۔" ان کا وہی مخصوص والہانہ سا استقبال تھا جبکہ لاریب سکندر کو وہاں براجمان پاکر جی بھر کے بدمزا ہوگئی۔

"اگر بیٹے کی خدمت اور لاڈ ختم ہوگئے ہوں تو میرے لیے بھی ناشتہ تیار کردیں۔" وہ جتنا کلسی تھی اسی لحاظ سے اس کا لہجہ بے زاری و ناگواری سے لبریز تھا۔ سکندر آہ بھر کر رہ گیا۔ یعنی حد تھی رقابت و جیلسی کی بھی جبکہ اس کے برعکس اماں اور ثانیہ کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔ اس کے ماتھے پر آئی کئی شکنوں کے باعث۔

شمائلہ قیوم

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف رائٹرز اور قارئین کرام کیسے ہیں امید ہے تمام لوگ خیریت سے ہوں گے ہر ماہ بہت سی دوستوں بہنوں کے بارے میں پڑھتی ہوں آج سوچا کیوں نہ میں آنچل میں انٹری دوں۔ مجھے شمائلہ کہتے ہیں میری دوست مجھے بیلی کہتی ہیں جی تو دوستو 7 دسمبر کو خوب صورت سے دن عیسیٰ خیل کے قریبی گاؤں شیخانوالہ میں جلوہ افروز ہوئی ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ میرا نمبر چھٹا ہے بہت زیادہ بولتی ہوں فیورٹ کلر بلیک اینڈ پنک ہے۔ نئے نئے لوگوں سے ملنے کا بہت شوق ہے ہر کسی سے فری ہوجاتی ہوں اسی وجہ سے دھوکے بھی بہت کھاتی ہوں۔ فرینڈز بے شمار ہیں جن میں سونیا ارسہ راحیلہ صوفیہ فاطمہ عارفہ مسرت نمرہ انعم بس یہی کافی ہے اللہ حافظ۔

"کیوں نہیں پتر آپ بیٹھو تو سہی میں پراٹھا پکاتی ہوں۔" انہوں نے تیزی سے اس کے ناشتے کا اہتمام شروع کیا تو ثانیہ نے اسے پیڑھی پیش کی۔

"کیوں تکلیف کرتی ہو ثانیہ یہ اپنے کمرے میں ناشتا کریں گی۔" سکندر کی رسان سے کہی گئی بات نے لاریب کا سارا موڈ ہی خراب کردیا تھا۔

اس نے سکندر پر تپتی نظر ڈالی اور پیڑھی اس کے برابر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس پر کچھ جتلانا چاہا تھا۔ عین ممکن ہے اس حرکت کے پس پردہ کوئی جذبہ رقابت کا یا پھر پہریداری کا بھی ہو جس سے وہ فی الحال خود بھی انجان تھی۔ البتہ سکندر دم بخود رہ گیا تھا۔

"آج غالباً سورج مغرب سے نکلا ہے اور مغرب میں غروب ہوگا۔" مسکراہٹ دبائے کہہ کر اس نے نوالہ منہ میں ڈالا۔ صاف اسے ہی نشانہ بنایا گیا تھا لاریب نے دانستہ نظر انداز کردیا۔

"اس عزت افزائی کے لیے شکر گزار ہوں، اگر ساتھ بیٹھ سکتی ہیں تو پھر ناشتے میں شریک ہوکر اس

عزت افزائی میں کچھ مزید اضافہ کردیں۔'' نوالہ توڑ کراس کے منہ کی جانب بڑھایا۔وہ مسکراہٹ دبا کر شریر انداز میں کہتا لاریب کو ٹپٹانے پر مجبور کرگیا۔ اسے یقیناً اماں کی موجودگی میں سکندر سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔لاریب نے ایک نظر اسے پھر اماں کو دیکھنا چاہا مگر نظر ثانیہ سے ٹکرا گئی جو ساکن سی تھی اور اڑے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔ ساکن تو لاریب بھی رہ گئی۔جو نہ گمان تھا نہ شک اس کا یقین ہوگیا تھا اسے۔

ثانیہ اور سکندر...........سکندر اور ثانیہ...........

عجیب احساسات تھے۔اس نے پہلے نگاہ کا زاویہ بدلا پھر ناگواری کے احساس سمیت سکندر کا ہاتھ جھٹک دیا مگر وہ جانے کس دھن میں تھا اس مستی میں مسکرایا پھر اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے زور سے ٹکرا دیا۔

''لکھ کے رکھ لو میں بزدل نہیں ہوں اماں کی موجودگی میں رومینس کرنے والا بزدل ہو بھی نہیں سکتا۔'' وہ ہنس رہا تھا آنکھوں میں لو دیتی چمک اور شرارت تھی۔لہجہ گو کہ سرگوشی سے مشابہہ تھا اس کے باوجود لاریب کا خون کھول اٹھا۔ثانیہ تیزی سے اٹھ کر کچن سے جاچکی تھی۔لاریب کی نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا۔

''یہ جی داری کی نہیں بے شرمی کی انتہا ضرور ہے نان سنس۔'' وہ جواباً دھیمی آواز میں غرائی اور ایک جھٹکے سے اٹھی مگر سن ہو کر رہ گئی جب اپنا ہاتھ سکندر کے سانولے بھاری ہاتھ میں جکڑا پایا۔

''تم کمرے میں آکر ذرا بات سنو میری۔'' پوری قوت صرف کرکے ہاتھ چھڑانے کے بعد وہ پھنکار کر بولی اور جھٹکے سے مڑ کر چلی گئی۔سکندر نے کن انکھیوں سے اماں کو دیکھا ان کا رخ چولہے کی جانب تھا اور پورا دھیان پراٹھے بیلنے میں وہ کھسیا سا گیا اسے لگا اماں جتنی غافل لگ رہی ہیں اتنی ہوں گی نہیں واقعی وہ کچھ زیادہ بہک گیا تھا۔

''اتنی جلدی اثر ہوگیا آپ پر بھی؟'' وہ اندر آتے ہی اسے شوخ نظروں کی گرفت پر رکھ کر بولا لاریب نے پلٹ کر اسے کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

''بکواس مت کرو۔'' وہ غرائی۔

''اس طرح کمرے میں بلوانے کا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے؟'' سکندر ہنوز غیر سنجیدہ تھا لاریب کا دماغ خراب ہونے لگا۔

''ثانیہ کے ساتھ کس قسم کے تعلقات ہیں تمہارے؟'' وہ آنکھیں دکھاتے ہوئے بے حد کڑے تیوروں میں استفسار کررہی تھی۔سکندر یکدم سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا لاریب زہرخند ہوئی۔

''بہتر ہے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو سمجھے؟''

''ویسے نہیں ہیں کم ازکم جیسے آپ سے ہیں۔''

''اس کا مطلب گہرا اور چیپ تعلق ہی ہے۔'' لاریب کی بات نے سکندر کو جیسے جہنم میں دھکیل دیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ چیخا۔لاریب حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''یو شٹ اپ۔ڈونٹ شاؤٹ اوکے؟ اس کا پروپوزل آیا تم نے زبردستی منع کرادیا کیا مطلب ہے اس کا؟'' وہ پھنکار رہی تھی۔

''صفدر ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ ثانیہ کی شادی اس سے کی جاتی۔'' سکندر کو نا چاہتے ہوئے بھی اصل وجہ بتانا پڑی جس نے لاریب کے چہرے پر زہرخند بکھیر دیا۔

''قابل تو تم بھی نہیں میرے لیکن ہوگئی شادی اس کی بھی ہوجانے دو۔'' وہ پتا نہیں آرڈر کررہی تھی یا اس کی قسمت کا فیصلہ۔سکندر کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔

''جب آپ نے خود کو دانستہ برباد کیا آپ کو کسی نے روکا نہیں تھا مگر میں ثانیہ کو کنویں میں چھلانگ لگانے

نہیں دوں گا۔مرضی ہے آپ کی جو دل کرے سمجھ لیں اس کا مطلب۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکنا نہیں چاہتا تھا مگر لاریب نے جھپٹ کر اس کا بازو دبوچ لیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم کرلو اس سے شادی' کم ازکم گناہ سے ہی بچ جاؤ گے۔'' سکندر نے نہ صرف اپنا بازو چھڑایا بلکہ عجیب سی وحشت میں گھرتے اسے زور سے بیڈ پر دھکیل دیا۔

''آپ پاگل ہوگئی ہیں میرے پاس اس پاگل پن کا کوئی علاج نہیں ہے۔'' اس نے دبے ہوئے لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔لاریب جیسے گری تھی ویسے ہی پڑی رہی۔روتی رہی' اسے پہلی بار اپنے رونے کی' اپنے دکھ کی اصل وجہ بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

❀......❀......❀

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کی بار سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آتا ہے
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

فاطمہ نے سرد آہ بھری اور ایک نظر آسمان کو دیکھا۔ وہ ضروری سامان کی خریداری کے لیے مارکیٹ آئی تھی۔تب بادل ضرور تھے مگر بارش شروع نہیں ہوئی تھی۔اب بھیگتے ہوئے جانا انتہائی غیر مناسب بات تھی۔اسے وہ گلابی شام یاد آئی جب ایسے ہی موسم میں وہ ابر رحمت بن کر اس پر چھا گیا تھا۔موسم کی طرح برستا اور بادلوں کی طرح سے خفا خفا سا مگر کتنا اپنا اپنا لگتا تھا۔ وقت گزر گیا تھا مگر یادوں کا سنہرا رنگ اس کی ہتھیلیوں اس کی آنکھوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔

اس نے گہرا سانس بھرا اور کچھ سوچ کر روڈ کی بجائے اندرونی گلیوں کا انتخاب کرنا مناسب سمجھا کہ موسم کی شدت کے باعث گلیوں میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ٹریفک کے اژدھام سے بچتی بچاتی کسی نہ کسی طرح وہ سڑک کراس کرکے فٹ پاتھ پر آگئی۔بارش اب پھوار کی شکل اختیار کرگئی تھی۔بادلوں کے باعث ماحول پر نیم تاریکی کا غلبہ تھا۔موسم کی خنکی ایک تواتر سے جسم میں اتر رہی تھی۔پر ہنگام بھیگی شاہراہ سے وہ نسبتاً سنسان سڑک پر آگئی۔اسٹیڈیم کے عقبی پارک میں بھیگتے سبزے کی ہوا میں رچی بھرپور مہک کو گہرا سانس بھر کر اندر اتارتی وہ تیز قدموں سے چلتی جیسے سرتاپا ٹھٹھک کر تھم گئی۔

بلیک جینز پر ہاف سلیوٹی شرٹ میں ملبوس خود سے بے پروا کسی حد تک بھیگا ہوا وہ عباس حیدر ہی تھا۔خوشی ایک سنسنی کے احساس سمیت اس کے رگ وپے میں سرائیت کرگئی۔اسے یوں غیر متوقع سامنے پانا اس کے لیے جیسے ایک معجزہ تھا۔وہ سب کچھ فراموش کیے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے برابر آکر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

عباس جو اس بھیگی رت میں سگریٹ سلگانے کی ناکام کوشش میں مبتلا تھا اس خاموش ہم سفر کی آہٹ محسوس کرکے چونکا۔گردن موڑ کر کسی قدر بے تاثر انداز میں نگاہ بھر کر اس بے وقوف دیوانی اور پاگل لڑکی کو دیکھا۔خوشی کا جھلملِ کرتا رنگ اس کے چہرے پر سونا بن کر بکھر رہا تھا۔اس کے لبوں کی مسکان ایسی ہی بے اختیار تھی جیسی آسمان سے اترتی بوندیں، جبکہ عباس کی آنکھوں میں برہمی سمٹ آئی۔اسے دیکھنا اذیت کے سمندر کی گہرائیوں میں ڈوبنا تھا۔عریشہ کی بدگمانی عباس کو کانٹوں پر گھسیٹنے لگتی۔

''کیسے ہیں آپ' طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' عباس کی آنکھوں کی بڑھتی جلن اور بھینچے ہوئے ہونٹوں پر اس کی نگاہ جانے کیوں نہیں جاسکی۔یا اس نے دانستہ تغافل برتا تھا۔اس کی ذات سے' اس کے سوالوں سے۔اس کی ساری توجہ دائیں جانب بنی نرسری کے

سرسبز و شاداب پودوں پر تھی۔ اس کے باوجود فاطمہ نے ہمت نہیں ہاری اور گہرا سانس بھر کر اس شاندار قامت رکھنے والے خوبرو وجیہہ انسان کو دیکھا تھا۔ جو خود سے اس درجہ بے پروائی و غفلت برتنے کے باوجود آج بھی دلوں کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

"اگر آپ مجھے یہاں نہ ملتے تو بھی مجھے آپ کے گھر آنا تھا۔ اسامہ اور دیا کو آپ سے ملوانے کے لیے۔ میں سمجھتی ہوں، بچوں کو آپ کی توجہ اور محبت ضرور ملنی چاہیے ورنہ وہ آپ کی پہچان بھی......" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ عباس کے چہرے کے بدلتے تاثرات نے اس کی زبان لڑکھڑا کر رکھ دی تھی۔ وہ پہلے چونکا پھر ٹھٹکا تھا۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں واضح نافہمی کا تاثر تھا۔ جو اس کی ذہنی حالت تھی یقیناً وہ لاعلم تھا اس کے بچے کہاں اور کس حال میں ہیں وہ مسکرائی۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہیں محترمہ نندنی صاحبہ آپ۔" وہ ہلکے سے غرایا۔ بارش اچانک تیز ہوئی۔ بوندیں اس کے بالوں کو بھگو کر اس کے چہرے سے پھسلتی گردن سے ہوکر گریبان میں جذب ہورہی تھیں اسے دیکھنا فاطمہ کے لیے بینائی کا بہترین حق ادا کرنا تھا وہ مسکرائی۔

"بولو...... جواب دو میری بات کا۔" وہ زور سے پھنکارا۔ صبیح پیشانی پر شکن تھی مگر فاطمہ تو اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنہوں نے اس کی کلائیاں وحشت زدگی کے عالم میں جکڑی تھیں اور وہ جیسے مسمرائز ہورہی تھی۔

"میرے بچے گھر پر نہیں ہیں۔ وہ کہاں ہیں یہ میں نہیں جانتا تم جانتی ہو تم جو ان کی کچھ بھی نہیں لگتیں ہاؤ فنی۔" وہ پھنکارا۔ وہ زہریلی ہنسی ہنسا اور رعونت بھرے انداز میں اس کی کلائیاں ایک ساتھ چھوڑ دیں۔ فاطمہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہوئی اور گرنے سے بچی۔ اب ان کے درمیان بارش کی بوچھاڑ مہین پردے کی صورت تنی نظر آنے لگی۔ اس کی خفگی کا احساس ساری خوشی بہا لے گیا۔ اب وہ سراسیمہ ہوتی جارہی تھی۔

"میں نے محسوس کیا تھا بچوں کی صحیح اور مناسب دیکھ بھال نہیں ہورہی۔ جبھی میں انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" وہ مجرم بنی بتارہی تھی۔ الفاظ اس کے حلق سے پھنس کر نکلتے تھے۔ عباس کے تیور اس کی جان پر بن چکے تھے۔

"تم کیا کہا تم نے؟" وہ حلق کے بل چیخا۔ یوں جیسے اس کی جرأت کا تعین نہ کر پارہا ہو۔ اس کی نظروں کا دہکتا آتش فشاں فاطمہ کو بھسم کردینے کے در پر ہوا تھا۔ فاطمہ پوری جان سے کانپنے لگی۔

"تم نے میرے بچوں کو اپنی کسٹڈی میں لے لیا۔ وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر ہاؤ ڈیئر یو۔" عباس کی آنکھوں میں درشتی ناگواری اور شدید ترین غصہ عود کر آیا۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی اور تیور جارحانہ جو فاطمہ کے اعصاب سن کرگئے۔

"چلو کہاں ہے تمہارا گھر۔ میں ابھی بچوں کو ساتھ لے جانا چاہوں گا۔" عباس نے یکدم آگے بڑھ کر جھپٹ کر اس کا بازو دبوچا اور اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ فاطمہ اس افتاد کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ جبھی اس کے ہاتھ سے نہ صرف سامان کا شاپر چھوٹا بلکہ وہ توازن کھوتی اس کے جھٹکے کے باعث اس کے بازو سے جھول گئی۔ اس کے اوسان خطا ہوتے چلے گئے۔

"پ...... پلیز ساحر...... میری بات تو سنیں۔" وہ بے ساختہ گڑگڑائی۔ مدہم لہجہ آنسوؤں سے بھیگا اور لجاجت آمیز تھا مگر عباس کہاں کچھ سننا چاہتا تھا۔

"شٹ اپ! شٹ یور ماؤتھ تم نے اتنی جسارت کیسے کرلی۔ میں ہرگز ایک انڈین غیر مسلم عورت پر اتنا ٹرسٹ نہیں کرسکتا کہ اپنے بچے اس کے حوالے کیے رکھوں۔"

"چھناک......!" فاطمہ کے اندر کچھ ٹوٹا اور ٹوٹتا چلا گیا۔ عباس کے لہجے کا طنز و حقارت اور کاٹ ایسی تھی کہ اسے لگا وہ بے وقعتی بے مائیگی کے احساس کے ساتھ ذلت کے الاؤ میں دھکیل دی گئی ہے۔

عباس کے ہمراہ برستی بارش میں وہ گھر تک آئی تو سر تا پا کانپ رہی تھی۔ وہ اس کی ہمراہی میں یہاں آئی تھی۔ ایسی من چاہی ہمراہی جس کی اس کے دل نے بارہا خواہش کی تھی۔ ایک بار جب وہ اس کے ساتھ شمالی علاقہ جات گئی تھی تو اس نے سوچا تھا دل پسند من چاہا شخص ہمراہ ہو تو وہ بلا جھجک دہکتے کوئلوں اور کانٹوں سے اٹے راستوں سے بھی بنا کسی تکلیف کے ہنسی خوشی گزر جائے گی اور اب اس کے احساسات مختلف تھے۔

"تمہارے اس احسان کا بہت شکریہ، آج کے بعد میں اپنے بچوں پر تمہارا سایہ بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ سو...... بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔" بستر پر کمبل میں سوئے دونوں بچوں کو جیسے تیسے اٹھاتا۔ باہر نکلنے سے قبل وہ اپنی سرخ دہکتی آنکھوں کو اس پر جما کر تحکمانہ انداز میں بولا تھا۔ ایسا تحکم جس میں تنبیہہ بھی تھی اور سرد مہری بھی اس پل عباس کے لہجے میں اگر گھن گرج تھی تو آنکھوں میں چنگاریاں اس کے جانے کے بعد وہ گھٹنوں کے بل گرگئی۔

اسامہ اور دیا کے رونے کی آواز اسے بے بسی اور لاچاری کے ایسے گڑھے میں گرا رہی تھی جس سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ایک بار پھر اس کی خیر سگالی کی کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی تھی۔ اس کا ہر جذبہ چاہے وہ کتنا ہی خالص اور پاکیزہ ہوبے کار جارہا تھا۔ وہ سب کچھ لٹا کر بھی تہی دست ہی داماں تھی۔

❀......❁......❀

سنا تھا ہم نے بچپن میں
کبھی بھی یوں نہیں ہوگا
کہ گندم بو کے جو کاٹو
مگر ہم پہ جوانی میں
حقیقت یہ کھلی ہے کہ
بھلے کتنی خوشی بو لو
محبت کی زمینوں سے
دکھوں کی فصل اگتی ہے

سکندر نے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کرسی پر بہت شاہانہ انداز میں براجمان تھی اور ثانیہ کسی کنیز کی طرح اس کے قدموں میں بیٹھی اس کے پیروں پر کسی لوشن کا مساج کرنے میں مصروف اس کے چاندی جیسے بلوریں گداز پیروں پر ثانیہ کے ہاتھوں کی سانولی انگلیاں بہت زیادہ نمایاں تھیں۔ اس نے کچھ دنوں سے ثانیہ کے لیے لاریب کا رویہ بہت ہتک آمیز محسوس کرنا شروع کیا تھا۔ وہ اسے کسی مالکن کی طرح حکم دیتی اور بات بات پر بے وجہ جھڑکتی تھی مگر آج کی یہ حرکت سکندر کو حد سے زیادہ متکبرانہ اور معیوب لگی۔

"ثانیہ۔" اس سے برداشت نہیں ہوا تو وہ زور سے پکار اٹھا۔ ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ سکندر کو اس کے چہرے پر بے بسی محسوس ہوئی تھی۔

"ادھر آؤ۔" وہ سرد آواز میں بولا لاریب کو اس نے سرے سے نظر انداز کر رکھا تھا جس کی جتلاتی نظروں کو محسوس کرسکتا تھا۔

"مم...... میں سکندر کی بات سن لوں بی بی صاحبہ۔" ثانیہ لاریب کے آگے منمنائی۔ سکندر کا پارہ ہائی ہوا۔

"تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے ادھر آؤ فوراً۔" وہ بھڑک کر چیخا۔ لاریب اسے گھورتی ہوئی یکدم ہنس پڑی۔

"یہ میری اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتی سکندر صاحب، اسے اپنی حیثیت ازبر ہے۔ یقین نہیں تو کوشش کرکے دیکھو۔" لاریب کے لہجے میں تنفر و غرور تھا۔ سکندر ششدر رہ گیا تاسف رنج و ملال اسے شکستہ کرنے لگا۔ اسے گمان تک بھی نہیں تھا لاریب اس درجہ پستی میں بھی گرسکتی ہے۔

"تم اندر آکر بات سنو میری۔" اب کے وہ بولا تو اس کی سرد آواز میں کوئی طوفان پوشیدہ تھا۔

''تم دیکھ نہیں رہے ہو میں پیڈی کیور کروا رہی ہوں۔ پھر رات کچھ کم نہیں ہوتی تمہاری باتیں سننے کو۔''
ثانیہ پر کچھ جتلانے کچھ ثابت کرنے اسے جلانے کی کوشش میں وہ کس راستے پر چل پڑی ہے۔ اسے قطعی احساس نہیں رہا تھا۔ سکندر بھک سے اڑ گیا۔ ثابت ہوا تھا وہ آج بھی اتنی ہی جذباتی اسی قدر احمق اور نادان تھی جتنی آج سے دو سال قبل۔ سکندر نے بھی ثانیہ کا چہرہ متغیر ہوتا دیکھا اور لاریب نے بھی۔ یعنی وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔ ثانیہ کے کانپتے ہاتھ اس کی ذہنی و قلبی حالت کے گواہ تھے۔ سکندر ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ لاریب مسکرائے گئی۔ وہ پور پور زہریلی ہو رہی تھی۔

❀ ......۞...... ❀

اس کے دل پر بوجھ تھا جسے وہ سگریٹ کے دھوئیں میں مدغم کرنے کا خواہش مند تھا۔ آج ثانیہ کی منگنی تھی۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد شادی۔ یہ رشتہ گاؤں سے ہی آیا تھا۔ لڑکا فوج میں حوالدار تھا اور بارڈر پر پوسٹنگ تھی اس کی۔ شکل وصورت عہدہ سب کچھ تھا۔ یہ سکندر کی بھرپور کوشش کا انعام اللہ نے عنایت فرمایا تھا تو اماں کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں مگر ثانیہ سنتے ہی تڑپ گئی تھی۔ کتنا احتجاج تھا اس کی آنکھوں میں' اس کے چہرے پر کتنی اذیتیں رقم تھیں۔
''مجھے یہ شادی نہیں کرنی ہے سکندر' تم ایسا تو نہیں کر سکتے ہو میرے ساتھ۔'' وہ اس کے سامنے بلک پڑی تھی جو اسے مقتل بھیجنے پر کمربستہ تھا۔
''تم کچھ نہیں بولو گی ثانیہ۔ یہی فیصلہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ میں تمہیں یوں ذلت برداشت کرتے نہیں دیکھ سکتا۔'' سکندر نے پہلی بار اس کے سامنے لاریب کے حوالے سے ناگواری ظاہر کی۔
''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے سکندر' میں تو ہر حال میں خوش ہوں۔ بس تم مجھے اس گھر سے نہ نکالو۔'' وہ پھر سسکنے لگی۔
''پلیز ثانیہ، میری مشکلات اور اذیتوں کو نہ بڑھاؤ اتنا تو کر سکتی ہو نا میرے لیے۔'' وہ جانے کس رو میں کہہ گیا تھا اور ثانیہ پہلے سکتہ زدہ ہوئی پھر سراپا تسلیم و رضا بن گئی تھی۔ اس کے بعد اک لفظ بھی اس نے شکایات کا نہیں کہا اور منگنی کا دن آن پہنچا مگر سکندر کے دل پر جبر کا بوجھ تھا۔ اس نے دھواں بکھیرتے ہوئے دروازے کی آہٹ پر بے اختیار گردن موڑی۔ سفید پیروں کو چھوتے لباس میں سراپا روشنی کا جگمگاتا عکس لیے لاریب کسی آسمانی حور سے مشابہہ لگتی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ ایک عرصہ بعد اس نے خود پر توجہ دی تھی اور جیسے آنکھیں چندھیانے لگی تھیں۔
''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' لاریب نے خود کو اس کی نظروں کا فوکس پایا تو صبیح پیشانی پر بل ڈال کر پھنکاری۔
''دیکھ نہیں رہا، گھور رہا ہوں۔'' سکندر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور جتلا کر تصیح کی۔ لاریب جو بال سمیٹ رہی تھی۔ ٹھٹک کر رہ گئی۔ پھر اسے دیکھا اور یکدم کھلکھلا کر ہنس دی۔
''اوہ...... آئی سی' تو غصہ آ رہا ہے مجھ پر مگر تمہاری اس لاڈلی کی شادی میں تو نہیں کرا رہی۔'' وہ بہت بے رخی سے کہہ رہی تھی۔ سکندر نے گہرا کش لیا پھر دھواں اس کے منہ پر چھوڑا۔
''اب تو خوش ہوں گی آپ؟''
''میرے لیے وہ اتنی اہم نہیں ہے سمجھے؟'' لاریب نے پھنکارتے ہوئے کہا اور ناگواری سے ہاتھ سے دھواں ہٹانے کی سعی کرتی پیچھے ہوئی۔
''پھر اس پر یوں ثابت کرنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں کہ آپ میں آپ کے لیے اہم ہوں۔ کس کو دھوکہ دے رہی ہیں آخر آپ؟'' وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ لاریب نے اس پل اس سے نگاہ نہیں چار کی۔ وہ چار کر بھی نہیں سکتی تھی۔ ابھی صبح کی بات تھی جب وہ چھت سے نیچے سیڑھیوں پر آتی جانے کیسے

لڑھک گئی تھی۔ ایک سے دو یا تین اسٹیپ شاید پیر مڑ گیا تھا۔ جبھی اس کی چیخ پر اماں کے ساتھ ثانیہ بھی گھبرا کر بھاگی آئی تھی۔
''کی ہویا پتر؟ سب خیراں کرے رب سوہنا سٹ (چوٹ) تو نہیں لگی کہیں؟'' اماں بے قرار تھیں۔ لاریب نے سکندر کو دیکھا تھا جو اسی پل وہاں آیا تھا مگر فاصلے پر لاتعلقی کا تاثر لیے کھڑا رہا۔
''اٹھ سکتی ہے پتر' تھوڑا چل' پیر میں پیڑ (تکلیف) تو نہیں۔'' اماں نے اسے سہارا دینا چاہا وہ چیخ پڑی۔
''نہیں چل سکتی میں درد ہے پیر میں۔''
''سکندرے پتر توں آگے ہو' پھڑ دھی رانی کو۔'' اماں نے گھبرا کر کہتے سکندر کو پکارا۔ ناچار اسے آگے آنا پڑا۔ اماں اور ثانیہ کی موجودگی میں لاریب کو سہارا دینا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ اس پر لاریب کی نازک مزاجی۔ اس کے بازو پکڑنے کی دیر ہوئی وہ پوری کی پوری اس پر ڈھیر ہوگئی تو سکندر نے بوکھلا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی جانب نہیں ثانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سکندر کا سارا لہو اچھل کر اس کے چہرے اور آنکھوں میں آ گیا۔ کیسی نظریں تھیں۔ جتلاتی ہوئی' جھلساتی ہوئی اور کم ظرف خوشی کا احساس لیے۔ ثانیہ تو پتا نہیں کتنا جھلسی کتنا جلی سکندر ضرور سراپا آگ میں نہا گیا۔ لاریب سے اس حد تک گھٹیاپن کی اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔
''اٹھالو نا مجھے کہا تو ہے نہیں چلا جا رہا مجھ سے۔'' وہ سکندر پر برہم ہوئی سکندر اس بے حجابی پر خود اس کی جگہ ڈوب مرنے والا ہوگیا۔ بس نہیں چل سکا اسے ایک زوردار تھپڑ لگا دے مگر اماں اس کے جھانسے میں آسانی سے آ گئی تھیں۔ جبھی اس کی حمایت لیتے سکندر کو جھڑکنے لگیں۔
''ہائے ہائے سکندرے توں چک (اٹھا) کیوں نہیں لیتا گڈی (گڑیا) سی کڑی ہے پھر بھی اتنا گھبرا کیوں رہا ہے۔'' وہ اپنی سمجھ کے مطابق بولی تھیں۔ بہو کی بے شرمی انہیں محسوس بھی کیسے ہو سکتی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچے اور خود پر جبر کرتے کسی ناگوار بوجھ کی طرح اٹھایا اسے۔ سب سے تکلیف دہ امر یہ تھا کہ لاریب یہ سب کسی کی دل آزاری کی خاطر کر رہی تھی۔ نہ اس کی چاہت میں نہ اپنی خوشی سے۔ یہ محبت کی پامالی تو تھی ہی اس کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی شخصیت بھی مسخ ہو رہی تھی مگر انتقام اور نفرت کی آگ میں جھلستی وہ لڑکی احساس تک نہ رکھتی تھی۔
''یہ لیجیے اور اب بہتر ہے کہ شام تک کم از کم بستر سے نیچے قدم نہ رکھیے تاکہ کچھ تو بھرم رہ سکے آپ کا۔'' اسے کمرے میں لا کر بستر پر تقریباً پٹختے ہوئے اس نے انتہائی تلخی سے کہا اور اس کا وہ بازو بے حد ناراضی سے اپنے گلے سے نکالا جو لاریب نے محض ثانیہ کو دکھلانے کو بڑے ناز بھرے انداز میں تب اس کی گردن میں حمائل کیا تھا۔
''کیا مطلب...... اس بکواس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم کہ میں ڈرامہ کر رہی تھی؟'' وہ سراپا قہر بن گئی۔ سکندر کا انداز ہی اتنا توہین آمیز تھا۔ سکندر نے اسے ٹھنڈی برف ہوتی نظروں سے دیکھا۔
''بہتر ہے ہم اس موضوع پر بات نہ کریں۔ بس اتنا جان لیں کہ مجھے آپ سے اس حد تک ہلکے پن کی توقع نہیں تھی۔'' وہ کہہ کر جھٹکے سے باہر نکل گیا اور لاریب تلملا تو رہی تھی اور اب پھر وہ اس بات کے تنفر کے ہمراہ ایک دوجے کے مقابل کھڑے تھے۔
''وہ اور تم' دونوں جاؤ بھاڑ میں۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔'' وہ پھر بے مہر تھی۔ سکندر کی آنکھوں میں موجود قہر وغضب نے بے بسی کی جگہ لے لی پھر یاسیت کی بھی کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس کھینچا۔
''اگر آپ کی طرح میں بھی خود کو دھوکا دینا چاہوں تو آپ کی یہ توجہ کا احساس پرکشش ہے مگر میرا المیہ یہ ہے کہ میں اصل کے بجائے نقل کو پا کر خوش نہیں ہو سکتا۔ کچھ تو خیال کریں۔ آپ مجھے خوشی نہیں دے سکتی ٹھیک

ہے مجھے غم تو نہ دیں۔" وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا لاریب پاگلوں کی طرح ہنس دی۔

"تم نے برباد کیا مجھے یاد ہے، مگر تم کر چکے اب میری باری ہے۔ اب میں داؤ چلوں گی اور تم تڑپو گے۔ معافی نہیں ملے گی سکندر حیات! اتنا ہی تڑپاؤں گی جتنا تم نے مجھے رلایا ہے سنا تم نے؟" وہ غرا رہی تھی۔ سکندر بے دم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ فرد جرم جو اس پر عائد ہوئی تھی وہ اس کا یقیناً سزاوار نہیں تھا مگر یہ بات جنونی ہوتی لاریب کو کون سمجھتا۔

❁ ......◈...... ❁
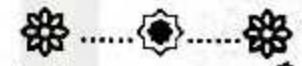
وہی رت جگے پرانے وہی دکھ بھری کہانی
میرے آنسوؤں میں شامل میری داستان پرانی

سکندر نے بال بناتے ہوئے آئینے میں اس کے عکس کو بغور دیکھا پھر گہری سرد آہ بھری۔ ثانیہ کی شادی ہو چکی تھی۔ لاریب پھر سے بے حس لاتعلق اور بے گانہ بن گئی تھی۔ اس نے برش رکھا اور پرفیوم کی بوتل اٹھاتے ہوئے کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔ جو بستر پر تقریباً نیم دراز سیل فون پر مصروف تھی۔

"شہر جا رہا ہوں کام سے کچھ چاہیے تو بتا دیں۔" میرون لیلن کے بے حد کھلتے ہوئے سوٹ میں اس کی گلابی اجلی رنگت لشکارے مار رہی تھی۔ بال لٹوں کی صورت بکھرے تھے اور دوپٹہ ہمیشہ کی طرح ندارد۔ پتا نہیں وہ اس کی قربتوں میں رہ کر بھی اس درجہ بے نیازی و غفلت کیسے اوڑھ لیا کرتی تھی۔ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا پھر نخوت سے ناک چڑھالی۔

"تھینکس مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس کا انداز و رویہ دل شکن تھا۔ سکند کے دل پر چوٹ لگی۔

"چاہیے تو ہوگا' ظاہر ہے انسان کی ضرورتیں ہمیشہ ساتھ رہا کرتی ہیں مگر آپ مجھ سے منگوانا نہیں چاہتیں۔" وہ جتنا خود ترسی کا شکار ہوا لاریب اسی قدر بے زار۔

"جب ایک بات جانتے ہو تو پھر احمقوں کی طرح سوال کیوں کرتے ہو؟" سکندر کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیل گیا۔

"آپ کی زندگی میں میری کبھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کبھی ہوگی بھی نہیں۔ پھر ہمارا ایک ساتھ چلنا اکٹھے رہنا اتنا ضروری تو نہیں ہے۔ آپ کو مجھ سے جان چھڑا لینا چاہیے۔" وہ جتنا ٹوٹ رہا تھا اس لحاظ سے اس کے الفاظ سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ انسان چلتا ہے تو کبھی نہ کبھی منزل بھی آ ہی جاتی ہے اسے لگتا تھا وہ لاحاصل سفر میں مبتلا ہے۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ مگر حالات اس نہج پر آ چکے ہیں کہ تم سے نجات بس موت کی صورت ہی ممکن ہے میری۔"

"اگر موت ہی ضروری ہے تو پھر آپ کی ہی کیوں مجھے آپ کے رستے صاف کر دینے چاہئیں۔" سکندر نے اس کی انتہا کے جواب میں خود بھی انتہا کر دی تھی سفاکی کی۔ وہ واقعی تھک گیا تھا۔ اس خود ترسی خود اذیتی کی زندگی سے کیا اس سے واقعی موت بہتر نہ تھی؟

"تو کیا ارادہ ہے پھر' خودکشی کرو گے؟" لاریب اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ مضحکہ اڑاتا ہوا تمسخرانہ اثر لیے تھا۔ سکندر تمام تر خود اذیتی اور احساس کمتری کے باوجود اپنی جگہ ہل کر رہ گیا۔ رنگ کیسے سفید پڑ گیا تھا۔ سفاکیت اور بے رحمی کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی صورت ہو سکتی تھی۔ لاریب جو اسے بغور تک رہی تھی۔ اس کی کیفیات کو بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو اسے ایسا لگا وہ کسی پل بھی رو پڑے گا مگر خیر گزری۔ وہ ہونٹ بھینچے چہرے کا رخ پھیر گیا۔ دل جیسے آنسوؤں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"اتنی بے مہری' اس قدر سفاکی' یہ لڑکی ہے یا پتھر...... اس کی بے حسی کے آگے مجھے اپنا آپ آتش میں ڈھلتا محسوس ہوتا ہے۔ ایسا غصہ جو سب کچھ تہس نہس کر دینے کے درپے ہو۔ میں اسی کیفیت سے ڈرتا ہوں۔ کہیں میرے اندر کا طیش اور برہمی ظاہر ہو جائے

اور میں اسے ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھوں۔ وہ امید ختم کر دوں جو مجھے اب بھی ڈھارس دیتی ہے۔ جانے کیسا حصار باندھا ہے اس نے اپنے گرد کہ میری محبت میرا وجدان اس کے شعور تک پہنچ ہی نہیں پاتا۔"

"میں جا رہا ہوں، دروازہ بند کر لیں۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ اندر کی ٹوٹ پھوٹ اور اذیت سے پاک تھا۔ لاریب نے اسے نہیں دیکھا اور اپنے موبائل پر گیم کھیلتی رہی۔ کتنا فضول کام تھا یہ بھی مگر سکندر پر توجہ دینے اس کی بات سننے سے کئی درجے بہتر' سکندر جو اس کی ایک نگاہ کا خواہش مند تھا۔ بے حسی کی بھینٹ چڑھتا بالآخر پلٹ گیا تو تھکن کا شدید احساس اس کے قدموں سے لپٹا ہوا تھا۔ دروازہ پار کر کے وہ برآمدے میں آ گیا۔ یہ ہی وہ لمحہ تھا۔ جب غصے میں پھنکارتے کف اڑاتے وقاص نے بیرونی دروازہ ایک طوفانی ٹھوکر سے کھولا اور اندر آن گھسا۔ سکندر اور وقاص دونوں کی یکبارگی نگاہ ملی تھی۔ کتنا قہر و غضب تھا اس کی شرابی آنکھوں میں سکندر کے لیے سکندر تو بھونچکا رہ گیا تھا اسے یہاں دیکھ کر۔

"اوئے...... کمیوں کی اولاد' تیری یہ جرأت کہ ہمارے خاندان کی لڑکی کے ساتھ عیش کرے۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔" اس سے آگے مغلظات کا ایک طوفان تھا جو وقاص کی زبان سے ابل رہا تھا۔ سکندر کہاں اس صورتحال کے لیے تیار تھا۔ جبھی اسے ریوالور نکال کا نشانہ باندھتے نہیں دیکھ سکا۔ خوفناک دھماکے کے ساتھ پسٹل نے آگ اگلی تھی اور جیسے موت کا رقص ہر سو شروع ہو گیا۔ پہلی گولی سکندر کے بازو کا گوشت پھاڑتی شائیں کی آواز کے ساتھ دیوار میں جا گھسی۔ دوسری اس کے کاندھے میں لگی تھی۔ سکندر ایسے تیورا کر زمین پر گرا جیسے کسی مضبوط درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ وہ اتنا کم حوصلہ نہیں تھا کہ یوں گرتا تو پھر اٹھ نہ پاتا۔ اسے اپنی جگہ پر ساکن کر دینے والی لاریب کی ہذیانی چیخیں تھیں جو صورتحال کو جاننے کی خاطر بھاگ کر باہر آتے ہی اس کے حلق سے نکلی تھیں۔

وہ بھی وقاص کو مزید گولی چلانے سے باز رکھنے کو

طاہرہ مہر

السلام علیکم! بادولت کو طاہرہ کہتے ہیں جی تو جناب ستمبر کی ایک سہانی صبح اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی (آہم)۔ امی ابو کی بہت لاڈلی ہوں' پانچ بھائیوں کے بعد اس دنیا میں اپنے ماں باپ کے آنگن کو مہکانے آئی۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن ہوں' سب سے بڑے بھائی شہزاد ہیں جو کہ ماشاء اللہ سے شادی شدہ ہیں' ان کے دو بچے احمد معیز طاہر اور سعدیہ طاہر ہیں۔ اس کے بعد فرہاد بھائی اور جواد بھائی ہیں۔ کلرز میں مجھے بلیک' وائٹ اور پنک پسند ہیں۔ کھانے میں آئس کریم' بریانی اور رس ملائی پسند ہے۔ کھانے کے معاملے میں اتنے نخرے نہیں کرتی' سب کچھ کھا لیتی ہوں۔ کپڑوں میں لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پسند ہے۔ بی ایڈ کر چکی ہوں' آگے ایم اے کرنے کا ارادہ ہے۔ رات دیر تک جاگنا اور چاند کو دیکھنا بہت پسند ہے' چاندنی راتیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ بارشوں کے موسم میں گرم گرم پکوڑوں کے ساتھ چائے پینا بہت پُرلطف لگتا ہے۔ شور شرابا بالکل پسند نہیں' تنہائی اچھی لگتی ہے۔ لائٹ میوزک اور غزلیں شوق سے سنتی ہوں۔ پسندیدہ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' ماہا ملک' ام مریم' عمیرا احمد میری پسندیدہ ہیں۔ دوست بہت ہیں مگر کبھی کسی کو اپنی کمزوری بننے نہیں دیا۔ گڑیا میری بیسٹ فرینڈ ہے' اس کے علاوہ تنزیلہ' عاشی' عینی' نینان' مشی اور جن کے نام یاد نہیں تو مائنڈ مت کرنا پلیز کسی پر بھی حد سے زیادہ بھروسہ نہیں کرتی' ایک دفعہ نتیجہ بھگت چکی ہوں۔ اپنی سب باتیں اللہ سے شیئر کرتی ہوں' سب فرینڈز جہاں بھی غائب ہو رابطہ ضرور کرو' اب اجازت چاہتی ہوں' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

چلائی تھی کبھی سکندر کو وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چھپنے کا کہتی اتنی دہشت زدہ اتنی بدحواس لگ رہی تھی کہ سکندر اپنی تکلیف اپنا بہتا خون بھلائے اسے دیکھے گیا۔ کچھ دیر قبل اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو اپنی سفاکی کے ہمراہ سکندر کے ذہن میں خنجر گاڑھنے لگی۔ موت کو پانے کے لیے خودکشی جیسی حماقت ضروری تو نہیں تھی۔ اس کے اور بھی رنگ اور بھی انداز تھے پھر یہی کیوں نہیں، وہ جیسے وحشت کے صحراؤں میں جا پہنچا۔

"ہٹ جاؤ وقاص، ورنہ میں مار ڈالوں گی تمہیں۔" وقاص کے ریوالور سے گولیاں ختم ہوگئی تھیں۔ شاید جبھی اس نے ریوالور کو جیب میں اڑسا اور شلوار کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی سے بندھا دودھاری خنجر کھینچ کر نکال لیا۔ گویا اس پر پوری طرح خون سوار تھا۔ لاریب کے حواس اس کے ارادوں کی خطرناکی کو بھانپ کر ہی پوری طرح اڑے گئے تھے۔ اس سے قبل وہ سکندر کی آنکھوں میں وہ کیفیت بھی دیکھ چکی تھی جس نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ اگر ایک قتل کردینے کے تیور لیے ہو اور دوسرا مرنے کو بخوشی تیار ہو تو پھر کسی کو قتل کرنا اتنا ہی آسان جتنا جگ میں موجود پانی کو گلاس میں انڈیلنا۔ اب جو بھی کرنا تھا اسے خود کرنا تھا۔

اضطرابی کیفیت میں اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو برآمدے کے کونے میں کلہاڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے کلہاڑی جھپٹ کر اٹھاتی وقاص کو مخاطب کرکے للکارنے کے انداز میں چیخی تھی۔ وقاص جو سکندر سے کچھ ہی فاصلے پر ہی تھا چونک کر مڑا اور لاریب کو بکھرے بالوں کے ساتھ کلہاڑی اٹھاتے دیکھ کر بے ساختہ قسم کا قہقہہ لگانے لگا۔

"افوہ...... ڈاکورانی۔ کیا ایکشن ہے قسم سے مگر یار اپنے بدصورت شوہر کی خاطر اب کیا تم اپنی بہن کو بیوہ کروگی...... سہاگ اجاڑوگی اس کا؟" اس کا لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا ہی نہیں حقارت سے بھی بھرپور تھا۔ لاریب کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشہ سرخ ہوا۔

اس نے اسی طیش وغیض بھرے انداز میں بلا دریغ اس کے سر کے نشانے پر پوری قوت سے کلہاڑی کا وار کردیا۔ جو وقاص کے سر سے تو نہیں ٹکرایا کہ وہ بروقت خود کو سنبھال کر پیچھے کو چت ہوا تھا۔ مگر ٹھک کی زوردار آواز سے وقاص کی ٹانگوں کو ضرور ناکارہ کر گیا۔ لاریب نے پروا نہیں کی اور تیز قدموں سے پلٹ کر سکندر کی جانب آ گئی جو اس کی کارکردگی بلکہ کارنامے پر دم بخود رہ گیا تھا۔ یوں جیسے وہ جو کچھ دیکھ چکا ہوں وہ محض نظر کے دھوکے کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

"اپنے چمچے سے کہو آ کر تمہیں لے جائے۔ ورنہ دوسرا وار ہرگز غلط نہیں ہوگا۔ میں کچھ بھی کرسکتی ہوں، اندازہ تو ہوگیا ہوگا تمہیں۔" سکندر کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے بھی اس کا مخاطب وقاص ہی تھا۔ لہجہ جیسے شعلوں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ اس نے وقاص پر جو نگاہ ڈالی تھی وہ جھلستی ہوئی تحقیر آمیز انگارہ صفت نگاہ تھی۔ وقاص کو صحیح معنوں میں اس سے ڈر لگنے لگا۔ جبھی ہمتیں مجتمع کرتا ٹانگ کو گھسیٹتا کسی نہ کسی طرح رفوچکر ہوگیا۔ فائرنگ کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔ آس پڑوس کے لوگ اپنے اپنے دروازے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے مگر کسی کی ہمت نہ ہوسکی وڈیروں کے معاملے میں دخل دینے کی۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس وقت اماں اور بابا ساتھ والے گاؤں رشتہ داروں کی فوتگی پر گئے ہوئے تھے۔

"آپ یہ زحمت نہ کریں۔ اتنا زخمی نہیں ہوا کہ آپ کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آئے۔ ویسے اس طرح وقاص سائیں کے اڑے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کام ختم ہو رہا تھا۔ جان چھوٹ رہی تھی اور آپ کو کیا چاہیے تھا۔" سکندر جیسے بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ پتا نہیں کس کس آگ میں جبھی اس کے ہاتھ جھٹک دیے اور خود اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ وہ جانتا تھا خدا اگر مشکل راستے نصیب میں لکھتا ہے تو پہلے اپنے بندوں کو ہمت اور حوصلہ کے ساتھ صبر و برداشت کی نعمت سے بھی نوازتا

ہے۔ وہ بھی بے حوصلہ نہیں تھا۔ لہجہ گوکہ دھیما تھا مگر غضب کی ناراضی بے رخی اور تپش رکھتا تھا اپنے اندر۔ لاریب نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا دل جو اس پل کینسر کا پھوڑا تھا اذیت کے ساتھ اس کی کج ادائی پر بھی دکھ سے بھرنے لگا۔

"تم بابا جان کو کال کرکے کسی کو بلوالو۔ ڈاکٹر کے پاس فوری جانا ازحد ضروری ہے بلیڈنگ بہت ہو رہی ہے۔" سکندر کمرے میں آ کر بے دم سے انداز میں بستر پر آ گرا تو لاریب اس کی خود سے برتی بے پروائی پر گھبرا کر بولی تھی۔ سکندر کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر صاف لگتا تھا۔ اس کی ہمتیں ختم ہو رہی ہیں۔ لاریب کی اس کو تکتی نگاہوں میں تشویش بھی تھی اور تفکر بھی۔

"تم اتنے آرام سے کیوں لیٹے ہو سکندر؟ میں نے کہا نا بابا جان کو......!" وہ یکدم چیخی مگر سکندر کو ساکن دیکھ کر خوفزدہ سی نزدیک آ گئی۔ اس نے ہونٹوں کو باہم سختی سے اس طرح دبا رکھا تھا جیسے تکلیف برداشت کرنے کی جدوجہد میں مبتلا ہو۔

"سکندر......!" لاریب کا دل خوف سے بند ہونے لگا۔ کس قدر سہمی ہوئی لگتی تھی وہ سکندر کی خود سے بڑھتی ہوئی بے پروائی اسے سراسیمہ کرنے لگی۔

کسی بھی بات کو کہہ دینا جتنا آسان ہوسکتا ہے اسے ہوتے دیکھنا اتنا آسان ہرگز نہیں۔ اس نے کچھ دیر قبل اسے کھری کھری سنائی تھیں مگر تب ایسا گمان بھی نہیں تھا کہ ایسا ہوجائے گا تو کیا بیتے گی اس پر، گولی اس کے جسم میں تھی اور یہ کتنا خطرناک تھا وہ جانتی تھی مگر سکندر دانستہ اسے دکھ سے دوچار کر رہا تھا۔

"اب کیا کروں میں، یہ تو سن بھی نہیں رہا میری؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"تم مانو گے میری بات؟" لاریب کی نظر اس کے زخموں سے آبشار کی مانند پھوٹتے لہو کے فوارے پر تھی۔ جو بستر کی چادر کو سرعت سے رنگین کرتا جا رہا تھا۔ وہ پھر بھی حواس نہ کھوتی۔ اس کی شرٹ کا گریبان پکڑ کر بے بس لاچار لہجے میں کراہنے کے انداز میں کہتی بلا آخر رو پڑی۔ کچھ ہوجانے کا واہمہ اس کے وجود کو سرد کر رہا تھا۔

"آپ کو وقاص سائیں کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہونے کے باوجود آپ نے آگ کا کھیل کھیلنے سے دریغ نہیں کیا۔ کہاں چھپاؤں گا اب میں آپ کو بتائیں؟" وہ بولا بھی تو کیا لاریب کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا۔

"مجھے بھاڑ میں ڈالو تم اس وقت مجھے صرف تمہاری فکر ہے۔ فار گاڈ سیک کچھ تو خیال کرو۔" وہ بلک رہی تھی۔

سکندر نے جواباً اسے کچھ دیر عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر ہاتھ اٹھا کر جیب سے سیل فون نکالنا چاہا۔ لاریب نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے خود اس کی خون آلود شرٹ کی جیب سے موبائل نکالا پھر اسے دوپٹے سے صاف کرکے تھمایا۔ سکندر نے جب تک نمبر ملایا۔ ملازم کو فوری طور پر آنے کی تاکید کی۔ لاریب اس دوران آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی شرٹ کے بٹن کھول چکی تھی۔

"چپ کرکے بیٹھے رہو سمجھے، میں جو کر رہی ہوں نا کرنے دو مجھے۔" شرٹ قینچی سے کاٹ کر اس کے جسم سے الگ کرتے ہوئے وہ اس کے زخموں کو ہونٹ بھینچ کر دیکھتی خون اپنے دوپٹے سے صاف کرنے میں مصروف تھی۔ جب سکندر نے جانے کس احساس کے تحت روکنا چاہا تھا کہ وہ ڈپٹ کر بولی۔ سکندر بس اسے دیکھتا ہی رہا۔ آخر کیا شے تھی وہ۔ وہ بھی کسی ایک خیال پر متفق نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنا ایک الگ انداز الگ رنگ دکھانے لگتی۔

"اس ہمدردی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ اس کی نظروں کی طرح آنچ دینے لگا تھا۔ لاریب نے بے حد کرب سے گزرتے ہوئے اک نگاہ اسے دیکھا پھر ہاتھ کی پشت سے اپنی بہتی آنکھیں بے

دردی سے رگڑیں۔

"جب عباس مجھے چھوڑ کر گیا اور میں نے تم سے نکاح کرلیا تو سب سمجھتے ہیں میرا ایک ہی نقصان ہوا تھا۔ عباس کو کھو دینے کا نقصان۔ حالانکہ صرف وہی تو نہیں تھا۔ میں نے تمہیں شوہر بنایا تو اس سکندر کو کھو دیا جو میرا دوست تھا۔ اتنا اپنا اتنا قریبی کہ ہر بات بلا جھجک اس سے کہا کرتی تھی۔ یہ ملال اور رنج بھی کوئی چھوٹا اور معمولی نہیں تھا۔ تم میری غلطی معاف کرسکتے تھے۔ پھر سے دوست بن سکتے تھے۔ سکندر مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ شاید کوئی بھی مرد شوہر بننے کے بعد دوستی کا رشتہ نہیں رکھ سکتا۔ وہ بس شوہر ہوتا ہے حاکم و جابر شوہر۔" وہ زاروقطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سکندر گنگ تھا۔ اپنے دکھ اپنے غموں میں مبتلا وہ اس کے مسائل اس کے اذیتوں سے بے بہرہ ہوگیا تھا۔ حالانکہ اس نے تو اس سے محبت کی تھی۔ پھر یہ کوتاہی کیوں کی۔

"ایک ایک کرکے تم نے سارے دکھ مجھ سے علیحدہ کرلیے۔ میں کیسے اٹھاتی یہ اتنے بھاری بوجھ جبھی منہ کے بل جاگری۔ مجھے گرنا ہی تھا۔ اس لیے کہ میں تنہا جی ہی نہ سکتی تھی۔ مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔" سکندر سے کچھ بولا نہ گیا۔ اس نے کچھ بولے بغیر لاریب کو تھام کر خود سے لگالیا۔ لاریب نے کوئی مزاحمت نہیں کی اس کے کاندھے پر سر رکھ کر روتی رہی۔

❁......۞......❁
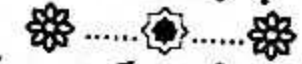
"بابا سائیں کو فی الحال کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھے، میں خود بات کرلوں گا ان سے۔" سکندر نزدیکی شہر سے ٹریٹمنٹ لینے کے بعد واپس آیا تو گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو خصوصی تاکید کی تھی۔ ملازم نے محض سر ہلایا اور سلام کرتا گاڑی لے اڑا۔ لاریب جو بے تابی سے اس کی منتظر تھی لپک کر اسے سہارا دیا۔ سکندر کے ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں ٹھیک ہوں لاریب' کیوں پریشان ہوتی ہیں۔" وہ دانستہ خود کو بشاش ظاہر کررہا تھا۔ لاریب نے کان نہیں دھرا۔ اسے یونہی تھامے ہوئے اندر آئی۔ پھر اسے بستر پر لٹانے کے بعد کمبل اوڑھایا۔

"آپریشن ہوا ہے تمہارا، ایڈمٹ ہونا پڑتا ہے مگر گھر چلے آئے۔ بالکل خیال نہیں تمہیں اپنا۔" وہ جھنجلا کر کہتی رہی۔ سکندر کو یہ توجہ یہ محبت کا احساس بے حد بھا رہا تھا۔ تکلیف کا احساس آدھا بھی نہیں رہ گیا تھا۔ آتش دان جل رہا تھا سکندر کے ٹھٹھرے ہوئے اعصاب اس حدت آمیز ماحول کی گرمائش سے زیادہ لاریب کی توجہ و اپنائیت پاکر زیادہ سکون محسوس کررہے تھے۔

"کھانا کھاؤ گے؟" لاریب چند منٹ میں گرم دودھ کا گلاس لے آئی تھی۔ سکندر کا دل گداز ہوتا چلا گیا۔ اس لڑکی کی ہمدردی و توجہ اتنی پاورفل تھی تو محبت کا رنگ کتنا گہرا ہوسکتا تھا۔ عباس واقعی بہت بدقسمت نکلا تھا۔

"مجھے کھانا نہیں کھانا، تم بیٹھو پلیز میرے پاس۔" سکندر کے نرمی سے ٹوکنے پر لاریب قدرے جھجک گئی۔ انداز میں گریز تھا۔ سکندر نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر بٹھالیا۔ وہ یقیناً اس کے گریز کو پاچکا تھا۔ جبھی اسے ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

"ہم پھر سے دوست بن سکتے ہیں نا لاریب؟" وہ کتنی آس بھری نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ لاریب نے حیران نظریں اٹھائیں۔ گویا پوچھ رہی ہو۔

"ایسا ممکن ہے؟"

"بالکل ممکن ہے لاریب' میں تمہارے یقین تمہارے اعتماد کو کبھی مجروح نہیں کروں گا۔" وہ آہستگی سے مسکرایا اور یوں اپنا ہاتھ آگے کیا گویا عہد دینا چاہ رہا ہو۔ لاریب یکدم گم صم ہوکر رہ گئی۔

(جاری ہے)

مجھے ہے حکم اذاں

اُم مریم

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

میں نے ایک عمر گنوادی ہے تری آنکھوں میں
بھولنے والے تجھے یاد دلاؤں کیسے
وہ رگِ جاں میں اُتر آیا لہو کی صورت
دامنِ دل یہ بتا تجھ کو بچاؤں کیسے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاریب کو کمرے میں سانپ کی موجودگی کا وہم ہوجاتا ہے اسی خوف کی وجہ سے وہ سکندر کی اپنے کمرے میں موجودگی کو برداشت کرتی ہے جبکہ دوسری طرف سکندر اس کی مہربانی کے پیچھے چھپے مقصد کو جان کر نہایت ذلت محسوس کرتا ہے۔ اماں، سکندر کی غیر موجودگی کا لاریب کو بتانے آتی ہیں جس پر لاریب ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ثانیہ، سکندر کی شادی کے روز اپنی خالہ کے پاس چلی جاتی ہے اور بالآخر سکندر کے اصرار پر مجبوراً اسے آنا پڑتا ہے۔ ثانیہ اپنے نفع ونقصان سے بے پرواہو کر صفدر کے لیے خالہ کو ہاں کردیتی ہے۔ جبکہ صفدر کسی طور بھی ثانیہ کے قابل نہیں ہوتا۔ ایسے میں سکندر اسے سمجھاتا ہے ثانیہ اس کی ہمدردی پا کر اپنے آنسو روک نہیں پاتی اور اس کے کاندھے سے لگ کر سسک پڑتی ہے۔ یہ منظر لاریب کو طیش دلانے کا سبب بنتا ہے اور وہ سکندر پر ثانیہ کے حوالے سے مختلف الزامات کی بوچھاڑ کردیتی ہے جس پر سکندر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ ثانیہ کے رشتے پر سکندر کے انکار کو جواز بنا کر اس کی کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتی جبکہ دوسری طرف ثانیہ کو دکھانے کی خاطر وہ سکندر سے خاص لگاؤ اور التفات کا مظاہرہ کرتی ہے جبکہ لاریب کے اس منافقانہ رویے پر سکندر ذلت کا شکار ہوجاتا ہے۔ لاریب سکندر اور ثانیہ کو لے کر اندر ہی اندر خائف رہتی ہے۔ جبکہ اپنے اس جذبے کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پاتی۔ ادھر عباس، عریشہ کے غم میں اپنے گھر بار اور بچوں کو بھی بھول جاتا ہے۔ جب ہی اس کی ملاقات فاطمہ سے ہوجاتی ہے۔ وہ اسامہ اور دیا کے حوالے سے عباس سے بات کرتی ہے جس پر وہ یہ سن کر انتہائی طیش میں آجاتا ہے کہ اس کے بچے اتنا عرصہ ایک غیر مسلم عورت کے پاس رہیں۔ وہ فاطمہ کے گھر سے بچوں کو لے کر نکل جاتا ہے۔ جبکہ فاطمہ اس ذلت آمیز سلوک پر تہی داماں رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف جلد ہی ثانیہ کے لیے اچھا رشتہ آتا ہے اور ثانیہ کو رخصت کردیا جاتا ہے۔ ثانیہ کے رخصت ہوتے ہی لاریب پھر سے بے حسی کی چادر اوڑھ لیتی ہے جبکہ دوسری طرف سکندر بھی اس کے رویے سے مایوس ہوکر لاریب کو کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کا کہتا ہے لیکن لاریب اس کا حل صرف سکندر کی موت قرار دیتی ہے۔ سکندر اس کی سفاکی پر لرز کر رہ جاتا ہے۔ سکندر کے باہر نکلتے ہی وقاص اندر داخل ہوتا ہے اور سکندر پر فائر کھول دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں گولیاں اس کے بازو اور کاندھوں میں پیوست ہوجاتی ہیں جبکہ لاریب اس صورت حال پر گھبرا جاتی ہے۔ دوسری طرف سکندر بھی اپنے دفاع کی کوشش نہیں کرتا وہ اپنی زندگی کے بجائے موت کو ترجیح دیتا ہے ایسے میں لاریب وقاص کو باز رکھنے کی خاطر اس پر کلہاڑی سے وار کرکے شدید زخمی کردیتی ہے۔ اماں بابا کی غیر موجودگی کی بنا پر وہ سکندر کو اندر لاتی ہے اور اس کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ لاریب کے مجبور کرنے پر ہی سکندر ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ جبکہ سکندر اس کی ہمدردی کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسے میں لاریب اسے اپنی محبت کے نقصان اور سکندر جیسے دوست کے کھودینے کا بتاتی ہے جس پر سکندر بھی ساکت رہ جاتا ہے کہ اس میں کچھ حد تک غلطی سکندر کی بھی تھی۔ سکندر تمام احوال جان کر لاریب کے سامنے ایک بار پھر سے دوستی کا وعدہ کرتا ہے۔ جبکہ لاریب سوچ وبچار میں گم ہوجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁……❁……❁

یہ مجھ سے توقعات باندھ رہا ہے۔ پہلے دوستی کے رشتے اور تقاضوں کی پھر شوہرانہ حقوق ملکیت چاہے گا۔ میں اسے کیسے بتاؤں مجھے اس سے نفرت نہیں ہے مگر میں اس سے ایسی محبت بھی نہیں کرسکتی اسے وہ درجہ کبھی بھی نہیں دے سکتی جو عباس کو میرے دل نے دیا تھا۔ اس کا بوجھل دل سسکنے لگا۔ آنکھوں میں بے بسی غم ویاس اور آزردگی کا گہرا تاثر تھا۔ سکندر کا روشن چہرہ بجھا بجھا سا تھا اور آنکھوں کی امید گہری مایوسی میں ڈھل گئی تھی۔ اس نے اپنا بڑھایا ہوا ہاتھ آہستگی سے واپس کھینچ لیا لاریب تب بھی وہ یونہی بیٹھی رہی۔ سکندر نے گہرا سانس بھرا پھر خود کو کمپوزڈ کرتا ہوا بستر سے اتر گیا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں آرام کرنا چاہیے رات بہت ہوچکی ہے۔“ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا۔ سکندر کے چہرے پر ابھی بھی خفت ونظر اندازی کی تمتماہٹ کا تاثر موجود تھا۔ وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی۔ وہ اتنی لاچار و بے بس تھی کہ اس کی توقع پر پوری اتر ہی نہ سکتی تھی۔

”نہیں لیٹ جاؤ سکندر، مجھے تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔“ وہ یونہی نگاہیں پھیرے رسانیت سے کہہ رہی تھی۔

البتہ سکندر رودگنی اذیت کا شکار ہوجاتا ہے۔

”مگر مجھے مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ میں آپ کی طرح جذبات واحساسات سے مبرا نہیں ہوں۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا لاریب بی بی کوئی بھی مرد شوہر بننے کے بعد دوست نہیں رہ سکتا وہ بس شوہر ہوتا ہے۔ جسے عورت سے بس ایک مقصد ہوتا ہے میں واقعی بزدل ہوں۔ اتنا بزدل کہ اس بات سے ڈرتا ہوں اگر اپنی اس غرض کو شوریدہ سری کی نذر کردیا تو آپ کے نقصانات میں تو شاید اضافہ نہ ہو مگر میری محبت پر ہوس پرستی کا ٹیگ ضرور لگ جائے گا۔

دروازہ بند کرلیں۔“ اپنی بات مکمل کرکے وہ رکا نہیں تھا لاریب یوں کھڑی تھی جیسے پتھر کی ہوگئی ہو۔

❁……❁……❁

شرجیل نے اپارٹمنٹ کے دروازے کو ان لاکڈ کیا اور پھر اندر آگیا۔ اپارٹمنٹ میں جامد اور مہیب خاموشی تھی ویسی ہی جیسی اب شرجیل کی روح کے ایوانوں میں سرسراتی پھرا کرتی تھی۔ اس نے بیڈروم میں آکر لائٹ آن کی تو گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی سمعیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دوبارہ سر گھٹنوں میں دے دیا۔ اس کی آنکھوں کے ورم آلود پپوٹے اور متورم چہرہ اس کی شدت گریہ کا گواہ تھا۔ شرجیل نے ایک کے بعد دوسری نگاہ اس پر نہیں ڈالی۔ اس کا دل بہت بوجھل تھا۔

”زارون کو تیار کردو سمعیہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے اسے۔“ اس کی آواز بھی بہت بوجھل تھی۔ سمعیہ ایک بھی لفظ کہے بغیر اٹھ کر کاٹ میں سوئے زارون کے پاس چلی آئی۔ اس نے نہیں پوچھا تھا کہ شرجیل اسے کیوں نہیں لے جارہا۔ پچھلا تلخ تجربہ کافی تھا۔ زارون کے چیک اپ کے دوران ڈاکٹر سمعیہ کو بچے کی ماں سمجھ کر مختلف سوال کرتے ہوئے ہدایات بھی دیتا رہا تھا۔ پھر مسکرا کر شرجیل سے مخاطب ہوا۔

”آپ کی وائف کی ارلی ایج میں شادی ہوگئی تھی غالباً یہی وجہ ہے کہ ماں بن جانے کے باوجود انہیں بچے کی کیئر کرنا نہیں آسکی۔“ شرجیل تو گڑبڑایا ہی تھا۔ سمعیہ نے بھی تڑپ اٹھنے کے انداز میں اسے دیکھا۔

”یہ میری سسٹر ہیں ڈاکٹر، زارون کی ممی ہاسپٹلائزڈ ہیں زارون کی ذمہ داری اس باعث میری بہن کو اٹھانا پڑ رہی ہے۔“ شرجیل کی وضاحت کے باوجود سمعیہ کا دکھ اور شاکی پن ختم نہ ہوسکا تھا۔ کبھی کبھار تو شرجیل کو لگتا اس رات چپ چاپ سمعیہ کو وہاں سے نکال لانے کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہوا۔ مسئلہ تو جوں کا توں تھا۔ وہ بہرحال سمعیہ کو مطمئن اور پرسکون زندگی دینے سے قاصر رہا تھا۔

”آپ مجھے واپس چھوڑ آئیں شرجی بھائی میں اپنی فیملی کا ہر رویہ برداشت کرلوں گی مگر میں لوگوں کا آپ کے

حوالے سے کوئی الزام قبول نہیں کرسکتی۔ ہمیشہ بھائی سمجھا ہے آپ کو میں نے۔" وہ چند دنوں میں ہی ہمت ہار کر رو پڑی تھی اور شرجیل جو پہلے ہی پریشان تھا اور بھی ٹینشن میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"دل چھوٹا نہیں کرتے گڑیا' اللہ پر بھروسہ کرو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ عجلت میں وہاں سے اٹھ گیا۔ امریکا سے ابراہیم احمد کی اس کے لیے کال تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھا مگر ناکامی ہورہی تھی ابراہیم احمد کا نمبر بند جارہا تھا۔

"ہاں ابراہیم احمد' میں شرجیل ہوں یار' کیسے ہو؟" وہ سیل فون کان سے لگائے بالکنی میں آگیا۔ دوسری جانب جو ابراہیم نے کہا وہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"وعلیکم السلام! سوری یار مجھے خیال نہیں رہا ہاں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ٹہلنے کے دوران سگریٹ بھی سلگا لیا تھا۔ گہرا کش لیتے اس کی آنکھوں میں یاسیت کی دھند اتر آئی۔

"نہیں کوئی امپروومنٹ نہیں' کوئی معجزہ ہی اسے ٹھیک کرسکتا ہے ابراہیم احمد۔" ایمان کے ذکر کے ساتھ ہی اس کے گلے میں آنسوؤں کا نمکین گولہ پھنسنے لگا تھا۔

"مجھے تم سے بہت ضروری کام آن پڑا ہے ابراہیم احمد جتنی جلد ممکن ہوسکے یہاں آجاؤ۔" وہ ایک دم موضوع بدل کر بے حد لجاجت سے بولا۔

"نہیں میں فون پر بات نہیں کرسکتا' بس تم آجاؤ پلیز۔" اس کے انداز میں بے کلی و اضطراب تھا پھر اس نے دوسری جانب کی بات سنتے کاندھے جھٹک دیے۔

"کب؟ صورت حال بہت گمبھیر ہے ابراہیم احمد' میں بہت بے چین ہوں پلیز جتنی جلدی ممکن ہوسکے۔" اس نے اصرار کیا پھر الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے کال منقطع کردی۔

"آج سامنے والی آنٹی آئی تھیں۔ ایمان بھابی کے متعلق کرید کرید کر سوال کررہی تھیں۔ مجھے بہت آکورڈ لگا۔" وہ پلٹا تو زارون کو کاندھے سے لگائے سمعیہ دروازے میں کھڑی تھی شرجیل کی آنکھوں میں ناسمجھی کا تاثر ابھرا۔

"آکورڈ کیوں کیا ایمان کو جانتی تھیں وہ خاتون؟"

"نہیں' نہیں یہ لگتا ہے ہم مشکوک لوگ ہیں جن کا کوئی عزیز رشتہ دار تک نہیں' بھائی میں کن الفاظ میں سمجھاؤں آپ کو۔" اس کے روہانسے انداز میں ہچکچاہٹ در آئی شرجیل نے نگاہ کا زاویہ بدلتے ہوئے ہونٹ بھی بھینچ لیے۔

"یہ تھوڑا سا کٹھن وقت ہے سمعیہ' اسے تو ہمیں سہنا اور کاٹنا ہی پڑے گا۔ اللہ سے ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیے۔ تم ریلیکس رہو گڑیا میں مزید کچھ بھی تمہارے ساتھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔" اس کا سر تھپک کر کہتا وہ کتنا بردبار کتنا مشفق لگ رہا تھا۔ حالانکہ شرجیل کی نازک مزاجی اور بے نیازی کی ایک دنیا گواہ تھی مگر حالات نے اسے بہت تیزی سے تبدیل کیا تھا۔

"کھانا گرم کروں بھائی؟" زارون کو کارٹ میں لٹا کر وہ اس کی جانب آگئی۔ شرجیل کسی خیال میں تھا' خفیف سا چونکا اور منع کرتے کرتے کسی خیال کے تحت سوال کیا۔

"تم نے کھالیا؟" وہ جانتا تھا وہ اگر منع کردے گا تو سمعیہ بھی بھوک ہونے کے باوجود نہیں کھائے گی۔ اس کے سر کو نفی میں ہلانے پر شرجیل نے سرد آہ بھری۔ اسے سمعیہ کی بہت فکر رہنے لگی تھی اس کی وجہ سمعیہ کی خود سے بے پروائی تھی۔ وہ ایسے گلاب کے پھول کی مانند تھی جو پوری طرح کھلے بغیر ہی مرجھانا شروع ہوچکا تھا۔

"میں کھانا لگاتا ہوں تم اتنی دیر میں اپنا حلیہ درست کرو' اس روز میں جو کپڑے لایا تھا تمہارے لیے کہاں ہیں وہ؟" سمعیہ کے ملگجے لباس اور بے ترتیب الجھے بالوں کو دیکھتا وہ یکدم پریشان ہوا تھا۔

"الماری میں ہیں اور ان کپڑوں کو کیا ہوا بھائی' میں ٹھیک تو ہوں۔" بے دلی سے کہتی وہ باہر نکلی تو شرجیل تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔

"تم ایسا سلوک کروگی اپنی زندگی کے ساتھ تو مجھے اپنا فیصلہ غلط لگنے لگے گا سمعیہ' پلیز میری شرمندگی اور پچھتاوں کو مت بڑھاؤ۔" آن کی آن میں وہ کس قدر ہارا ہوا انسان لگنے لگا تھا۔ شاید اس کا اصل اب یہی تھا بس سمعیہ کی خاطر خود کو سنبھالے پھرتا تھا۔ اس فیصلے نے سمعیہ

سے نہیں درحقیقت شرجیل سے سب کچھ چھینا تھا۔ گھربار' رشتے ناتے' سہولیات۔ آج کل اس کے پاس معمولی جاب تھی ایسے میں اگر وہ بھی شرجیل کے لیے پریشانی کا باعث ثابت ہوتی تو یہ اپنائیت و محبت کے اصولوں کے سراسر منافی ہوتا۔

"آئی ایم سوری شرجی بھائی' میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا آئندہ شکایت نہیں ہوگی آپ کو آپ بیٹھیں میں کھانا لگالتی ہوں تھکے ہوئے آئے ہیں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی کے ساتھ شرمندگی کا ملال بھی گھلا ہوا تھا۔ شرجیل معصومیت و سادگی کے اس مظاہرے پر جیسے دل سے مسکرایا۔

"سب سے پہلے یہ نوٹ کرلو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں خاص طور پر کنواری بہنیں بھائیوں کی بہت اہم ذمہ داری ہوتی ہیں۔ بس اللہ پاک سے دعا ہے میں اس ذمہ داری سے احسن طریقے سے فارغ ہوجاؤں اور اتنا سا کام کرکے میں نہیں تھکتا۔ تھکانے کا باعث اس باگڑ بلی کی بسورتی شکل ہوتی ہے جاؤ جاکے چینج کرو تب تک میں تمہیں اپنے سگھڑاپے کا تھوڑا سا ٹریلر دکھاتا ہوں۔" شرجیل نے دانستہ اپنے لہجے کو آخر میں خوش گوار بنایا۔

"گڈ' پھر تو ایمی بھابی ٹھیک ہونے کے بعد مجھے دعائیں دیں گی۔" وہ کھلکھلائی تو شرجیل بھی نم آنکھوں سے مسکرانے لگا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے سمعیہ۔" اس کا رواں رواں دعا گو تھا۔

❁......❁......❁

"سکندر......سکندر......!" وہ ابلتی چائے چولہے پر چھوڑ کر اس کے پیچھے بیرونی دروازے تک بھاگتی ہوئی آئی تو سانس پھول رہی تھی۔ سکندر نے اٹھتے قدموں کو روک کر جیسے طوعاً و کرہاً پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کہاں جارہے ہو تم؟" حیرانی کا تاثر اس کی سحر طراز مغرور آنکھوں کی دلکشی اور حسن کو دوآتشہ کرگیا تھا۔ سکندر نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا۔ وہ ان بے مہر آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبنا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" لاریب نے اسے گھورنا چاہا بلیک ڈریس پینٹ پر وائٹ اینڈ گرے لائننگ کی شرٹ میں ملبوس کاندھوں پر مردانہ شال پھیلائے وہ کتنا بے مہر اور سرد لگ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں' شاید تم یہ اہم بات بھول چکے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"تو؟" لاریب کی آنکھیں گویا ابل پڑیں۔ چہرہ غضب کی آنچ سے تمتمانے لگا۔

"یہ بھی اب تمہیں میں بتاؤں کہ تمہیں اب کیا کرنا ہے؟" اس کے بھڑک کر کہنے پر سکندر نے سر جھٹکا۔

"اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔ راستے سے ہٹیں مجھے جانا ہے۔" اس کا لہجہ ہنوز خشک تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا سکندر؟ کل تمہارا آپریشن ہوا ہے اور آج تم گھر سے باہر جارہے ہو۔ دیکھو اگر بابا جان نے بھی بلوایا ہے تو فون پر صورت حال بتادو انہیں کہ......!"

"مجھے آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہٹیں میرے راستے سے......!" اس نے جیسے ہی اسے سامنے سے ہٹا کر طیش میں جانا چاہا لاریب نے بے اختیار ہی اس کے ہاتھ دبوچ لیے تھے۔

"جذباتیت سے ہٹ کر سوچو گے تو ہی میری بات دماغ میں آئے گی نا' وہ بدمعاش کل یہاں زبردستی گھس سکتا ہے تو آج نہیں آئے گا کیا؟ سکندر اس کے ارادے تم سے مخفی تو نہیں۔ اکیلی ہوں گھر پر' تمہارے والدین ہوتے تو اور بات تھی۔" وہ رسانیت آمیزی سے کہہ رہی تھی لہجے میں پھر بھی نرم سی جھنجلاہٹ اتر آئی تھی۔

سکندر کی ترسی ہوئی نظریں لاریب کے ہاتھوں پر جم گئی تھیں۔ جن میں ابھی تک سکندر کی کلائی دبی ہوئی تھی۔ بس کیا صرف یہی کافی نہیں تھا اس کے طیش اس کی برہمی کو اور اشتعال کو مٹانے کو۔ وہ یک ٹک گم صم دیکھتا رہ گیا۔ لاریب نے اچنبھے میں گھر کر اس کی سکتہ زدہ کیفیت دیکھی عجیب ہارا

ہوا انداز تھا۔ نگاہ اس کی نظروں کے تعاقب میں جھکی تو لاریب نے کسی قدر سنبھل کر اپنے ہاتھ واپس کھینچ لیے سکندر ہونٹ بھینچے سر جھکائے پلٹا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"اتنا دیوانہ کیوں ہے؟ اس کی محبت کی شدت سے تو خوف آنے لگا ہے مجھے' ایسا ضبط' ایسی برداشت اور اس پر یہ دیوانگی' کیا کروں میں اس شخص کا؟ نہیں کرسکتی میں اس روپ میں اسے قبول' عباس کے سوا میں کیسے کسی اور کو یہ جگہ دے دوں......"

بے بسی اور رنج و ملال کے اظہار پر آنسو گالوں پر اتر آئے تھے اسے سکندر کا دکھ افسردہ کررہا تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے دکھ دینے پر مجبور تھی۔ چائے ابل کر کیتلی کے کناروں سے باہر آئی تب وہ چونکی اور دلگیر سے انداز میں چائے چھان کر مگ میں نکالی' انڈے وہ پہلے ابال چکی تھی۔ سلائس بھی گرم تھے۔ اس نے ٹرے تیار کی اور بے دلی سے کمرے میں آ گئی۔ سکندر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی عمیق سوچ میں گم تھا۔ آہٹ پر چونک کر متوجہ ہوا مگر اگلے ہی لمحے نگاہ پھیرلی۔ وہ اس پل جیسے اس کے سامنے سے بھی خائف تھا خائف تو لاریب بھی تھی دونوں ہی ایک دوجے سے کترا رہے تھے۔

"ناشتا کرلو تم نے بابا جان کو بتایا؟" ٹرے بیڈ پر اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے آہستگی سے سوال کیا۔ سکندر نے جواب نہیں دیا۔ سائیڈ پر پڑا ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر اس نے ٹی وی آن کرلیا۔ سکندر کی پوری توجہ ٹی وی کی جانب تھی۔ گویا وہ اسے دانستہ نظر انداز کررہا تھا۔ لاریب کو اس پر غصہ نہیں آیا یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے سکندر کی کیفیت کو سمجھا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں سکندر۔" لاریب نے اس کی توجہ حاصل کرنے کو ٹی وی بند کردیا تھا۔ سکندر کا ضبط جواب دے گیا جبھی پھٹ پڑا۔

"کیا بتاؤں میں انہیں' بدقسمتی سے میرے پاس انہیں بتانے کو کچھ بھی قابل فخر نہیں ہے۔" اس کا لہجہ برہم تھا یہ بلا کی برہمی اس بات کی مظہر تھی کہ وہ شدید ذہنی کرب کا شکار ہے۔ ورنہ وہ اس طرح اس سے بات نہیں کیا کرتا تھا۔

"تم انہیں وقاص کی کمینگی کے متعلق بتاؤ اور......!" اس کی بات سکندر کی طنزیہ نظروں کے باعث ادھوری رہ گئی۔

"اور ان کی پریشانی میں اضافہ کردوں' بی بی صاحبہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ پہلے بھی پھولوں کی سیج پر نہیں سوتے رہے۔ بابا سائیں بھلا کیا کرسکیں گے؟ آخر محترم وقاص حیدران کے صرف بھتیجے ہی نہیں داماد بھی ہیں۔" وہ بھڑکا تو پھر غصے میں بولتا چلا گیا۔

"داماد تو تم بھی ہو۔" لاریب کے ٹوک دینے پر سکندر کے سلگتے اعصاب کو جیسے شاک لگا تھا۔ اس نے بے ساختہ چہرہ موڑ کر لاریب کو دیکھا۔ وہ پرسکون تھی سکندر کے وجود میں عجیب سا درد زہر کی صورت تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ اس کا دل چاہا پوچھے تم مانتی ہو اس رشتے کو جب تم نے نہیں مانا تو یہ خود بخود اپنی اہمیت کھو گیا۔

"رشتے دل سے بنتے ہیں کاغذوں پر سائن کردینے سے نہیں۔" سکندر کا لہجہ زود رنجی اور ترش تھا۔

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی مسٹر سکندر حیات! بس اتنا جانتی ہوں مجھے وقاص کی یہ مطلق العنانی بالکل پسند نہیں آئی ہے۔ یہ بھی سن لو آئندہ اگر اس نے اس قسم کی حرکت کی تو میں اسے شوٹ کردوں گی۔ ملامہ اور اپنی زندگی کے انجام کی پروا کیے بغیر بہتر ہوگا تم بابا جان سے بات کرکے اس مسئلے کا کوئی حل نکال لو۔" وہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سکندر ناشتے کی سمت متوجہ ہوا مگر انداز میں بے رغبتی اور بے دلی نمایاں تھی۔ وہ یہ سوچ کر پریشان تھا کہ بابا سائیں کو یہ گمبھیر بات کس طرح بتا پائے گا۔ تین بیٹیاں تھیں مگر تینوں کی جانب سے ہی کڑی آزمائش دیکھنا پڑی تھی۔

❁......❁......❁

گوشہ ذہن میں بے ربط خیالوں کا ہجوم
چشم تنہائی سے چن کر وہی بے باک سے اشک
لمحہ وصل کے اس عہد فراموشی کو
یاد کرتا ہے سسکتا ہے بلکتا ہے بہت
آج بھی دشت مسافت کے کٹھن رستوں میں
جلتی بجھتی ہوئی بے نام رفاقت کی شعاع
عارض وقت کی سرخی پر چھلک پڑتی ہے
پھر سے ملنے کی یہ موہوم طلب اور تڑپ
آج بھی ذہن کے گوشوں میں چمک اٹھتی ہے
آج بھی سورج کے انگار جزیرے میں تو
آنکھ کے نور میں تو دل کے سویرے میں تو
اجنبی شام کی دم توڑتی برسات میں تو
ہے لکیروں کی طرح ثبت میرے ہاتھوں میں
میرے ہونٹوں کا تبسم میرے دن رات میں تو
ہم کلامی کا کوئی واقعہ گزرا بھی نہیں
پھر بھی لگتا ہے موجود ہے ہر بات میں تو
مجھ سے واقف ہی نہیں تیری طبیعت لیکن
طرز افکار میں تو شیوہ گفتار میں تو
تو ہی تو ہے میرے افکار کی ہر شے میں پنہاں
کبھی اقرار کا حاصل کبھی انکار میں تو
کبھی سایہ کبھی نظروں کا سراب
کبھی شبنم کبھی نکہت کبھی رنگ و خوشبو
تو میری نیند میرا دکھ تو میرا صبح و شام
تو مسرت تو میرا غم تو میرا سب کچھ ہے
تو میرا کچھ بھی نہیں پھر بھی میرا سب کچھ ہے

وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی میوزک مدھر سروں میں بج رہا تھا اور سنگر کی پرسوز آواز نے ماحول پر یاسیت کے ساتھ غم و یاس کے تاثر کو مزید گہرا کرڈالا تھا۔ زینب نے بے بسی سے اس کے ہچکیوں سے لرزتے وجود کو دیکھا اور اس کا دل دکھ سے بھرتا چلا گیا۔ ابھی ملازمہ سے فاطمہ کے متعلق سوال کرنے پر کچھ روز قبل کی ساری صورتحال اور پھر فاطمہ کی وحشت اور بے بسی کی داستان اس تک پہنچ چکی تھی۔ محبت کے دشت کی آبلہ پائی نے اسے کہیں کا بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا کہ وہ بدنصیب لڑکی حالات کے تھپیڑے کھانے کو تنہا رہ گئی تھی۔ کچھ مصیبتیں انسان کی اپنی خریدی ہوتی ہیں جو گلے کا کانٹا بنا کر اٹک جایا کرتی ہیں۔

زندگی بے ربط ہو کر رہ گئی تھی اور قسمت اس کے ساتھ عجیب کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ شخص جو ہمیشہ اس سے بے نیاز رہا تھا وہ اب اسے بہت زیادہ دکھ دینے کا باعث بن گیا تھا۔ صرف مایوسی ہی مقدر تھی۔ ایسے میں کیا جواز رہتا تھا کہ وہ پھر بھی اس کی جانب آس مندانہ نظروں سے تکتی مگر یہی تو بے بسی تھی کہ وہ پھر بھی پلٹ نہیں سکتی تھی۔

"فاطمہ۔" زینب کے پکارنے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ زینب کے دل پر چوٹ پڑی۔ وہ ان چند دنوں کے اندر صدیوں کی مریضہ دکھائی دیتی تھی۔ الجھے بے ترتیب بال' پپڑی زدہ خشک ہونٹ اور ملگجا لباس' زینب نے تڑپ کر اسے سینے سے لگالیا۔

"کیا ہوگیا ہے فاطمہ' خود کو سنبھالو۔" زینب نے خفگی سے ٹوکا مگر اس طرح کہ غم کی شدت سے اس کا گلا رندھا جاتا تھا۔

"میں نے ساحر سے کبھی کچھ نہیں مانگا زینی۔ لیکن وہ پھر بھی مجھے خوش نہیں رہنے دیتا وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے زینب' یہی احساس مجھے جینے نہیں دے رہا۔" فاطمہ کے لہجے میں صدیوں کا کرب اور اذیت رچی ہوئی تھی۔ زینب نے اسے نرمی اور محبت سے تھپکا۔

"اللہ سے اپنے لیے صبر کی توفیق مانگو فاطمہ اور یہ معاملہ بھی اللہ کے سپرد کردو' وہ اپنے بندے کی بہتر خبر گیری کرنے والا ہے۔ یاد رکھو' اگر تم اپنے رب پر بھروسہ رکھتی ہو تو وہ بھی اس بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گا۔ تم نے اسلام قبول کیا ہے فاطمہ تو اب اپنے مذہب کو جاننا اور ان تعلیمات پر عمل کرنا تمہارا فرض اولین ہے۔ میں اسی سلسلے میں آئی تھی تمہیں قرآن پاک کی تعلیم کا آغاز کرنا چاہیے اور نماز بھی سیکھو' تاکہ فرض کی ادائیگی کے حوالے سے روز محشر شرمندگی سے بچ سکو۔" زینب کا انداز ایسا دھیما اور پراثر تھا کہ اتنے دنوں سے فاطمہ پر طاری وحشت کو قرار آنے لگا۔

"اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا سکون پوشیدہ ہے فاطمہ' ہاں آزمائش شرط ہے۔" زینب کی نرم گوئی پر فاطمہ نے سرد آہ بھر کر اسے دیکھا۔

"میں اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہوں زینب آپ کو یاد ہے

آپ نے کہا تھا اللہ فرماتا ہے جو میری رضا کو مقدم رکھے گا۔ میں اسے اس کی رضا سے نوازوں گا اور جو میری رضا سے کوتاہی برتے اسے اس کی خواہش میں تھکا دوں گا۔ مجھے تھکنا تو تھا ہی میں اصول فطرت کے خلاف چل کر کیسے من چاہا احساس پاسکتی تھی۔ زینب مجھے اب کے نہیں ہارنا ہے مجھے اللہ کی رضا' اللہ کی اطاعت قبول ہے۔ میں آج تمہارے ساتھ چلوں گی۔ نماز سیکھنے کے لیے قرآن پاک سیکھنے کے لیے۔" وہ زاروقطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور زینب نے طمانیت وآسودگی کے بھرپور احساس سمیت اسے گلے لگا کر تھپکا اور فاطمہ کو لگا تھا اس کے اندر سرسراتی وحشت میں کمی آتی جارہی ہے۔

❁......❁......❁

اس کا چہرہ غم وغصے کی زیادتی سے بے حد سرخ ہورہا تھا۔ آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں لال انگارہ تھیں اور ہاتھ تیزی سے مصروف عمل...... پہلے اس نے اپنے کمرے کی صفائی کی تھی۔ پھر واشنگ مشین کا سوئچ آن کردیا۔ کپڑے مشین میں ڈالے اور پائپ لگا کر جس وقت صحن کی دھلائی شروع کی عین اسی لمحے بیرونی دروازے پر دستک ہونے لگی۔

"اس وقت کون آگیا؟" اس کی سوچیں بھی دل و دماغ کی طرح جھنجلائی ہوئی تھیں۔ پائپ پھینک کر وہ اسی قہرآلود انداز میں دروازے کی جانب لپکی تھی۔

"کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے آخر تم پر؟" وہ آنکھیں نکال کر آتشیں لہجے میں غرائی۔ سکندر نے حیرت زدگی کے عالم میں لاریب کو دیکھا جس کے ہاتھ میں جھاڑو تھی اور دوپٹا حسب سابق ندارد۔ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

"افوہ...... آپ کو کیا ضرورت تھی آخر اس مشقت میں پڑنے کی؟" سکندر نے صاف ستھرے آنگن اور چلتی ہوئی مشین پر نگاہ ڈال کر دبے ہوئے انداز میں ٹوکا۔

"کیوں' تمہارا ارادہ ملازم رکھنے کا ہے یا پھر اپنی بوڑھی ماں سے لینا چاہتے ہو یہ خدمتیں؟" اس کا لہجہ پھنکارتا ہوا تھا۔ سکندر نے جزبز ہوکر اسے دیکھا۔

"ملازم بھی رکھ سکتا ہوں میں' یہ کام آپ نے کبھی نہیں کیے تو جبر نہیں چاہتا میں آپ پر۔" سکندر کی بات کے جواب میں لاریب مضحکہ اڑاتی ہنسی ہنسی تھی۔

"واہ...... ملازم اب خود بھی ملازم رکھنے لگے۔ بہت خوب اور جبر کی بات بھی کیا خوب کہی تم نے' یہ خیال تمہیں اس وقت کیوں نہ آیا' جب تم میری مرضی کے خلاف مجھے بیاہ کر یہاں لائے۔ اگر تم مجھے چپ چاپ چھوڑ دیتے تو بابا جان ان کالے پانیوں کی سزا نہ سناتے مجھے۔ اب یہ اگر میرے اعمال کی سزا بنائی گئی ہے تو قبول ہے مجھے بس مجھے میری سابق حیثیت یاد نہ کرانا سمجھے؟" شدید ہیجان تھا اس کے لہجے میں' سکندر نے بے اختیار اسے تھامنا چاہا مگر وہ فوراً ہی فاصلے پر ہوئی اور بھاگ کر واشنگ مشین کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔ سکندر نے خفت سے چور نگاہ اماں اور بابا پر ڈالی جو اسی وقت واپس لوٹے تھے اور انہوں نے لاریب کی وہ ساری باتیں سن لی تھیں۔ سکندر نے نگاہ چرائی اور تھکے ہوئے انداز میں کمرے میں آگیا۔

وہ جانتا تھا لاریب اس خود اذیتی کا شکار کیوں ہورہی ہے۔ اسے سکندر سے گلہ تھا' حالانکہ سکندر نے اس کے مجبور کرنے پر بابا سائیں سے وقاص والے معاملے پر بات کی تھی وہ کتنے فکرمند ہوگئے تھے یہ سنتے ہی' پھر یہ انہی کا فیصلہ تھا کہ لاریب اور سکندر ان کے ساتھ حویلی میں ہی رہیں گے یہ ضروری تھا۔ باقی کے تمام حفاظتی اقدامات بعد میں ہی عمل میں لائے جاسکتے تھے۔ جن میں بڑے بابا جان کو وقاص کے کرتوت سے آگاہی دینے کے بعد وقاص کو لگام ڈالنے کا اہم کام بھی تھا۔ اس وقت وہ خود لاریب کو اپنے ساتھ لانے کے ارادے سے اٹھ گئے تھے حالانکہ سکندر نے منع کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔

"ایسا مت کریں بابا سائیں' مجھے نہیں لگتا لاریب اس بات پر متفق ہوں۔" وہ ہچکچا کر کہہ رہا تھا۔ لاریب کی ضد اور تنفر ملاحظہ کرلینے کے بعد وہ نہیں چاہتا تھا کہ بابا سائیں کو لاریب کے باعث مزید دکھ اٹھانے پڑیں مگر بابا

سائیں نے جواباً اس کا کاندھا تھپک دیا تھا۔

"تم پریشان نہیں ہو سکندر' میں لاریب کو قائل کرلوں گا۔ بہرحال عزت اور جان سے بڑھ کر نہیں ہوگی اسے اپنی ضد اور انا۔" مگر لاریب نے بابا سائیں کا خیال غلط ثابت کردیا تھا جس وقت وہ گھر پہنچے لاریب دھوپ میں تخت پر بیٹھی چاول صاف کررہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اس کی کیفیت عجیب دکھ بھری ہوگئی تھی۔ کتنا شاکی پن تھا اس کی نظروں میں۔

"آج نہیں پوچھے گی میری بیٹی کہ کیوں آیا ہوں اور کیا بیٹھنے کو نہیں کہوگی؟" وہ اس کی کیفیت کو سمجھتے تھے جبھی بے حد شفقت سے مخاطب کیا۔ لاریب نے کچھ کہے بغیر کرسی لا کر ان کے پاس رکھ دی اور خود ان کے سامنے ٹک گئی مگر یوں کہ نظریں ان سے نہیں ملائی تھیں۔ شاید اپنے آنسو چھپانا مقصود تھا۔

"بابا کو اپنی اس بیٹی پر سب سے زیادہ مان ہے جبھی آج ایک بار پھر ایک تقاضے کے ساتھ آیا ہوں۔" انہوں نے جیسے تمہید باندھی اور لاریب تڑپ اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو مچل کر گالوں پر اتر آئے۔ بابا سائیں کے دل پر گھونسا لگا تھا مگر وہ خود کو سنبھالے رہے۔

"آپ کو یاد ہو بابا جان تو میں نے ایک بات کہی تھی مجھے مار دینے کے بعد مزید اذیت نہیں دیجیے گا۔ آپ سمجھتے ہیں آپ کو اب مجھ سے توقع رکھنی چاہیے؟ اگر پھر بھی ایسا ہے تو میں معذرت خواہ ہوں میں پوری نہیں اتر سکتی۔" اس کے دھیمے لہجے میں بھی بلا کا زہر اور تلخی پوشیدہ تھی۔ بابا سائیں کا وجود جیسے سرد ہونے لگا۔

"وقاص کے حوالے سے تمہیں سب خبر تو ہوگی بات عزت کی حفاظت کی ہے لاریب بیٹے' کیا اب مجھے تمہیں کھول کر سمجھانا پڑے گا۔" ان کا انداز بہت مان لیے ہوئے تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں بابا سائیں' سب کچھ میرے سامنے ہوا ہے میں اس کے باوجود یہاں سے نہیں جاؤں گی' قبر میں دفن ہونے کے بعد مردے اپنی جگہ تبدیل نہیں کیا کرتے۔" اس کے لہجے میں ہٹ دھرمی نہیں تھی بے بسی کے انتہائی درجے کی شوریدہ سری تھی۔ بابا سائیں گنگ بیٹھے رہ گئے۔ یوں جیسے ہلنے کی بھی سکت نہ رہی ہو۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے لاریب؟" وہ بولے تو ان کی آواز جیسے گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"بالکل قطعی اور دوٹوک پتھر پر لکیر سمجھ لیں۔" لاریب نے مدہم مگر سرد انداز اختیار کیا بابا سائیں اس کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

"بیٹے عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا بوڑھے باپ کی بے بسی کا کچھ تو خیال کرو۔" وہ بے بسی کی انتہا کو چھوتے رو پڑے تھے۔ لاریب نے ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔

"میں انسانوں کی حفاظت پر یقین نہیں رکھتی بابا جان' حفاظت کرنا اللہ کا کام ہے اور اللہ ہر جگہ پر موجود ہے مجھے وقاص کے ڈراوے نہ دیں۔" پھر بابا سائیں کو مایوس لوٹنا پڑا۔ سکندر نے ان کی ناکامی کو دل سے محسوس کیا تھا البتہ کوئی تبصرہ نہیں کرسکا۔ وہ ان کے دکھ میں مزید اضافہ کیسے کردیتا۔ البتہ لاریب کو ضرور سرزنش کرنی چاہی تھی جس کے جواب میں اس کا شدید ترین ردعمل بھی سہنا پڑا۔

"آپ کو بابا سائیں کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم تو ان کی فیور کروگے ہی' ظاہر ہے تمہارا مقصد تو اسی طرح پورا ہوگا نا' ان کی جائیداد پر قبضہ ہی تو کرنا چاہتے ہو تم یہ لالچ ہی تھا جس کی بنا پر تم نے میری زندگی جہنم بنا ڈالی مگر سکندر حیات میرا نام بھی لاریب ہے' مرتے مر جاؤں گی مگر تمہیں اس مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" اس کے پھنکارنے پر سکندر کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشا سرخ ہوتا چلا گیا۔

"یہاں سے چلے جاؤ سکندر' ورنہ عین ممکن ہے کہ میں اپنے ساتھ ساتھ تم پر بھی تیل چھڑک کر آگ لگا دوں۔" وہ حلق کے بل غرائی اور سکندر نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے آج تک بات بڑھا کر ملا بھی کیا تھا۔ وہ اس کے لیے بنی ہی نہ تھی وہ اس سے محبت کرہی نہیں سکتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد جب وہ اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھ رہی تھی تب سکندر کی نظر اس کے

ہاتھ کی جھلسی جلد پر جا ٹھہری۔ اس نے بے اختیار مضطرب انداز میں لاریب کو دیکھا۔ جس کی سرخ اور بھیگی آنکھیں گواہ تھیں کہ وہ جی بھر کر دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہی ہے۔

"کیسے جلا ہاتھ' میں منع کرتا ہوں کام سے۔" سکندر نے بے قرار انداز میں کہتے اس کا ہاتھ پکڑ کر زخم دیکھنا چاہا مگر لاریب کا تنفر ہنوز تھا۔

"اپنے کام سے کام رکھو سمجھے' مجھ سے ہمدردی کا کوئی تعلق نہیں ہے تمہارا۔" سکندر ہونٹ بھینچے اٹھا اور تلاش بسیار کے بعد مرہم لے کر اس کے پاس کچن میں آ گیا۔ وہ جلن سے بے تاب ہوتی نل کھولے ہاتھ پانی کی دھار کے نیچے کیے کھڑی تھی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔ سکندر دوہری اذیت کا شکار ہوا کہ لاریب نے اسے دیکھتے ہی خود اذیتی کا شکار ہوتے نل بند کر دیا تھا۔

"لائیں مرہم لگا دوں' وقتی آرام تو ملے گا' پھر ڈاکٹر سے دوا لاتا ہوں۔" سکندر نے اس کا پشت پر چھپایا ہاتھ پکڑنا چاہا تو لاریب نے اشتعال میں آ کر اسے پوری قوت سے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔

"مجھے نہیں ہے ضرورت تمہاری ہمدردی و توجہ کی' سمجھے؟" وہ چیخی تھی سکندر چند قدم پیچھے ہوا پھر لاچاری سے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے میری محبت کی اتنی کڑی سزا نہ دیں لاریب' نہیں دیکھ سکتا میں آپ کی یہ حالت۔" وہ بولا تو شدت جذب سے اس کا لہجہ رقت آمیز تھا' لاریب نے جواب نہیں دیا چپ چاپ آنسو بہائے گئی۔ سکندر نے تذبذب کی کیفیت میں اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر دوا لگانے لگا۔ لاریب نے مزاحمت نہیں کی۔ شاید تکلیف کی شدت اور اندر کی توڑ پھوڑ کے آگے پوری طرح ہمت ہار رہی تھی۔ البتہ سکندر کے اس عمل سے آنسوؤں میں روانی ضرور آ گئی تھی۔ ٹپ ٹپ شفاف قطرے سکندر کے ہاتھ کو بھگو گئے تو اس کا ہاتھ اس زاویے پر ساکن ہو گیا تھا۔

اس میں اتنی ہمت نہ رہی کہ نظر بھر کر لاریب کا تکلیف و رنج میں ڈوبا چہرا دیکھ پاتا۔ البتہ اندر کی شوریدہ سر محبت کے سامنے گھٹنے ٹیکتے جھک کر لاریب کے ہاتھ پر اپنے ہونٹ رکھ دیے تھے۔ لاریب ایک لمحے کو بھونچکی رہ گئی۔ وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی مانند ڈھلک کر سکندر کے کاندھے سے لگ کر بلک اٹھی تھی۔ سکندر جو ایک لمحے کو اس عنایت غائبانہ پر ہک دق تھا اگلے لمحے اسے قیمتی انمول متاع کی مانند بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا تھا ایک طرف شدت غم تھی، بے بسی تھی دوسری جانب محبت کے صحراؤں پر ابر رحمت برسی تھی۔ لاریب کے ابلتے مچلتے آنسو سکندر نے ہونٹوں سے چنے تھے۔ وہ یکدم کتنا اہم کتنا خاص اور انمول ہو گیا تھا۔ پھر لاریب ہی حواسوں میں لوٹی اور تڑپ کر اس کے بازوؤں کے حصار سے نکلی۔ سکندر سے نظریں چراتے اس نے اپنا ڈھلک جانے والا دوپٹا سنبھالا اور رخ پھیر لیا۔ سکندر کی کیفیات انوکھی تھیں۔ دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی در آئی دونوں ہی اپنی اپنی کیفیت کے زیر اثر تھے۔

"تم بابا جان کو منع کر دینا وہ آئندہ یہاں کبھی نہ آئیں۔" لاریب بولی تو اس کا لہجہ سپاٹ تھا وہ مکمل طور پر ان سحر انگیز لمحوں کی گرفت سے نکل آئی تھی۔ سکندر کو مگر سنبھلنے کے لیے صدیاں درکار تھیں۔

"کھانا کھا لیں پلیز۔" سکندر پلٹ کر کمرے سے ٹرے اٹھا لایا۔ ٹرے رکھ کر اس نے پہلے لاریب کو پیڑھی پر بٹھایا پھر خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ لاریب اس وقت چونکی تھی جب سکندر نے نوالہ توڑ کر اس کے منہ کی جانب بڑھایا تھا۔ چہرے پر ہی نہیں نظروں میں بھی لجاجت آمیز گزارش تھی۔ جانے کیا ہوا لاریب کی آنکھیں پھر سے پانیوں سے چھلک گئی۔

"یہ شخص میرے اتنے ناروا سلوک کے باوجود اتنی محبت کیوں کرتا ہے جو جکڑ لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر تو نے مجھے اس نعمت سے نوازنا ہی تھا تو پھر عباس کو کیوں نہیں دیا مجھے یہ جو ایک معمولی انسان ہے تو نے اس کی خواہش کو میری خواہش پر مقدم جانا' کیوں؟ کیا مجھ سے تو محبت نہیں کرتا تھا' کیا سمجھوں میں میرے اللہ میرے دل کو عباس کی اتنی چاہ اتنا پاگل پن نہ بخشا ہوتا جس نے مجھے کسی اور کے قابل رہنے ہی نہ دیا۔"

سکندر کا ہاتھ زور سے جھٹکتی پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ اٹھ کر کمرے میں گئی۔ سکندر سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کے نافہم جال میں الجھتا رہا۔

❁......❁......❁

موسم خنک اور دھوپ سنہری تھی کھڑکی سے سڑک کے منظر میں رواں ٹریفک میں زندگی کا ایک بھرپور احساس جاگ رہا تھا مگر اس کے اندر جیسے زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ دم توڑتی جا رہی تھی۔ وہ باقاعدگی سے زینب کے پاس جاتی تھی مدرسہ' قرآن پاک پڑھنا' نماز سیکھنا ہرگز آسان مرحلہ نہیں تھا وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ شخص ہر پل ہر لمحہ اس کے حواسوں پر مسلط رہتا تھا۔ وہ وضو کر رہی ہوتی عباس کی شبیہہ اس کی آنکھوں میں آ ٹھہرتی۔ وہ نماز کو کھڑی ہوتی تو زینب کو بار بار ٹوک کر اس کی تصحیح کرانا پڑتی۔ جب صبر کا مزید یارا نہ رہا تو وہ زینب کے آگے سسک پڑی تھی۔

"میں بے بس ہو گئی ہوں زینب' مجھے لگتا ہے اگر ایک دن اور مزید میں اسے نہ دیکھ پائی تو میرا دل دھڑکنے سے انکار کر دے گا۔" اور زینب اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"تمہیں صبر کرنا چاہیے صبر سے اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔" زینب نے اس کے آنسو پونچھے تو اس نصیحت پر سیل رواں میں مزید شدت آ گئی تھی۔

"صبر ہی تو تمام ہو گیا ہے زینب' جب تک وہ مجھے ملا نہیں تھا میں اندر جاگتی وحشتوں کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتی تھی مگر اب...... اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا' میں یہاں سے واپسی پر ہر روز اس کے گھر کے آگے کھڑی رہتی ہوں۔ محض اس آس پر کہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھنے کو مل جائے۔" زینب نے سرد آہ بھری۔

"قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔ مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔ تمہارے لیے دونوں رستے کھلے ہیں خود کو اللہ کے حوالے تو کرو' ہر بے قراری کو قرار مل جائے گا۔" زینب اس کے سر کو تھپتھپا رہی تھی۔ فاطمہ نے آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیسے کروں اللہ کے حوالے خود کو؟"

"وقت تہجد نماز ادا کرو' پھر سجدہ میں جا کر اللہ سے رہنمائی مانگو، صبر اور شکر دونوں کا ہی بڑا اجر ہے۔ صبر مصیبت کو ٹالتا ہے اور شکر نعمت کو بڑھاتا ہے۔ اپنی زندگی میں اس کا تجربہ ضرور کر کے دیکھو ہمیشہ کامیاب رہو گی۔" فاطمہ نے ہاتھ سے اپنے گال رگڑ کر آنسو صاف کر دیے۔

"میں کوشش کروں گی۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔ اس کے انداز میں بے دلی تھی۔ مگر زینب نے جس جذبے کے ساتھ اس کا کاندھا تھپکا تھا اس میں نہ بے دلی تھی نہ مایوسی بلکہ امید اور آس کا قوی یقین اس کے لمس میں جاگتا تھا۔ وہی یقین و اعتبار جو ایک کامل مسلمان کا ہر حال میں اپنے رب پر قائم رہتا ہے اور یہی یقین و اعتبار کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے۔

❁......❁......❁

کچھ پنچھی جھنڈ میں اڑتے ہوں
اور رستہ بھی کچھ مشکل ہو
کچھ دور افق پر منزل ہو
ایک پنچھی گھائل ہو جائے
اور بے دم ہو کر گر جائے
تو رشتے ناتے پیارے سب
کب اس کی خاطر رکتے ہیں
اس دنیا کی ہے ریت یہی
جو اڑتے ہو تو ساتھ بہت
جو رک جاؤ تو تنہا ہو

اس نے گہرا کش بھرا اور دھوئیں کو بکھرتے ہوئے دیکھنے لگا۔ عجیب سی فضا تھی حبس زدہ یا پھر اس کے اندر ہی اتنا غبار چھا گیا تھا۔ جیتی ہوئی بازی عین موقع پر آ کر ہار دینا کیسے نڈھال کر دینے والے احساس سے دوچار کر دیا کرتا ہے کنویں کے پاس آ کر تشنگی نصیب ٹھہرنا وہی جان سکتا ہے جو اس کیفیت سے دوچار ہو چکا ہو۔ اس کی حالت ہارے ہوئے جواری کی سی تھی۔ وہ گم صم تھا بظاہر کتنا

مضبوط تھا وہ‘ مضبوط ہی تو تھا۔ جو اس وقت بھی نہیں ڈگمگایا تھا جب سارے گھر کا سکون درہم برہم ہوگیا تھا۔ شرجیل کا سمعیہ سمیت روپوش ہوجانے پر۔

کتنے انتشار‘ اضطراب اور وحشت کا راج ہوگیا تھا علوی ہاؤس کے ہر مکین کے چہرے پر مگر وہ مطمئن و سرشار ہی رہا۔ وہ واقعتاً شرجیل کے اس اقدام پر دل میں آسودگی محسوس کرتا تھا۔ شرجیل کا انداز کسی قدر مجرمانہ ضرور تھا مگر تھا بڑا بروقت اور ضروری۔ پھر وہی تھا جس نے سب سے زیادہ اپنی شادی کا غل اٹھایا تھا لڑائی جھگڑے طعنے اور الزامات کے باوجود علوی ہاؤس کے بزرگ شادی کو ملتوی کرکے دوسری مرتبہ لوگوں سے انگلیاں نہیں اٹھوا سکتے تھے۔

سمعیہ کے متوقع سسرالیوں سے معذرت کرلی گئی اور سمعیہ کے حوالے سے جھوٹی داستان سنا کر خود کو بری الذمہ کرنے کی کوشش بھی۔ مگر سیانے کہہ گئے ہیں درانتی کے ایک طرف دھار دنیا کے دونوں طرف۔ کچھ ایسی ہی کاٹ سہنی پڑی تھی علوی ہاؤس کے مکینوں کو لوگوں کی زبانوں سے۔ صحیح معنوں میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ مگر ڈھٹائی اور سینہ زوری میں بھی کمال درجے کا نام کمایا تھا۔ جبھی پروا کیے بغیر خم ٹھونک کر دنیا کا مقابلہ کیا۔ پھر یہ فراز کی دھمکیاں ہی تھیں کہ اس کی شادی میں تمام تر رسمیں دھوم دھام سے ہوئیں اور بارات اپنے مقررہ وقت پر ہی گئی اور دلہن کو رخصت کرا کر لے آئی۔ فراز ایسے تھا جیسے دنیا فتح کرلی ہو۔ محبت کو فتح کرنا دنیا کو فتح کرنا ہی تھا۔ مگر جیت ہر بار مقدر بنے ضروری نہیں وہ بھی عین موقع پر آ کر شکستگی سے دوچار کردیا گیا۔

دلہن کی خاموشی اور کسی حد تک ناگوار تاثرات کو اس نے بھی محسوس کیا تھا مگر زیادہ اہمیت نہ دی۔ اریبہ کی نازک مزاجی سے آگاہ تھا جبھی یہ سمجھا کہ وہ طویل رسومات کی ادائیگی کے باعث جھنجلائی ہوئی ہے حجلہ عروسی تک اس کی رسائی بڑی مشکلوں سے اور بھاری نیگ دینے کے بعد ممکن ہو پائی تھی مگر بیڈروم میں قدم رکھتے ہی وہ صحیح معنوں میں حیران رہ گیا۔

گلابی سلکی لبادے میں وہ چہرے پر خنگی کے تاثرات لیے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑی ہاتھوں پر کلینزنگ ملک کا مساج کرتی کہیں سے بھی چند گھنٹے قبل بیاہ کر لائی گئی دلہن نہیں لگتی تھی۔ اس پر ستم اس کے کانوں پر لگا ہینڈ سیٹ‘ وہ نہایت اطمینان سے مصروف گفتگو تھی۔ جس کا سلسلہ فراز کی آمد کے بعد بھی نہیں تھما تھا۔

”کسی کی اتنی مجال ہے کہ مجھے کچھ کہہ سکے اور سنو یہ رات اہمیت کی حامل اس صورت میں ہوتی اگر اس بندھن کو میں نے دل کی آمادگی سے باندھا ہوتا۔“ فراز پر ایک اچٹتی ناپسندیدہ نگاہ ڈال کر وہ اپنی مخاطب سے کہہ رہی تھی۔ انداز حد درجہ درشت تھا۔ ہتک کے احساس نے فراز کا چہرہ دہکا ڈالا۔ وہ جیسے اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہیں رہا۔

”کون ہے فون پر؟“ فراز نے سیل فون اٹھا کر رابطہ منقطع کیا پھر خود پر جبر کرتے ہوئے تحمل سے بولا۔ اس کے لیے یہ احساس ذلت سے مار ڈالنے والا تھا کہ اس کی بیوی کسی تیسرے فریق کے سامنے اسے دو کوڑی کا کر گئی ہے۔

”او مسٹر ہاؤ ڈیئر یو‘ تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والے؟“ اریبہ اس جسارت پر بھڑک کر جھٹکے سے اٹھی اور اسی اشتعال میں اسے زور سے دھکا دیا۔ انداز میں نفرت و حقارت کا احساس اتنا گہرا تھا کہ فراز تو دکھ اور صدمہ سے گنگ ہونے لگا تھا۔

”اریبہ...... بات کرنے کی تمیز ہے تمہیں اور یہ سب......!“ فراز نے ہونٹ بھینچ کر اطراف میں متاسفانہ نظر ڈالی۔ اس کی ارمانوں سے کرائی گئی ڈیکوریشن کو کس بے دردی سے اجاڑا تھا اریبہ نے۔ مسہری کے گرد تنے باریک جالی کے ریشمی پردے اور پھولوں کی لڑیاں بے ترتیبی سے کارپٹ پر ڈھیر تھیں۔ بیڈ کور جس پر اس مہارت سے گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں کہ بیڈ کور کا اصل رنگ چھپ گیا تھا۔ پتیوں سمیت کھینچ کر گول مول کرکے کونے میں پھینکا ہوا تھا۔ فراز کے ارمانوں کا ہی نہیں دل کا بھی خون ہوا تھا۔

”ہاں بولو رک کیوں گئے تم پوچھو جو پوچھنا ہے؟“ وہ

بپھری ہوئی موج کی مانند اس کے سامنے آئی تھی لہجہ انگارے برساتا تھا۔ فراز نے بے پناہ اذیت کا شکار ہوتے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔

”تم خود بتادو کیا وجہ ہے اس ساری بدتمیزی کی؟“ معاً وہ سنبھل کر بولا۔ اس کے لہجے سے غضب کی آنچ آنے لگی تھی۔ وجہ تو ظاہر تھی مگر وہ پھر بھی اپنی ہر خوش فہمی کو دل سے نکال پھینکنے کے درپے ہوگیا تھا۔

”کیا یہ شادی تمہاری مرضی سے نہیں ہوئی؟“ اس کا برہم انداز اس بات کا مظہر تھا کہ وہ شدید ذہنی و قلبی کرب سے دوچار ہے۔

”یہ سوال کرنے سے بہتر تھا تم خود کو جا کر آئینے میں دھیان سے دیکھ لیتے۔“ اریبہ کا انداز تضحیک آمیز تھا اگلے لمحے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی آئینے کے آگے لے آئی اور اسے دھکا سا دیا۔

”چلو اب دیکھ لو کیسے لگ رہے ہو میرے ساتھ کھڑے پہلوئے حور میں لنگور۔“ مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہتی وہ نقرئی قہقہہ لگانے میں مصروف تھی۔ اس کے ہر انداز سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔ چاہے وہ الفاظ ہوں یا پھر لہجہ۔ فراز بے وقعتی تحقیر اور سبکی کے احساس سے پتھرایا ہوا کھڑا رہ گیا۔

اریبہ کے تاثرات سے وہ آغاز سے ہی جان گیا تھا وہ اسے پسند نہیں کرتی لیکن وہ اس حد تک اس سے نفرت کرتی ہوگی اگر اندازہ ہوتا تو کبھی اس حد تک اپنی تذلیل نہ کراتا۔ بے مائیگی سے کہیں زیادہ بڑھ کر شدید احساس دل پر پڑنے والی چوٹ کا تھا۔ ایک بھی لفظ کہے بغیر وہ سرعت سے پلٹ کر باہر آ گیا۔ راہداری عبور کی اور وحشت بھرے انداز میں اس نے سیڑھیاں طے کی تھیں۔ نیچے ہال کمرا تھا۔ وسیع و عریض کمرا اعلیٰ ترین فرنیچر سے مزین‘ امپورٹڈ وال ٹو وال کارپٹ اور قیمتی آرائشی سامان سے سجا ہوا مگر سنسان اور قبرستان جیسی خاموشی سموئے ہوئے۔

فراز کو اس پل اپنا آپ بھی اس کمرے جیسا لگا۔ وحشت سے بھرا ہوا شدت ضبط کے باوجود آنسو نکلتے گئے۔ معاً وہ ٹھٹک گیا۔ اطالوی طرز کے آئینے میں اس کا سائیڈ پوز نظر آرہا تھا۔ بے حد قیمتی نفیس سوٹ‘ میرون ٹائی‘ سلیقے سے بنے بال‘ خوشبوؤں میں مہکتا وجود‘ اونچا لمبا قد‘ غضب کی اسمارٹنس لیے مضبوط سراپا متناسب نقوش‘ کہاں تھی کمی؟ اس کے دل نے جیسے سسک کر اس تذلیل کے متعلق سوال کیا اور آنکھوں کی جلن بڑھ گئی۔

”تمہیں کیا پتا شزا! مجھے ڈارک کامپلیکشن سے کتنی گھن آتی ہے بھوت لگتے ہیں ایسے لوگ۔ کتنا تڑپی میں گھر والوں کے آگے کہ مجھے ایسے شخص سے شادی نہیں کرنی جو دیکھنے میں افریقی نظر آتا ہو۔ میں اتنی گوری چٹی ہو کر کالا بھجنگ ہزبینڈ تو ڈیزرو نہیں کرتی مگر نہیں سنی کسی نے۔ بھائی کے امیر کبیر دوست کا رشتہ ٹھکرایا نہیں جاسکتا تھا نا‘ ذات کی اتنی نفی ہوئی ہے تو میں اس بدصورت آدمی کو کیونکر اپنے شوہر کا درجہ دے دوں۔“ اریبہ کی سیسہ پگھلاتی آواز پھر اس کی سماعتوں کو ناکارہ کرنے لگی۔ جب وہ پلٹ کر کمرے سے آرہا تھا وہ پھر فون پر مصروف ہوچکی تھی اور یہ سب تو جیسے فراز کو ہی سنانے کو کہا گیا تھا۔ فراز کو لگ رہا تھا ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے وجود میں دہکتے الاؤ میں اضافہ ہورہا ہے اور تپش اتنی ہے کہ جسم موم کی مانند پگھل پگھل کر ڈھیر ہوتا جارہا ہو۔

وہ ساری رات اس ذلت بھرے احساس کے ساتھ تڑپا تھا مگر صبح وہ ایک فیصلہ کرچکا تھا۔ ایسا فیصلہ جس نے اس کے کشیدہ اعصاب کو تھوڑی بہت تقویت بخش دی تھی۔

❁......❁......❁

فاطمہ نے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور سر اٹھا کر دل گداز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ جو حسن کا بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا۔ غم کی آگ سینے میں جلائی اور خود کو سرتاپا جھلسا ڈالا۔

”بھلا ایسے بھی کرتا ہے کوئی؟“ اس نے سسکی بھرتے ہوئے عباس حیدر کو دیکھا جو جہازی سائز بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا کتنی خواہش رہی تھی فاطمہ کی کہ اسے جی بھر کے دیکھے۔ اس کی دید کی چاہ میں ہی تو فاطمہ کی سانسوں کی ڈور بندھی ہوئی تھی۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں۔ اس کے سر راہ مل جانے کی وہ ملا تو تھا مگر ایسی حالت میں کہ اس کا دل رو اٹھا تھا۔

شراب کے نشے میں دھت خود سے غافل و بے پروا، عباس لازماً اس گاڑی سے ٹکرا جاتا اگر ڈرائیور چابک دستی کا ثبوت دیتے بروقت بریک نہ لگا دیتا۔ فاطمہ کی نظر اچانک اور غیر ارادی طور پر اٹھی تھی۔ فاطمہ کے حلق سے نکلنے والی دلخراش چیخیں اتنی ہی بے اختیار تھیں جتنا کہ گاڑی کے بونٹ سے ہلکا سا ٹکرا کر گرتا ہوا عباس حیدر۔ خود سے بے نیاز ٹریفک کے اژدھام سے بے پروا وہ اندھا دھند عباس کی جانب بھاگی تھی۔ اس کے لیے سب سے تشویشناک امر عباس حیدر کا گرنے کے بعد بے سدھ ہو جانا تھا۔

"آنکھیں کھولیں عباس آنکھیں کھولیں پلیز۔" سڑک پر اس کے نزدیک گھٹنوں کے بل گرنے کے بعد اس نے وحشت زدگی کے عالم میں پکارتے اس کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ آواز سے خوف جھلک رہا تھا تو چہرے پر ہراس کا گہرا تاثر۔ اس پل عباس کی فکر میں کھو کر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش میں ہلکان بے آواز روئے گئی۔

اس شخص کی آنکھوں میں اس نے ہمیشہ خوبصورتی کو دیکھا تھا یا پھر قطعیت کو۔ یہ سارے عباس کے نہیں فاطمہ کے امتحان تھے۔ جیسے وہ بولتے ہوئے کھو جاتا تھا رو پڑتا تھا۔ وہ جب بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھتا تو فاطمہ کا دل ٹھہر جاتا۔ بس نہ چلتا آگے بڑھے اور اسے سینے سے لگا لے۔ سارے غم سمیٹ لے مگر آج جو اس کی حالت تھی وہ دل میں خنجر گاڑھنے کو کافی تھی۔ آخر وہ کیوں نہیں سنبھل جاتا آخر وہ کیوں جینا نہیں چاہتا۔

"اٹھ جائیں عباس، پلیز ایسے مت کریں۔" وہ گڑگڑائی تھی۔ آس پاس مجمع لگ گیا تھا۔

"چوٹ تو اسے کہیں نہیں لگی ہے بی بی، تیرا خاوند ہے یہ بندہ؟" ایک ادھیڑ عمر مزدور ٹائپ آدمی نے فاطمہ سے سوال کیا تھا۔ فاطمہ نے آنسوؤں سے دھند لائی مگر ہراساں نظروں سے ایک نظر مجمع کو دیکھا اور رو پڑی۔

"یہ بول بھی نہیں رہے فار گاڈ سیک انہیں کوئی اسپتال لے جائیے۔" وہ عباس کی خاطر یکسر انجان اور غیر لوگوں سے مدد مانگ رہی تھی۔ عشق مجازی ایک بار پھر اسے رسوا و خوار کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"اندرونی بیرونی کوئی چوٹ نہیں ہے، تیرا خاوند "جانز" (نشہ کرنے والا) ہے شراب کی بدبو اس کے کپڑوں سے اٹھ رہی ہے۔" وہی مزدور فاطمہ سے مخاطب تھا۔ فاطمہ تتر بتر ہوتے لوگوں کو دیکھ کر بدحواس ہونے لگی اور باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کرنے لگی۔

"ہم نے پھنسنا نہیں ہے پتر، اسے گھر میں بند رکھا کر پولیس آج کل بہت چھاپے مار رہی ہے۔" ایک بزرگ نے فاطمہ کی حالت پر پسیج کر کہا۔ فاطمہ زار و قطار روتی عباس کو پھر سے ہوش میں لانے کی غرض سے اس کا چہرہ تھپکنے لگی۔ مگر وہ یوں مطمئن اور پرسکون نظر آتا تھا جیسے دنیا پر لعنت بھیج کر کبھی نہ اٹھنے کے ارادے سے سویا ہو۔ فاطمہ کا دل خوف کی سرد پناہوں میں اترنے لگا۔ جیسے تیسے وہ اسے ٹیکسی میں ڈال کر گھر لائی تھی۔

ٹیکسی سے اس کے بیڈ روم تک لانے میں احسان بابا کے ہمراہ دیگر ملازمین نے مدد کی تھی۔ فاطمہ اسے اس حالت میں چھوڑ کر جانے کا حوصلہ کہاں سے لاتی۔ اس کے ڈھلکے بازو کو سیدھا کر کے اس نے عباس پر کمبل پھیلایا۔ نگاہ اس کے گرد آلود جوتوں پر پڑی۔ فاطمہ نے آگے بڑھ کر اس کے پیر جوتوں سے آزاد کیے۔ سفید دودھیا پیر گرد سے اٹے تھے۔ جن سے خون رستا تھا۔ فاطمہ کے ضبط کا ہر بندھن ٹوٹ گیا۔

اس شخص کے لباس سے لے کر کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، بولنے چلنے پھرنے تک سے وقار نفاست اور بردباری جھلکتی تھی۔ آج وہ اس حد تک رحم آمیز حالت میں تھا کہ اسے اپنی پروا تک نہیں رہی تھی۔ احسان بابا کی آمد پر اس نے خود کو بامشکل سنبھالا۔ احسان بابا بھی اپنی نم آنکھیں جھپک رہے تھے۔ بھلا کون تھا جو عباس کی اس بربادی پر خوش تھا۔ احسان بابا اس پل فاطمہ کی مدد اور مسیحائی پر مشکور تھے۔

"آپ پھر آئیں نہیں بیٹا، بچے بیمار پڑ گئے ہیں آپ کے بغیر، وہ ہل گئے تھے آپ سے مگر صاحب اس بات پر

آمادہ نہیں کہ انہیں آپ کے حوالے کیا جائے۔ جو ملازمہ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھی ہے اس کے انداز میں بہت سختی ہے بچے چند دنوں میں ہی کملا گئے ہیں۔" احسان بابا کی بات سن کر فاطمہ نے بے اختیار ہونٹوں کو باہم جکڑ لیا۔ عباس سے اسے ایسی ہی شدت پسندی کی توقع تھی۔

"میں بچوں کو دیکھ لیتی ہوں بابا، آپ ان کا خیال رکھا کریں۔" احسان بابا نے سرد آہ بھری۔

"ہم نوکر ذات ہیں بیٹا روکنے ٹوکنے کا حق نہیں رکھتے۔ صاحب نے بیگم صاحبہ کا صدمہ اور جدائی ذہنی طور پر قبول نہیں کی ہے۔ وہ اس احساس سے نکلنا نہیں چاہتے۔ اس ہو جانے والے نقصان نے ان کو مزید نقصان کے احساس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ بہرحال میں بچوں کو لاتا ہوں آپ کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔" احسان بابا پلٹ کر باہر چلے گئے۔ فاطمہ نے گہرا سانس بھرا اور یاسیت آمیز نظروں سے گردن موڑ کر عباس کو دیکھا۔

یہ شخص تو اس کے جسم کی طاقت اور آنکھوں کی روشنی تھی۔ جس کی لو سے زندگی کا چراغ جلتا تھا۔ کوئی کیا جانے وہ اس کے لیے کیا تھا۔

"ان قدموں میں تھوڑی سی جگہ دے دیں اپنی اس داسی کو عباس! قسم کھاتی ہوں اس محبت کی جس نے مجھے آپ کے علاوہ سب کچھ فراموش کرا دیا۔ کبھی کوئی تقاضا نہیں کروں گی۔ ندی کنارے لگی وہ گھاس تو بننے دیں جسے آپ ڈوبنے سے بچنے کو سہارے کے طور پر پکڑیں یا تو آپ کو بچا لوں گی اور اگر ایسا نہ کر پائی تو آپ کے ساتھ ٹوٹ کر خود بھی ڈوب جاؤں گی۔ ساتھ چل نہیں سکتے ساتھ مرنے کی اجازت تو دے دیں۔"

آنکھوں سے گرتے آنسو اس کا دامن بھگو رہے تھے۔ عجیب بے وقعتی لیے تھا یہ نذرانہ محبت جس پر لٹایا جا رہا تھا نہ اسے خبر تھی اور جو لٹا رہا تھا نہ اسے پروا تھی۔

"حیَّ الفلاح، حیَّ الفلاح۔" کھلی کھڑکی سے موذن کی دل گداز پکار سنائی دے رہی تھی۔ رب کا بلاوا تھا اور اس بلاوے پر لپکنے والے بندے بھی اس کے مقرر کردہ ہیں ہر کسی کو ایسی توفیق کہاں۔ زینب کے رب کی نصیحت وہ اپنے عشق مجاز کے آگے پھر بھول گئی تھی۔

عشق اگر انسان سے ہو تو سوائے بربادی و ذلت نارسائی کے کچھ نہیں۔ ہاں رب سے ہونے والے عشق میں دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی ہے۔ پتا نہیں فاطمہ کا شمار ان خوش بخت لوگوں میں ہوتا بھی تھا یا نہیں جو عشق مجاز سے ہی عشق حقیقی کے مرتبے کو پاتے ہیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"تمہیں جو بھی لینا ہے لے لو میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ یہاں سے اس سوچ کے ساتھ چلی جاؤ کہ تمہیں لوٹ کر پھر اس گھر میں نہیں آنا۔ شادی جیسے بندھن میں، میں جبر اور زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے اگر آپ کی ناپسندیدگی کا علم پہلے ہو جاتا تو نوبت یقیناً ان ناگوار حالات تک نہ پہنچ پاتی۔ لیکن ابھی بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی چند دن کے بعد آپ کو ڈائیورس پیپر موصول ہو جائیں گے۔" جس پل فراز نے دوبارہ اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا کھلی کھڑکی کے رستے سورج کی روشنی بڑے سبک انداز میں کمرے میں در آئی تھی۔

اریبہ آج خاص طور پر تاخیر سے اٹھی تھی مقصد فراز سمیت تمام افراد پر اپنی ہٹ دھرمی واضح کرنا ہی تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کھلے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتی وہ اپنی رات کی کارکردگی کو ذہن میں ازسرِ نو تازہ کرتی خود کو داد دینے میں مصروف تھی۔

"تمہارے والدین آئیں تو یہ تمہارا مسئلہ ہے تم انہیں کس انداز میں یہ سب بتانا پسند کرو گی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آج کے بعد مجھے تمہاری شکل اس گھر میں نظر نہیں آنی چاہیے۔" فراز نے اس سے نگاہ چار کرنے کی زحمت گوارا کیے بغیر کہا اور آگے بڑھ کر الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اریبہ بدحواس بیٹھی تھی۔ دل جیسے دھڑکنا بھولنے لگا اوسان خطا ہی نہیں ہوئے حلق بھی خشک ہو کر تڑخنے کے قریب جا پہنچا۔

ایک مشرقی لڑکی ہونے کے ناتے اس صورت حال

سے نبرد آزما ہونے کے بعد کی ذلت وبکی کا ایک چھوٹا سا تصور بھی قدموں تلے سے زمین سرکانے کو کافی تھی۔ وہ ہٹ دھرم اور خود پسند ضرور تھی۔ ہمیشہ غصے میں الٹا سیدھا بول دینے کے بعد سوچنے والی۔ آج سے قبل معاملہ اس حد تک بگڑا نہیں تھا کہ وہ والدین کے گھر پر تھی۔ سارے ناز نخرے انہوں نے ہنس کر اٹھائے تھے مگر اب سامنے کھڑا اجنبی شخص اس کا شوہر تھا۔

ایسا شوہر جس سے تعلق استوار ہوئے محض چند گھنٹے گزرے تھے۔ وہ اس کی مزاج آشنا تھی نہ ہی عادتوں سے واقف غصہ اور تلخی میں منہ سے نکالے الفاظ تو اب صحیح طور پر یاد بھی نہ تھے مگر ان کی سنگینی ضرور پھانس بن کر اٹک رہی تھی۔

"یہ حق مہر کی رقم ہے چونکہ طلاق میں اپنی مرضی سے دے رہا ہوں تو اس پر تمہارا حق ہے۔" وہ پلٹا تو اس کے ہاتھوں میں نیلے نوٹوں کی بڑی گڈی تھی۔ جو اس نے بیڈ پر اچھال دی تھی اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ اریبہ شکستہ زدہ سی بیٹھی رہی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں، اچھی طرح نہیں کر سکتیں مساج؟" وہ پھنکارا اور امامہ کی جان ہوا ہوتی چلی گئی۔

"ک...... کیا ہوا تھا یہاں؟" اس نے ہکلا کر کہتے ہوئے وقاص کے گھٹنے سے ذرا اوپر لگے گہرے کٹ کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا تو جواب میں وقاص کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور نہایت جارحانہ انداز میں امامہ کے بال مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"جس نے بھی یہ گھاؤ دیا ہے نا امامہ بیگم یاد رکھنا اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ تم گننے سے بھی قاصر رہو گی۔ عبرت کا نشان بنا ڈالوں گا۔" وہ غرا رہا تھا امامہ تھرا کر اسے تکنے لگی۔

"ک...... کون ہے وہ؟" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

وقاص تنفر بھرے انداز میں ہنسا پھر حقارت زدہ انداز میں اسے پیچھے دھکیل ڈالا اور خود تکیے سے ٹیک لگاتے سگریٹ سلگا کر جیسے کسی تصور میں گم ہو گیا۔

"ہے کوئی، چاندنی کی طرح روشن ٹھنڈی اور اجلی مگر مزاج میں بادلوں کی سی گھن گرج رکھتی ہے بجلی کی طرح چمکتی ہے تو آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں اسے نمایاں ہونے کا بہت شوق ہے۔ منفرد سمجھتی ہے خود کو اور وقاص حیدر ہمیشہ منفرد اور ناقابل رسائی چیزوں کو ہی اپنی جھولی میں گراتا ہے۔ ہاتھوں سے مسل کر انہیں بے رنگ کرتا ہے۔ پھر پیروں کی ٹھوکروں میں رولتا ہے اس کا غرور بھی ملیا میٹ نہ کیا تو نام بدل دینا۔"

"وقاص سائیں آپ کو بڑے صاحب نے یاد کیا ہے؟" ملازمہ کی آواز پر وقاص نے بری طرح چونک کر ناگواریت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"سنو کوئی ضرورت نہیں ہے اس چوٹ کے متعلق کسی سے بھی کچھ بکواس کرنے کی سمجھیں۔" اس نے جاتے جاتے مڑ کر امامہ کو تنبیہی نظروں سے گھورا۔ امامہ خائف سی ہو گئی جبھی فی الفور گردن کو اثبات میں ہلا کر اس کی تسلی کرا دی۔ وہ گم صم وقاص کو کمرے سے نکل کر جاتے دیکھتی رہی۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور سیل فون اٹھائے واش روم میں آ گئی۔ لاریب کے نمبر سے جواب نہ ملنے پر اس نے کانپتی انگلیوں سے سکندر کا نمبر ملایا۔

"سکندر بھائی پلیز میری بجو سے بات کرا دیں۔" رابطہ بحال ہوتے ہی امامہ نے عجلت انداز میں کہا تھا۔

"میں تو گھر سے باہر ہوں۔ لاریب بی بی سے شام میں بات کرا دوں گا یا پھر آپ ان کے نمبر پر کال کر لیں میں ان کا نمبر سینڈ کرتا ہوں آپ کو۔" سکندر کے کہنے پر اس نے رابطہ منقطع کیا اور بے چینی سے موبائل کی اسکرین کو گھورنے لگی۔ محض چند لمحے توقف سے سیل فون کی اسکرین سکندر کے نام کے پیغام سے چمکی۔ جس میں لاریب کا نمبر موجود تھا۔

"السلام علیکم بجو، ٹھیک ہیں آپ میں امامہ۔" لاریب کی تھکی ماندی افسردہ آواز سن کر امامہ نے رقت آمیزی کے عالم میں کہا۔ دوسری جانب یکلخت سناٹا چھا گیا۔ جبھی وہ

گھبرا کر بے اختیار پکاری تھی۔

"بجو...... بجو......!"

"کیوں فون کیا ہے امامہ؟" لاریب کی سرد آواز نے امامہ کو منجمد کر ڈالا۔

"آپ...... آپ کیسی ہیں اور مجھ سے خفا کیوں ہیں؟" امامہ سب کچھ بھلائے رونے کو تیار تھی۔ دوسری جانب لاریب نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے۔

"کیا اب تم بھی مجھے پریشان کرو گی امامہ؟ تمہارے خیال میں باقیوں نے کوئی کسر چھوڑی ہے؟" امامہ کی مچلتی سسکیوں کو سنتی وہ کربناک انداز میں کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"جو جیسے ہوا بجو اسے قبول کر لینے میں کیا حرج ہے؟ سکندر بھائی تو ہر لحاظ سے آئیڈیل انسان ہیں آپ کو کیا پتا بجو سمجھوتہ کیا ہے، اذیت کیسا احساس ہے، یہ کیفیات تو میں نے سہی اور محسوس کی ہیں وقاص حیدر کے سنگ، اس کی جبری قربتوں میں۔" وہ یونہی گھٹ گھٹ کر روتی کہہ رہی تھی۔ گویا اسے خوش بختی کا یقین سونپ رہی تھی۔ لاریب کے ہونٹوں پر درماندگی سے بھری مسکان بکھری۔

"کیا وقاص آپ کے ہاں آئے تھے بجو، مجھے بہت ڈر لگتا ہے یہ سوچ کر کہ جب انہیں پتا......!"

"اسے پتا چل چکا ہے کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ میرا۔ تم بھی فکر کرنا اور ڈرنا چھوڑ دو۔" لاریب کا انداز مخصوص تھا۔

"کیا کہا آپ نے...... وہ...... وہ......؟"

"ان معمولی اور فضول باتوں پر کڑھنا اور گھبرانا چھوڑ دو امامہ سب ٹھیک ہے ایک بات اور، ہو سکے تو آ کر ایک بار بابا جان سے مل جاؤ طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج کل ان کی۔"

"کیا ہوا بابا جان کو بجو؟" اس کی توقع سے کہیں زیادہ امامہ کی گھبراہٹ کا عالم ہی اور تھا۔

"پتا نہیں، سکندر نے سرسری ذکر کیا تھا۔" اس بار لاریب نے دانستہ لہجے کو بے نیاز کر لیا۔ امامہ کی سسکیوں میں شدت آنے لگی۔

"میں کسی طرح بھی آ جاؤں گی بجو وعدہ کریں آپ بھی آئیں گی اس بہانے آپ کو دیکھ لوں گی۔" امامہ کے لہجے میں اتنی لجاجت اتنی بے بسی تھی کہ لاریب فوری انکار نہیں کر سکی جبھی ٹال دیا۔

"ہاں کوشش کروں گی۔" اس کے بعد اس نے امامہ سے بھی زیادہ بات نہیں کی امامہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"آپ نے بلایا بابا جان؟" وقاص نے ہزار کوشش کی تھی چال کی لنگراہٹ کو ان کی نظروں میں آنے سے بچا لے۔ یہ زخم بھر جانے کے باوجود بھی جیسے نہیں بھر رہا تھا۔ جتنی گہرائی کا زخم تھا وقاص کے اندر اتنی ہی نفرت اور تلملاہٹ بھر رہا تھا۔ وہ مچل رہا تھا اس وقت کی خواہش میں جب وہ مکمل طور پر اس کی گرفت میں ہوتی۔ پر کٹی بے

نادان لڑکی

نہر کے کنارے بیٹھی ہے ایک لڑکی
آنکھوں میں کاجل لگائے
ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے
جو چھوڑ کے آئی ہے اپنا گھر بار
کر کے ماں باپ کی عزت کو تار تار
اپنی جنت کو چھوڑ کے آئی تھی جس کے سنگ
اس نے دیئے بھی تو فقط کچھ لمحوں کے رنگ
نہیں تھی کی جس نے پروا بے مول چاہتوں کی
اپنے گھر میں ملنے والی بے شمار راحتوں کی
گھر بار سے ناتا توڑا تھا جس شخص کے لیے
اس نے تھاما ہاتھ تو وہ بھی فقط اپنے مطلب کے لیے
بٹھایا اسے نہر کے کنارے اور کہا میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں
حقیقت بتا کے ماں باپ کو تمہیں ساتھ میں لے جاتا ہوں
نادان لڑکی بیٹھی کر رہی ہے اس کا انتظار
آنکھوں کا کاجل پھیل رہا ہے لگاتار
اپنی جنت کو چھوڑا تو خوابوں کے ہاتھوں دھوکا کھایا
اب سوچ رہی ہے وہ تنہا کہ کیا کھویا اور کیا پایا
اس کے پاس رہی نہ کوئی منزل کیسا رہا یہ سفر اس کا
اب کسی کو وہ کیا منہ دکھائی آخر ڈوبنا ہی تھا مقدر اس کا

ناصرہ جرال...... گجرات

بس لاچار چڑیا کے مانند پھر وہ ہمیشہ یاد رکھے گی کسی سے دشمنی کیسے لی جاتی ہے۔

"خیریت بابا جان؟" انہیں اپنی طرف متوجہ پاکر وہ قدرے سنبھلا اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا وقاص کہ لاریب کا پیچھا چھوڑ دو مگر تم......!" غصے کی زیادتی کے باعث انہوں نے بات ادھوری چھوڑی اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔ وقاص کے اعصاب کو صحیح معنوں میں شدید دھچکا لگا تھا۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور صورت حال کی گمبھیرتا کا اندازہ کرنا چاہا۔

"آخر ضرورت کیا ہے پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی۔ میں ایک بیٹا کھو چکا ہوں وقاص تمہاری جانب سے معمولی نقصان کا بھی متحمل نہیں ہوسکتا۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟" ان کے غصے کے بلند ہوتے گراف کا اندازہ وقاص ان کے تیز غصیلے انداز سے لگا سکتا تھا۔

"دو ٹکے کا معمولی آدمی اس قابل نہیں ہوسکتا بابا سائیں کہ ہماری لڑکی......!"

"بہیں ٹھہر جاؤ وقاص حیدر...... وہ لڑکی اب ہماری نہیں ہے، سمجھے؟" انگلی اٹھا کر انہوں نے بے حد سختی سے ٹوک کر غرانے کے انداز میں کہا وقاص سخت جزبز ہوا۔

"مت بھولیں بابا جان کہ وہ عباس کی منگیتر......!"

"یہ رشتہ ہماری جانب سے ختم ہوا تھا وہ لوگ پابند نہیں تھے کہ ساری عمر اپنی لڑکی کو بٹھا کر رکھتے۔" بابا جان نے پھر اس کی بات کاٹی۔ برہم ترین لہجہ شدید اشتعال کا غماز تھا۔ وقاص کو اور غصہ آیا۔

"مگر ایک رشتہ ان کی جانب سے بھی توڑا گیا تھا اور......!"

"اس کا ازالہ وہ لوگ کر چکے ایمان کی بہن اس وقت تمہارے نکاح میں ہے معاملہ ختم ہوا۔" بابا جان کا لہجہ و انداز ہنوز تھا۔ وہ جیسے طے کر کے بیٹھے تھے کہ اس کے پاس نفرت کا کوئی جواز نہیں چھوڑنا۔ وقاص بری طرح سے لاجواب اور زچ ہوا۔

"آج کے بعد مجھے پتا نہیں چلنا چاہیے وقاص کہ تم نے کوئی مزید فضول حرکت کی ہے۔" ان کے انداز میں سنگین دھمکی پوشیدہ تھی وہ ایسے شیر کی مانند نظر آرہے تھے جو بوڑھا ہو جانے کے باوجود بھی جنگل میں اپنی طاقت و برتری کے باعث حکمرانی کے درجے پر فائز رہتا ہے۔

"اب جاؤ مجھے اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔" ان کے ہاتھ کے اشارے پر وقاص دانت بھینچے اٹھ کر واپس آیا تو اس کے قہر سامان تاثرات پر نگاہ ڈالتے ہی امامہ کا دل خوف کی شدتوں سے بند ہونے لگا تھا۔

"تمہاری اس سگی نے اپنے اس کچھ لگتے پر ہونے والے ظلم کی داستان کو اگر بڑھا چڑھا کر باپ کے سامنے پیش کیا تھا تو اپنا کارنامہ بھی ضرور بتا دیتی۔" اس کا ہاتھ بے دریغ امامہ پر اٹھ رہا تھا۔ امامہ کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلتی چلی گئیں۔

"بتا دینا اسے میں اسے ایسے چھوڑنے والا تو نہیں ہوں میں بابا جان سے بھی نہیں ڈرتا سنا تم نے؟" اس کے منہ پر مسلسل تھپڑ برساتے ہوئے وقاص کے لہجے میں اژدھے کی پھنکار اور بادلوں کی سی گھن گرج تھی۔ امامہ کا سہما ہوا دل ان دھمکیوں پر خوف کی اتھاہ گہرائی میں اترتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁
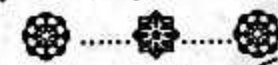
اگر وہ میری آنکھوں میں
مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے کہ
اسے میری محبت سے
بلا کا عشق ہو جائے

اس نے گہرا کش لے کر دھواں بکھیرا اور دھواں بکھیرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کھلا دریچہ بند کر دیا۔ سرد کہر کی چادر میں لپٹا چاند بھی نگاہ سے اوجھل ہوگیا تھا تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا اور لاریب چہرے پر اکتاہٹ و خفگی کے تاثرات سجائے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی آخر امامہ کو میرا نمبر دینے کی؟ اس طرح اگر تم سمجھتے ہو کہ مجھے میرے رشتوں کے حوالے

سے بے بس کر دو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" لاریب نے طیش میں کہتے اوڑھی ہوئی اورنج اور میرون شال اتار کر پھینکی جو صحن سے گزر کر آتے ہوئے بارش کی بوچھاڑ کے باعث بھیگ چکی تھی۔

"سویٹر ہی پہن لیا کریں۔ یہ جاتی ہوئی سردی خاصی خطرناک ہوتی ہے۔ فلو اور بخار تو جیسے تعاقب میں رہتے ہیں۔" وہ الماری سے اس کا سویٹر نکال کر اس کی جانب بڑھا چکا تھا۔ لاریب نے گردن موڑ کر سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سویٹر طیش کے عالم میں دور پھینک دیا۔

"ان تھرڈ کلاس حرکتوں سے تمہارا مقصد اگر مجھے اپنی جانب مائل کرنا ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہے......اوکے۔" اور پلٹ کر آتش دان کے قریب جا بیٹھی۔ آنکھوں میں اترتی نمی کو وہ سکندر کی نظروں سے بچانا چاہتی تھی۔ سکندر نے ہارے ہوئے انداز میں اسے دیکھا اور بے بسی سے ہونٹ کاٹ لیے۔

"میرا ایسا کوئی مقصد نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوں امامہ بی بی نے خود آپ کا نمبر مانگا تو......!"

"اسے الہام ہوا تھا کہ میرے پاس فون ہے؟" اس کی تلخ آواز سکندر کی مدھم آواز کو دبا کر رکھ گئی۔ سکندر لاجواب ہوا تھا۔

"تم جانتے ہو میں اب کسی سے بھی کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔" وہ پھر چیخی، سکندر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ لمحے ان کے درمیان بنا آہٹ کے سرکتے رہے۔ وہ اس کے سامنے گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہی تھی۔ گھل رہی تھی ختم ہو رہی تھی اور وہ بے بس تھا۔

اس کے نزدیک ہمیشہ اپنی خوشی سے بڑھ کر لاریب کی خوشی کی اہمیت رہی تھی۔ وہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی اس پر نچھاور کرتے شانت رہ لیتا۔ مگر بے بسی یہ تھی کہ وہ اس کے لیے اس کی خوشی کے لیے کچھ کرنے سے قاصر رہا تھا کہ یہ اس کی اوقات سے بہت بڑھ کے بات تھی۔ اپنی اپنی جگہ دونوں بے بس تھے۔

❁......❁......❁
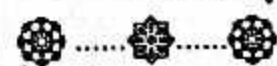
وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ساکن بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ تسلسل سے بہہ رہے تھے۔ شکست کا سلسلہ ایک بار شروع ہوا تو پھر رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس روز عباس کسی طرح بھی حواسوں میں نہیں تھا جبھی تو اسے چند لمحے دان کر دیے تھے۔ جنہوں نے فاطمہ کے تاریک اور بے جان وجود کو جیسے سرتاپا اجال دیا تھا۔ وہ واقعہ جو اس کے ذہن کی تمام رگوں پر ان مٹ نقوش ثبت کر گیا تھا۔ ہجر سے لے کر وصل اور ذلت و بیکی سب کچھ تو تھا ان چند لمحوں کی کہانی میں۔

فجر کی اذان کے بعد ہی اس نے واپسی کا قصد کیا تھا۔ اسے خیال تھا وہ کتنے گھنٹے باہر گزار چکی ہے۔ خالہ بشیراں (ملازمہ) اس کے لیے پریشان ہو سکتی تھی۔ پوری رات وہ گھر سے باہر رہی تھی۔ ایک اجنبی غیر محرم شخص کے ساتھ جو دل کا لاکھ محرم سہی روح کا تعلق جتنا بھی گہرا ہو مگر بہر حال شریعت و اسلام کی رو سے وہ اس کا نامحرم ہی تھا۔ غیر محرم جس کے متعلق کتنی گہرائی میں جا کر سمجھایا تھا اسے زینب نے تاخیر سے سہی مگر اسے یاد آ گیا تھا اور وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب بے خبر عباس کی لانبی پلکوں میں جنبش ہوئی تھی اور اس نے کراہتے ہوئے کروٹ بدلنی چاہی تھی۔

"عباس...... آر یو اوکے؟" بے اختیاری کی کیفیت میں جھک کر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیتے وہ جھجک کر تھم گئی۔ ایک حتمی فیصلے کے بعد یہ بے ایمانی تھی اس رب کے ساتھ جو عورت کو محدود رہنے کا حکم دیتا تھا اس نے خود کو سمجھایا۔ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرے گی۔ نامحرم شخص کو تو دیکھنا بھی گناہ کے زمرے میں آتا تھا چھونا تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔

اس نے سارے اسباق یاد کرنے چاہے جو زینب اسے پڑھایا کرتی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ وہ پیچھے ہٹتی وہ ہوا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

"عریشہ......!" وہ بند آنکھوں سے پکارا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فاطمہ جو پہلے ہی اندر چھڑی جنگ سے نبرد آزما تھی طوفان کی زد پر آ گئی۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑک اٹھا کہ جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو۔ وہ

چاہنے کے باوجود اس سے ہاتھ نہیں چھڑا سکی اور تھم کر رہ گئی۔ اس نے عباس کو دیکھا جو مکمل ہوش میں اب بھی نہیں تھا مگر وہ اس کے سامنے ہمیشہ کی طرح اپنا آپ گنوا چکی تھی۔ رعب حسن نظر بھر کے دیکھنے نہیں دیتا تھا۔ اس وقت بھی ایسی ہی جھجک اسے جکڑنے لگی۔ مگر اس کا وجیہہ چہرہ اتنے قریب سے دیکھنے کا تجربہ بہت سحر انگیز احساس لیے تھا۔

وہ مکمل طور پر کمبل میں چھپا تھا۔ صرف ذرا سا ماتھا اور ابرو دکھائی دیتے تھے۔ ابرو کے مغرور کمان اور پورے ماحول پر چھایا اس شخص کا سراپا آج اس کے لیے کڑا امتحان تھا۔ جسے چوری چوری دیکھنا اس کے لیے مسلسل خوشی اور اعزاز کا باعث تھا۔ اس کا لمس کوئی انگارہ تھا جس کی آنچ روح تک آتی تھی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ فاطمہ کے سن ہوتے دماغ نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"عریشہ کہاں چلی گئی تھیں؟ جانتی ہو کتنا ڈھونڈا میں نے تمہیں کتنا رویا ہوں کیوں رحم نہیں آتا تمہیں مجھ پر۔" وہ جو ابھی پہلی قیامت سے نہیں سنبھلی تھی کہ عباس کی دیوانگی نے ایک اور وار کیا۔ اس کے ہاتھ پر موجود گرفت سخت ہوئی اور اگلے لمحے وہ اس کے محض ایک جھٹکے کے نتیجے میں اس کے اوپر گری تھی۔

طے ہوا تھا کہ وہ حواسوں میں نہیں مگر اس نے اچھی بھلی فاطمہ کے حواس بھی سلب کرلیے۔ عباس کی بانہوں کا تنگ ہوتا حصار اور پرحدت پناہیں وہ حواس بحال رکھتی بھی تو کیونکر۔ دوسری جانب عباس تو تھا ہی مکمل طور پر وحشت زدہ وہ کیسے بے قراری سے سسک رہا تھا۔ آہیں سسکیاں اور والہانہ بوسے وہ فاطمہ کے چہرے کے نقوش کو چومتا تھا۔ فاطمہ گنگ اور بھونچکی تھی۔ اس کا بے تحاشا دھڑکتا دل بھی جیسے دھڑکنا بھول بیٹھا تھا۔

"وعدہ کرو عریشہ کبھی نہیں جاؤ گی پھر مرجاؤں گا میں تمہارے بغیر۔" فاطمہ نے اس کے آنسوؤں کو بہتے دیکھا۔ اس کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ وہ اس کے آنسو چننے لگی۔ اسے سب کچھ بھولنے لگا۔ زینب کی ہر وہ بات جو نامحرم کے حوالے سے کہی گئی تھی۔ اسے یاد تھا تو عباس کا رونا تڑپنا مچلنا اور سسکنا اس پر اس کی طلسمی قربت کا خمار چھا رہا تھا اسے اپنے گرد ستارے اترتے اور چمکتے محسوس ہوئے۔ زندگی آج اس کے خیال میں مکمل تھی۔ دل کتنی آسودگی کتنی سرشاری سمیٹ لایا تھا آنکھوں میں جل اٹھنے والی جوت نے اردگرد کے ماحول کو بھی اجالنا شروع کردیا تھا۔

یہ التفات اور یہ نوازشیں اس کے لیے بالکل نئی اور انوکھی تھیں۔ دھڑکنوں میں ایک طوفان برپا ہونے لگا۔ اس کے لہجے کی نرم روئی فاطمہ کو اپنا مطیع کر رہی تھی۔ اس کے دل کو جکڑ کر بے بس کر رہی تھی۔ ایک پل تھا عنایت کا اور آزمائش کا بھی اور ساری ریاضتیں دھری رہ گئیں۔ وہ کتنی آسانی سے سب بھول گئی۔ کتنی سہولت سے ہار رہی تھی خود کو۔

وہ اس شخص کے قریب تھی جو خوابوں میں بھی میسر نہیں آتا تھا کہ وہ اتنا ہی بلند تھا۔ وہ اس کی دھڑکنوں کو اپنی دھڑکنوں میں مدغم ہوتا سرشاری سے محسوس کرتی رہی۔ یہ کیسا حیران کن احساس تھا۔ اس لمحے محبت واقعی امر ہو رہی تھی۔ کتنا بے خود تھا عباس۔ اس کی سانسوں کی خوشبو میں اس کے قربتوں کی دلکشی و کیف اور بے خودی۔ آج سب کی سب اس کے لیے تھی۔ کیا آج فاطمہ سے بڑھ کر کوئی اور خوش نصیب تھا؟ وہ سرمستی کی کیفیت میں خود اپنے آپ سے سوال کرتی تھی اور خود ہی نفی بھی کیے گئی۔

"نہیں...... نہیں اس سے بڑھ کر نہ آج کوئی اور خوش نصیب تھا نہ ہی کوئی اس سے بڑھ کر امیر تھا۔"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

بے حس ہیں یہاں لوگ' بھلا سوچ کے کرنا
اس دور میں لوگوں سے وفا سوچ کے کرنا
گل شاخ سے بچھڑے تو کہیں کا نہیں رہتا
تم ذات میری خود سے جدا سوچ کے کرنا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاریب سکندر کے دوستی کے بڑھائے گئے ہاتھ کو تھامنے سے انکار کردیتی ہے اس کے اپنے ہی خدشات اسے سکندر کی طرف سے غلط فہمی میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔ شرجیل سمعیہ کو گھر والوں کے عتاب سے بچانے کی غرض سے اپارٹمنٹ میں لے تو آتا ہے لیکن ان کی اس طرح موجودگی دیگر لوگوں کے لیے باعث حیرت ہوتی ہے ایسے میں شرجیل' ابراہیم احمد سے حتمی بات کرنے اور اسے پاکستان آنے کا کہتا ہے۔ لاریب سکندر کو مجبور کرتی ہے کہ وہ وقاص کے اس قاتلانہ حملے کے بارے میں بابا جان کو بتا دے جبکہ سکندر اس بات سے اتفاق نہیں کرتا آخر لاریب کی ضد پر مجبور ہو کر وہ تمام صورتحال سے انہیں آگاہ کرتا ہے جس پر بابا جان دونوں کو حویلی میں رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جبکہ لاریب یہ سن کر شدید مشتعل ہوجاتی ہے اور سکندر پر بھی الزام عائد کرتی ہے کہ اس بہانے وہ بابا جان کی حویلی اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بابا جان سمجھانے کی غرض سے لاریب کے گھر آتے ہیں لیکن وہ انہیں بھی مایوس ہی لوٹاتی ہے۔ عباس کا تحقیر آمیز رویہ فاطمہ کی برداشت سے باہر ہوتا ہے وہ اس کی بے اعتنائی کا دکھ سہنے میں ناکام رہتی ہے ایسے میں زینب اسے صبر و ہمت کا درس دیتی ہے وہ اسے باقاعدہ نماز و قرآن سکھاتی اور دین کی طرف راغب کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ اس عشق مجازی سے باہر آئے لیکن روڈ پر عباس کا ایکسیڈنٹ ہوتے دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس پھر کھونے لگتی ہے۔ فاطمہ' عباس کو بمشکل ٹیکسی میں ڈال کر گھر تک لاتی ہے اور اس کے ہوش میں آنے کی منتظر رہتی ہے۔ جب ہی عباس کے جسم میں جنبش ہوتی ہے اور وہ عباس کے قریب چلی آتی ہے جبکہ وہ فاطمہ کے روپ میں عریشہ کا تصور کرتے اسے اپنے قریب کرلیتا ہے ایسے میں فاطمہ اس کے طلسمی قربت کے خمار میں زینب کے ہر سبق کو فراموش کر بیٹھتی ہے۔ فراز اپنی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر اریبہ سے نکاح تو کرلیتا ہے لیکن اریبہ کا خفا خفا انداز اسے سہا جاتا ہے اصل حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب وہ نا صرف کمرے کی آرائش تہس نہس کردیتی ہے بلکہ فراز کی ذات کی توہین کرتے انتہائی ذلت آمیز سلوک کرتی ہے۔ وہ واضح الفاظ میں فراز کی ڈارک رنگت پر نفرت کا اظہار کرتی ہے جبکہ فراز اپنی اس تحقیر پر چھرا جاتا ہے۔ بابا جان وقاص کے اس رویے کا ذکر تایا جان سے کرتے ہیں اور وہ جب وقاص کو بلا کر اس بارے میں اس سے پوچھتے ہیں تو وہ اعتراف کرلیتا ہے اسے لاریب کا سکندر کے ساتھ رہنا منظور نہیں ہوتا اس پر بابا جان خائف ہوتے ہیں لیکن وہ ایمان والے واقعہ کو لے کر بدلے پر اتر آتا ہے اور امامہ پر اپنے غصے کی انتہا کرتے سخت مار پیٹ کرتا ہے۔ امامہ لاریب سے بات کرکے وقاص کے ارادوں سے آگاہ کرتی ہے لیکن لاریب ہر خوف سے بے نیاز اس کی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتی۔ فراز اپنی تحقیر و ذلت برداشت نہ کرتے ہوئے اریبہ کو طلاق دینے کا فیصلہ کرلیتا ہے اسی غرض سے حق مہر کی رقم اس کے سامنے پھینکتے وہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتا ہے کہ اب وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جائے جبکہ اریبہ فراز کے اس اقدام پر بھونچکا رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

عباس نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے بعد جیسے کوئی طوفان آگیا۔ عباس نے فاطمہ کو پوری قوت سے دور دھکیلا تھا انداز میں اتنی حقارت تھی کہ فاطمہ سکی سے شل ہوگئی۔

"تت...... تم...... یہاں...... یہاں کیسے؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فاطمہ کا گلا گھونٹ دے۔ فاطمہ کا رنگ فق اور جسم خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے احسان بابا کھنکارے۔

"صاحب! فاطمہ بی بی ہی رات آپ کو یہاں لائی تھیں۔ ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا نا آپ کا اس لیے۔" عباس نے اس وضاحت کو جیسے سنا ہی نہیں اور فاطمہ کے حواس باختہ شرمندگی سے جھکے چہرے کو جھلستی نظروں سے دیکھتے احسان بابا کو اشارے سے باہر جانے کا کہا۔

احسان بابا نے فاطمہ کی کیفیت سے اپنے اندر بھی لاچاری اترتی محسوس کی۔ جسے دیکھ کر لگتا تھا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گی۔ عباس نے پھر اسے دیکھا اس کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ تھا اسے فاطمہ کی صورت سے وحشت ہونے لگی۔

"میری غفلت اور بے خبری سے فائدہ اٹھا کر میرے بیڈ روم تک رسائی حاصل کرنے والی عورت نفس کی کس حد تک غلام ہوسکتی ہے میں سمجھ سکتا ہوں۔ تم جیسی لاتعداد عورتیں ہیں جو میری وجاہت و خوبروئی کی خیرات سے اپنی جھولی بھرنے کو تیار رہتی ہیں۔ مگر میں گھن کھاتا ہوں تم جیسی فاحشہ عورت سے، چلی جاؤ یہاں سے اور آئندہ کبھی مجھے اپنی شکل بھی مت دکھانا۔" اس کے لہجے میں اجنبیت اور تلخی کا زہر اُمڈ آیا تھا۔

فاطمہ کو زینب کی ایک ایک بات یاد آگئی۔ اس کا دل زینب کے رب کے ایک ایک حکم پر نثار ہو کر زخمی ہوتا چلا گیا۔ وہ گرنے کے انداز میں بستر پر بیٹھ کر گہرے سانس لینے لگی۔ نفرت کے زہریلے جملوں نے اسے نیم جاں کردیا تھا۔ اس نے چاہا وہ اپنی صفائی دے مگر اس لمحے تمام لفظوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر احساس توہین کا واضح تاثر تھا آنکھوں سے خون چھلکنے لگا اسے لگا کوئی اسے کند چھری سے ذبح کر رہا ہو۔

"یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔" وہ چیخا اور رخ پھیر کر یوں بیٹھ گیا جیسے اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ ہو۔

فاطمہ کی جان جیسے عذاب سے دوچار ہوگئی تھی۔ معافی کی خواستگار ہونے کے باوجود جیسے معافی کا اذن نہیں تھا۔ اسے لگا زندگی کی بساط پر آج صحیح معنوں میں وہ ہار چکی ہے۔

❀......❀......❀

"السلام علیکم!" اس نے جھکے سر کے ساتھ اس ٹھہری ہوئی مگر متحمل آواز کو سنا تھا۔

"وعلیکم السلام! ابراہیم حیدر شکر ہے تم آگئے۔" شرجیل نے والہانہ انداز میں اسے گلے لگایا۔

"مجھے شرمندگی ہے شرجیل احمد کہ میری وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ دراصل بہت اہم کام تھے ہمیں ترکی بھی جانا تھا۔ وہاں سالانہ اجلاس ہوتا ہے۔ دنیا بھر سے اسکالرز جمع ہوتے ہیں۔ دین کے متعلق بہت گہرائی سے جاننے کا موقع بھی میسر آتا ہے، خیر آپ بتاؤ کیا مسئلہ تھا آپ مجھے پریشان لگتے ہیں۔" اسی اپنائیت بھرے ٹھہرے ہوئے انداز میں وہ بات کر رہا تھا۔

"آؤ گھر چلتے ہیں، پہلے کھانا پھر آرام اس کے بعد بات کریں گے۔" شرجیل نے کہنے کے ساتھ ہی کرسی دھکیل کر اٹھنا چاہا تھا کہ ابراہیم احمد نے اس کی کلائی تھام لی۔

"تکلفات میں کیوں پڑتے ہو دوست، بے فکر ہوجاؤ نہ میں تھکا ہوا ہوں اور نہ ہی بھوک میں مبتلا۔ البتہ تمہیں سننے کو بے تاب ضرور ہوں۔" ابراہیم احمد کا انداز مخصوص نرمی بھرا تھا۔ گویا وہ بنا کہے اس کے تذبذب کو بھی پا گیا تھا۔ شرجیل اس کی فہم و فراست سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ بات کہنا ہرگز آسان نہیں ہے، یوں سمجھ لو میں نے بہت مجبور ہو کر تم سے...... میرے پاس اس کے سوا کوئی

راستہ بھی نہیں ہے۔" ابراہیم احمد کی گہری زیرک نظریں اس کے چہرے پر جمی رہیں۔

"اس یقین کے ساتھ کہو شرجیل احمد کہ تمہارا ہر راز اس سینے میں دفن رہے گا اور اللہ رب العزت نے جتنی مجھے طاقت اور اختیار عطا فرمایا ہے اتنی مدد میں تمہاری ضرور کروں گا۔" ابراہیم احمد کے انداز میں اپنائیت تھی۔ شرجیل کا گریز کچھ حد تک کم ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"میں نے آپ کو کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا ڈاکٹر ابراہیم احمد، مگر آج بتانا چاہوں گا میرا پورا نام محمد شرجیل علوی ہے اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد ہونے کے ناطے مجھ پر کچھ ذمہ داریاں تھیں مگر میں انہیں نبھا نہیں سکا مجھے اسٹوڈنٹ لائف میں ہی ایمان سے محبت ہوگئی اور......!" اس نے اپنی زندگی کا ہر روپ اس کے آگے رکھ دیا بے بسی اور دکھ اس کے انداز سے چھلک رہا تھا۔

"میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ابراہیم احمد کہ میں اس بے گناہ معصوم لڑکی کو اس صعوبت خانہ سے نکال لاتا۔ سمیعہ ہر لحاظ سے پارسا اور پاک دامن ہے ڈاکٹر ابراہیم مگر وہ لوگ پھر بھی اسے سزا دینا چاہتے تھے۔ یعنی میری وجہ سے ایک اور لڑکی برباد ہونے جا رہی تھی۔ میں کیسے جانتے بوجھتے ایک اور ایمان کو حالات کے بے رحم پنجوں میں چھوڑ دیتا، تم بتاؤ صحیح کیا میں نے؟" شرجیل نے اپنی مضطرب سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔ ابراہیم پُرسوچ خیالوں میں گم رہا۔

"ابراہیم احمد سمیعہ کو یہاں لانے کے بعد مجھے لگتا ہے میں اسے مسائل سے نکالنے سے قاصر رہا ہوں۔ ہم جس معاشرے کا حصہ ہیں وہاں اس قسم کے رشتوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ سمیعہ جذباتی فیصلے کا شکار ہوکر بھی خوش نہیں ہے۔ ابراہیم وہ شاکی ہے مجھ سے جبکہ اللہ گواہ ہے میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔" ابراہیم احمد نے ہنکارا بھرا پھر گویا ہوا تو لہجے میں سختی نہیں تھی۔

"اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود اسی لیے مقرر کی ہیں آپ لاکھ انہیں بہن سمجھیں یا کہیں بہرحال وہ آپ کی بہن نہیں بن سکتی۔ نامحرم لڑکی کے ساتھ تمہارا رہنا کسی بھی طور مناسب نہیں۔" شرجیل کا سر جھک گیا وہ متاسف ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں ابراہیم احمد، اسی لیے تو آپ سے رابطہ کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں آپ سے؟" شرجیل احمد کے کہنے پر ابراہیم ٹھٹک گیا۔

"پلیز آپ سمیعہ سے نکاح کرلیں۔ میرے پاس اس مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں، میں سمیعہ کا ہاتھ کسی ایرے غیرے کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا۔" وہ اتنی لجاجت اور کچھ ایسے مان سے کہہ رہا تھا کہ ابراہیم یکدم ساکن وساکت رہ گیا۔

"اصل مسئلہ تو تمہارے بیٹے کا ہے نا شرجیل احمد تو میرے خیال میں تم خود......!"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، بچہ سمیعہ کے پاس ہی رہے گا میں کہاں سنبھال سکوں گا اسے۔" شرجیل نے عجلت میں اس کی بات کاٹ دی۔ ابراہیم احمد کے پاس جیسے انکار کا جواز نہیں رہا۔

"سمیعہ بہت پیاری لڑکی ہے ابراہیم احمد، سگھڑ اور نیک اسے اپنا کر آپ کو روحانی مسرت ملے گی۔" شرجیل کے لہجے میں بڑے بھائی کی سی محبت وجوش تھا ابراہیم نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا یہ طے تھا کہ وہ اس اچھے اور مخلص انسان کو مایوس اور بددل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ فی الحال اس نے شادی کے متعلق دور دور تک نہیں سوچا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ اپنی پلاننگ پر نہیں اللہ کی پلاننگ پر ایمان رکھتا تھا۔ جن مقاصد کے تحت وہ پاکستان آیا تھا اسے یقین تھا ایک دن اللہ انہیں بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دے گا۔

❁......❁......❁

"یہ کیا کھیل کھیل رہے ہو تم لڑکے، تماشا بنا کر رکھ دیا تم نے سب کو، یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے سمجھے۔ بند کرو یہ ناٹک اور جاکر اسے لے کر آؤ۔" فراز نے ابھی کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ تاؤ جی جلال میں آکر اس پر چڑھ دوڑے۔ یہ ان کی گونج دار آواز کا ہی کرشمہ تھا کہ سب

اپنے اپنے کمروں سے نکل کر اس کی گوشمالی کا براہ راست نظارہ کرنے آگئے۔ فراز نے ان سنی کی اور اپنے کمرے میں جانا چاہا تھا کہ پاپا طیش میں اٹھ کر اس کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔

"فراز...... تم نے سنا نہیں بھائی جان کیا کہہ رہے ہیں۔" ان کے انداز میں بے حد برہمی تھی۔ آنکھیں یوں سلگ رہی تھیں جیسے غصہ ضبط کرنے میں بے حال ہوں۔ فراز نے پُرسکون نظروں سے انہیں دیکھا پھر سرد آواز میں بولا۔

"آپ یہی سمجھ لیں کہ اس معاملے میں میرے کان اور آنکھیں بند ہیں۔ میں اسے لینے نہیں جا رہا کیونکہ میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔" الفاظ تھے یا بارود کے گولے جس نے ہر سو تباہی مچادی تھی۔ ہر فرد کا ردعمل بے حد مختلف تھا مگر تاؤ جی تو جیسے گرم توے پر جا چڑھے تھے۔

"کیا بکواس کررہے ہو، دماغ درست ہے تمہارا؟" انہوں نے غصے سے کہتے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"تمیز سے بات کریں تاؤ جی، عزت صرف بڑوں کی ہی نہیں ہوتی اور طلاق دینا یا نہ دینا میرا ذاتی معاملہ ہے میں اپنے کسی عمل پر آپ کے آگے جواب دہ نہیں ہوں، سمجھے۔" حقارت بھرا سرد انداز کسی کے بھی چھکے چھڑانے کو کافی تھا۔ وہ سب کو ششدر چھوڑ کر مضبوط قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے معمول کے کام نمٹائے اور سونے کے ارادے سے بستر پر لیٹ گیا۔

"تم میری سنگین غلطی تھیں اریبہ شاہ، مگر میں اپنی غلطی کو سدھارنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔" نیند میں جانے سے قبل وہ یہی سوچ رہا تھا۔

"آخر ایسا ہوا کیا ہے فراز بیٹے کہ آپ اریبہ سے ایک ہی رات میں اتنے متنفر ہوگئے ہو۔ کچھ تو بتاؤ نا ہمیں؟" اگلی صبح ماما نے اسے گھیرنا چاہا تھا۔ وہ جانتا تھا سب کے ساتھ مما بھی اس بات کی خواہش مند ہیں کہ وہ اریبہ کو لے آئے۔ انہیں بھی اس سے زیادہ دنیا کی فکر تھی۔ وہ لوگوں کے طعنوں سے خائف تھیں۔ انہیں لوگوں کے سوالوں سے ڈر لگتا تھا۔ مگر فراز نے یہ سارے جھنجٹ نہیں پال رکھے تھے۔

"تم ایسے تو نہیں تھے فراز آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟" ممی کے روہانسی لہجے پر فراز نے عاجزانہ نظروں سے انہیں دیکھا پھر جھنجلا گیا۔

"ممی پلیز، مجھے فورس مت کریں میں کس کرب سے گزر رہا ہوں آپ کو اندازہ نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسی وحشت اور اذیت رقم تھی کہ ممی نے اس کے لمبے چوڑے وجود کو اپنے بازوؤں میں بھرنے کی کوشش کی۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں پریشان نہیں ہوں ایک بیٹا چھوڑ کر چلا گیا دوسرا ٹوٹتا ہوا نظر آرہا ہے۔" فراز ہونٹ بھینچے سرخ آنکھیں لیے کھڑا رہا۔

(میں کیا بتاؤں ممی کیا ہوا؟ آپ نے کبھی کسی کو اپنا پردہ ہٹا کر اپنی خامیاں آشکار کرتے دیکھا ہے میں کیسے خود کو عیاں کرلوں، وہ سب جو اس کی زبان سے سنا اس دن سے کٹ کٹ کر مر رہا ہوں۔ ذلت کا یہ کیسا احساس ہے جسے میں دوبارہ سوچنے کا تصور بھی محال سمجھتا ہوں۔ لوگ اتنے سفاک کیوں ہوتے ہیں کہ انہیں دوسروں کے جذبات و احساسات کی بھی پروا نہیں رہتی۔ اب میں خود سے اس کی باتوں کے باعث نظریں ملانے سے قاصر ہوں۔ کل اگر وہ آپ لوگوں کے سامنے زبان کھولے گی تو میں کیسے سامنا کروں گا سب کا) اس کا دل رو پڑا تھا۔

"تمہارے پپا بہت خفا ہیں بیٹا آپ کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔ ایک رات کی بیاہی دلہن کو طلاق...... نہیں بیٹے پلیز......!"

"ممی پلیز، آپ اس معاملے میں نہیں بولیں گی اگر آپ نے مجھے فورس کیا تو میں خودکشی کرلوں گا۔" مما کا رنگ اڑ گیا وہ ہونق زدہ اسے دیکھنے لگیں۔

"اللہ کا واسطہ ہے فراز، دوبارہ منہ سے ایسی بات نہیں نکالنا، مر جاؤں گی میں۔" فراز نے انہیں بے ساختہ تھام لیا تو وہ اس کے سینے سے لگ کر زار و قطار رونے لگیں۔ شرجیل کی جدائی کا غم ابھی کہاں کم ہوا تھا کہ یہ آزمائش

شروع ہوگئی۔ کتنا مجبور تھا وہ، ان کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ بھی نہیں بھر سکتا تھا۔

❀......❀......❀

"پریشانی بیان کرنے سے بڑھ جاتی ہے خاموش رہنے سے کم ہوتی ہے صبر کرنے سے ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔" اس کے ذہن میں کبھی کی کسی سے سنی بات پوری جزئیات سے روشن ہوئی تو آنکھوں کی سطح پھر سے نم ہوتی چلی گئی۔

"پتا نہیں میں صبر نہیں کر پارہا یا شکر نہ کرنے کے باعث یہ حال ہے۔ خوشی کی خواہش تو تب ہو جب دل اس کی ضرورت محسوس کرے۔ جب ضرورت نہیں تو حاجت کیوں؟" وہ ہونٹ کچل رہا تھا اس کا اضطراب ہر لحہ بڑھ رہا تھا۔

"سر! اسامہ بابا کو بہت سخت بخار ہے۔ دوا بھی دی ہے مگر ہوش میں نہیں آرہے۔" ملازمہ نے دستک دے کر اطلاع دی عباس ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور جیسے باقی سب کچھ بھول گیا۔ پھر اس کے بعد ڈاکٹر اور اسپتال کی ایک طویل اور اکتا دینے والی خواری شروع ہوگئی۔

"کیا آپ کی اپنی وائف کے ساتھ کوئی چپقلش چل رہی ہے مسٹر عباس، بچے کی یہ حالت ماں سے دوری کے باعث ہے۔" ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوا تجویز کرتے ہوئے جو بات کہی وہ خنجر بن کر عباس کے دل کو زخمی کرگئی۔ اگلے کئی ثانیے وہ کچھ بول نہ سکا۔

"دیکھیے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ کے درمیان جو بھی اختلافات ہیں انہیں اپنے بچے کی خاطر فراموش کردیں۔ والدین اپنی اولاد کی خاطر بہت کچھ کرتے ہیں یہ تو معمولی سی بات ہے۔" اس کی مہیب چپ کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نے نصیحت ضروری خیال کی تھی۔ عباس کی لہورنگ آنکھوں پر نمی پھیلنے لگی۔

"آپ کا اندازہ درست نہیں ڈاکٹر، میری مسز کا انتقال ہوچکا ہے۔" وہ بولا تو اس کی آواز کا بوجھل پن بے حد نمایاں تھا۔ اندر کتنی گھٹن در آئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے خود سے یہ اعتراف کرنا پڑا تھا کہ عریشہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ یہ اعتراف جتنا جاں گسل تھا اس سے بڑھ کر وحشت میں مبتلا کردینے والا تھا۔

"اوہ...... بہت افسوس ہوا کب ہوا یہ سانحہ؟" ڈاکٹر واحدہ سنانے میں گھر گئی تھیں۔

"تقریباً تین ماہ ہورہے ہیں۔" عباس نے آہستگی سے کہا۔ اس کا چہرہ ضبط کی کوشش میں بے تحاشا سرخ پڑ رہا تھا۔

"تین ماہ......؟" انہوں نے ٹھٹک کر عباس کی شکل دیکھی۔

"نہیں۔ آئی ایم شیور وہ لڑکی تو تین چار ہفتے قبل اس بچے کو لے کر میرے پاس آئی تھی۔ غالباً فاطمہ نام ہے۔ ایک بچی بھی ساتھ تھی۔" وہ حیران پریشان انداز میں کہہ رہی تھیں۔ ایک بار پھر عباس کو پوری شدت سے فاطمہ پر غصہ آیا تھا۔ پتا نہیں وہ فضول لڑکی اس سے چاہتی کیا تھی۔ اس کا طیش سے برا حال ہوگیا۔

"میری مسز کا انتقال ہوگیا ہے وہ بچے کی گورنس ہوگی۔" عباس نے رکھائی سے کہتے تغافل و بے نیازی کی حد کردی۔ ڈاکٹر واحدہ اچنبھے کا شکار نظر آنے لگیں۔

"ایم سوری، ایکچولی بچے اتنے اٹیچڈ تھے ان سے کہ مجھے مغالطہ ہوگیا۔ آپ کی مسز کا سن کر افسوس ہوا اللہ ان کی مغفرت فرمائے...... آمین" عباس اسامہ کو سنبھال کر باہر نکل گیا ڈاکٹر واحدہ خفت زدہ سی سر جھٹک رہی تھیں۔

......☆☆☆......

اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر آکر ڈرائیور کو ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا۔ پھر گردن موڑ کر اس بلند آہنی گیٹ کی جانب دیکھا۔ شہر کے پوش علاقہ میں آمنے سامنے بنے بنگلوں کی قطاریں اپنے مکینوں کی خوش ذوقی اور حیثیت کا تعین کرتی تھیں۔ کچھ دیر قبل ہی احسان بابا نے فون پر اسے اسامہ کی طبیعت کا بتایا تھا۔

"میں اس کے لیے دعا کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی احسان بابا۔ مجھے معاف کردیں میں بے بس ہوں۔" جواب میں وہ رو پڑی تھی۔

"صاحب گھر پر نہیں ہیں بیٹے۔ میں چاہتا ہوں اس دوران آپ آکر اسامہ بابا کو دیکھ لیں مجھے پورا یقین ہے اسامہ بابا آپ کو دیکھ کر بہتر محسوس کرے گا۔ بن ماں کے بچے ہیں بیٹے ان کی نانی اور ماموں نے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میں مجبور ہو آپ کو کہہ رہا ہوں بچے کی زندگی کو خطرہ ہے۔" احسان بابا کی گھبراہٹ اور تشویش دیکھنے قابل تھی۔ فاطمہ نے آنسو پونچھے اور ریسیور کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرکے جھجک کر بولی۔

"میں تو آجاؤں بابا لیکن عباس کو پتا چل گیا تو......"

"کچھ نہیں کہیں گے وہ آپ کو، اسامہ بابا کی بیماری سے وہ خود بھی پریشان ہیں۔" فاطمہ نے مزید سوچے بغیر کوچہ جاناں میں جانے کا قصد کرلیا تھا۔

"آپ آگئیں بیٹے آجاؤ میں آپ کا ہی انتظار کررہا تھا۔" اس نے ابھی چوبی دروازے کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے منتظر بابا کھل کر رہ گئے۔

"عباس تو نہیں ہیں نا گھر پر؟" احسان بابا نے سر کو نفی میں ہلا کر اسے تسلی دی اور اسے اپنے ہمراہ لیے بچوں کے کمرے میں آگئے۔ دونوں بچے بستر پر لیٹے تھے۔ چہرے پر بیزاری کے تاثرات لیے گورنس موجود تھی۔ کمرا بے ترتیبی کا شکار تھا۔ بچوں کے حلیے بھی ابتر ہو رہے تھے۔ صاف لگتا تھا گورنس بچوں کی صحیح طور کیئر نہیں کر پارہی۔ فاطمہ سے یہ سب دیکھا نہیں گیا۔ وہ تڑپ اٹھنے کے انداز میں تیزی سے حرکت میں آئی تھی سب سے پہلے اس نے نیم غنودہ اسامہ کو اٹھا کر اس کا لباس بدلا پھر نیم گرم پانی سے بچے کے ہاتھ پیر اور منہ صاف کیا۔ اسامہ اسے پہچانتا تھا اسے روبرو پا کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔ وہ اس سے ایسا چپکا کہ الگ ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ فاطمہ کو سارے کام اسے گود میں اٹھا کر انجام دینا پڑے۔

"صاحب کو گھر سے گئے چند گھنٹے بھی نہیں گزرے کہ تم نے بچوں اور کمرے کی حالت بگاڑ کر رکھ دی آج میں لازماً تمہاری شکایت کروں گا۔" احسان بابا فاطمہ کی مدد کرنے کے ساتھ گورنس کو بھی ڈانٹ رہے تھے۔

"کردینا شکایت، میں خود یہ کام چھوڑ رہی ہوں گورنس ضرور ہوں مگر تم لوگوں نے تو مجھے مشین سمجھ لیا۔" گورنس بھی جیسے بھری بیٹھی تھی۔ احسان بابا کو اس کی زبان درازی ناگوار گزری۔

"بچہ بیمار ہے تمہیں یہ تو خیال کرنا چاہیے۔ اس طرح تو تم اس کی بیماری کو بڑھا رہی ہو۔ یہ کسی طور بھی اپنے کام سے دیانت داری نہیں ہے۔"

"مجھے سبق پڑھانے کے بجائے صاحب سے کہو میرا حساب کردیں نہیں کرسکتی میں یہ نوکری۔" فاطمہ نے اسامہ کے ڈسٹرب ہونے کے باعث گھبرا کر احسان بابا کو ہی چپ کرایا۔

"اسامہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بابا، آپ انہیں باہر لے جائیں پلیز۔" اس کے احساس دلانے پر احسان بابا سر جھٹک کر باہر نکل گئے۔ فاطمہ نے سارے دھونے والے کپڑے ٹب میں ڈال دیے اور یونہی اسامہ کو کاندھے سے لگائے جیسے ہی باہر آئی پہلا سامنا ہی عباس سے ہوگیا۔ جو تیز تیز قدم اٹھاتا اسی سمت آرہا تھا۔ فاطمہ کا رنگ فق ہوگیا۔ اس کے بگڑے تیور دیکھتے اس کے قدم زمین سے اکھڑنے لگے۔

"احسان بابا! تمہاری کارکردگی کی بہت تعریف کر رہے ہیں۔ غالباً یہ سب کچھ تم کسی منصوبے کے تحت کررہی ہو مقصد بتانا پسند کرو گی اپنا؟" عباس نے فوراً ہی اس پر حملہ کیا۔ لہجہ گویا دہکتا انگارہ تھا جو چابک بن کر اس کے اعصاب پر برسا۔ وہ سرتاپا کانپنے لگی۔

"بہت شوق ہے تمہیں بچے پالنے کا، گورنس اس کام سے اکتا گئی ہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر اس کی جگہ تم لے لو۔ ہاں دوگنا معاوضہ تمہارا ضرور بنتا ہے کہ تم اس سے بہتر انجام دیتی ہو کام کو۔" اس کے دھیمے لہجے میں بھی غضب کا قہر اور تلخی پوشیدہ تھی۔

"واپس جاؤ بچوں کے کمرے میں آج سے تم اپنی سابقہ ہر حیثیت کو فراموش کردینا۔ یہاں رہنے کے علاوہ ضروریات زندگی سے متعلق ہر شے تمہیں فراہم کی جائے

گی۔ اگر یہ آفر قبول ہے تو رک جانا ورنہ میرے گھر کے آس پاس بھی کبھی نظر آئیں تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔“ وہ غضبناک انداز میں کہہ کراسی قہر ساماں تاثرات کے ساتھ پلٹ کر چلا گیا۔ وہ ہونٹ بھینچے اپنی بلبلاتی انا کو دبا رہی تھی۔

فاطمہ نے اس فرمان شاہی کے مطابق واقعی اپنی سابقہ ہر حیثیت فراموش کردی۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ انڈیا کی چند امیر ترین بزنس وومنز میں سے ایک کی اولاد ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ امریکا میں اس باپ اور بھائی ایک باوقار مقام رکھتے ہیں۔ اسے صرف یہ یاد رہ گیا تھا کہ اس طرح اسے عباس حیدر کے قریب رہنے کا موقع میسر آگیا ہے۔ وہ دن میں کئی مرتبہ بغیر کسی مشقت اور خواری کے عباس کو دیکھ لیا کرے گی۔ اب تک ہجر وفراق کی کٹھنائیاں عبور کرتے اسے لگا پہلی مرتبہ اس کے قدم منزل کی طرف جانے والے راستے پر پڑے ہیں۔ وہ خوش ہونا چاہتی تھی اس کا یہ لامتناہی سفر رائیگاں نہیں گیا تھا۔ یہ دل کا فیصلہ تھا۔ یہی دل اسے تھپک کر تسلی دیتا تھا۔

وعدہ وصل کی امید کے بر آنے تک
ہم تیرے ہجر سے ہجرت نہیں کرنے والے

❁......❁......❁

پھر یوں ہوا کہ ساتھ تیرا چھوڑنا پڑا
ثابت ہوا کہ لازم و ملزوم کچھ نہیں

اس نے سرد آہ بھر کر نیلے آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھا شام ہونے پر پرندے واپس اپنے ٹھکانوں کی سمت عازم پرواز تھے۔ پرندوں کی اس اڑان میں بھی ایک خاص ترتیب تھی۔ اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کماد کی فصل کو دیکھا جو بالکل تیار حالت میں کھڑی تھی۔ غروب ہوتے سورج کی آخری کمزور شعاعیں ان تک پہنچ کر ماحول کے اداس پن کو مزید اجاگر کررہی تھیں۔ اس کی سرخ آنکھوں میں بے بسی کی صورت پھیلنے لگی۔ بات کتنی معمولی تھی مگر معمولی نہیں رہی تھی اور یہ سب کچھ لاریب کی شدت پسندی اور انتہا پسندی کے باعث ہی ہوا تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی خرابی طبیعت کے باعث اسے متلی ہونے لگی تھی۔ اماں سادہ لوح تھیں جبھی انہوں نے اپنے طور پر جو اخذ کیا اس کے حساب سے لاریب کے سامنے خوشی وانبساط کا اظہار کر ڈالا۔

”رب سائیں کا کرم ہوا ہے پتر، سہاگن کے لیے بڑا بھاگوں والا ہوتا ہے یہ وقت جب اسے ماں بننے کی خوشخبری ملتی ہے۔ میں ابھی سکندر سے کہہ کر شیرنی منگواتی ہوں۔“ ان کا لہجہ بھی ان کے چہرے کی طرح کھلا پڑ رہا تھا۔ اندر آتے سکندر نے یہ بات سنی تھی اور اپنی جگہ پر ہی ٹھہرتا ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ لاریب کے موڈ کے پیش نظر وہ اماں کو ابھی سبھاؤ سے سمجھانے کا ارادہ ہی کررہا تھا کہ ہک دک سی لاریب اس تحیر سے نکلی پھر جیسے سبکی وخفت کا شکار ہو کر اماں پر برس پڑی۔

”واٹ...... آپ کو اندازہ ہے آپ کیا بکواس کررہی ہیں؟“ وہ حلق کے بل چیخی۔ اماں اس درجہ بدتمیز انداز پر کسی طرح بھی چہرے کو پھیکا پڑنے سے نہیں روک سکیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں ایک لمحے میں خوشی کی جگہ آنسوؤں نے لے لی تھی۔

”شٹ اپ لاریب۔“ سکندر پھنکارا مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

”اپنے فضول اندازے سنبھال کر رکھیں۔ آپ کا بیٹا ہرگز بھی اس قابل نہیں ہے کہ میں اسے اتنی جرأت بخشوں۔ آئندہ سوچ سمجھ کر مجھ سے......!“ اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث سکندر کا اٹھا ہوا ہاتھ تھا جو تھپڑ کی صورت لاریب کا چہرہ سرخ کر گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹی اور جیسے پتھر کی ہوگئی۔ اس کے بجائے اماں کے منہ سے خوفزدہ چیخ نکلی تھی۔

”تم بھی اپنی بکواس بند رکھو اور دفع ہوجاؤ یہاں سے ورنہ میں جان سے مار ڈالوں گا تمہیں۔“ وہ یکدم کتنا بپھر گیا تھا۔ وہ حواس باختہ سی اسے دیکھنے لگی۔

”سکندر، او سکندر کی ہو یا اے، سنبھال اپنے آپ کو، ہوش کر۔“ اندر اپنے کمرے سے بابا بدحواس بھاگے آئے

تھے اور بے قابو ہوتے سکندر کو اپنے بازوؤں میں سنبھالتے غم و غصے اور رنج کی کیفیت سے دوچار ہوتے اسے لرزتی آواز میں ڈانٹا۔ اماں کو دیکھ کر لگتا تھا اس صورت حال کی سنگینی کو نہ سہتا ان کا نازک دل کسی وقت بھی دھڑکنا چھوڑ دے گا۔ ایسے ہی خوفزدہ قسم کے تاثرات تھے ان کے۔

"چھوڑ دیں بابا مجھے، میں مزید برداشت نہیں کرسکتا۔ بے غیرت نہیں ہوں میں یہ میرے والدین کو بے عزت کرتی رہے اور میں چپ کر کے سنتا رہوں کسی بھی بات کی کوئی حد ہوتی ہے۔" وہ بابا سے خود کو چھڑاتا وحشت سے پھٹتی آواز میں چلایا۔ لاریب سکتہ زدہ کھڑی اس کی آنکھوں سے پھوٹتی چنگاریوں کو دیکھے جارہی تھی۔ بابا اسے ڈانٹتے زبردستی کمرے میں لے گئے۔ لاریب نے رخ پھیرلیا اور ٹوٹے ہوئے قدموں سے چلتی اپنے بستر پر آکر ڈھے گئی۔ تب سے پتھرائی ہوئی آنکھیں سمندر بن گئیں۔ سکندر نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس کے انداز میں اس کے لہجے میں کتنی نفرت تھی ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا حالانکہ لاریب نے ہر انتہا کو چھولیا تھا مگر سکندر کی آنکھوں میں اس نے کبھی نفرت چھلکتی نہیں دیکھی تھی۔ وہ پہلی بار عباس کے نقصان پر نہیں روئی۔ وہ پہلی بار خالصتاً اپنے نقصان پر روئی تھی۔

"اپنے آپ کو سنبھال پتر، جوان مرد اس طرح نہیں حوصلہ ہارتے۔" اس کے گالوں پر بکھرتے آنسو بابا کے ضبط و برداشت کا امتحان لینے کو کافی تھے۔ سکندر نے کچھ کہے بغیر اماں کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے معاف کردیں اماں، یہ سب کچھ میری وجہ سے سہنا پڑا ہے آپ کو۔" وہ واقعی سسک اٹھا تھا۔

"نہ پتر ایسا نہ کہہ، بچی بھی دکھی ہے اپنی جگہ پر میں نے کب برا مانا اس کی بات کا۔ پھر تیرا تو سرے سے کوئی دوش ہی نہیں۔ فکر نہ کر اللہ سائیں سب کچھ پھر سے چنگا کردے گا۔" وہ اسے تسلی دلاسہ دیے خود روئے گئی تھیں۔ بابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا اماں میں نے اب ہر امید چھوڑ دی۔" وہ حد درجہ شکستہ اور مایوس تھا۔

"ایسا نہیں کہتے پتر، دل بڑا رکھ حالات ہمیشہ ایک جیسے کب رہتے ہیں۔" اماں نے اس کا کاندھا تھپکا۔ سکندر ہونٹ بھینچے سرخ آنکھیں جھکائے بیٹھا رہا۔

"سکندر بے مجھے تم سے کچھ کہنا ہے پتر، میرا خیال ہے یہی مناسب وقت ہے کہ مجھے تمہیں بتادینا چاہیے۔" بابا کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ اماں کے ساتھ سکندر نے بھی چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"پتر سب سے پہلے تو میری خود غرضی کو معاف کردینا کہ آج تلک تجھ سے پوری بات چھپائی۔" وہ بے حد نادم ہوتے کہہ رہے تھے۔ سکندر نے ایک پل کو حیران نظریں اٹھائیں۔

"میں اپنے مفاد کے لالچ میں تیرے نفع نقصان سے بے غرض ہوچکا تھا مگر اب حالات کا تقاضا ہے کہ تمہیں تمہاری حقیقت بتادوں۔" اماں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور سر جھکا کر آنسو پونچھنے لگیں۔ سکندر نے سپاٹ چہرے کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"کیا بتائیں گے بابا، یہی کہ میں آپ کی اولاد نہیں ہوں۔ آپ کے کسی رشتہ دار کی اولاد ہوں۔ یہ بات میں بہت پہلے سے جانتا ہوں مگر آپ نے والدین بن کر مجھے پالا ہے میرے لیے ماں باپ آپ ہی ہیں۔" اس کا لہجہ و انداز بے تاثر ہی تھا۔ بابا نے سر کو مجرمانہ انداز میں نفی میں جنبش دی۔

"میں نے آدھا سچ تمہارے سامنے رکھا تھا وہ بھی اس لیے کہ میری خواہش تھی کہ تمہاری شادی ہم اپنی دھی ثانیہ سے کردیں مگر قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ تمہارا لاریب بی بی سے جوڑ تھا اور میں سمجھتا ہوں وہی تمہارے قابل بھی تھیں۔" سکندر تڑپ اٹھا۔ بابا کی تعریف بھی اس پل چابک بن کر لگی تھی۔

"سن سکندر بے میں آج بھی تجھے یہ بات نہ بتاتا اگر بی بی تجھے اتنا ذلیل نہ کرتیں۔ وہ تجھے خود سے کمتر سمجھتی ہیں جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ تو خاندان اور حسب نسب میں

لاریب بی بی کے برابر کا ہی ہے۔ تمہیں میری رشتہ دار ضرور مجھے دے کر گئی تھیں مگر تم اس کی نہیں اس کے امیر کبیر مالک کی اولاد تھے۔ جن کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا تھا اور تمہارے رشتے کے تایا چچا تمہیں راستے سے ہٹا کر اصل مالک بننے کی خواہش میں تمہاری جان کے درپے ہوگئے تھے۔ پتر وہ ملازمہ سب جان گئی تھی جبھی اپنے مالک سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے تمام ثبوتوں کے ساتھ تمہیں یہاں چھوڑ گئی۔ اسے یقین تھا وہ لوگ اس بستی میں تمہیں ڈھونڈ نہیں سکیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ وہ آج تک تمہاری خاک کو بھی نہیں پہنچے۔" بابا ایک کے بعد دوسری حقیقت منکشف کررہے تھے اور سکندر بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ بابا نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا۔

"تجھے حیرت اور خوشی نہیں ہوئی؟" وہ اس کے جامد تاثرات سے حیران تھے۔

"شاید میں سب احساسات کھوچکا ہوں بابا، میرے نزدیک کسی انکشاف کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹے، تم وہاں جاؤ اپنا سب کچھ واپس لو یہ تمہارا حق ہے۔" بابا کے کہنے پر سکندر زہرخند سے مسکرایا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے بابا جتنا آپ نے سمجھ لیا، پھر اس خواری میں پڑنے کا فائدہ اور جس کی خاطر آپ مجھ سے یہ سب کروانا چاہتے ہیں اسے میری حیثیت و مرتبے سے فرق پڑنے والا نہیں۔ وہ نفرت میری حیثیت سے نہیں مجھ سے کرتی ہے۔" اس نے تلخی سے کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلا آگیا۔ پھر وہ رات گہری ہونے پر بھی پلٹ کر گھر نہیں آیا۔ دل میں خواہش ہی کہاں باقی تھی۔ زندگی کا یہ ایسا مقام تھا کہ اس کا دل خودکشی کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اسے زندگی میں کبھی لاریب سے نفرت نہیں ہوئی مگر اس پل وہ لاریب سے نفرت محسوس کررہا تھا۔ اسے اپنے احساسات پر شرمندگی تھی اسے اپنی محبت پر شرمندگی تھی۔

اس محبت نے کچھ نہیں رہنے دیا تھا۔ عزت نفس سے لے کر انا و وقار تک، وہ بالکل کھوکھلا ہوچکا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی نقصان ہوسکتا تھا کہ جس محبت کی خاطر اس نے ہر نقصان کو فراخدلی سے جھولی میں ڈالا تھا وہ بھی محبت اس کے پاس نہیں رہ سکی تھی۔

❀......❀......❀

اس نے گیلے بال سلجھا کر دوپٹا اوڑھتے پرسکون انداز میں سوئے اسامہ اور دیا کو دیکھا۔ اس کی مسکان میں کتنا سکون اور آسودگی تھی۔ کیا کمی تھی بھلا اب؟ زندگی مکمل تھی۔ مقصد تو محبت کی دید تھی جو مل رہی تھی۔ اس کے جگر گوشوں کی قربت نے سرشاری و طمانیت کے ایسے در وا کیے تھے کہ وہ ہر لمحہ خود کو مگن و مست محسوس کیا کرتی۔ صرف بچے ہی نہیں وہ تو خود بھی صحت مند نکھری ہوئی اور خوب صورت لگنے لگی تھی۔ تکمیل انسان کو اسی طرح آسودہ کردیا کرتی ہے وہ اکثر سوچ کر مسکرایا کرتی۔

"بی بی جی آپ کا فون ہے۔" ملازمہ دستک دے کر اندر آئی تھی گو کہ اس کی حیثیت بھی اب یہاں دیگر ملازموں سے مختلف نہیں تھی مگر ملازمین اس کی سابقہ حیثیت سے آگاہ تھے جبھی عزت و احترام دیا کرتے۔

"میرا......کون ہے؟" فاطمہ نے اچنبھے میں مبتلا ہوکر ملازمہ کو دیکھا جس کے ہاتھ میں کارڈلیس تھا۔

"زینب صاحبہ ہیں؟" ملازمہ کی وضاحت پر فاطمہ خوشگواریت میں گھر کر بے اختیار آگے بڑھی اور کارڈلیس لے لیا۔

"السلام علیکم، زینب کیسی ہیں۔ ایک آپ ہی ہیں جو مجھے نہیں بھولتیں۔" وہ فون کان سے لگاتے ہی چہکی جبکہ دوسری جانب زینب نے گہرا سانس بھرا۔

"وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں الحمدللہ، تم ٹھیک ہو؟ فاطمہ ایک ہستی تمہیں مجھ سے بھی زیادہ یاد رکھتی ہے، جو ایک لمحہ بھی تمہیں نہیں بھولتی۔" فاطمہ کچھ دیر خاموشی اور حیران سی کھڑی رہ گئی۔

"ایسی کون سی ہستی ہے بھلا؟"

"اللہ......اللہ کبھی بھی اپنے بندوں کو نہیں بھولتا۔ ان کی ہر ضرورت ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے والا وہی ہے۔ جواب میں بس وہ ہم سے اپنی اطاعت و عبادت چاہتا

ہے۔ محبت چاہتا ہے یہ تو حق ہے نا اس خالق کا۔" زینب کا انداز نرم ضرور تھا مگر ناصحانہ تھا۔ فاطمہ کچھ بولنے کے قابل نہیں ہوسکی۔ وہ سمجھ نہیں سکی اسے زینب کی بات نے شرمندگی سے دوچار کیا ہے یا ناراض ہے۔ دونوں کے بیچ خاموشی ٹھہر گئی جسے زینب نے توڑا۔

"تم نے اپنا گھر کیوں چھوڑ دیا، فاطمہ؟" وہ اس بات پر ہرٹ تھی، اس کا لہجہ گواہی دے رہا تھا کہ اسے فاطمہ کا یہ اقدام پسند نہیں آیا۔

"کچھ تو بولو فاطمہ، مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ تم عباس کے گھر پر ہو۔" زینب کے لہجے میں اترا دکھ فاطمہ کو اپنے دل میں اترتا محسوس ہونے لگا۔

"میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا زینب، بچوں کی گورنس جاب چھوڑ کر جاچکی تھی۔" اس نے روہانسی ہوکر کہا تو دوسری جانب زینب ششدر رہ گئی۔

"یعنی اب تم اس کے بچے سنبھالوگی، اپنے گھر پر یہ کام کرنا الگ بات تھی فاطمہ مگر......!" زینب کے لہجے میں صرف دکھ نہیں رنج وملال بھی تھا۔ فاطمہ دلگیری سے مسکرادی۔

"تم پریشان نہیں ہو زینب، میں یہ کام پہلے بھی کرچکی ہوں۔" اس کا لہجہ بے بس تھا۔

"وہ تمہاری ہمدردی ومحبت تھی فاطمہ! عباس صرف تمہیں نیچا دکھانا چاہ رہا ہے وہ تمہاری بے بسی ولاچاری سے آگاہ ہوچکا ہے۔ چاہتا تو تمہیں تمہاری حیثیت کے مطابق بھی درجہ دے سکتا تھا۔" زینب کو اب غصہ آنے لگا۔ یہ بے وقوف محبت کی ماری لڑکی خود کو کس درجہ پامال کررہی تھی اور جس کی خاطر کررہی تھی اسے احساس تک نہیں تھا۔

"زینب یاد کرو تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا میں اپنے تمام معاملے اللہ کے سپرد کردوں، میں نے ایسا ہی کیا اب یہ راستے خودبخود کھل رہے ہیں۔ تم نے ہی کہا تھا کہ جو کام خودبخود ہو وہ رب کی منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ تم نے کہا تھا انسان کو سب کچھ حسب منشا نہیں ملتا۔ تقدیر کا ایک اشارہ ہماری سالوں کی پلاننگ پر پانی پھیر دیتا ہے۔ زینب تم نے ہی کہا تھا کہ ہمارے لیے رتبے اور مقام پروردگار خود متعین فرماتا ہے اور جو انسان جس رتبے کا اہل ہو اسے وہی رتبہ عطا کرتا ہے۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے زینب، میں رب کی رضا میں راضی رہنا چاہتی ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ ہی میری بہتر خبر گیری کرنے والا ہے اور مزید یہ کہ اگر میں اپنے رب پر بھروسہ قائم رکھتی ہوں تو رب بھی میرے بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گا۔" اسے خاموشی سے سنتی زینب کچھ اور بھی خاموش اور گم صم ہوگئی۔ وہ اسے کہہ نہیں سکی کہ وہ راستہ بدل رہی ہے قرآن کو سیکھنا چھوڑ کر نماز کو پڑھنا چھوڑ کر وہ صرف دنیا کی خواہش دنیا کی زیست کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ یہ گھاٹے کا سودا ہے اسے لگا اس بات کو کہنے کا فائدہ ہی نہیں ہے۔ فاطمہ سمجھنے کی صلاحیت کھو چکی تھی۔ عمل کی قوت کہاں سے لاتی۔ اس کے حواس پر آج بھی عباس ہی سوار تھا۔

"کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جو حرام وحلال کا فرق بھلا دیتے ہیں۔ انسان کی سوچ پر شیطان کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ میں نفس کی اس حد تک غلام نہیں ہوں مجھے اچھے برے گناہ وثواب کی تمیز آچکی ہے۔ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جو روز محشر مجھے اپنے رب کے سامنے شرمسار کرڈالے۔" وہ کتنے رسان سے کہہ رہی تھی زینب آہستگی سے مسکرادی۔

"خوش رہو فاطمہ، میں تمہاری اصلاح اور بہتری کی دعا کرتی رہوں گی میں کوشش کروں گی کسی دن تم سے ملنے بھی آسکوں تم بھی مدرسے آیا کرنا تمہارا قرآن ادھورا رہ گیا ہے اپنا خیال رکھنا فی امان اللہ۔"

"ضرور زینب، میں آؤں گی، فی امان اللہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کردیا اور کارڈلیس رکھنے کے بعد الماری کھول کر جائے نماز نکالنے لگی۔ زینب سے بات کر کے اسے عجیب شرمندگی نے آن لیا تھا۔ دنیاداری میں کھو کر وہ رب کی یاد سے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہوتی جارہی تھی۔ جائے نماز قبلہ رخ بچھاتے اس نے ایک نظر پھر دونوں سوتے ہوئے بچوں کو دیکھا اور مطمئن ہوکر نیت

باندھ لی۔

آج اس کی نماز میں بھی ایک انوکھا سرور تھا۔ ایسی طمانیت جو روح تک کو اجال دے۔ وہ رب کی یاد میں اتنی مشغول تھی کہ دیا کے رونے کی آواز سے بھی بے خبر رہی۔ یہاں تک کہ اپنے کمرے کی سمت جاتے عباس کے قدم کوریڈور میں ہی ٹھٹک گئے۔ وہ خراب موڈ کے ساتھ بچوں کے کمرے کی جانب آیا۔ عباس نے آگے بڑھ کر بچی کو اٹھایا پھر قہر بھرے انداز میں فاطمہ کو آوازدی تھیں۔

"سندنی...... سندنی......؟" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ دعا میں مشغول فاطمہ ہڑبڑا کر اٹھی اور اسے روبرو پا کر جیسے اس کی جان نکلنے والی ہوگئی۔

"کہاں تھیں محترمہ آپ؟ اس کا مطلب آپ کی کارکردگی بھی ناقص رہی۔ کیا سمجھوں میں اس کوتاہی کا مطلب؟" وہ برسنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"آئی ایم سوری میں وہ...... لائیں اسے مجھے دے دیں۔" گڑبڑا کر بات ادھوری چھوڑتی وہ سٹپٹا کر بولی۔ عباس نے قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے دیا کو اس کے حوالے کردیا۔

"اسے سلانے کے بعد آپ آ کر میری بات سنیے گا۔" اس کا لہجہ بھی اس کے انداز کی طرح تڑخا ہوا تھا۔ جتنی دیر وہ دیا کو سلاتی رہی اس کا دل عباس کے بلاوے میں اٹکا ڈولتا رہا۔ دیا کے سونے کے بعد وہ بوجھل دل کے ساتھ بھاری قدم اٹھاتی عباس کے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔

"آجائیں، کھلا ہے دروازہ۔" اس نے نم آلود ہتھیلی کا دباؤ ڈال کر دروازے کو دھکیلا اور جھکی نظروں کے ساتھ کسی مجرم کی طرح اس کے سامنے جا ٹھہری۔

"زینب کون ہیں، جن کا آج فون آیا تھا آپ کے لیے؟" فاطمہ نے اس بے معنی سوال پر لحہ بھر کو اسے دیکھا۔

"زینب دوست ہے میری، میں انہی کے ساتھ انڈیا سے یہاں آئی تھی پھر کچھ عرصہ ان کے یہاں قیام بھی کیا تھا۔" فاطمہ پر جواب لازم تھا۔ حالانکہ وہ یہ جواب متعدد بار پہلے بھی دے چکی تھی مگر یا تو وہ بھول جاتا یا پھر دانستہ نظر انداز کرتا تھا۔

"تم یہاں کس مقصد کے تحت آئی تھیں؟" عباس کی چبھتی نظریں فاطمہ کے خائف چہرے پر جم گئیں۔

"مجھے ہر صورت اپنی بات کا جواب چاہیے سندنی صاحبہ، یاد رکھو کہ تم اب ملازمہ ہو میری۔" عباس نے اس پر اس کی حیثیت کو واضح کرکے گویا جتلایا۔ فاطمہ کا رنگ فق اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہونے لگیں۔

"میں مسلمان ہوچکی ہوں اور میرا نام فاطمہ ہے۔" وہ بولی بھی تو کیا۔ عباس اپنے طیش پر قابو نہ رکھ سکا اس کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ فاطمہ کے حواس چھین کرلے گیا۔ وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے بھی کرسکتا ہوں تم انڈیا سے آئی ہو تمہارے مقاصد غلط بھی ہوسکتے ہیں۔ بہتر ہے سچائی اگل دو میرے سامنے۔" وہ غرانے کے انداز میں کہہ رہا تھا فاطمہ ہراسمگی کے عالم میں سسک پڑی۔

"مجھ پر شک مت کریں، میں غلط ارادے سے نہیں آئی ہوں۔ اللہ جانتا ہے میرا کوئی غلط مقصد نہیں ہے۔" عباس نے سلگتی نظروں سے اس کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔" اس مژدہ جانفزا کو سن کر بھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہی تھی کہ اس کی پوزیشن کلیئر ہوئی ہے یا نہیں۔ البتہ یہ احساس بھی کچھ کم طمانیت آمیز نہیں تھا کہ وہ بہرحال ملازمت سے نہیں نکالی گئی ہے۔

❁......❁......❁

زندگی کی دعا نہیں دیجیے
ضد نہیں کیجیے ڈوبنے دیجیے
اپنی تشنہ لبی کا تقاضا ہے یہ
پانیوں کے سفر پر چلیں جس گھڑی
ساحلوں پر کوئی بھی ہمارا نہ ہو

سکندر نے بے دلی سے اس فائل اور تصاویر کو واپس بیگ میں رکھا جن کے متعلق بابا کا خیال تھا اسے اس کی اصل حیثیت اور حقوق واپس دلانے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر بہت یاسیت آمیز

مسکان بکھری تھی۔ یہ بابا اماں کی ہی مسلسل سمجھانے بجھانے کی کوششیں رنگ لائی تھیں کہ وہ اپنی تلاش اپنی پہچان پانے کے لیے تمام تر مایوسی، بے دلی اور بے رغبتی کے باوجود یہ سفر اختیار کرنے پرآمادہ ہوگیا تھا اور جب وہ جا رہا تھا سب سے پہلے حویلی میں بابا سائیں نے اسے خدا حافظ کہا تھا۔

"تمہارے بابا صحیح کہتے ہیں سکندر بیٹے تمہیں اپنی اصل شناخت ضرور حاصل کرنی چاہیے۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ آج کے دور میں انسان کو اس کی شرافت سے نہیں اس کی مالی حیثیت و دولت کے بل بوتے پر عزت وتکریم سے نوازا جاتا ہے۔ جاؤ بیٹے خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ اپنے والدین اور لاریب کی جانب سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں تمہارے بعد وہ میری ذمہ داری ہیں۔" سکندر خاموشی سے چلا آ گیا' کون جانتا تھا اس کا دل کتنا بوجھل اور افسردہ تھا۔ اماں بابا نے اسے امید اور خوشی کے ساتھ کامیابی کی دعاؤں سے بھی نوازا اور رخصت کیا۔ تب بھی کوئی جذبہ کوئی احساس اس کے اندر نہیں اٹھا۔ بیگ اٹھاتے جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا جانے کس جذبے کے تحت اس پل کمرے سے نکل کر پلر سے لگ کر کھڑی لاریب کے پاس اس کے قدم تھم گئے تھے۔

"گو کہ یہ سفر آپ کی وجہ سے ہی اختیار کیا جا رہا ہے لاریب بی بی، مگر میں دیگر لوگوں کی طرح نہ تو خوش فہم ہوں نہ خوش گمان۔" دونوں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ دونوں کے چہروں پر ملال تھا۔ سکندر نے سرد آہ بھرتے ہوئے مزید کہا۔

"کامیابی کے نوے میں سے دس فیصد بھی چانس نہیں دیتا میں خود کو۔ آپ یہ بھی سمجھ سکتی ہیں حالات و واقعات نے مجھے پوری طرح سے مایوس اور بددل کردیا ہے آپ سے صرف اتنا کہنا چاہوں گا اگر میں ناکام ہوگیا اپنے مقصد میں تو پلٹ کر آپ کے پاس نہیں آؤں گا بلکہ آپ کو اس غیر اہم اور ناگوار تعلق سے آزاد کردوں گا جو آپ کو شرمندگی دکھ اور آزمائش کے سوا کوئی احساس نہ دے سکا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ میری اس کوتاہی کو معاف کردیجیے زندگی کا یہ ایسا مقام ہے جب میں آپ سے کسی چیز کا بھی خواہش مند نہیں ہوں یہاں تک کہ معافی کا بھی نہیں......" آخری فقرہ اس کے منہ میں تھا جب لاریب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ہونٹ بھینچے تیزی سے بھاگتی اندر کمرے میں واپس چلی گئی۔ سکندر نے یاس کن نظروں سے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور شکستگی سے مسکرا دیا۔ اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ اس کے باوجود کہ اس کا سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

فراز اپنے دھیان میں چلتا ہوا اندر آیا تھا۔ سیل فون اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ وہ کسی آفیشل ڈیل کو طے کررہا تھا مگر پہلی نگاہ ہی بیڈ پر بیٹھی اریبہ پر پڑی تو اس کے اعصاب کو جیسے شدید ترین الیکٹرک شاک لگا تھا۔ اس نے ناگواریت میں مبتلا ہوتے سب سے پہلے رابطہ منقطع کیا پھر بیگ صوفے پر پھینکتا قہر ساماں تاثرات کے ساتھ اریبہ کو خائف چھوڑ کر تیزی سے پلٹ گیا اور باہر آتے ہی ماما کو تقریباً چیختے ہوئے پکارا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے خیریت؟" مما جو لاؤنج میں ہی تھیں اس کی آواز پر بدحواس بھاگی آئیں۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں اس مصیبت کو گھر میں لانے کے باوجود؟" وہ دھیمے لہجے میں غرایا مگر غیض و غضب ایسا تھا کہ سامنے آئی ہر شے کو تباہ و برباد کرڈالے گا۔ یہاں تک کہ مما بھی بوکھلا گئیں۔

"بیٹے اریبہ کو بھائی صاحب لے کر آئے ہیں اور......!"

"کیوں؟" وہ حلق کے بل چیخا۔ رنگت لہو کی طرح سرخ ہوچکی تھی۔

"وہ ہوتے کون ہیں میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے میں اسے آج طلاق بھیج رہا تھا اور آپ......!"

"بکواس بند کرو فراز خبردار جو آئندہ یہ الفاظ اپنی زبان پر لائے۔" تاؤجی اپنے کمرے سے نکل کر آئے تو فراز اسی

قہر بھرے انداز میں ان کی جانب پلٹ گیا۔

"بہتر ہوگا تاؤجی اگر آپ میرے معاملے میں نہ بولیں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا تو تاؤجی تنفر سے ہنس دیے۔

"اچھا، دوسری صورت میں کیا کرلو گے تم؟" وہ چٹخے تو فراز کا خون ابلنے لگا۔

"آپ قتل جیسا جرم کرکے بھی طلاق کو غلط سمجھتے ہیں واہ تاؤجی۔" اس کا لہجہ حقارت آمیز تھا۔ تاؤجی جزبز ہوئے۔ ان کا شدت سے دل چاہا کہ اس کی زبان کھینچ لیں۔

"بات کو سمجھنے کی کوشش کرو فراز، سمعیہ اور شرجیل کی گمشدگی نے کم افسانے نہیں بنائے باقی کسر تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر پوری کردو۔ علوی خاندان تو ویسے ہی لوگوں کی زبان پر ہے۔" انہوں نے پینترا بدل کر اس پر گرفت کرنی چاہی تو فراز زہرخند سے مسکرایا۔

"اس کا آغاز آپ کے کارناموں کی وجہ سے ہوا تھا نہ آپ آفاق چاچو کو مارتے اور نہ......!"

"خدا کا واسطہ ہے چپ کرجاؤ، ساری دنیا کو سناؤ گے تمہاری غلط فہمیوں کا بھی کوئی انت ہے بھلا؟" تاؤجی جیسے روہانسے ہوگئے تھے۔

"یہ اعتراف جرم تائی ماں خود کرچکی ہیں سمجھے آپ، غلط فہمی کو رہنے دیں اور دوسری بات یہ کہ اس عورت کو جیسے لے کر آئے ہیں ویسے ہی چھوڑ بھی آئیں۔ ورنہ میں ابھی اسی وقت اسے طلاق دے دوں گا۔ سنا آپ نے رکھ لیجیے گا پھر اسے یہاں جس حیثیت سے رکھنا ہوگا۔" اس کے غصیلے انداز میں کچھ ایسی قطعیت تھی کہ وہاں موجود ہر شخص جیسے سکتے میں آ گیا۔ اریبہ جو اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کو وہاں آ کھڑی ہوئی تھی کچھ اس طور بدحواس ہوئی کہ بے اختیار روتی ہوئی اس کے قدموں میں بیٹھ کر گڑگڑانے لگی۔

"خدا کا واسطہ ہے فراز ایسا مت کیجیے۔ معاف کردیں مجھے۔ غلطی ہوگئی مجھ سے پلیز معاف کردیں۔" آتشی گلابی ساڑھی میں میچنگ زیورات سے سجی خوشبوؤں سے مہکی مگر زرد چہرے والی اریبہ کا یہ روپ فراز کو چند ثانیوں کو سہی مگر ہک دک کرکے رکھ گیا۔

"اب عقل کے ناخن لینا اور شوہر کے ساتھ سسرال کے ہر فرد کی خدمت کرکے اس گھر میں اپنی جگہ بنانا تمہارا کام ہے اریبہ، یہ کوشش ہر لڑکی کو کرنا پڑتی ہے۔ تمہارے شوہر کو جو بھی تمہاری بات بری لگی کوشش کرنا اس کا ازالہ کرسکو۔" اس کی ماں نے اسے تاؤجی کے ساتھ بھیجنے سے قبل سمجھانا ضروری خیال کیا تھا۔ وہ مشرقی ماں تھی بیٹی کا گھر بسانے کی خاطر عزت نفس کچلنے کا ہی سبق دے سکتی تھی۔ گھر کا بننا آسان مگر بنے رہنا اتنا آسان نہیں اسے سب یاد تھا۔ اب وہ خود کو مٹا کر بھی اس گھر کو اجڑنے سے بچانا چاہتی تھی یہ عزم لے کر آئی تھی وہ۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، ہٹو یہاں سے۔" فراز کو اریبہ کی یہ حرکت چراغ پا کرگئی تھی۔ جبھی پیچھے ہٹتا وہ پھنکار کر بولا۔ اریبہ کے آنسوؤں میں کچھ اور شدت آنے لگی مما کو اس پر ٹوٹ کر ترس آیا تھا۔

"فراز بیٹے ایسے نہیں کہتے معاف کردو بچی کو کم از کم ایک موقع تو دیتے ہیں۔" مما نے متنفر بیٹے کے آگے سفارش کی تھی وہ متنفرانہ تاثرات لیے چہرے کا رخ موڑے یوں کھڑا تھا جیسے یہ بات سنی ہی نہ ہو۔

"اریبہ بیٹے آپ کمرے میں جاؤ جو بھی معاملہ ہے میاں بیوی اکیلے میں سلجھاؤ۔ سب کے بیچ تماشا لگانے کی ضرورت نہیں۔" پاپا نے دوسری اہم بات فراز کو ہی جتلائی تھی وہ اس بات پر بھڑکا تھا۔

"یہ میرے کمرے میں نہیں جائے گی پپا، میں کہہ چکا ہوں نا میں اسے کسی قیمت پر بھی رکھنے کو تیار نہیں ہوں۔" فراز نے جتنی برہمی سے کہا تھا پاپا کو اسی قدر تاؤ آیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تاؤجی سے کہیں اگر وہ اپنا مطالبہ منوانا چاہتے ہیں تو ایک مطالبہ میرا بھی ہے اگر انہیں قبول ہے تو میں بھی ان کی بات مان لیتا ہوں۔ ورنہ بھول جائیں کہ میں کوئی گنجائش رکھوں گا۔ مت بھولیں مجھے دنیا کی پروا ہے۔" فراز نے سودے بازی پر اترتے ہوئے ساتھ ہی دھمکی سے بھی نواز دیا۔ تاؤجی کے ساتھ دیگر افراد بھی چونک اٹھے۔

"کیسا مطالبہ؟"

"آفاق چاچو کے بیٹے کو ڈھونڈ کر اس کا حق اس تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کو اس کی حیثیت سے قبول کریں۔" فراز نے جتنے سکون سے کہا وہاں موجود ہر شخص کے اعصاب اسی قدر پراگندہ ہوئے تھے۔

"یہ کیا بکواس ہے فراز تم کیوں آخر ایک بے بنیاد بات کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔" تاؤ جی اتنے برہم ہوئے تھے کہ عادت کے مطابق چنگھاڑنے لگے۔ فراز نے طنزیہ مسکراہٹ سمیت انہیں دیکھا پھر مضبوط قدموں سے چلتا ان کے مقابل آ کر ان کی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں جما دیں۔

"اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھائیں تاؤ جی کہ آپ نے ایسا جرم نہیں کیا؟ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ اس معاملے کو نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن جھوٹی قسم کھانے سے پہلے یہ بھی یاد رکھیے خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اور ضرب اس کی اتنی کاری اور شدید کہ آپ سہہ نہیں پائیں گے......"

"فراز چپ ہو جاؤ اللہ کا واسطہ ہے تمہیں۔" پاپا نے وحشت زدگی کے عالم میں دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیختے ہوئے کہا۔ فراز نے نگاہ کا زاویہ بدل کر سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھا پھر بوجھل دل سے مسکرا دیا۔

"پپا مجرموں کی فہرست میں آپ کا بھی نام درج ہے۔ آج بھی وقت ہے، اصلاح ممکن ہے خدارا اپنے بگاڑ کو تو سدھار لیں۔" ماحول پر یکدم مہیب سناٹا چھا چکا تھا۔ ایسے کہ سوئی بھی گرتی تو آواز سنی جا سکتی تھی۔ ایسے میں مما کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ تاؤ جی کب کے وہاں سے جا چکے تھے۔ فراز کو ان کا متنفرانہ انداز دیکھ کر صاف لگا تھا ان کا مہر زدہ دل ان باتوں کا اثر قبول کرنے سے قاصر رہا ہے۔ فراز نے ایک کے بعد ایک فرد کو وہاں سے کھسکتے دیکھا تو دل پر بوجھ لیے اپنے کمرے میں آ گیا۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ذہنی و قلبی انتشار کے دوران اپنے ایک واقف کار کا نمبر ملایا تھا جو کسی اخبار سے منسلک تھا۔

"ہاں عبدالمبین کیسے ہو، فراز بات کر رہا ہوں یار۔" اس نے تکیے سے ٹیک لگاتے واش روم سے برآمد ہوتی سوجھی آنکھوں والی اریبہ پر نگاہ ڈالے بنا چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہاں یہی سمجھ لو، اب بھی ضرورت کی خاطر ہی یاد کیا ہے تمہیں۔ نہیں کوئی اسکینڈل نہیں یار ایک اور کام ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور کسی حد تک تنا ہوا تھا۔

"ہاں ایک خبر لگوانی ہے اس کی تفصیلات میں تمہیں ای میل کرتا ہوں ٹھیک ہے، یہ کام جلدی ہونا چاہیے۔" اس نے کال منقطع کر کے سیل بستر پر پھینکا تو اریبہ جو اس کی فراغت کی منتظر تھی قدرے جھجک کر اس کے سامنے آ گئی۔

"فراز۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی کا غلبہ تھا۔ فراز کے کشیدہ اعصاب کچھ اور بھی تناؤ سمیٹ لائے۔ اس نے دانستہ اسے دیکھنے سے گریز کیا۔

"میری اس غلطی کو معاف کر دیں پلیز۔" وہ پھر گڑگڑائی۔ فراز نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ تمہارا اصل روپ نہیں ہے اریبہ شاہ، خود کو یوں ضائع مت کرو کس خوف کے باعث آخر تم نے یہ انداز اپنایا ہے۔" اس کا انداز زہر خند تھا۔ اریبہ سر جھکائے سسکیاں بھرتی رہی۔

"یہاں سے اٹھو اور کوشش کرنا مجھ سے مخاطب نہ ہو۔ اس سے زیادہ میں تم سے نرمی پر خود کو آمادہ نہیں کر سکتا۔ مجھ سے کسی قسم کی گنجائش کی بھی توقع نہیں رکھنا جنہیں عزت راس نہ آئے وہ ذلت کو خود اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں۔ تمہارا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے بہتر تو یہی تھا تم اس سمجھوتے پر مائل نہ ہوتیں۔ بہرحال یہ تمہارا پرسنل میٹر ہے۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔ اریبہ نے بے اختیار سکھ کا سانس بھرا۔ اس کی ماں نے درست کہا تھا کچھ پانے سے قبل کچھ کھونا ضرور پڑتا ہے۔ وہ کھونے والی شاید نہ بنتی مگر اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

غرور اور تکبر اسے راس نہیں آ سکا تھا جبھی اگلے لمحے اسے منہ کے بل گرا کر خدا نے اس کو غلطی کا احساس بخش دیا تھا۔

❀......❀......❀

"جس شخص کو اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہونے کی سمجھ آ جائے وہ زندگی میں کسی بھی واقعہ کے رونما ہونے کا شکوہ نہیں کرتا۔ صرف سر جھکاتا ہے تسلیم کرتا ہے اور فکر کرتا ہے۔ مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے کرو۔ بلاشبہ یقین کی پختگی اور اخلاق کا حسن جس انسان میں پیدا ہو جائے وہ ایک ہی وقت میں خالق و مخلوق دونوں کا محبوب بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم احمد وعظ میں مصروف تھے۔ شرجیل کی متبسم لو دیتی نظریں اس پر فوکس تھیں۔ اسے سمعیہ کی خوش بختی میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ یہ ابراہیم احمد اور سمعیہ کے نکاح کی سادگی سے منعقد کی گئی تقریب تھی۔ جس میں شامل ہونے والوں کے لیے ابراہیم احمد نے یہ پرنور محفل سجائی تھی۔

"مجھے ہر لحاظ سے آپ پر فخر ہے ڈاکٹر ابراہیم احمد۔" مہمان رخصت ہوئے تو شرجیل نے ایک بار پھر ابراہیم احمد کو گلے لگانے کے بعد وفور جذبات سے لرزتی آواز میں کہا تو ابراہیم احمد بردباری سے مسکرایا تھا۔

"ایک بات بتاؤ گے یہ نا سمجھنا کہ اپنی بہن تمہارے حوالے کی ہے اس لیے پوچھ رہا ہوں۔ ابراہیم احمد یہ سوال تو تمہیں دیکھ کر ہمیشہ میرے ذہن میں ابھرتا ہے مگر حالات کی گردش اور گمبھیرتا نے کبھی موقع ہی نہیں دیا پوچھنے کا۔" شرجیل کی بات پر ابراہیم نے مسکرا کر اسے نرمی سے دیکھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں شرجیل احمد تم کیا کہنا چاہتے ہو یہی نا کہ میں شکل سے فارنر لگتا ہوں مگر مسلمان ہوں، اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور شرجیل آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

"اس کا مطلب تمہاری ذہانت پر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں فارنر ہی تھا شرجیل احمد، امریکا میں اپنی فیملی کے ساتھ تھا مگر پھر گردش حالات نے اس آشیانے کے ہر تنکے کو بکھیرنا شروع کر دیا۔ پہلے میری ماں پھر بہن بھی اس طوفانی ہوا کے تھپیڑوں کی زد میں آ کر مجھ سے بچھڑ گئی۔ میرے فادر کو ان دنوں کینسر کا جان لیوا مرض لاحق ہوا جب میں ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد باقاعدہ اسپتال میں ڈیوٹی انجام دینے لگا تھا۔ ڈیڈ اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو ان کی وائف انہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ اس قریب المرگ انسان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ یہ صدمہ ان آخری ایام میں ڈیڈ کے لیے ناقابل برداشت تھا پھر انہی دنوں ڈیڈ کی صرف ایک خواہش تھی کیتھرائن کو آخری بار دیکھنے اور ملنے کی۔ مگر میری ممی نے انکار کر دیا یہ کہہ کر کہ کیتھرائن انہیں چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔

یہ بات ناقابل یقین تھی مگر ہم ممی کو فورس نہیں کر سکے۔ جن دنوں ڈیڈ نے شدید مایوسی کی کیفیت میں اپنی بیماری سے دل برداشتہ ہوتے خودکشی کی میں بہت بکھر گیا تھا۔ یہ

لکھوں گا

زندگی کی کسی شام
کبھی اپنی سوانح حیات لکھوں گا
اپنے دل کی وہ ہر اک بات
لکھوں گا
جو کبھی کہہ نہ سکا
جو کبھی لکھ نہ سکا
اپنے دل کی ہر اک آہ لکھوں گا
مرا ذوق جنوں
میری راتوں کی تنہائی
کب تلک درد کے صحرا میں
مرے کام آئی
لکھوں گا
زندگی کا فسانہ اور خوشیوں کے وہ پل
جو کسی سے بانٹ نہ سکا
پلکوں میں چھپے آنسو
آنکھوں میں سجے سپنے
غم کا امڈتا ہوا دریا
تیرے جانے کے بعد
لکھوں گا

بلال ایان...... کامل پور موسیٰ' اٹک

صدمہ بہت شدید تھا میں شاید سنبھل تو جاتا مگر یہ سنبھلنا سدھار نہ کہلاتا۔ سدھار اللہ نے عطا فرمانا تھا جبھی سبب بھی اس نے پیدا فرمایا تھا۔ جہاں میری ملازمت تھی وہیں اسپتال میں، میں نے ایک اور کینسر کے مریض کو دیکھا۔ تمہیں پتا ہے شرجیل احمد اس شخص کا مرض لاعلاج تھا۔ اسے پتا تھا عنقریب اسے مرجانا ہے مگر وہ بلا کا سیلف کنٹرول بندہ تھا میں نے کبھی اسے تڑپ کر بلکتے اور روتے نہیں دیکھا۔ جیسے میں نے بارہا ڈیڈ کو روتے دیکھا تھا۔ وہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا رہتا۔ ایسی خراب حالت میں بھی وہ پانچ وقت کی نماز اپنے بستر پر ادا کرتے اور ان کی زبان ذکر خدا میں مصروف رہتی۔ ذکر و شکر کا ایسا دلنشیں امتزاج میرے لیے ناقابل یقین تھا۔ میں اسی حیرانی و غیر یقینی کی کیفیت میں اس مریض کے قریب ہوتا چلا گیا۔ وہیں سے مجھے دین اسلام کو جاننے اور مزید بہت کچھ معلوم کرنے کا تجسس پیدا ہوا جیسے جیسے میں اس سمندر میں اترتا گیا یہ تشنگی بڑھتی چلی گئی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب میں نے اپنی پیدائش کا مقصد جانا اور خود کو اس رب کائنات کے سپرد کردیا۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر تم جانتے ہو شرجیل احمد اللہ کے نزدیک بہترین انسان وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔ شرجیل احمد میں اللہ کے نزدیک ہونے کو اس کے بہترین بندوں میں شامل ہونے کی جدوجہد میں مصروف ہوں۔ وہ بندے جو اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔“

”اللہ تعالیٰ تمہاری اس سعی کو قبول فرمائے ابراہیم احمد اور مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔“ شرجیل نے صدق دل سے دعا دی تھی ابراہیم مسکرایا تھا۔

”ثم آمین۔ یہ بتاؤ تم نے سمعیہ سے ان کی مرضی تو پوچھی تھی نا شرجیل احمد نکاح سے پہلے۔“ شرجیل نے نظریں اٹھا کر اسے بھرپور اور شرارتی نظروں سے دیکھا اور پھر شریر انداز میں مسکرایا۔

”تم بتاؤ، تم جیسے شاندار اور مکمل مرد کو کوئی لڑکی انکار کرسکتی ہے؟“ اس کا لہجہ انداز ایسا تھا کہ ابراہیم جھینپ کر رہ گیا تھا۔

”میں کبھی اپنے متعلق بہت زیادہ خوش گمان نہیں رہا۔ ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے تمہیں پوچھنا چاہیے تھا۔“ وہ جیسے خفا ہوا شرجیل نے بے حد محبت بھرے انداز میں اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

”ڈونٹ وری، نا صرف پوچھ لیا تھا بلکہ تمہیں دیکھ بھی چکی ہے اور بہت خوش ہے۔ میرے مہربان دوست اب تم اپنے کمرے میں جاؤ باقی باتیں ان شاء اللہ صبح ہوں گی۔ آج زارون کو میں اپنے پاس رکھوں گا۔“ ابراہیم کی رنگت میں یکلخت سرخی سی چھا گئی۔

”کیوں تکلیف کرتے ہو شرجیل احمد! ہمیں اس ننھے فرشتے سے کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔“ اس کا باوقار انداز گفتگو اس کی طبیعت کی نفاست اور بردباری، شرجیل کو اس پر کچھ اور بھی پیار آیا۔

”بہت دن ہوئے اپنی الجھنوں میں گم ہو کر میں نے اپنے بیٹے کو جی بھر کے دیکھا بھی نہیں ہے۔ آج اپنے ساتھ سلاؤں گا تو بہت پرسکون نیند آئے گی مجھے۔“ اس کی آواز پر نمی اپنا غلبہ پانے لگی۔ ابراہیم نے اس کا کاندھا محبت سے تھپکا۔

❀ .... ❀ .... ❀

سمعیہ نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو باہم جکڑ کر گویا بڑھتی ہوئی بے چینی اور گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ دل اتنا تیز دھڑک رہا تھا کہ وہ اس کی دھک دھک باآسانی سن سکتی تھی۔ قسمت کی اس یاوری پہ وہ کتنا حیران تھی کیا وہ اتنی خوش بخت بھی ہوسکتی ہے اسے لگا تھا وہ یکلخت اندھیروں سے روشنی میں آگئی ہو۔ اسے اپنے اندر مہک اٹھنے والے گلابوں کا تازگی بھرا احساس شانت کرنے لگا۔ شرجیل کے بتانے پر کہ وہ اس کا نکاح اپنے نومسلم دوست سے کر رہا ہے اس کے احساسات نارمل ہی رہے تھے مگر جب اس کے اصرار پر جھجکتے ہوئے اس نے کچن کی کھڑکی سے ایک نظر ڈاکٹر ابراہیم کو دیکھا تھا تو گنگ رہ گئی تھی۔

چھ فٹ سے نکلتے قد مضبوط چوڑے وجود اور دلکشی و

خوبروئی میں بے مثال نوجوان کو دیکھ کر اسے خود اپنے نصیب پر رشک آنے لگا تھا۔ تمام خوف اور خدشے اسی ایک خوشی کے احساس میں مدغم ہوگئے۔ نکاح کے ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے اسے لگا کہ شرجیل کے ساتھ آنے کا اس کا فیصلہ ہرگز بھی غلط نہیں تھا۔ شرجیل کی فراہم کردہ اشیاء سے اس نے پوری توجہ سے خود کو آراستہ کیا۔ ڈل گولڈن کام سے مزین لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں وہ ہر قسم کا سنگھار کر لینے کے باوجود وہ اس یونانی دیوتاؤں کی سی آن بان رکھنے والے شخص کے سامنے کتنی ماند لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم! آپ کیسی ہیں سمیعہ۔" ابراہیم احمد کا لب ولہجہ اس کے انداز و اطوار کی مانند بردبار تھا۔ سمیعہ کا وجود باقاعدہ کپکپانے لگا۔

"شرجیل احمد بتا رہے تھے آپ کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا مگر میں پوچھنا چاہوں گا آپ خوش ہیں سمیعہ؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس رسانیت سے بات کر رہا تھا جو اس کے لہجے کا خاصا تھا۔

"جج...... جی...... جی...... بہت خوش ہوں......!"

سمیعہ کے لیے اب جواب لازم تھا۔ ابراہیم جو اسے بغور دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر کھل اٹھنے والے دھنک رنگوں کو محسوس کر کے آہستگی سے مسکرایا اور ہاتھ بڑھا کر اس کا لرزیدہ حنائی ہاتھ تھام لیا۔

"میں اب تک سنگل تھا چونکہ ابھی شادی کا خیال نہیں تھا جبھی کوئی مستقل گھر یا ٹھکانہ نہ بنا سکا۔ کچھ میرے کام کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ میں کسی ایک جگہ قیام بھی نہیں کر سکتا مگر اب ان شاء اللہ ایک گھر کی بنیاد ڈالوں گا آپ ساتھ دیں گی نا میرا؟" اس کی بات کے جواب میں سمیعہ نے جھینپ کر سر جھکائے ہوئے گویا اپنے ساتھ کا یقین سونپا تھا۔

"مجھے اللہ کا یہ فیصلہ دل سے قبول ہے اللہ مجھے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔"

"ثم آمین۔" سمیعہ نے زیر لب کہا تو ابراہیم کھل کر مسکرا دیا تھا۔

❁......❁......❁

سکندر نے پرملال انداز میں چلتے راہ میں آئے پتھر کو ہلکی سی ٹھوکر لگائی اور سرد آہ بھری تھی۔ اس کی اس شہر کراچی میں ایک خاص حیثیت تھی۔ پھر ہر ثبوت کی موجودگی کے باعث وہاں جا کر اپنی حیثیت تسلیم کرانا ہرگز بھی مشکل نہیں تھا۔ اس نے اس شاندار بلند عمارت کے آگے کھڑے ہو کر خود کو ایک نظر دیکھا اور خود اذیتی کا شکار ہوگیا اندر جانے کے بجائے وہیں سے پلٹ آیا تھا۔

"نہیں، میں ایسا نہیں کروں گا کیوں کروں، کس کی خاطر، لاریب...... جس کو میری پھر بھی ضرورت نہیں ہوگی اور میں اپنی حیثیت پر نہ شرمندہ ہوں نہ ملول۔ یہ حساب کتاب میں کیوں کروں، میں اس معاملے کو اللہ کے سپرد کیوں نہ کردوں، وہ ہے نا بہتر انصاف کرنے والا؟" اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ جانتا تھا اگر وہ اس حیثیت کو پا جاتا اپنا آپ تسلیم کروا لیتا تو اس کو اس نوبت تک پہنچا دینے والے لوگ ناخوش ناشاد ہوتے۔ شاید اس کی خاطر بددعا بھی مانگتے۔ وہ تو پہلے ہی بے چینی کے حصار میں تھا۔

"نہیں لاریب، میں ایسا نہیں کروں گا اس لیے بھی کہ اس کے بعد کا مرحلہ پھر سے تمہاری جانب لوٹ کر آنے کا ہوگا اور میں تمہیں دوسری مرتبہ اس آزمائش سے نہیں گزاروں گا۔" اس نے ہونٹ بھینچے اور ذہن سے اس آخری تلخ یاد کو مٹانے کی سعی کرنے لگا۔ جب وہ اس کے رخصت کے سمے اس کی پوری بات سنے بغیر ہی اندر چلی گئی تھی۔

"ثابت ہوا لاریب یہ سفر ایک لاحاصل سفر تھا۔ سراسر سراب کا تعاقب، تمہیں کبھی بھی میری ضرورت نہیں تھی۔" اس کی پرتپش نگاہوں میں وہ منظر لو دینے لگا۔ جب اگلی صبح وہ اس وقت کمرے میں داخل ہوا تھا جب لاریب گہری نیند کی آغوش میں تھی مگر سکندر کی نگاہ اس کے داہنے گال پر ثبت انگلیوں کے نشان پر الجھ گئی تھی۔ سکندر کو لگا تھا یکلخت کسی نے اس کا کلیجہ نوچ لیا ہوا۔

غم و غصے کی ایسی کیفیت تھی جس میں وہ خود پر کنٹرول کھو کر اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔ یہ ملال اتنا گہرا تھا کہ وہ کسی طرح بھی خود کو اس تک بڑھنے سے نہیں روک سکا اور جس پل وہ اضطرابی کیفیت کے زیر اثر جھک کر اس کے رخسار کو چھونا چاہ رہا تھا لاریب نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ لاریب کی نظروں میں سلگتا نفرت بھرا احساس تھا، سکندر کا دل پارہ پارہ ہوتا چلا گیا۔

"دور رہو مجھ سے۔" وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ اس کا مخصوص تنفر بھرا انداز تھا۔

"آئی ایم سوری لاریب...... مم......!"

"اس کی ضرورت نہیں ہے تمہاری جانب سے بس اس ایک انتہا کی کسر تھی۔ صد شکر کہ تم نے وہ بھی پوری کردی مجھے کبھی بھول کر بھی یہ احساس نہیں ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔" لاریب نے جواباً سرد مہری کی انتہا کردی سکندر نے بے اختیار نظریں چرالیں۔

"ہمارے بیچ جو کچھ بھی تھا لاریب میں نے کبھی آپ سے شکایت نہیں کی اور کچھ نہیں آپ کو کم از کم اتنا تو خیال کرنا چاہیے تھا نا کہ میرا بھرم قائم رہ جاتا۔" وہ کتنی عاجزی سے کہہ رہا تھا جواباً لاریب زہرخند سے مسکرانے لگی۔

"ہمارے بیچ کوئی وعدہ وعید نہیں تھا مسٹر سکندر حیات، میں تمہاری کبھی پابند نہیں رہی۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ سکندر کو خاموش ہو جانا پڑا۔

❁......❁......❁

"سوال ہوا علم کیا ہے، تو پتا ہے کیا جواب ملا؟" عباس حیدر چلتے ہوئے رک گیا۔ یہاں منعقد ہونے والے اجلاس میں وہ یونہی بے ارادہ چلا آیا۔ بے قراریوں کا کوئی انت نہیں تھا۔ "دلوں کا قرار اللہ کی یاد میں پوشیدہ ہے۔" اس نے ازسرنو یہ بات سنی سمجھی اور دل میں ترازو ہوتی محسوس کی تھی۔ وہ مسلمان تھا جانتا تھا یہ بات پھر کیوں غافل رہا اسے شرمندگی نے آن لیا۔

سچ کہا ہے کسی نے کچھ غم ہر احساس سے ماورا کر کے صرف نقصان در نقصان جھولی میں ڈال جاتے ہیں۔ بلال صاحب کچھ غلط تو نہیں کہتے تھے۔ وہ اسے سر راہ مل گئے تھے۔ اتفاقی یا حادثاتی طور پر بلال صاحب کا یقین کامل تھا کہ یہ ٹکراؤ معجزاتی طور پر ہوا تھا اللہ کے ہاں تو کب سے یہ سب یونہی ہونا طے تھا بس مقررہ وقت آیا تھا۔ وہ کتنے غیر محسوس انداز میں اس کی زندگی میں شامل ہوتے چلے گئے تھے کہ شروع میں عباس محض مروت میں اور بعد میں دانستہ بھی ان سے جان نہیں چھڑا سکا۔ دعوت حق کا انداز اتنا دل نشیں تھا کہ وہ سختی سے ان کی کوئی بات جھٹلا ہی نہیں پاتا تھا۔ وہ کبھی اسے گھر میں جوائن کرتے کبھی کال کر کے کتنے سرسری انداز میں بتایا کرتے۔

"عباس میں جمعہ کی نماز کے لیے جا رہا ہوں سوچا تمہیں بھی ساتھ لے لوں۔ باہر انتظار کر رہا ہوں بس دس منٹ میں آجاؤ۔ وہ اتنا لادین نہیں تھا کہ منہ پر جواب دے مارتا۔ لحاظ اور مروت میں شروع ہونے والی ان بے قاعدہ نمازوں میں دھیرے دھیرے باقاعدگی آتی جا رہی تھی تو اس میں خدا کے فضل و کرم کے بعد بلال صاحب کی کوششوں کا اہم کردار تھا اور وہ اس کامیابی کے بعد کتنی سرشاری سے اکثر کہا کرتے تھے۔

"تمہیں پتا ہے عباس میں کتنا منافع بخش کام کر رہا ہوں۔ جو تمہاری نیکیاں ہیں ان میں میرا بھی حصہ ہے۔" اور عباس محض کاندھے اچکا کر رہ جاتا مگر زیادہ عرصہ تک وہ یہ مروت نہیں نبھا سکتا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں بلال بھائی۔ میں ایسی نماز نہیں پڑھنا چاہتا جس میں رغبت ہے نہ دل جمعی۔ ایسی عبادت کی تو اللہ کو بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ سمجھ سکتے ہیں نا آپ۔" اور جواب میں بلال صاحب کتنے بے نیاز انداز میں مسکرائے تھے۔

"یہ ہمارا تمہارا نہیں، اللہ کا معاملہ ہے یار اسی پر چھوڑ دو۔ ویسے بھی نماز کو اللہ نے فرض کیا ہے دل نہ بھی کرے تو فرض کی ادائیگی تو ضروری ہے نا جس رب نے فرض کی ادائیگی کی توفیق بخش دی ہے وہی رب رغبت اور دلجمعی بھی عطا فرما دے گا۔" اور عباس لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔ یعنی

طے ہوا تھا کہ اسے نماز سے مفر نہیں ہے۔

"قرآن پاک کی تلاوت بھی کیا کرو عباس! کیا تم نہیں چاہتے کہ جنت کو خدا تمہارا نصیب بنا دے۔ وہ جنت جہاں ہر شے حسب خواہش ملے گی عریشہ سے جدائی نے تمہاری یہ حالت بنا دی ہے تو اسے دوبارہ پانے کا خیال تمہیں اس کوشش پر نہیں اکساتا؟" اور عباس نے جانا تھا ان کے پاس کتنے لاتعداد طریقے تھے اس راہ کی جانب رغبت دلانے کے۔

"تمہیں پتا ہے عباس جب کوئی مرجاتا ہے تو اسے سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟ مغفرت کی دعا کی، ایصال ثواب کی، صدقہ جاریہ کی، کیا تم نے اپنی وائف کے لیے یہ سب کچھ کیا؟" سوال ہوا تھا اور اس کے اندر بے کراں وحشت پھیلتی چلی گئی۔ کسی آتش فشاں لاوے کی مانند ہر شے کو جھلساتا اجاڑتا اذیت کا احساس تھا جو ہر سوں پھیل گیا تھا وہ بھی سرتاپا جھلس گیا۔ وہ تو اس پل خود سے بھی نظریں چار نہیں کر پا رہا تھا۔ کون جانتا تھا اس نے عریشہ کے غم میں کیا کیا۔

دین کو تو جیسے وہ پہلے ہی بھولا ہوا تھا اس نے تو دنیا کو بھی فراموش کر ڈالا تھا۔ وہ گھر اور بچے جن سے عریشہ نے بے تحاشا محبت کی تھی وہ ان سے بھی غافل ہوتا چلا گیا۔ صرف یہی نہیں شراب نوشی میں مبتلا ہو کر خود پر غفلت اوڑھ لی، یعنی گناہ در گناہ، اللہ کی ناراضی کا مزید سامان۔ اس رات فاطمہ سے اتنی قربت بھی اس حرام شے کی غفلت کا شاخسانہ تھا۔ صد شکر کوئی بڑی حد نہیں عبور کی۔ کتنا شرمندہ تھا وہ عریشہ سے اللہ سے، حالانکہ شرمندہ ہونے کا حق تو اللہ کے سامنے تھا اور ڈرنے کا بھی۔

کیسی انمول کیفیت تھی جن سے اس سے قبل وہ کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ اس روز اس نے پشیمانی کے لاتعداد آنسو بہا ڈالے تھے۔ کتنا حقیر تھا وہ مگر اللہ نے پھر بھی اسے نگاہوں میں رکھا ہوا تھا۔ کبھی فراموش نہیں کیا۔ اس کی تمام تر فراموشی کے باوجود وہ اسے یاد رکھے ہوئے تھا۔

"اللہ پاک اسے بھی دیتا ہے جسے پسند نہیں کرتا لیکن دین پر چلنے کی توفیق صرف اسے ہی دیتا ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے۔ تم جانتے ہو عباس میں تمہارے علاوہ بھی دن میں کتنے لوگوں کو نماز قرآن اللہ کے احکامات کی تعمیل کی دعوت دیتا ہوں مگر ان میں سب کے سب دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ اس راہ پر صرف وہی چلتے ہیں جنہیں اللہ چلانا چاہتا ہے۔ ہدایت انہیں ملتی ہے جو منتخب ہو چکے ہیں۔ مبارک ہو تمہیں، تمہارا شمار انہی چنے ہوئے لوگوں میں ہوا ہے۔ وہ غم کیسے بڑا ہو سکتا ہے جس میں اللہ کی محبت اور قربت پوشیدہ ہو۔" وہ مسکرا کر اس کی تائید چاہ رہے تھے اور آنسو عباس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ شاید فی الحال وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ عریشہ کو کھو کر ملنے والی یہ ہدایت اسے کتنی مانوس اور پیاری لگی ہے۔

"علم یہ ہے کہ تم پر کوئی ظلم کرے تو اسے معاف کردو، اگر تعلقات توڑے تو جوڑ لو، اگر کوئی آپ کو محروم کرے تو اسے نواز دو اگر کسی سے انتقام لینا ہو تو درگزر کردو، غصے میں بھی ایسی بات نہ کرو جس پر بعد میں ندامت ہو۔" بلال صاحب کہہ رہے تھے اور عباس کا دل گواہی دے رہا تھا ہاں دین کی اصل تعلیمات یہی تھیں۔ اس نے مسکرا کر سر کو اثبات میں جنبش دی اور پوری توجہ سے انہیں سننے لگا۔

"آپ کو پتا ہے، قریب کیا ہے؟ قیامت اور قریب تر، موت۔

عجیب کیا ہے؟

دنیا

اور عجیب تر

طلب دنیا

واجب کیا ہے؟

توبہ

اور واجب تر؟

گناہوں سے بچنا

(انشاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

حصہ 17

خواب، خواہش، واہمہ ہے زندگی
ایک بھیانک حادثہ ہے زندگی
آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں
میں خفا ہوں کہ خفا ہے زندگی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اپنے بیڈروم میں فاطمہ کو دیکھ کر عباس شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے جب ہی احسان بابا اس کے ایکسیڈنٹ اور فاطمہ کی موجودگی کا سبب بتا کر اسے تمام حقیقت بتاتے ہیں۔ فاطمہ عباس کی جانب سے لگائے گئے الزام پر خود اپنی ہی نظروں میں گر جاتی ہے۔ ابراہیم احمد کی وطن واپسی شرجیل اس کی مرضی سے سمعیہ کا نکاح کروا دیتا ہے۔ ابراہیم دراصل ایک فارنر ہے اور اپنے والد کی خودکشی کے بعد بہن کی جدائی اور تلاش میں بھٹکتا شخص ہے جو دین اسلام قبول کرتا ہے اور اب ایک مذہبی اسکالر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ سمعیہ بھی اس کی ہمراہی میں انجانی خوشی محسوس کرتی ہے اور وہ دونوں زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ فراز کے طلاق دینے کی خبر پر تاؤجی نہایت گرم ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں اپنے معاملے میں دخل دینے سے صاف منع کر دیتا ہے۔ اریبہ کی واپسی کے لیے وہ آفاق چاچو کے بیٹے کی تلاش اور اس کی حیثیت تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے جس پر تاؤجی مزید بھڑک اٹھتے ہیں۔ وہ خود ہی اریبہ کو گھر واپس لاتے ہیں جبکہ اریبہ بھی اپنے عمل پر نادم ہوتی ہے لیکن فراز کسی طور اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اسامہ کی حالت بھرپور توجہ نہ ملنے کے باعث خراب ہو جاتی ہے تو احسان بابا فاطمہ کو گھر بلاتے ہیں لیکن اسی دوران عباس کی آمد پر فاطمہ بوکھلا جاتی ہے فاطمہ کی بچوں سے محبت کو دیکھتے عباس اسے اپنے بچوں کی گورنس کے طور پر گھر میں جگہ دیتا ہے لیکن جب زینب کے فون کا اسے پتا چلتا ہے تو سختی سے فاطمہ سے تمام حقیقت جاننا چاہتا ہے جس پر وہ اپنے مسلمان ہونے اور زینب سے متعلق ہر بات بتاتی ہے لیکن عباس ان باتوں کو جھوٹ سمجھے اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتا جس پر فاطمہ ایک مرتبہ پھر ذلت کا شکار ہوتی ہے۔ لاریب کی بگڑتی حالت کو دیکھ کر اماں خوشگوار معنی اخذ کرتی ہیں۔ جس پر لاریب انہیں نہایت برا بھلا کہتی اور سب کے سامنے سکندر کی تحقیر کرتی ہے ایسے میں سکندر کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا ہے۔ بابا یہ صورت حال دیکھ کر سکندر کو اصل حقائق سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے دشتہ دار کی مالک کی اولاد ہے اور حسب نسب میں لاریب سے کم نہیں۔ وہ تمام تصاویر اور فائل سکندر کے حوالے کرکے اسے اپنی شناخت حاصل کرنے کا کہتے ہیں جبکہ سکندر صرف لاریب کی غرض سے یہ سب کرنے پر تیار نہیں ہوتا پھر بابا جان کے سمجھانے پر وہ اپنی زندگی کے نئے سفر کا آغاز کرتا ہے لیکن اس میں بھی کامیابی کی اسے کوئی امید نظر نہیں آتی۔ وقت رخصت لاریب کا بے نیاز رویہ اس کے تمام حوصلوں کو پست کر ڈالتا ہے۔ عباس اپنے سابقہ اعمال کا جائزہ بلال کے کہنے پر لیتا ہے عریشہ کے لیے اس نے کچھ نہ کیا تھا بچوں اور گھر سے لاتعلقی پر اسے بے اختیار خود پر شرمندگی ہوتی ہے وہ اپنے اندر بدلاؤ کا عزم لیے دل میں نیا عہد کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....✹.....❁

مشکل کیا ہے؟
قبر میں اترنا

اور مشکل تر؟
عمل کے بغیر اترنا

"میرے بھائیوں ابھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے یعنی مہلت گزری نہیں ہے۔"

عباس مبہوت محفل پر لاتعداد افراد کی موجودگی کے باوجود سکوت طاری تھا۔ بلال صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے خوب نواز رکھا تھا۔ وہ اس خوب صورتی سے سزا و جزا کے معاملے کو پیش کرتے کہ دل آپ ہی اس جانب مائل ہوتا چلا جاتا تھا۔ عباس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اور یقیناً دیگر سامعین کے ساتھ بھی۔

"اور جن لوگوں نے ہدایت پائی (اللہ نے) انہیں اور زیادہ ہدایت دی اور انہیں عطا کی پرہیز گاری۔" (سورۃ محمد۔15)

ان کی آواز میں ایک تاثیر تھی ایک جذب تھا جو براہ راست دلوں کو مسخر کرتا تھا بلکہ یہ تاثیر کلام اللہ میں تھی جو دلوں کو ہمیشہ سے اپنے آگے جھکاتی آئی ہے۔ بلال صاحب اب ان آیات کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ عباس کے سیل پر مسلسل وائبریشن ہونے لگی اس نے دانستہ توجہ نہیں دی۔ اس کا سارا دھیان بلال صاحب کی جانب تھا مگر فون کرنے والا بھی مستقل مزاج تھا۔ عباس کو سیل فون نکالنا پڑا۔ اسکرین پر احسان بابا کا نمبر روشن تھا۔ عباس اٹھ کر سائیڈ پر آ گیا۔

"خیریت احسان بابا؟" اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ وہ جانتا تھا احسان بابا اسے خوامخواہ کال نہیں کر سکتے۔

"خیریت نہیں ہے صاحب' آپ جلدی گھر پہنچیں فاطمہ بی بی سیڑھیوں سے گر گئی ہیں سر پر شدید چوٹ آئی ہے۔" احسان بابا کے لہجے میں تشویش تھی۔ عباس کا موڈ البتہ خراب ہو گیا۔

"میں گھر آ کر کیا کروں گا بابا' آپ ڈاکٹر کو کال کریں یا اسے اسپتال لے جائیں۔" اسے غصہ آ رہا تھا۔ سیل فون جیب میں رکھتے وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس بات پر مطلق دھیان دیے بغیر کہ اللہ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں حقوق العباد کو خود معاف کرنے کا بھی حکم نہیں سنایا۔ وہ فرماتا ہے جب تک میرے بندوں کے ذمہ تمہارے حقوق وہ خود معاف نہیں کریں گے میں بھی تم پر وہ حقوق معاف نہیں کروں گا۔ وہ علم کے سمندر میں اترنے' جنت پانے کا طلبگار ضرور تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ اس سمندر کے نایاب جواہر حاصل کرنے میں قاصر تھا۔ ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے لیے آسان اور من پسند دین منتخب کرتے ہیں جو مشکل دشوار اور ناگوار محسوس ہوتا ہے اس سے چشم پوشی اختیار کر جاتے ہیں یہ چشم پوشی دانستہ گناہ ہے اور وہ اس کا مرتکب ہو رہا تھا۔

❁.....✹.....❁

سورج کی کرنوں کی تپش آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔ جب ٹہلتے ہوئے وقاص نے حویلی کے اندرونی حصے سے نکل کر پورچ کا رخ کیا اور گہرا سانس بھر کر پجارو کا دروازہ کھولا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گنگناتے ہوئے اسے اسٹارٹ کی اور حویلی کے بلند آہنی گیٹ سے نکال لایا۔

"ہاں کمدار کیا رپورٹ ہے؟" جس وقت اس کے سیل فون پر گنگناہٹ ہوئی اس لمحے قریبی جامع مسجد سے بھی مغرب کی اذان کی پہلی پکار فضا میں گونجی تھی جس پر ہمیشہ کی طرح دھیان دیے بغیر وقاص اپنے من پسند مشغلوں میں گم رہا تھا۔

"اطلاع بالکل درست ہے چھوٹے سائیں' وہ واقعی گاؤں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ چھوٹی بی بی وہیں اس گھر پر اس کے بوڑھے والدین کے ہمراہ ہوتی ہیں۔ اس بات کو بھی ایک ہفتہ سے زیادہ ہونے کو آیا۔ مزید خبر یہ بھی ہے کہ چھوٹی حویلی سے آپ کے چاچا سائیں بی بی کو لینے بھی آئے مگر وہ گئی نہیں۔"

"کیسے جاتی کمدار اسے ہمارے کام جو آنا تھا۔" وقاص نے مکروہ شیطانی قہقہہ لگایا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے سرکار؟"

"آج رات اسے عزت و احترام کے ساتھ ڈیرے پر لے آؤ کمدار بس بہت کر لیا صبر مگر خیال رکھنا۔ رازداری

کے ساتھ احتیاط بہت ضروری ہے آگے میں خود سنبھال لوں گا میڈم صاحبہ کو۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا زہر خند ہوا۔

❀......۞......❀

اس نے درد سے پھٹتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"آپ کی طبیعت مجھے ابھی بھی ٹھیک نہیں لگتی فاطمہ بیٹے۔" احسان بابا کی نظر اس پر تھی۔

"نہیں احسان بابا میں ٹھیک ہوں' آپ پریشان نہ ہوں جا کر آرام کریں۔ دوا لے کر میں بھی سوتی ہوں۔" اس نے محض ان لے لیے کہا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی طبیعت واقعی بہتر نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے فاطمہ بیٹے مجھے حاجراں کو آج یہاں آپ کے پاس بھیج دینا چاہیے۔ آج کی رات بچوں کو وہ دیکھ لے گی۔" ان کی متفکر نگاہ اس کے زرد چہرے پر تھی۔

"آپ انہیں زحمت نہیں دیجیے بابا بچوں کی وجہ سے مجھے مسئلہ نہیں ہوتا۔" اس نے نرمی سے کہتے بچوں پر پیار لٹاتی نظر ڈالی۔ احسان بابا کسی قدر مطمئن ہوتے اسے دوا کے ساتھ دودھ لینے کی تاکید کرتے باہر چلے گئے۔

فاطمہ نے دوا پانی کے ساتھ نگلی اور خود بھی لیٹ گئی۔ تب خیال آیا کہ احسان بابا کے جانے کے بعد اس نے دروازہ اندر سے لاک نہیں کیا حالانکہ وہ جاتے ہوئے تاکید بھی کر گئے تھے۔ دروازہ لاک کر کے واپس آتے اس کا دکھتا سر زور سے چکرایا تھا۔ بروقت بیڈ کا کونا تھام کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا۔ تب اس کی نظر بچوں کے خالی فیڈر پر جا پڑی تو اس نے بے اختیار ہونٹ بھینچ لیے۔ آج طبیعت کی خرابی کے باعث اس اہم کام پر وہ دھیان نہیں دے سکی تھی۔ خانسامہ اس وقت اپنا کام مکمل کر کے اپنے کمرے میں جا چکا ہوتا ہے۔ ناچار جیسے تیسے ہی اسے خود کچن میں آنا پڑا یہ الگ بات کہ وہ اس مختصر سے دورانیے میں دو سے تین مرتبہ چکرا کر گرتے بچی تھی۔

کچن کی لائٹ جلا کر دودھ گرم کرنے کے دوران ہی اس نے فیڈر دھو لیا تھا۔ ٹرے میں تینوں چیزیں رکھ کر وہ جیسے ہی مڑی یکدم ہر سو اندھیرا چھا گیا۔ ٹرے چھوٹ کر فرش پر گری ساتھ ہی وہ خود بھی زمین بوس ہوتی اگر دو مضبوط توانا بازو اسے بروقت نہ تھام لیتے۔ فاطمہ کے جب تک حواس بحال ہوئے عباس اسے چھوڑ کر فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ کچھ غصیلا کچھ جھنجلایا ہوا انداز تھا۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟" اس نے سٹپٹائی ہوئی فاطمہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے کوفت بھرے انداز میں سوال کیا۔ فاطمہ کا پہلے سے فق ہوا رنگ اور بھی پیلا پڑنے لگا۔

"م...... میں دودھ گرم کرنے آئی تھی مگر......!" اس نے خفت زدہ انداز میں فرش پر پھیلے دودھ اور برتنوں کو دیکھا اور ہاتھ مسلے۔

"اور نہیں ہے دودھ؟" عباس اس کی گھبراہٹ و شرمندگی سے یہی قیاس کر سکا۔ فاطمہ نے ہڑبڑا کر اسے ایک نظر دیکھا اور پھر تاب نہ لاتے ہوئے تیزی سے نگاہ جھکا لی۔ وہ قریب تھا متوجہ تھا۔ تمام تر جاذبیت دلکشی اور سحر انگیزی کے ہمراہ۔ اس سے بڑھ کر بھی اوسان خطا کرنے کا باعث کوئی بات ہو سکتی تھی۔ اس کا وجود مہک اٹھا۔

"ہے...... اور میں کر لیتی ہوں گرم؟" وہ ہکلائی تو عباس نے بے اختیار ٹوک دیا۔

"رہنے دیں آپ جائیں کمرے میں طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کی؟" اس کے دوٹوک تحکمانہ لہجے و انداز پر فاطمہ کی کیا مجال تھی انکار کرتی۔ فاطمہ کمرے میں پہنچی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا عباس خود ٹرے سمیت موجود ہوگا۔

"آ...... آ...... پ...... آپ نے کیوں زحمت کی...... میں خود......!"

"احسان بابا نے بتایا تھا چوٹ لگ گئی ہے آپ کو۔" اب کے اس کا لہجہ پرسان تھا۔ وہ خود کو یقین دلانا بھی چاہتی تو اس خوش بختی پر ایمان نہیں لا سکتی تھی کہ وہ اس ہمدردانہ انداز میں اس کی خیریت بھی دریافت کر سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک جوت سی جلی۔

"آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے مس ننھی۔" اس کے دل میں جل اٹھنے والی جوت نے اڑ کر اطراف میں ہر سو قندیلیں روشن کر دیں۔ اپنی جگہ وہ مسحور بیٹھی تھی۔ اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر ساری دنیا کو اس خوشی میں شریک کر لے اور کہے۔

"لوگوں سنو
وہ ستم گر نہیں ہے
اسے میری پروا ہے
دیکھو آج اس نے مجھے انمول کر دیا ہے
اس نے آج پہلی بار میری خیریت دریافت کی ہے......

یکطرفہ محبت صرف ہجر و نارسائی بخشے ضروری تو نہیں...... یہ محبت دان بھی کرتی ہے اور انمول بھی وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ کیسی خوشی تھی جس نے تکلیف کا سارا احساس تمام کر دیا تھا۔

"لائیں اسامہ کو مجھے دے دیں آج آپ ایک بچے کو سنبھال لیں کافی ہے۔" عباس نے ہمدردی کے تاثر کے ساتھ جھک کر اسامہ کو اٹھایا۔ ایسا کرتے چند لمحوں کو ہی مگر وہ فاطمہ کے قریب تر آ گیا تھا۔ اس کے ملبوس سے اٹھتی اس کے وجود کی مسحور کن خوشبو فاطمہ کے حواسوں پر چھاتی چلی گئی۔ یہ لمحہ بھر کی بات تھی مگر وہ ان لمحوں کی گرفت میں صدیوں تک قید رہ سکتی تھی۔

عباس جا چکا تھا اس نے عباس کے الفاظ کو پوری جزئیات کے ساتھ از سر نو ذہن میں دہرایا اور مسکرا دی۔ اس کی بند مٹھیوں میں ان گنت ستارے اور خوب صورت لمحوں کی رنگین تتلیاں آ بسی تھیں۔ اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اپنے ہاتھ سامنے کیے خوش رنگ لمحے سرک کر دور چلے گئے تھے مگر اپنے پیچھے یادوں کے دلنشیں احساس اور خوشبو چھوڑ گئے تھے۔ جن کے آسرے وقت بہت آسانی سے کٹ سکتا تھا۔ اسے ایک بار پھر لگا اس نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا آسودگی و طمانیت کا بھرپور احساس اسے تھپک کر گہری نیند کی پرسکون وادیوں میں لے گیا۔

❀......۞......❀

لاریب نے ٹھٹک کر گردن موڑی' کمرے میں جامد خاموشی تھی اس نے مضطرب ہوتے کروٹ بدلی۔ سکندر کہیں نہیں تھا مگر ہر شے پر اس کی یاد کے نقش گہرے تھے۔ وہ حیران تھی اسے وہ یاد آ رہا تھا یا پھر وہ اس کی کمی محسوس کر رہی تھی۔ بے چینی کچھ اور بڑھی تو اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ سردیاں مکمل طور پر رخصت ہو چکی تھیں مگر رات کے دوسرے پہر خنکی کا احساس بڑھ جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحن میں سونے کو ابھی ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔

"فرض تو مجھے کچھ بھی نہیں کرنا چاہیے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے مگر میرے دل کو ایک یقین لاحق ہے کہ ایک دن آپ کی زندگی میں ایسا ضرور آئے گا کہ اگر آپ کو مجھ سے محبت نہ بھی ہوئی تو میری کمی ضرور محسوس ہوگی لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ کی اس کیفیت سے میں بھی فیض یاب ہو سکوں۔" یہیں اسی پلر کے ساتھ ٹیک لگا کر سکندر نے یہ بات کتنے عجیب سے انداز میں کہی تھی۔ لاریب گم صم ہونے لگی۔ وہ جیسے خود سے بھاگ رہی تھی۔ جس پل وہ کمرے میں جانے کو مڑی اسی پل رات کے سناٹے میں ایک غیر مانوس آہٹ ابھری۔ لاریب نے ٹھٹک کر دیکھا اور اگلے لمحے جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چہرے کو نقاب میں چھپائے وہ کوئی لٹیرا تھا جو دیوار پھاند کر گھر میں گھسا تھا۔

"ک...... کون ہو تم......؟" اس نے چیخ کر کہنا چاہا مگر ہونٹوں پر مضبوط ہاتھ کی بے رحم گرفت نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی اگلے چند لمحوں میں بے ہوشی کی دوا نے اثر دکھایا تھا اور اس کا مزاحمت کرتا وجود ریتلی دیوار کی مانند ڈھلتا جا رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے جس جگہ خود کو پایا وہ اس کے لیے قطعی غیر شناسا تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر قیامت اپنے نزدیک وقاص حیدر کی موجودگی تھی۔ وہ تڑپ اٹھنے کے انداز میں تیزی سے سیدھی ہوئی اور اپنا ڈھلک جانے والا دوپٹا اٹھایا۔ وقاص اس کی گھبراہٹ و سراسیمگی سے حظ اٹھاتا قہقہہ لگانے میں مصروف تھا۔ لاریب اس کی جرأت کے مظاہرے پر سکتے میں مبتلا جب یہ سکتہ ٹوٹا تو اس کے اندر غیض کا سمندر ابل پڑا تھا۔

"کچھ بولو گی نہیں؟" وہ اسے تمسخرانہ نظروں سے گھورتا

مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

”تمہاری اس جرأت کا مطلب کیا ہے وقاص؟ جانتے ہو کیا کر چلے ہو اپنے ساتھ؟“ بالآخر وہ ضبط کھو کر پھنکاری تھی۔ وقاص پھر قہقہہ لگانے لگا۔

”ہاں جانتا ہوں نیکی کر چکا ہوں اپنے ساتھ، حسرت نہیں بنایا کرتا اپنی کسی خواہش کو۔“ وہ اس کی جانب لپکا اور اس کا چہرہ اپنے سخت فولادی ہاتھ میں دبوچ لیا۔ لاریب بن پانی کے مچھلی کی مانند تڑپی۔ پہلی بار خوف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر بن کر دوڑا۔

”مجھے چھوڑ دو وقاص، تمہیں جو بھی کہنا ہے کہو میں سن رہی ہوں مگر......!“

”مگر کیا......؟ چھوڑوں گا نہیں آج سارے بدلے چکانے ہیں۔“ وقاص نے اسے کسی پلاسٹک کی گڑیا کی طرح اٹھا کر جہازی سائز بیڈ پر دے مارا تھا۔ اگلے لمحے وہ ایک ہی جست میں اس کے مقابل تھا۔ لاریب کے حلق سے بے اختیار خوفزدہ چیخ نکلی۔ اس سے قبل کہ وقاص اس پر جھپٹتا لاریب اس کے قریب آنے سے قبل اٹھ کر اندھا دھند بھاگی تھی مگر زیادہ دور نہیں جا سکی وقاص نے پھر اسے قابو کر لیا تھا۔ اس نے جس درندگی اور وحشت سے اسے دبوچا تھا۔ لاریب کی قمیص کی آستین جو اس ہیجانی جھٹکے کے نتیجے میں دور تک چرتی چلی گئی۔ لاریب نے ایک خوف کے عالم میں خود کو دیکھا اور شرم کے شدید احساس سمیت جیسے خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کیا۔

یہ وہی لاریب تھی جس نے اپنے شوہر کو بھی اتنی جرأت نہیں دی تھی کہاں وہ ایک غیر محرم کے رحم و کرم پر آ گئی تھی۔ جب وقاص کی وحشت اور درندگی اسے نگلنے کو بے تاب تھی اس سنسان ویران جگہ پر جہاں کسی کی مدد کسی کی آمد کا کوئی امکان نہیں تھا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ دل کی تمام شدتوں کے ساتھ اپنے خالق و مالک سے رابطہ بحال کرے۔

”مجھے اس وحشی سے بچا لے میرے مالک اگر یہاں تو نے مجھے نہ بچایا تو مجھے یہ زندگی قبول نہیں ہوگی میں خودکشی کرلوں گی۔“ وہ بری طرح سے بلک رہی تھی۔ اسے گھسیٹ کر بیڈ تک لے جاتا وقاص یکدم تھرا کر مڑا اور اگلے لمحے یکلخت ڈھیر ہو گیا۔ اس کا گرانڈیل وجود جس طرح تیورا کر گرا تھا اور جس شدت سے تڑپا تھا لاریب نے سناٹے میں آتے ہوئے اسے ٹھٹک کر دیکھا تو نگاہ اس کے پاس سے سرسرا کر گزرتے سانپ پر پڑی۔

وہ بے اختیار چیخی اور سرعت سے بیڈ پر چڑھ گئی۔ سانپ پلک جھپکتے میں غائب ہو چکا تھا۔ مگر لاریب کے وجود میں دہشت ہنوز پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال کر ایک خوفزدہ نگاہ وقاص پر ڈالی جو بے کس اور جاں کنی کے عالم میں تھا۔ لاریب نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا اور اس امداد غیبی پر اس کا دل تشکر اور آنکھیں نمی سے بھرنے لگیں۔

اپنا دوپٹا سنبھالتی وہ ڈیرے سے باہر بھاگی۔ ماحول خوفناک سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اطراف میں لگے دیو قامت درخت خوفناک لگ رہے تھے۔ اسے کچھ فاصلے پر وقاص کی گاڑی نظر آئی۔ گاڑی کی چابی کی ہول میں لٹک رہی تھی۔ یعنی اللہ ہر جگہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ اس کے اندر توانائیاں اور سکون بھرنے لگا۔ صبح ہونے میں ابھی بہت وقت تھا۔ اسے صبح ہونے سے قبل خود کو سیاہ بختی اور بدنامی کے اس غار سے نکالنا تھا۔ اس نے اندھا دھند گاڑی دوڑا دی۔ اسے یقین تھا جس رب نے اس کی یہاں اتنے خوب صورت انداز میں مدد کی ہے وہ آگے بھی اسے تنہا اور اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ اس کا یقین بے بنیاد بھی نہیں تھا۔

❁......◉......❁

فراز نے ہاتھ بڑھا کر پہلے کیسٹ پلیئر کا والیوم بڑھایا پھر گاڑی کی رفتار بھی۔ مشہور و معروف شاہراہ پر رات کے اس پہر بھی ٹریفک کا اژدھام تھا۔ آج اس کا گھر جانے کا موڈ نہیں تھا بلکہ اس کی پچھلے کئی دنوں سے یہی روٹین تھی۔ جب سے اریبہ لوٹی تھی وہ گھر خاص طور پر بیڈ روم سے بھاگنے لگا تھا۔ تمام تر لاتعلقی اپنا لینے کے باوجود فراز کو اس کا وجود کھٹکتا رہتا۔ وجہ اس کی وہ تذلیل تھی جسے وہ چاہنے کے باوجود بھلا نہیں پاتا تھا ورنہ کتنی بار معافی مانگ چکی تھی وہ اس سے۔ معاً گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے اگلے لمحے اسے یکدم بریک لگانی پڑی تھی۔ کوئی لمبا چوڑا وجود اس کی گاڑی سے ٹکرایا تھا۔

”اوہ شٹ......!“ فراز بوکھلاتا ہوا تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

”یار خودکشی کا اتنا شوق تھا تو میرے بھائی کسی اور گاڑی کا انتخاب کرتے۔ تمہیں میں ہی نظر آیا تھا تھانہ عدالتوں کے دھکے کھلوانے کو۔“ وہ جھلاتا ہوا جا کر نوجوان پر جھکا جو سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چوڑی پیشانی سے بہتا خون اس کے چہرے کو بھرتا جا رہا تھا۔

”اوہ...... اتنا خون اچھی خاصی چوٹ لگ گئی ہے تمہیں۔“ فراز نے گھبرا کر کہتے اپنے کوٹ کی جیب سے رومال نکال کر زخمی نوجوان کی پیشانی کو صاف کرنا چاہا تو اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

”آ جاؤ گاڑی میں بیٹھو میں دیکھتا ہوں اگر قسمت سے کوئی کلینک کھلا مل گیا تو مرہم پٹی کرا دیتا ہوں تمہاری۔“ اسے سہارا دیتے اٹھا کر وہ گاڑی کی جانب لانا چاہتا تھا کہ اس نے ایک بار پھر نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور ٹوکتے ہوئے رسانیت سے گویا ہوا۔

”آپ گلٹی فیل نہ کریں جناب میں ٹھیک ہوں آپ جا سکتے ہیں۔“ فراز نے کشادہ دلی و بے نیازی کے اس عظیم الشان مظاہرے پر بے حد حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر اس خوش لور سانولے سلونے نوجوان کو دیکھا جس کے تیکھے مگر سبک نقوش میں انوکھی جاذبیت اور دلکشی کا احساس جھلکتا تھا۔

”مجھے بھی سوشل ورک کا شوق نہیں ہے محترم۔ مگر آپ میری وجہ سے زخمی ہوئے ہیں اب یہ اخلاقی فرض ہے میرا کہ آپ کی مدد کروں اور آپ کے ٹھکانے تک پہنچا دوں۔“ فراز کے انداز میں کچھ ایسی بے ساختگی اور دوستانہ پن تھا کہ وہ اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔

”کہاں سے بی لانگ کرتے ہیں نام ہی بتا دیں کم از کم اپنا۔“ فراز اس کا اچھی طرح سرتاپا جائزہ لینے کے بعد اس سے کچھ مزید متاثر ہوا تھا مگر بات کرنے کا انداز وہی بے تکلفانہ تھا جواب میں وہ جس طرح جھینپ کر مسکرایا فراز کے لیے یہ ایک دلچسپ نظارہ ہی تھا۔

”مسافر ہوں اور نام سکندر حیات ہے۔“

”سکندر، یعنی فتح کر لینے والا، نام تو یونیک ہے سکندر اعظم صاحب اب تک کیا کچھ فتح کیا آپ نے؟“ فراز کا مخصوص موڈ بیدار ہو چکا تھا۔ اس آدمی میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ فراز کو وہ پہلی نظر میں ہی اپنا اپنا سا لگا تھا۔ جبھی وہ اس سے بے تکان انداز میں بات چیت کرتا چلا گیا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس کی گفتگو اس نے سکندر کے دل کو کس بے دردی سے جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ چہرے پر لرزتے تاریک سائے کے ساتھ وہ آہستگی سے رخ پھیر کر کھڑکی سے باہر سڑک کے پار چمکتے سائن بورڈ کو تکنے لگا۔

”مبارک ہو ایک کلینک تو کھلا ملا آ جاؤ سکندر اعظم۔“ فراز نے گاڑی کلینک کے سامنے روک کر اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترا۔

”میں تمہیں اپنے گھر لے جاتا سکندر مگر میرا بھائی جو ڈاکٹر ہے نا آج اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے اینی وے پھر کبھی ملاؤں گا تمہیں اس سے۔“ وہ خود ہی بولے جا رہا تھا سکندر یوں خاموش تھا جیسے اب کبھی زبان نہیں کھولے گا۔

”کہاں جاؤ گے سکندر آؤ میں ڈراپ کر دوں کس ہوٹل میں رکے ہو؟“ مرہم پٹی کروانے کے بعد جب فراز اس کے ہمراہ کلینک سے باہر آیا تو پرخلوص انداز میں گویا ہوا۔

”نہیں شکریہ، خود چلا جاؤں گا میں آپ کا ایک بار پھر شکریہ۔“ سکندر نے سپاٹ انداز میں کہا اور قدموں کو مخالف سمت موڑ کر بے اعتنائی سے چل دیا۔ فراز تو اس کے انداز پر ہی ہق دق رہ گیا تھا۔

”ارے...... بات تو سن یار میرا نام فراز علوی ہے شرافت میرے ماتھے پر لکھی ہے۔ ارے سچ مچ اغوا نہیں کروں گا۔ آ جاؤ کر دوں ڈراپ، کہاں آدھی رات کو کونیس کے لیے دھکے......!“ وہ پکارتا رہ گیا مگر سکندر نے مڑ کر نہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی جب ہی پلٹ کر دیکھنے والا پتھر کا ہو جاتا ہے۔ وہ یکدم ٹھٹک کر تھم گیا اور جھٹکا کھا کر تیزی

سے پلٹا۔ دور بہت دور کھڑی گاڑی اپنی راہ لے چکی تھی۔ اس کی ہر لحہ اندھیروں میں گم ہوتی ہیڈ لائٹس بھی بالآخر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

سکندر کو زمین آسمان گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے لرزتی ٹانگوں پر قابو پانے کو قریبی پول کا سہارا لیا اور وہیں فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کا بیگ وہیں سیٹ پر دھرا رہ گیا تھا۔ وہ بیگ جس میں اس کی شناخت کے سبھی ثبوت تھے وہ خود کو ہواؤں میں ڈولتا محسوس کر رہا تھا۔

❀……۞……❀
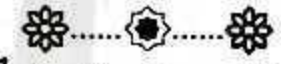
"مجھے تقریباً تمام اسلامی ممالک میں تبلیغی وزٹ پر جانے کا موقع میسر آیا ہے مگر جو اپنائیت و محبت مجھے پاکستان کے لوگوں سے ملی اس کا جواب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں میرے قیام کے لیے بھی بہترین جگہ یہی ہوگی سعودیہ بھی مجھے پسند ہے اور امریکا تو خیر میرا جائے پیدائش ہے مگر شرجیل احمد ان دونوں جگہوں پر میں سمعیہ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ تمہیں پتا ہے میں اکثر وزٹ پر ہوتا ہوں۔ پھر میری یہ بھی دلی خواہش ہے کہ میں ایک جامعہ تعمیر کراؤں۔ جہاں قرآن پاک کا علم دیا جاسکے۔ سمعیہ آپ بھی میرا ساتھ دیں گی نا اس کام میں؟" شرجیل سے بات کرتے ہوئے ابراہیم احمد نے اچانک ہی سمعیہ کو گفتگو میں شامل کرلیا تھا۔ جو اس وقت چائے لے کر آئی تھی۔ سمعیہ نے مسکرا کر پوری آمادگی سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"میں زندگی کے ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں ابراہیم احمد مگر مجھے قرآن پاک کو تلفظ کے ساتھ پڑھنا نہیں آتا۔ مجھے انتہائی شرمندگی ہورہی ہے یہ بتاتے ہوئے کہ میں مذہب کے کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوسکی۔" شرجیل زارون کو دیکھنے کو اٹھا تو سمعیہ نے معصومیت سے کہا جواباً ابراہیم کی سنہری آنکھیں لو دینے لگیں۔

"آپ نیت کریں سمعیہ اللہ مددگار ہوگا۔ ہمیں خدا کی زمین پر خدا کے دین کو پھیلانے کی کوشش کرنی ہے کہ یہی حکم خداوندی ہے۔ ہمیں صرف خود کو ہی نہیں سدھارنا ہمیں یہ سدھار خدا کے بندوں میں بھی پیدا کرنا ہے۔"

"ان شاء اللہ۔" سمعیہ نے مسکرا کر اس کی تائید کی تو شرجیل بھی پوری آمادگی سے سر ہلانے لگا۔

"ابراہیم احمد اگر تم لوگ پاکستان میں بلکہ میرے ساتھ یہاں رہو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی اس طرح میں اپنی جاب جاری رکھنے کے ساتھ تمہارے اس مشن میں بھی شریک ہوسکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں، مجھے بھی خوشی ہوگی۔ سمعیہ بہتر ہے آپ آج سے ہی کسی اچھے جامعہ کو جوائن کرلیں شرجیل احمد تو میرے ساتھ ہوتے ہیں۔" ابراہیم احمد کے کہنے پر سمعیہ نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے شرجیل سے زارون کو لے لیا۔

"آپ چائے لیں پلیز، ٹھنڈی ہورہی ہے۔" سمعیہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ہر بار شرجیل کا دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہوجاتا۔ جس نے اسے اس آزمائش میں سرخرو کردیا تھا۔

"ابراہیم احمد اس روز آپ کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ آپ کو آپ کی بہن ملی پھر......؟" شرجیل کسی خیال کے آنے پر چونک کر متوجہ ہوا ابراہیم احمد آہستگی سے مسکرایا۔

"میں تلاش میں ہوں۔ جب اللہ کا حکم ہوگا وہ مل جائے گی۔"

"آپ کی ممی نے بتایا کہ وہ پاکستان میں ہے؟" شرجیل کا انداز پرسوچ تھا۔ ابراہیم احمد نے کاندھے اچکائے۔

"مگر میرا دل نہیں مانتا کیتھی بہت ریزروڈ اور شائی گرل تھی۔ عام لڑکیوں سے یکسر مختلف۔ ممی اس کی شادی اپنے اسٹیپ سن ڈیو سے کرنے کی خواہش مند تھیں۔ ڈیو معقول انسان تھا مگر کیتھی اسے پسند نہیں کرتی۔"

"آپ کی مدر ہندو ہیں اور فادر کرسچن؟" شرجیل کو اچنبھا ہوا۔

"جی...... مگر میں الحمدللہ مسلمان۔ مجھے کیتھی کی بھی اسی لیے تلاش ہے میں اپنی بہن کو بھی اللہ کی پہچان دے کر بھٹکنے سے بچانے کا متمنی ہوں۔ میں نے ممی کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر......؟" وہ خاموش ہوگیا اس کے خوبرو چہرے پر تکلیف دہ تاثر آگیا تھا۔ جب سریتا دیوی نے

اسے دعوت حق دینے پر دھتکارا تھا۔ ایسے ایسے کفریہ فقرے کہ ابراہیم کی روح تک اذیت سے چیخ گئی تھی۔ اس نے جانے کتنی بار اللہ سے معافی طلب کی تھی مگر دل کا بوجھ نہیں اترتا تھا۔ وہ ان کی محبت میں ان کی بہتری کا خواہاں تھا مگر سریتا دیوی جو اپنے دھرم کے متعلق بے حد پوزیسو تھیں بیٹے کو مسلمان پا کر ان کے اندر ایسا ہیجان اترا تھا کہ الامان۔ انہوں نے بیٹے کو گالیاں کوسنے اور بددعائیں دیتے دھکے مار کر وہاں سے نکال کر کبھی شکل نہ دکھانے کا حکم بھی صادر کر ڈالا تھا۔ شرجیل بہت محبت سے ابراہیم احمد کو دیکھتا رہا۔

❀……۞……❀
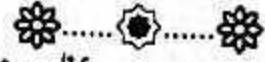
"میں کیا کروں اب، وہ سکندر اعظم تو مجھے ملتے نہیں۔" آج مسلسل چوتھا دن تھا فراز کو بیگ سمیت شہر بھر کی سڑکوں کی خاک چھانتے روزانہ وہ کتنا پیٹرول پھونک ڈالتا تھا امانت دار تک اس کی امانت پہنچانے کی خواہش میں مگر وہ تو جیسے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔

"نہ اتا نہ پتا اور محترم اپنی زنبیل میرے پاس چھوڑ گئے۔" وہ بری طرح جھنجلایا تھا جب نبیل نے دستک دینے کے بعد اندر قدم رکھا۔

"آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی مگر آپ دستیاب ہی نہیں ہوتے۔" نبیل کے انداز میں شکوہ تھا۔ فراز نے سگریٹ سلگاتے اسے اچٹتی نگاہ سے نوازا۔

"ہاں بولو۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"کیا بولوں؟ اگر آپ کو خود احساس نہیں ہے تو......!" نبیل کے انداز میں محسوس کیا جانے والا رنج و ملال تھا۔ فراز نے بھنوئیں اچکا کر اسے ناراض نظروں سے دیکھا۔

یاد ہو تو ایمان بھابی پر ہونے والے مظالم کے سب سے بڑے مخالف آپ ہی تھے۔ شرجی بھائی کو ان کی کوتاہی اور گھر کی بزرگ خواتین کو زیادتی کا احساس دلانے کی خاطر آپ نے جھگڑے بھی کیے تھے۔" نبیل کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی سرد مہری اور طنز سمیٹ لایا۔ فراز کا ماتھا ٹھنکا اس نے کاٹ دار نظروں سے نبیل کو دیکھا۔

"تو......؟" اس کی نظروں کی طرح اس کا انداز بھی سرد تھا۔

"اطلاعاً عرض ہے ہمارے گھر میں تاریخ کو تیسری مرتبہ دہرایا جارہا ہے۔ آفاق چاچو کے بعد ایمان بھابی اور...... اور اب اریبہ بھابی کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک روا رکھا جارہا ہے۔ لیکن آپ کو تو میں خوامخواہ بتا رہا ہوں آپ کی ہی تو ایماء پر ہورہا ہے یہ سب کچھ۔" اس کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ تھی۔ فراز کے چہرے کی سرد مہری اور نخوت نے نبیل کو دلی صدمے سے دوچار کیا تھا۔

"بھائی آپ کبھی بھی ایسے نہیں تھے۔" نبیل احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"کسی دن گھر پر رک کر دیکھیں مما اور تائی ماں سمیت صالحہ بیگم بھی بھابی کو سارا دن کیسے ٹارچر کرتی ہیں۔ بات بات پر طنز و تشنیع اور ہتک کا نشانہ بننا پڑتا ہے انہیں۔ ایسا کون سا جرم سرزد ہوا ہے ان سے کہ آپ معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور اگر معاف نہیں کرسکتے تو ٹھیک ہے پھر طلاق دے دیں انہیں کم از کم اس جہنم سے تو......!" اس کی بات ادھوری رہ گئی چھناکے کی آواز پر نبیل کے ساتھ فراز نے بھی چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اریبہ دروازے پر زرد چہرا لیے کھڑی تھی۔ چائے کے لوازمات سے سجی ٹرے زمیں بوس ہوچکی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آگئی ہیں محترمہ ان سے پوچھ لو اگر یہ اس طرح نجات چاہتی ہیں تو میں ابھی......!"

"پلیز، فارگاڈ سیک...... فارگاڈ سیک نبیل بھائی۔" فراز کی بات قطع کرتے ہوئے وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔ جہاں فراز کے ہونٹوں پر جتلاتی ہوئی طنزیہ مسکان اتری تھی وہاں نبیل دہری اذیت کا شکار ہوگیا تھا۔

"کسی بھی شے کو بےدردی سے توڑنے کی عادت پرانی سہی مگر اب اسے بدل ڈالو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گی سمجھیں۔" فراز نے دانت کچکچا کر اریبہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے فراز بھائی آپ کا جو روپ میں نے آج دیکھا اس سے تو میں کبھی آگاہ نہیں تھا۔ تھینکس اس بات کے لیے کہ آپ نے آج مجھے غلط فہمی سے نکال دیا۔ آج تک میں سمجھتا رہا علوی ہاؤس میں بسنے والے درندہ

صفت بے مہر انسانوں میں کوئی......!"

"نبیل......؟" فراز نے بے اختیار ٹوکا تو نبیل اسے اجنبی مگر دکھ بھری نظروں سے دیکھتا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یوں جیسے کسی وضاحت کی ضرورت نہ ہو کچھ سننے پر آمادہ نہ ہو۔

"تم کچھ نہیں جانتے ہو نبیل۔ بہتر ہے اس معاملے میں انوالومت ہو۔" فراز کا لہجہ سخت تھا۔

"بے فکر رہیں میں آئندہ آپ کو کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا۔ شرجی بھائی کو ٹھوکر کھا کر عقل تو آ گئی تھی مگر آپ کے بارے میں کیا کہوں؟" نبیل نے غصے سے پلٹ جانا چاہا مگر فراز نے اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

"میں نے کہا نا آنکھوں دیکھے پر ہی یقین نہیں کر لینا چاہیے پس پردہ حقائق کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں۔" فراز کے لہجے میں کچھ ایسا کرب تھا کہ نبیل چاہنے کے باوجود اس سے الگ نہیں ہو سکا۔ وہ اس کے کاندھے سے اپنی نم آنکھیں رگڑتے ہوئے اپنے درد کی ہر کیفیت اس پر آشکار کرتا چلا گیا کہ دل بے انتہا بوجھل تھا۔ شرجیل تھا نہیں کہ وہ اس سے کہہ لیتا۔

"اب بتاؤ گے میں کس حد تک قصوروار ہوں۔" نبیل نے سرد آہ بھر کر تھکے ہوئے انداز میں سر جھکا لیا۔

"مانتا ہوں بھابی نے حماقت کی مگر وہ اتنی قصوروار نہیں ہیں جتنی سزا......!"

"نبیل فی الحال اس کی فیور مت کرو میرے دل میں اس کے لیے ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں نکل رہی۔" فراز نے بے اختیار ٹوکا اور پھر سے سگریٹ سلگا لیا۔ پھر سکندر کے بیگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"ایک اور مسئلہ ہے جان برادر۔" اس نے سکندر کے متعلق مختصراً بتایا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے بھائی آپ اس زنبیل کو کھولیں کچھ نہ کچھ تو سکندر اعظم کا سراغ مل ہی جائے گا۔" نبیل نے صرف کہا نہیں بیگ اٹھا کر زپ کھولی اور اسے بیڈ پر الٹ دیا۔ ایک مردانہ سوٹ ایک فائل اور کچھ دیگر اشیا فراز نے فائل کھولی تھی اگلے لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ وہ حیران و ششدر آنکھیں پھاڑے اک کے بعد دوسرا صفحہ پلٹ رہا تھا۔

❁......◉......❁

"سن لیے بیٹے کے کرتوت؟" بابا جان نے اماں جان کو گھورتے ہوئے پھنکارتی ہوئی نظر وقاص حیدر کے چہرے پر ڈالی جو ہلدی کی طرح پیلا نظر آ رہا تھا۔

"عباس کو تو خوامخواہ ہی نکالا تھا میں نے آج احساس ہوا ہے میں اس کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کرتا رہا ہوں ایسی شرمناک حرکتیں تو نہ کی تھیں اس نے۔ اس نے تو سر جھکا کر رکھ دیا ہے میرا۔" وہ اپنی چھڑی پر دباؤ ڈالتے غصے میں ٹہل رہے تھے۔

"جی تو چاہتا ہے اسے یہیں سڑتا رہنے دوں شکل نہ دیکھو دوبارہ۔" وہ جیسے صحیح معنوں میں روہانسے ہوئے رہے تھے۔ اماں جان بس سر جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔ عجیب دوراہا تھا زندگی کا وہ لاچار بے بس ماں تھیں جو کچھ انہوں نے سنا اس پر انہیں یقین نہ آتا تھا مگر سارے کے سارے شواہد وقاص کے خلاف جاتے تھے۔ وہ خون کے آنسو روتی تھکتی نہ تھیں مگر پھر بھی درد کم نہیں ہوتا تھا۔ بابا جان کے فون کی گھنٹی نے کمرے کے خاموش ماحول میں ہلچل مچا دی۔

"ہاں وعلیکم السلام کیا بات ہے زلیخا؟" اماں جان بے دھیانی میں ان کی بھاری آواز سن رہی تھیں۔

"اوہ...... کب ہوئی طبیعت خراب اچھا تم ڈرائیور کے...... بلکہ رکو میں بتاتا ہوں تمہیں۔" انہوں نے رابطہ منقطع کیا پھر تیزی سے اماں جان کی جانب مڑے جو آنسو بھری آنکھوں سے وقاص کے چہرے کو تکے جا رہی تھیں۔

"امامہ کی طبیعت خراب ہے اسے اسپتال لے جانا پڑے گا۔ تمہیں وہاں پہنچنے میں تو ٹائم لگ سکتا ہے زلیخا سے کہو وہ ڈرائیور کے ساتھ اسپتال لے آئے ادھر سے ہم چلتے ہیں۔" بابا جان کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ اماں جان نے ایک نظر انہیں دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ بابا جان پھر سے فون پر مصروف ہوئے تھے۔

"ہاں زلیخا تم بچی کو گاڑی میں لے کر اسپتال روانہ ہو

ہم تمہیں وہیں ملتے ہیں امامہ کا خیال رکھنا۔" وہ زلیخا کو خصوصی تاکید کرنے میں مصروف تھے۔ دادا بننے کی متوقع خوشی ابھی سے ان کے چہرے پر جگمگاہٹ بکھیر رہی تھی۔

"چلو اٹھو۔" فون بند کر کے وہ فوری جانے کو تیار ہوئے اماں جز بز نظر آئیں۔

"آپ چلے جائیں میں یہیں ہوں وقاص کے پاس۔" ان کے انداز کی بے اعتنائی نے بابا جان کی بارعب کشادہ پیشانی پر بل ڈال دیے تھے۔

"یہ دودھ پیتا بچہ نہیں ہے بیگم صاحبہ اس وقت بچی کو آپ کی ضرورت ہے اٹھیں فوراً۔" ان کے لہجے میں مخصوص سختی تھی۔ وہی تحکمانہ انداز جس کے آگے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی تھی۔

"میں وقاص کو زخمی حالت میں کیسے چھوڑ کر چلی جاؤں۔" زندگی کا یہ دوسرا موقع تھا انہوں نے شریک حیات کے کسی حکم کے سامنے اطاعت کے علاوہ اپنی بات رکھنے کی جرأت کی تھی۔ اس سے قبل وہ عباس کی خاطر بھی لڑ چکی تھیں مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوا تھا بابا جان نے بے حد جھلا کر خفا نظروں سے انہیں دیکھا مگر ان کے چہرے پر جو بے چارگی اور بے بسی رقم تھی اس نے ان کے اندر بھڑکتے الاؤ پر جیسے پانی کے چھینٹے ڈال دیے۔ کچھ دیر ہونٹ بھینچے کھڑے رہے پھر کچھ کہے بغیر پلٹ گئے۔ اماں جان نے بہتے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کیے۔ پھر وقاص کی جانب متوجہ ہوئی۔ جس کے انداز میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ان کے دل کو دھچکا سا لگا۔

"وقاص حیدر کچھ دیر میں تم باپ بننے کی خبر سنو گے۔" اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر انہوں نے نرمی سے کہا مقصد اس کی خاموشی کو توڑنا تھا۔ جس میں انہیں پھر ناکامی کا سامنا ہوا تو خود پر ضبط کھو کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"ایسے کیوں ہو گئے ہو میرے چاند۔ کچھ تو بولو؟ ماں کا کلیجہ پھٹتا ہے تمہیں اس طرح دیکھ کر تم مجھے اس طرح مت آزماؤ وقاص۔ ساری دنیا کچھ بھی کہے مجھے یقین نہیں میری نظروں میں تم آج بھی ویسے ہو بے عیب بے داغ مجھ سے نظریں نہ چراؤ۔" وہ اس کے کشادہ سینے سے لگیں بلک رہی تھیں۔ وقاص کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے۔ کون جانتا تھا بھلا ان آنسوؤں ان آہوں کی اصل وجہ کیا تھی کیا خبر تھی کسی کو آج اس نے کیا سمجھا کیا جانا کیا پایا تھا۔

❁......◉......❁

پودے اور درخت ساکت تھے۔ لاریب نے سرد آہ بھری اور اپنے کمرے میں آ گئی جس کی نیم تاریکی میں قدرے خنکی کا احساس تھا۔ مگر دل کی آنچ تک اس ٹھنڈک کی رسائی کہاں ممکن تھی۔ اس کی سماعتوں میں ایک جانی پہچانی آواز کی سرسراہٹ اترنے لگی۔

"محبت کی حدوں کا تعین کون کر سکتا ہے۔ آپ میری محبت نہیں سہہ سکیں تو میری جدائی کو ضرور سہہ جائیں گی۔" لاریب کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں نے تمہیں خود کھو دیا سکندر۔" اس نے نیچے بیٹھنے کے بعد دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے۔

"میں تمہیں کھو کر ہی تمہاری قدر جان سکی ہوں۔ میں ہمیشہ سے ایسی ہی ہوں بے پروا مگر تم نے بھی میری حفاظت میری ذمہ داری سے ہاتھ نہیں کھینچا تھا...... تم مجھے کیسے تنہا چھوڑ سکتے ہو۔" وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"میں جانتا ہوں میں آپ کی زندگی کی کتاب کا ایسا دیباچہ ہوں جس کو اگر پھاڑ بھی دیا جائے تو کتاب کی کہانی پر فرق نہیں پڑتا۔ اثر کم ہوتا ہے نہ دلچسپی کا عنصر اسی لیے آج اس بے کار صفحے کو میں خود اپنے ہاتھوں سے پھاڑ رہا ہوں۔" اس نے جانے سے قبل کتنی مایوسی کے عالم میں کہا تھا۔

"میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں سکندر مجھے وہ کتاب کبھی اچھی نہیں لگی جس کا انتساب کسی کے نام نہ ہو۔ جس کا پیش لفظ نہ لکھا جائے۔ تم تو عمر بھر کے انتظار پر یقین رکھتے تھے نا سکندر اتنی جلدی کیسے ہمت ہار گئے؟" اس کے آنسوؤں میں دکھ اور کرب کے ساتھ احتجاج کا بھی رنگ تھا۔ اس نے بھلا سکندر کو اس قابل ہی کب سمجھا تھا کہ اس

سے محبت کا سوچتی' محبت تو اس نے عباس سے کی تھی پھر جو سکندر کے لیے محسوس کیا وہ کیا تھا؟ شروع میں وہ اس احساس کو کوئی نام دے سکی نہ دھیان میں لائی۔

اسے لگتا یہ وہی تعلق ہے جسے وہ دوستی سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہ تھی مگر دوستی میں وہ اس کی کمی بھلا کب محسوس کرتی تھی۔ اس کے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور سب سے بڑھ کر ثانیہ کے حوالے سے رقابت محسوس کرتی تھی مگر یہاں آنے کے بعد اسے یہ سب احساس مل گئے تھے۔ وہ فطرت کے خلاف چل بھی کیسے سکتی تھی۔ اللہ جو رشتے بناتا ہے ان میں گنجائش اور محبت بھی پیدا کرتا ہے۔ کبھی جو لاشعوری طور پر بھی اس کا ادراک جاگتا تو وہ جھنجلانے لگتی۔ جسے کتنی سہولت اور آرام سے وہ بے دریغ سکندر پر اتار دیتی مگر جب اس نے سکندر کی خاطر وقاص جیسے شخص کو زخمی کیا اس روز پہلی بار وہ چونکی تھی۔

"کیوں بھلا...... سکندر اتنا اہم ہی کب تھا اور اس روز پہلی بار اس پر انکشاف ہوا سکندر اس کے لیے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے...... کیوں بھلا؟" محبت واضح تھی جس کو تسلیم کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ اس سچ سے فرار کی کوشش میں اس نے سکندر کی تذلیل و تحقیر کو خود پر لازم کر لیا تا کہ خود کو یہ یقین سونپ سکے ایسا کوئی بے بنیاد جذبہ اس کے اندر نہیں پھوٹا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ وہ ہر صورت اس محبت کے آگے سرخرو ہونا چاہتی تھی جو اسے عباس حیدر سے تھی۔ وہ کم عقل ہی تو تھی۔ سمجھ ہی تو نہ پائی تھی کہ گنجائش تو باقی رہتی ہے۔ جب کوئی جذبہ یکطرفہ ہو اس صورت میں بھی جبکہ اس جذبے کی آبیاری نہ کی جائے۔

اس نے خود سے ہار بھی مانی تھی۔ حقیقت کو تسلیم بھی کیا تھا مگر اس وقت جب اس کا فائدہ نہیں رہا تھا۔ سکندر اس کے نصیب کی طرح ہی اس سے روٹھ چکا تھا بات اگر یہیں تک رہ جاتی تب بھی غنیمت تھا کوئی ایک نقصان ہوتا۔ وقاص حیدر کے حوالے سے ہونے والے واقعہ نے اسے بالکل ہی ہلا ڈالا۔

"وقاص...... کیا وہ زندہ ہوگا؟" وہ خوفزدہ ہو کر سوچتی۔

"اگر زندہ ہے تو پھر یہ بات بھی پھیلے گی۔ میں کسی اور نقصان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" آنسو قطار در قطار بہنے لگے۔

"اللہ تو چاہے تو میرا راز رکھ سکتا ہے۔" اس نے دلگیری سے التجا کی۔

"میں جانتی ہوں میں بہت بری ہوں۔ میرے انداز میں نرمی نہیں ہٹ دھرمی ہے۔ میں مناتی نہیں منواتی ہوں۔ اس رات میں نے تجھے بھی منایا نہیں تھا تجھ سے بھی منوایا تھا۔ میں نے تجھ سے بھی مانگا تھا تو دھونس سے۔ میں نے خودکشی کی تڑی لگا ڈالی تھی بھلا خالق کے سامنے مخلوق کی اوقات ہی کیا؟ مجھے معاف فرما میرے اللہ اور مجھے ادب اور قرینے سکھا دے۔ میں تجھ سے مخاطب ہوں تو ایسے الفاظ کا انتخاب کر سکوں جو تیری عظمت جاہ و جلال کو زیب ہوں۔" اس کی سسکیاں ماحول میں افسردہ تاثر بکھیر رہی تھیں۔

"لاریب پتر۔" بابا اسے پکار رہے تھے۔ لاریب نے چونک کر سر اونچا کیا تو چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"جی بابا۔" وہ بولی تو اس کی آواز بوجھل تھی۔

"حویلی سے آپ کے بابا سائیں نے ڈرائیور بھیجا ہے آپ کو حویلی بلوا رہے ہیں۔" لاریب نے آہستگی سے سر کو اثبات میں جنبش دی اور آگے بڑھ کر الماری کھول کر کپڑے نکالنے لگی۔ آج اسے اس بلاوے کو ٹھکرانا نہیں تھا۔

❀......◉......❀

نبیل کے جھنجوڑنے پر فراز چونکا اور جو ہنسنا شروع کیا تو ہنستا ہی چلا گیا نبیل کو حقیقتاً اس کی دماغی صحت پر شبہ ہوا تھا۔

"شاید آپ کو قارون کے خزانے کا نقشہ مل گیا ہے۔ اتنی خوشی کی وجہ تو یہی ہو سکتی ہے۔" نبیل جل کر بولا۔ فراز اس کا طنز نظر انداز کر کے پھر قہقہے لگانے لگا۔

"قارون کے خزانے پر لعنت بھیجو یار' ہمیں بیٹھے بٹھائے ایک کارنامہ سرانجام دینے کا سنہرا موقع مل گیا۔ سر پر فخر کا تاج سجنے کی نوید مل گئی۔ آفاق چاچو یاد ہیں؟" مسکراہٹ دباتے اس نے نبیل کو دیکھا۔

"مجھے تو شاذ ہی یاد آتے ہیں سنا ہے آپ کے حواسوں پر پچھلے دنوں ضرور چھا گئے تھے۔ ویسے کبھی کبھار میں یہ بھی

سوچتا ہوں آپ نے خوامخواہ ایم بی اے کی ڈگری لے کر ضائع کی آپ کو تو ایل ایل بی کے بعد وکالت کے میدان میں جھنڈے گاڑنے چاہیے تھے۔" وہ مسکرا کر کہتا اس پر گرفت کر رہا تھا۔ مگر مجال ہے جو فراز نے اس کی کسی بات کا غصہ کیا ہوا۔ اس کی ساری توجہ اس فائل پر تھی جس میں کاغذات ایک ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ گو کہ بہت پرانے ہو چکے تھے مگر تمام ڈاکومینٹس اوریجنل تھے جنہیں جھٹلانا ہرگز بھی ممکن نہیں تھا۔

"سکندر کوئی اور نہیں ہے نبیل بلکہ آفاق چاچو کا وہی بیٹا ہے جسے ہمارے تمام بزرگ آج سے اٹھائیس تیس سال قبل لوگوں کی نظروں میں مار کر کام نپٹا چکے۔" اس کے لہجے میں جوش تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ ہونق ہوتا ہوا بولا فراز جاندار انداز میں مسکرایا۔

"تم نے دیکھا نبیل اللہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو کیسے کیسے اسباب پیدا فرماتا ہے کچھ عرصہ سے ہمارے گھر میں یہ موضوع متنازع تھا اور اب......!" نبیل نے کوئی تبصرہ کیے بغیر اس کے ہاتھ سے فائل لے لی۔ سکندر کا برتھ سرٹیفکیٹ' جائیداد کے کاغذات جس میں اس بنگلے کے علاوہ وہ دکانیں بھی شامل تھیں جن کو مسمار کرا کر تاؤ جی نے وہاں پلازہ اور شاپنگ مال تعمیر کرا لیے تھے۔ آفاق چاچو کی شادی کی چند تصویریں اس کے علاوہ سکندر کے بچپن کی بھی۔ آفاق چاچو اور ان کی مسز کی آئی ڈی کارڈ وغیرہ وہ ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔

"پھر تو یہ بہت اہم بیگ ہوگا' اس بے چارے سکندر کے لیے جانے کتنا پریشان ہو وہ۔" نبیل کو فطری پریشانی اور ہمدردی نے گھیر لیا۔

"یہ تو ہے مگر سکندر مجھے خاصا خشک مزاج آدمی لگا کسی پر بھروسہ کرنے کو تیار نظر نہیں آتا تھا۔" فراز گہرا سانس بھر کر کہتا جیسے اس ملاقات کی ایک ایک بات کو پوری جزئیات سے سوچ رہا تھا۔

"عجیب بات یہ ہے کہ آخر وہ اتنا عرصہ کیوں خاموش بیٹھا رہا اگر وہ یہ سب ثبوت لے کر یہاں اس شہر میں پھر رہا ہے تو ممکن ہی نہیں وہ ہمیں ڈھونڈنے سے قاصر رہا ہو۔ نو ڈاؤٹ علوی فیملی کی یہاں ایک پہچان ضرور ہے چاہے وہ بہت نیک نامی کی نہ سہی۔" نبیل کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی طنز سمیٹ لایا تھا۔

"اب مسئلہ یہ ہے کہ آپ اسے ڈھونڈیں گے کیسے؟" نبیل کے متفکرانہ انداز پر فراز بھی سوچنے لگا۔

❀......◉......❀

"السلام علیکم بلال بھائی میں باتھ لے رہا تھا معذرت خواہ ہوں آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔" عباس حیدر سفید کرتا شلوار میں ملبوس جس وقت ڈرائنگ روم میں آیا فاطمہ انہیں چائے پیش کر کے وہاں سے جا رہی تھی۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹے اللہ پاک تمہیں دین و دنیا میں عافیت و بھلائی عطا فرمائے...... آمین۔" بلال صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ بچی کون ہے عباس حیدر؟" انہوں نے چائے کا مگ اٹھا کر گھونٹ بھرتے ہوئے اچانک استفسار کیا تو عباس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"ملازمہ...... آئی مین گورنس ہے بچوں کی۔"

"گورنس......؟" بلال صاحب کو تحیر و استعجاب نے آن لیا۔

"جی یہی سچ ہے گو کہ اس کے پاس امریکن اور انڈین نیشنلٹی ہے مگر اس نے کسی بنا پر پاکستان میں رہنا پسند کیا ہے شاید کسی مجبوری کی بنا پر یہاں وہ خود اپنی مرضی سے کام کر رہی ہے۔ نندنی نام ہے اس کا۔" عباس کے لہجے و انداز میں فاطمہ کا ذکر کرتے خود بخود سرد مہری اتر آئی تھی۔

"لیکن مجھے تو اس بچی نے اپنا نام فاطمہ بتایا ہے۔" بلال صاحب کی حیرت دو چند ہو چکی تھی۔ عباس لمحہ بھر کو ٹھٹکا پھر اگلے لمحے اسی بے نیازی سے سر جھٹک دیا۔

"اوہ...... شاید وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"ماشاء اللہ یہ تو قابل تحسین بات ہے۔ اللہ پاک اس

لڑکی پر مہربان ہو اور صراط مستقیم پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے..... آمین۔"

"ایک بات کہوں عباس بیٹے میرا خیال ہے تمہیں فاطمہ سے نکاح کر لینا چاہیے اگر وہ رضا مند ہو تو مجھے لگتا ہے اس نے تمہارے بچوں کو بہت اچھے انداز میں سنبھالا ہوا ہے جو تم اتنے بے فکر نظر آتے ہو۔" انہوں نے جتنے نارمل انداز میں کہہ کر اسے پُرسکون نظروں سے دیکھا عباس حیدر کو اسی قدر شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کا چہرہ یکلخت سرخ پڑ گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بلال بھائی۔" وہ اس صدمے سے نکلا تو بے حد اذیت کا شکار ہونے لگا۔

"کیا تمہیں میری بات پسند نہیں آئی؟" بلال صاحب اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔ جس پر تاریک لرزتے سائے تھے۔

"میں جانتا ہوں تمہیں اپنی بیوی کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا ہے مگر بیٹے ابھی نہ سہی کچھ عرصہ بعد تم ضرور اس موضوع پر.....!"

"بلال بھائی پلیز میں عریشہ کی جگہ ابھی تو کیا کبھی بھی کسی اور کو نہیں دے سکتا آپ کو نہیں پتا عریشہ میرے لیے کیا تھی اور میں نے اس سے کتنی شدید محبت کی۔ میں تو یہ سوچ کر حیران ہوا کرتا ہوں میں اس کے بغیر جی کیسے رہا ہوں۔" بلال صاحب نے اس کی سبز آنکھوں کی سطح پر نمی کو پھیلتے دیکھا تو اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھے اور بے حد شفقت سے ساتھ لگا کر تھپکا۔

"یہی نظام قدرت ہے بیٹے' اللہ کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا۔" وہ نرمی سے مسکرائے اور عباس نم آنکھیں جھکائے بیٹھا رہا۔

"خدا کی آزمائش کو سمجھو عباس حیدر اسے اپنے لیے سزا نہ بناؤ۔"

"یہ کیسے اندازہ ہو کہ یہ سزا ہے یا آزمائش اور میرے لیے ہی کیوں؟" وہ بری طرح سے جھنجلایا مگر بلال صاحب کے تحمل و بردباری نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

"جواب تو بہت آسان ہے عباس حیدر' اللہ اگر آزماتا ہے تو ساتھ میں صبر و استقامت اور ایمان کی نعمت سے بھی نوازتا ہے۔ تمہیں اللہ نے اس اندھیرے سے ہی تو نکالنا تھا جبھی تو تکلیف سے دوچار کیا۔ شکر کا مقام یہ ہے کہ تم ٹھوکر کھا کر گرنے والوں میں شامل نہیں ہوئے۔ تم نے اس رسی کو پکڑا ہے جو اللہ کی رسی ہے اس کے دوسری جانب جو ہے وہ بہت طاقت ور ہے۔ ہر شے پر قادر۔ عباس جہاں تک تمہارے اس شکوے کا تعلق ہے کہ میں ہی کیوں؟ تو ہم مخلوق ہیں ہم خالق سے یہ پوچھنے کی جرأت اور تاب نہیں رکھتے کہ میں کیوں؟ اس بے نیاز کی مرضی ہے جو جس کے لیے جو چاہے فیصلہ کرے جو فرماتا ہے کہ تم مجھے عاجز نہیں کر سکتے مگر وہ رب ہے۔ وہ مالک ہے وہ بادشاہ ہے۔"

❁......۞......❁

"سکندر اعظم تمہارا کیا خیال تھا کہ تم مجھ سے بچ کر بھاگ جاؤ گے؟" اس سے قبل کہ مایوسی و دل گرفتگی کا عالم انتہا کو چھوتا ایک چہکتی ہوئی خوش باش آواز نے اس کی سماعتوں کو ٹھٹکا کر رکھ دیا۔ اگلے لمحے وہ ایک جھٹکے سے پلٹا اور غیر متوقع طور پر اس دن لڑکے کو روبرو پا کر گنگ ہونے لگا جس کی گاڑی میں وہ اپنی اہم ترین چیز بھول گیا تھا۔

"دیکھا ڈھونڈ لیا نا میں نے تمہیں۔" ادھر والہانہ جوش اور وارفتگی کا عالم ہی انوکھا تھا۔ وہ ایسے اس سے لپٹا تھا جیسے صدیوں کی شناسائی کا دعویدار ہو سکندر کی حیرانی میں سکتہ سا در آنے لگا۔

"مم..... میرا بیگ..... بیگ تھا آپ کے پاس۔" سکندر نے اس کا جوش و خروش نظر انداز کرتے کسی قدر گریزاں انداز میں کہا۔

"بھئی سنا ضرور تھا دنیا مطلب دی او یار' مگر تم سے اس کی توقع نہیں تھی مجھے۔" وہ کیسے مچل کر بولا تھا۔ سکندر کی تو آنکھیں پھٹنے لگی۔

"دیکھیے آپ کی مہربانی ہوگی اگر آپ میرا بیگ دے دیں۔ اس میں میری کچھ اہم چیزیں ہیں۔" سکندر نے کسی

قدر غصے میں کہتے اسے ٹوکا تو فراز کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"مجھے اچھی طرح سے اندازہ ہے کہ اس میں آپ کا کس قسم کا اثاثہ ہے۔ سکندر حیات ولد آفاق حیات علوی صاحب مگر آپ مجھے بتانا پسند کریں گے آپ کو یہ کام اتنی تاخیر سے کیوں سوجھا؟" فراز نے اپنی بات کے جواب میں سکندر کا منہ کھلتا اور رنگت پھیکی پڑتی دیکھی۔

"آئی ایم سوری یار کہ تمہارا بیگ کھول کر دیکھنا پڑا۔ مگر میرا سوال اپنی جگہ پر اہم ضرور ہے کہ میں منتظر ہوں جناب بقول شاعر

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

بلکہ نہیں حق دار آتے آتے....." وہ ایک بار پھر سنجیدگی چھوڑ کر اسی شوخ و شنگ موڈ میں آ چکا تھا۔ شاید وہ فطرتاً شوخ مزاج تھا مگر سکندر کی ہمتیں اس پل اس کا ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔

"ک..... کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" اس نے متغیر رنگت کے ساتھ کہا تھا فراز زور سے ہنس دیا۔

"مطلب یہ کہ حسن اتفاق سے ہم آپس میں کزن ہوتے ہیں تمہارا مجھے پتا نہیں البتہ میں ضرور کھل اٹھا ہوں تمہیں پا کر۔" سکندر پتھرایا ہوا اس کی شکل دیکھتا رہا۔ جو اسے اس کی کہانی اپنی زبانی سنا رہا تھا۔

❁......۞......❁

"الحمدللہ..... عربی کے الفاظ تین یا چار حروف سے بنتے ہیں۔ جنہیں ہم روٹ ورڈ کہتے ہیں الحمد میں حمد سے حامد' احمد' حمید' محمد' محمود بناتے ہیں۔

حامد: تعریف کرنے والا

احمد: تعریف والا

حمید: خوب خوب تعریف والا

جب آپ قرآن کو لیٹرل ڈمینشن پر پڑھیں گے تو آپ بہت ہی لطف اندوز ہوں گے۔ جیسے سجدہ کا روٹ ورڈ سجد ہے۔ اس سے مسجد ساجد اور سجدہ بنتا ہے۔" شرجیل کے اصرار پر ابراہیم احمد جو ان دنوں کسی تبلیغی وزٹ پر نہیں تھا انہیں قرآن پاک کو تلفظ کی درستگی کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا سکھا رہا تھا۔ آغاز میں ابراہیم احمد کے طالب علموں میں صرف سمعیہ اور شرجیل تھے مگر بعد میں آس پاس کے گھروں سے بھی کچھ خواتین اور نوجوان لڑکے لڑکیوں نے آنا شروع کر دیا تو سمعیہ نے کمرے کے درمیان میں پردہ لگا کر خواتین و حضرات کی سہولت کی خاطر الگ الگ انتظام کر دیا تھا۔ اب ہر روز باقاعدہ کلاس ہوتی تھی۔

ابراہیم کے پڑھانے کا انداز آسان فہم اور دلچسپ تھا کہ شرجیل کا قرآن حکیم میں دلچسپی اور کھوج کا اشتیاق بڑھنے لگا تھا بھلا کون سا ایسا معاملہ یا مسئلہ تھا جو اس پاک کتاب میں حل نہیں کر دیا گیا تھا۔ اسے کبھی کی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب میں پڑھی وہ اقتباس یاد آ گئی جسے اس روز ابراہیم احمد نے بھی اس کے سامنے دہرایا تھا انہوں نے لکھا ہے۔

"جاہلیت کے دور کے بارے میں' میں نے بہت کچھ پڑھا ہے قدیم و جدید فلسفہ' سائنس' معاشیات' سیاسیات وغیرہ ہر اچھی لائبریری دماغ میں اتار چکا مگر جب آنکھ کھول کر قرآن پاک کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا جو کچھ پڑھا سب ہیچ تھا علم کی جڑ اب ہاتھ آئی تھی۔ کانٹ' ہیگل مارکس اور دنیا کے تمام بڑے مفکرین اب مجھے بچے نظر آتے ہیں۔ بے چاروں پر ترس آتا ہے کہ ساری عمر جن گھتیوں کو سلجھانے میں الجھے رہے اور جن مسائل پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کر ڈالیں پھر بھی حل نہیں کر سکے ان بڑے بڑے مسائل کو اس کتاب قرآن پاک نے ایک ایک' دو دو فقروں میں حل کر کے رکھ دیا ہے۔ میری اصل محسن بس یہی کتاب ہے۔ اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے۔ حیوان سے انسان بنا دیا ہے تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں لے آئی اور ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا کہ زندگی کے جس معاملے کی طرف نظر ڈالتا ہوں حقیقت اس طرح برملا دکھائی دیتی ہے کہ گویا اس پر پردہ ہے ہی نہیں۔ انگریزی میں شاہ کلید کو "ماسٹر کی" کہتے ہیں۔ جس سے ہر قفل کھل جائے سو میرے لیے قرآن پاک شاہ کلید ہے۔"

"ابراہیم احمد نے کہا تھا تم یقین کرسکتے ہو شرجیل احمد کہ بالکل یہی کیفیات میری ہیں۔ میں سید ابو الاعلیٰ مودودی کو بالکل برحق کہوں گا۔" ابراہیم احمد قرآن پاک سکھاتے وقت قاعدوں کو بھی ذہن نشین کراتا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ سمعیہ یا شرجیل کے ساتھ ساتھ دیگر لوگوں نے قرآن پاک پہلے نہیں پڑھا تھا ہاں مگر اس انداز میں نہیں پڑھا تھا جیسے پڑھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ شرجیل کو یہی احساس تو ہوا تھا کہ وہ کتنا غلط تلفظ کے ساتھ قرآن پاک پڑھتا رہا تھا۔ ابراہیم احمد کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے سننے کے بعد قرآن پاک کو پھر سے سیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ قرآن پاک کو صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھنا چاہتا تھا۔

❁......❁......❁

اونچے پربت نیلے ساگر
پاگل بارش تم اور میں
مہندی خوشبو کا جل آنچل
بند ہتھیلی تم اور میں
دور کہیں بارش میں بھیگی
پیلی سرسوں تم اور میں

وہ سرشار تھی اس کا دل اک ترنگ میں گنگنا رہا تھا۔ نگاہ کے سامنے وہ دل کا مکین تھا اس کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں۔ وہ دن میں جانے کتنی بار چوری چھپے اسے دیکھتی تھی اور مگن رہتی تھی۔ عباس کہیں باہر سے لوٹا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ تھکے ہوئے انداز میں وہیں لاؤنج کے صوفے پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا تھا۔

جب تو چھیڑے زلفیں میری
چندن خوشبو تم اور میں
جنگل میں کوئی چھوٹا سا گھر
مٹی کا چولہا تم اور میں
ہر راہ ہر سو پھیلی خوشبو
بارش بادل تم اور میں
کندھا تیرا اور سر میرا
پاگل سی خوشبو تم اور میں

معاً وہ ٹھٹک گئی۔ عباس کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ کا شعلہ کسی پل بھی اس کی انگلیوں کو جھلسا دیتا۔ فاطمہ بے خودی کی کیفیت میں آگے بڑھی۔ دیا سوئی ہوئی اس کی بانہوں میں تھی۔ اسے سنبھالے وہ ذرا سی جھکی اور عباس حیدر کی انگلیوں کے بیچ سے سگریٹ کا ٹکڑا نکال لیا۔ عباس کو آنکھیں کھول کر اور چونک کر اپنی سمت دیکھتے اس کی مسکان پہ روشنی جیسے پلک جھپکتے میں غائب ہوگئی۔

عباس کی نظروں میں پہلے حیرانی اتری تھی پھر غیر یقینی اور بے تحاشا طیش۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تو تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں فاطمہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس سے قبل کہ مزید اپنا بچاؤ کرپاتی عباس نے اسے بے حد جارحانہ انداز میں کہنی سے پکڑ کر اپنے مقابل کھینچ لیا۔

"کیا کر رہی تھی تم؟" وہ غرایا اور فاطمہ کا چہرہ فق ہوتا چلا گیا۔

"کیوں کی یہ حرکت ہاؤ ڈیر یو؟"

"کون ہو تم؟ بتاؤ کس مقصد سے آئی ہو یہاں؟" اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری ہونے لگی۔

"بتاؤ ورنہ میں تمہیں یہیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔" وہ پھنکارا اس کے لہجے میں اتنی سنگینی تھی کہ فاطمہ کی جان ہوا ہونے لگی۔

"عباس حیدر......!" اس بار رعب اور تنبیہی آواز میں ایسی لپک تھی کہ عباس نے ٹھٹکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اور جیسے حیرت غیر یقینی اور تعجب نے اس کے اعصاب کو سکتہ زدہ کر ڈالا تھا۔

"بابا جان۔" اس کے ہونٹ کانپے تھے اور ہاتھ بے جان ہو کر فاطمہ کے بازو پر گرفت ڈھیلی کر گیا۔

"کیوں جھڑک رہے ہو ہماری بہو کو اس کی خاطر ساری دنیا کو ٹھکرا کر اب اس سے بھی جھگڑے کرتے رہتے ہو تم؟" ان کے خفا خفا سے لہجے میں پتا نہیں تنبیہ تھی یا محبت کا رنگ وہ قطعی نہیں سمجھ پایا۔

(جاری ہے)

محبت ہے ازل
اُم مریم
Digest.pk
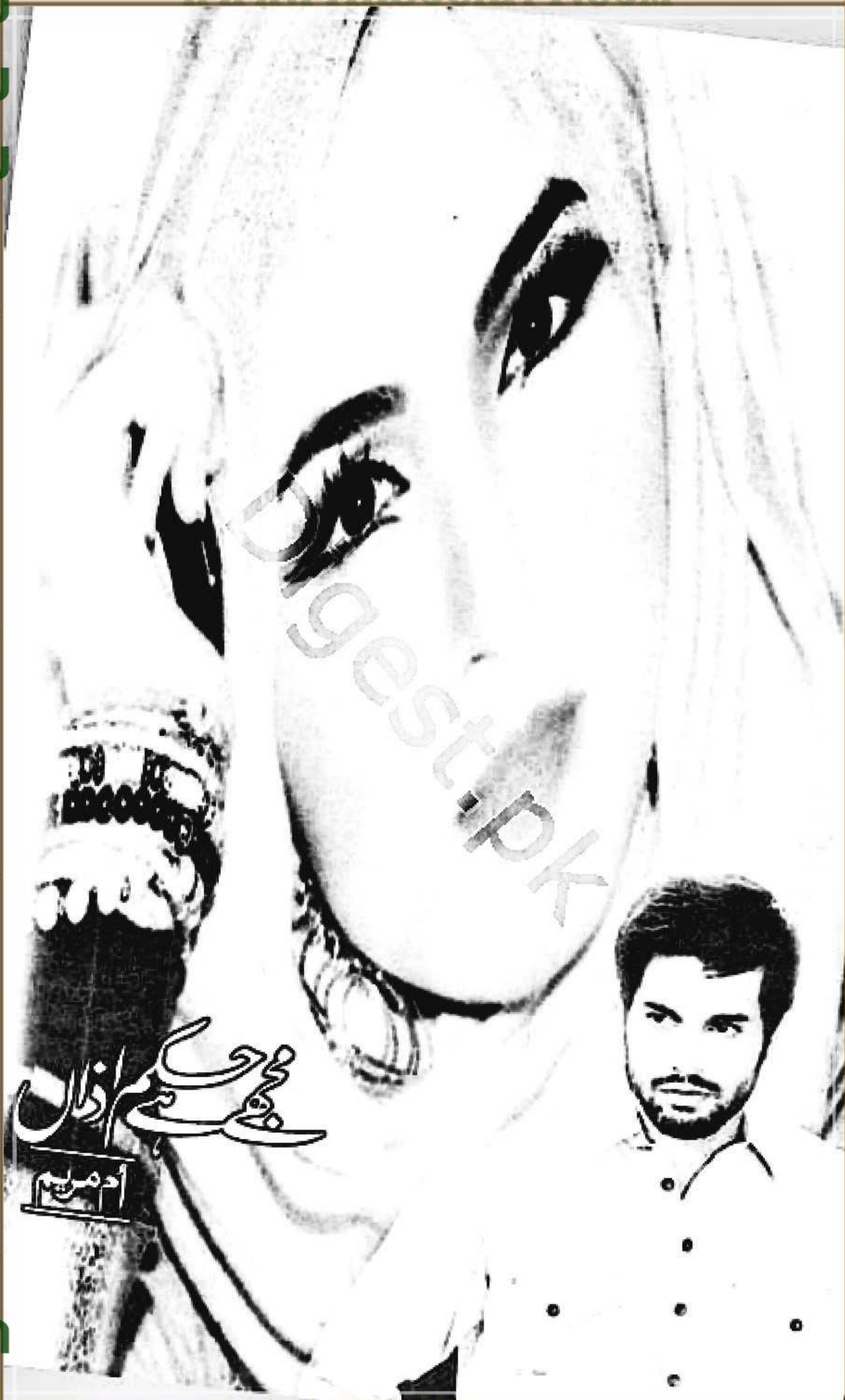
جب تصور مرا چپکے سے تجھے چھو جائے
اپنی ہر سانس سے مجھ کو تیری خوشبو آئے
پیار میں ہم نے کوئی فرق نہ چھوڑا باقی
جھیل میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بلال صاحب کی نیک سیرتی عباس کے رویے میں مثبت تبدیلی کا سبب بن رہی تھی۔ فاطمہ کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہتر ہوتا جارہا تھا جبکہ فاطمہ کے دل کی سرزمین پر خوش گمانی کے بہت سے پھول کھل اٹھتے تھے۔ لاریب سکندر کی غیر موجودگی میں نہایت اداس رہتی ہے اپنے اس رویے کی وجہ وہ خود بھی جاننے میں ناکام رہتی ہے۔ دوسری طرف وقاص لاریب کو اغوا کرنے اور اپنے عتاب کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ایسے میں تائید غیبی ملتے پر لاریب وہاں سے راہ فرار اختیار کرتی ہے اور یہ حادثہ اس کا سارا غرور خاک میں ملا دیتا ہے۔ دوسری طرف وقاص کے اس مکروہ فعل کا جب اس کے والدین کو پتا چلتا ہے تو انہیں کسی طور یقین نہیں آپاتا ایسے میں وقاص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا خود اپنی ہی نظروں سے گر جاتا ہے۔ فراز اپنی تذلیل برداشت نہ کرتے اریبہ کو کسی طور معاف کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ نبیل کے قائل کرنے پر وہ اریبہ کی اصل حقیقت اس پر ظاہر کرتا ہے اسی پریشانی کے عالم میں اس کا ٹکراؤ سکندر سے ہوتا ہے وہ معذرت کرتے اس کی ڈریسنگ کراتا ہے جبکہ واپسی پر سکندر کا بیگ فراز کی گاڑی میں ہی رہ جاتا ہے۔ ابراہیم احمد سمعیہ کے ساتھ مل کر کلاسز کا آغاز کرتے ہیں جہاں وہ شرجیل اور دیگر بہت سے لوگ ابراہیم احمد کے ذریعے درس قرآن حاصل کرتے ہیں وہ انہیں مختصراً اپنی ماں کے خائف رویے اور اپنے مسلمان ہونے کا مختصراً احوال بھی بتاتا ہے اور اپنی بہن کے لیے فکرمند رہتا ہے۔ پاکستان میں اپنی بہن کی تلاش ابراہیم کا اہم مقصد ہے۔ فراز نبیل کے کہنے پر بیگ کو کھولتا ہے۔ جب ہی تمام کاغذات کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے سکندر کوئی اور نہیں آفاق چاچو کا بیٹا اور اس کا کزن ہوتا ہے۔ یہ جان کر وہ سکندر کی تلاش میں نکلتا ہے اور اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جبکہ دوسری طرف سکندر کو ان تمام حقائق کا علم ہوجانے کے بعد بھی کچھ خاص خوشی نہیں ہوتی۔ فراز کا رویہ اسے مزید الجھا دیتا ہے۔ لاریب اس حادثہ کا ذکر کسی سے نہیں کرتی لیکن دل ہی دل میں یہ خوف اسے ہلکان کیے رکھتا ہے کہ اگر وقاص نے یہ سب کو بتادیا تو وہ کہیں کی نہ رہ پائے گی ایسے میں بابا جان کے بلانے پر وہ بلا عذر وہاں جانے کی حامی بھر لیتی ہے۔ فاطمہ کے والہانہ انداز عباس کو ایک مرتبہ پھر حیرت میں مبتلا کردیتے ہیں وہ ایک بار اسے پھر شک کی نگاہ سے دیکھتا اور اس کے عزائم جاننا چاہتا ہے۔ وقاص کے غلط رویے پر بابا جان کو اپنی غلطیوں اور عباس کے ساتھ کی گئی ناانصافی کا اندازہ ہوتا ہے وہ تلافی کی غرض سے عباس کے یہاں آتے ہیں لیکن عباس کو فاطمہ پر غصہ کرتے دیکھ کر اسے اپنی بہو کو ڈانٹنے سے روک کر اسے حیرت میں مبتلا کردیتے ہیں جبکہ فاطمہ بھی گنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁⋯⋯●⋯⋯❁

باباجان دونوں کی کیفیات سے محظوظ ہوکر مسکراتے اور نپے تلے قدم اٹھاتے آگے بڑھتے ہیں۔

"میں تو سمجھا تھا کہ جب میں تمہارے گھر پہنچوں گا تم اپنی کسی فلم کا گانا گاتے اپنی بیوی کے آگے پیچھے پھرتے نظر آؤ گے مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ تم تو بالکل بھی نہیں بدلے۔ کم از کم یہ ہی یاد رکھ لیتے کہ اس لڑکی کی خاطر تم نے ہمیں چھوڑا تھا ماشاءاللہ ہماری بیٹی ہے تو چاند کا ٹکڑا۔ تمہاری پسند پرفیکٹ ہے بیٹے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور اپنا ہاتھ فاطمہ کے سر پر رکھ دیا۔ فاطمہ کی بوکھلاہٹ کا عالم دیکھنے والا تھا۔ اس نے شپٹا کر عباس کو دیکھا۔ جو گنگ کھڑا تھا۔

"کیا تم دونوں کو میرا آنا اچھا نہیں لگا؟" اب کے انہوں نے قدرے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"ایسا نہیں ہے بابا جان آپ اتنا اچانک آ گئے ہیں کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔" عباس کے لیے خود کو سنبھالنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"بس میرا دل کیا تم سے ملنے کو سو چلا آیا۔ تم یہ بتاؤ کیا تم ہماری بہو کو ہر وقت اسی طرح سہمائے رکھتے ہو؟" عباس جوان کی اس غیر متوقع آمد پر چکرایا ہوا تھا ان کے اس قیاس پر جتنا بھی جز بز ہوا ہو مگر اس غلط فہمی کو دور نہیں کر سکا تھا۔

"ارے بابا جان نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے پلیز ریلیکس اور فاطمہ جائیں اسامہ کو بھی لا کر بابا جان سے ملوائیں۔ سوری میں بتانا بھول گیا یہ میرے بابا جان ہیں اور بابا جان دیا اور اسامہ ہمارے جڑواں بچے ہیں۔" وہ فاطمہ سے نظریں چرائے نارمل انداز میں بات کر رہا تھا مگر فاطمہ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈولتی بے چینی اضطراب اور وحشت سے آگاہ تھی۔ وہ حواس باختہ سی تیزی سے کمرے سے نکل بھاگی۔

"شہر کی بے مہار لڑکیوں میں یہی خامی ہوتی ہے بزرگوں سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں سکھاتے والدین، دیکھو پہلی بار ملی ہے مجھ سے مگر سلام بھی نہیں کیا۔" انہوں نے عباس سے شکوہ کیا۔

"سوری بابا جان میں سمجھا دوں گا اسے آپ بیٹھیں میں چائے بنواتا ہوں۔" وہ جیسے کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

"ضرور سمجھانا مگر اس طرح نہیں جیسے ابھی سمجھا رہے تھے اور یہ ہماری پوتی کو تو دکھاؤ ادھر۔" ان کے لہجے میں خفیف سی شرارت اور شوخی تھی۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری ہے بالکل تم دونوں کا عکس۔" وہ بے حد محبت سے کہتے بچی کی اجلی روشن پیشانی پر بوسہ ثبت کر رہے تھے۔ عباس کے چہرے پر اک رنگ آ کر گزر گیا۔

"عباس بیٹھو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" عباس اضطراب کی کیفیت میں ان کے مقابل ٹک گیا۔

"جو کچھ ہو چکا اسے بھلا کر واپس چلو بیٹے مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تمہارے معاملے میں گنجائش رکھ کر نہیں سوچا اور شدت پسندی سے فیصلہ کیا۔ اس حویلی پر، ہماری محبت پر جتنا وقاص کا حق ہے اس قدر تمہارا بھی ہے۔ میں تمہیں تمہارے حق سے محروم کر کے اللہ کے ہاں مجرم نہیں بننا چاہتا۔ مجھے یقین ہے تم میری کوتاہی کو معاف کر دو گے۔" وہ شرمسار لہجے میں گویا تھے اور عباس ساکن بیٹھا تھا۔

"ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے بیٹے، خاص کر تمہاری ماں کو۔ تمہاری جدائی نے اسے مستقل مریض بنا دیا ہے اس وقت اس کی سب سے بڑی حسرت تم سے تمہارے بیوی بچوں سے ملنے کی ہے۔ میں محض اپنی انا کی تسکین کی خاطر تمہارے ساتھ تمہاری ماں کو بھی بہت تڑپا چکا ہوں۔" بابا جان اپنے تئیں اس کی خاموشی کو اس کی ناراضی سمجھ رہے تھے تبھی فاطمہ اسامہ کو اٹھائے اندر آئی تھی۔ بابا جان نے وارفتگی سے پوتے کو لے نہایت محبت سے بار بار اسے چوما۔

"یہ ولی عہد ہے ہمارا، میرا شہزادہ۔" ان کے چہرے پر روشنی سی چھا گئی۔

"یہ نہ سوچنا بیٹی کہ ہم نے رونمائی نہیں دی آپ کو بس آپ تیار ہو جاؤ میں ساتھ لے کر چل رہا ہوں تم لوگوں کو بھلے تم دو بچوں کی ماں بن گئی ہو مگر اپنی ساس نندوں کے لیے نئی دلہن ہی ہو گی تمہاری اماں جان سب رسمیں کریں

گی تمہاری۔" وہ بے حد محبت آمیز انداز میں کہہ رہے تھے۔

"فاطمہ کھڑی کیوں ہیں آپ؟ جائیں بابا جان کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لائیں۔" فاطمہ کچن میں آئی تو اس کے پسینے میں بھیگتے کپکپاتے ہاتھوں سے ہر شے پھسل رہی تھی۔

"ساجد چائے تم بناؤ اور ٹرالی ٹی وی لاؤنج میں لے آنا فاطمہ آپ اندر کمرے میں آ کر میری بات سنیں۔" عباس اس پر سرسری نگاہ ڈالتا خانساماں کو حکم دے کر پلٹ گیا۔ فاطمہ کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا۔

"آپ جائیے میم۔" خانساماں کے احساس دلانے پر اس کا پہلے سے بے تابو دل کچھ اور بھی اتھل پتھل ہو گیا۔

"آپ نے کیوں بلوایا ہے مجھے؟" عباس نے مضحکہ اڑاتی نظروں سے اس کا فق ہو جانے والا چہرہ دیکھا۔ "گھبرانے کی ایکٹنگ کرنے کیا ضرورت ہے بھلا اس قسم کی صورت حال کی خواہش میں ہی تو تم یہاں اپنی حیثیت ومقام بھول کر خختظر بیٹھی ہو۔ اتنا ہی فریفتہ ہو گئی تھیں نا مجھ پر تم اپنا گھر اپنی فیملی اور اپنا مذہب تک چھوڑ دیا تم نے کس کی خاطر......؟ میری خاطر ناں میں نے سوچا تمہاری اس خواہش کو پورا کر دوں۔" اک اک لفظ نہایت درشت لہجے میں کہتا وہ جیسے ہی فاطمہ کے قریب آیا فاطمہ کی رنگت لمحوں میں زرد ہو گئی۔

کیسی بے دردہتھوڑے کی ضرب لگی تھی۔

یہ وہ شخص تھا جسے دیوتا بنائے وہ کسی داسی کی طرح پوجتی آئی تھی ہر لمحہ جس پر وہ خود کو نثار کرتی آئی تھی۔ یہ تھا اس کا اصل روپ، اتنا گھناؤنا کہ وہ اس کی محبت کی پاکیزہ و بے داغ چادر کو آلودہ کرنے پر تل گیا تھا یا پھر وہ اسے اتنا لوز کریکٹر سمجھتا تھا کہ وہ کسی کے بھی بستر کی زینت بن سکتی ہے۔ فاطمہ کو لگا اس کا دل پھٹ رہا ہو۔

❁......◉......❁

"اتنے اکتائے ہوئے اور بے زار کیوں نظر آتے ہو سکندر اعظم؟" فراز نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھے خاصے ہینڈسم ہو یار، خود کو مین ٹمن کرو آج کل کی لڑکیاں شائننگ گروٹ پر سنالٹی پر ہی جان دیتی ہیں اتنے امیر ہونے والے ہو عنقریب تمہیں اسٹائل بھی آنے چاہئیں۔" فراز نے اس سے پکا یارانہ گانٹھ لیا تھا۔ شہر کے نامور وکیل سے مل کر ساری صورت حال واضح کر کے اس نے سکندر کو اس کا حق دلوانے کی قانونی کارروائی مکمل کرلی تھی۔

"کیا کروں یار، پینڈو جو ٹھہرا۔"

"پینڈو نہیں تم تو مجھے درویش لگتے ہو۔ فیمس سابق فلمی ہیرو اور ڈائریکٹر ساحر عباس کو جانتے ہو یار پرنس ہے وہ بندہ قسم سے۔ وہ بھی کسی گاؤں سے ہی تعلق رکھتا ہے مگر کیا پرسنالٹی ہے بس دیکھتے رہ جاؤ۔" فراز جس شدومد کے ساتھ عباس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا سکندر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا چپ کیوں ہو گئے، شاید تم نے کبھی دیکھا نہیں انہیں، میں تو بہت فین ہوں ان کا، سنگی۔"

"میں جانتا ہوں۔" سکندر نے کہا مگر فراز اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"یعنی تم مووی دیکھ چکے ہو ان کی۔" سکندر مسکرا دیا۔

"تم غلط سمجھے میں نے ان کی مووی کبھی نہیں دیکھی۔ البتہ حقیقت میں انہیں دیکھا ہے، وہ واقعی بہت ہینڈسم ہیں۔" فراز تھم سا گیا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو سکندر؟" فراز کے لہجے و انداز میں ہنوز غیر یقینی تھی۔

"میں جس جاگیردار فیملی کے ہاں ملازمت کرتا رہا ہوں، عباس...... میرا مطلب ہے ساحر بابا سائیں کے بھتیجے ہیں۔" اب کی مرتبہ فراز سے نگاہ دانستہ چار نہیں کی۔ اپنی زندگی کے نشیب و فراز کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر وہ اس کے سامنے عیاں کر چکا تھا۔

"اوہ...... تو لاریب ان کی فیانسی تھیں۔" فراز دکھ کی لپیٹ میں آ کر گڑ بڑا گیا۔ سکندر کی آنکھیں لہو رنگ تھیں وہ ہنوز دوسری سمت چہرہ کیے ہوئے تھا۔ فراز نے اس کے ضبط کی کوشش میں دہکتے چہرے کو بے حد رنج کی کیفیت

میں دیکھا اور سرد آہ بھری۔

"یہاں کا باربی کیو بہت مشہور ہے آؤ آج یہیں ڈنر کرتے ہیں۔" فراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اونچی آواز میں کہا۔ اس کا ذہن حاضر سے کٹ کر کہیں ناوانستگی میں گم ہونے لگا۔

("یونو سکندر مجھے ہوٹلنگ بہت پسند ہے میرا بس چلے تو دن میں ایک بار لازمی کسی ہوٹل میں کھانا کھاؤں مگر......!"

وہ اپنے حوروں جیسے دلکش شباب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ سکندر تو اسے نگاہ بھر کر دیکھنے سے بھی خائف رہا تھا کہ کہیں وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے مچلتے جذبوں کو نہ پالے۔

"او ہو...... کھاتے کیوں نہیں ہو؟" وہ خود بروسٹ سے انصاف کر رہی تھی۔ سکندر گڑبڑا کر رہ گیا۔

"شادی کے بعد میں تو لازماً عباس کے ساتھ دن میں ایک بار باہر کھانا کھایا کروں گی۔ حالانکہ باجو کہتی ہیں کہ میں انہیں زیادہ تنگ نہ کیا کروں لیکن انہیں ہی تو تنگ کرنے کا مزہ آیا کرے گا۔ وہ کتنے حسین خواب سجاتی تھی جن کا برملا اظہار سکندر کے سامنے ہی ہوا کرتا۔ امامہ چھوٹی تھی اور ایمان بڑی۔ ایسی باتوں پر تو خاص طور پر سرزنش یا ڈانٹ سننے کو ملا کرتی جبکہ وہ ایسی عمر میں تھی جہاں صرف خواب سجا کر تسلی نہیں ہوتی۔ اس شخص کے حوالے سے کسی سے سب کچھ شیئر کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب عباس امریکا سے تعلیم حاصل کر کے واپس آیا تھا اور شہر جا بسا تھا۔ شوبز کو بھی جوائن کر لیا تھا اور بابا جان نے اسے حویلی سے بے دخل کر دیا تھا۔ مگر لاریب کی امیدیں اور یقین تھا ہی اتنا پختہ جو ٹوٹنے پہ آمادہ نہیں تھا۔ جب یقین ٹوٹا تو وہ خود ٹوٹ گئی تھی۔ جو کچھ سامنے آیا اس نے وہ سب کچھ بھی توڑ ڈالا پھر سب سے زیادہ نقصان سکندر کے حصے میں کیونکر نہ آتا۔ سب سے زیادہ قریب تو وہی ہوا تھا نا اس کے)

"سکندر......!" فراز کے ٹوکنے پر وہ چونک کر اسے تکنے لگا۔ سکندر کی سرخ آنکھوں میں ماضی کے لرزتے سایوں کا تکلیف دہ تاثر تھا۔ فراز نے بے اختیار اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ نرمی و محبت سے دبایا۔

"میرا خیال ہے ہم دونوں کو وقت ضائع کیے بغیر دوسری شادی کر لینی چاہیے تم کیا کہتے ہو؟" فراز کا مقصد اس کا موڈ بدلنا تھا مگر سکندر ایسے احساسات سے جلد باہر آنے کی پوزیشن نہیں تھا۔

"ذرا ہماری محترماؤں کو بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ ہم ہرگز گرے پڑے نہیں، مجھے تو ہر روز کوئی نہ کوئی لڑکی آئی لو یو، دل یو میری می بولتی ہے، تمہیں بولتی ہے؟" فراز نے بے تکی ہانکنا شروع کر دی تھیں سکندر جھلا کر اٹھ گیا۔

"کیا بکواس ہے یار اور سنو مجھے تم گھر کب تک لے کر چلو گے تمہارے تاؤ جی کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ وہی قاتل ہیں نا میرے بابا کے۔" فراز نے حیران کن نظروں سے اسے دیکھا پھر نرمی سے مسکرا دیا۔

"کیا تم اس قتل کا بدلہ لو گے سکندر......؟"

"دل تو چاہتا ہے کہ پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔" اس نے مشتعل انداز میں کہا۔

"تمہیں اپنے گھر والوں کو تو ضرور اپنی خیریت کی اطلاع دینی چاہیے پریشان ہوں گے وہ لوگ۔" سکندر نے اس بات کو سن کر یوں ہونٹ بھینچے جیسے اندر سے اٹھتی ناگواری پر قابو پایا ہو۔

"کل ہم اپنے وکیل کے ساتھ گھر چلیں گے کارروائی تو چند منٹ کی ہوگی شاید، ویسے اگر تم چاہو تو انہیں کورٹ میں بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔" فراز نے اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کا مدعا جاننا چاہا۔

"نہیں میرا مقصد کسی کا تماشہ لگانا یا دل آزاری نہیں ہے۔" فراز اس کے چہرے پر عجیب سی لاچاری پا کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے تمہاری شرافت پر ہرگز کوئی شبہ نہیں سکندر، لیکن کچھ فیصلے بگاڑ کی روک تھام کے لیے بھی کیے جاتے ہیں۔ یہ طے ہے کہ وہ لوگ ہمدردی کے مستحق تو نہیں ہیں۔" فراز

کے لہجے کی کڑواہٹ نے سکندر کو عجیب نافہم سے احساسات کا شکار کیا تھا۔

"کیا تم اپنے رشتوں سے نفرت کرتے ہو فراز؟"

"میں مجرم سے نہیں جرم سے نفرت کرتا ہوں لیکن جرم کی روک تھام کے لیے مجرم کو سزا ملنا ضروری ہے۔" فراز کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ سکندر کو فراز علوی کا یہ روپ اور بھی پیارا لگا۔

❁......◉......❁

"بیٹی مبارک ہو وقاص حیدر، مجھے امید ہے اب تم لازمی اپنی بے حجابیوں اور بے باکیوں کو لگام دے لو گے۔" بابا کا لہجہ نہ تلخ تھا نہ ترش بلکہ ٹوٹا ہوا اور تنبیہی تھا۔

کمدار نے جس وقت انہیں وقاص کی اس نازیبا حرکت کا بتایا تھا وہ گنگ ہونے لگے تھے اس صدمے سے کہ وہاں وقاص نے جس لڑکی کو اٹھوایا تھا وہ کوئی اور نہیں لاریب تھی۔ انہیں لگا تھا زمین ان کے پیروں تلے سے کھسک گئی ہو۔ بات ایسی تھی کہ جسے زبان پر لانا دشوار تھا۔

"لو آ گئی تمہاری ماں اب اصرار کرے گی تمہیں لے چلوں تمہاری بیٹی دکھانے۔" بابا جان نے موضوع بدل دیا۔ وقاص جانتا تھا وہ بہت انا پرست ہیں۔ صرف ان کا نہیں لاریب کا اور اپنا بھی پردہ رکھیں گے۔ یہ بدنامی صرف وقاص کی ہی تو نہیں تھی لاریب کی بھی تھی اور انہیں یہ بھی گوارا نہیں تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے میرے چاند کی؟ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ امامہ پوچھ رہی تھی تمہارا، بچی تو بہت ہی پیاری ہے، حویلی کے در و دیوار جاگ اٹھیں گے اس کی قلقاریوں سے۔" اماں جان بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔

"کب ڈسچارج ہو رہی ہے امامہ؟" انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

"ڈاکٹر تو آج ہی ڈسچارج کر رہے تھے مگر وقاص کو کل ڈسچارج کیا جائے گا تو میں نے منع کر دیا۔ ہماری خواہش ہے بیٹا اور بہو ایک ساتھ اپنے گھر خیر سے لوٹیں۔"

"یہ تو خوشی کا موقع ہے، کیا خیال ہے بیگم صاحبہ اپنے باقی بچوں کو بھی نہ بلوا لیں حویلی؟" بابا جان کے کہنے پر اماں جان کا چہرہ ایک دم جگمگانے لگا۔

"اس سے اچھی بھلا اور کیا بات ہو سکتی ہے مگر میرا عباس......" خوشی پر پھر یاس و ملال کا غلبہ چھانے لگا۔ بابا جان نے مسکراہٹ دبائی وہ انہیں سرپرائز دینے کا سوچے بیٹھے تھے۔

❁......◉......❁

"کیا مصیبت آ پڑی ہے آخر تم لوگوں پر ذرا ذرا سے بچے نہیں سنبھالے جاتے؟" بچوں کی چیخ و پکار پر عباس جھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ شیما کو دونوں بچوں کو چپ کرانے کی کوشش میں ہلکان پا کر اس کا غصہ کچھ اور بڑھا۔

"فاطمہ کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں صاحب میں تو بچوں کے رونے کی آواز سن کر یہاں آئی تھی۔ بی بی صاحبہ تو کہیں بھی نہیں تھیں۔" شیما کے جواب پر عباس کے ماتھے پر ناگواری سمٹ آئی۔

"دیکھو اسے، یہیں کہیں ہوگی بلا کر لاؤ۔" اس پر جھنجلاہٹ سوار تھی۔

"کسی نے اسے کہیں جاتے ہوئے دیکھا؟" عباس کی کیفیت عجیب تر ہونے لگی۔

"صاحب واچ مین کہہ رہا ہے کہ اس نے آج صبح فاطمہ بی بی کو باہر جاتے دیکھا تھا۔" احسان بابا کچھ دیر میں نئی اطلاع کے ساتھ چلے آئے۔

"ٹھیک ہے تم لوگ جا کر اپنا اپنا کام کرو شیما تم بچوں کا خیال رکھنا" وہ عجلت میں کہتا گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔ سارے راستے اس کا دماغ کھولتا رہا تھا۔

"فاطمہ صاحبہ ہیں گھر پر؟" اس نے گاڑی پارکنگ میں روکی تھی اور اگلے چند منٹ بعد وہ اس کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ کال بیل کے جواب میں دروازہ ادھیڑ عمر خاتون نے کھولا۔ وہ اس سے قبل بھی ایک دو مرتبہ اسے فاطمہ کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

"جی...... جی...... مگر ان کی طبیعت......!" ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ عباس اسے پیچھے کرتا اندر گھس آیا تھا۔ ملازمہ بوکھلا کر اس کے پیچھے آئی۔

"صاحب میری بات.....!"

"آپ کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے میں ان سے ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" عباس خاتون کی تشفی کرانے کے بعد بجھ سے بغیر فاطمہ کے کمرے میں چلا آیا۔

"ایسے چوروں کی طرح بھاگ کر آنے کا مقصد؟" عباس کا لہجہ سرد تھا۔

"آ..... آپ..... مجھے غلط سمجھ رہے ہیں م..... م..... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے جان سے مار ڈالیں مگر مجھے بری لڑکی نہ سمجھیں۔ مجھے چھوڑ دیں..... اللہ کے لیے میرا یقین کریں..... میں ہرگز ویسا کچھ نہیں کر سکتی جو آپ سمجھتے ہیں م..... میں مر جاؤں گی مگر.....!" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"تم بھی غلط سمجھی ہو، میں ہرگز ویسا نہیں چاہتا جو تم سمجھی ہو۔" عباس نے اس کا بازو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اگر تم رونا دھونا بند کرو تو مجھے کچھ اہم بات کرنی ہے تم سے۔" عباس کی ڈانٹ پر فاطمہ نے سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی ناکام کوشش کی۔

"جس وقت بابا جان آئے اس وقت کے غصے میں انہیں جو منظر نظر آیا وہ اسے ذہنی طور پر قبول کر کے اسی کے مطابق بی ہیو کر رہے ہیں۔ میں چاہنے کے باوجود ان کی غلط فہمی دور نہیں کر سکا۔ بات صرف سوری کر لینے سے ختم ہونے والی نہیں رہی۔ میں بہت کریٹیکل سچویشن میں پھنس چکا ہوں مجھے آپ سے ایک فیور چاہیے۔ آپ میرے ساتھ پیپر میرج کر لیں ایچ ٹیلی میں بابا جان کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ میری بیوی نہیں ہیں.....!" وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر فاطمہ کی غیر یقینی میں مبتلا ہوتی سماعتیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔ اس نے جو کہا تھا وہ اتنا خوش فہم تھا کہ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

بالآخر اس پر خدا نے مہربانی کر دی تھی۔ وہ یکدم خود کو کہکشاؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگی۔ اس کے بعد کا مرحلہ اک خواب کی کیفیت میں طے ہوا تھا۔ نکاح نامے پر سائن کرتے اس کے تن بدن میں تشکر اور نیاز مندی کا ایسا احساس ابھرا کہ وہ زمان و مکان فراموش کر کے وہیں سجدے میں گر گئی۔ غیر یقینی و استعجاب کا مرحلہ نپٹا تو اسے اپنی خوش نصیبی پر پیار آنے لگا۔ وہ جتنی سرشار تھی اس بندھن کے بندھنے پر عباس اسی قدر مضطرب اور بے کل تھا۔

وہ اندر آیا تو فاطمہ کے چہرے پر ایسی چمک اور تابانی اتری تھی جو اسے نظر لگ جانے کی حد تک پیارا اور دلنشیں روپ دینے لگی۔

"یہ محض ایک کاغذی رشتہ ہے۔ جو وقت کی نزاکت کے پیش نظر مجبوراً باندھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کاغذوں پر طے ہونے والے سودوں کا تعلق دل و روح سے نہیں بندھا کرتا۔ عریشہ کے بعد کسی دوسری عورت کی گنجائش میری زندگی میں نہیں نکل سکتی۔ مجھ سے کبھی بھی کوئی توقع امید باندھنے کی کوشش نہ کرنا۔" فاطمہ کو بھی اس سے بہت زیادہ توقعات نہیں تھیں اس کے باوجود عباس کا روکھا انداز اس کے مسرت بھرے دل کو لمحوں میں پارہ پارہ کر کے رکھ گیا۔

"اور ہاں، یہ ڈیل ہمارے بیچ ہوئی ہے اسے کسی تیسرے فریق تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ کہ تمہارا قیام بچوں کے کمرے میں ہی رہے گا۔ اس بندھن کے بندھنے کی اصل وجہ میرے بچے ہی ہیں یا پھر بابا جان کی غلط فہمی، بہتر ہے کہ تم ان باتوں کو کبھی فراموش نہ کرو۔" وہ پوری طرح اس کی اوقات اس پر واضح کرچکا تھا۔

وہ سارا دن عجیب گزرا تھا۔ تمام ملازم اس کی بدل جانے والی حیثیت سے آگاہ ہوئے تو اپنے اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کرنے کے بعد مبارک باد دی تھی۔

"صاحب کا فیصلہ بروقت اور بالکل درست ہے مجھے بے حد خوشی ہے فاطمہ بیٹے۔" احسان بابا کی شفقت و محبت پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"بہتر ہوتا کہ صاحب چھوٹا موٹا ولیمہ بھی کرلیتے مگر انہیں اپنے والد محترم پر یہ ظاہر نہیں کرنا کہ یہ نکاح ابھی ہوا ہے۔ شاید وہ کسی پر بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتے۔ خیر ہم اپنے طور پر آج اس خوشی کو منائیں گے۔" وہ مسکرا کر اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کررہے تھے۔

بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپرد خدا بھی نہ کرسکے
تقسیم ہوکر رہ گئے خود کرچیوں میں ہم
نام وفا کا قرض ادا بھی نہ کرسکے
نازک مزاج لوگ تھے جیسے کہ آئینہ
ٹوٹے کچھ اس طرح کہ صدا بھی نہ کرسکے
ہم منتظر رہے کہ کوئی مشق ستم ہو
تم مصلحت شناس جفا بھی نہ کرسکے

ایمان کو مسلسل تکتی شرجیل کی آنکھوں میں غبار اترنے لگا۔ بھینچے ہوئے ہونٹ شدت جذبات سے لرزنے لگے۔

"کب ختم کروگی یہ ناراضگی ایمی؟ مان لیا کہ مجرم ہوں تمہارا۔ تمہارا انتظار کرتی آنکھوں میں صحراؤں کی ریت اڑنے لگی ہے تم تو کبھی بھی ایسی کٹھور نہ تھیں کہ میں بلاؤں تو نہ آؤ۔ میں مناؤں تو نہ مانو۔ اپنے گناہ گار کو تلافی کا ایک موقع تو تمہیں دینا چاہیے۔" آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے گریبان میں گم ہونے لگے۔

"زارون کو تمہاری ضرورت ہے میری ساری دعائیں تمہارے نام ہوچکی ہیں میں ہر لمحہ اللہ سے تمہاری زندگی اور صحت مانگتا ہوں پتا نہیں کب قبول ہوگی یہ دعا۔" وہ پھر بہت دنوں بعد اسی ہیجان کا شکار ہوا تھا۔

"ریلیکس شرجیل، ٹیک اٹ ایزی۔" دروازے پر کھڑے ابراہیم احمد نے اس کی حالت خراب ہوتی محسوس کی تو تیزی سے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور کمرے سے باہر لے آیا۔

"خود کو سنبھالو شرجیل احمد، اللہ ہم سے زیادہ ہماری بھلائی چاہتا ہے۔"

"میں ٹوٹ رہا ہوں ابراہیم احمد اب مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتا۔" شرجیل نے ہاتھ سے گالوں پر پھسلتی نمی پونچھ لی۔

"اللہ کبھی بھی ہمت سے بڑھ کر نہیں آزماتا کبھی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ذرا سوچو ان کی خدانخواستہ موت بھی واقع ہوسکتی تھی مگر اللہ نے تمہارے لیے امید کا ایک دیا جلتا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے ایمان اور یقین کو مضبوط رکھو شرجیل احمد۔" ابراہیم احمد بہت نرمی و محبت کے ساتھ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔

"مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے ابراہیم احمد اگر وہ بھی مجھے چھوڑ گئی تو......؟"

"ایسا کیوں سوچتے ہو اللہ پر بھروسہ رکھو ان شاء اللہ بھابی بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔"

"زارون اتنا بڑا ہوگیا ہے ابراہیم احمد مگر وہ اپنی ماں کی صورت اور لمس سے بھی ناآشنا ہے۔" شرجیل کے لمحہ بھر کو رک جانے والے آنسو پھر سے رواں ہوئے اسے رہ رہ کر اپنی زیادتیاں یاد آرہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا اللہ نے چاہا تو محمد زارون کو ماں کی محبت و شفقت بھی ضرور ملے گی۔" ابراہیم نے مسکرا

کراس کا کاندھا پراسید انداز میں تھپتھپایا۔

❀……◉……❀

جب اسے بابا سائیں نے پیغام بھیج کر بلوایا تھا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے پاس بھی ان کی تیمارداری کا بہانہ تھا مگر جب وہ تندرست ہوگئے تو لاریب کے پاس رکنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں رہا۔ اسے دھڑکا سا لگا رہتا بابا سائیں اس سے واپسی یا پھر سکندر کے متعلق کوئی سوال نہ کرلیں۔ سکندر کی اس طویل غیر حاضری کے حوالے سے بابا سائیں کے پاس کیا جواز ہے لاریب یہ بھی نہیں جانتی تھی مگر یہ طے تھا کہ اسے پلٹ کر وہاں نہیں جانا تھا۔ اب وہ کسی قیمت پر وقاص پر بھروسہ نہیں کرسکتی تھی۔

"لاریب…… لاریب بیٹے۔" بابا سائیں اسے پکارتے ہوئے آرہے تھے۔

"جی بابا جان۔" اس کا لہجہ بوجھل مگر چہرے پر زبردستی کی مسکان تھی۔

"تمہارے تایا سائیں کا فون آیا ہے بیٹے، امامہ شہر کے اسپتال میں ہے بیٹی کی نعمت سے نوازا ہے اللہ پاک نے اسے ہمیں چلنا ہوگا آپ ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" بابا سائیں اپنی بات مکمل کرکے تیزی سے پلٹ گئے۔ لاریب البتہ اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی تھی۔ عجیب صورت حال تھی۔ ایک جانب بہن کی خوشی تھی دوسری جانب عزت کے درپے ہونے والا شخص کا سامنا اس کے قدموں میں زنجیریں ڈال رہا تھا۔

"بی بی جی بڑے سائیں آپ کو بلارہے ہیں۔" کچھ دیر میں ہی ملازمہ پھر ان کا پیغام لیے چلی آئی لاریب کو اٹھنا پڑا تھا۔ بعض معاملات میں انسان ناگواری کے باوجود مجبوریاں نبھانے کو خود کو مارتا رہتا ہے۔ لاریب کو بھی اس وقت ایسا ہی معاملہ درپیش تھا۔

"ٹھیک ہے تم چلو میں آتی ہوں۔" لاریب کو تیاری میں دس منٹ لگے تھے آج اس نے دوپٹے کی بجائے چادر کا انتخاب کیا تھا۔ اس چادر میں اس کا نازک سراپا تقریباً چھپ گیا تھا۔

❀……◉……❀

"تم نے اپنی تیاری مکمل تو کرلی ہے نا عباس بیٹے؟" باباجان اس سے فون پر مخاطب تھے۔

"ایک گھنٹے ہے تمہارے پاس میں پہنچ رہا ہوں۔ پھر اکٹھے گاؤں کے لیے نکلتے ہیں ٹھیک ہے؟" عباس کا پہلے سے بوجھل دل ان کے اس الٹی میٹم پر مزید بوجھ سمیٹ لایا تھا۔ عریشہ کی اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش حسرتیں ڈھل گئی تھی یہ سوچ کر وہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اسی لمحے فاطمہ وہاں چلی آئی تھی۔ وہ آئی تو اپنی تیاری کا بتانے تھی مگر عباس کے چہرے پر جو وحشت چھلکاتے تاثرات تھے دیکھ کر وہ سب کچھ بھولنے لگی۔

"عباس……!" وہ چیخی اور ہراساں ہوتی خود کو اذیت دیتے عباس کی جانب لپک آئی۔ عباس نے اپنی وحشتوں کی فراوانی میں اسے چونک کر دیکھا تھا۔ اسے اس رات اپنے اوپر جھکی پریشان فاطمہ یاد آئی۔ اس ایک لڑکی کی ہی وجہ سے ہمیشہ اس کے نقصان ہوئے تھے۔ اس کے اندر وحشت تو تھی ہی جنون اور نفرت کا طوفان امڈ آیا وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور بنا سوچے سمجھے اسے الٹے ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ دے مارا۔ فاطمہ سنبھلے بغیر صوفے پر جا گری۔ عباس کا قہر پھر بھی نہیں تھما تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس تک آیا۔

"میں نے کہا بھی تھا کہ اپنی اوقات مت بھولنا۔ اپنی حدود یاد رکھنا۔ میری ذات میں انوالو ہونے کی جرأت نہ کرنا۔" وہ دہشت سے اسے دیکھے گئی۔

"دفع ہوجاؤ یہاں سے بہتر ہوگا مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ۔" فاطمہ کو اپنا ریزہ ریزہ وجود سمیٹ کر اٹھنا پڑا۔ طے پایا تھا کہ وہ کچھ بھی کرلے اس شخص کو جیتنے سے قاصر تھی۔ اپنے کمرے میں آکر بھی وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔ معاً اس کی ہچکیاں تھم گئیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں نہیں روؤں گی عباس حیدر۔ کہیں یہ آنسو میری محبت کی تذلیل نہ ثابت ہوں مجھے نہیں بھولنا چاہیے آپ سے محبت کی خواہش رکھنا میری اوقات

سے بہت بڑھ کر ہے۔'' آنسو سختی سے پونچھتے ہوئے اس نے خود کو باور کرایا تھا۔

ملازمہ عباس کا پیغام لے کر آئی تو فاطمہ نارمل انداز میں اٹھی جیسے کچھ دیر قبل اس کے احساسات مجروح ہوئے ہی نہ ہوں۔ عباس حیدر چونکہ اس کی دیوانگی سے آگاہ تھا نہ پاگل پن سے۔ جبھی کچھ جز بز کچھ خائف سا کچھ دیر بعد خود وہاں چلا آیا تھا۔ وہ اسے رو برو پا کر گھبرائی۔

''میں اور بچے تیار ہیں بس آ رہی تھی۔'' اس کا لہجہ نارمل تھا۔

''تم شادی کے بعد پہلی بار اپنے سسرال جا رہی ہو تیاری کرتے وقت اس بات کا خیال نہیں آیا تمہیں۔'' وہ بولا تو اس کا لہجہ سرد تھا۔ فاطمہ نے اس کی ساحر نظروں کو اپنے گال پر تھپڑ کے سرخ نشان پر ٹھہرتے دیکھا اور جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی الجھن اور خفگی کی وجہ سمجھ گئی۔

''آئی ایم سوری، مگر میرے پاس میک اپ کا سامان نہیں تھا۔'' اس نے مجرمانہ انداز میں کہا۔

''ہاں، تم ان مصنوعی سہاروں کے بغیر بھی اپنے مقاصد بڑی سہولت سے حاصل کر لیتی ہو۔'' عباس کے اعصاب پوری طرح اضطراب کا شکار تھے۔

''میرے بیڈ روم میں جاؤ، عریشہ کی چیزیں تمہاری ضرورت پوری کر دیں گی۔'' فاطمہ کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا مگر اسے حکم سے انحراف کی تاب نہیں تھی۔

❁......◉......❁

سکندر نے آخری کش لے کر سگریٹ پھینکا اور والٹ سے لاریب کی تصویر نکال کر نگاہ کے سامنے کر لی۔ کاش تم اپنی صورت کی طرح دل بھی پیارا رکھتیں۔ اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے لائٹر آن کیا۔ اگلے لمحے ماحول میں ایک حیران کن منظر ابھرا لائٹر کا شعلہ تصویر کا کونا نگل رہا تھا۔

ہر لمحہ بڑھتے شعلے کی آنچ تصویر کو مکمل طور پر نگل کر سیاہ راکھ میں تبدیل کر گئی۔ دروازے پر دستک کی آواز نے سکندر کو چونکا دیا۔ اس نے لائٹر بند کر کے بستر پر پھینکا تھا۔ اندر داخل ہوتے فراز نے اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔

''خیریت ہے نا؟'' فراز کے لہجے میں تشویش تھی۔

''تم ابھی تک سوئے نہیں؟'' فراز سے سوال کرتے وہ اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ سے دانستہ دھیان ہٹا چکا تھا۔ فراز کی گہری جائزہ لیتی نظریں الگ امتحان تھیں۔

''میں تو سوتا ہی دیر سے ہوں تم کیوں جاگ رہے ہو؟'' فراز کے مسکرانے اور کیے گئے سوال پر سکندر نے زیادہ توجہ نہیں دی۔

''کہیں ہماری بھابی صاحبہ کی کمی تو محسوس نہیں ہو رہی آپ کو؟'' اس کا لہجہ شرارتی ہونے لگا۔

''دیکھو فراز اگر تم ایسی ہی فضول کی ہانکنے آئے ہو تو جا سکتے ہو۔'' فراز کا حیرت و غیر یقینی سے منہ کھلا رہ گیا۔ پھر جو ہنسنا شروع کیا تو لوٹ پوٹ ہونے لگا۔

''کیا میں تمہیں شکل سے پاگل نظر آتا ہوں فراز؟'' وہ درشت انداز میں ٹوک کر بولا۔

''سکندر اعظم یہ تم ہو۔ اتنی جلدی بدل گئے یا پھر تمہاری اصل یہی تھی میں مستقبل کے آئینے میں جھانک رہا ہوں۔ مجھے لاریب بھابی پر رحم آ رہا ہے۔'' سکندر نے اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں فراز۔ پلیز بی سیریس۔''

''میں بھی کہاں ہوں مذاق کے موڈ میں، یار آج پہلا دن ہے تمہیں لینڈ لارڈ ہوئے۔ تم نے اتنی جلدی نگاہیں پھیر لیں۔ کل کو اگر تم مجھے ملو تو کہو گے کون فراز، میں تو کسی فراز......!''

''فراز......!'' وہ چیخا۔ فراز نے سہمنے اور ڈرنے کی شاندار اداکاری کی تھی۔

''تم چپ ہو گے یا نہیں؟'' وہ پھر چیخا۔ فراز نے سعادت مندی کی انتہا کی۔

''کیوں نہیں جناب نوکری سے تھوڑی۔'' وہ منمنایا۔

''تم نہیں سدھر سکتے۔ بولو کیوں آئے ہو اس وقت؟ اب یہ نہ کہہ دینا بیوی سے نپٹنے کو مجھے تو بہت معصوم اور پیاری لگی ہے لاریب۔ بلکہ سچ پوچھو تو میں

تمہارے متعلق مشکوک ہو چکا ہوں سچ کہو انہوں نے وہ سب کچھ تمہیں واقعی کہا تھا یا الزام لگا رہے ہو؟" سکندر کے سوال پر فراز پہلے ششدر ہوا پھر طیش میں اس پر گھونسا تان کر کھڑا ہوگیا۔

"اگر تم عمر میں مجھ سے کچھ سال بڑے اور اس ساری جائیداد کے اکلوتے وارث نہ ہوتے اور میں تمہارے ہی گھر میں کھڑا نہ ہوتا تو لحاظ نہ کرتا۔ یار کچھ تو شرم کرو...... تم میرے دوست ہو کر اس کی سائیڈ...... بس کیا کہوں تم سے شکوہ کروں بھی تو کیسے کہ جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" وہ قطعی غیر سنجیدہ تھا اور جذباتیت کی بے مثال اداکاری کرنے میں مصروف تھا۔

"بے فکر رہو، یہ بدلہ میں لوں گا تو ضرور تم سے مگر اس وقت جب لاریب بھابی سے ملوں گا دیکھنا کیسے ان کے ساتھ مل کر تمہاری غیبتیں کرتا ہوں۔ تم نے ابھی میرے جوہر نہیں دیکھے اور سنو...... یہ تم سگریٹ کچھ زیادہ نہیں پینے لگے؟" وہ اسے گھور رہا تھا سکندر اس آخری بات میں اپنے لیے محبت واپنائیت کا رنگ چھلکتا محسوس کرکے مسکرا دیا۔

فراز اور وہ اس عرصہ میں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ ان کے بیچ بے تکلفی کی دیوار تو گری ہی تھی کوئی بات بھی ایسی نہیں رہی تھی جس پہ پردہ ہو۔ فراز سکندر کے دل میں اتر گیا تھا۔

جس طرح بغیر کسی لالچ وغرض کے اس نے سکندر کے لیے اتنا کچھ کیا تھا وہ بلاشبہ قابل ستائش تھا۔ سکندر کو علوی ہاؤس میں لانے والا وہی تھا۔ سکندر کو اس کے اخلاص پر رتی برابر بھی شبہ نہیں رہا تھا۔ سکندر کو یاد تھا وہ دن جب وہ پہلی بار علوی ہاؤس میں اسے لایا تھا اور اس کے اصل حوالے سے متعارف کرانے کے بعد اپنے رشتوں سے اس کے حق کی خاطر لڑا تھا۔ وہ وقت بھی بہت نازک تھا سکندر کے لیے جب اس نے اپنے والدین کے قاتلوں کو سامنے پایا تھا مگر خود پر ضبط کیے رہا وہ اتنا اعلیٰ ظرف بھی نہیں تھا مگر اسے نبی کریمﷺ کی حیات طیبہ کے لاتعداد واقعات ازبر تھے جب آپ نے بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کر کے اپنی امت کو بھی اسی عفو و درگزر کو اختیار کرنے کا سبق دیا تھا۔ سکندر نے یہ کام خالصتاً رضائے الٰہی کے لیے کیا تھا۔ جبھی وہ اس کا احسان کسی پر نہیں جتلاتا تھا۔ فراز بے قرار ہونے لگا۔

"یہ لوگ بہت کم ظرف ہیں سکندر تمہیں اور کچھ نہیں تو انہیں کم از کم اس گھر سے ضرور بے دخل کر دینا چاہیے، یہ تمہاری سوچ اور توقع سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔"

"اس او کے فراز تم پریشان نہیں ہو، کچھ نہیں ہوگا۔"

"کیوں نہیں ہوگا سکندر، یہ لوگ آفاق چاچو کے ساتھ بہت غلط کر چکے۔" وہ چیخا اور سکندر نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھپتھپا دیا تھا۔

"ان کی عمر اتنی ہی تھی۔" اس کا ضبط کمال درجے کا تھا فراز کا منہ کھل رہ گیا۔

"یعنی تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انہیں قتل کیا گیا؟" فراز کے چیخنے پر سکندر کی رنگت میں سرخیاں گھل گئی تھیں۔

"یہ ان کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے فراز کہ میں ان لوگوں کو اس عمر میں بے ٹھکانہ کروں، اپنے بھائی کی جائیداد اور بزنس پر ان کا بھی حق ہے۔ میں انہیں اس سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔" فراز اسے یوں دیکھتا رہا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"یعنی تم انہیں بزنس سے بھی الگ نہیں کر رہے؟"

"ہاں، میں ایسا ارادہ نہیں رکھتا۔ فراز وہ لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں انہوں نے ایک عمر اس بزنس کو سنوارا اور اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کی ہیں اور کچھ نہ سہی تو یہ حق تو ہے نا ان کا۔" اس کے رسانیت آمیز انداز پر فراز کو بے تحاشا تاؤ آیا تھا۔

"تم بے وقوف ہو سکندر، شاید تمہیں اس سب کی اس لیے پروا نہیں ہے کہ تمہیں یہ سب بنا محنت اور مشقت کے حاصل ہو گیا ہے۔" فراز کے غصیلے انداز کے باوجود سکندر ہنس پڑا تھا۔

"اس آخری بات سے میں اتفاق ضرور کروں گا۔ لیکن

بے فکر رہو۔ اب اس کاروبار کو میں خود سنبھالوں گا اس کا سارا چارج میں اپنے کنٹرول میں لے رہا ہوں۔ تاؤ جی اور چاچو یہاں کام ضرور کریں گے مگر اس بزنس کی ہر ڈیل میری مرضی سے طے پائے گی۔"

"دراصل میں نہیں چاہتا کہ تم نے مجھ پر جو اتنی محنت کی ہے اسے اکارت کردوں آخر تمہیں بتانا بھی تو ہے کہ تمہارا شاگرد کتنا قابل ہے۔" لیکن یاد رہے کہ اس فرم کے مینیجنگ ڈائریکٹر تم ہو۔ خبردار چھٹی کرنے کا کبھی سوچنا بھی مت ڈبل تنخواہ کاٹوں گا۔" اور فراز نے جواب میں آنکھیں دکھانا شروع کردی تھیں۔

"میں تمہاری فرم میں ملازم نہیں بنوں گا سکندر۔" کچھ دیر بعد جب فراز نے سنجیدگی سے بات کی تو سکندر کو جھٹکا لگا تھا۔

"میرا شمار میری فیملی کے دیگر دھوکے باز لالچی مردوں میں نہیں ہوتا۔ شرجی بھائی میں اور نبیل الحمدللہ تاؤ جی سے یکسر مختلف ہیں۔ جس روز شرجی بھائی کو اس ساری حقیقت کا پتا چلا تھا انہوں نے اسی روز سے آفس جانا ترک کردیا تھا۔" اپنے پندار کی حفاظت کرتا فراز سکندر کو بہت پیارا لگا تھا۔

"لیکن تم میری فرم میں میرے ساتھ کام کیوں نہیں کرنا چاہتے؟" سکندر کو جس بات پر سب سے زیادہ اختلاف تھا اس نے وہی سامنے رکھی۔

"بس میں نہیں چاہتا کہ ہمارا تعلق کسی وجہ سے خراب ہو۔" وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"کوئی تعلق خراب نہیں ہوگا بلکہ یہ تعلق مضبوط ہوگا ان شاء اللہ تم دیکھنا اور سنو تم وہاں میرے ماتحت نہیں ہوں گے۔ فراز تم محسن ہو میرے اور ہمیشہ میرے لیے خصوصی اہمیت کے حامل رہو گے۔" وہ جذباتی ہو رہا تھا جبھی اٹھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ فراز کو بھی اپنی جون بدلنی پڑی۔

"تم تو سنجیدہ ہوگئے یار میں مذاق کررہا تھا مطلب یہ تھا کہ کہیں میری فیملی کے لالچی اور خود غرضی کے جراثیم مجھ کو بھی نہ لگ جائیں۔ خیر اگر تمہارا یہ اصرار ہے تو پھر سن لو میں سیلری اپنی مرضی سے لوں گا، صرف یہی نہیں تعلق مضبوط کرنا ہے تو اپنے بچوں کے میرے بچوں سے رشتے طے کروا بھی سے، بولو شرط منظور ہے؟" وہ کھلکھلا کر کہہ رہا تھا۔ سکندر جھینپا تھا کہ اس سے الگ ہوا اور سے گھورا۔

"اچھا یار لعنت بھیجو ان باتوں پر مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ سکندر کو اس پر توجہ دینی پڑی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے سکندر جس طرح تاؤ جی نے پہلے تمہاری یہاں آمد پر اتنا واویلا کیا اور تمہیں آفاق چاچو کی اولاد تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا تھا تمام شواہد کو رد کرتے ہوئے اس کے بعد یکدم سے ہنسی خوشی اس بات کو اتنی فراخ دلی سے قبول کرلینا کچھ ہضم نہیں ہوا مجھے۔"

"ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔" سکندر کا سادہ سا جواب فراز کی تسلی نہیں کراسکا۔

"میں پھر اپنی بات دہراؤں گا سکندر کہ تم ابھی انہیں نہیں جانتے ہو، وہ کسی بھی صورت اپنے گھاٹے کا سودا نہیں کرتے۔ تمہیں بتا چکا ہوں نا کہ انہوں نے شرجی بھائی کی سز کو کن حالوں تک پہنچایا۔ یہ لوگ ابھی بھی نہیں بدلے اور بدلیں گے بھی نہیں۔" فراز سکندر کو شرجیل کے متعلق بھی مختصراً بتا چکا تھا۔ سکندر کے ذہن میں دور تک ایمان نہیں تھی جبھی وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔ دوسری اہم بات یہ کہ اسے ایمان کے شوہر کا نام پتا نہیں تھا۔

"تمہیں ہر بات کو نیگیٹو انداز میں نہیں سوچنا چاہیے فراز۔" فراز نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تاؤ جی کی یہ مصلحت کوشی جانے کیوں مجھے خطرناک محسوس ہو رہی ہے۔ میں پھر کہوں گا تم ان سے الگ ہوجاؤ۔ پلیز میری اس بات کو سرسری نہ لو سکندر۔ میں کسی مزید نقصان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔" فراز کے لہجے میں وحشت سی اتر آئی تھی۔

"تم مجھے تھوڑے وہمی لگتے ہو فراز، لیکن بے فکر رہو، میں تمہاری بات پر سوچوں گا ضرور۔" فراز نے اس کی آمادگی محسوس کرکے ہی سکھ کا سانس بھرا تھا۔

❁......◉......❁

"پتا نہیں کہاں چلا گیا، یہیں تو رکھا تھا۔" اس نے جھنجلا کر کہتے ہوئے زور سے دراز کھینچی مگر اگلے لمحے یکدم ساکن ہو کر رہ گئی۔ دراز میں موجود ٹوٹے ہوئے فوٹو فریم کے شیشے سے جھانکتی اپنی اور سکندر کی مشترکہ تصویر یادوں پر گری گرد کو صاف کرنے لگی۔ کچھ دیر یونہی آنسوؤں سے لبریز نظروں سے تصویر کو تکتے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر احتیاط سے اسے باہر نکالا۔

سکندر کی مسکراتی آنکھوں میں کیسا تازگی بھرا خمار تھا یوں جیسے پوری دنیا فتح کر لی ہو۔ جبکہ وہ اس کے پہلو میں اس سے بالکل متضاد کیفیات کا شکار لگتی تھی۔ تمام تر آرائش و زیبائش کے باوجود اجڑی ہوئی اور پر سوز۔ اسے نہیں معلوم تھا شادی کے دن یہ تصویر کس نے اور کس وقت کھینچی تھی اس کی آنکھوں سے چھلکتے آنسو بے تابی سے بکھر کر ٹوٹے ہوئے شیشے پر گرے اور نظر و ذہن کے ساتھ شیشے کو بھی دھندلا گئے۔ وقت پلٹ کر جیسے انہی لمحوں پر گرفت مضبوط کر چکا تھا۔

("یہ...... یہ کیوں لگائی تم نے یہاں؟" وہ غرائی تھی۔

یہ ان کی شادی کا دوسرا یا تیسرا دن تھا جب شام کو وہ کمرے داخل ہوئی اور دیوار پر خوب صورت فریم میں آویزاں اپنی اور سکندر کی تصویر دیکھ کر گویا آگ لگ گئی تھی۔ اس کی دھاڑ پر سکندر اچھا خاصا جز بز ہو گیا مگر اس کی طرح اپنے جذبات بے قابو نہیں ہونے دیے۔

"آئی ایم سوری، آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں اتار دیتا ہوں۔" سکندر کے دھیمے انداز میں نرمی تھی۔ مگر لاریب کی تلملاہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

"تم کیوں اتارو گے بھلا۔ میرا دل جلانے کی خاطر تو یہ کام کیا تم نے میں خود اتارتی ہوں۔" اس پر الزام لگاتے اس نے کبھی سکندر کے جذبات و احساسات کو سمجھنے ان پر غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔

"آپ رہنے دیں لاریب میں......!" اسے اسٹول پر چڑھتے دیکھ کر سکندر نے پھر مداخلت کی۔ مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے اسٹول پر چڑھ گئی۔ انداز میں غصیلا پن تھا۔

جب تصویر نہیں اتری تو اس نے اپنی فطرت کے عین مطابق غصے میں آتے ایک کے بعد دوسرا جھٹکا ایسے جارحانہ انداز میں دیا کہ لڑکھڑا کر اسٹول سے نیچے گری تھی مگر زمین پر نہیں سکندر کے توانا و مضبوط آہنی بازوؤں میں جس نے اسے سنبھالتے ہی دانستہ خود میں سمو لیا تھا۔

"میں اسی لیے منع کر رہا تھا آپ کو مگر آپ سنتی کہاں ہیں۔" سکندر کے دھیمے لہجے میں بھی وارفتگی کی آنچ پھوٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں اس پل کتنے شوخ اور دلکش رنگ تھے۔ اس کے برعکس لاریب قربتوں کی اس وحشت بھری آگ میں جل کر خاکستر ہوئی بری طرح سے تلملا کر اس کی بانہوں کا حصار توڑتی تڑپ کر فاصلے پر ہوتے ہی اس پر برس پڑی۔

"شٹ اپ، تمہیں ضرورت کیا تھی آخر مجھے پکڑنے کی۔" وہ بپھری ہوئی شیرنی لگ رہی تھی جسے قابو کرنے کو کیسے دل مچل گیا تھا سکندر کا جبھی اس کے مقابل رک کر پر شوق نظروں سے اسے تکتا متبسم ہوا۔

"اگر میں نہ پکڑتا تو آپ کو تو چوٹ لگ جاتی۔"

"بکواس نہ کرو میں اگر آئندہ مر بھی رہی ہوں تو تم مجھے ہاتھ لگانے کی غلطی نہ کرنا، سمجھے؟"

"یہ حکم تو میں آپ کا نہیں مان سکتا۔ یہ غلطی تو کرنا ہی پڑے گی مجھے کبھی نہ کبھی آخر کو شوہر ہوں اب آپ کا۔" وہ جتنے غصے میں تھی اس کے متضاد سکندر پر اس قدر شرارت بھرا خمار چھا رہا تھا۔ اس کے انداز میں لگاوٹ بھی تھی اور جسارت بھی جس نے لاریب کے اشتعال کو اور بھی بڑھا ڈالا۔

"اپنی اوقات مت بھولو تم، سنا تم نے؟" اسے دیکھتے ہوئے وہ حلق کے بل چیخی۔ اس مرتبہ سکندر نے اس کی بات کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی اور آگے بڑھ کر تصویر اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

"یہ لیجیے یہی چاہیے تھی نا آپ کو۔" خوب صورت سنہرے فریم میں جکڑی تصویر اس کی جانب بڑھائے وہ کتنے رسان سے گویا ہوا تھا۔ لاریب نے سلگتی نظروں سے

اسے کچھ دیر دیکھا پھر اسی مشتعل انداز میں فریم پکڑ کر زور سے دیوار پر دے مارا تھا۔ ایک چھناکا ہوا اور اسے لگا صرف تصویر کا شیشہ نہیں بلکہ اس نے سکندر کا دل بھی ایسے ہی چکنا چور کر دیا ہو۔

"اٹھاؤ اسے یہاں سے مجھے نظر نہ آئے دوبارہ۔" وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ اس نے فریم کو ٹھوکر ماری ٹھوکر لگتے ہی خود بلبلا کر پیر پکڑتی دوہری ہوگئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے شیشے کی بے رحم نوکیلی دھار اس کے پیر کے انگوٹھے کے میں اس بری طرح گھسی کہ وہ درد برداشت کرنے کو ہونٹ بھینچ گئی۔

"زخمی ہوگیا آپ کا پیر۔" سکندر سب کچھ بھلا کر بے چین ہوکر لپک آیا تھا۔

اس کے ہونٹوں سے سسکی بکھری اور آنکھوں سے آنسو مچل گئے۔ بے خیالی میں اس کا ہاتھ پھر زخمی ہوا تھا مگر نایاب سکندر تھا نہ ہی اس کی بے چینی بھرا کیئرنگ انداز۔ وہ بے قراری سے رو دی چلی گئی۔)

"آجاؤ سکندر...... !" اس کے آنسو اسی تواتر سے بہتے تھے۔

(بہت قرضے چڑھا گئے ہو مجھ پر بہت چالاک تھے۔ جیتنا آتا تھا تمہیں اور بابا سائیں کہتے ہیں وہ مرد ہی کیا جو اپنی عورت کو جیت نہ سکے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں سکندر مجھے تمہارے علاوہ اب اور کچھ نہیں چاہیے) وہ مضطرب سی ہاتھ مل رہی تھی۔ اسے وہ کام یکسر بھول گیا تھا جو وہ کرنے آئی تھی۔ اسے بس سکندر یاد رہ گیا تھا اسے سکندر کی محبت یاد رہ گئی تھی۔

❁.....◉.....❁

وہ پہلو کے بل ساکن لیٹا ہوا تھا مگر دل و دماغ میں ایک حشر بپا تھا۔ اذیت وخفت اور شرمندگی ایسی جس کا کنارہ نہیں ملتا تھا۔ ندامت کے اشک برساتے آنکھ تھکتی نہیں تھی کہ نہ دل کا ملال ڈھلتا تھا کیا تھا وہ؟

ایک سیاہ کار، بدکار، غلاظت میں پور پور ڈوبا ہوا انسان۔ جس نے رب کی رضا کے متعلق سوچنے اہمیت دینے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ آسائشات کی فراوانی اور لامحدود اختیارات نے اسے فرعونی طنطنے اور رعونت میں مبتلا کر دیا تھا اسے یاد ہی نہ رہ سکا تھا یہ دنیا فقیں یہ دنیا ایک دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایک مہلت ہے۔ من مانی کرنا اور حکم چلانا ہی اس کا معمول تھا۔ زمین جیسے ہمیشہ کے لیے اس کی میراث تھی۔ جس پر وہ جیسے چاہتا اکڑ کر چل سکتا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ بہرحال اس کو ملنے والی ڈھیل کی کوئی حد بھی مقرر ہے۔ اس زمین پر اسے اختیارات سونپنے والا ہی اس کا اصل حقدار ہے۔

لاریب...... ! جس کی بے رخی، بے اعتنائی اسے ناگوار گزرتی تھی جسے سبق سکھانے اور اپنی تسکین کا ذریعہ بنانے کو وہ ہر معاشرتی، سماجی اور مذہبی حد بندی کو پھلانگنے کا تہیہ کر چکا تھا جانتا ہی نہ تھا کہ خدا کی لاٹھی کیسی بےآواز ہے کیا ہوا تھا پھر؟ وہ جو سمجھتا تھا اسے فتح حاصل کرنے سے کوئی روکنے والا نہیں۔ کیسے منٹوں میں بے بس کر دینے والے نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ طاقت اور اختیار کے زعم میں مبتلا اس کا دماغ اس وقت شدید اذیت وکرب کے باوجود اس خوف سے سن ہونے لگا کہ وہ یہاں اس ویرانے میں بے کسی اور بے بسی کی موت مارا جائے گا۔ لاریب اسے پلٹ کر دیکھے بغیر جا چکی تھی جبکہ کمدار کو اس نے خود وہاں سے واپس بھیجا تھا اس حکم کے ساتھ کہ اگر اس کی ضرورت پڑی تو خود کال کر کے بلوائے گا۔ پھر بھلا وہاں کون تھا جو اسے اس اذیت ناک عبرت انگیز موت مرنے سے بچا سکتا۔ اس نے بے چارگی اور مایوسی کی کیفیت میں کچھ دور گر جانے والے اپنے سیل فون کو دیکھا جو لاریب سے الجھنے کے دوران جانے کب جیب سے نکل کر فرش پر جا گرا تھا۔

اس کی وہ جسمانی طاقت جس پر اسے بے تحاشا غرور تھا اس وقت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی وہ خود میں اتنی ہمت بھی نہیں پاتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھاتا اور اپنی مدد کا کوئی سبب بنا پاتا۔ اسے اندازہ ہوا وہ خود سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس نے جانا اسے موت سے کتنا خوف آتا

ہے۔اس نے زندگی میں پہلی بار بقائمی ہوش وحواس مایوسی، بے بسی اور بے چارگی کی انتہا پر جا کر خود کو گھٹ گھٹ کر روتے محسوس کیا۔اس کے پاس زندگی بھر سب کچھ ہمیشہ وافر مقدار میں رہا تھا۔اسے ہاتھ پھیلانے، مانگنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔اسے کبھی رب کا اس کی دی گئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا خیال نہیں آ سکا تھا۔مگر اس پل اس نے زندگی میں پہلی بار خود کو رب سے ہمکلام ہوتے گڑگڑاتے محسوس کیا۔

"مجھے بچالے، اس وقت کوئی نہیں ہے جو مجھے اس وقت کوئی نہیں ہے جو مجھے دیکھے اس وقت کوئی بھی نہیں ہے جو مجھے سنبھالے۔میں جانتا ہوں تو مجھے سن رہا ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں تو مجھے دیکھ رہا ہے میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ تو میرے دل کی بدلتی کیفیت سے غافل نہیں ہے اس وقت اگر کوئی مجھے بچا سکتا ہے تو وہ صرف تو ہے مجھے بچالے مجھے اس شرمناک موت سے دوچار نہ کر" وہ رو رہا تھا بلکہ رہا تھا تڑپ رہا تھا اور سسک رہا تھا۔پیر سے اٹھتا درد کا تیز ریلا جیسے کوئی طوفان تھا۔جو آگ کی طرح بڑھتا پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔پھر یہ تکلیف اس کے سینے سے گردن اور گردن سے حلق تک جا پہنچی وہ سہم گیا خوف سے سرد پڑنے لگا۔اس نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔اس مرحلے پر اسے فرعون کا انجام یاد آیا وہ انجام جو عبرت انگیز تھا اور جو ان کے قاری صاحب نے قرآن پاک پڑھاتے ہوئے بہت تفصیل سے سمجھایا تھا جسے وہ اب تک بھلا رہا تھا مگر اب اچانک وہ تمام واقعہ اس کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"تو کیا فرعون کی طرح میری بھی آخری وقت کی توبہ اللہ نے رد کردی ہے؟" اس نے سوچا اور اس کے حلق میں نوکیلے کانٹے اُگ آئے تھے۔اگر ایسا تھا تو کچھ عجب نہیں تھا یہی قانون قدرت ہے اللہ نے تو اپنا طریقہ پہلے سمجھا دیا۔موت کو سامنے پا کر مانگی گئی توبہ قابل قبول نہیں وہ اب کیوں حراساں ہے اس نے اپنا وقت گنوا دیا تھا مایوسی نے اس کے وجود میں اپنے پنجے گاڑ ھے اور اسے اپنے سیاہ

کچھ لفظ چنے ہیں گوہر سے

☆ طنز وہ تیر ہے جو شہد میں بھگو کر بھی مارا جائے مگر پھر بھی اس کی چبھن کم نہیں ہوتی۔

☆ لوگ چاند پر پہنچنے کے لیے ہزاروں جتن کریں گے مگر دل تک پہنچنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔

☆ اگر آپ اپنے گھر کے باہر تختی پر عبارت لکھوا لیں کہ مجھ سے ملنے والے جھوٹ کے پاؤں اور غیبت کے چہرے باہر چھوڑ کر آئیں تو یقین کیجیے آپ سے ملنے کوئی نہیں آئے گا۔

☆ لفظ لکھنے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوا احساس کی شدت ان کو پر اثر بناتی ہے۔

☆ جس گھر میں عورت دکھی رہتی ہے اس گھر میں خوشیاں مہمان کی طرح دستک دے کر آتی ہے جنہیں نہ پھینکا جا سکتا ہے اور نہ اپنایا جا سکتا ہے۔

نرجس ظل.......کوٹ چوغطہ

لبادے میں چھپا لیا مگر پھر ایک معجزہ ہو گیا اسے اذن ربانی اذن مغفرت مل گئی تھی۔یہ بخشش کرنے والے کی انکی بے بہا عنایت تھی کہ وقاص اپنی سابقہ روش پر شرمسار ہوتا خود سے نگاہ ملانے کے قابل بھی نہیں رہا۔

"کیا تھا وہ اس قابل؟" وہ خود سے سوال کرتا اور آنسو زار و قطار بہنے لگتے۔اس نے رحمان کی رحیمیت کو جانا تو اندر سے گم صم ہوتا چلا گیا۔عجیب تھی یہ خفت و خجالت جس نے اسے باقی ہر احساس سے بے نیاز کر ڈالا تھا۔

"زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے رب کی ذات تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

کھلی کھڑکی سے ایک خوش الحان آواز ہوا کے دوش پر اڑتی اس تک پہنچی تھی۔وقاص کی وہ غفلت اور بے حسی ٹوٹنے لگی جوان دنوں اس پر ماحول سے اپنوں سے اپنی ذات تک کے لیے چھا گئی تھی۔اس کی سماعت چونکی اور پوری توجہ سمیٹ لائی۔اماں جان نے اس کی صحتیابی کی خوشی میں ختم القرآن کروایا تھا قاری صاحب کی آواز میں

سوز وگداز اور کشش تھی۔

"اے گروہ جن وانس اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو تو (ذرا) نکل کر تو بھاگو۔ تم زور کے سوا نکل بھاگو گے (اور زور تم میں ہے ہی نہیں) تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

وقاص کو لگ رہا تھا کہ اس کا رب اپنے کلام کے ذریعے باقاعدہ جتلا دیا تھا کیا نہیں ہو چکا تھا اس کے ساتھ بھی معاملہ؟

خدا نے اسے اپنے آگے ہاتھ پیر باندھ کر گرا لیا تھا اور اس کی طاقت چھین لی تھی۔ وہ طاقت جو اسی نے عطا بھی کی تھی اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور آنکھوں میں آنسوؤں کی طغیانی بڑھنے لگی۔ وہ حرف بہ حرف تلاوت سنتا اور ترجمہ پر غور کرتا اپنے اندر تبدیلی وتغیر رونما ہوتا محسوس کرتا آنسو بہاتا رہتا۔

"مجرم پہچانے جائیں گے اپنی پیشانیوں سے پھر وہ پیشانیوں (کے بالوں) سے اور قدموں سے پکڑے جائیں گے تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یہ ہے وہ جہنم جسے گناہ گار جھٹلاتے تھے وہ اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان پھریں گے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

اس کے بعد مغفرت کا اذن تھا پھر انعام واکرام کی خوش خبری۔ وہ سورہ رحمٰن کو پہلی بار دل ودماغ کے دریچے وا کر کے سن رہا تھا اور جیسے اسی کلام کی خوب صورتی میں گم تھا جادو وجمال میں گم تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز ابھری مگر وہ چونکا نہیں یہاں تک کہ کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"وقاص..... آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ اس کا کاندھا نرمی سے چھو کر استفسار کرتی اس کی توجہ کی طالب بنی ہوئی تھی۔ وہ...... جسے وقاص نے نہ کبھی نرمی سے چھوا تک نہ تھا نا مخاطب کیا تھا مگر وہ پھر بھی کسی مہربان سایہ دار بادل کی طرح تھی۔ اگر سمجھا جاتا اگر جانا جاتا تو یہ بھی اس کے رب کی اس پر خاص عنایت تھی۔ اس کی بے بہا نعمتوں میں سے ایک بے بہا اور خوب صورت ترین نعمت۔ وقاص بے اختیار اس کی جانب پلٹ گیا۔ آج پہلی بار امامہ کو تکتے اس کی نظر میں نرمی تھی محبت واحترام کے ساتھ اپنے سلوک پر شرمساری کا جاں گداز احساس تھا۔

"آ..... آ..... آپ کیا درد ہو رہا ہے؟" امامہ کی نظر اس کے بھیگے ہوئے چہرے پر پڑی تو جیسے بے اختیار تڑپ اٹھی اور اس کا چہرہ ہاتھوں کے نرم پیالے میں لے لیا۔

"نہیں، اب میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو امامہ؟" وہ بولا تو اس کی آواز بوجھل تھی۔ اس کے دل کی طرح جہاں ملامت ویاسیت کا احساس گہرا تھا۔

"میں.....؟" امامہ کو کہاں توقع تھی کہ وہ اس قدر نرمی وتحمل سے اس کی خیریت بھی پوچھ سکتا ہے جبھی گڑبڑائی تھی پھر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"مجھے آپ سے معافی مانگنی تھی وقاص، میری تمام تر خواہش اور دعاؤں کے باوجود بیٹا نہیں ہوا اور.....!"

"امامہ..... بس کرو پلیز۔" وہ جیسے کراہ رہا تھا تازیانہ ہی ایسا شدید تھا یہ اس کے گناہوں میں سے ہی ایک گناہ تھا کہ وہ امامہ پر بیٹے کے لیے دباؤ ڈالتا رہا تھا۔ حالانکہ جانتا بھی تھا کہ وہ اس معاملے میں کس درجہ بے بس ہے۔

"میں غلطی پر تھا ہر لحاظ سے۔ مجھے احساس ہو چکا ہے امامہ، کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو ان تمام زیادتیوں کے لیے جو میں تمہارے ساتھ کر چکا ہوں؟" اس کے نرم ہاتھ اپنے لرزیدہ ہاتھوں میں لے کر اپنی پیشانی پر ٹکائے وہ سسک اٹھا تھا امامہ کے تو جیسے اوسان ہی خطا ہو کر رہ گئے۔

(جاری ہے)

Digest.pk
محبت ہے ازل
ام مریم

جو ہو سکے تو بھلا دینا رنجشیں دل کی
کہ محبت کا تقاضا ہے درگزر کرنا
تیرے طرز تغافل سے کیا گلہ ہمیں
شاید ہمیں ہی آتا نہیں دلوں میں گھر کرنا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا جان عباس سے اپنے گزشتہ تلخ رویے پر معذرت کرتے ہوئے اسے واپس حویلی آنے کا کہتے ہیں وہ فاطمہ کو اپنی بہو تسلیم کر لیتے ہیں جبکہ دوسری طرف عباس بابا جان کو خود سے بدگمان ہونے سے بچانے کی خاطر انہیں عریشہ کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ بابا جان ان سب کو حویلی لے جانا چاہتے ہیں جبکہ عباس تمام صورت حال پر گھبرا جاتا ہے اور اپنا تمام غصہ فاطمہ پر اتارتا ہے اور اس پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتا ہے فاطمہ اس کے گھٹیا الزامات پر اپنے بچاؤ کے لیے گھر آ جاتی ہے جبکہ صورت حال پر عباس اس سے جیسے میرج کرتا ہے اور اس تعلق کو مجبوری کے تحت ایک نام دیتا ہے جبکہ [illegible] سے اس تعلق کو مخفی رکھا جاتا ہے۔ فاطمہ اس بات [illegible] خوش ہوتی ہے لیکن دوسری طرف عباس اس [illegible] کے بندھن کو چند دنوں پر مبنی قرار دے کر فاطمہ کو اس کی حیثیت خوب یاد دلاتا ہے۔ فراز قانونی کارروائی مکمل کرنے کے بعد سکندر کو اس کا تمام حق دلاتا ہے ایسے میں تاؤ جی سخت کبیدہ خاطر ہوتے لاکھ انکار کرتے بالآخر اس کی حیثیت تسلیم کر لیتے ہیں سکندر نہ صرف تاؤ جی کو معاف کر دیتا ہے بلکہ تمام بزنس بھی ان کے حوالے کر دیتا ہے جس پر فراز خاصا برہم ہوتا ہے اور اسے تاؤ جی کی اصل فطرت اور نقصان پہنچانے کے حوالے سے آگاہ کرتا ہے لیکن سکندر ان تمام معاملات پر یکسر توجہ نہیں دیتا۔ دوسری طرف فراز یہ جان کر حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سکندر نہ صرف ساحر کو جانتا ہے بلکہ اس کے ساتھ سکندر کا قریبی تعلق بھی ہے دونوں کے درمیان بڑھتے تعلقات تکلفات کی تمام دیواریں گرا دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فراز بھی اریبہ کو لے کر تمام حقائق سے اسے آگاہ کر دیتا ہے دونوں کو اپنا دکھ سانجھا محسوس ہوتا ہے۔ شہر جیلانی ایمان کے ہوش میں نہ آنے پر سخت [illegible] ہو جاتا ہے ایسے میں ابراہیم احمد اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے [illegible] جبکہ ایمان سے اپنے تلخ رویوں کی معافی مانگنے [illegible] کرنے کا کہتا ہے۔ وقاص کے واپس [illegible] پر بابا جان لاریب کو بھی ساتھ چلنے کا کہتے ہیں جبکہ دوسری طرف لاریب بابا جان کی خوشی کی خاطر وقاص کا سامنا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے جبکہ بابا جان ان تمام باتوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ دوسری طرف وقاص نہ صرف بابا جان کے سامنے بلکہ خود اپنی ہی نظروں میں گر جاتا ہے زندگی اور موت کی اس کشمکش کے دوران اسے اپنے تمام گناہوں کا اندازہ شدت سے ہوتا ہے اور وہ سچے دل سے رب کے حضور معافی مانگتا ہے اور شاید اسے معافی کا اذن مل جاتا ہے تبھی وہ ایک بار پھر اپنوں کے درمیان موجود ہوتا ہے اب اس کا رویہ پہلے سے یکسر مختلف ہوتا ہے بابا جان کی سرزنش اور ان کا تشنجی انداز محسوس کرتے وہ خود بھی یہ بات کسی کے سامنے دہرانے سے گریز کرتا ہے جبکہ بابا جان بھی اپنی عزت اور نام کی خاطر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ وقاص اپنے سابقہ رویوں پر ماما سے بھی معافی مانگتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیتا ہے جس پر ماما اس کے رویے پر گنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....◉.....❁

"پلیز وقاص، ایسا مت کہیں مجھے کوئی شکوہ نہیں آپ سے میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا کوئی مقام ہی نہیں کہ آپ ٹھیک ہو گئے ہیں۔" اسامہ خود بھی رو پڑی تھی اور اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے وہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

وقاص کو ایک بار پھر خدا کی رحمت اور اپنی بخشش ہو جانے کا یقین ملا تھا۔ اس نے جانا اللہ نے ہر ہر لحاظ سے اس پر ایک بار پھر اپنی عنایات کی بارش برسات کر دی ہے اس کے بے قرار دل کو طمانیت بھرے احساس نے نرمی سے چھوا تو سابقہ ندامتوں کے احساس سمیت اس کا دل رب دو جہاں کے آگے فریاد کناں ہوا تھا۔

وہ شکر گزار تھا ہدایت کا ایک لمحہ خدا نے اسے عنایت فرمایا اور اسے دونوں جہاں میں عافیت اور کامیابی عطا فرما دی، اس کا دل اس کا رواں رواں رب سے یہی التجا کر رہا تھا۔

"اے ہمارے رب نہ پھیرنا ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں عطا فرما اپنے پاس سے رحمت بے شک تو سب سے بڑا عطا کرنے والا ہے۔"

❁.....◉.....❁

"عباس بھائی آپ کی مسز تو بالکل باربی ڈول لگتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی یہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ یہ شادی شدہ ہیں۔ جبکہ آپ نے انہیں دو دو بچوں کی اماں جان بنایا ہوا ہے۔" یہ اس کی چھوٹی بہن تھی زیب النساء جو خود بھی شادی کے بعد اچھی خاصی فربہ ہو رہی تھی جبھی اسے فاطمہ کی نزاکت و اسمارٹنس پر رشک آ رہا تھا۔ عباس محض ایک نظر ہی اس پر ڈال سکا۔ فاطمہ کی اس پل چھب ہی نرالی تھی۔ جگمگاتا ہوا روپ سروپ اور چہرے کی سحر انگیزی اس کے باوجود عباس نے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"ارے بھئی صاف لگتا ہے کہ عباس نے جی جان سے سنبھال کر رکھا ہے اپنی بیوی کو اور رکھنا بھی چاہیے آخر کو پسند کی شادی کی ہے۔" مہرۃ آپا نے بھی تڑکا لگایا تھا۔ فاطمہ کے پہلے سے گلابی پڑتے چہرے پر جیسے گلال بکھر گیا تھا۔

"بھئی میں نے تو یہ پہلی لڑکی دیکھی ہے جو شادی کے اتنے عرصہ بعد اور دو بچوں کی ماں بن کر بھی ایسی باتوں پر اتنا شرما رہی ہے۔" زیبی کے کہتے ہی سب کی توجہ فاطمہ پر مبذول ہو گئی۔ فاطمہ جو پہلے ہی نروس تھی کچھ اور بھی پزل ہو گئی۔ عباس کا ضبط یہیں تک تھا وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔

"ارے..... کہاں جا رہے ہو بیٹا، بیٹھو ناں۔"

اماں جان کی گود میں اس وقت اسامہ تھا اور وہ اس کے ناز اٹھانے میں مصروف تھیں مگر عباس سے بھی غافل نہیں تھیں۔

"میں وقاص سے مل لوں، بابا جان بتا رہے تھے کہ ان کی طبیعت بہتر نہیں۔" عباس کو راہ فرار کا بہانہ چاہیے تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ مزاج و عادات کی تفاوت کی بدولت ان دونوں بھائیوں کی آپس میں کبھی نہیں بن سکی تھی۔ عباس دھیما، نرم خو اور رحم دل انسان تھا جبکہ وقاص اس کے برعکس تھا۔

"ہاں بیٹا ضرور، اسامہ بیٹا بھائی کو لے جاؤ اپنے کمرے میں وقاص کے پاس۔"

اماں جان کے کہنے پر اسامہ فرمانبرداری سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کی گود میں اس کی چند دنوں کی بچی تھی۔

"ایمان کی جگہ تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بہت حیرانی ہو رہی ہے اسامہ، وقاص تو ایمان کے ساتھ.....!" عباس اپنی حیرت ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکا لیکن پھر کچھ احساس ہونے پر بات ادھوری بھی چھوڑ دی اسامہ کے چہرے پر ایک کربناک سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا۔ گہرا سانس بھرتی وہ دکھ سے مسکرانے لگی۔

"آپ کے جانے کے بعد یہاں بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں بھائی بہت نقصان بھی ہوئے مگر اب ان کا ملال کچھ کم ہونے لگا ہے۔ زخم بھی مندمل ہونے لگے ہیں۔ مجھے کسی بات کا تاسف نہیں رہا۔ میں بہت خوش

ہوں۔" گوکہ اس کا مقصد عباس کو کچھ بھی جتلانا نہیں تھا۔ اس کے باوجود عباس کو چپ لگ گئی تھی۔ وہ اسی گم صم سی کیفیت میں وقاص سے ملا۔ جبھی وقاص حیدر کا یکسر بدلا ہوا انداز بھی اسے نہیں چونکا سکا۔ اس کے اندر آگ سی جل اٹھی تھی۔ وہ کس کس نقصان پہ آنسو بہاتا۔

❁......◉......❁

"سب ٹھیک ہے نا بابا جان، میرے خیال میں تو اب کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔" لاریب چیزیں بیڈ پر پھیلائے بیٹھی تھی اور بابا سائیں کو دکھا رہی تھی جو اماں بی کے لیے اس نے خریدی تھیں۔ لاریب کے پچھلے کئی دن اسی شاپنگ میں صرف گزرے تھے۔

"ہاں بیٹا ٹھیک ہے بلکہ سب بہت اچھا ہے۔ لیکن گڑیا کے ٹوپے اور چوڑیاں بھول گئی ہو آپ، وہ بھی کل لے آنا۔" بابا سائیں کی نظر ایک کمی ڈھونڈ لائی تھی لاریب سر تھام کر بیٹھ گئی۔

"بابا جان پلیز، اب بس کریں، پھر بھی کمی۔" اس کے تھکے ہوئے احتجاجی انداز پر بابا سائیں شفقت بھرے انداز میں مسکرائے پھر اسے ٹوک دیا۔

"میری کسی بیٹی کو اللہ نے پہلی اولاد کی خوشی دکھائی ہے، کتنا ترسا ہوں میں اس وقت کے لیے [illegible] یہ خوشی تمہاری جانب سے بھی ضرور [illegible]" وہ لاریب کا سر تھپک کر محبت سے کہہ رہے تھے اور لاریب کے اندر کا خالی پن یکا یک بڑھتا چلا گیا تھا کتنی کوشش کی تھی اس نے خود کو کمپوزڈ رکھنے کی مگر کامیاب نہیں ہوسکی۔ وہاں سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آئی تو سینے میں موجود درد میں اضافہ ہو رہا تھا بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھتی وہ اپنے اندر گونجتے خالی پن کو محسوس کرتی بھیگی پلکیں جھپکتی رہی ماضی کا ہر ایک لمحہ پھر کسک دینے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

وہ ٹیرس پر سرد ہواؤں کی شوریدہ سری کو سہتی ایک بار پھر خود اذیتی کا شکار تھی جب سکندر نے اسے شال اوڑھا کر برفروختہ کردیا تھا تب اس کی توجہ اس کا التفات اسے یونہی جھلسایا کرتا تھا۔

"اگر میں کہتا آپ اندر آجائیں یہاں ٹھنڈ بہت ہے تو آپ ظاہر ہے بات نہ مانتیں۔"

"جب تمہیں اپنی حیثیت اپنی اوقات کا اچھی طرح اندازہ ہے تو پھر کیوں کرتے ہو بار بار خود کو ذلیل۔" شال اتار کر اس کے منہ پر مارتے ہوئے وہ ایک بار پھر اس کی عزت نفس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ سکندر کا سانولا چہرہ اس پل غضب کی سرخیاں سمیت لایا مگر زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا اس نے آج اسے اندازہ ہوا تھا اس نے کتنا ضبط آزمایا تھا سکندر کا اور وہ کس درجہ متحمل مزاج انسان تھا۔

"فضول ہے تمہاری یہ چاپلوسی، قیامت تک بھی لگے رہو تو میرا دل [illegible] جیت سکتے۔ مجھے بھی تمہاری ضرورت محسوس نہیں ہوئی [illegible] سے کہا تھا مگر اب گرتے ہوئے آنسو خود [illegible] کی بات کی نفی کر رہے تھے وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے سکندر، میں نے غلط کہا تھا۔" [illegible] دیر وہ یونہی سسکتی رہی۔ پھر کسی خیال کے تحت تیزی سے اپنا سیل فون ڈھونڈا اور سکندر کا نمبر ڈائل کیا۔ نمبر بند ہونے کی اطلاع پر اس کا جوش سے بھر جانے والا دل یکلخت ویران ہونے لگا۔

"نمبر کیوں بند ہے اس کا اللہ کرے سب خیریت ہو۔" اس کے دل میں پہلی بار اس کے حوالے سے تشویش نے سر اٹھایا جو گزرتے وقت کے ساتھ اتنی بڑھی کہ وہ کسی طرح بھی بابا سائیں پر یہ فکرمندی ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکی۔ جبھی ناشتے کے دوران اس نے بظاہر سرسری انداز میں تذکرہ چھیڑا تھا۔

"آپ کا سکندر سے رابطہ ہے بابا جان؟" اور چائے کا گھونٹ بھرتے بابا سائیں ٹھٹک گئے تھے وہ بیٹی کی بدگمانی سے آگاہ تھے جبھی یہ متفکرانہ انداز وہ بھی سکندر کے لیے انہیں بہت اچھا لگا تھا۔

"نہیں، لیکن وہ جانے سے قبل مجھ سے مل کر گیا تھا۔" ان کے جواب نے لاریب کی کسی طور بھی تسلی نہیں کرائی تو

مضطرب سی ہوتی اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔

"کتنے دن ہوگئے ہیں بابا جان، اسے آپ کو اپنے موجودہ حالات سے آگاہ کرنا چاہیے تھا مجھے پتا چلا ہے وہ اپنے خاندان کی تلاش اور جائیداد وغیرہ کی وصولی کی خاطر گیا ہے آپ کا کیا خیال ہے یہ سراسر حماقت نہیں۔ برسوں پرانی بات کو از سر نو اٹھانا اور اپنی حیثیت تسلیم کرانا ہرگز اتنا آسان کام نہیں ہے۔ محض چند لاکھ کی وراثت کی خاطر اس طرح اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا سمجھداری نہیں تھی۔" بابا سائیں اس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑتا دیکھ کر مسکراتے رہے۔

"لیکن بیٹے بات صرف وراثت کی تو نہیں تھی اصل تقاضا اس کی اپنی پہچان کا تھا اس کی فیملی نے اسے بے نام ونشان کرکے رکھ دیا تھا۔" ان کی بات سن کر لاریب نے ہونٹ بھینچ کر گہرا سانس بھرا۔

"پھر بھی بابا جان، جان سے بڑھ کر تو کچھ قیمتی نہیں ہوتا آج لوگ محض چند ہزار کی خاطر کسی کا قتل بڑی آسانی سے کر دیتے ہیں۔ اب اسے پہچان کی ضرورت [illegible] تھی۔" اس کی جھنجلاہٹ گھبراہٹ کی طرف جانے لگی۔

"ضرورت تھی بیٹے، اسے اس حیثیت سے [illegible] نہیں کیا گیا تھا۔" لاریب نے چونک کر انہیں دیکھا اور ان کی شاکی نظروں کی تپش کے آگے ٹھہر نہیں سکی۔ اس کا چہرہ خجالت وخفت کے احساس سے جھک گیا تھا۔ پھر اسی شام وہ اس بے چینی کے ہمراہ سکندر کے گھر چلی آئی۔ ملول سی اماں صحن میں بیٹھیں کونڈی میں مرچیں کوٹ رہی تھیں۔ اسے روبرو پا کر جیسے ان کے چہرے پر رونق سی آگئی۔ وہ بڑے والہانہ انداز میں اسے ملنے کو اٹھیں مگر پھر جھجک کر وہیں تھم بھی گئیں۔

"ماں صدقے، میری دھی رانی آئی ہے، بیٹھو پتر۔"

انہوں نے لپک جھپک اندر کمرے سے کھیس نکال کر چارپائی پر بچھایا یہ بھی خاص الخاص مہمان کے سواگت کا ایک عقیدت بھرا والہانہ انداز ہوا کرتا تھا گاؤں میں۔ لاریب عجیب سے احساسات کا شکار ہوکر رہ گئی۔

"آپ کے یہاں آنے سے صرف میرا گھر میرا مقدر ہی روشن نہیں ہوا ہے لاریب، اماں اور بابا کو بھی جیسے کوئی انمول خزانہ مل گیا ہے۔ کبھی آپ نے ان کے چہروں کو غور سے دیکھا ہے؟ ان سے یہ خوشی سنبھالی نہیں جاتی ہے اور وہ آپ کی کسی کرسٹل کی گڑیا کی طرح اس لیے بھی حفاظت کرتے ہیں کہ انہیں آپ کے جذبات واحساسات کی بھی پروا ہے۔ کبھی اپنے خود ساختہ دکھوں سے نکل کر اپنے اطراف میں نگاہ تو ڈالیں آپ کو اندازہ ہوگا کتنے لوگوں کی خوشی آپ کے چہرے کی مسکان سے وابستہ ہے۔ میں خود آپ سے کوئی تقاضا نہیں کرتا مگر میرے والدین کے ساتھ آپ عزت سے پیش تو آسکتی ہیں نا۔"

سکندر نے [illegible] ایک گلابی جاڑے کی شام اسے گمبھیر لہجے میں جتلا [illegible] کر کتنے دل سوز انداز میں کہا تھا اور جواب میں [illegible] اس سے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔

"تم [illegible] نے تمہارے والدین کی خوشیوں اور عزت افزائی کا ٹھیکہ [illegible] لے رکھا ہے مجھے وہ میری نہیں تمہاری ذمہ داری ہیں۔"

"کیا ہوا پتر بیٹھو نا، میں چائے بناتی ہوں، سکندر کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے حکیم جی سے دوائی لینے گئے ہیں کب سے انتظار کر رہی ہوں۔" گم صم کھڑی لاریب اماں کی آواز پر چونکی اور انہیں شانوں سے تھام کر رسان سے واپس پیڑھی پر بٹھا دیا۔

"چائے رہنے دیں اماں مجھے طلب نہیں اور بابا کو کیا ہوا ہے؟"

"سکندر کا غم کرتا ہے اتنے دنوں سے تاپ چڑھا کے لیٹا ہوا ہے۔ جذباتی ہوکر بھیج تو دیا ہے پر اب کہتا ہے غلطی ہوگئی وہ تو بہت خطرناک لوگ تھے۔ جب سے گیا ہے سکندر کا ایک بار بھی ٹیلی فون نہیں آیا۔" وہ ہاتھ مسل کر رہ گئیں اور لاریب کا دل دھک سے رہ گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ بے جان سی ہوکر وہیں بیٹھ گئی۔ اسے سکندر کے وہ الفاظ یاد آئے جو اس نے دم رخصت لاریب سے کہے تھے۔ کتنا ٹوٹا ہوا اور مایوس لگتا تھا اور اس ٹوٹے ہوئے مان ویقین

کے ساتھ وہ کوئی محاذ سر کر بھی کیسے سکتا تھا۔ اسے بے چینی و ملال کے ساتھ خوف کا احساس بھی گھیرنے لگا۔

"تمہاری اس شکستگی اور تکلیف کا باعث میں ہی بنی ہوں سکندر، اگر تمہیں کچھ نقصان پہنچا تو میں بھی خود کو معاف نہیں کرسکوں گی۔" اس کے آنسو بے آواز بہتے جا رہے تھے۔

❁......◉......❁

سکندر نے گہرا کش لے کر دھواں فضاء میں بکھیرا اور سگریٹ باہر ٹیرس پر پھینک دیا۔ عجیب سی بے دلی اور یاسیت اس کے اندر گھر کرتی جارہی تھی۔ ساتھ ہی مجرمانہ احساس بھی وہ کم از کم اماں بابا کو اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دینا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا وہ لوگ لازماً لاریب کو اس خوشی کی خبر میں شامل کریں گے اور وہ یہی نہیں چاہتا تھا۔

"آج آفس جانے کا ارادہ نہیں ہے مغل اعظم۔" فراز اس کے کمرے میں یونہی بنا اجازت آیا کرتا تھا اور جب سکندر نے اسے ٹوک کر اپنی پرائیویسی کا احساس دلا[illegible] تو جواب میں وہ دانت نکوس کر بولا تھا۔

"میں جانتا ہوں میری جان تم ابھی سنگل ہو [illegible] روز قابل احترام لاریب صاحب تشریف لے آ[illegible] روز سے ہم تمہارے خلوت کدے میں [illegible] دروازہ بجا کر اجازت ملنے پر قدم رنجہ فرمایا [illegible] گے۔ کیونکر فکر کرتے ہو میرے شہزادے۔" اور سکندر گہرا سانس بھر کر خاموش رہ گیا۔

"دل تو یہی چاہ رہا ہے یار، طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے۔ آج تم مجھ پر استادی جھاڑنے کے بجائے خود ہی آفس دیکھ لینا۔ میں کرتا بھی کیا ہوں سوائے تمہارے احکامات کی تعمیل کے۔" سکندر کے بیزار کن انداز پر فراز اسے آنکھیں نکالتا گھورتا رہ گیا تھا۔

"اب کیا کہوں یار تم سے، سوائے اس کے کہ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔" فراز بولتا چلا گیا تو سکندر کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"ہاں تو آج یہ زحمت تم کرلینا۔ میں آرام کرلیتا ہوں۔" اس نے فراز کے پھولے ہوئے گال پر اپنی انگلیاں بجائی تھیں۔ فراز نے غصے میں آکر اس کا وہی ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا۔

"زیادہ بہانے مت بناؤ کیسے تم آفس چل رہے ہو۔"

"تم بھی سن لو میں تمہاری بیوی نہیں ہوں کہ جس کے ساتھ تم اس طرح کی حرکتیں کرو اور اس پر رعب جھاڑو سمجھے۔" سکندر نے مصنوعی غصے سے کہا اور اسے دروازے کی جانب دھکیلا تو فراز نے جھینپتے ہوئے اسے گھونسا رسید کردیا۔

"بکومت۔ تمہیں [illegible] ہے میں اپنی بیوی کو کتنی گھاس ڈالتا ہوں۔" وہ جھنجلایا۔ [illegible] نے پر بولا تھا۔

"سنو تم [illegible] تمہاری لاریب صاحب کی ایک بڑی اور ایک [illegible] بھی ہے یار چھوٹی والی سے میری شادی کرا [illegible] کی بڑی جائیداد میں سے مجھے بھی کچھ [illegible] جائے گا۔ دعائیں دوں گا تمہیں۔" وہ [illegible] مار کر کہہ رہا تھا۔

"[illegible] اب...... امامہ کی شادی ہوچکی ہے۔"

"اوہ......؟" فراز نے منہ لٹکا لیا تھا۔ تب ہی سکندر کی نظر کھلے دروازے کے پار کھڑی لاریب سے جا ملی جس کا فق چہرہ دیکھ کر وہ اندازہ لگا سکتا تھا وہ ان دونوں کی مذاق میں کہی بات بھی دل پر لے چکی ہے۔

"ارے بھابی...... آیئے نا۔" سکندر فوراً سنبھلا۔ اس کے چہرے پر لاریب کی دل آزادی کے خیال نے خفت بکھیر دی تھی۔ فراز نے اس کی بات سن کر ہی گردن موڑی تھی مگر لاریب کو روبرو پا کر اس کی تیوری چڑھنے لگی۔

"نہیں شکریہ، سکندر بھائی میں......!" لاریب نے ایک جھجکی ہوئی نظر فراز پر ڈالی اس کا اعتماد فراز کے چہرے کے کبیدہ تاثرات نے بالکل ختم کردیا تھا۔ سکندر کو اس لڑکی پر رحم آیا۔

"جی...... جی فرمایئے۔" وہ پوری طرح سے متوجہ ہوا اور نرم لہجے میں کہہ کر گویا حوصلہ بڑھایا۔

"مجھے فراز سے کچھ بات کرنی تھی سکندر بھائی۔" وہ ہکلا کر بولی تھی فراز کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ اس نے ایک سرد نظر اریبہ کے پھیکے پڑتے چہرے پر ڈالی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں جا رہا ہوں سکندر، دس منٹ میں باہر آؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" فراز کا لہجہ انداز یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ سکندر کو بالکل اچھا محسوس نہیں ہوا مگر وہ خاموش رہا۔

"م...... میری...... بات سنیں فراز۔" اریبہ اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر فراز نے اسے بری طرح دھتکارا۔

"شٹ اپ مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"فراز......" وہ جیسے بلکی تھی فراز نے چلتے ہوئے رک کر اسے خوفناک حد تک سرد نظروں سے دیکھا۔

"میں نے کہا ہے یہاں سے جاؤ ایسا نہ ہو مجھے تمہیں اس گھر سے بھی نکالنا پڑ جائے۔" وہ بولا نہیں غرایا تھا۔ اریبہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ سکندر نے تاسف میں مبتلا ہو کر ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"سکندر بیٹے ناشتہ نہیں کر کے جاؤ گے......" ممی کی آواز تھی۔

"نہیں، میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" اس کی آواز میں نرمی اور رسان تھا۔

"اچھا آفس میں کچھ کھا لینا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔ سکندر محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"بی کیئر فل سکندر بھائی، ان کی محبت بھی خطرناک خراج وصول کر سکتی ہے۔" اپنا بیگ اور سیل فون سنبھالے پورٹیکو کی جانب جاتے نبیل نے مسکرا کر تنبیہ کی تھی سکندر کاندھے اچکا کر مسکرا دیا۔ نبیل چلا گیا تو سکندر نے بھرپور سنجیدگی کے ساتھ فراز کو دیکھا جو مسلسل ہارن بجا رہا تھا۔

"خیال رکھا کرو، میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔" وہ اس کی تاخیر پر اچھا خاصا جھنجلایا ہوا تھا۔

"مجھے اریبہ بھابی کے لیے تمہارا رویہ بالکل اچھا نہیں لگا۔ جو بھی اختلاف ہے اسے بیڈ روم تک رکھو۔ گھر میں تماشا مت بناؤ۔" فراز چونکا پھر طنزیہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"چلو تمہاری اعلیٰ ظرفی کے مظاہرے بھی دیکھ لیں گے بس لاریب بی بی کو آنے دو۔" سکندر کے سانولے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"تم ہر بات میں خود کو مجھ سے کیوں کمپیئر کرتے ہو؟" وہ غصے سے بولا۔

"کیونکہ میں تم سے متاثر بہت ہوں۔ کاش تمہاری جگہ میں آفو چاچو کا سپوت ہوتا تو آج تمہاری طرح ہرگز یہاں سڑ نہ رہا ہوتا تم تو احمق ہو جس روز کوئی نقصان اٹھایا پھر رونا سر پکڑ کر۔" فراز نے خراب موڈ کے ساتھ کہتے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

❋......●......❋

[illegible] منتظر نظروں سے کھڑکی کے پار دیکھا۔ جہاں عباس حیدر ٹیرس پر سگریٹ کے کش لیتا ٹہلنے میں مصروف تھا۔ اسامہ سو چکا تھا اور دیا کو کاندھے سے لگائے وہ [illegible] کے لیے فکر مند تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی عباس کے اضطراب کو مگر بے بسی یہ تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی درد سمیٹ سکتی تھی نہ ہی کوئی غم بانٹنے پر قادر تھی۔ انہیں یہاں آئے آج دوسرا دن تھا مگر دونوں ایک چھت تلے بھی صدیوں کی دوری پر تھے۔

فاطمہ کو لگتا تھا اس نے جو سفر صدیوں کی مسافت کر طے کیا تھا منزل پائی تھی وہ تو جیسے کوئی خواب کا حسین وقفہ تھا۔ وہ آج تو کیا عباس حیدر کے دل میں کبھی بھی جگہ نہیں پا سکتی تھی۔ وہ اسے دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا نہ ہی اسے اتنی جرأت دینے پر آمادہ تھا کہ وہ اسے از خود مخاطب ہی کر لے۔ کل رات جب وہ اسی طرح ٹیرس پر آدھی رات تک سرگرداں رہا تھا تو فضا میں گھری ہوئی خنکی کے باعث فاطمہ اس کے لیے شال لے گئی تھی تو کتنی بری طرح سے ڈانٹا تھا اس نے۔

"تمہیں اتنی جرأت ہوئی کیسے کہ میری تنہائی میں مداخلت کرو تمہاری حدود تمہیں بتا چکا ان سے تجاوز کرنے کی کبھی غلطی نہ کرنا سمجھیں، ورنہ میں اس مجبوری

کو بھی فراموش کر ڈالوں گا جو اپنے بچوں کی وجہ سے میں نے قبول کی ہے۔" فاطمہ احساس شرمندگی و ذلت سے گڑھ کر رہ گئی۔

"تم بچوں کے ساتھ بیڈ پر سو جاؤ۔" وہ کارپٹ پر اپنا بستر بچھا رہی تھی جب عباس نے اندر آ کر اسے ٹوکا۔ دل کسی خوش فہمی کے احساس سمیت زور سے دھڑکا۔

"اور آپ......؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان بے اختیاری میں پھسل گئی۔

"میری فکر میں ہلکان ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں۔" درشتی سے کہہ کر وہ صوفے پر جا بیٹھا۔ اسی لمحے دروازہ بجا تھا۔

"یس کم ان۔" عباس سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"بھائی جان آپ کو اور بھابی کو اماں جان بلا رہی ہیں۔ بلکہ ایسا کریں آپ جائیں بھابی کو میں تیار کر کے وہاں لاتی ہوں۔" چہکتی مسکراتی زیبی اندر آ کر بولی تھی۔

عباس نے الجھ کر استفہامی نظروں سے اسے دیکھتے جھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ وہ اپنی ماں [illegible] کے علاوہ بھائی اور باپ کے سامنے بھی احتراماً [illegible] نہیں کرتا تھا۔ فاطمہ اس کی عادت و اطوار کی شائستگی و نفاست کی بدولت دل میں اس [illegible] عقیدت محسوس کرنے لگی تھی۔

"آیئے بھابی کوئی اچھا سا شوخ اور پیارا سا جوڑا نکال کر پہن لیں۔ پھر میں آپ کو تیار کرتی ہوں۔" زیبی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اپنے بے تکلف لہجے میں کہا۔

"ان فضولیات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے زیبی، میں نے اماں جان کو منع کیا تھا کہ......!"

"کیوں ضرورت نہیں ہے بھائی جان؟" زیبی اس کی بات کاٹ کر سخت احتجاجی انداز میں بولی جبکہ فاطمہ جو بہر حال ہر بات سے بے خبر تھی عباس کے موڈ کی ناگواریت کو بھانپ چکی تھی اور خائف ہوئی جاتی تھی۔

"زیبی آپا عباس ٹھیک کہتے ہیں ان......!" اس کی آواز حلق میں گھٹنے کی وجہ عباس کی تحقیر آمیز انداز میں خود پہ اٹھتی نظریں تھیں۔

"اُفوہ...... بھئی مان لیا آپ لوگوں کی انڈر اسٹینڈنگ کو ٹھیک ہے آپ کو ضرورت نہیں ہوگی مگر بھائی جان یاد کریں اماں جان کو آپ کی شادی کا کتنا ارمان رہا تھا آپ کی دلہن کے حصے کا زیور آج بھی سنبھال کر رکھا ہوا ہے انھوں نے۔ انہی رسموں کے بہانے دیں گی آپ کو پھر یہ تو ان کے دل کی بڑی معمولی سی خواہش ہے چھوٹی بہو کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کی۔ آپ کا کیا جائے گا اگر وہ اپنی خواہش پوری کر لیں گی۔" وہ عباس کا بازو پکڑ کر لجاجت سے منانے کی کوشش کر رہی تھی۔ [illegible] زیبی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے پلٹ کر چ[illegible]

"[illegible] کچھ عجیب سے ہو گئے ہیں کیا آپ [illegible] جانتے ہیں یا صرف پیار ہی کرتے ہیں۔" [illegible] انداز پر فاطمہ [illegible] کر گئی۔

"[illegible] بھائی کے موڈ سے خائف ہو کر آن [illegible] خود ہی اماں جان بحال کر لیں گی۔ تم یہ [illegible] پہن کر آؤ جلدی سے۔" زیبی کی بے تکلفی عروج پر تھی۔ اس نے لمحوں میں آپ جناب سے تم تک کا سفر طے کیا تھا۔

"اماں جان نے ان رسموں کے لیے رات کا وقت اس لیے رکھا کہ بچے سو جائیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ پھر اس میں بھائی جان کا بھی فائدہ ہے۔" اس نے شوخ انداز میں کہتے ہوئے فاطمہ کو آنکھ ماری تھی۔ فاطمہ نے تو شرم سے دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا۔

"آپ کی یہی ادائیں میرے بھائی کو لے ڈوبی ہیں یقیناً۔" زیبی نے میرون بنارسی ساڑھی نکال کر اسے تھمائی۔ فاطمہ ایک دم سے جھجک گئی۔ عباس کے سامنے اس سج دھج سے جانے کا خیال ہی اسے پریشانی میں مبتلا کرنے لگا۔ جبھی اس نے ساڑھی واپس رکھ کر کوئی اور لباس لینا چاہا تھا مگر زیبی شور مچانے لگی۔

"اُفوہ فاطمہ بھابی، کیا کرتی ہو بھئی۔ اماں سے مار

پڑوائیں گی مجھے، ان کے خیال میں تو یہ لباس بھی بہت سادہ سا ہوگا۔ مگر کیا کروں تمہارے سارے کپڑے ہی سادہ سے ہیں چلو اب یہی فی الحال پہن لو دیر ہو رہی ہے وہاں تو سب منتظر بیٹھے ہیں۔" زیبی کے عجلت مچا دینے پر فاطمہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ چپ چاپ اس کی مان لیتی، زیبی نے اس کے لمبے بالوں کو سمیٹ کر چوٹی بنائی اور اس کے بعد اس کا میک اپ کرنے لگی۔

"گو کہ تمہیں اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے مگر کبھی کبھار تقاضے نبھانے پڑتے ہیں۔" زیبی کے ستائشی انداز میں اس کے لیے سچی تعریف چھلک رہی تھی۔ فاطمہ اتنی گھبراہٹ کا شکار تھی کہ مسکرا بھی نہ سکی اسے عباس کا متوقع ردعمل ابھی سے کنفیوژ کر رہا تھا۔

"زیبی آپا، میں سر پر کوئی اسکارف لے لوں۔" فاطمہ کو کھلے سر سب کے سامنے جاتے جھجک آ رہی تھی زیبی نے فوراً ٹوک دیا۔

"ارے ساڑھی کے ساتھ کون سر ڈھانپتا ہے، پھر وہاں کوئی غیر تھوڑی ہے، چلو آؤ۔" وہ اسے کچھ کہنے سننے کا موقع دیے بغیر ہاتھ پکڑ کر ہال کمرے میں لے آئی۔ جہاں رات کے اس پہر بھی دن کا سماں تھا۔ ساری آرائشی لائٹیں روشن تھیں۔ حویلی کے سبھی افراد اس وقت یہاں جمع تھے۔ اتنی چہل پہل تھی گویا باقاعدہ کسی تقریب کا انعقاد ہو۔

فاطمہ کی آمد کے ساتھ خوشگوار قسم کی ہلچل مچ گئی۔ سب نے اپنے اپنے انداز میں اسے وش کیا۔ اماں جان نے اٹھ کر اس کی بلائیں لیں اور اسے تھام کر بے حد محبت کے ساتھ کسی حد تک خاموش اور خفا نظر آتے عباس کے پہلو میں بٹھا دیا۔ فاطمہ کے وجود میں جیسے برقی رو سرائیت کر گئی تھی اور دل اپنی رفتار بھولنے لگا۔ عباس کے احساسات کی اسے خبر نہیں تھی مگر وہ ضرور اس پل جیسے انمول ہوگئی تھی ہر لحاظ سے۔

"ماشاء اللہ، دیکھیں عباس کے ابا ہمارے بچوں کی جوڑی بالکل چاند سورج سے مشابہہ ہے۔" باری باری دونوں کی پیشانی چومتے وہ خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔

عباس کا چہرہ ایک دم دھواں دھواں ہوگیا۔

کسی اذیت کے پل صراط سے گزرتے اس نے ہونٹوں کو باہم بھینچا تھا۔ جب زیبی کی اس پر نظر پڑی۔

"اُفوہ، بھائی جان اب تو موڈ ٹھیک کریں دیکھیں کتنا حسین بنا کر لائی ہوں آپ کی بیوی کو ایک طرح سے آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ کی بیوی کو نئی نویلی دلہن بنا دیا۔ یوں سمجھیں آج ہی آپ کی شادی ہوئی ہے۔" زیبی نے کہا تو باقی سب بھی ہنس دیے۔

"چلیں اب مسکرا بھی دیں جانتی ہوں آپ کے من میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔" زیبی نے شوخ انداز میں کہتے ہوئے اس کے بال بگاڑ دیے۔ عباس نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا۔

بھی بڑی اماں جان، امامہ اور اس کی دونوں بہنیں مختلف ریمارکس کس رہی تھیں، وہ خود پر جبر کرتا جھنجھلانے لگا تھا اور اس کے موڈ سے خائف فاطمہ بھی اس حسین ترین وقت کو خدشات کی نذر کرتی رہی۔

"تمہاری دلہن کے ہاتھ چوڑیوں سے کیوں خالی ہیں عباس چلو یہ کنگن اور چوڑیاں پہناؤ اسے۔" اماں جان نے عباس کو سرزنش کی۔

"یہ چوڑیاں اور کنگن ہماری خاندانی نشانی ہے بیٹے انہیں کبھی بھی ہاتھوں سے نہ اتارنا ہمارے ہاں بہوؤں کے ہاتھ سونے نہیں رہتے۔" اب وہ فاطمہ سے مخاطب تھیں۔ یہ محبتیں اس کے وجود پر عباس کے لگائے نشتروں پر جیسے پھاہے رکھ رہی تھیں۔

"چلو عباس بیٹے پہناؤ اپنی دلہن کو یہ۔" اماں جان نے فاطمہ کی فرمانبرداری کے مظاہرے پر نہال ہوتے پھر سے اس کی پیشانی چومی۔

"مم.... میں...... کیسے پہناؤں اماں جان، مجھے بھلا ان کاموں کا کیا تجربہ؟" وہ کسی طرح بھی اب کے اپنی برہمی اور جھنجھلاہٹ نہیں چھپا سکا۔

"ارے ویسے ہی جیسے پہناتے ہیں اتنا عرصہ ہوگیا شادی کو کیا تم نے اسے کبھی چوڑیاں نہیں پہنائی ہوں گی۔ شرماتے کیوں ہو یہ رسم ہی ہے۔" اماں بیٹے کی جھنجلاہٹ محسوس کیے بغیر محبت سے مسکرانے لگیں۔

عباس زچ ہوگیا۔

"یہ خود پہن لیں گی اماں جان، فاطمہ آپ پہن لیں۔" اس کے لہجے کی جھنجلاہٹ کو فاطمہ نے سمجھ لیا تھا۔

"اتنی چھوٹی لگتی ہیں دیکھنے میں یہ پھر شادی کو بھی اتنا عرصہ بیت گیا آپ اسے ابھی تک آپ کیوں کہتے ہیں آخر؟" زینی کے اختلاف کی وجہ بہت عجیب تھی۔

"رعب حسن ہی اتنا ہے کیا کرے کوئی۔" جواب زینی کے شوہر تنویر نے دیا تھا۔ عباس جھلس کر رہ گیا۔ فاطمہ کی تو جیسے جان ہوا ہوگئی تھی۔

"اتنا حسین روپ اس پر یہ ادائیں ہمارے بھائی بے چارے تو اب تک خواب وخیال کے سلسلے میں بھٹکتے ہوں گے ہے نا فاطمہ؟" زینی مزید گوہر افشانی کر رہی تھی۔

فاطمہ کا رنگ یکدم سرخ پڑ گیا۔

"اس طرح ڈر ڈر کر کیوں دیکھتی ہیں آپ کی بیگم ہیں جناب، ڈٹ کے دیکھیں بلکہ فرمائش کریں کہ چوڑیاں اپنے ہاتھ سے پہنائیں آپ کو فاطمہ بہت سے رہ گئی اسے لگا اب اس کی خیر نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے عباس ہم سب سے جان چھڑا رہا ہے دیکھو ذرا اس کی دلہن اتنی پیاری لگ رہی ہے کہ یہ تنہائی چاہتا ہے۔" مہرو آپا نے تو جیسے انتہا ہی کردی۔ خواتین کے ساتھ مرد حضرات بھی ہنسنے لگے بہت خوشگوار اپنائیت آمیز ماحول تھا۔

عباس ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا۔

"ارے... ارے....." صرف اماں جان بوکھلائی تھیں۔ باقی سب کی ہنسی میں اضافہ ہوا تھا۔ فاطمہ سن پڑنے لگی۔ دل اندر ہی اندر گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

"دیکھا، کہا تھا نا میں نے۔" مہرو آپا کا اپنے قیاس پر سو فیصد یقین اب بھی قائم تھا۔

"چلو آؤ تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ دوں لیکن یہ چوڑیاں تم اسی سے پہننا ہمارے سامنے شرما رہا تھا۔" مہرو آپا نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا اور ایک زور سے ہنسی۔

اماں جان نے بیٹی کو اس بے حجاب مذاق پر گھورا تھا۔

باپ اور بھائی کی موجودگی کے ساتھ وہ بہنوئی کا بھی لحاظ نہیں کر رہی تھی۔ مہرو آپا فاطمہ کو اس کے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر چلی گئیں۔ فاطمہ کو کمرے میں جانا اور عباس کا سامنا کرنا دنیا کا دشوار ترین کام لگ رہا تھا۔ دل کڑا کر کے دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور دروازہ وا کیا۔

اندر تو بہر حال جانا ہی تھا۔ یہاں کھڑے رہ کے بھی گزارا نہیں ہوسکتا تھا۔ اندر آ کر اس نے ہاتھ میں موجود چوڑیوں اور کنگن کے کیس کو بستر پہ ڈالا اور اپنے کپڑے لیتے تیزی سے آگے بڑھی ہی تھی کہ واش روم کا دروازہ کھولتا عباس اس کے سامنے آ گیا۔ صورت حال گمبھیر ہوگئی تھی کمرے کے بیچوں بیچ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔ فاطمہ نے شپٹا کر نظریں چرائیں اور کترا کر نکلنا چاہا کہ عباس نے یکدم جھپٹ کر اس کی کلائی جکڑ لی۔ فاطمہ کے سارے وجود میں خوف کی سرد لہر دوڑتی چلی گئی۔

"آج کے بعد میں تمہیں دوبارہ میرون ساڑھی میں نہ دیکھوں، سمجھیں؟" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اپنی تیاری کر رکھو، تمہیں صبح واپس جانا ہے یہ سب کچھ عریشہ کے لیے تھا اگر وہ نہیں پا سکی تو تمہارے لیے بھی نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔

عباس نے تنفر زدہ انداز میں اس کا ہاتھ جھٹکا۔ فاطمہ زرد چہرہ لیے واش روم میں چلی گئی۔ جب وہ باہر آئی تو عباس بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔

عباس نے تکیہ اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تو چوڑیوں کے کیس سے ٹکرا گیا۔ اس نے بھنوئیں اچکا کر پہلے چوڑیوں کے ڈبے کو پھر فاطمہ کی طرف دیکھا اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"اماں کی بات سنی تھی تم نے، یہ خاندانی زیور ہیں

ہمارے اتنی بے پروائی سے پھینکنے کا مقصد کیا ہے؟" عباس نے اشتعال میں آتے چوڑیاں اٹھا کر کارپٹ پر پھینک دی تھیں۔ فاطمہ اس کے عمل پر بوکھلاتی تیزی سے آگے بڑھ کر بکھر جانے والی چوڑیاں اکٹھی کر رہی تھی۔ مگر اس کوشش میں ادھ بنے جوڑے میں لپٹے بال ڈھیرے ڈھیرے کھل کر اس کی نازک کمر اور شانوں پر ریشم کے لچھوں کی مانند بکھر گئے۔

اس کی جانب متوجہ عباس تمام تر نفرت کے باوجود اس حسین منظر کی سحر انگیزی و دلفریبی کی زد میں آنے سے خود کو بچا نہیں سکا وہ بنا پلکیں جھپکے گم صم اسے تکتا چلا گیا۔

"یہ وہاں کیوں رکھ رہی ہو کیا کہا تھا اماں نے اتنی جلدی بھول گئیں؟" فاطمہ کو چوڑیاں اور کنگن بھی سازھی کے ساتھ بیگ میں رکھتے پا کر وہ اسے بے اختیاری کی کیفیت میں کہہ گیا تھا۔

"ان کی بات کی بھی اہمیت ہے تمہارے نزدیک یا نہیں۔" اس کا انداز ڈپٹنے والا تھا۔ فاطمہ کے چہرے پر جانے کس جذبے کے تحت روشنی سی چھا گئی۔ عباس نے چپ چاپ کنگن کا ڈبہ بھی اس کی گود میں ڈال دیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے کنگن کیس کھولنا چاہا تو کلائی میں موجود چوڑیاں [illegible] جو اس سے نظریں چرا رہا تھا چونک کر [illegible] میں جتلا پا کر گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

"اففو..... یہ ایسے نہیں پہنے جاتے نان سنس۔" کنگن سے طبع آزمائی کرتے فاطمہ کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔ جبھی عباس نے خفگی سے کہتے اس کے ہاتھ سے لے کر کنگن کا لاک کھولا اور کنگن اسے پہنا دیے اس کی نگاہ بار بار بہک رہی تھی۔ وہ تو جیسے مشکل میں پڑ گیا تھا۔

دوسری جانب فاطمہ تھی جو اس درجہ مہربانی و عنایت پر حیران نظر آ رہی تھی۔ وہ حواسوں میں رہتی بھی تو کیونکر، وہ جادوگر آنکھوں والا بے حد حسین شخص ایک دم روپ بدل کر اسے خوابوں کی نگری میں لے گیا تھا۔ معاً عباس اس سحر سے آزاد ہوا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ فاطمہ کا بے خود انداز اس کے اندر الاؤ دہکانے لگا۔ اسے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے سے ہٹاتا وہ تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

❁......۞......❁

اس نے جائے نماز تہہ کر کے رکھی اور غیر محسوس انداز میں آنکھوں کی نمی پونچھی۔ سکندر سے نہ ہونے والے رابطے نے اس کے اندر عجیب سے سناٹے اتار دیے تھے۔ ہر نماز میں اللہ سے اس کی خیریت و عافیت کی دعا مانگتے اپنی کوتاہیوں کا احساس اس کی آنکھیں نم کرنے لگتا تھا۔ اس نے کچھ سوچا پھر بابا سائیں کے کمرے کی جانب چلی آئی۔

"میں اندر آ جاؤں بابا جان۔" دستک دینے کے بعد اس نے سابق انداز میں اجازت چاہی تو بابا سائیں نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔

"مجھے بہت خوشی ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ مجھے میری دعاؤں کی بیٹی واپس مل گئی ہے جسے میں کچھ عرصہ پہلے کھو چکا تھا۔" اریبہ بھاری دل سے محض ان کی خاطر مسکرا دی۔

"کبھی کبھار مجھے لگتا ہے بابا جان آپ نے مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت و اہمیت دے کر باقی دونوں کی حق تلفی کر دی ہے مگر پھر خیال آتا ہے محبت میں کمی بیشی میں ذاتی اختیار نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس معاملے میں اللہ نے بھی رعایت دے رکھی ہے مگر بابا جان انصاف کے تقاضوں کو ضرور ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے کہ حکم خداوندی یہی ہے اس کے متعلق ضرور سوال ہوگا۔" بابا سائیں اس کی بات پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر سر اٹھا کر سنجیدگی و متانت سے اسے دیکھا ان کی نظریں سوالیہ انداز لیے تھیں۔

"آج میری بیٹی بہت اہم بات کر رہی ہے مجھ سے بھی جانے انجانے میں غلطیاں ہوتی ہیں جن کا بسا اوقات ہمیں خود بھی ادراک نہیں ہوتا میں اللہ سے توفیق مانگتا ہوں۔"

"پہلے تو اس پوائنٹ پر میں بھی غور نہیں کر سکی تھی بابا جان مگر آج اچانک ہی یہ بات میرے ذہن میں آ گئی

تو......؟" وہ جیسے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا گئی۔

"ایمان بجو اور میری غلطی میں بہت معمولی سا فرق تھا مگر انہیں ہم نے نہ معاف کیا نہ گنجائش نکالی بابا جان اگر آپ مجھے سکندر کے ساتھ رخصت کرسکتے تھے اس رشتے کو قبول کرتے ہوئے تو پھر......؟" بابا سائیں کے چہرے پر لمحہ لمحہ بدلتے تغیر کو دیکھتی لاریب نے یکدم اپنی زبان روک لی۔ بابا سائیں جبراً مسکرائے اور اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔ لاریب نے کچھ کہنے سے قبل اپنی جگہ چھوڑی اور ان کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"مجھے آپ سے بہت محبت ہے بابا جان۔ میں یہ نہیں کہتی کہ جو کچھ بجو نے کیا وہ ٹھیک تھا یا آپ نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی کی۔ میں تو صرف یہ کہتی ہوں کہ میرے اور ان کے عمل میں......!"

"میں سمجھ سکتا ہوں لاریب بیٹے اور مجھے فخر ہے اس بات پر کہ میری بیٹی اتنی اعلیٰ ظرف ہے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی یا غلطی کو تسلیم کرتی ہے بلکہ مجھے گائیڈ کرنے کی کوشش میں بھی مصروف ہے۔ بیٹے میں آپ کو یقین دلاؤں کہ ایمان کو تو میں کب کا معاف کرچکا ہوں۔ یاد تو مجھے بھی بہت آتی ہے وہ دل اس کے لیے ویسے ہی تڑپتا ہے جیسے تمہارے یا امامہ کے لیے لیکن اب تو برسوں کے بعد کبھی پلٹ کر خبر ہی نہیں لی میں ڈھونڈتا بھی تو کہاں؟" لاریب نے دیکھا ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو لرزاں تھے لاریب کا دل غم سے بوجھل ہوکر پھٹنے کے قریب ہوگیا۔

"بابا جان اگر میں انہیں ڈھونڈ لوں تو آپ انہیں......!"

"میں اسے معاف کرچکا ہوں مگر آپ اسے ڈھونڈو گی کیسے؟" بابا سائیں کی حیرانی اپنی جگہ قائم تھی۔ لاریب کے پرتمکنت چہرے پر مبہم سی مسکان بکھری۔ البتہ آنکھوں میں آ ٹھہرنے والا سوز ہنوز قائم تھا۔

"میں انٹرنیٹ کے ذریعے سب پتا لگا لوں گی بابا جان، اس لڑکے کا نام شرجیل علوی ہی تھا نا جس سے انہوں نے شادی کی، کراچی سے ہی بی لانگ کرتے ہیں وہ لوگ۔" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا بابا سائیں خاموش سے اسے دیکھے گئے۔

"بابا جان میں سکندر کے والدین کو یہاں حویلی میں لانا چاہ رہی تھی وہ لوگ وہاں تنہا ہیں اور سکندر کی غیر موجودگی کے باعث اداس بھی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹے میرا نہیں خیال کہ تمہیں میری اجازت لینی چاہیے تھی انہیں اپنے ساتھ ہی یہاں لے آتیں آخر وہ اب ذمہ داری ہیں تمہاری، بات صرف ان کی اداسی کی نہیں ہے مجھے تو اپنی بیٹی بھی اداس لگتی ہے۔ سکندر کو بتا کے کا یہ تبدیلی کا تو بہت اچھا لگے گا اسے۔" انہوں نے مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر ماحول کو یکدم بدل ڈالا۔ لاریب کو یہاں تو قع تھی ان سے ایسی بات کی یہ جیران ہوئی پھر اس قدر جھینپی اور پھر کچھ کہے بغیر اس نے ان کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ دیا اس کا دل اس کی آنکھیں ایک اداسیاں سمیٹ لائی تھیں۔

"وہ جب گیا تو مجھ سے بہت خفا تھا بابا جان، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر ہم سے رابطہ نہیں کررہا۔" اس کے لہجے میں خدشات تھے۔

"نہیں بیٹا، وہ ایسے چھوٹے ظرف کا مالک نہیں ہے، اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہوگا وہ کام ہرگز بھی آسان نہیں تھا۔"

"آپ اس کی فیور نہ کریں بابا جان، میری بات بے جا نہیں ہے ایسی بھی کیا مصروفیات کہ ایک فون نہ کیا جاسکے۔" وہ صرف شاکی نہیں ہوئی جھنجلائی بھی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے جب آئے گا تو میں اس کے کان کھینچوں گا۔ آخر اس نے میری بیٹی کی پریشانی کا خیال کیوں نہیں کیا اسے فون کرنا چاہیے تھا۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ لاریب پھر بلش کرگئی بابا سائیں مسکراتی آسودہ آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے۔

"بیٹا کیا ابھی بھی آپ کو لگتا ہے کہ میرا وہ فیصلہ غلط

تھا؟" لاریب کے چہرے پر اس سوال نے خفیف سے سرخی بکھیر دی۔ وہ جھکے سر کے ساتھ آہستگی سے مسکرادی۔

"مجھے اندازہ ہے بابا جان میں اپنی حماقتوں اور جذباتیت کے باعث سب کو بہت پریشان کرچکی ہوں۔ بھلا وہ فیصلہ غلط کیسے ہوسکتا ہے جسے اللہ نے درست قرار دے دیا۔ لیکن ہم اپنی سوچوں میں اتنا آگے نکل چکے ہوتے ہیں کہ خدا کی مصلحت کو نہیں سمجھ پاتے۔ وقت کے ساتھ ہر چیز اعتدال پر آتی ہے تو بگاڑ درست ہوجاتے ہیں اس نادانی پر اللہ مجھے معاف فرمائے۔"

"جیتی رہو بیٹی خوش رہو آباد رہو۔" بابا سائیں نے نہال ہوکر اس کی پیشانی چومی تو لاریب آنکھیں موند کر مسکرانے لگی۔

❁ ..... ◉ ..... ❁

"یہ ساگ لو بیٹے خاص طور پر تمہارے لیے بنوایا ہے میں نے ساتھ میں مکئی کی روٹی اور مکھن پسند ہے نا تمہیں؟" اماں جان کی ساری محبت و توجہ گویا عباس حیدر کے لیے وقف ہوچکی تھی عباس نے نرمی سے مسکرا کر ان کے ہاتھ سے ساگ کی ڈش لے لی۔

"اماں جان فاطمہ سے بھی پوچھیں نا ماہ رخ ہے یہ ہمارا آپ کے اسی لاڈلے سپوت کی لاڈلی بیوی میں تو زینی کو چنگا! سوچا تھا۔ اماں جان نے مسکراتے ہوئے خود فاطمہ کے لیے پلیٹ میں ساگ نکالا۔ فاطمہ کے لیے یہ ڈش انوکھی اور عجیب تھی اماں جان کے اصرار پر ہی اس نے محض ان کا دل رکھنے کو دو چار نوالے زہر مار کیے تھے وہ بھی طوعاً و کرہاً جس کا نتیجہ سامنے بھی آ گیا۔ اس کا دل شدت سے متلایا اور ابکائی سی آنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے فاطمہ کو ساگ پسند نہیں آیا آپ کا۔" زینی ہنس رہی تھی۔ اماں کے ساتھ دیگر افراد خانہ نے بھی حیرانی کے ساتھ فاطمہ کو دیکھا جس کے چہرے پر بے چارگی رقم تھی۔ اگلے لمحے زور سے آنے والی ابکائی نے اسے منہ پر ہاتھ رکھے وہاں سے اٹھ کر واش روم کی جانب بھاگنے پر اکسایا تھا۔ سب ہی ہک دک بیٹھے رہ گئے۔

"ارے..... انہیں کیا ہوا، مجھے لگتا ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" امامہ نے گھبرا کر کہا۔ عباس خود بھی متحیر نظر آیا کہ ہر کسی کی سوالیہ نگاہوں کو خود پر اٹھتا محسوس کرکے وہ بری طرح جز بز ہوچکا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے عباس کی دلہن کے پاس ہمارے لیے کوئی خوشخبری ہے، ہے نا عباس۔" اماں جان نے اٹھتے ہوئے عباس کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ان کے لہجے میں خوشی بھی تھی اور معنی خیزی بھی۔ عباس پہلے تو سمجھا نہیں مگر جب سمجھا تو صرف چکرایا نہیں تھا بلکہ اس کا دل چاہا تھا فاطمہ کا گلا دبا دے۔

"کیوں بھئی عباس، واقعی یہی بات ہے لیکن ابھی تو تمہارے دونوں بچے کافی خاصے چھوٹے ہیں۔" مہرآپا نے سوالیہ لہجے کے ساتھ ساتھ احساس دلایا تھا۔ عباس جھٹکے سے کرسی گھسیٹ کر اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا فاطمہ کے پیچھے واش روم کے سامنے جا کھڑا ہوا اسے سرد و سفاک نظروں سے گھورنے لگا۔ جو اماں جان کے عجیب و غریب سوالوں کی زد پر آئی کچھ خفت بلکہ شرمندگی نظر آتی تھی۔

"ارے بیٹا اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔" اماں جان اس کی سرخ پڑتی رنگت اور نظریں چراتے روہانسے انداز کو دیکھتی ہنستے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ عباس بھی حیران تھا۔

"آپ بتاتی کیوں نہیں ہیں ہوا کیا ہے آپ کو؟" تلملا کر کہتے اس نے فاطمہ کا کاندھا اس سختی سے دبوچا تھا کہ فاطمہ کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

"اوہو..... کیا ہوگیا ہے عباس بیٹا، ایک تو پہلے ہی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اس پر آپ نے ڈانٹنا شروع کردیا۔" اماں جان کو فاطمہ کی آنکھوں میں مچلتی نمی نے بے چین کیا تھا جبھی وہ لاڈلے بیٹے کی بھی کھنچائی سے باز نہ رہ سکیں۔

"اس ساگ میں دیسی گھی کی آمیزش بہت زیادہ تھی میں دیسی گھی نہیں کھا سکتی۔ بس اس وجہ سے وومیٹنگ ہوئی مجھے۔" الفاظ اس کے حلق سے پھنس کر نکلے تھے۔

"ہاں بیٹا وہ ساگ دیسی گھی میں ہی بنا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا آپ نہیں کھا سکتیں۔ خیر چھوڑو آؤ کچھ اور کھالو۔" وہ

نرمی سے کہتی اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس ٹیبل تک آ گئیں۔ عباس ان سے بھی پہلے اپنی جگہ پر واپس آ چکا تھا۔ اسامہ اب اس کی گود میں تھا جبکہ دیا بابا جان کے پاس تھی۔

"کو کہ بہو نے میرے خیال کی تردید کر دی مگر بیٹے بہتر ہوگا آپ ٹیسٹ وغیرہ کرا لینا۔"

"مجھے لگتا ہے بھائی اگر ایسی بات نہیں بھی ہے تو اماں جان کرا کے دم لیں گی۔" زیبی کھلکھلائی تھی مگر اس کی یہ منہ پھاڑ کر ہر بات کہہ دینے والی عادت نے جہاں فاطمہ کو گل رنگ کر دیا تھا وہیں عباس جیسے صحیح معنوں میں کانٹوں پر جا گرا تھا۔

"شٹ اپ زیب، اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر تمہیں ابھی تک بڑوں کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کی تمیز نہیں آئی۔" وہ غصے میں کہتا اٹھ کر چلا گیا۔

"بس مجھے ہی ڈانٹنا، میں نے کون سی گستاخی کر دی بھلا؟" زیبی منہ لٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا ہے تمہیں تو بوڑھی ہو کر بھی عقل نہیں آئے گی۔ امامہ کو دیکھا ہے ابھی خاصی چھوٹی [illegible] تم۔ ماشاء اللہ بچی میں ایسی سمجھداری اور معاملہ فہمی ہے [illegible] آتا ہے ایک تم ہو۔" اماں جان نے بھی بلاوجہ پھاڑ ڈالا۔

"بھئی اب آپ امامہ سے [illegible] آپ نے وقاص بھائی جیسے جلاد [illegible] میرے شوہر ٹھنک گاڈ بہت پولائٹ نیچر کے مالک [illegible]۔ مجھے بات بے بات پر ڈانٹتے نہیں۔" زیبی نے پھر بے تکان کہا تھا۔ اماں جان اسے گھورتی رہ گئیں۔ جبکہ وقاص کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ جسے دیکھتی امامہ خاموش نہیں رہ سکی۔

"وقاص ہرگز ایسے نہیں ہیں زیبی آپا آپ کو ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی لاحق ہے یقیناً۔" وقاص نے چونک کر امامہ کو دیکھا جو اس وقت جذباتی کیفیت کے زیر اثر تھی۔ زیبی کو البتہ امامہ کی یہ حمایت ناگوار خاطر ہوئی تھی جبھی نخوت سے بول پڑی۔

"ارے واہ، بڑی فخر ہو رہی ہے شوہر کی، یاد نہیں جب......!"

"زیبی چپ ہو جاؤ پلیز، کبھی موقع محل بھی دیکھ لیا کرو۔" اب کے اسے تنویر نے ہی ڈپٹا تھا زیبی کا تو غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔

"ہاں، ہاں اور ڈانٹیں مجھے سب کے بیچ بٹھا کر ابھی تعریفیں کر رہی تھی میں آپ کی۔" تنویر سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"مہرو بیٹے آپ فاطمہ کو اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ طبیعت ٹھیک نہیں ہے ذرا آرام کر لے گی۔" اماں جان نے ماحول بدلنا چاہا۔

"بیٹا آپ بچوں کی فکر نہ کرنا میں سلا لوں گی اپنے پاس۔" فاطمہ بوکھلائی یعنی عباس کی مزید ناراضی کا سامان ہو رہا تھا۔

"نہیں [illegible] اماں جان میں بالکل ٹھیک ہوں پھر بچے بھی [illegible] آپ کو۔"

"کوئی ٹھیک نہیں ہوتے تم آپ بس جا کر آرام کرو جاؤ شاباش [illegible] نرمی سے ٹوک دینے پر فاطمہ وہاں سے چلی آئی تھی۔ فاطمہ نے ڈرے ڈرے انداز میں اندر قدم [illegible] پہلے ہی مرحلے پر ٹھٹک کر تھم گئی عباس سگریٹ [illegible] لیتے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"آ جائیے محترمہ، رک کیوں گئیں، بتانا پسند کریں گی کہ اس قدر فضول اور تھرڈ کلاس حرکت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" اسے دیکھتے ہی وہ غضبناک ہو کر اس کی جانب لپکا۔

"میری سوچ سے بھی کہیں بڑھ کر گھٹیا عورت ہو تم مجھے تاسف ہے اس وقت پر جب میں نے اپنے بچوں کی خاطر تم سے نکاح کیا۔ ورنہ تم ہرگز بھی اس قابل نہیں تھیں۔" اس کا لہجہ اہانت آمیز تھا۔ عباس کے لیے بہت آسان تھا اس کے کردار پر حملہ کرنا وہ کس اذیت سے گزرتی تھی وہ جانتا ہی نہ تھا۔ عباس کے دھکے کے نتیجے میں وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری۔

دھیرے دھیرے اس کا تنا ہوا دماغ اور کھنچے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے تو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس بھی جاگا تھا۔ چونکہ وہ ایسے جاہلانہ طرز عمل کا عادی نہیں

تھا۔ جبھی ندامت نے جلدی آن لیا۔ گو کہ اس سے قبل بھی وہ اس کی توہین کر چکا تھا مگر آج کے الفاظ بہت سنگین تھے۔ عباس کا دل عجیب سی پشیمانی سمیٹ لایا۔ بہر حال اگر وہ مجرم بھی تھی تو عباس کو زیب نہیں تھا کہ اس طرح اس کی کردار کشی کرتا۔

"فاطمہ......!" وہ آگے بڑھا اور سسکتی ہوئی فاطمہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے لہجے میں واضح ندامت اور بے بسی تھی۔

فاطمہ شدید غیر یقینی کے احساس سے دوچار ساکن و سامت رہ گئی۔ عباس نے اس کے کاندھے پر دباؤ ڈالا اور رخ اپنی جانب پھیر لیا۔

"آئی ایم ساری، میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئیں مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ بوجھل تھا۔ فاطمہ گنگ ہونے لگی بھلا یہ ممکن تھا کہ وہ اسے منائے اس کے احساسات کی پروا کرے۔

"میں نے ہرگز کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا، واقعی وہ کھانا کھا کر میری......!" عباس نے اس کو دیکھا جو [illegible] کی حفاظت کرتی ہوئی کچھ اور بھی خاص [illegible] رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے [illegible] بات [illegible]۔" عباس نے ملائمت سے [illegible] ہوا تھا وہ چونک گیا۔

"بچے کہاں ہیں؟" اس کی متلاشی نظریں واپس فاطمہ پر آن ٹھہریں۔

"اماں جان کے پاس ہیں کہہ رہی تھیں اپنے پاس سلائیں گی۔" عباس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اولین مسکان کا جھلملاتا عکس اسے بے تحاشا خوب صورت بنا رہا تھا۔

❀......●......❀

"لاریب کیسی ہو بھئی، شکر ہے تمہاری شکل دیکھنے کو ملی، تمہیں پتا ہے عباس بھائی بھی آ گئے ہیں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ رنگی اتنے کیوٹ ہیں ان کے بچے اور

بیوی، میں نے تو ایسا حسن کبھی دیکھا ہی نہیں، بس سمجھ لو پری لگتی ہے۔" لاریب امامہ کے پاس ہی بستر پر بیٹھی تھی۔ گود میں بچی تھی جسے وہ پیار کررہی تھی۔ بابا سائیں کے علاوہ کمرے میں مہرو آپا بھی تھیں جب زیبی نے آتے ہی بولنا شروع کیا تھا۔ لاریب جو پہلے ہی خائف اور مضطرب نظر آتی تھی جتلانے والے اس انداز پر چہرہ کچھ ایسے پھیکا پڑا کہ چاہنے کے باوجود خود کو فوری طور پر نہیں سنبھال سکی۔ عباس حیدر کی یہاں آمد اس کے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی کھوگئی تھیں۔

"بابا جان خود منا کر لائے ہیں انہیں، تمہاری بھی تو شادی ہوگئی ہے نا، خوش ہو تم اپنے شوہر کے ساتھ؟" وہ آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ امامہ اور بابا سائیں خاموش تھے مگر ان کے چہروں پر تکلیف دہ تاثر تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بجو بہت خوش ہیں سکندر بھائی کے ساتھ ویسے زیبی آپی بجو کے لیے یہ اطلاع ہرگز اہم نہیں ہے، کیوں بجو؟" امامہ نے خود کو سنبھالا تھا اور کسی قدر تیکھے انداز میں زیبی کو جتلاتے ہوئے لاریب کی تائید چاہی۔ لاریب کی بے بسی اشتعال میں ڈھلنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ زیبی شروع سے اسے ناپسند کرتی ہے صرف یہی نہیں وہ عباس سے اس کی پسندیدگی اور دیوانگی سے بھی آگاہ تھی۔ جب عباس سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گیا تھا تب سب کے غم و غصے کے برعکس زیبی ہی تھی جسے یہ سوچ کر خوشی ہورہی تھی کہ یہ رشتہ اب برقرار نہیں رہنے والا۔

"امامہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے عباس سے اب کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ یہ نسبت ہمارے بڑوں کی طے کردہ تھی جسے انہوں نے خود توڑ دیا۔ میرے لیے فکر کی کوئی بات نہیں تھی کہ میری شادی عباس سے نہ ہوسکی بلکہ میں تو پسند سکندر کو کرتی تھی بابا جان نے میری اسی پسندیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے سکندر سے میری شادی کی۔" زیبی کے تمسخر اڑاتے لب و لہجے نے اس کے اعصاب کو اضطراب و انتشار کے ساتھ وحشت کا بھی شکار کرڈالا تھا۔ یہ ذلت کا احساس تھا جس سے مشتعل ہوتی وہ بنا سوچے سمجھے جو منہ میں آیا کرتی چلی گئی۔ جہاں امامہ کے چہرے پر طمانیت اور فتح مندی لہرائی تھی۔ وہاں بابا سائیں گہرا سانس بھرتے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ زیبی کا منہ لٹکنے لگا مگر اس نے لاریب سے کبھی شکست نہیں تسلیم کی تھی پھر اب کیسے کرلیتی۔

"اوہ..... سکندر وہی نا جو سانولا سا تھا تمہارا ملازم؟" اس کے لہجے میں بلا کی سرد مہری اور بے رحمی تھی لاریب کو اس سے یہی توقع تھی جبھی بغیر گھبرائے اسی اطمینان واعتماد سے مسکرانے لگی۔

"ہاں بالکل وہی ہے، لیکن وہ درحقیقت ملازم نہیں تھا میری وجہ سے بنا ہوا تھا کراچی میں اس کے فادر کا بہت وسیع کاروبار ہے آج کل وہ وہیں ہوتا ہے ہماری فیملی کے سخت اصولوں کی بدولت اس نے اس طرح گویا بابا جان کا اعتماد حاصل کیا تھا اور پھر مجھ سے شادی ہوجانے کے بعد اپنے اصل کی جانب لوٹ گیا۔ آئے گا تو ملاؤں گی آپ سے بھی۔" لاریب کے منہ توڑ جواب پر زیبی کا منہ حیرت کی زیادتی کے باعث کھلا رہ گیا تھا۔ مہرو آپا جواب تک زیبی [illegible] کررہی تھیں گویا منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔ امامہ اور بابا سائیں البتہ ضرور لاریب کے جھوٹوں کے پلندے پر جزبز تھے۔ انہیں لاریب کی یہ غلط بیانی ہرگز پسند نہیں آئی تھی۔ وہ جانتے تھے خاندان میں اس قسم کی باتیں چھپی نہیں رہتی ہیں کیا فائدہ اس طرح جھوٹ گھڑنے کے بعد میں شرمسار ہونے میں کیا رکھا تھا۔

"اوہ..... آئی سی..... اس کا مطلب تو یہ ہوا تمہاری اسٹوری تو خاصی فلمی قسم کی نکلی ہے۔ آئی تھنک سکندر صاحب پرانی فلموں کے رسیا تھے۔ جبھی ایسی صورت حال بنائی۔ ویسے یہ سب تو فلموں میں بھی ہضم نہیں ہوتا۔" زیبی نے بھی طنز کے ور کرنے شروع کردیے۔

"محترمہ اطلاعاً عرض ہے کہ فلموں کی کہانی بھی زندگی سے مشروط واقعات سے بنائی جاتی ہے اور میری تو صرف کہانی فلموں سے ملتی ہے تمہارے بھائی صاحب نے تو فلموں میں بھی کام کرکے جھنڈے گاڑ دیے زیادہ متاثر وہی لگتے ہیں فلموں سے۔" لاریب نے اس

مادرِ وطن

سنو

اے مادرِ وطن کے جوان بیٹو
کیوں تغافل برت رہے ہو
یہ تمہاری ماں ہے
تمہارا گھر تمہاری جنت
اس کو غیروں کی ناپاک نظریں
اک عرصے سے آلودہ کررہی ہیں
جوان بیٹوں کے ہوتے ہوئے
ماں کی پاکیزگی کیوں دھندلا رہی ہے
تمہاری انا اور تمہاری غیرت
کیوں اتنی گہری سو رہی ہے
غور کرو وہ عظمت رفتہ کی سنہری کرنیں
کیوں اپنی رشنی کھو رہی ہیں
یاد نہیں ہے
یہ وطن تم کو کیوں ملا تھا؟
وہ عشق تھا مصطفیٰ کا
جو اس جہاں میں ہی
جنت تم کو دے گیا تھا
مگر تم تو بھٹک آئے ہو!
حسن دنیا میں ڈوب کر
جنت اپنی کھو رہے ہو
تمہاری مائیں تمہاری بہنیں
وہ تمہارے اپنے
کشمیر میں جو لڑ رہے ہیں
اپنے پیارے وطن کی خاطر
اک اک کر کے مر رہے ہیں

دیکھو وقت کے فرعون سارے
تمہاری جنت میں دندنا رہے ہیں
سنو تم کو میں یاد دلا دوں
تمہاری رگوں میں بہتا خون
مصطفوی ہے حیدری ہے
اے مادرِ وطن!
تو دل نہ چھوڑ
یہ تیرے بیٹے ہیں جو آج بھی
حیدری تلوار رکھتے ہیں
غزنوی للکار رکھتے ہیں
شاہین اور غوری کی مار رکھتے ہیں
جو پوچھیں سے
عرش والا نوازتا ہے
جسم و جاں لٹا رہے ہیں
تیری سرحدوں کے محافظ
ایماں کی شمع جلا رہے ہیں
ہے اس کی رحمتوں پر یقین
اور ساتھ ہمارے اس کی دعا
جو ہے سید المرسلین اور رحمت اللعالمینؐ
اے مادرِ وطن!
تو دل نہ چھوڑ
وہ وقت اب جلد ہی آئے گا
جب شہیدوں کا لہو رنگ لائے گا
اور سارے ہند پہ
صرف تیرا ہی پرچم لہرائے گا

عظمیٰ شاہین رفیق..... فیصل آباد

کے ساتھ ساتھ عباس کے بھی بخیے ادھیڑ ڈالے تھے اس کا انداز جتلاتا ہوا بے لچک اور پتھریلا تھا کہ زینی چکرا کر رہ گئی۔ مہرو اٹھ کر چلی گئی تھی۔ زینی کو پورا یقین تھا کہ وہ اماں جان کو بلانے گئی ہے۔ جبھی اس نے ان کی آمد سے قبل ماحول سازگار بنانا چاہا۔

"تم تو لڑنے ہی لگ گئیں، اچھا میں چلتی ہوں بھئی تمہیں تو میرا یہاں آنا شاید پسند نہیں آیا۔" پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ باہر نکل گئی تھی کمرے میں اس کے پیچھے یکلخت سناٹا اتر آیا۔

"تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے املہ؟ ویسے شکر ہے یہ

شکل میں تم پر گئی ہے۔“ اس خاموشی کو بھی لاریب نے ہی توڑا تھا۔ وہ اندر سے جتنی بھی انتشار کا شکار تھی بظاہر خود کو سنبھالے رہی۔

”بیٹا آپ کو کیا ضرورت تھی زیب سے اس طرح جھگڑنے کی؟“ بابا سائیں کے دھیمے ملول لہجے میں بھی اضطراب تھا لاریب تڑپ اٹھی۔

”میں نہیں وہ جھگڑ رہی تھیں مجھ سے بابا جان، دیکھا نہیں کیسے ہر بات جتلا رہی تھی؟“ اس کے روہانسے ہوجانے پر امامہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں تھپکا۔

”لیکن بیٹے آپ نے سکندر کے متعلق جو کہا وہ غلط ہونے پر بھی زیبی کتنی باتیں......؟“

”بابا جان میں نے کچھ بھی غلط نہیں کہا ہے سکندر کی یہی اصل حقیقت ہے میں نیٹ سے سرچ کرچکی ہوں اس کے متعلق یقین نہیں تو آپ کو بھی دے دوں اس کے آفس کا ایڈریس۔“ وہ بولی تو اس کا گلا بھرا رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو اتنی تیزی سے اترے تھے کہ جنہیں گالوں پر بہنے سے وہ کسی طور بھی نہیں بچا سکی جبکہ بابا سائیں کے ساتھ امامہ بھی ششدر و غیر یقینی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

”کیا کہہ رہی ہیں بجو، مطلب یہ واقعی [illegible]؟“ امامہ نے شدت جذبات سے اسے پکڑ [illegible]

وہ کیا بتاتی انہیں کہ سکندر سے کسی [illegible] کی صورت میں اس نے کسی خیال کے تحت بابا سے سکندر کے والد کا نام پوچھا تھا۔ مزید کچھ معلومات کے ملنے کے بعد نیٹ سے سرچ کر کے سکندر کا پتا لگانا ناممکن کام کہاں تھا۔ مگر اسے ڈھونڈ لینے کی ساری خوشی کسی سرد جذبے نے دبا کر ختم کردی تھی۔ اسے سکندر کے آخری الفاظ یاد تھے۔

”اگر میں اپنی شناخت اور پہچان نہ پاسکا تو پلٹ کر نہیں آؤں گا اور آپ کو آزاد کردوں گا۔“ یہی وہ بات تھی جس نے اسے اتنا ہرٹ کیا تھا لیکن سکندر نے اگر اپنی پہچان پانے کے بعد بھی اس کی طرف رجوع نہیں کیا تھا تو اس کا مطلب واضح تھا کہ اسے اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

”بجو اگر آپ کو پتا چل چکا تھا تو آپ نے سکندر بھائی سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟“ لاریب نے دل گیری کی کیفیت میں اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

”مجھ سے بات ہی تو نہیں کرنا چاہتا وہ امامہ جبھی تو اپنا پرانا نمبر بند کردیا میری وجہ سے ہی وہ اپنے والدین کو بھی اگنور کررہا ہے پھر بھلا مجھے کیا ضرورت ہے اس سے بات کرنے کی۔“ وہ اتنی مضمحل اور بے کل تھی کہ رو پڑی بابا سائیں سے مزید برداشت نہیں ہوسکا جبھی اٹھ کر اس کے سر پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھ دیا۔

”سکندر کے متعلق آپ نے بہت غلط فہمیاں پال رکھی ہیں بیٹا وہ دولت و جائیداد کو رشتوں پر ترجیح دینے والا انسان نہیں۔ [illegible] میں خود بات کروں گا اس سے۔“

”آپ [illegible] کچھ نہیں کریں گے بابا جان، میرے لیے اس کی توجہ کی خیرات مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ بابا سائیں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر تھپکا۔

”اوکے [illegible] جیسی میری بیٹی کی خوشی آپ یہ بتاؤ [illegible] ایمان کا کہا تھا نیٹ سے پتا کرنے کا کیا بنا؟“ اس سوال پر لاریب یکدم ہی خفت کا شکار ہوئی سکندر کا خیال آنے پر وہ ایمان کو بھول گئی تھی۔ سکندر سے ملنے والی یاسیت و اضطراب ہی ایسا شدید تھا کہ اسے بعد میں کچھ یاد ہی نہ رہ سکا تھا۔

”میں آج کروں گی پتا، ڈونٹ وری بابا جان۔“ وہ بے دلی سے کہتی آنسو پونچھ رہی تھی۔ بابا سائیں نے نرمی سے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

”اچھا میں ذرا بھائی جان اور بچوں سے مل لوں۔“ وہ کمرے سے نکل گئے۔ امامہ نے بچی کو کاٹ میں لٹایا اور ایک دم لاریب کے گلے لگ گئی۔

”کتنی خوشخبریاں مل رہی ہیں ایک ساتھ، سکندر بھائی کی تو مجھے بہت خوشی ہے اللہ مبارک کرے انہیں یہ بجو والا کیا قصہ ہے آخر؟“ وہ کھلکھلاتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ لاریب نے اپنی اور بابا سائیں کے درمیان ہونے والی

گفتگو مختصر ہی تھا دی۔ امامہ کی آنکھیں مارے خوشی کے چھلکنے کے قریب ہوگئی۔

"ہم بجو سے مل سکیں گے نا وہ مجھے کبھی نہیں بھولیں جب وہ ملیں گی میں ان سے بہت سارا جھگڑا کروں گی ان سے کبھی بات نہیں کروں گی انہیں پتا بھی تھا میں انہیں کتنا پیار کرتی ہوں پھر بھی چھوڑ گئیں مجھے۔" وہ رو پڑی لاریب نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"یہی تمہاری غلطی تھی امامہ، اتنی محبت نہ کرتیں ان سے کہ ان کے حصے کی سزا تک بھگتنے کو تیار ہو جاتیں، وقاص جیسا درندہ صفت انسان جسے......!"

"بجو پلیز، مجھے وقاص کے متعلق آپ سے کچھ کہنا ہے۔" اس کی بات کاٹ کر وہ لجاجت سے بولی۔

"مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں سننا امامہ۔" لاریب کا سرد انداز قطعی طور پر دوٹوک تھا۔

"کیوں؟" امامہ کے لہجے میں غضب کا احتجاج اترنے لگا۔

"وہ بالکل بدل گئے ہیں بجو، ہر لحاظ سے، وہ......!"

"اجازت دو امامہ چلتی ہوں ابھی تائی امی سے بھی ملنا ہے مجھے، اللہ حافظ۔" امامہ کے بے بسی چھلکاتے چہرے پر نگاہ ڈالے بنا وہ نخوت سے کہتی کمرے سے نکل گئی۔ سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں آتے ہی پہلا ٹکراؤ ہی فاطمہ سے ہوا۔ نیوی بلیو کلر کے عام سے لباس میں بھی اس کی چاندنی جیسی نقرئی رنگت کا اجالا جیسے ہر سو جگمگاہٹ بکھیر رہا تھا۔

"السلام علیکم! آپ لاریب ہیں نا، مجھے زینی آپا نے بتایا تھا کہ آپ آئی ہیں میں آپ سے ہی ملنے آ رہی تھی۔" وہ اسے دیکھ کر بے حد خوش دلی سے مسکرائی۔

لاریب تو اسے دیکھتی رہ گئی۔ احساسات پر جیسے کسی نے بے دردی سے گولہ باری کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جلن تھی اور وہ دوسری بار پھر ہار گئی تھی اس کی سیکنڈ چوائس بھی وہ قرار نہیں پائی تھی اس کے اندر عجیب سا ہنگامہ برپا ہونے لگا کیا وہ اتنی بے مایا تھی، اس کا دل تڑپ رہا تھا۔

فاطمہ نے اس کی عجیب و غریب کیفیات کو محسوس کیا وہ اس بات پر بھی خجل ہو چکی تھی کہ لاریب نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑنا گوارا نہیں کیا تھا۔ اسے لاریب کی نظریں بھی عجیب لگیں وہ کنفیوژ ہونے لگی۔ لاریب اسے دھیان سے دیکھتی رہی، جس عورت کو اس نے عباس کے ہمراہ اسپتال میں دیکھا تھا وہ عام سے خدوخال کی عام سی عورت تھی عباس سے عمر میں برابر یا ایک آدھ سال چھوٹی جبکہ یہ لڑکی نہ صرف عمر میں عباس سے بہت چھوٹی تھی بلکہ حسن و نزاکت اور جاذبیت کا ایسا شاہکار تھی کہ صحیح معنوں میں نگاہ چندھیائی جاتی تھی۔

"وعلیکم السلام، معذرت خواہ ہوں پہچان نہیں سکی آپ کو؟" لاریب کو ایک پل کو لگا تھا وہ غلطی پر ہے ضروری نہیں تھا یہی عباس کی بیوی ہو جبھی اس نے کسی قدر مروت کا اظہار کیا تھا۔ جواب میں فاطمہ کے جاذب نظر چہرے پر خفیف سی خجالت لہرائی۔

اسٹوڈنٹ

صاحب اب تو اسٹوڈنٹ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے ہم نے ایک صاحب سے پوچھا "کیا آپ اسٹوڈنٹ ہیں؟" تو انہوں نے جواب دیا "نہیں جناب یہ تو جلدی میں مجھے اوپر والا بٹن بند کرنا یاد نہیں رہا۔"

البتہ اب کوئی اسٹوڈنٹ یہ کہے کہ اس پر کوئی کتاب درج نہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ پابندی سے کالج نہیں جاتا ہوگا آج کل دنیا میں دو طرح کے طالب علم مشہور ہیں ایک وہ جو قابلیت کی وجہ سے جانے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو اپنی قابلیت کی وجہ سے ہیں، جب ہمیں پتا چلا کہ طلبہ نے طالبان کے نام سے کالج پر قبضہ کرلیا ہے تو ہمیں یہ سمجھ آیا امتحان ملتوی کروانا چاہتے ہیں لیکن انہوں نے صاحب علموں والا ایک ہی کام کیا وہ یہ کہ لڑکیوں کے کالج بند کروا دیے۔

(نوک جھونک ڈاکٹر یونس بٹ)

مرسلہ: نورین ظفر اوتھل ال

"اوہ سوری مجھے خیال نہیں رہا بتانے کا میں فاطمہ ہوں، فاطمہ عباس حیدر......" اور لاریب کا دل یکلخت جھاڑ میں الجھ گیا۔

"تو ثابت ہو گیا عباس تمہاری زندگی میں، میں کہیں نہیں تھی۔ میری گنجائش کبھی بھی نہیں تھی۔ مجھے اپناتے نہ سہی مجھ سے اپنی زیادتی کی معافی مانگنے ... سکتے تھے نا۔ شاید مجھے صبر آ جاتا۔" فاطمہ کو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور آنکھوں کی وحشتوں نے ہی پریشان کیا تھا جبھی اس کا ہاتھ ہمدردانہ انداز میں تھپک کر نرمی سے بولی تھی۔

"خیریت، مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔" وہ تھی متفکر ہو کر کہہ رہی تھی۔ لاریب نے وحشت چھلکاتی نظروں سے اسے کچھ دیر دیکھا تھا پھر بولی۔

"تو تم بیوی ہو عباس کی، گڈ، مگر کون سی دوسری کہ تیسری؟ پہلی بیوی تو مر چکی نا اس کی کیا سمجھتی ہو تم کہ یہاں سب لاعلم بیٹھے ہیں۔" اس نے جھلستی نظروں سے اسے گھورا۔ فاطمہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"بات سنو محترمہ، کم از کم میں بے وقوف نہیں ہوں سمجھیں۔" لاریب کی غراہٹ میں چھپی دھمکی [illegible] فاطمہ کے ہوش اڑا گئی۔ وہ لاریب کے سامنے مزید نہیں ٹھہر سکی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی [illegible] گئی۔ عباس اپنے دھیان میں آ رہا تھا جبھی دونوں کا [illegible] ہو گیا۔ عباس جتنا بھی بھنایا مگر اسے گرنے سے بچانے [illegible] پڑا۔

"دھیان سے، خیریت ہے سب، خوفزدہ کیوں ہو؟" اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی عباس چونک اٹھا تھا۔ فاطمہ نے خوفزدہ آنکھوں سے اسے دیکھا اور سسک کر بے اختیار اس کے سینے میں منہ چھپا لیا انداز بالکل کسی معصوم بچی جیسا تھا۔ اس پل وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی ورنہ ایسی جرأت کا مظاہرہ کبھی نہ کرتی۔ عباس خود دنگ رہ گیا تھا۔

"دماغ ٹھیک ہے فاطمہ آپ کا، کوئی آ گیا ادھر تو کتنا آکورڈ لگے گا۔" فاطمہ بھی جیسے اس ٹرانس سے نکل کر ہڑبڑائی اور خفت سے سرخ پڑتی تیزی سے پیچھے ہوئی اور کچھ کہے بغیر تقریباً بھاگتے قدموں سے راہداری کا موڑ مڑ گئی۔ عباس گہرا سانس بھر کر آگے بڑھ آیا۔

ہال کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کا پہلا سامنا لاریب سے ہوا تو چکرا گیا ہوا مضطرب ذہن یکدم غوطہ سا لگا کر جیسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائی میں گرتا چلا گیا۔ یہاں آنے کے بعد وہ سب سے زیادہ لاریب اور بابا سائیں کے سامنے ہی تو خائف تھا۔ اس کے خیال میں وہ انہی کا سب سے بڑا مجرم تھا۔

"لاریب......؟"

اسے دھواں ہوتے چہرے اور چھلکتی آنکھوں کے ساتھ تیزی سے رخ پھیر کر جاتے پا کر وہ بے اختیار پکارا لاریب کے [illegible] جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ یہ خیال یہ سوچ وحشت میں [illegible] کر دینے والی [illegible] اندر تک خالی کر کے رکھ گئی تھی کہ اس [illegible] دل آج بھی اس شخص کا اس حد تک غلام تھا۔ اب [illegible] ہونا چاہیے تھا اس نے چاہا وہ اسے اس کی پکار [illegible] انداز [illegible] قدم آگے بڑھ جائے۔ مگر یہ اس کے بس کی [illegible] گئی۔

"آئی ایم سوری لاریب۔" عباس نے ایک قدم بھی مزید آگے نہیں بڑھایا وہ جھکے سر بوجھل دل اور بوجھل آواز میں کہہ پایا تھا لاریب ایسے بلبلائی جیسے بے خبری میں اسے چابک کھینچ مارا ہو۔

"سوری، فار واٹ عباس صاحب۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا دل چاہا تھا عباس حیدر کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ کر اپنا ایک ایک نقصان گنوائے اور پوچھے تم کر سکتے ہو ازالہ؟

کون جانتا تھا اس نے کیسی اذیت سے لبریز زندگی گزاری تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مجھے ہے حکم اذاں
ام مریم

یونہی امید دلاتے ہیں زمانے والے
کب بنتے ہیں بھلا چھوڑ کر جانے والے
تو کبھی دیکھ جھلستے ہوئے صحرا میں درخت
کیسے جلتے ہیں وفاؤں کونبھانے والے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

وقاص کا یکسر بدلا ہوا انداز امامہ کو ورطہ حیرت میں مبتلا کردیتا ہے اپنی بیٹی اور وقاص کے بدلاؤ کو لے کر وہ نہ صرف اسے معاف کردیتی ہے بلکہ ان مشکل حالات میں وقاص کا بھی حوصلہ بڑھاتی ہے۔ بابا جان کے کہنے پر عباس فاطمہ اور بچوں کے ہمراہ حویلی آجاتا ہے جہاں وہ اپنے گھر والوں کی فاطمہ سے محبت دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے ایسے میں اسے عریشہ کی یاد اور بھی زیادہ ستاتی ہے۔ دوسری طرف وقاص کے ہمراہ ایمان کی بجائے امامہ کو دیکھ کر وہ گنگ رہ جاتا ہے اماں جان مختلف رسموں کی ادائیگی کے بعد فاطمہ کو باقاعدہ اپنی بہو تسلیم کرلیتی ہیں خاندانی زیور اسے سونپ کر وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہیں ایسے میں عباس انتہائی مضطرب رہتا ہے۔ فاطمہ کے یہ زیورات ایک طرف رکھنے پر وہ اسے ڈپٹتا ہے کہ یہ تمام زیورات پہن کر رکھے اور اماں جان کو کسی بات کی بھنک نہ پڑنے دے وہ خود کنگن فاطمہ کی کلائی میں پہناتا ہے جبکہ فاطمہ اس عنایت پر حیران رہ جاتی ہے۔ امامہ کی بیٹی سے ملنے کی خاطر بابا جان لاریب کو بھی چلنے کا کہتے ہیں وہ وقاص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی لیکن امامہ کی خوشی کے لیے بابا جان کی بات مان لیتی ہے۔ دوسری طرف سکندر کی لاتعلقی اور رابطہ نہ کرنے پر وہ انتہائی بے چین رہتی ہے سکندر کے والدین سے بھی رجوع کرتی ہے لیکن وہاں سے بھی سکندر کی خیر خبر نہیں مل پاتی۔ فراز اریبہ کی کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتا ایسے میں سکندر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ اس کی بات بھی رد کردیتا ہے۔ لاریب بابا جان سے ایمان کو معاف کردینے کی بات کرتی ہے اسے لگتا ہے کہ ایمان اور اس کا عمل قدرے مشترک تھا لہٰذا بابا جان کو اسے بھی معاف کرکے حویلی میں آنے کی اجازت دے دینی چاہیے ایسے میں بابا جان اس کی بات سے اتفاق کرتے ایمان سے رابطہ کرنے کو کہتے ہیں لاریب انٹرنیٹ کے ذریعے ایمان تک رسائی حاصل کرنا چاہتی ہے ایسے ہی وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر سکندر کے متعلق بھی معلومات حاصل کرتی ہے۔ حویلی میں فاطمہ کو فوڈ پوائزن ہوجاتا ہے لیکن اماں جان اور دیگر افراد اسے کسی خوشخبری سے منسوب کرتے ہیں عباس فاطمہ کے اس عمل پر اسے انتہائی سخت سناتا ہے اور اس کی کردار کشی سے بھی باز نہیں آتا کچھ دیر میں جب اسے اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے تو وہ نرمی سے فاطمہ کو سنبھالتے اس سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔ لاریب امامہ کی خوشی کی خاطر حویلی آتی ہے تو وہاں عباس کی بہن کے ذریعے اسے عباس اور فاطمہ کے بھی آنے کی اطلاع ملتی ہے۔ وہ لاریب کو سکندر کے حوالے سے طنزیہ باتیں سناتی ہے جس پر لاریب بھی سکندر کو لے کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرکے اسے حیرت میں ڈال دیتی ہے اور مزید یہ کہ وہ بہت اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کا چشم و چراغ ہے کہہ کر اسے بالکل خاموش کرادیتی ہے۔ لاریب کی اس غلط بیانی پر امامہ اور بابا جان خاصے حیران رہ جاتے ہیں جب ہی اس کی ملاقات فاطمہ سے ہوتی ہے لیکن وہ اسے پہچان نہیں پاتی کیونکہ وہ عباس کے ہمراہ عریشہ کو دیکھ چکی تھی جب ہی وہ فاطمہ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتی ہے جواب میں فاطمہ کا چہرہ زرد پڑجاتا ہے اور وہ کوئی جواب دیئے بنا وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ جب ہی عباس کی نظر

لاریب پر پڑتی ہے اسے دیکھ کر وہ اپنے تمام گزشتہ رویوں کی اس سے معافی طلب کرتا ہے جبکہ لاریب کا دل چاہتا ہے کہ وہ سامنے کھڑے اس شخص سے اپنے ایک ایک پل کا حساب لے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......◉......❀

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے لاریب، مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا، پلیز معاف کردیں مجھے۔" عباس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"آپ یہ سوچ کر دل پر بوجھ نہ لیں عباس، لاریب نام کی جس لڑکی کو آپ ٹھکرا گئے تھے اس کی شادی ہوچکی ہے۔" انداز سرد تھا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے میرے لیے، اللہ آپ کو ہمیشہ آباد رکھے۔" عباس واقعی ریلیکس ہوا تھا جیسے ذہن پر موجود کوئی بھاری بوجھ سرک گیا ہو۔

"آپ کو بھی مبارک ہو آپ کی دوسری شادی، میں آپ کی وائف سے یہی کہہ رہی تھی مگر وہ تو خوفزدہ ہوگئیں، شاید آپ دونوں کا یہ خیال ہے کہ یہاں اس راز سے کوئی واقف نہیں۔" عباس نے چونک کر اسے دیکھا۔ لاریب کے چہرے پر آگ سلگ رہی تھی عباس کے حواس سلب ہوئے اور ہونٹ سل کر رہ گئے۔ لاریب نے اس کی کیفیت کو پوری جزئیات سے محسوس کیا اور پھر بے ساختہ ہنس دی۔

"ارے آپ تو پریشان ہوگئے، میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا، میں آپ کی پوزیشن اور بھرم کو ہرگز خراب نہیں کروں گی۔" عباس کی خاموش نظروں میں اپنی جنونی آنکھیں گاڑھے وہ طنز سے باز نہیں آئی۔

"میں پریشان نہیں ہوں لاریب یہاں واقعی سب لاعلم ہیں، میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ اپنے ازلی پر اعتماد اور واشگاف انداز میں بات کررہا تھا جبکہ لاریب منجمد ہوتی جارہی تھی۔ اک لفظ مزید کہے بنا وہ واپسی کو مڑ گئی۔

❀......◉......❀

"شرجیل احمد میں چاہتا ہوں اس بار تبلیغی جماعت کے دورے میں تمہارا نام بھی شامل کرا دوں۔" وہ لوگ کھانے میں مصروف تھے جب ابراہیم احمد نے اچانک اسے مخاطب کیا۔ شرجیل بری طرح چونکا۔

"میں......؟" اس نے انگشت شہادت سے اپنے سینے کی جانب اشارہ کیا تو آنکھوں سے واضح حیرانی مترشح تھی۔

"ہاں بالکل، کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟" ابراہیم مسکرایا تھا مگر شرجیل کی حیرت تمام نہ ہوئی۔

"لیکن میں تو ابھی سیکھنے کے مرحلے میں ہوں ابراہیم احمد۔"

"تم مطالعہ سے بھی اتنا نہیں جان پاؤ گے شرجیل احمد جتنی تیزی سے تم اس دورے کے دوران دین کو جان پاؤ گے وہاں اجتماعات میں پوری دنیا سے اسکالر جمع ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں تمہیں وہاں سیکھنے اور عمل کے مواقع زیادہ میسر آسکتے ہیں۔"

"تم بہت خوب صورت باتیں کرتے ہو، ابراہیم احمد۔"

"یہ اللہ کی عطا ہے۔ درحقیقت یہ ہمارے مذہب کی خوبصورتی ہے جسے اللہ نے اتنا خوب صورت مرتب کیا ہے کہ جو اسے جان لے مان لے وہ مسحور ہوئے بغیر رہ نہ سکے شرجیل احمد ہمیں اسی خوب صورتی کو انہی دلکش قوانین کو دنیا میں پھیلانا ہے یونو یہ خوب صورتی یہ دلکشی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے۔"

"میں ضرور چلوں گا تمہارے ساتھ ابراہیم احمد۔" اس کے لہجے میں استحکام تھا۔

❀......◉......❀

فراز نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد لائٹس آن کیں۔ وہ بستر پر دراز ہوا تو بہت دنوں کے بعد دل کا درد تمام تر تنہائی کے احساس سمیت بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ سچ تھا کہ وہ خود پر خول چڑھائے تھک گیا تھا۔ یہ غیر فطری زندگی جیسے ایک دھوکہ ہی تو تھا۔ ایسا دھوکہ جو وہ مسلسل خود کو دیے جارہا تھا اس نے ہونٹ بھینچے اور

آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔
''سلمٰی بی بی چائے بنا کرلاؤ اور مما سے کہنا میرا سر دبا دیں بہت درد ہے۔'' دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ یونہی بند آنکھوں کے ساتھ بولا۔
جواب میں خاموشی طاری رہی، پھر کوئی اس کے سرہانے بادصبا کے جھونکے کی مانند آ کر بیٹھ گیا۔ اعصاب پر سحر طاری کرتی ہوئی مسحور کن خوشبو اور نرم ہتھیلی کا ماتھے پر اترتا ہوا ٹھنڈک بھرا دل فریب لمس فراز کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کرگیا۔ اس نے ٹھٹک کر نظر گھمائی اور اریبہ کو روبرو پا کر اس کے اعصاب پر بجلیاں کوندنے لگیں۔
''تم......؟'' وہ حلق کے بل چیختا ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''نکل جاؤ یہاں سے۔'' اس کے دھاڑنے سے اریبہ وحشت زدہ ہوگئی۔
''فراز...... میری...... بات......!'' فراز کی نظروں کا دہکتا آتش فشاں اس کی زبان لڑکھڑا کر رکھ گیا۔
''اٹھو یہاں سے، دفع ہوجاؤ۔'' فراز کے ہتک آمیز انداز میں بالکل کوئی گنجائش نہیں تھی مگر اریبہ آج بد دل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔
''آپ مجھے جو بھی سزا دینا چاہتے ہیں دے لیں مگر فراز مجھے معاف کردیں مم...... میں......!'' وہ ضبط کھو کر رو پڑی تو فراز کے تن بدن میں آگ دہک اٹھی۔ اس نے مشتعل ہوتے اس کے گال پر تھپڑ مار دیا۔
''تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں میں شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا تمہاری۔'' اس کا انداز سخت جارحانہ تھا۔
''نہیں سنا، جان سے مار ڈالیں میں بھی اب مرنا چاہتی ہوں یہ سزا قبول نہیں ہے مجھے جو آپ دے رہے ہیں۔'' وہ بھی جیسے حواسوں میں نہیں رہی۔ اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتی ہوئی ہیجان زدہ آواز میں چیخنے لگی۔
''مجھے اس طرح اپنے قتل پر آمادہ کرکے تم چاہتی ہو میں تم سے نجات پا کر بھی ناآسودہ رہوں، اتنا شوق ہے تمہیں مرنے کا تو خودکشی کا کوئی حربہ کیوں نہیں آزمایا تم نے؟'' اس نفرت نے اریبہ کو شاکڈ کرڈالا۔ وہ سکتہ زدہ سی کھڑی آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اسے تکتی رہی۔
''آپ بالکل درست کہتے ہیں مجھے آپ کو یہ تکلیف نہیں دینی چاہیے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز ڈوبتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ لہجے میں ایسی حتمی اور قطعی کیفیت اتر آئی تھی جو کسی منطقی فیصلے پر پہنچ کر خود بخود الفاظ و لہجے میں جگہ پالیا کرتی ہے۔ فراز چونکا، اسے صاف لگا وہ کچھ ٹھان بیٹھی ہے۔ وہ کمرے سے جس تیزی سے نکلی تھی وہ انداز بے حد خطرناک تھا۔ فراز نہ چاہتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا مگر جب تک وہ کچن میں اس کے پاس پہنچا وہ اس جنونی کیفیت کے زیراثر تیز دھار چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ چکی تھی۔ یہی نہیں اب وہ دوسرے ہاتھ کو بھی اسی طرح کاٹنے کی کوشش میں تھی مگر ہاتھ کا گہرا زخم چھری پر اس کی گرفت مضبوط ہونے نہیں دے رہا تھا۔ فراز تو جیسے دھک رہ گیا۔
''اریبہ......!'' وہ زور سے چیخا اور تیزی سے لپک کر اس سے چھری چھیننی چاہی۔
''چھوڑو اسے، پاگل ہوگئی ہو تم؟''
فراز کے حواس بری طرح سے مختل ہوچکے تھے اریبہ بلک رہی تھی۔
''چھوڑ دیں مجھے...... مرجانے دیں۔''
فراز نے جیسے تیسے اس سے چھری چھین کر دور پھینک دی۔ اس کوشش میں وہ خود پسینوں پسینے ہورہا تھا۔ اس کی نظر اریبہ کے زخم پر تھی جس سے پھوٹتا ہوا خون لمحوں میں اس کے گلابی لباس کو رنگین کرتا فرش پر بھی نقش و نگار بنا رہا تھا۔ فراز اس کی ذہنی حالت پر بری طرح بوکھلایا ہوا تھا اس پر ستم اس شور شرابے اور دھکم پیل سے صالحہ اور تائی ماں کی وہاں آمد ہوچکی تھی گویا مفت کا تماشہ لگ گیا۔ فراز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔
''اوہ...... ہو...... تو بے چاری شوہر کی محبت کو ترستی مظلوم لڑکی اب خودکشی کرے گی۔'' صالحہ نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ٹھٹھا لگایا۔ فراز محض خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور اریبہ کی کلائی جکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتا جو شاید

درد و تکلیف کے ساتھ مزاحمت کے دوران بھی ساری ہمتیں گنوا کر اب نڈھال نظر آرہی تھی یوں جیسے کسی بھی پل بے ہوش ہو کر گر جائے گی۔

"اونہہ، ڈرامہ ہے سارا۔" تائی ماں نے ناک بھوں چڑھا کر حقارت کا اظہار ضرور سمجھا فراز نے دروازے سے نکلتے جلتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

"کوئی اور کام بھی ہے آپ لوگوں کو، ہر وقت کان آہٹوں پر لگائے بیٹھی رہتی ہیں کہ کون کیا کررہا ہے۔" وہ اتنا اپ سیٹ اور غصیلا ہو رہا تھا کہ ان سے الجھنے کھڑا ہو گیا۔

"ارے جاؤ جاؤ، ہمیں آنکھیں دکھانے کے بجائے اپنے اور اپنی بیوی کے کرتوت ملاحظہ کرو جب تم تماشہ لگاؤ گے تو کسی کے دیکھنے پر پابندی بھی نہیں لگا سکتے۔ ویسے کہہ کیا دیا تم نے اپنی بیوی کو کہ یہ خودکشی پر ہی آمادہ ہو گئی۔" صالحہ کے جتلاتے ہوئے لہجے میں واضح تمسخر تھا فراز کا چہرہ تذلیل کے احساس سے بالکل سیاہ ہو گیا۔

اپنے دھیان میں اس جانب آتیں مما اس کی یہ حالت دیکھ کر دھک سے رہ گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟ یہ...... اریبہ......؟" ان کے چہرے پر خوف تھا۔

"ارے ہونا کیا ہے، جوانیاں نہیں سنبھالی جارہی ہیں ان سے ذرا کسی کی بات بری لگی نہیں اور ہوئے نہیں اپنی جان کے دشمن۔" تائی اماں نے ہاتھ نچا کر بلند آواز سے طعنہ بازی کی۔ فراز ہونٹ بھینچے آگے بڑھ گیا۔ راہداری کے موڑ پر اپنے کمرے سے نکلتے سکندر کی نظر دونوں پر پڑی تو اسے جھٹکا لگا۔

"سکندر نبیل ہوگا اپنے کمرے میں اسے بلانا پلیز۔" فراز اس سے نظریں چرا کر اور اریبہ کو اٹھائے اپنے کمرے میں جا گھسا سکندر کا سکتہ بھی ٹوٹا تھا۔ تیز قدموں سے وہ نبیل کے کمرے کی جانب بھاگا تھا نبیل نے صورتحال کو سنا اور سرد آہ بھرتے ہوئے میڈیکل باکس کے ہمراہ فراز کے کمرے میں داخل ہو گیا جہاں ایک اعصاب شکن مرحلہ اس کا منتظر تھا۔

❀......۞......❀

"میں بہت خوش ہوں زینب، میرا سفر رائیگاں نہیں گیا، مجھے وہ سب ملا جس کی چاہ اور خواہش کی تھی میں نے۔ مگر اس خواہش میں پنہاں خوف کبھی کھل کر اس کا اظہار نہیں کرنے دیتا، میں امید رکھ کر بھی بے امید تھی۔ شاید مجھے اللہ کی ذات پر مکمل یقین نہیں تھا۔ اس نے میرا یقین کامل کرنے کو ہی یہ معجزہ دکھایا ورنہ میں کہاں تھی اس قابل کہ مجھے اتنے بڑے اعزاز سے نوازا جاتا۔ اس نے مجھے میرا مطلوب عطا فرما کر مجھ سے اپنا آپ تسلیم کرا لیا ہے زینب۔" عباس حیدر اپنے دھیان میں اندر آنا چاہتا تھا مگر اسے فون پر محو گفتگو پا کر جانے کس احساس کے تحت وہیں باہر ہی تھم گیا اسے لگا ان پردوں کی گرہ کھلنے کو ہے جو اس پراسرار لڑکی کے سبھی اسراروں کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے تھی، تھا تو یہ غیر اخلاقی مگر وہ خود کو اس کا شوہر ہونے کے ناطے شاید اس میں حق بجانب پا رہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے زینب کہ عباس مجھے کیا حیثیت کیا درجہ دیتے ہیں میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے ان کا ہر لمحہ ساتھ اور ان کے نام کا معتبر حوالہ مل گیا ہے خود سوچو اگر میں ان کی قربت میں رہنے کی خاطر گورنس کی معمولی ملازمت قبول کرسکتی ہوں تو پھر اس کے سامنے تو یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔" وہ کتنے مطمئن اور سرشار انداز میں کہہ رہی تھی۔ عباس کے چہرے پر پھیلی گمبھیرتا میں کچھ اور اضافہ ہوا اور چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا۔ جبکہ فاطمہ اس کی موجودگی کے احساس سے بے خبر مگن انداز میں کہہ رہی تھی۔

تو نے انداز محبت دیکھا ہے انداز وفا نہیں وصی
پنجرہ کھول بھی دو تو کچھ پرندے اڑا نہیں کرتے

عباس کے ضبط کی انتہا یہیں تک تھی، وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

"کون ہے یہ، اس کا مقصد کیا ہے؟" سگریٹ سلگا کر گہرے کش لیتا وہ مضطرب سا ٹہل رہا تھا۔ تب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اسکرین پر بلال صاحب کا نمبر تھا۔

''السلام علیکم ینگ مین کیسے ہو؟'' ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح پرسکون تھا۔

''وعلیکم السلام، الحمدللہ آپ ٹھیک ہیں بلال بھائی؟''

''اللہ کا احسان اور کرم ہر پل محسوس کرتا ہوں تمام تر گناہوں کے باوجود، یہ رحمت ہے اس کی اور خاص عنایت۔ میں گیا تھا تمہاری طرف تو پتا چلا کہ تم اپنے گاؤں گئے ہوئے ہو۔ ایک اور بہت پیاری سی خبر بھی تمہارے حوالے سے سننے کو ملی دل خوش ہوگیا بہت اچھا فیصلہ ہے اللہ مبارک کرے۔'' بلال صاحب کہہ رہے تھے اور وہ جیسے پاتال میں گرتا جارہا تھا۔

''واپس آؤ تو مجھے ضرور بتانا۔ اس خوشی میں دعوت کروں گا تمہاری، فاطمہ بیٹی کو سلام کہنا خوش رہو ہمیشہ، السلام علیکم۔'' انہوں نے سلسلہ منقطع کردیا۔ عباس نے فون کان سے ہٹا کر مٹھی میں دبالیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر لمحہ بہ لمحہ سرخی بڑھ رہی تھی۔

(تو یہ تم تھیں جس کی غاصبانہ بدنگاہی نے مجھ سے میری خوشیاں چھین لیں میری عریشہ کو مجھ سے جدا کردیا اجاڑ ڈالا میرے دل کو)

ہونٹ بھینچے وہ بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ (اب میں تم سے جو بھی سلوک رکھوں اس میں حق بجانب ہوں گا)

❀ ❀ ❀

''مجھے سمجھ نہیں آئی اب اس کی اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟'' سکندر کے ہمراہ چلتے ہوئے فراز نے جھنجلا کر کہا تھا اس جھنجلاہٹ میں تفکر بھی تھا اور اضطراب بھی سکندر آہستگی سے مسکرادیا۔

''یہ سوال مجھ سے کرنے کے بجائے خود سے کرلو، فراز یہ جو درمیانی کیفیت ہوتی ہے نا بہت اذیت انگیز ہوتی ہے تم اسے اس اذیت سے نکال کیوں نہیں دیتے بات معمولی تھی ختم ہوسکتی تھی۔ وہ معافی مانگ بھی چکی ہیں تم سے اگر تم خود کو اتنا اعلیٰ ظرف نہیں پاتے تو پھر طلاق دے دو۔'' جتنے آرام سے سکندر نے یہ بات کہی تھی وہ اس قدر مضطرب ہوا تھا۔

''کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟'' سکندر جو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا جیسے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کو سوال کرگیا۔ فراز کے چہرے پر تذبذب چھانے لگا۔

''مجھے خود بھی نہیں پتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں، لیکن آج جب اس نے خود کو اس طرح سے زخمی کیا اور اپنی جان کے درپے ہوگئی تو مجھ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوسکی۔'' بہت ایمانداری سے اس نے اپنا تجزیہ پیش کیا سکندر کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

''تمہاری محبت پر خود ساختہ انا کا بسیرا ہے فراز، بہتر ہوگا کہ تم اس انا سے دامن چھڑا لو ورنہ یہ کوئی بڑا پچھتاوا تمہارے دامن میں ڈال دے گی۔'' سکندر نے نرمی سے کہتے ہوئے سگریٹ سلگالیا۔ فراز اسے پرسوچ نظروں سے دیکھتا رہا تھا پھر جب وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں آیا تو اریبہ کو سینے تک چادر پھیلائے آنکھیں موندے بستر پر دراز دیکھتا رہا۔ رنگت ایسے سفید پڑ گئی تھی جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ لانبی پلکوں کی جھالریں عارضوں پر ساکن تھیں۔ فراز کا دل کسی یاسیت کے حصار میں گھرنے لگا۔ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ اندر ہوتی اکھاڑ پچھاڑ سے نبرد آزما تھا جب اریبہ نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔

''پپ...... پانی......!'' اس کے خشک ہونٹوں سے نقاہت زدہ آواز نکلی جسے فراز بامشکل سن پایا تھا۔ اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کے قریب آکر اسے سہارا دے کر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگادیا۔ اریبہ کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو گویا پانی پینا بھول گئی۔

''پانی پیو اریبہ۔'' اس کے لہجے میں ملائمت تھی۔ اس کے باوجود اس نے ہاتھ سے گلاس ہٹادیا اور چہرے کا رخ پھیرلیا۔ اس طرح وہ شاید ان آنسوؤں کو اس کی نظر سے چھپانا چاہتی تھی جو اس توجہ و نرمی کے باعث آنکھوں میں امڈ آئے تھے۔

''کیوں ہیں آپ اتنے ظالم فراز، کم از کم مرنے تو دے سکتے تھے مجھے۔'' وہ جس طرح ٹوٹ کر بکھری اور روئی تھی وہ کیفیت اس کے ذہنی انتشار کو واضح کرتی گئی فراز

چند ثانیوں کو کچھ بولنے کے قابل نہیں ہوسکا۔

"تم صحیح کہتی ہو تمہیں مرجانا چاہیے، کیونکہ جن سے نفرت ہوتی ہے ان کے ساتھ رہنے ان کو برداشت کرنے سے موت بہرحال بہتر رہائی ہے۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی شاکی ہوگیا تھا اریبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ میری اس غلطی کو معاف بھی کرسکتے تھے فراز، مجھے کب اعتراف نہیں ہے کہ مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ شدید ترین نادانی تھی میری سراسر جذباتیت۔" وہ رو پڑی تو فراز نے سرد آہ بھری۔

"مگر وہ نفرت نادانی نہیں تھی جس بابانگ ودہل تم نے اظہار کیا تھا تم عام عورتوں کی طرح سمجھوتے کی بنا پر اپنی زندگی برباد کرتیں مجھے کبھی اچھا نہیں لگ سکتا۔" وہ پھر اسی سرد موڈ پر آنے لگا اریبہ صرف عاجز نہیں ہوئی خوف میں بھی مبتلا ہونے لگی۔

"مجھے اس اعتراف میں عار نہیں کہ اس رات میں نے جو کچھ کہا وہ سچ پر مبنی تھا مگر اس وقت میں غصے اور جھنجلاہٹ میں مبتلا تھی۔ میری تعلیم اس اچانک شادی کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی ماس کمیونیکیشن کی ڈگری میرا جنون تھا فراز، جس کی راہ میں آپ حائل ہوگئے تھے ورنہ آپ کو یاد ہونا چاہیے اس سے قبل آپ مجھ سے ملے تھے تو میرا رویہ اتنا شدید اور منتقمانہ نہیں تھا۔ میں بے تکی ہانک کر آپ سے جان چھڑانا چاہتی تھی مگر وہ ایک کنواری لاابالی لڑکی کی سوچ تھی جسے شادی کی پہلی رات نے ہی میچور بنادیا تھا اگلا دن اس کے لیے لاتعداد رویے اور انکشاف لے کر آیا تھا۔ فراز میں نے تب جانا تھا کہ میری ہر حیثیت ہر پہچان کا حوالہ آپ ہیں آپ کی عزت میری عزت قرار پائی ہے۔ اگر میں آپ کو ڈی گریڈ کروں گی تو دوسرے لفظوں میں خود پر ذلت مسلط کرلوں گی۔ میں واقعی غلطی کرچکی تھی جس کا احساس مجھے ہر شخص نے دلایا۔ میں نے واقعی یہ زندگی سمجھوتے سے آغاز کی تھی۔ مگر آپ کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے نہیں پتا میں کیسے آپ کی محبت میں گرفتار ہوتی چلی گئی اس کے باوجود کہ آپ کا رویہ اس کی گنجائش نہیں رکھتا تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیسے شاید وجہ یہ بھی ہو کہ میرا دل ایک کورا کاغذ تھا جس پر محبت کی تحریر آپ نے ثبت کی۔ میں ان الفاظ کی مہک اور سحر سے خود کو بچا نہیں سکی۔" وہ روتے ہوئے اپنی صفائی پیش کررہی تھی یا محض اپنی راہ کے کانٹے چن رہی تھی۔ جو بھی تھا فراز نے اس پر غور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بس تھوڑا سا فراخ دل ہو کر اس کے لیے گنجائش نکالنا چاہتا تھا۔

"ہمیں ان پرانی باتوں کو بھول کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہیے اریبہ، کیا خیال ہے؟" اس نے مسکرا کر بھنوؤں کو جنبش دے کر اس کی تائید چاہی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔ اریبہ کو غیر یقینی سے سکتہ ہونے لگا۔ وہ گنگ سی فراز کو تکنے لگی جس کے چہرے پر تازگی و روشنی تھی وہ بے اختیار آسودہ ہو کر مسکرانے لگی اور اپنا سر اس کے کاندھے سے ٹیک دیا۔

❋ ❋ ❋

"کہیں جارہی ہو بیٹے؟" بابا جان نے اسے تیار ہو کر کمرے میں آتے دیکھا تو قدرے حیرانی سے استفسار کیا۔

"جی بابا جان باجو سے ملنے دعا کیجیے گا کامیابی کی۔" اس کے مسکرا کر کہنے پر بابا سائیں لمحہ بھر کو چپ رہ گئے پھر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

"خدا تمہیں زندگی کے ہر نیک مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے میری بچی۔" ان کا گلا جیسے بھرا سا گیا لاریب ان کی یاسیت کی وجہ جانتی تھی جبھی خاموشی اختیار کیے رہی، کل رات ایک بار پھر انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے سکندر کا نمبر تو دو بیٹے میں خود بات کروں گا اس سے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا ہے تو پھر اسے اپنے فرائض کی جانب سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔" ان کی بات کے جواب میں لاریب کے چہرے پر تغیر بڑھنے لگا۔

"آپ کو انتظار کرنا چاہیے بابا جان، یہ احساس اسے خود سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ فرائض و ذمہ داریوں کو بھی

زبردستی لادا جائے تو بوجھ بن جایا کرتے ہیں اور میں زبردستی خود کو کسی پر مسلط کرنا پسند نہیں کرتی۔"

"اسے اپنے والدین کو تو ضرور آگاہ کرنا چاہیے تھا اپنی خیریت سے مگر اس نے ایسا بھی نہیں کیا آپ کو سوچنا تو چاہیے اس پوائنٹ پر بابا جان کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، دولت میں بھی تو بہت کشش ہے بابا جان۔ عین ممکن ہے وہ اسی چکا چوند کے آگے رشتوں کو فراموش کر گیا ہو۔ احسان سے لے کر حقوق و فرائض تک کو۔" وہ اتنی تلخ کبھی نہیں تھی جتنی ان دنوں ہو رہی تھی ایک چیز ہوتی ہے بے مائیگی جس کا احساس بہت شدید ہوا کرتا ہے۔ عباس کے بعد اب سکندر بھی اسے اس احساس سے روشناس کرا رہا تھا۔ پورچ میں آنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو ایڈریس کی چٹ پکڑانے کے بعد چلنے کا اشارہ کیا۔

سفر طویل تھا اور اسے اب ہر قسم کے انتظار سے وحشت ہونے لگی تھی۔ کتنا انتظار سہا تھا اس نے مگر سب بے کار لاحاصل، اس کا دل وحشتیں سمیٹ لاتا تھا بات اگر انصاف بے انصافی کی نہ رہتی اور اچھے برے سلوک پر جا کر رکتی تو کیا اس نے صرف سکندر کے ساتھ برا سلوک ہی کیا تھا؟ اس کے پاس ایسی یادیں بھی تھیں جب اس نے سکندر کو معتبر بھی کیا تھا۔ بابا جان کی خراب طبیعت کا جان کر اسے اپنی انا اپنی ضد کو پس پشت ڈالنا پڑا اس نے خود سکندر کو حویلی چلنے کا کہا تھا۔

"تھنک گاڈ یہ آپ کا بہت اچھا فیصلہ ہے لاریب جذباتیت اور انا و ضد میں کیے گئے بعض فیصلے سوائے پچھتاوں کے کچھ جھولی میں نہیں ڈالتے۔ بابا سائیں آپ کو دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔"

وہ فون سائیڈ پر رکھتا ہوا بے حد سنجیدگی و متانت سے بولا تھا لاریب نے اس کی بات کے جواب میں خاموشی اختیار کی اور اگلی صبح جب وہ جا رہا تھا تو لاریب اس کے ساتھ تھی۔

"میں گاڑی میں نہیں جاؤں گی۔" عجیب تھی اس کی ضد۔ سکندر کو ہنسی آنے لگی مگر وہ کوئی بات کہہ کر اسے غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا اور گاڑی وہیں چھوڑ کر اس کے ہمراہ حویلی کی جانب جانے والے راستوں پر قدم اٹھانے لگا۔ انہی راستوں پر ان کا ٹکراؤ وقاص حیدر سے ہو گیا تھا۔ بلیک مرسڈیز میں اپنی بارعب اور متکبر شخصیت کے ساتھ وہ اس کی جلن کا سامان کیے بغیر کیسے رہ لیتا۔

"کچھ لوگوں کو قسمت ایسے پٹختی ہے کہ بے چارے خود کو سنبھالے بغیر پستیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں جیسے تم، ہے نا لاریب؟" وہ اس کے عین مقابل رک کر اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے جبکہ لاریب سلگتی نظروں سے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔

"تمہارے پاس اگر گاڑی نہیں ہے تو آؤ میں ڈراپ کر دوں تمہیں پیدل چلنے کی کہاں عادی ہو تم اور لمبے سفر اس طرح کٹتے بھی کب ہیں۔" وہ ہر ممکن طریقے سے اس کا مضحکہ اڑا کر اس سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور لاریب نے اس پر تنفر آمیز نظر ڈالتے ہوئے سکندر کا بازو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ انداز میں استحقاق تھا گویا وہ وقاص پر ہی کچھ جتلانا چاہتی تھی۔

"آؤ سکندر، راستہ بدل کر چلتے ہیں انسانوں کو دیکھ کر کتوں کو بھونکنے کی عادت ہوتی ہے مگر انہیں پتھر مار کر زخمی کرنے والے احمق کہلاتے ہیں۔ انسان اور جانور میں کوئی تو تفریق ہونا چاہیے نا۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اور کترا کر وہاں سے چلی گئی تھی وقاص حیدر کی تمام تلملاہٹ سے محفوظ ہوتی ہوئی مگر وہ جیسے ہی نگاہوں سے اوجھل ہوا اس نے سکندر کا بازو چھوڑ دیا۔

"ویسے تمہارے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے؟" اس کا لہجہ اس پل یاسیت کی لپیٹ میں آ گیا تھا دکھ کی آنچ سے پگھلتا ہوا اس کا دل چاہا تھا وہ سکندر سے کہے مجھے تم سے ویسا تحفظ چاہیے جو کسی بھی شوہر کی موجودگی میں ایک بیوی محسوس کر سکتی ہے تم میرے ساتھ ہو تو یہ حصار اتنا مضبوط اتنا بھرپور ہو کہ کوئی مجھے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کا دل چاہا تھا سکندر سے کہے تم اگر جسامت میں مضبوط و توانا ہو تو پھر حوصلوں کو بھی

ایسا کرلو۔ تم میرے لیے ویسے بن جاؤ سکندر جیسا عباس ہے جس کا وجود ہی شیر جیسا ہے وہ بہادر ہے باحوصلہ اور بارعب ہے اس سے محبت کا باعث صرف اس کی خوب صورتی و وجاہت ہی تو نہیں تھی اس کی یہ خوبیاں بھی ہیں جن کے بغیر مرد مرد لگتا ہی نہیں۔

اس کا دل یہ بھی چاہا تھا سکندر سے کہے تم اس غلامانہ چولے کو اتار پھینکو میرے لیے۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ تمہیں ڈر آخر کس بات کا ہے مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ اندر ہلکورے لیتے درد نے اسے کچھ کہنے ہی نہیں دیا تھا۔ مگر اس کے برعکس سکندر نجانے اس پل کن کیفیات کا شکار تھا اس پر الٹ پڑا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں مگر یہ بات آپ کو تب سوچنی چاہیے تھی جب آپ نے مجھے اس منصب کے لیے چنا تھا یاد کریں انکار کی صورت میں تھپڑ سے تواضع کی تھی آپ نے ایک ملازم سے زیادہ حیثیت جب آپ نے مجھے نہیں دی تو کوئی اور کیسے مجھے کچھ سمجھ سکتا ہے۔" کتنا تلخ تھا اس کا لہجہ اور لاریب نے سوچا کیا یہ شخص کبھی سمجھے گا مجھے؟ دکھ کا شدید احساس اس کی رگوں کو بھینچتا ہوا خون کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ وہی احساس اب بھی آج بھی اس کے ساتھ تھا۔

(میں نے سوچا تھا سکندر ہر لحاظ سے غلطی پر میں ہوں تمہیں اپنے ساتھ اس سفر میں زبردستی شامل کرنے سے لے کر تمہیں اپنی زندگی کی تمام تر مشکل مراحل سے دوچار ہونے تک ہر بات کی میں ذمہ دار تھی میں نے تسلیم کیا میں زیادتیوں کے اس سلسلے کی مرتکب ہوئی تھی۔ اس لاحاصل بے مراد محبت نے مجھے ایسا ہی بے اوسان کر چھوڑا کہ مجھے غلط صحیح کی تمیز ہی بھول گئی تھی۔ رویوں کو برتنے کے طریقے سے لے کر مزاج سے آشنائی پانے کا ہر اصول، میں نے سوچا تھا اب ازالہ کروں گی تمہاری راہوں میں اپنی پلکیں بچھادوں گی۔ تمہارے ناز اٹھاؤں گی تمہارا ہر شکوہ اور بدلے میں کی گئی کوئی بھی زیادتی کشادہ دل سے برداشت کروں گی، مگر تمہارا گریز تمہاری پہلو تہی تمہاری یہ کوتاہی جس کا دائرہ تم نے اتنا وسیع کر دیا کہ اپنے والدین کے ساتھ میرے پیارے باباجان کو بھی گھسیٹ لیا اب میں تمہیں کیسے بتاؤں گی کہ میں تمہارے لیے کیا محسوس کرتی ہوں۔ میں نے سوچ لیا ہے سکندر میں کبھی تمہارے آگے محبت کے لیے دامن نہیں پھیلاؤں گی۔ اگر تم صبر کرسکتے ہو تو میں کیوں نہیں، اگر تم ضبط آزما سکتے ہو تو میں کیوں نہیں۔

"بی بی جی علوی لاج آگیا ہے، میرے خیال میں تو یہی ہے۔" ڈرائیور کی آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونک کر باہر آئی اور سیدھی ہوکر حیرانی سے کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھنے لگی۔ اس کی نظر شہر کے پوش ایریا میں ایستادہ سبزے میں گھری اس شاندار عمارت پر جا ٹھہری جو اپنے مکینوں کے ذوق اور حیثیت کا احساس اپنی انفرادیت اور شاہانہ طرز تعمیر سے کراتی محسوس ہوتی تھی۔

(تو یہ ہے آپ کا ٹھکانہ باجو، کاش ہماری ملاقات بھی خوشگوار ثابت ہو)

"جی میم، میں کیا خدمت کرسکتا ہوں آپ کی؟" گن سنبھالے مستعد نظر آتا واچ مین پجارو سے نکل کر اپنی جانب آنے والی خوش رو اور اپنے حلیے سے امیر ترین دکھائی دیتی اس لڑکی سے مودب انداز میں ہمکلام ہوا تھا۔

"مجھے شرجیل علوی سے ملنا ہے یہیں ہوتے ہیں نا وہ؟" اس نے گردن موڑ کر اسی پل وہاں آکر رکنے والی میرون ہنڈا اکارڈ کو دیکھا جس کا ہارن مسلسل بج رہا تھا لاریب نے دیکھا دروازہ کھول کر ایک سوٹڈ بوٹڈ لڑکا اس کی جانب پیش قدمی کررہا تھا۔

"مائنڈ مت کیجیے گا میم صاحب آئے ہیں میں گیٹ کھول کر آپ سے بات کرتا ہوں۔" واچ مین مہذب انداز میں کہتا جیسے ہی پلٹنے لگا قریب آتے فراز کو دیکھ کر سلام کیا فراز کی توجہ لاریب پر مرکوز تھی۔

"آپ......؟" اس کے شائستہ انداز میں الجھن نمایاں تھی۔

"سر یہ شرجیل صاحب کے متعلق پوچھتی ہیں۔" واچ مین نے جواب دینے میں عجلت دکھائی تھی فراز نے اب کی

مرتبہ ٹھٹک کر بغور لاریب کو دیکھا تھا۔
"آپ شرجیل بھائی کو کیسے جانتی ہیں آئی مین انہوں نے کوئی میسیج دے کر بھیجا ہے آپ کو یہاں؟"
وہ کتنا بے چین لگنے لگا تھا۔ لاریب کے اعصاب کو حیرت بھرا جھٹکا لگا۔
"واٹ یو مین، میں تو خود ان کی تلاش میں یہاں پہنچی ہوں کیا وہ یہاں نہیں ہوتے؟" لاریب کے انداز میں گھبراہٹ و پریشانی اتنی واضح تھی کہ فراز سرد آہ بھرتا سر کو نفی میں ہلانے لگا۔
"کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں آپ شرجیل بھائی سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی تھیں۔ اگر آپ بتائیں گی تب ہی میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں گا۔" فراز کے عجیب و غریب جواب پر لاریب نے جھنجلا کر اسے غصے سے گھورا۔
"آپ مجھے بتانا پسند فرمائیں گے آپ یہ انویسٹی گیشن کیوں کر رہے ہیں؟" فراز اس کے تیکھے چتونوں کو محسوس کرتا قدرے حیران ہوا پھر قدرے تحمل سے بولا تھا۔
"شرجیل میرے بڑے بھائی ہیں کچھ مسائل تھے ان کے جن کی بناء پر اب وہ یہاں نہیں رہتے مگر وہ مسائل ظاہر ہے میں کسی اجنبی سے شیئر نہیں کر سکتا آپ سمجھ رہی ہیں میری بات۔" آخر میں اس کا لہجہ جتلاتا ہوا ہو گیا۔
"کیا وہ مسائل ان کی مسز ایمان کی وجہ سے کری ایٹ ہوئے تھے، کیا ان کی شادی کے بعد آپ کی فیملی نے انہیں ایکسیپٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی بناء پر انہیں یہ گھر چھوڑنا پڑا؟" وہ قیاس کے گھوڑے دوڑا رہی تھی مگر اب کے فراز بری طرح سے چونک کر اسے سر تا پا تکنے لگا۔
"کیسے جانتی ہیں آپ یہ سب، کیا آپ کا تعلق ایمان بھابی سے ہے؟" لاریب دانستہ خاموش رہی فراز نے سرد آہ بھری تھی۔
"مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ معاملہ آپ کی توقع اور سوچ سے کہیں زیادہ گمبھیر اور پر تاسف ہے۔" اس کے لہجے میں اترا ہوا تاسف و ملال ہرگز بھی نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔ لاریب کا دل خدشات کے خوف اور بے چینی سے بھرنے لگا۔
"کیا مطلب، آپ مجھے تفصیل سے بتائیں پلیز، ویسے آپ کی تسلی کی خاطر میں بتا دوں میں ایمان باجو کی بہن ہوں باجو کے لیے ہمارے گھر میں بڑی مشکلوں سے پھر گنجائش نکلی ہے اور......!"
"کیا بہتر نہیں ہوگا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات کر لیں میں آپ کو اپنے گھر میں ضرور بلواتا مگر میرا ذاتی خیال ہے، ہم کہیں باہر بیٹھ کر زیادہ بہتر انداز میں بات کر سکیں گے اگر آپ مناسب سمجھیں۔"
فراز اس کی بات کاٹ کر جس سنجیدگی سے بولا اس نے لاریب کو کسی غیر معمولی صورتحال کا ادراک بخش دیا تھا جبھی اس کا دل گہرائیوں میں گرتا چلا گیا اک لفظ کہے بغیر لاریب نے آمادگی ظاہر کی تھی۔ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہ نزدیکی ریسٹورنٹ میں چلے آئے تھے لاریب نے ڈرائیور کو گاڑی میں رکنے کا کہا اور فراز کے ہمراہ اندر آ گئی۔ اس کا وجود جیسے کسی انہونی کے خیال کے ساتھ ہی بے جان ہوتا جا رہا تھا۔
"پلیز جو بھی بات ہے جلدی کہیں۔" خوف اس کے وجود میں سوئیاں گاڑھ رہا تھا۔
"مجھے افسوس ہے میرے پاس ہرگز اچھی خبر نہیں ہے۔" وہ بے حد افسردگی سے کہہ رہا تھا اور جو کچھ لاریب کے علم میں آیا وہ اتنا دل شگاف تھا کہ لاریب تمام ضبط تمام حوصلے گنوا کر ایک یکسر انجان شخص کے سامنے ہی روتی چلی گئی تھی۔

❁......۞......❁

عباس نے کمرے میں آنے کے بعد کوٹ اتار پھینکا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا جب دروازہ بجا تھا عباس نے اجازت دینے کو محض ہنکارا بھرا اور ٹائی کوٹ کے ساتھ صوفے پر پھینک دی۔ تبھی فاطمہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا، میری دوست ہیں زینب انہوں نے ہمیں آج کھانے پر بلایا ہے۔" عباس کے دل

میں اس کے لیے نفرت مزید شدت اختیار کرنے لگی۔

''کس خوشی میں ہے یہ ضیافت؟'' وہ بولا تو لہجہ پرتپش تھا فاطمہ نے اس تپش کو محسوس کرتے ہوئے گڑبڑا کر نظریں اٹھائیں اور جیسے لمحوں میں زیر ہوگئی۔

''ہاں خوشی تو ہوگی اسے۔ آخر وہ تمہاری دوست تھی تمہاری شاطرانہ چالوں کی کامیابی کا جشن تو منائے گی تمہارے ساتھ مل کر مگر میں تمہیں بتاؤں کہ میں اب مزید بے وقوف نہیں بن سکتا، تم نے جتنا لوٹنا تھا لوٹ لیا مجھے نفرت ہے تم سے، شدید نفرت۔'' وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا فاطمہ سرد پڑنے لگی۔

''مجھے تم سے نفرت ہے تم نے میرے ساتھ جو کیا وہ قابل معافی ہے ہی نہیں تمہیں مجھ پر ترس کیوں نہیں آیا، میری خوشیوں پر حاسدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے تمہیں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ میں عریشہ کو بھول کر جینا بھول سکتا ہوں۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑا عریشہ ہی مجھ سے نہیں بچھڑی میری خوشیاں بچھڑ گئی ہیں میں خود سے بچھڑ گیا ہوں۔'' کتنے دنوں کا لاوا تھا جو اس طرح سے پھٹ کر نکلا تھا وہ آنسوؤں میں ڈوب رہا تھا۔ فاطمہ اب بھی اس کے کرب اس کے آنسوؤں پر اپنا ہر دکھ ہر اذیت کو بھلائے تڑپ اٹھی تھی اور اس کی جانب لپکی، اسے سمیٹ لینے کو، اس کے آنسو پونچھ دینے کو۔ مگر وہ آمادہ ہی کب تھا اسے یہ حق دینے کو جبھی بے حد نفرت وحقارت سے نا صرف اسے جھٹکا بلکہ دھکے مار کر کمرے سے بھی نکال دیا۔

''چلی جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے اور کبھی ہوگی بھی نہیں۔'' وہ بالکل پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ فاطمہ بند دروازے کے آگے سوالی بنی کھڑی تھی۔ اپنی ذلت سے بے نیاز، اس کی تکلیف پر تڑپتی ہوئی وہ بھول گئی کہ وہ کس مقصد سے آئی تھی اسے بس عباس اور اس کا دکھ یاد رہ گیا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

''بس یار...... پھر کیا ہونا تھا وہ بہت بری طرح رونے لگی، اتنی پیاری لڑکی اور ایسا بڑا دکھ مجھے سچ میں بہت ترس آیا تھا اس پر پھر میں اسے وہاں سے اسپتال لے گیا جہاں بھابی ایڈمٹ ہیں ان کی حالت میں کوئی فرق نہیں آسکا بلکہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ ویک لگ رہی تھیں میں نے اور

فرزانہ سرور

السلام علیکم! جی تو دوستو میں ہوں فرزانہ سرور ملتان کے ایک خوب صورت گاؤں میں رہتی ہوں۔ ستمبر کی 15 تاریخ کو اس دنیا میں تشریف لائی' ہم چار بہن بھائی ہیں' میں سب سے بڑی ہوں مجھ سے چھوٹے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ جنوری کی شام بھلائے نہیں بھولتی' ہمارے ابو جان اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔ میں اپنی امی جان سے بہت محبت کرتی ہوں' خوبیاں تو بہت سی ہیں سب کا احساس کرتی ہوں کسی کو بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی' رحم دل ہوں۔ بڑوں کا احترام کرتی ہوں' محبت کا جواب محبت سے دیتی ہوں۔ ہم میں برائیاں بھی کچھ کم نہیں' غصہ حد سے زیادہ آتا ہے غصہ میں کسی سے بات نہیں کرتی جو کہوں فوراً بات پوری ہونی چاہیے۔ خانہ کعبہ میں زیارت کروں' مری کی سیر کرنے کی خواہش ہے اور اچھی افسانہ نگار بنوں جس کی کوشش جاری ہے۔ کھانے میں بریانی' قورمہ' نان چنے مل جائیں تو عید ہوجائے۔ پھلوں میں ناشپاتی' امرود' انار' سبزیوں میں کریلے دال' تورئی بھنی ہوئی اور سویٹ ڈش میں کسٹرڈ' کھیر' حلوہ پوری' رنگوں میں پنک کلر...... شہروں میں اسلام آباد' گاؤں میں اپنا گاؤں پیارا لگتا ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' ابو اور چچا جان شامل ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز سمیرا شریف' نازیہ کنول نازی' عشنا کوثر' شاعر میں علامہ اقبال' وصی شاہ اور دوستوں میں شہناز حنیف۔ میں نے ایک ہی دوست بنائی اب تک اور ہمیشہ کے لیے...... آپی عطیہ کزنوں میں بیسٹ کزن ہیں۔ شرعی پردہ کرتی ہوں اور پانچ وقت کی نماز کی پابند ہوں' اب اجازت چاہوں گی' اللہ حافظ۔

اس لڑکی...... اوہ میں اس کا نام پوچھنا تو بھول گیا، دراصل اس قدر گمبھیر صورت حال تھی کہ خیال ہی نہ آسکا تھا ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ خوب صورت تو امی بھابی بھی بہت تھیں مگر ان کی بہن...... یار قسم سے میں نے شاید اس سے قبل کبھی اتنا مکمل حسن نہیں دیکھا...... ارے یاد آیا جب میں نے فلم سائن کی تھی نا ساحر صاحب کی وہی تمہارے فیوڈل عباس حیدر صاحب ان کی مووی میں جو میرے ساتھ ہیروئن تھی نا وہ بھی اتنی ہی اتنی ہی حسین تھی۔ پتا ہے لوگ وہاں ساحر بھائی اور نندنی کو ایک ساتھ دیکھ کر کیا سمجھتے تھے، سب کا خیال تھا کہ یہ ایک بہترین شاندار کپل ہے حسن و خوب صورتی میں ایسا مکمل کہ جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔ مگر یار وہ تو محض ان کی فلم کی ہیروئن تھیں اور تھی بھی ہندو۔'' فراز اپنی عادت کے مطابق بات کو کہیں سے کہیں لے جا رہا تھا سکندر بہت ضبط اور تحمل کا مظاہرہ کرتا اس کی بات سنتا رہا اسے ٹوکے بغیر۔

''ڈاکٹر نے ہمارے بے حد اصرار پر بھی شرجیل بھائی کا ایڈریس نہیں دیا مجھے نہ ہی ان کا کوئی کانٹیکٹ نمبر، مجھے غصہ تو بہت آیا مگر ہے تو یہ رولز کے خلاف بات صاف لگتا تھا شرجیل بھائی نے ہی منع کر رکھا ہے انہیں۔'' وہ متاسف سا کہہ رہا تھا۔

''لیکن بے فکر رہو میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا تمہیں بھی ڈھونڈ نکالا تھا ایک مزے کی بات تو سنو تم مجھے ملے تھے نا، اس سے چند روز قبل میں نے تمہاری تلاش کے لیے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا معاً ایک دم چپ کر کے اسے بغور تکنے لگا۔

''کیا ہوا تم اتنے چپ کیوں ہو سکندر؟'' سکندر نے سگریٹ پھینک کر اپنی آنکھوں کے بوجھل ہوتے پپوٹے انگشت شہادت سے دبائے۔

''کچھ طبیعت بہتر نہیں ہے، بہت تھکن بھی ہو رہی ہے میرا خیال ہے مجھے آرام کرنا چاہیے۔'' وہ آہستگی سے کہتا اٹھا تو فراز نے تشویش میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چھوئی۔

''بخار تو نہیں ہے کیا محسوس کر رہے ہو تم؟''

''کچھ نہیں فراز...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سر درد ہے معمولی سا۔'' سکندر نے جیسے اسے ٹالا مگر فراز ان سنی کر گیا۔

''میں نبیل سے کہتا ہوں آکر تمہیں چیک کرے چائے بھی بھجواتا ہوں تمہارے لیے۔''

''فراز کم آن یار، نبیل کو زحمت مت دینا بے آرامی ہے بس البتہ چائے ضرور بھیج دینا میں اپنے کمرے میں ہوں۔'' رسان سے ٹوکتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا فراز کو وہ الجھا ہوا لگا یوں جیسے کچھ چھپا رہا ہو مگر اس نے کریدنا مناسب نہیں سمجھا وہ جانتا تھا سکندر اسے خود بتا دے گا۔

❊ ...... ◈ ...... ❊

سکندر، فراز سے بہانہ کر کے اٹھا تھا ورنہ اسے آرام کی ضرورت ہوتی تو اپنے کمرے میں یوں بے چین بے قرار ٹہل نہ رہا ہوتا اس کے ذہن میں اس وقت بے حد تلخی و بے بسی کے ساتھ وحشت کا احساس بھی سرسرا رہا تھا۔ کل جب لاریب یہاں پہنچی تو یہ محض اتفاق تھا کہ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا اس کی نگاہ سڑک پر اسی طرف آتی پجارو کو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پہچان گئی تھی آخر ایک عرصہ اس نے خود بھی اس گاڑی کو استعمال کیا تھا۔

مگر اس پل یہاں...... علوی لاج کے سامنے اسے رکتے پا کر سکندر کا دل ایک لمحے کے لیے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا پہلا خیال اسے بابا سائیں کا ہی آسکا تو کیا وہ اسے تلاش کرتے یہاں آپہنچے تھے؟ مگر بابا سائیں کے بجائے لاریب کو گاڑی سے برآمد ہوتے دیکھ کر تو اس کا دماغ ہی چکرانے لگا یہ تو کسی طرح بھی اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ آنے والی لاریب بھی ہو سکتی ہے۔

گلابی لباس میں وہ خود بھی گلابی گلابی ہو رہی تھی نازک اور بے تحاشہ حسین ہمیشہ کی طرح اس کے اعصاب کو جکڑ کر اس پر سحر طاری کرتی ہوئی اپنے تئیں وہ اس سے بدگمان تھا کتنا خفا تھا مگر اسے روبرو پا کے دل جس طرح زندگی کے احساس سمیت دھڑک اٹھا تھا وہ انداز سکندر کو اچھا نہیں

لگا۔ اب وہ اس دل کو مزید اس لڑکی کی خاطر خوار ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ جبھی بے حسی کا لبادہ اوڑھتا کھڑکی سے ہٹ گیا۔

وہ اسے نہ دیکھ کر اس کے پاس نہ جا کر خود کو اپنے ضبط کو آزمانا چاہتا تھا مگر دل خوش فہم تھا کہ اگر وہ یہاں تک پہنچ گئی ہے تو اس تک بھی لازماً رسائی پائے گی آخر وہ اس کی خاطر تو آئی تھی، ایک ایک لمحہ صدی بن گیا۔ بالآخر ضبط چھلک گیا بے چینی بڑھی تو اسے اٹھنا پڑا کھڑکی سے گیٹ کے پار جھانکنے پر اسے بچارو نظر نہیں آسکی اس نے پورٹیکو کی جانب نگاہ کی مگر وہاں بھی اس گاڑی کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس کی حیرانی پر اضطراب اور پشیمانی کا غلبہ چھانے لگا جبھی اسے واچ مین سے پوچھنا پڑا اس کے بغیر چارہ ہی کہاں تھا بھلا۔

''سر وہ میم صاحب شرجیل صاحب کا پوچھ رہی تھیں پھر فراز صاحب کے ساتھ کہیں چلی گئیں۔''

''چلی گئی، فراز کے ساتھ؟'' اس کو حیرانی ہوئی۔

''جی سر بالکل، فراز صاحب اپنی گاڑی سے، میم اپنی گاڑی سے۔ میں نے سنا تھا فراز صاحب انہیں کچھ بتانا چاہ رہے تھے۔'' واچ مین نے حسب استعداد تفصیلات دے دی تھیں مگر سکندر کی بے چینی عجیب سی رقابت کا شکار ہوتی چلی گئی وہ اپنی کیفیت سے نگاہ چراتا ہوا واپس آیا تھا تب تک بھی اس کے ذہن میں ایمان اور شرجیل نہیں تھے اس کی ہر سوچ کی مضطرب اڑان لاریب سے شروع ہو کر لاریب پر ہی ختم ہوتی تھی لیکن جب فراز نے اسے ہر بات تفصیل سے بتائی تب سکندر کے اعصاب پر انکشاف کا بھاری بوجھ آ گرا تھا۔

''اف..... تو ایمان بی بی کے ساتھ اتنا برا ہوا۔'' اس نے سر تھام لیا دل کتنا بوجھل ہوا تھا یہ سب جان کر، گویا ایمان سے وہاں ہی نہیں یہاں بھی گہرا تعلق نکل آیا تھا اور لاریب اس کی نہیں درحقیقت ایمان کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں لاریب کے تنفر چھلکاتے تمام روپ سمانے لگے۔ اس نے دانستہ فراز سے اپنی تمام کیفیات کو چھپا لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا فراز لاریب سے اس کے حوالے سے آگاہ ہو۔ ابھی تو اسے خود اپنے دل کی خبر نہیں تھی کہ وہ لاریب کے متعلق کیا چاہتا ہے بس اس میں تو ایک سناٹا تھا۔ دستک کی آواز پر اس نے ٹہلنا موقوف کر کے خود آگے بڑھ کر دروازہ وا کیا تھا مگر روبرو تائی اماں کو پا کر قدرے حیران نظر آنے لگا۔

''تم نے چائے مانگی تھی نا میں خود لے کر آئی اپنے بیٹے کے لیے سر میں درد ہے تو دبا دوں؟'' مسکراہٹ کے پھول نچھاور کرتیں وہ واری صدقے ہونے کو تیار تھیں۔ سکندر کے ذہن میں ان کے حوالے سے کہی گئی نبیل اور فراز کی تنبیہی باتیں گونجیں۔ شک اس کی فطرت میں نہیں تھا وہ بہت سادہ لوح انسان تھا ہر کسی کو اپنے دل کی صاف شفاف نگاہ سے دیکھنے والا مگر تائی ماں کے چاپلوسانہ انداز سے اسے بھی بے رازی وا کتاہٹ محسوس ہوتی تھی۔

''نہیں بہت شکریہ آپ کا چائے کے لیے آپ نے زحمت کی۔'' مگ ان کے ہاتھ سے لیتا وہ رواداری سے بولا تھا مگر وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے پر ہرگز آمادہ نہ تھیں۔

''ارے زحمت کیسی بیٹا، اچھا تم چائے پی لو میں صالحہ کو بھیجتی ہوں وہ سر دبا دے گی تمہارا؟''

''ارے نہیں پلیز میں بالکل ٹھیک ہوں تائی ماں آپ انہیں ہرگز نہ بھیجیے گا۔'' وہ اتنا بوکھلایا کہ فی الفور انکار کر دیا پوری شد و مد کے ساتھ اور تائی ماں مسکراتے ہوئے پلٹ گئیں اس مسکراہٹ نے سکندر کو عجیب سا احساس بخشا وہ اس مسکراہٹ کا مطلب ہرگز نہیں سمجھ سکا۔ مگر اس وقت سر تھام کر رہ گیا جب سجی بنی صالحہ اس کے سر پر آ کر سوار ہوئی تھی۔

سکندر اس کی خوامخواہ نظر ٹکا کر دیکھنے نظروں کے تیر پھینکنے ادائیں دکھانے والی عادت کو محسوس پہلے بھی کر چکا تھا مگر بہت خوبی سے نظر انداز کرتا رہا تھا۔ مگر آج مصیبت یہ تھی کہ وہ اس کے کمرے میں گھس آئی تھی اور اسے اس کام کی شہ اس کی ماں نے دی تھی جو اپنے نام کے بالکل برعکس

تھی۔غم وغصے کے ساتھ ساتھ سکندر کو تاسف ملال نے بھی ادھ موا کر ڈالا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ میرا سر درد نہیں کر رہا آپ تشریف لے جائیں یہاں سے۔" سکندر کے لیے یہ سب بہت نا قابل برداشت تھا جب وہ اس کے برابر اس کے بالکل ساتھ جڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھا کھڑا ہوا۔

"آپ تو شرمانے میں لڑکیوں کو بھی مات دے رہے ہیں۔" وہ اس پر جھک کر کہہ رہی تھی۔ گلا قابل اعتراض حد تک گہرا، دوپٹے کا بس تکلف ہی برتا گیا تھا لہجہ بہکا ہوا تھا سکندر شاکڈ ہونے لگا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کوئی لڑکی اپنی نسوانیت کو پامال کرتی اتنا بھی گر سکتی ہے۔

"آپ یہاں سے چلی جائیں ورنہ.....!"

"ورنہ کیا؟" وہ اسی بے باک انداز میں ہنس کر کہتی گویا اسے شہ دے رہی تھی۔ سکندر کا دماغ سن ہونے لگا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس بے باکی کے جواب میں جانے کتنی اخلاقی حدیں پھلانگ جاتا مگر سکندر رنج وغم سے دیوانہ ہوتا اس پر ہاتھ اٹھانے سے خود کو روک نہیں سکا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں ٹکڑے کر دوں گا تمہارے۔" وہ اسے دروازے سے باہر کر کے کمرہ لاکڈ کر چکا تھا۔ اس کا دماغ اور خون ابل رہا تھا صالحہ کے خیال سے ہی اسے گھن آ رہی تھی اسے اس مقام پر لاریب یاد آئی۔ دوپٹے کا خیال وہ بھی کبھی نہیں کرتی تھی اس کے سامنے نکاح سے پہلے سے لے کر بعد تک بھی مگر اس کی اس بے پروائی میں بے حیائی کا عنصر کبھی بھی چھلکتا نظر نہیں آیا تھا اس کا انداز معصومانہ اور بے پروا ہوا کرتا تھا۔ صالحہ کی تو باڈی لینگویج ہی بے ہودہ تھی۔ لاریب تو اس کی خلوتوں میں آ کر بھی اس کی قربتوں میں بھی اس طرح نہیں بہکی تھی جیسے یہ صالحہ بہکی تھی۔ ہاں یہی فرق تھا ان دنوں میں اس سے محبت اور اس سے نفرت کی وجہ یہی بنیادی فرق بن سکتا تھا۔ ورنہ محبت تو اسے ثانیہ سے بھی نہیں تھی لیکن وہ اس سے صالحہ کی طرح نفرت کرتا تھا نہ اس کے خیال سے گھن محسوس کرتا تھا۔

❀ ❀ ❀

وہ اتنی ڈسٹرب اور بے قرار تھی کہ کسی طرح بھی بابا سائیں سے یہ بات نہ چھپا سکی۔ جسے سن کر ان کا چہرہ کیسے ہلدی کی طرح زرد پڑتا چلا گیا تھا اور ہونٹ نیلے ہوتے ایسے کانپنے لگے جیسے تشنج میں مبتلا ہوں۔

"اللہ گواہ ہے میں نے کبھی اسے بددعا نہیں دی میں نے کبھی اس کے لیے برا نہیں چاہا تم مجھے اس کے پاس لے چلو میرا دل رک رہا ہے لاریب۔" جب وہ کسی طرح بھی خود کو نہیں سنبھال سکے تو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لاریب جو جانے کب سے ضبط کیے بیٹھی تھی ان کے ساتھ لگ گئی۔ دکھ سانجھا تھا اور بہت بڑا بھی آنسو تھمتے تھے نہ ملال ڈھلتا تھا۔ وہ سب اپنے اپنے طور پر اس سے خفا اور شاکی تھے اور وہ تن تنہا کیسی آزمائشوں سے گزر رہی تھی...... اور اب، اب جس انجام پر تھی اس سے آگے کیا ہونا تھا یہ تو کوئی بھی نہ جانتا تھا سوائے اللہ کے۔

جس لمحے لاریب خود بھی آنسو بہاتی بابا سائیں کو تسلی سے نواز رہی تھی امامہ اپنی بچی کے ہمراہ پہلی بار یہاں ان سے ملنے آئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں مسکان تھی اور چہرے پر ملنے والی خوشیوں کی جگمگاہٹ مگر ان پر نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے کی تازگی کی جگہ خوف وہراس نے لی لے۔ سہم اتر آیا تھا اس کی آنکھوں میں۔

"بابا جان...... بجو......!" اس کے حلق سے گھٹی ہوئی آواز نکلی تھی اگلے لمحے وہ دوڑ کر آئی تھی۔ لاریب نے اسے دیکھ کر خود کو سنبھالنا چاہا مگر جیسے ضبط اور حوصلے کی ساری طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔

"باجو تو ٹھیک ہے نا بجو...... آپ نے انہیں ڈھونڈا تھا۔"

امامہ کے دل نے جیسے دہل دہل کر از خود گواہی دے دی تھی لاریب کو سسکیوں پر بند باندھنا دشوار ہونے لگا اس نے انہی سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان وہ دل فگار مرحلہ پھر سے طے کیا ایمان کے حوالے سے صورتحال جانتی امامہ

کا چہرہ پتھراتا چلا گیا۔ پھر وہ اس وقت تک ایسے ہی رہی تھی جب تک اس نے ایمان کو دیکھ نہیں لیا۔ اسے یاد آیا اس نے کہا تھا وہ ایمان سے بہت جھگڑے گی وہ اس سے کبھی نہیں بولے گی مگر ایمان نے ایسی کوئی نوبت ہی نہیں آنے دی۔ وہ خود ناراض ہوگئی تھی ان سب سے۔ اتنی ناراض کہ کسی کے بھی پکارنے پر آنکھ کھولتی تھی نہ جواب دیتی تھی اس کی حالت دیکھتی امامہ کی دلخراش چیخیں در و دیوار کو لرزانے لگیں وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

''باجو کو اٹھائیں بابا جان، میں انہیں ایسے نہیں دیکھ سکتی۔ آپ انہیں کہیں آپ ان سے خفا نہیں ہیں۔ بابا جان یہ آپ کو خفا کر کے کبھی خوش نہیں رہ سکتی تھیں۔ یہ اسی لیے ہم سب سے روٹھ گئی ہیں کہ آپ ان سے خفا تھے۔ بابا جان خدا کے لیے انہیں کہہ دیں آپ نہیں ہیں خفا ان سے۔ انہیں اٹھائیں بابا جان ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا میں مر جاؤں گی۔'' چیخ چیخ کر بے حال ہوتے اس کا گلا سوکھ گیا رو رو کر آنکھیں سوجھ گئیں۔ اس کی حالت ہر گزرتے لمحے غیر تر ہوتی جارہی تھی۔ انہیں صحیح معنوں میں ایمان کی بھول کر اس کی فکر کرنی پڑی۔ ڈاکٹر کے مشورے پر اسے فوری طور پر سکون آور دوا کا انجکشن لگا دیا گیا۔

''اب ہمیں چلنا چاہیے بابا جان، امامہ کی طبیعت بہتر نہیں ہے۔'' لاریب واپس بابا سائیں کے پاس آ گئی جو چند گھنٹوں کے اندر اپنی عمر سے دوگنے نظر آنے لگے تھے۔

''یہ شرجیل علوی ہیں مریضہ کے ہزبینڈ انہیں میں نے بلوایا ہے یہ ضروری تھا کہ میں آپ کی آمد ان کے علم میں لاتا۔'' ڈاکٹر کے کرائے گئے تعارف پر لاریب نے تمام تر ذہنی انتشار و اضطراب کے باوجود بے اختیاری کی کیفیت میں گردن موڑ کر دیکھا سنجیدہ و متین دراز قامت بے حد خوبرو سا نوجوان کچھ فاصلے پر کھڑا حیران پریشان سا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی لاریب کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ بابا سائیں کا بازو چھوڑتی وہ مشتعل انداز میں اس کی جانب بڑھی اور اگلے لمحے جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

''تم لے کر گئے تھے نا انہیں ہم سے چھین کر۔ اگر سنبھال نہیں سکتے تھے تو کیوں کیا تھا یہ کام؟ ان کی حیثیت نہیں منوا سکتے تھے تو انہیں تختہ مشق کیوں بنوایا، مجرم ہو تم میری بہن کی خوشیوں کے تمہیں کوئی حق نہیں تھا ہم سے ہماری بہن چھیننے کا۔'' وہ ہسٹریک ہو چکی تھی ایمان کی تباہ کن حالت امامہ کی صدمے سے بگڑتی طبیعت ان سب کا ذمہ دار وہی شخص تھا وہ اسے سامنے پا کر اپنے غم و غصے اور اشتعال پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔ اسے مجرموں کی طرح اپنی عدالت میں کھڑا کیے خود بھی بلک اور تڑپ رہی تھی۔ جب ڈاکٹر کے ساتھ مل کر بابا سائیں نے اسے سنبھالا ڈاکٹر صاحب نے شرجیل کو پکڑ کر فاصلے پر کر دیا تھا وہ تب بھی خاموش تھا۔

''لاریب......لاریب بیٹا کیا ہو گیا ہے سنبھالو خود کو۔'' بابا سائیں نے بے بسی کی انتہا پر جا کر بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لگایا جو تھر تھر کانپ رہی تھی انہوں نے معذرت خواہانہ نظروں سے سر جھکائے کھڑے آزردہ نظر آتے شرجیل کو دیکھا تھا۔

''معاف کر دینا بیٹا، بہن ہے نا برداشت نہیں کر سکی اتنے عرصہ بعد اسے دیکھا بھی تو اس حالت میں، ہم تو سمجھتے تھے وہ خوش ہوگی ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ......!'' ان کی آواز بھرا گئی، شرجیل نے غم سے نڈھال ہوتے انہیں دیکھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں یہ صرف ایمان کی نہیں میری بھی بہن ہیں آپ پلیز گھر چلیے میرے ساتھ چھوٹی سسٹر کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ اتنا طویل سفر نہیں کر سکتے۔'' شرجیل کے انداز میں اپنائیت تھی۔

''نہیں شکریہ بیٹا آپ کو زحمت ہوگی۔'' ان کو وہ شائستہ اطوار وجیہہ نوجوان بہت بھایا تھا۔ دل میں جیسے کوئی خار چبھنے لگا (کاش وہ اس وقت انکار نہ کرتے انا کا مسئلہ نہ بناتے اور اپنی بیٹی کی خوشی کے مطابق فیصلہ کر دیتے شاید آج صورتحال اتنی تکلیف دہ نہ ہوتی) ان کا غم سے بوجھل دل پچھتاوں کا شکار تھا۔

''اس طرح کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں باباجان، ایمان کا گھر ہے وہ آپ کی بیٹی کا، پلیز مجھے میزبانی کا شرف بخش دیں اور ایمان کی طرف سے بے فکر ہوجائیں مجھے اللہ پر پورا یقین ہے وہ بہت جلد ٹھیک کردے گا اسے آپ کا دکھ مجھ سے الگ نہیں ہے اور اپنے نواسے سے بھی تو ملنا چاہیے آپ کو، زارون ایمان اور میرا بیٹا۔'' آخری فقرہ اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ باباسائیں نے چونک کر پہلے لاریب کو پھر اسے دیکھا تھا جس کے چہرے پر اس دوران پہلی بار روشنی سی پھوٹی تھی۔

''ہمیں چلنا چاہیے باباجان زارون سے ملنا چاہیے۔'' بھیگی آنکھیں پونچھتی ہوئی وہ بااصرار انداز میں گویا تھی کچھ دیر قبل کی ہذیانی کیفیت اب تبدیل ہوچکی تھی اس کے چہرے پر خفیف سی شرمندگی کا تاثر اس کے چہرے کو نکھار بخش رہا تھا۔

''آئی ایم ساری شرجیل بھائی مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، غصے میں مجھے..... آپ ٹھیک کہتے ہیں ہمارا دکھ سانجھا ہے۔''

جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے لاریب نے اچانک شرجیل کو مخاطب کرلیا تھا اس کے لہجے میں اپنی جذباتیت میں سرزد ہونے والی حرکت پر شرمندگی کا گہرا تاثر تھا۔

''اٹس او کے، ٹیک اٹ ایزی۔'' شرجیل کے انداز میں بڑے بھائیوں والی مخصوص رواداری تھی۔

❀ ..... ◈ ..... ❀

''تمہیں پتا ہے آج میں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا؟'' سکندر کام میں مصروف تھا جب فراز نے اس کے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

''میں مصروف ہوں مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں کہ تم کیا جھک مارتے پھرتے ہو۔ خبردار جو تم نے یہ کہا مجھ سے، میں تمہارا محسن ہوں یاد رہے۔'' سکندر نے جب اسے جواب دیے بنا اپنا کام جاری رکھا تو فراز آکر اس کی کرسی کے ہتھے پر ٹکتا ہوا جیسے اسے چھیڑنے کو بولا۔ سکندر ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ جانتا تھا اب وہ کسی صورت بھی اپنی سنائے بغیر اسے کام نہیں کرنے دے گا۔

''نہیں بھولوں گا ڈونٹ وری مگر تم وہاں بیٹھو انسانوں کی طرح۔'' سکندر کے جزبز ہوکر ڈانٹنے پر وہ بے تحاشہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''یار کیا ہر وقت دو اور دو چار کرنے میں لگے رہتے ہو پہلے ہی بہت مالدار ہو ماشاء اللہ۔'' اس نے ایک بار پھر اسے غصہ دلانے والی حرکت کی اور لیپ ٹاپ بند کردیا۔

''یار یہ کیا کررہے ہو تم؟'' سکندر چیخا تھا جبکہ فراز کاندھے اچکا تا ہنستا چلا گیا۔

''تم میری بات سنو گے نہیں اور میں کام نہیں کرنے دوں گا تمہیں۔'' اس کے اطمینان میں مجال ہے جو فرق آیا ہو سکندر نے جھلا کر اسے دیکھا۔

''مت بھولا کرو کہ اس طرح کے نخرے تمہیں اریبہ بھابی سے اٹھوانے چاہیے۔''

''مجھے تو تم بھی اپنی بیوی کی طرح ہی پیارے لگتے ہو۔'' فراز نے اسے آنکھ ماری جس پر سکندر بدک سا گیا اور فراز کے قہقہے گویا چھت اڑانے لگے۔

''تم اپنا کارنامہ بتاؤ گے؟'' سکندر نے اسے دوسری کرسی پر دھکیل کر گویا جان چھڑانے کی ابتدا کی فراز اس کی بے بسی کو محسوس کرتا خط اٹھا کے مسکرانے لگا۔

''آج میں نے مناسب فاصلہ رکھ کر شرجیل بھائی کا گھر دیکھ لیا ہے۔ وہ اپنے سسرالی عزیزوں سے ملنے آئے تھے غالباً واپسی پر انہیں اپنے گھر لے گئے تھے مجھے لگتا ہے ان کی آپس میں صلح ہوگئی ہے۔'' سکندر فراز کے انکشاف پر یکدم ساکن ہوکر رہ گیا۔

(تو گویا تم بھی آئی ہوگی اچھی شروعات ہے یہ آپ کو خوشیاں مبارک ہوں لاریب بی بی)

''تمہیں کیا ہوجاتا ہے، گونگے کا گڑ کھالیتے ہو بیٹھے بٹھائے۔'' فراز کے ٹہوکا دینے پر وہ زور سے ہڑبڑایا۔

''میں سوچ رہا ہوں تمہیں ان کا تعاقب کرنے کے بجائے مل لینا چاہیے تھا شرجیل سے۔'' وہ اپنی حاضر دماغی کا ثبوت فراہم کرنے کو بولا۔ فراز نے اگلے لمحے اس کی

اصلاح رد کردی تھی۔

''مجھے وہ وقت مناسب نہیں لگا تھا میں اب کسی بھی وقت ان سے الگ جا کر ملوں گا انہیں سمجھاؤں گا۔''

''تمہیں انٹیلی جنس سروسز میں ہونا چاہیے تھا۔ خوب نام کماتے۔'' سکندر نے تبصرہ کیا تو فراز ہاتھ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کسی خیال کے آنے پر ایک دم مسکرانے لگا۔

''وہ پری وش بھی ساتھ تھی آج سفید لباس میں تھی یار مجھے لگتا ہے تمام کلرز بنے ہی اس کے لیے ہیں جس رنگ کو پہن لیتی ہے جیسے خود پر ناز کرنے لگتا ہے کوئی اتنا حسین کیسے ہوسکتا ہے بھلا؟'' یہ تعریفی وتوصیفی جملے وہ بھی فراز کی زبانی سکندر کو ہتھوڑے کی ضرب بن کر لگے چہرہ تمام تر ضبط کے باوجود سرخ پڑ گیا۔

''شیم آن یو آل ریڈی شادی شدہ ہو تم۔'' وہ کسی طرح بھی خود کو اسے پھٹکارنے سے باز نہ رکھ سکا۔ فراز کو پرواہی کہاں تھی بے شرمی سے دانت نکالتا رہا۔

''افوہ...... کیا شادی شدہ مرد کسی حسین ترین لڑکی کی تعریف نہیں کرسکتے؟'' اس نے اس کا جھنجلایا ہوا چہرہ دیکھ لطف اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''تم جاؤ اب...... مجھے کام کرنا ہے اور سنو...... آئندہ اسے ایسی ویسی نظر سے دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ بھی شادی شدہ ہے۔'' بے حد رکھائی سے کہتا وہ اپنے آگے دھری فائل کھول چکا تھا مگر فراز اسے ٹھٹکا کے رکھ گیا۔

''یہ بات میں بھی جانتا ہوں آل ریڈی۔'' سکندر نے بے ساختہ نظر اٹھائی۔ فراز اس کی جانب متوجہ تھا نگاہ چار ہونے پر خوب صورتی سے مسکرایا تھا۔

''مجھے لاریب سکندر حیات سے مل کر بہت اچھا لگا تھا اس دن وہ واقعی اس قابل ہیں کہ اس کو عزت دی جائے مگر شاید وہ تم جیسا گھونچو ڈیزرو نہیں کرتی تھیں۔'' اس کے انداز سے چھلکتی شرارت کے باوجود سکندر ہق دق رہ گیا تھا۔ اس آخری بات پر طیش میں آتا اس پر گھونسا تان گیا فراز نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے کیا۔

''مذاق کررہا تھا یار۔''

''نہیں تم بالکل درست کہہ رہے ہو فراز۔'' وہ شکستہ اور نڈھال لگنے لگا تھا فراز کی اس کو تکتی آنکھوں میں اضطراب در آیا۔

''بکومت سکندر ایسا فضول مت سوچا کرو۔''

''تمہیں یہ سب اس نے بتایا؟'' سکندر نے اسی کیفیت کے زیر اثر سوال کیا' یوں جیسے اسی سوال کے جواب سے اپنی حیثیت اپنے مرتبے اور غم وخوشی کا حساب طے کرے گا۔

''نہیں تمہارے گم صم انداز سے قیاس کیا تھا جو سو فیصد درست نکلا میں نے اس روز جھوٹ بولا تھا بھابی سے ان سے کا نام میں پوچھ چکا تھا۔'' اور سکندر کے چہرے پر لرزتے سائے جیسے ٹھہر گئے تھے اب وہاں مستقل تاریکی کا راج تھا ایک بار پھر ہار اور شکستگی اس کے حصے میں آچکی تھی۔ وہ اب جانے کتنی دیر تک بول نہیں سکتا تھا۔

''میں نے انہیں تمہارے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں بتادوں۔''

''تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گے فراز، میں کہہ رہا ہوں۔'' اس نے طیش کے عالم میں کہتے ہاتھ مار کر قیمتی اور نفیس ایش ٹرے میز سے نیچے گرادی۔ فراز اس کا اشتعال دیکھتا رہا گیا۔

''کام ڈاؤن سکندر، تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا یار، ریلیکس۔'' فراز نے اس کا کاندھا تھپک کر نرمی سے سمجھانا چاہا۔ سکندر ہونٹ بھینچے سرخ چہرے کے ساتھ دوسری سمت دیکھتا رہا۔ جیسے اپنے کھولتے دل ودماغ پر قابو پانے کی سعی میں مصروف ہو۔

❀......✺......❀

''صاحب......!'' عباس گاڑی لاک کرکے پلٹا ہی تھا کہ ملازمہ کے پکارنے پر رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''صاحب فاطمہ بی بی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے پلیز انہیں آکر دیکھیں۔'' ملازمہ گھبرائی ہوئی لگتی تھی عباس نے الجھ کر اسے دیکھا پھر سوال کا ارادہ موقوف کرتا اس کے ساتھ بچوں کے کمرے میں چلا آیا وہیں

فاطمہ کا اب بھی قیام ہوتا تھا۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' فاطمہ کو ہاتھ پیر چھوڑے بستر پر بے سدھ بے خبر پڑے دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ سیاہ لباس میں بھی ماند پڑتی رنگت، آنکھوں تلے گہرے ہوتے حلقے، وہ ان دو دنوں میں ہی جیسے آدھی رہ گئی تھی۔ اس آخری تلخی کے بعد عباس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے اس کو دیکھنے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ اس کے نزدیک اس کی حیثیت واہمیت آج بھی اپنے بچوں کی گورنس سے بڑھ کر نہیں تھی۔

''بی بی صاحبہ کو دو دن سے بخار ہے مگر یہ دوا نہیں لیتی، ابھی بھی بخار بہت تیز ہے۔'' ملازمہ اپنے تیئں اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرتے ہوئے فاطمہ کے ہاتھ سہلا رہی تھی مگر وہ تو یوں لیٹی ہوئی تھی جیسے اب کبھی اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

''پپا...... مما کو کیا ہوا؟'' اسامہ جو فاطمہ کی حالت کی بدولت وہیں بیڈ پر دبکا ہوا تھا اس سے لپٹ کر سہما ہوا بولا۔ عباس نے کوفت زدہ نظر فاطمہ پر ڈال کر اسامہ کو گود میں لے لیا۔

''کچھ نہیں بیٹے ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' پھر خشمگیں نظروں سے ملازمہ کو دیکھتے بچہ اس کے حوالے کیا۔

''آپ بچوں کو دوسرے کمرے میں لے کر جائیں کچھ خیال ہے کتنے پریشان ہو رہے ہیں یہ؟'' اس نے ملازمہ کو ڈانٹنا ضروری سمجھا تھا۔ پھر کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالتے ہوئے ایک بار کوفت سے بھری ہوئی نظروں سے فاطمہ کو دیکھا اور ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا۔ ڈاکٹر کو گھر بلا کے وہ بھی وہیں بیٹھ گیا۔

(یہ بھی یقیناً تمہارا کوئی ڈرامہ ہوگا مگر تم کچھ بھی کرلو مجھے متاثر نہیں کرسکتیں) فاطمہ کے زردیاں چھلکاتے چہرے پر قہر آلود نظروں کو جمائے اس کی سوچوں میں بھی آگ لگی ہوئی تھی۔

''ٹمپریچر بہت ہائی ہے میں انجکشن دے رہا ہوں اس سے انہیں ایک گھنٹے تک افاقہ نہ ہوا تو اسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں سر پر، دماغ پر اثر ہے بخار کا انہیں کسی شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہونا پڑا ہے؟'' ڈاکٹر صاحب ہدایات دینے کے بعد سوال کر رہے تھے عباس کے ذہن میں کھٹ سے وہ لمحے روشن ہوئے جب وہ اس پر فرد جرم عائد کر رہا تھا اور فاطمہ کا زندگی کے احساس سے روشن جگمگاتا چہرا تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

''شاید...... میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' اس نے جس بے اعتنائی سے کاندھے جھٹکے تھے اس انداز کو ڈاکٹر صاحب نے چشمے کی اوٹ سے بالخصوص دیکھا اور محسوس کیا تھا۔

''آپ شوہر ہیں ان کے عباس حیدر صاحب آپ کو خبر تو ہونی چاہیے یہ میڈیسن منگالیں اور کوشش کیجیے گا انہیں ہر قسم کی ذہنی اذیت اور دباؤ سے محفوظ رکھ سکیں اور ہاں اگر ان دواؤں کے استعمال سے بھی ان کی حالت میں بہتری نہ آئی تو انہیں لازمی اسپتال ایڈمٹ کرائیں اوکے؟'' ڈاکٹر نے اپنی تاکید کو پھر سے دہرایا اور بیگ اٹھا کر تشریف لے گئے۔ عباس نے تنفر بھرے انداز میں ان کا تھمایا نسخہ سائیڈ پر پھینک دیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں مجھے تمہاری سو کالڈ محبت سے نفرت ہے اگر تم مر جاؤ گی تو ڈونٹ وری میں اپنے بچوں کے لیے دوسری گورنس ہائر کرلوں گا۔ آخر تمہاری وجہ سے ہی میں نے اپنی عریشہ کو کھویا ہے۔ عریشہ جو میری محبت تھی میری زندگی کی ہر خوشی تھی۔ مجھے تم سے کبھی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔''

وہ پراگندہ ذہن کے ساتھ پراگندہ سوچیں لیے باہر نکل گیا۔ اس بات کی پروا کیے بنا کہ فاطمہ کی مدہم ہوتی سانسیں ہر لمحہ ڈوبتی جا رہی ہیں۔

(جاری ہے)

مجھے ہے حکم اذاں

اُم مریم

تو کہ سمٹا تو رگ و جاں کی حدوں میں سمٹا
میں بکھرا تو سمٹا نہ گیا تیرے بعد
یہ الگ بات ہے کہ افشا نہ ہوا تجھ پہ ورنہ
کتنا محسوس کیا میں نے تجھے تیرے بعد

گزشتہ قسط کا خلاصہ

حویلی میں لاریب سے سامنا ہونے پر عباس اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگتا ہے جس پر لاریب اس کی دوسری شادی کی مبارک باد دیتے اسے حیران کردیتی ہے۔ اس کے منہ سے یہ حقیقت جان کر عباس بوکھلا جاتا ہے کہ کہیں وہ فاطمہ کے متعلق باقی گھر والوں کو بھی آگاہ نہ کردے۔ فراز کا تنفر سے بھرپور انداز اریبہ کو اذیت میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ فراز کے رویوں سے مایوس ہوتے وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے اس کے اس اقدام پر فراز مزید خائف ہوجاتا ہے جب ہی اریبہ اسے اپنے جذبات کی صداقت سے آگاہ کرتے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ لیتی ہے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ فاطمہ اور زینب کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو عباس سن لیتا ہے اور یہ اندازہ لگاتا ہے کہ فاطمہ کے حاسدانہ رویوں کے سبب ہی عریشہ زندگی کی بازی ہارگئی جبکہ فاطمہ ان الزامات پر ششدر رہ جاتی ہے۔ لاریب ایمان کی تلاش میں علوی ہاؤس پہنچتی ہے وہاں فراز سے سامنا ہونے پر وہ شرجیل کے متعلق استفسار کرتی ہے۔ دوسری طرف فراز یہ جان کر حیران رہ جاتا ہے کہ وہ ایمان کی بہن اور سکندر کی بیوی ہے وہ اسے تمام معلومات سے آگاہ کرتا ہے ایمان کے کومے میں جانے کی خبر سن کر لاریب اپنا ضبط کھو بیٹھتی ہے۔ دوسری طرف سکندر نہ صرف لاریب کو علوی ہاؤس کے گیٹ پر دیکھ لیتا ہے بلکہ اسے فراز کے ساتھ جاتے دیکھ کر شدید صدمے کا شکار ہوتا ہے کہ وہ صرف ایمان کی تلاش میں یہاں آئی تھی اپنی ذات کی تحقیر پر وہ اندر ہی اندر خائف رہتا ہے۔ جب ہی صالحہ ان حالات کا فائدہ اٹھاتے سکندر کی طرف پیش قدمی کرتی ہے لیکن سکندر شدید غصے کا شکار ہوتے اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے اور اسے کمرے سے نکال دیتا ہے۔ بابا جان اور امامہ بھی ایمان سے ملنے اسپتال پہنچتے ہیں وہاں لاریب شدید غصے کا شکار ہوتے ایمان کی حالت کا ذمہ دار شرجیل کو قرار دیتی ہے شرجیل بابا جان سے معافی مانگنے کے بعد انہیں زارون سے ملانے کی خاطر گھر لے آتا ہے فراز چاہتا ہے کہ وہ لاریب کو سکندر کی یہاں موجودگی کے متعلق سب کچھ بتا دے لیکن سکندر سختی سے فراز کو ایسا کرنے سے منع کردیتا ہے۔ دوسری طرف فاطمہ عباس کے بے بنیاد الزامات پر شدید کرب کا شکار ہوتے بیمار ہوجاتی ہے لیکن عباس بدگمانی میں اسے بھی اس کی کوئی سازش قرار دیتا ہے جبکہ دوسری طرف فاطمہ کی سانسیں ڈوبنے لگتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......۞......❀

وہ زینب کے گلے لگ کر رو رہی تھی زینب پریشان ہوکر اسے چپ کرانے کے جتن کررہی تھی۔ زینب کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔ ایسے شدتوں سے ٹوٹ کر وہ تب ہی روئی تھی جب عباس حیدر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔

"یوں ہلکان مت ہو، کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" زینب نے اس کا سر تھپکتے ہوئے پیار بھرے انداز میں آنسو پونچھے۔

"مجھے لگ رہا ہے میں ہار گئی ہوں زینی، ان کا شک مجھے ہر لمحہ موت کے قریب لے جارہا ہے۔" وہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔

"کیسا شک فاطمہ؟" زینب پریشان ہوئی۔

"وہ مجھے عریشہ کا قاتل سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ میں نے ان کی خوشیوں کو غاصبانہ نظر سے دیکھا ہے وہ بہت زیادہ خفا ہیں مجھ سے زینب، مجھے وہ اپنی اسی ناراضگی سے ماردیں گے۔ میں ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی مگر میرا نصیب دیکھو میں نے انہیں زاروقطار روتے اور تڑپتے دیکھا ہے، کاش عریشہ کی جگہ میں مرگئی ہوتی۔" وہ ایک بار پھر بلک رہی تھی، زینب کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس پاگل لڑکی کو کیسے سمجھائے۔

"تمہیں ایک بار کھل کر ساری بات عباس کو بتانی چاہیے فاطمہ، خاص طور پر یہ کہ تم اس کی خوشیوں کی دشمن کبھی نہیں رہی۔ تم اسے بتاؤ کہ تم اس کی خیر خواہ ہو اس کے بچوں کو رلتے نہیں دیکھ سکتیں اور اس وقت ان کی ذمہ داری قبول کی تھی جب ان کے خونی رشتے بھی منہ موڑ چکے تھے۔" زینب کو غصہ نہیں آتا تھا یا فاطمہ نے اسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا مگر اس پل وہ جھنجلائی ہوئی تھی اسے عباس جیسے میچور آدمی پر غصہ تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ فاطمہ کی طرح عباس بھی اسیر محبت تھا۔ محبت بھی وہ جو کھوگئی تھی یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں اچھے بھلے ہوش مند انسان بھی حواس کھو بیٹھتے ہیں۔

فاطمہ اس کی بات سن کر جیسے سناٹے میں گھر گئی۔

"یہ تو سراسر احسان جتلانے والی بات ہوئی زینب اور محبتوں میں احسان نہیں ہوتے، پھر اگر سچائی سے تجزیہ کیا جائے تو میں نے نہ عباس پر احسان کیا تھا نہ ہی بچوں پر میں نے درحقیقت خود پر احسان کیا تھا خود کو خوشی دی تھی۔ عباس سے وابستہ ہر چیز ہر رشتہ میرے لیے قابل محبت قابل احترام ہی تو ہے۔" اس کے لہجے میں ایک جذب تھا ایک عقیدت مندانہ خوشبو بھرا احساس جو اتنا اثر پذیر تھا کہ سامنے والے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔ پھر عباس پر اثر کیوں نہ ہوا؟

"چلو مانا پہلے کی بات اور تھی مگر فاطمہ تمہیں اب ضرور عباس کو اپنی شدتیں بتلا دینی چاہیے اور کچھ نہیں تو وہ تمہیں غلط سمجھنا تو چھوڑ ہی دیں گے نا۔" فاطمہ اس کی بات پر دل سوز انداز میں مسکرادی۔

"میرے نزدیک یہ میری محبت کی شان میں گستاخی ہوگی زینب کہ میں اسے آشکار کرکے اس کا بدل مانگوں، میں ایسا نہیں کرسکتی زینی اس لیے بھی کہ مجھے ان کے ہر اس احساس سے محبت ہے جو پوری سچائی سے خالصتاً میرے لیے ان کی زبان اور آنکھوں سے نکل کر مجھ تک پہنچتا ہے اور ایسا بھی تو ممکن ہے نا کہ میں انہیں سب کچھ بتاؤں اور وہ یقین نہ کریں۔ میری محبت مجھے اپنی اس بے حرمتی پر کبھی معاف نہیں کرے گی کہ میں نے نفس کو اس عبادت میں شامل کرنے کی جرأت کی۔" اس کا انداز ہنوز درویشانہ تھا اور زینب گنگ ہوتی اس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

عباس دروازے کے باہر ہی ٹھٹک گیا مگر یہ لمحاتی تاثر تھا اگلے لمحے وہ پھر اسی تنفرانہ انداز میں سر جھٹک چکا تھا اس کے خیال میں یہ بھی فاطمہ کی سازش تھی محض اسے متاثر کرنے کی سازش، اس کا خیال تھا کہ وہ اسے دروازے کے پار دیکھ چکی ہے جبھی جذباتی ڈائیلاگ بول رہی تھی۔

❀......۞......❀

فراز گاڑی ڈرائیو کررہا تھا جب اس کا سیل فون مخصوص ٹون کے ساتھ گنگنایا اس کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔ نمبر دیکھے بنا وہ جان سکتا تھا کہ فون کرنے والی اریبہ ہے۔ اس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر کوٹ کی جیب سے فون نکالا۔

"جی جناب، خیریت ہمارے بغیر دل نہیں لگ رہا؟"

اس کا لہجہ شوخ وشنگ اور کھنک دار تھا۔ اریبہ کی جانب سے غلط فہمی کی آخری پھانس جو اٹکی رہ گئی تھی وہ بھی خود بخود نکل گئی ہر گزرتا دن ثابت کررہا تھا کہ اریبہ اس سے جھوٹ نہیں بولا رہی۔ اس کا محبت بھرا انداز اور چہرے پر فراز کی قربت میں پھوٹنے والی الوہی چمک بتاتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے یہی یقین فراز کی آسودگی کا باعث تھا۔

”آپ اس وقت گھر آسکتے ہیں مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔“ اریبہ سنجیدہ تھی۔

”نہیں یار اس وقت تو بالکل نہیں سکندر کے گھر جارہا ہوں تمہیں پتا تو ہے اس نے گھر کی تمام ذمہ داری مجھے سونپی ہوئی ہے راجہ اندر صاحب اب جلدی میں ہیں بیوی لانے کو اس لیے دن رات ایک کروار کھا ہے اس کے بعد ایک اور بہت اہم کام ہے مجھے۔“ اس کی تفصیلات کے جواب میں اریبہ نے ٹھنڈا سانس بھرا تو فراز کو شرارت سوجھی۔

”تم بے فکر رہو رات کو ٹائم پر آ جاؤں گا تم سے زیادہ مجھے بے چینی ہوتی ہے تمہیں دیکھنے کی۔“ اس کے بہکے ہوئے شوخ انداز پر اریبہ شرما گئی۔

”ٹھیک ہے پھر اب رات کو ہی ملاقات ہوگی۔“

”ارے، رے...... رے سنو تو یار فون پر کرلو اگر اتنی ضروری بات ہے۔“ فراز نے بے اختیار ٹوکا تو اریبہ نے ہنستے ہوئے انکار کردیا۔

”یہ فون پر کرنی والی بات نہیں ہے۔“

”کہیں تم مجھے پپا بننے کی خوشخبری تو نہیں سنانا چاہ رہی ہو؟“ اس کے قطعی انداز پر فراز کو پھر شرارت سوجھی تو اریبہ جھینپتی ہوئی رابطہ منقطع کرگئی۔

فراز نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھا ہی تھا کہ سکندر کی کال آ گئی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

”تم ابھی تک آفس کیوں نہیں پہنچے فراز، پتا بھی ہے کہ کتنی اہم میٹنگ ہے بارہ بجے، چاچو اور تاؤ جی ایسے مواقع پر ایسے چپ سادھ لیتے ہیں کہ جیسے میری صلاحیتوں کی کمزوریوں کو لوگوں کے سامنے آشکا کرکے انہیں مجھ پر ہنسنے کا موقع دینا چاہتے ہوں۔“ سکندر نے بے حد خفگی اور سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

”میں آ رہا ہوں، مگر سن اب میرا سہارا لینا چھوڑ دے سمجھا، تیری طرح میں نے بھی امیر ترین بننے کا سوچ لیا ہے تیرے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہوگا اب۔“ اس نے مسکرا کر کہتے رابطہ منقطع کردیا۔

پندرہ منٹ کی مزید ڈرائیونگ کے بعد وہ مطلوبہ اپارٹمنٹس کی بلند بلڈنگ کے سامنے کھڑا تھا گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرکے وہ تیز قدموں سے چلتا لفٹ تک آیا اور مطلوبہ فلور کا بٹن دبا کر لفٹ میں داخل ہوگیا جس وقت وہ فلیٹ کے دروازے پر کھڑا بیل بجا رہا تھا اس کا دل بہت تیز دھڑکنا شروع ہوگیا۔

شرجیل بھائی مجھے دیکھ کر کیسا ری ایکٹ کریں گے؟ اس نے مسکرا کر تصور کرنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی بند دروازہ کھل گیا فراز اپنے سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر حیران پریشان یہ سوچنے پر مجبور ہوا تھا کہیں وہ غلط جگہ تو نہیں آ گیا؟

❁......۞......❁
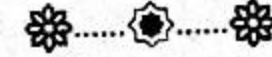
اس نے گود میں سوئے زارون کو جھک کر پیار کیا تو آنکھوں میں اترے آنسو بے تابی سے لپک کر اس ننھے فرشتے کے گلاب جیسے گال بھگو گئے۔ وہ لوگ شرجیل کے بے پناہ اصرار کے باوجود وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے تھے۔ واپسی کے وقت لاریب نے جانے کس جذبے سے مجبور ہوکر زارون کو سمعیہ کی گود سے لیتے ہوئے ایک بار پھر بے تحاشہ پیار کرتے ہوئے اچانک اور بے اختیاری کی کیفیت میں شرجیل سے اسے ساتھ لے جانے کی فرمائش کردی تھی تب امامہ نے بھی فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”آپ فکر نہ کریں شرجیل بھائی ہم اسے بہت اچھے طریقے سے سنبھال لیں گے۔“ شرجیل مدہم سا مسکرا دیا تھا۔

”یہ بات نہیں ہے، میں تو یہ سوچ کر اللہ کا شکر ادا کررہا ہوں کہ ایک وقت تھا جب میرے بیٹے کے پاس توجہ و محبت کی بہت کمی تھی اور یہ جیسے لاوراث ہوگیا تھا مگر اب...... میں سمعیہ کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا۔“ وہ بے حد ممنون نظر آ رہا تھا۔

”آپ پریشان نہ ہوں شرجی بھائی اللہ نے جس طرح ہمارے زارون کو باقی رشتوں سے نوازا ہے بالکل اسی طرح اس کی ماما کی گود بھی اسے نصیب فرمادے گا اور زارون کو جانے دیں پلیز، ان رشتوں کا بھی بہت حق ہے اس پر۔“ سمعیہ کے کہنے پر امامہ کے رکے ہوئے آنسو پھر

بہنے لگے۔ شرجیل نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

”آپ کو پتا ہے گڑیا، ایمان سب سے زیادہ آپ کو یاد کرتی تھی آپ کے لیے فکر مند ہوا کرتی تھی بابا جان اس نے وہ قدم میرے مجبور کرنے پر اٹھایا تھا میں نے اس کے پاس کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ آپ سے بچھڑ کر کبھی خوش بھی نہیں رہ سکی۔“ شرجیل تمام تر حوصلے کے باوجود ان کمزور لمحوں میں بار بار بکھر رہا تھا۔ لاریب کو اس کی محبت اس کی وفا پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہا ساری کہانی جان لینے کے بعد وہ دل میں اس کے لیے بہت احترام محسوس کررہی تھی کہ حالات کی نزاکتوں کے باوجود اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس لڑکی کو تحفظ بھی دیا تھا اور ایمان کے ساتھ وفاداری بھی نبھائی۔

”ہم زارون کو لے جارہے ہیں بھائی، ساتھ میں سمعیہ بھی چلیں گی کیونکہ وہ انہی کی ہوا کا عادی ہے اس بہانے آپ اور ابراہیم بھائی بھی ہمارے یہاں چکر لگا لیں گے کیوں بابا جان؟“ لاریب نے اس دوران پہلی بار گفتگو میں شامل ہوکر فیصلہ بھی صادر کردیا جس کا خیر مقدم کرتے ہوئے شرجیل کے ساتھ سمعیہ اور ابراہیم احمد بھی مسکرانے لگے۔

”یہ سوگیا ہے لاریب، اسے لٹا دیں ورنہ اس کی نیند خراب ہوجائے گی۔“ سمعیہ تولیے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی بولی لاریب نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

”چائے پیو گی سمعیہ، میں خود بنانے جارہی ہوں بہت اسپیشل قسم کی۔“ لاریب نے زارون کو لٹانے کے بعد اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ لاکھ کوشش کرتی خود کو فریش ظاہر کرنے کی مگر ایمان کے حوالے سے خدشات اسے گہری یبت سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ صرف اس کے ہی نہیں للا اور بابا جان کے بھی سجدے دراز ہونے لگے تھے۔

”میں چائے بنا لائی ہوں، بس آجائیں آپ لوگ۔“ امامہ ٹرے اٹھائے اندر آئی، اس کی بھیگی پلکیں بھی شدت گریہ کی گواہ تھیں۔

وہ لاریب اور بابا سائیں سے کہیں زیادہ اپ سیٹ تھی وقاص اسے لینے آیا تو اس نے بے حد لجاجت آمیز انداز میں اس سے مزید یہاں ٹھہرنے کی اجازت مانگی۔

”مجھے کسی بھی لمحے سکون نہیں ہے وقاص میں وہاں جا کر بھی آپ کو پریشان کرتی رہوں گی آپ پلیز مجھے کچھ دن مزید یہاں رکنے دیں اور دعا کیجیے گا کہ باجو جلد ٹھیک ہوجائیں۔“

اب وہ ہر دل کی بات بلاجھجک اس سے کہہ دیا کرتی تھی وجہ وقاص کی سرتاپا تبدیلی تھی۔ وہ ان زیادتیوں کی تلافی میں ہر دم کوشاں رہتا تھا جو اس نے کبھی امامہ سے روا رکھی تھیں۔

”جب باجو ٹھیک ہوجائیں گی تو میں ان سے لڑائی ضرور کروں گی اس بات پر کہ بجو نے اگر میری بیٹی کو پیار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تو اس کی وجہ انہی کا بیٹا بنا ہے اور یہ بھی دیکھیے گا میں باجو سے ان کا بیٹا بھی ان سے چھین لوں گی پتا ہے کیسے، میں نور (امامہ کی بیٹی) کی شادی زارون سے طے کردوں گی، ابھی جب شرجیل بھائی آئیں گے میں زارون کو رنگ پہنا کر باقاعدہ نسبت طے کردوں گی۔“ لاریب کی آنکھیں بے اختیار بھیگتی چلی گئیں وہ امامہ کی کیفیت کو سمجھتی تھی بہانے بہانے ایمان کا ذکر کرکے دل بہلائے رکھنا اور مستقبل کے حوالے سے سنہرے سپنے سجا کر دل کو ڈھارس دینا مقصد تھا۔

”سمعیہ آپ ہمیں باجو کی وہ باتیں بتائیں ناجو آپ کے ساتھ اکٹھے رہتے وقت وہ آپ سے کرتی تھیں۔“ امامہ کہہ رہی تھی اور لاریب اس کی بے کلی دیوانگی کو دیکھتی ہونٹ کچلنے لگی تھی۔ سمعیہ پھر سے وہی باتیں انہیں سنا رہی تھی جو ان دو دنوں میں وہ لاتعداد بار ان کے سامنے دہرا چکی تھی۔

❁......۞......❁

فاطمہ نے جھکا سر اٹھا کر ایک نظر اپنے ہمسفر کو دیکھا۔ آج اسے اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تھا۔ جتنے دن وہ وہاں ایڈمٹ رہی وہ اگر وہاں آتا بھی تھا تو فاطمہ سے ملنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تھا، ڈاکٹرز یا نرسوں سے اسے پتا

چلتا وہ آیا تھا شاید اتنا خفا تھا اس سے کہ شکل دیکھنے کا بھی روا دار نہیں تھا۔

کئی بار تو فاطمہ کو یہ سوچ کر اپنی دھڑکن رکتی محسوس ہونے لگی تھی اگر اس نے اس مقام پر جدائی کا فیصلہ کرلیا تو کیا کرے گی وہ، اسے یاد تھا جب پہلی بار اسے پتا چلا اس کا اصل نام ساحر نہیں عباس حیدر ہے تو اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں زینب سے اس کے نام کا مطلب جاننا چاہا تھا۔

"یہ دونوں نام شیر کی کیفیات کو ہی واضح کرتے ہوئے مطلب رکھتے ہیں۔ عباس اور حیدر بھی انہیں کیفیات کو اجاگر کرتے ہیں۔" زینب کے انداز میں دوستانہ شرارت کا رنگ تھا، فاطمہ کتنا جھینپ گئی تھی اس وقت۔

"تمہیں یقین ہے زینب وہ مجھے مل جائے گا۔" وہ بہت جلد سنجیدہ ہوگئی۔ اس کا دامن اس پل بہت مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں، میں اللہ سے ہمیشہ بہت اچھی امید ہی رکھتی ہوں اور اللہ ہماری جائز خواہشات کو کبھی رد نہیں کرتا لیکن اگر وہ نہ دے تو ہمیں اس کی رضا کو اپنی مرضی پر مقدم ضرور رکھنا چاہیے۔" زینب نے اپنے دھیمے پرتاثیر لہجے میں کہا تھا پھر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا تب وہ ماضی سے حال میں واپس لوٹی تھی اس کی نظر کھڑکی سے باہر گئی سگنل گرین ہوچکا تھا آگے پیچھے گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں فاطمہ نے ایک نظر اس غافل و بے نیاز ہمسفر پر ڈالی۔

"ہائے...... ساحر بھائی، میں فراز علوی کیسے ہیں آپ؟" اسے اپنے خیالات سے چونکانے کا باعث جو مردانہ آواز بنی تھی اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ عباس حیدر کی جانب کھڑکی پر جھکا وہ خوش پوش نوجوان کتنے والہانہ انداز سے عباس سے مصافحہ کررہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ نے پہچانا نہیں۔" فراز اس گمبھیر تاثر سے یہی قیاس کرسکا تھا۔

"میں پہچان چکا ہوں فراز کیسے ہیں آپ؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"فٹ فاٹ، اے ون۔" معاً اس کی نگاہ فاطمہ پر پڑی تو یکدم پہچان کا مرحلہ طے کرتا کتنا حیران نظر آنے لگا تھا۔

"اوہ...... مس نندنی، ہاؤ آر یو؟ مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ آپ سے دوبارہ ملاقات ہوسکتی ہے وہ بھی ساحر بھائی کے ساتھ۔ آپ تو ہم سے بھی پہلے وہ کام چھوڑ چکی تھیں نا؟" وہ بے تکلفی سے ہنستا ہوا ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میرا نام فاطمہ ہے، میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔" وہ اس پروقار انداز میں گویا ہوئی جو کسی بھی غیر مرد سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں خصوصیت سے رکھائی کے احساس سمیت اتر آتا تھا۔

"ماشاء اللہ، بہت مبارک ہو آپ کو، آج کل کہاں ہوتی ہیں آپ؟" فاطمہ نے اس سوال پر بے چین ہوکر عباس کی طرف دیکھا مگر وہ بے نیاز ہی نہیں بے مہر بھی نظر آرہا تھا۔

اس نے جھکی پلکوں کے ساتھ گویا اس پل اپنے ساتھ اس شخص کا بھی بھرم رکھا تھا جسے شاید اس بات کی کبھی پروا نہیں تھی۔

"سگنل کھل گیا ہے فراز ٹیک کیئر۔" وہ بھاری آواز میں بولا تب فراز ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور بہت عجلت میں دونوں کو وش کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں بہت شوق ہے تمہیں اس رشتے کی تشہیر کا مگر سنو، میں پسند نہیں کرتا اس بات کو، سو بی کیئرفل اوکے۔" اس کا لہجہ خوفناک حد تک روکھا تھا۔

"رشتوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانے کو انہیں نام اور پہچان دینا ازحد ضروری ہوا کرتا ہے عباس، ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے معاشرے میں میری پوزیشن کو مستحکم اور کلیئر رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے میں آپ سے بس ایک یہی تقاضا کرتی ہوں پلیز اس سے محروم نہ کریں مجھے۔" اس نے جیسے عباس کی منت کی۔

"شٹ اپ، اب تم سبق پڑھاؤ گی مجھے؟" وہ غرایا تو فاطمہ سہم کر رہ گئی۔

❀......✺......❀
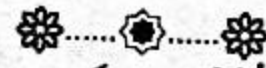
"سمجھنے کی کوشش کر، ضد نہ کر میرے بھائی۔" فراز سکندر کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بیٹھا تھا مگر وہ بے اعتنائی سے اپنے کام میں محو رہا گویا اپنے کہے سے دستبردار ہونے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس کا گھر مکمل ہوچکا تھا سکندر آج شفٹنگ کا ارادہ رکھتا تھا مگر اکیلا نہیں نبیل اور فراز کے ساتھ۔ نبیل کو تو خیر خبر نہیں تھی البتہ فراز ضرور سکندر کو سمجھا سمجھا کر عاجز ہوگیا تھا تب سکندر نے کہا۔

"میں یہ گھر اس گھر کے دیگر مکینوں کے لیے چھوڑ رہا ہوں مگر تم اور نبیل ہی نہیں شرجیل بھائی بھی میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو فراز، میں رشتوں کو ترسا ہوا انسان ہوں ان محبتوں کو خاص طور پر کھونا نہیں چاہتا جن کے اخلاص پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔" اس پل وہ کتنا عاجز کتنا ٹوٹا ہوا لگنے لگا تھا۔

"اور جو تمہاری مجاجوں والی بیوی کو تمہارا یہ اقدام پسند نہیں آیا اور انہوں نے اگر ہمیں ہمارے سامان سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا تو کتنی توہین ہوگی یار اندازہ تو کر۔" اس کا احتجاجی رنگ لیے مصنوعی لہجہ اور غیر سنجیدہ انداز صاف لگ رہا تھا وہ بات مذاق میں اڑانا چاہ رہا ہے سکندر کے چہرے کے زاویے پھر بگڑنے لگے۔

"اسے میں اتنی جرأت نہیں دوں گا کہ وہ میرے سر پر چڑھے۔" اس کا لہجہ غضب کی تلخی سموئے ہوئے تھا۔

"کیا ہوگیا ہے تجھے، اتنا غصہ کیوں کرنے لگا ہے؟" فراز نے پریشان کن نظروں سے اس کی شکل دیکھی۔

"تم بس مجھے یہ بتاؤ آج میرے ساتھ شفٹ ہو رہے ہو یا نہیں۔" اس کے تیور ہنوز تھے۔

"ٹھیک ہے جیسے تیری مرضی۔" فراز کو شکست تسلیم کرنی پڑی۔

"محبتوں میں احسان نہیں ہوا کرتا فراز، یہ میری خواہش ہے اسے پورا کردو، چند سال بعد تم لوگ بے شک الگ ہوجانا کمپنی کی طرف سے تمہیں گھر اور گاڑیاں تو ملیں گی نا، اگر تم سمجھتے ہو تمہاری عزت نفس مجروح ہوئی ہے تو......؟"

"ایسا کچھ مت سوچو سکندر، مجھے تمہاری محبت تمہارے اخلاص پر شک وشبہ نہیں ہے۔" فراز کے متانت سے کہنے پر سکندر تشکرانہ نظروں سے اسے تکتا آگے بڑھ کر اسے گلے لگا چکا تھا۔

"یار میرے پاس تمہیں دینے کو بہت اہم خبریں تھیں تم نے اپنا رولا ڈال کر دھیان ہی ہٹادیا۔" وہ پھر سے اپنے موڈ میں آچکا تھا سکندر نے اسے گھورا تو فراز ہنستا چلا گیا۔

"تمہیں پتا ہے پرسوں میں کس سے ملا تھا؟" اس نے چمکتی نظروں سے اسے دیکھا تو سکندر نے بے اعتنائی کے مظاہرے سمیت کاندھے اچکائے۔

"شرجیل بھائی سے رنگلی امیزنگ سکندر وہ تو بالکل بدل گئے ہیں اور ایسا اللہ جانے ایمی بھابی کی وجہ سے ہوا ہے یا پھر ابراہیم بھائی کی قربت کا شاخسانہ ہے۔"

"ایک منٹ...... ابراہیم صاحب کون؟" سکندر نے اسے بے اختیار ٹوکا۔

"ابراہیم احمد سمعیہ کے ہزبینڈ ہیں سمعیہ ہماری وہی کزن یار جسے شرجی بھائی یہاں سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تمہیں پتا ہے ابراہیم صاحب فارنر تھے اسلام قبول کیا ہے انہوں نے مگر یار وہ ایسے کامل مسلمان ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہمارا ایمان تازہ ہوجائے، مجھے تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے ایسی باتیں بتائیں کہ میرا پھر ان سے ملنے کو دل کررہا ہے۔" وہ بے حد اشتیاق سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں تو پھر مل لینا، شرجیل کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ؟"

"ہم دونوں میں ہمیشہ بہت بے تکلفی اور محبت رہی ہے سکندر، شرجیل بھائی کو نہ مجھ سے پہلے کبھی شکایت تھی نہ اب ہے لیکن وہ میرے ساتھ یہاں آنے پر آمادہ نہیں تھے۔" فراز کے لہجے میں ڈھیروں ملال اتر آیا تھا۔

"ارے ہاں سکندر یاد آیا، یار وہ ایک لڑکی تھی ناں، جسے فلم میں میرے ساتھ ہیروئن بننا تھا۔" سکندر کی نافہم نظروں کے تاثر کو دیکھتا وہ نرمی سے جھنجلایا۔

"یار وہی ہندو لڑکی، جس کا تمہیں بتایا تھا کہ بہت خوبصورت لگتی تھی ساحر...... مطلب عباس بھائی کے ساتھ کل میں نے پھر اسے عباس بھائی کے ساتھ دیکھا پتا ہے کس حیثیت سے......!" وہ بات ادھوری چھوڑ کر سسپنس کا تاثر قائم کرتے ہوئے کھلکھلایا۔

"ان کی مسز کی حیثیت سے قسم سے یار میں تو بھونچکا ہی رہ گیا اس حسین اتفاق پر تمہیں پتا ہے وہ مسلمان ہو چکی ہیں جب وہ شوٹ پر تھیں ہمارے ساتھ تب بھی کئی بار ایسا لگا تھا جیسے ان کی دلچسپی کسی کام میں نہیں ہیں عباس بھائی میں ہے، جب وہ انہیں دیکھتی تو باقی سب بھول جاتی تھیں......!"

"تم سوئے نہیں اب تک، یہ لو دودھ پی لو۔" بغیر دستک کے اندر گھسنے والی تائی ماں نے فراز کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی تھی مگر اگلے لمحے جب سکندر سے مخاطب ہوئی تو لہجے میں شیرینی گھل چکی تھی۔

"یار اس دودھ کو ضائع کردیا کرو مجھے لگتا ہے تائی ماں اس میں کوئی تعویذ گھولتی ہیں تاکہ تم خود کہہ کر ان کی بیٹی سے عقد کرلو۔" فراز نے سکندر کے کان میں گھس کر جتنے رازدارانہ انداز میں کہا تھا سکندر کے لیے مسکراہٹ ضبط کرنا محال ہوگیا۔

"یہ لوگ کبھی تمہیں تمہاری حیثیت سمیت قبول نہ کرتے سکندر اگر تمہارے پاس اس ساری جائیداد کے اصل کاغذات نہ ہوتے۔" اسے فراز کی بات یاد آئی تھی۔

"تم کیا ہر وقت یہاں گھسے رہتے ہو، جاؤ اپنے کمرے میں سکندر بیٹے سے کچھ بات کرنی ہے۔" تائی ماں کا لہجہ فراز کے لیے خاصا ہتک آمیز تھا ان کا یہی انداز سکندر کو گراں گزرا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے جو آپ میری موجودگی میں نہیں کرسکتیں؟" اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا فراز نے خود ہی حساب بے باک کردیا۔

"جو بھی ہو تمہیں اس سے کیا تم جاؤ۔" تائی ماں کا لہجہ انداز خاصا بے دید تھا۔

"فراز کہیں نہیں جائے گا تائی ماں، میری کوئی بات

فراز سے چھپی ہوئی نہیں ہے، آپ کہیے جو کہنا چاہتی ہیں۔" سکندر کا لہجہ برہم تھا۔

"ٹھیک ہے، میں پھر کسی وقت بات کرلوں گی۔" وہ خود اٹھ کھڑی ہوئیں تو فراز نے مسکراہٹ دبائی۔

"پھر شاید آپ کو یہ موقع نہ ملے تائی ماں دراصل سکندر نے اپنا دوسرا گھر لے لیا ہے یہ وہیں رہے گا اب۔" اس اطلاع نے واقعی تائی ماں کا رنگ فق کردیا۔

"کیوں بیٹے ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے؟" وہ یک دم بہت ہی ہراساں ہوگئی تھیں۔

"جی ہاں، کوتاہی تو ہوئی تھی مگر اٹھائیس سال پہلے یاد تو ہوگا آپ کو، سکندر نے اس جرم کی سزا آپ کو نہیں دی کیا یہ کافی نہیں ہے۔" فراز کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ تائی ماں اس کی تاب نہیں لا پائی تھیں جبھی گڑبڑا کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ فراز نے سر جھٹک کر گہرا سانس لیا اور سکندر کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتا خود بھی چلا گیا۔ سکندر اس ضروری بات کے متعلق سوچنے لگا جو تائی ماں اس سے کرنا چاہتی تھیں مگر تائی ماں نے اس الجھن سے بھی اسے جلد نکال دیا کہ فراز کے جانے کے محض پانچ منٹ بعد پھر ان کی آمد ہوگئی تھی مگر اس مرتبہ وہ اکیلی نہیں تھیں تاؤ جی بھی ان کے ساتھ تھے سکندر الجھن زدہ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تمہاری تائی ماں بتا رہی تھیں تم جا رہے ہو یہاں سے، کیوں؟" تاؤ جی نے اپنے مخصوص انداز میں استفسار کیا۔

"میں خود مختار ہوں بالغ ہوں میرا خیال ہے میں اپنے فیصلے خود کرسکتا ہوں۔" جواب دینے کا انداز ایسا تھا کہ تائی ماں گڑبڑا گئیں جبھی تاؤ جی کو سرزنش والا ٹہوکا مار کر خود بات سنبھالنا چاہی۔

"ارے نہیں بیٹے آپ برا نہیں مناؤ بالکل آپ اپنی مرضی کرسکتے ہو میرا مقصد تو یہ تھا کہ وہاں اکیلے گھر میں آپ کو پریشانی کا سامنا ہوگا کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کے سو مسئلے ہوتے ہیں گھر عورت کے وجود کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم شادی کرلو لڑکی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اپنی صالحہ ہے نا۔" بلآخر تھیلے سے بلی باہر آ گئی تھی سکندر نافہم نظروں سے انہیں سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی اس عزت افزائی کے لیے شکریہ، معذرت چاہوں گا تائی ماں میں آپ کی یہ آفر قبول نہیں کرسکتا دراصل میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔" اس کی بات سن کر تائی ماں حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"مذاق کررہے ہو بیٹے؟" انہیں پتا نہیں کیوں یقین ہی نہیں آیا۔

"نہیں میں ایسا کیوں کروں گا بھلا؟" سکندر نے نرمی سے نفی کی اسے اس بوڑھی عورت پر ترس آنے لگا۔ البتہ تاؤ جی یوں ہونٹ بھینچے بیٹھے تھے جیسے کسی طوفان کو دبانا چاہتے ہوں۔

"ہوگئی تمہاری تسلی کروالیا مزید ذلیل، اب اٹھو۔" غصے سے کہتے وہ باہر نکل گئے۔

❀......۞......❀

وہ سر جھکائے کنفیوژ سی سب کے درمیان بیٹھی تھی۔ سب جو اس کے سسرالی رشتہ دار تھے اماں جان دونوں بیٹیوں کے ہمراہ پہلی بار بیٹے کے گھر اچانک چلی آئی تھیں، فاطمہ تو انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی مگر عباس خاصا جز بز نظر آرہا تھا پتا نہیں کیوں اس کیوں کا جواب بھی اسے جلد مل گیا تھا جب اماں جان نے فاطمہ کی حالت دیکھ کر عباس کو ڈانٹنا شروع کردیا۔

"تم نے بہو کا چیک اپ نہیں کرایا نا عباس، کیا حالت ہورہی ہے بچی کی۔"

"کرالیا ہے اماں جان، اب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ فکر نہ کریں۔" عباس کی ناگواریت کو محسوس کرتے فاطمہ نے گڑبڑا کر وضاحت اور صفائی پیش کی تھی مگر معاملہ سنورنے کے بجائے گمبھیر ہونے لگا۔

"سچ بتانا عباس تم نے بچی کا ابارشن تو نہیں کروا دیا، ارے مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا میرا اندازہ غلط نہیں۔ خوف خدا تو جیسے آج کل کے نوجوانوں میں ختم ہوگیا ہے بہو کی چاہے جان چلی جاتی۔"

وہ اپنی سوچ اپنے یقین پر عباس کو بری طرح ڈانٹ رہی تھیں اور عباس......اس کا بس نہ چلتا تھا کہ خود کہیں بھاگ جائے۔ معاملہ ایسا تھا کہ فاطمہ عادت کے مطابق عباس کی پوزیشن بھی کلیئر نہیں کر پا رہی تھی کہ شرم کے باعث زبان ہی تالو سے چپک گئی۔

"اماں جان، فار گاڈ سیک آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے آپ کی لاڈلی محترمہ کو بخار تھا پچھلے دنوں اس وجہ سے ویک ہیں اور کچھ نہیں ہوا ہے کیا میں آپ کو اتنا گمراہ نظر آتا ہوں۔" فاطمہ پر دہکتی نگاہ ڈالتا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"مجھے لگتا ہے عباس خفا ہوگیا ہے اماں جان آپ بھی حد کرتی ہیں آتے ہی انہیں لتاڑنا شروع کردیا۔" مہر آپا نے اماں جان پر گرفت کی تو وہ کھسیانی سی ہوگئیں۔

"ارے غلط فہمی بھی انسان کو ہی ہوتی ہے خیر میں خود منالوں گی اپنے بیٹے کو۔" فاطمہ اٹھی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم کہاں جارہی ہو بیٹا۔" ان کے انداز میں محبت تھی۔

"آپ کے بیٹے کو دیکھیں گی نا اب، اماں کے خراب کیے موڈ کو بیوی ہی بحال کرے گی نا۔" زیب نے حسب عادت شگوفہ چھوڑا تھا فاطمہ کی کندنی رنگت لمحوں میں دہک اٹھی اور چہرے پر دھنک بکھر گئی۔

"مم......میں......دیکھتی ہوں چائے کیوں تیار نہیں ہوئی......ابھی تک اور بچوں کو دیکھوں اٹھ تو نہیں گئے؟" وہ بوکھلا کر بولی تو زیبی زور سے ہنس پڑی۔

"اگر تم یہ کہہ دیتی کہ میں عباس کو دیکھتی ہوں تو بھی ہمیں اعتراض نہیں ہونا تھا۔ آخر وہ شوہر ہیں آپ کے مگر یہ شرم وحیا بھی خوب ہے لیکن شادی کے اتنے عرصہ بعد بھی آخر کیسے شرما لیتی ہو۔" زیبی کو اسے چھیڑنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ اس چھیڑ چھاڑ سے فاطمہ کے چہرے پر اترتے حجاب خفت اور گریز کے رنگ اسے بہت بھاتے تھے۔ فاطمہ کی جھینپ کچھ اور بڑھ گئی۔ جواب دیے بغیر وہ تیزی سے نکل گئی۔ البتہ ان تینوں کی دلفریب ہنسی کی آواز اس کے تعاقب میں آئی تھی۔

❁......۞......❁
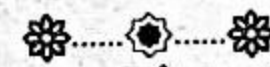
"جب میں خود مسلمان نہیں ہوا تھا تو اسلام کی سچائی کو بھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ میں نے مذہبی اسکالر ابو طلحہ کو بھی بہت زچ کیا تھا۔ میں تقریباً ہر روز ہی ان کے پاس اپنے لاتعداد سوال لے کر پہنچ جایا کرتا۔ میں سلام پیش کرتا ہوں اس باحوصلہ اعلیٰ ظرف انسان کو جو کبھی مجھ سے یا میرے سوالوں سے چڑے ہوں۔ میں اکثر لمبی بحث کیا کرتا۔" وہ فراز سے محو گفتگو تھا۔

"آپ سے مل کر مجھے روحانی خوشی ہوتی ہے ابراہیم بھائی، مجھے شرجی بھائی نے بتایا تھا کہ آپ اپنی گمشدہ بہن کی تلاش میں ہیں کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں۔" فراز کے لہجے و انداز میں اس کے لیے سچی عقیدت و پیار تھا ابراہیم احمد نرمی سے مسکرایا۔

"جی ضرور کیوں نہیں، مگر میرے پاس اول تو کیتھی کی کوئی تصویر نہیں، دوسری بات یہ کہ میں اس کی تصویر اخباروں میں شائع کرانا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"او کے ابراہیم بھائی آپ بس مجھے ان کے مکمل کوائف لکھ کر دے دیں ہم اخبار میں اشتہار دے دیں گے۔ ویسے یہ کام نیٹ کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے۔" فراز کے کہنے پر ابراہیم نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"میں کوشش کرچکا ہوں فراز کیتھی غالباً انٹرنیٹ یوز نہیں کرتی اگر کرتی بھی ہوگی تو کسی اور نام سے میں نے کیتھی اور نندنی نام کی لاتعداد لڑکیوں سے رابطہ کیا مگر ناکامی رہی۔"

"کیا مطلب کیتھی اور نندنی، میں سمجھا نہیں۔ کیا آپ کو کسی نندنی کی بھی تلاش ہے؟" وہ واقعی الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ نندنی نام پر اس کے حواس الرٹ ہوچکے تھے۔

"کیتھی کے دو نام ہیں محمد فراز احمد ایکچوئیلی میرے فادر اور مدر دو مختلف مذاہب سے تھے دونوں نے ہمیں اپنے اپنے مذہب کے نام دیے تھے، کیتھرائن کا نام مما نے نندنی رکھا تھا۔" ابراہیم مسکرا کر نرم انداز میں وضاحت دے رہا تھا اور فراز ایک دم حیران ہوگیا۔

"کیا ان کا پورا نام نندنی گریوال تھا؟" اس نے چونکتے ہوئے ابراہیم سے سوال کیا۔ اس سے قبل کہ ابراہیم احمد کچھ کہہ پاتا دونوں شرجیل کی بلند آواز پر گھبرا کر پلٹے تھے۔ جو فون پر بات کررہا تھا اور اس کے چہرے پر اس پل کتنی پریشانی تھی۔

"آپ نے خیریت سے کال کی ہے نا ڈاکٹر صاحب پلیز بتادیں مجھے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" وہ فق چہرے کے ساتھ کہتا بے دم سا ہو ہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟" فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس کے چہرے پر تغیر تھا اور آنکھیں اس پل سمندر بن کر ابل پڑیں۔ وہ یونہی سسکتا ہوا بے قراری سے سجدے میں گر گیا۔

"کیا ہوا بھائی مجھے بتائیں۔ فار گاڈ سیک مجھے بتائیں ایمی بھابی تو ٹھیک ہیں نا؟" وہ اس سے سوال کرتا کسی قدر سراسیمہ لگ رہا تھا شرجیل نے سجدے سے سر اٹھایا اور اسے گلے لگالیا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"فراز، اللہ نے میری آزمائش ختم کردی، ڈاکٹر نے ابھی بتایا ہے کہ ایمی کومہ سے باہر آچکی ہے۔" وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"مبارک ہو شرجیل احمد۔" ابراہیم نے بڑھ کر شرجیل کو گلے لگاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ شرجیل شدت جذب سے بے اختیار سسک اٹھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی اس احسان کے بدلے رب کا شکر کیسے ادا کرے۔

"چلیں بھائی اسپتال چلتے ہیں بھابی سے ملنے۔" فراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خوشی سے لرزتی آواز میں کہا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ہوں بالکل اور ہمیں یہ خوشی کی خبر ایمان بھابی کے پیرنٹس کو بھی دینی چاہیے۔" ابراہیم احمد کے کہنے پر شرجیل بھی نم آنکھوں سے مسکرانے لگا محض چند منٹ بعد اس کی گاڑی اسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔

❁......۞......❁
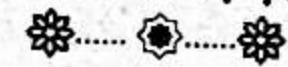
اماں جان اور مہر آپا وغیرہ کی آمد سے یہ ضرور ہوا تھا کہ بچوں کو ہر دم وہ خود اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھیں۔ بچے بھی مانوس ہورہے تھے ورنہ تو سوائے فاطمہ کے وہ کسی کے پاس کم ہی خوش رہتے تھے۔ اب ذرا فرصت تھی تو فاطمہ نے رات کے کھانے کی تیاری اپنی نگرانی میں کرانا شروع کی۔ اس کے نزدیک عباس کے رشتے بہت اہم تھے جبھی وہ جی جان سے ان کی خدمت کرنا چاہ رہی تھی۔

"سلیم تم باہر جاؤ ذرا۔"

فاطمہ دروازے کی جانب سے رخ پھیرے کوکنگ رینج کے آگے کھڑی بریانی کا مصالحہ تیار کرنے میں مصروف تھی کہ عباس کی مخصوص آواز سن کر اپنا دل ٹھہرتا محسوس کیا۔ گو کہ وہ اس سے مخاطب نہیں تھا مگر پھر بھی وہ پوری حسیات سے متوجہ ہونے سے خود کو روک نہیں سکی۔

"رات کو بیڈ روم میں آجانا سونے کے لیے، میں نہیں چاہتا اماں جان کو کسی قسم کا بھی کوئی شک ہو۔" اب کہ وہ اس سے مخاطب تھا۔ خشک وسپاٹ تحکم بھرا انداز لیے اس کے باوجود فاطمہ کو لگا تھا اس کے اطراف میں لاتعداد جگنو جگمگانے لگے ہوں۔

پھر اس وقت ہی نہیں وہ بعد میں بھی عباس کی موجودگی میں نہ پلکیں اٹھا سکی نہ اس سے نظر چار کرسکی۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا، عباس خاصی دیر تک اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بیٹھا رہا۔ جبکہ فاطمہ بچوں کے ساتھ دیگر کام بھی دیکھنے لگے کچن اپنی نگرانی میں صاف کرا کر فارغ ہوئی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ عباس کے علاوہ اماں جان اور مہر وزیبی بھی سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

فاطمہ نے چونکہ بچوں کو ان کے کمرے میں ہی سلایا تھا جبھی اس سمت آگئی تھی کہ انہیں لے کر عباس کے کمرے میں جائے گی مگر کمرا خالی تھا یعنی عباس بچوں کو پہلے ہی کمرے میں لے گیا تھا خود فاطمہ کو ہچکچاہٹ اور حجاب نے آن گھیرا۔ اسے عباس کے کمرے میں جاتے جھجک آرہی تھی مگر جانا تو تھا اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ وہ سوچکا ہوگا اور واقعی جب وہ کمرے میں آئی عباس بے خبری کی

نیند میں گم تھا اس کی ہموار سانسوں کا زیر و بم اس کی گہری نیند کا پتا دیتا تھا اور نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے ساحرانہ نقوش کی دلکشی کو نگاہ کے رستے دل میں سموتی فاطمہ کی آنکھیں بے مائیگی کے شدید احساس سمیت بھیگتی چلی گئی تھیں۔ گو کہ اس بلاوے میں کوئی امید تھی نہ معنی خیزی محض ایک بھرم تھا دنیاداری کا تقاضا تھا۔

وہ رات کا ہی کوئی پہر تھا جب کسی احساس کے تحت وہ نہ صرف جاگ اٹھی بلکہ اپنے اوپر بھاری بھرکم بوجھ محسوس کرتے ہی اس کے حلق سے زوردار چیخ نکل گئی۔ جس کا گلا درمیان میں ہی اس کے ہونٹوں پر آہنی ہاتھ جما کر گھونٹ دیا گیا تھا۔

"میں ہوں عباس اور تمہارے حسن سے متاثر ہو کر ہرگز تمہارے پاس نہیں آیا بے فکر رہو، نیچے کیوں لیٹی ہو اندھیرے میں مجھے الہام ہوا تھا بھلا؟ چوٹ لگوادی مجھے۔" عباس کی آواز غیض سے بھرپور تھی۔

"ضرورت کیا تھی تمہیں آخر اس فضول حرکت کی؟" وہ اٹھ کر لائٹ آن کر چکا تھا۔

"آپ نے کہا تھا کمرے میں آ کر لیٹوں۔" فاطمہ نے صفائی دی تو اس نے جواباً کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو نیچے لیٹنے کو تھوڑی کہا تھا صوفے پر لیٹ سکتی تھیں، بیڈ تھا۔" وہ اسی طرح بھڑک کر بولا۔

"آئی ایم سوری کہاں چوٹ لگی ہے آپ کو؟" فاطمہ نے گریزاں انداز میں اسے ایک نظر دیکھا۔ عباس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

عباس واپس کمرے میں آیا تو دیا نے کسمسا کر رونا شروع کر دیا تھا۔ فاطمہ جو گم صم بیٹھی تھی چونک گئی، عباس نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ وہ دیا کو اٹھا کر کاندھے سے لگائے تھپکتی اور ٹہلتی رہی۔ عباس بستر پر جا لیٹا۔

اس کا خیال تھا فاطمہ دیا کے بہانے ضرور بستر پر اس کے برابر آئے گی اس کی توجہ حاصل کرنے کا فرسودہ طریقہ جو ازل سے ایسی نفس پرست عورتیں اپنے پسندیدہ مرد کو دام میں جکڑنے کو آزماتی آئی ہیں اس کے ہونٹوں پر زہر خند بکھرا۔ وہ سلگ رہا تھا اس کے پور پور میں نفرت تھی لیکن وہ منتظر ہی رہا مگر فاطمہ کی جانب سے ایسی کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ دیا کے سونے کے بعد وہ اسے بستر پر لٹاتی خود واپس صوفے پر چلی گئی۔ لائٹ اس نے دوبارہ بند کر دی تھی۔ عباس اپنے اندازے کی غلطی پر حیران تھا۔

"تو کیا یہ وہ نہیں ہے جو میں اسے سمجھتا ہوں؟"

اس نے خود سے سوال کیا جواب میں اس کے اندر سناٹا چھایا رہا تھا۔ حالانکہ جواب تو تھا اس کے پاس جب اس نے فاطمہ کی آزمائش کرنی چاہی تھی اور وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

❀......۞......❀

شرجیل کو اس نے اس کا وعدہ یاد دلانے کو فون کیا تھا۔ مقصد شکوہ کرنا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کو بھی بھول گیا ہے مگر جو خوشخبری شرجیل نے اسے سنائی اس نے لاریب کو ہی نہیں حویلی کو خوشی سے لبریز کر دیا تھا۔ امامہ تو اس خوشی میں بھی رونے لگی تھی اور بابا سائیں نے فوری صدقہ کرنے کا کہہ کر خود سجدہ شکر ادا کیا تھا اگلے چند منٹ بعد وہ لوگ زارون اور سمعیہ سمیت کراچی روانہ ہو چکے تھے۔

"بہت مبارک ہو بیٹا، اللہ نے بہت احسان کیا۔" دروازہ چونکہ شرجیل نے ہی کھولا تھا جبھی بابا سائیں اسے گلے لگا کر خوشی سے کہا۔

"سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بابا جان۔" شرجیل کی آواز میں اظہار تشکر تھا۔ لاریب اور امامہ وہاں رکے بغیر تقریباً دوڑتی ہوئی اندر آئی تھیں جہاں ایمان سامنے ہی بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز فراز کی کسی بات پر دھیمے سے مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت کمزور تھی مگر اللہ کا شکر تھا کہ اس کے تمام حواس سلامت تھے۔ انہیں روبرو پا کر اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی اتر آئی۔ لاریب اور امامہ نے ایک ساتھ لپک کر اسے محبت سے تھام لیا اور ملن کا یہ منظر بہت جذباتی تھی۔ فراز ایمان کے سامنے ڈھیر سے ڈھیرے سارے حقائق رکھ چکا تھا یہی وجہ تھی کہ ایمان، لاریب اور

امامہ کے ساتھ بابا سائیں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی منتظر تھی۔

"تم کیسی ہو مانو بلی؟ بہت اچھا کیا تم نے شرجی بھائی کے ساتھ آ کر ورنہ ہم تو اتنے اچھے اور پیارے بہنوئی سے محروم ہی رہتے۔" فراز نے سمعیہ کا سر تھپکا جو ابراہیم احمد کی موجودگی کے باعث جھینپی شرمائی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی بات پر جھینپ کر کچھ اور سرخ پڑنے لگی۔ وہ اس سے گھر کے ایک ایک فرد کا پوچھ رہی تھی۔

"سب ہی ٹھیک ہے انہیں بھلا کیا ہونا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ وہاں صورتحال ہنوز وہی ہے کوئی تمہیں اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتا۔" فراز کا لہجہ متاسفانہ تھا۔

"یہ دیکھیں آپ کا بیٹا کتنا پیارا ہے۔" ایمان کو اس جذباتی کیفیت سے نکالنے کی غرض سے ہی لاریب نے اسے بابا سائیں کے کاندھے سے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے اور زارون کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ ایمان کچھ ثانیے ساکن ہو کر رہ گئی۔

"یہ اتنا بڑا ہو گیا لاریب؟" وہ حیرانی سے کہتی جھکی اور بچے کو پیار کیا۔

"ہاں، تم بہت عرصہ خفا رہی ہو مجھ سے امی۔" جواب شرجیل نے دیا تھا ایمان کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"میں آپ سب لوگوں کی مجرم ہوں۔" وہ بابا سائیں کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگاتی پھر سے سسکی۔

"ایسا نہیں سوچو بابا کی جان، آپ اپنے بابا کی بیٹی نہیں بیٹا بن کر رہا کرتی تھیں۔" بابا سائیں نے نرمی و محبت سے کہتے اس کے ریشمی بال سہلائے۔

"ہاں بالکل اور بیٹوں کی خطائیں باپ جلدی معاف کر دیا کرتے ہیں اس لیے آپ بالکل بھی دل پر بوجھ نہ لیں بس آج آپ رشتہ پکا کریں اپنے بیٹے کا میری بیٹی نور سے۔ بتا رہی ہوں انکار ہرگز نہیں سنوں گی۔" امامہ نے بڑے انداز سے بڑے دھونس سے کہا تھا تو سب ہنس پڑے مگر ایمان چونک اٹھی۔

"ارے میری ننھی پری تمہاری شادی ہو گئی اور بیٹی بھی ہے؟" وہ کتنی حیرانی اور غیر یقینی سے امامہ کو دیکھ رہی تھی۔ جواب میں وہ معصومانہ انداز میں گردن اکڑا کر فرضی کالر کھڑے کرنے لگی تو لاریب کی ہنسی نکل گئی۔

"کس سے ہوئی تمہاری شادی؟" ایمان نے اسے بے اختیار تھام کر اسے گلے لگا کر چوما، وہ یقیناً اس تلخ یاد کو فراموش کر چکی تھی جو کبھی اس پر قہر بن کر ٹوٹی تھی۔

"وہ بھی میری طرح بہت خوب صورت ہیں ملاؤں گی آپ سے فی الحال تو ساتھ نہیں لائی انہیں آپ بات نہیں بدلیں اپنے بیٹے کا رشتہ دیں مجھے۔" لاریب اور بابا سائیں کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو ایک نگاہ دیکھتے امامہ نے بہت سمجھداری سے بات کو بدل دیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے اللہ پاک دونوں کے نصیب اچھے کرے، رشتہ تو طے کر لیا تم نے اب مجھے میری بہو بھی دکھا دو۔" ایمان نے ہنستے ہوئے کہہ کر اس سے بچی کو لے لیا تھا۔ انداز میں شرارت تھی جس سے محظوظ ہوتے سبھی ہنس پڑے۔

"تمہارے کتنے بچے ہیں لاریب؟" ایمان نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔ لاریب پہلے تو ہونق ہوئی پھر اس کے صبیح چہرے پر خفت و خجالت کی لالی دوڑ گئی۔

"کیا مطلب، اگر تم دونوں یہ کارنامہ انجام دے چکی ہو تو ضروری نہیں کہ میں بھی......!" اس کی ادھوری بات پر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"بھئی اب میرا کیا قصور ہے اگر امامہ کا بچہ تھا تو میں سمجھی تم بھی......!" ایمان نے خفت زدہ انداز میں سرخ چہرے کے ساتھ وضاحت پیش کی۔

"لیں اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے بھلا؟ شادی ہوئی ہے تو بچے بھی ہونے ہی ہوتے ہیں۔" امامہ نے مسکراہٹ دبا کر بظاہر بے پروائی سے کہا۔

"ویسے باجو بجو کی شادی مجھ سے بعد میں ہوئی ہے ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔" امامہ کی وضاحت پر ایمان کی متبسم نظریں پھر سے لاریب کی سمت گھومیں۔

"کس کے ساتھ ہوئی لاریب کی شادی؟" اس کے

لہجے میں پرشوق سا تجسس تھا۔

"آپ کے خیال میں کس نے ہوسکتی تھی، یاد ہے باجو میں نے ایک بار آپ سے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ سکندر بھائی بجو میں انوالو لگتے ہیں۔" وہ چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر شرارت لیے ایمان سے مخاطب تھی۔

"ہاں، ہاں......تو......؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

"تو یہ کہ بس وہی لے اڑے ہیں انہیں، ہمارا گمان سچ کردکھایا انہوں نے۔"

"رئیلی لاریب، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟" ایمان بھونچکی رہ گئی۔

"محبت کا کرشمہ ہے۔" امامہ نے اسی شریر انداز میں لقمہ دیا پھر ایمان کی سمت جھک کر اسے رازدارانہ انداز میں تفصیلات سنانے لگی۔ لاریب نے ایمان کی آنکھوں میں اترتی حیرت کو محسوس کیا اور بے چین ہوکر نظریں چرالیں۔

"تم خوش ہونا لاریب؟" لاریب وہاں سے اٹھ کر جا رہی تھی جب ایمان نے کتنی بے چینی سے سوال کیا۔ لاریب نے ایک نظر اس کے سفید ہاتھ پر ڈالی جو اس کے ہاتھ پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ پھر محض سر کو اثبات میں ہلا دیا وہ فی الحال اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

❀......◉......❀
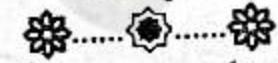
اس نے اضطرابی کیفیت میں پیشانی کے بالوں کو مٹھی میں دبوچا اور سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ بے نام سی اداسی اور یاسیت تھی۔ فراز کے ذریعے اس تک بھی ایمان کی تندرستی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ ہر سو خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ پورا خاندان اکھٹا تھا سوائے اس کے کسی نے اسے نہیں بلایا کسی نے اسے یاد نہیں کیا، شاید نہیں یقیناً اس کی ضرورت نہیں تھی۔ فراز نے یہ تو بتایا ہی نہ تھا کہ وہ اس کا ذکر کر چکا ہے کہ نہیں اس نے ریوالنگ چیئر چھوڑی اور کھڑکی کی سلائیڈ نیچے کر کے باہر جھانکا۔ نیچے مصروف شاہراہ پر ٹریفک رواں دواں تھا زندگی اپنے پورے طمطراق سے جاری وساری تھی۔

جمود تو اس پر چھا گیا تھا اس نے لاریب کی وجہ سے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا اس کی آنکھیں شدتوں کی جلن سمیٹ

لائیں فون کی گھنٹی بج رہی تھی اسے پلٹ کر میز تک آنا پڑا۔

"ہیلو......نہیں میٹنگ کے لیے منع کردیں......ہاں کل یا پرسوں کا کوئی بھی ٹائم دے دیں ان کو......ڈونٹ ڈسٹرب می اوکے۔" اس نے قدرے سختی سے اپنی سیکریٹری کو کہا تھا۔ ریسیور پٹخ کر سر اٹھایا اور اپنے سامنے موجود بابا سائیں کو دیکھ کر اسے اپنی بصارتوں پر دھوکے کا گمان گزرا تھا۔ جبھی چند ثانیے تو ساکن کھڑا رہ گیا پلکیں تک جھپکے بغیر۔

"کیسے ہو سکندر بیٹا؟" وہ مسکرا کر کہتے آگے بڑھے تب سکندر کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر ان کی جانب آیا تو انہوں نے کھلے بازوؤں میں بھر کر اسے سینے سے بھینچ لیا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا بابا سائیں آپ میرے سامنے ہیں، میرے پاس۔" اس کی بے خودی کا عجیب عالم تھا بابا سائیں نرمی سے محبت سے مسکرانے لگے۔

"تمہیں ڈھونڈنے میں ہی بہت وقت لگ گیا سکندر ورنہ میں تو بہت پہلے تمہارے پاس آجاتا۔" انہوں نے اسی محبت وپیار سے تھپکا تو سکندر ان سے الگ ہوکر جھینپی ہوئی مسکراہٹ سے انہیں تکنے لگا۔

"آئی ایم سوری بابا سائیں میں نے نالائقی کی حد کردی، پتا نہیں میں اس غفلت میں کیوں پڑ گیا تھا۔" ان کی فراخدلی نے اسے اتنا شرمسار کردیا تھا کہ وہ از خود اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا نہ شکوہ نہ شکایت وہ کتنی محبت سے اسے اس کی کامیابیوں کی مبارک باد دے رہے تھے۔

"کوئی بات نہیں بیٹا، میں جانتا تھا تم یہاں مسائل میں الجھے ہوں گے تمہارے والدین اور لاریب کو بھی یہی کہہ کر تسلی دیتا تھا۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے تمہیں سرخرو کیا ہمیشہ زندگی میں ہر مقام پر کامیابی پاؤ۔" وہ اس کا کاندھا تھپتھپا رہے تھے، سکندر کا چہرہ ایک نام پر لو دے سا اٹھا۔

"میں جلد آپ سے ملنے آؤں گا ایمان بی بی کے متعلق بھی مجھے پتا چلا ہے۔ آپ کو بہت مبارک ہو بابا سائیں۔" انٹر کام پر چائے کا آرڈر کرنے کے بعد وہ

خوشگوار انداز میں محو گفتگو تھا۔

"ہاں بیٹے ضرور، میں انتظار کروں گا آپ کی بہت اہم امانتیں ہیں میرے پاس۔" ان کے لہجے میں اب کے ذمہ داری کا احساس دلانے والا انداز تھا۔ سکندر ایک بار پھر خفت کا شکار ہوا۔

"آیئے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں، ابھی تو آپ ایمان بی بی کی طرف ہی ہوں گے نا؟" چائے پینے کے بعد وہ جانے کو اٹھے تو سکندر نے اسی سابقہ انداز میں بڑھ کر انہیں تھاما تھا۔

"جیتے رہو بیٹا، نیچے ڈرائیور کے ساتھ وہ بچہ بھی ہے کیا بھلا سا نام ہے اس کا......!"

"محمد فراز علوی، بابا سائیں آپ کے اس نالائق بیٹے کا کزن ہوں غلطی سے۔" اس وقت فراز نے اندر قدم رکھتے بے حد چہک کر کہا۔ سکندر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تو گویا یہ اس کا کارنامہ ہے۔

(کتنے احسان کرو گے مجھ پر فراز علوی، میں تمہاری محبتوں کے کتنے قرض اتاروں گا بھلا۔ مگر اس بے غرض عنایت کا فائدہ نہیں ہے۔ لاریب کو آج بھی میری ضرورت نہیں میں جانتا ہوں)

اس کا دل بے انتہا بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

❀......◉......❀
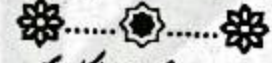
"افوہ احسان بابا آپ کو تو بالکل بھی مساج کرنا نہیں آتا۔ نیچے سے اوپر کو ہاتھ لے کر جائیں اور ذرا دبا کر بہت درد ہے مجھے۔" فاطمہ عباس کے لیے دودھ کا گلاس رکھنے آئی تھی۔ جب وہ بستر پر لیٹا احسان بابا سے مخاطب تھا۔ شرٹ اور بنیان سے بے نیاز وہ تکیے میں منہ دیے اوندھا لیٹا ہوا تھا اور احسان بابا ہاتھ میں کوئی دوا پکڑے مساج کرنے میں مصروف تھے۔ عباس کی بات سن کر قدرے خفت زدہ ہوئے۔

"صاحب دراصل میں نے ایسا کام کبھی نہیں کیا ہے تو تجربہ بھی بالکل نہیں ہے۔" وہ کھسیا کر وضاحت دے رہے تھے۔

"چلیں پھر آپ رہنے دیں۔"

عباس نے سیدھے ہوتے انہیں ٹوکا تو وہ چلے گئے تب ہی نگاہ فاطمہ پر اٹھ گئی تھی۔ جو اس کے غضب کی مردانگی سمیٹے لمبے چوڑے وجود سے نگاہ چرائے پلٹ کر اسی خاموشی سے جا رہی تھی۔ جب عباس نے بالکل غیر متوقع طور پر اسے پکارا۔

"بات سنو۔" اس نے صرف کہا نہیں بلکہ اس کی کلائی بھی پکڑ لی۔

"کیا ثابت کرنا مقصود ہے کہ تم بہت پاکباز ہو؟" وہ غصے میں بپھر سا گیا تھا۔ آج تک بھلا ایسا کب ہوا تھا ایسا کہ کوئی اسے نظر انداز کر جائے وہ بھی فاطمہ؟

"بیٹھو یہاں مساج کرو میرے کاندھوں پر مسلز پرابلم ہو رہی ہے مجھے۔" اس کے ہاتھ چھوڑ کر وہ اس کے سامنے دوا پھینکتا ہوا بولا۔ وہ صرف اس کی قربت سے ہی نہیں اس کی پرتپش نظروں کی آنچ سے بھی پگھل رہی تھی۔ اس نے عباس کے لیٹنے کے بعد مساج شروع کردیا تھا۔

مگر اس کے ہاتھوں کی لرزش اس کام کو مشکل بنا رہی تھی۔ عباس کی سانسوں کی تپش، وجود کی گرمی اور نظروں کا طلسم اس کے سراپے میں ذومعنی سنسنی پھیلا رہا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی اس طرح آخر وہ اسے کیوں حراساں کر رہا ہے؟ اسامہ نیند میں کسمسایا تھا فاطمہ نے تیزی سے اٹھنا چاہا عباس نے سلگتی نظروں سے اسے تکتے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" فاطمہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"بہت پسند ہوں نا تمہیں میں اور بہت محبت بھی کرتی ہو مجھ سے، پھر اب تو ہماری شادی بھی ہوچکی ہے اس طرح گریزاں کیوں رہتی ہوں مجھ سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" ایک ایک لفظ انگارہ تھا اور ایک ایک جملہ کاٹ دار تھا۔ اگلے لمحے اس نے تنفر آمیز انداز میں فاطمہ کو زور سے جھٹک دیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے، میں لعنت بھی نہیں بھیجتا تم پہ سنا تم نے؟" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا۔

❁......۞......❁

ابراہیم احمد عشا کی نماز پڑھ کر آیا تھا اور کچن میں اپنے لیے چائے بنا رہا تھا۔ لاریب کو وہ بہت اچھا لگتا تھا یا تو وہ خاموش رہتا اگر کچھ بولتا تو گویا الفاظ کی صورت میں موتی بکھرنے لگتے۔ اس کے خیال میں سمعیہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو لاریب؟" ایمان نے پیچھے سے آ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو لاریب گہرا سانس بھر کر مسکرا دی اور پلٹ کر امامہ کو دیکھنے لگی جو نور کو سلاتے ہوئے خود بھی غنودگی میں چلی گئی تھی۔

"یہ ابھی تک ویسی ہی ہے معصوم سادہ سی۔" ایمان نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا پھر آگے بڑھ کر امامہ کو لٹانے کے بعد سر کے نیچے نرمی سے تکیہ رکھ دیا۔

"تم نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا تھا لاریب کہ امامہ کی شادی وقاص سے ہوئی ہے؟" وہ دکھی تھی، لاریب پھر ہراساں ہونے لگی۔

"میں حیران ہوں اگر یہ میرا تاوان تھا تو امامہ خوش کیسے نظر آتی ہے۔ کیا وہ اتنی مجبور ہوگئی ہے لاریب کہ ہم سب کو بہلانے کو......!"

"ایمان کی آنکھوں میں وحشت سی اتر رہی تھی۔ لاریب نے بوکھلا کر اسے دیکھا، پھر نرمی و محبت سے اسے تھام لیا تھا۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے باجو، یہ تاوان نہیں تھا اس بندھن میں وقاص اور امامہ دونوں ہی کی رضامندی شامل تھی، امامہ واقعی خوش ہے ٹرسٹ می۔"

"تم مجھ سے جھوٹ تو نہیں بول رہیں نا لاریب؟" ایمان نے اس کا ہاتھ ایسے پکڑا جیسے تسلی کی شدید طلب ہو وہ سر تا پا کانپ رہی تھی اور ہر لمحہ سرد ہوتی جا رہی تھی۔ لاریب کو سب کچھ بھول کر اس کی فکر ہونے لگی۔

"میں ایسا کیوں کروں گی باجو، کہیں تو ابھی وقاص سے آپ کی بات کرا دوں اطمینان ہو جائے گا آپ کو۔" لاریب نے بوکھلاتے ہوئے کہا تھا ایمان نے ایک نظر اس کے متوحش چہرے کو دیکھا اور تھکے ہوئے انداز میں خود کو بستر پر گرا دیا۔

"اگر ایسا ہی ہے جو تم کہہ رہی ہو لاریب تو وہ آیا کیوں نہیں، یہ غیر اہم بات تو نہیں تھی ہم سب جمع ہیں تو اسے بھی آنا چاہیے تھا اصولاً۔" اس کی آنکھوں میں ہنوز تشویش و تفکر تھا۔ لاریب نے خود کو سنبھال کر اس کا گال محبت سے تھپکا۔

"وہ آپ سے ہچکچا رہا ہے شاید پرانے تعلق کی بنا پر۔" لاریب نے نظریں چرا کر بات بنائی ایمان نے اذیت سے گزرتے آنکھیں موند لیں۔

"وہ اچھا انسان نہیں تھا لاریب بابا جان کو یوں امامہ سے اس کی شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔" اس کی آواز میں شدید کرب کی آمیزش تھی لاریب کا دل بھرانے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتی بھلا وہ کیا کچھ نہیں سہہ چکی تھی اپنی جان پر مگر اس نے خود کو سنبھالنا تھا اپنے لیے نہ بھی سہی اپنے رشتوں کی خاطر ضرور جبھی بولی تو اس کا لہجہ و انداز نارمل تھا بلکہ ڈھارس بندھاتا ہوا۔

"وقت سب سے بڑا استاد ہے باجو، امامہ کہتی ہے وہ یکسر تبدیل ہو چکا ہے۔" لاریب نے اس کے ساتھ اپنی بھی تسلی کی تھی ایمان پوری آنکھیں وا کیے اسے دیکھتی رہی گویا سچ اور جھوٹ کی پرکھ کر رہی ہو اور لاریب اپنے سارے حوصلے آزماتی خائف تھی۔

"کیا ہوا خیریت ایمان۔" فراز اور شرجیل ایک ساتھ دستک کے بعد اندر آئے تھے۔ ایمان کو یوں بے دم انداز میں لیٹے اور لاریب کو پریشان پا کر شرجیل کی تشویش اور گھبراہٹ فطری تھی۔ ایمان نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوزڈ کیا۔

"میں ٹھیک ہوں جسٹ ریلیکس۔" اس نے شرجیل کا چہرہ دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا خیال ہے ہمیں باہر چلنا چاہیے بے چارے شرجی بھائی تو ڈھنگ سے ابھی بھابی کو دیکھ بھی نہیں سکے ہم مسلسل کباب میں ہڈی بنے ہوئے ہیں۔" فراز سنجیدگی کے ساتھ لاریب سے مخاطب تھا۔

"آپ مائنڈ نہیں کرنا لاریب، اسے فضول ہانکنے کی عادت ہے۔" لاریب رواداری سے مسکرا دی۔

"رات بہت ہو چکی ہے میں خود بھی آرام کا سوچ رہی تھی باجو میں چلتی ہوں شب بخیر۔" کہتے وہ کمرے سے نکل گئی۔ فراز تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوسکا لاریب نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا۔

❁......۞......❁

"آپ بہت بدل گئے ہیں شرجیل۔" شرجیل نے عادت کے مطابق سونے سے قبل نوافل ادا کیے پھر بستر پر آیا تو زارون کو گود میں لٹائے پیار کرتی ایمان نے اسے مخاطب کیا۔ شرجیل لمحہ بھر کو اپنی جگہ تھم گیا پھر چہرا موڑ کر محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ بتاؤ یہ تبدیلی کیسی لگی تمہیں؟" شرجیل نے اپنا بازو اس کے کاندھے پر پھیلا کر فاصلہ مٹایا۔ ایمان کے چہرے پر مسکان سورج کی کرنوں کی مانند جھلملانے لگی۔

"بہت پیاری، بہت خاص۔" اس کا لہجہ بے ساختہ تھا۔

"جب تم نے مجھ سے ہاتھ چھڑایا تھا اور غافل ہوگئیں مجھے تنہا کر کے تو میں نے جانا تھا ایمان میں بھی تمہارے ساتھ یہی کر چکا ہوں حالانکہ تمہاری یہ غفلت میری طرح دانستہ بھی نہیں تھی تم اس میں قصوروار بھی نہیں تھیں پھر بھی میں بہت ہرٹ ہوا میں نے خود کو بہت تنہا محسوس کیا اور بہت اذیت کے ساتھ بہت زیادہ پچھتاوے میں بھی گھر گیا۔ ایمان یہیں سے میں نے سمجھا تھا تمہاری اذیت کو تمہاری تکلیف کو جو تم نے اس وقت سہی جب میں تم سے نظریں پھیر چکا تھا۔ میری غفلت تو دانستہ تھی اس لحاظ سے تمہاری تکلیف میں شدت رہی ہوگی میں ہی تھا جس نے تمہیں غلط راستے پر چلایا تھا۔ تمہاری مشکلات کا ذمہ دار بھی میں ہی تھا پھر اس پر مزید کم ظرفی و ستم ظریفی یہ کہ تم سے نگاہیں بھی پھیر لیں بہت بڑا جرم سرزد ہوا تھا مجھ سے ایمی میں ہر روز جینے مرنے لگا۔ زیادتی کا یہ احساس بہت شدید تھا میں خود سے بھی نظریں چار نہیں کر پاتا تھا وہ بہت کٹھن وقت تھا ایمی حالات نے ہر طرف سے مجھ پر گرفت تنگ کر دی تھی مگر میں ہارنا نہیں چاہتا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ ہے کہ اللہ کو میری ہار منظور نہیں تھی۔ جبھی اپنے پرہیزگار بندے کو میرا غم گسار بنا کر بھیج دیا۔ ہر سو اندھیرا تھا جب ابراہیم احمد جگنو کی طرح اندھیروں میں جگمگا کر روشنی دکھانے لگا۔ یہ راستہ اللہ کا راستہ تھا جس پر میں نے قدم رکھا تو راستے آسان ہوتے چلے گئے بس مجھے اتنا پتا ہے ایمی اس کے بعد مجھے کبھی نہیں لگا کہ میں تنہا ہوں اللہ ہر لمحہ ہر پل میرے ساتھ تھا۔" وہ خاموش ہوا تو ایمان کو بے آواز روتے پا کر اتنا بے چین ہوا کہ جھک کر اس کے بھیگے گالوں کو عقیدت بھرے انداز میں چوم لیا۔

"میں اس سلوک پہ تم سے شرمندہ ہوں ایمی جو نادانی میں تم پر ہوا......!" ایمان نے اپنا نازک ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھا تو بات ادھوری رہ گئی۔ دونوں یونہی بھیگتی آنکھوں سے ایک دوجے کو دیکھتے رہے تھے پھر شرجیل نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"آپ آئندہ کبھی اس بات کو دوبارہ نہیں یاد کریں گے شرجیل ہمیں سب بھول جانا چاہیے۔" وہ شرجیل کے کاندھے سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"مجھے اللہ نے سب حسب خواہش دیا ہے گویا مجھے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا ہے مجھے اور کیا چاہیے۔" وہ بھیگی آواز میں کہہ رہی تھی اور شرجیل کو ابراہیم احمد کی کہی بات یاد آنے لگی اس نے کہا تھا۔

"جب انسان کے جائز کام بنا کسی رکاوٹ کے ہونے لگیں اور زندگی میں سکون کا چاہے ہلکا سا ہی احساس جاگنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہے۔ پھر ایسے میں انسان کو اپنی شکرگزاری بڑھا دینی چاہیے۔" اور اس کی زندگی میں تو کوئی تشنگی کوئی کمی رہی ہی نہ تھی پھر وہ شکر کیوں ادا نہ کرتا۔

❁......۞......❁

"ہاں...... ہاں مجھے پتا ہے، ڈونٹ وری میں پہنچ جاؤں گا۔" فاطمہ بیڈ کی چادر بچھا رہی تھی جب عباس فون

پر بات کرتا اندر داخل ہوا اور فون کان سے ہٹا کر وہ وارڈ روب کی جانب بڑھا اور سیل فون بستر پر پھینک دیا۔

"اسے چارجنگ پر لگاؤ۔" اس کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔ فاطمہ نے اپنا کام ادھورا چھوڑ کر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا فون اٹھالیا۔ فون کو چارجنگ پر لگا کر اپنے دھیان میں پلٹی تو عباس حیدر کے فولادی وجود سے ٹکرا گئی۔ عباس کو اپنی سمت متوجہ پا کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"میں محسوس کررہا ہوں تم بچوں کی طرف سے غافل ہورہی ہو، اس کی کوئی خاص وجہ؟" اس فرد جرم نے فاطمہ کو متعجب کیا یہ سراسر الزام تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کی تردید کرسکی نہ اپنی صفائی پیش کرسکی۔

"اب احمقوں کی طرح میرا منہ کیوں دیکھنا شروع کردیا، جاؤ اور سوئی دھاگہ لے کر آؤ میں جلدی میں ہوں اور شرٹ کا بٹن ڈھیلا ہے۔" اس کی خاموشی و صبر کے جواب میں عباس کی جھنجلاہٹ بھری تاثر تھی۔

"شش...... شرٹ...... دے دیں۔" وہ اس کی نظروں سے خائف ہکلا کر بولی۔ جواب میں عباس نے اسے غصے سے گھورا۔

"کہاں نا ٹائم نہیں ہے زیادہ میرے پاس۔" وہ ناچار اس کے قریب آئی عباس کے تیور اس کی نظریں سب سے بڑھ کر اس کی حواس مختل کردینے والی طلسمی قربت ہی سارا کام خراب کرتی تھی۔ اب بھی انجام سامنے تھا اس کا ہاتھ بہکا اور سوئی عباس کے سینے میں جا لگی فاطمہ کی گھبراہٹ و سراسیمگی کا حال دیکھنے لائق تھا۔ غلطی بھی اس نے کی تھی اور کھنچی بھی وہی تھی۔ وہ اتنا بوکھلائی کہ اپنا ہاتھ متاثرہ جگہ پر رکھ کر خون روکنا چاہا۔ اس کے ہر انداز سے ہی اضطراب جھلک رہا تھا۔

"اوہ شٹ، بے ڈھنگی عورت ہو پوری کوئی کام جو سلیقے سے کرنا آتا ہو نان سینس، دفع ہوجاؤ یہاں سے۔" اسے رونے کو تیار پا کر عباس نے بے حد خشونت سے کہتے اسے بے دردی سے ہاتھ مار کر پیچھے دھکیلا اور اپنا غصہ میز کو ٹھوکر مار کر اتارا۔

"آئی ایم ساری عباس مجھے پتا نہیں چلا پتا نہیں کیسے...... زیادہ لگ گئی ہے نا آپ کو کوئی دوا لگا دوں۔" وہ اتنی مضطرب اور بے چین تھی کہ سارے گریز اور احتیاط بھلائے اس کے پاس آئی اور اس کا بازو پکڑ کر گویا منانا چاہا۔ عباس نے جھلا کر اسے دیکھا۔

"بلیو می عباس میں ایسا کبھی نہیں چاہ سکتی کہ آپ کو تکلیف دوں۔" عباس کی نگاہ اس کے اجلے چہرے پر موجود بلا کی جاذبیت اور مسحور کن دلکشی میں نا چاہتے ہوئے بھی بھٹکنے لگی اسے چونکانے کا باعث فون کی گھنٹی تھی۔

"السلام علیکم......!" اس نے انجان نمبر سے آئی کال کو ریسیو کیا اور اپنے مخصوص دبنگ انداز میں سلام کیا تھا۔ دوسری جانب کی بات سنتے ہوئے اس نے پلٹ کر ایک نگاہ آنسو پونچھتی بے کل سی فاطمہ پر ڈالی۔

"جی...... میں عباس حیدر بول رہا ہوں...... آپ کون؟" دوسری جانب سے جو کہا گیا اسے سنتے ہی اس کی نگاہ میں تپش اترنے لگی تھی۔ اس نے محض ہنکارا بھرا اور فون بند کردیا۔ پھر پلٹ کر فاطمہ کے پاس آیا تو اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔

"تم نے کہا تھا تم انڈیا سے ہو، ہے نا؟" فاطمہ نے گھبرا کر محض اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر وہ جو تمہارے متعلق استفسار کررہا ہے اس کا تعلق امریکہ سے ہے کون ہے یہ ابراہیم؟"

اس کی سانسیں پھنکاریں مار رہی تھیں اس کے سرد لہجے میں سخت گیر شوہروں کا سا استحقاق کرختگی اور تلخی تھی فاطمہ کا رنگ بالکل فق ہوکر رہ گیا۔ وہ کسی ابراہیم نامی شخص کو نہیں جانتی تھی اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی کہ وہ عباس کو اس بات کے جواب میں کیا کہے اس کا دل ہولنے لگا اور جیسے پاتال میں گرتا چلا گیا۔

(جاری ہے)

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
مجھے حکم ہے اذاں
ام مریم
READING
Section

چاہا ہے اس کو روح کی سچائیوں کے ساتھ
زندہ ہوں اپنی ذات کی تنہائیوں کے ساتھ
روکا نہیں تھا اس کو بچھڑتے وقت بھی
اپنی وفا پہ ناز تھا سچائیوں کے ساتھ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فاطمہ تمام احوال زینب کو سناتی ہے کہ عباس اسے عریشہ کا قاتل سمجھتا ہے جبکہ دوسری طرف زینب یہ تمام باتیں عباس کو بتانے اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا کہتی ہے لیکن فاطمہ اس سب کے لیے تیار نہیں ہوتی جبکہ دروازے کے باہر کھڑا عباس فاطمہ کی تمام باتیں سن کر بھی اسے سازش کا نام دے کر نظر انداز کردیتا ہے۔ دوسری طرف فراز شرجیل کے گھر کے لیے روانہ ہوتا ہے اور وہاں پہنچ کر اس کا سامنا جس شخص سے ہوتا ہے وہ حیران ہی رہ جاتا ہے۔ امامہ اور لاریب زارون کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی ہیں جس پر شرجیل انہیں اجازت دے دیتا ہے۔ اسپتال سے واپسی پر عباس کا سامنا فراز علوی سے ہوجاتا ہے وہ عباس کے ساتھ فاطمہ کو دیکھ کر چونک جاتا ہے اور یہ سن کر مزید متاثر نظر آتا ہے کہ فاطمہ نے اسلام قبول کرلیا ہے وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر بے حد مسرور نظر آتا ہے جبکہ عباس کا لہجہ انتہائی سرد رہتا ہے۔ سکندر دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کے لیے تیاری کرتا ہے لیکن ساتھ ہی فراز اور نبیل کو بھی اپنے ہمراہ رکھنا چاہتا ہے۔ فراز باتوں کے دوران سکندر کو ابراہیم احمد، فاطمہ اور عباس کے متعلق بھی بتاتا ہے جبکہ سکندر بے دھیانی میں اسے سنتا رہتا ہے جب ہی تائی اماں سکندر کے جانے کا سن کر حیران رہ جاتی ہیں وہ سکندر کو صالحہ سے شادی کرنے کا کہتی ہیں جبکہ سکندر اپنی شادی کا ذکر کرکے ان کے تمام ارمانوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ فاطمہ کی خراب طبیعت کا سن کر اماں جان اور عباس کی دونوں بہنیں اچانک وہاں پہنچ جاتی ہیں اماں جان عباس کی بے پروائی پر اسے سخت سناتی ہیں جبکہ فاطمہ بوکھلا جاتی ہے ایسے میں عباس اپنا غصہ فاطمہ پر اتارتا ہے۔ ابراہیم احمد باتوں کے دوران فراز سے اپنی بہن کیتھی کی گمشدگی کا ذکر کرتے پریشان ہوتا ہے جب ہی فراز اس کی مدد کرنے کے ارادے سے تمام کوائف جاننا چاہتا ہے اور ابراہیم کے نام سے نندنی کا نام سن کر وہ چونک جاتا ہے کیونکہ نندنی گریوال سے تو وہ بخوبی واقف تھا جب ہی دوسری طرف ایمان کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر ان کی بات درمیان میں ہی رہ جاتی ہے۔ بابا جان اور دیگر افراد بھی ایمان سے ملنے پہنچ جاتے ہیں جبکہ ایمان ان سب کو سامنے پاکر نہایت خوش ہوتی ہے۔ امامہ کی وقاص سے شادی کا سن کر اسے حیرت ہوتی ہے لیکن لاریب وقاص کے رویہ کی تبدیلی کا بتا کر اسے اطمینان دلاتی ہے جبکہ دوسری طرف لاریب کی سکندر سے شادی بھی ایمان کے لیے کافی حیران کن بات ثابت ہوتی ہے لیکن لاریب ایمان کو مزید پریشانیوں سے بچانے کی خاطر اپنے خوش ہونے کا تاثر دیتی ہے۔ سکندر ان تمام حالات میں خودترسی کا شکار ہوجاتا ہے کہ اسے کسی نے بھی خوشیوں میں شریک نہیں کیا جب ہی بابا جان سکندر کے دفتر پہنچ کر اسے حیران کردیتے ہیں۔ اس کارنامے کے پیچھے بھی فراز کا ہاتھ ہوتا ہے وہ ہی انہیں یہاں تک لاتا ہے۔ شرجیل کا یکسر بدلا ہوا انداز ایمان کو نئی خوشی فراہم کردیتا ہے۔ دوسری طرف ابراہیم احمد کا فون عباس کو سخت اشتعال میں مبتلا کردیتا

ہے۔ فون بند کرکے وہ کڑے تیوروں میں فاطمہ سے استفسار کرتا ہے کہ ابراہیم کون ہے اور امریکا نژاد یہ شخص اسے کس حیثیت سے جانتا ہے۔ فاطمہ عباس کے روپ میں سخت گیر شوہر کو دیکھ کر بوکھلا جاتی ہے اسے لگتا ہے کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ بول پائے گی کیونکہ ابراہیم نامی کسی شخص کو وہ جانتی تک نہ تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......۞......❀

"وہ ملنے آیا ہوا ہے تم سے...... چلو۔" عباس کے لہجے میں غیر معمولی سختی اور سرد پن تھا۔ اس نے اس کا بازو کہنی سے پکڑ کر اسے دروازے کی جانب دھکا دیا۔ فاطمہ لڑکھڑائی۔ وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ اس پل اس کی ہر صلاحیت اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ عباس انتہائی جارحانہ طریقے سے تقریباً گھسیٹتا ہوا اسے ساتھ لایا تھا۔

"ابھی تمہارے سارے سچ اور جھوٹ کھل کر سامنے آجائیں گے۔ لیکن یاد رکھو، اگر تم جھوٹی نکلیں تو میں جان سے مار ڈالوں گا تمہیں۔" ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر عباس نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ فاطمہ نے ہراساں نظروں سے اسے دیکھا۔

اس کی نظر کسی مجرم کی مانند جھکی ہوئی اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ ابراہیم نے اس ڈری سہمی مگر یکسر تبدیل حلیے والی اس نئی انوکھی کیتھرائن کو دیکھا جو اب فاطمہ تھی۔ جس کا لباس خالصتاً مشرقی اور شرم و حیا کے سب تقاضوں کے عین مطابق تھا۔ جو اپنے حسین و باوقار اور بے حد گریس فل ہم سفر کے پہلو میں کھڑی تھی۔ شعوری یا لاشعوری طور پر اس کے دل نے مشرف با اسلام ہونے کے بعد اپنی ماں سریتا دیوی اور اپنی بہن کیتھرائن کا ایسا ہی تصور قائم کیا تھا اس کا دل بے اختیار اللہ کے آگے سربسجود ہوا تھا۔ اس کی ایک تمنا تو اس تعریفوں والے رب نے مکمل طور پر پوری کردی تھی۔

"کیتھرائن...... نہیں، نہیں فاطمہ، فاطمہ تم نے مجھے پہنچانا نہیں میں ابراہیم احمد ہوں تمہارا بھائی، بھول گئیں تم؟" وہ بے اختیار آگے بڑھا تھا اور جھکے سر والی خائف سی فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس پل وہ کچھ ایسا مشکور ایسا مسحور تھا کہ عباس کو یکسر فراموش کر گیا تھا جو ساکن کھڑا تھا۔

ابراہیم احمد کے الفاظ نے اسے خود اس کی نظروں میں عجب شرمندگی سے دوچار کر ڈالا تھا۔ اس نے الجھ کر ایک خفت بھری نگاہ فاطمہ پر ڈالی، وہ خاموش لب بھینچے دونوں بہن بھائی کا ملاپ دیکھتا رہا۔ جو واقعی اس وقت اسے فراموش کرچکے تھے۔

اس نے خوشی سے نہال ہوتی فاطمہ کو دیکھا شک و شبہ کی گنجائش ہی کہاں تھی اس شفاف لڑکی کا کردار بھی اس کی صورت کی طرح بے داغ تھا۔ وہ اس پر شک کرکے ہمیشہ شرمندہ ہوا تھا اور یہ لڑکی ہمیشہ کی طرح سر بلند باوقار کھڑی تھی۔

"ڈیڈ کیسے ہیں بھائی، مجھے سب سے زیادہ وہی یاد آتے ہیں۔" اس نے پھر فاطمہ کو دیکھا جو ابراہیم کے بازو سے لگی بیٹھی تھی جیسے کوئی بے حد آسودہ اور بے فکر سی لڑکی ہو۔ تب ہی ابراہیم اس کی جانب متوجہ ہوا اور یکدم خجل ہوا مگر پھر تپاک سے اسے ملنے لگا۔

"آئی ایم سوری ایکچولی اتنی ایکسائٹمنٹ تھی کہ میں آپ......!" ابراہیم احمد نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے سلام کے بعد اسی خجالت آمیز انداز میں کہنا چاہا تو عباس آہستگی سے مسکراتا اس کا ہاتھ تھپک کر رہ گیا۔

"اٹس آل رائٹ میں سمجھ سکتا ہوں، تشریف رکھیے آپ۔" ابراہیم احمد کی شخصیت میں کچھ ایسا وقار ایسا دبدبہ اور متناطیسیت تھی کہ عباس اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا کچھ دل پر جمے میل کے دھل جانے کے باعث شرمندگی کا فطری سا تاثر بھی تھا۔ اس نے بہت گرمجوش انداز میں ابراہیم احمد کا ہاتھ تھام لیا اور صوفے پر بٹھایا۔

"فاطمہ کے حوالے سے آپ سے ملنا مجھے روحانی مسرت سے ہمکنار کررہا ہے، عباس صاحب! مجھے خوشی ہے میری بہن کا شریک حیات ایسا بھرپور اور شاندار ہے

شکر ہے اللہ کا، ورنہ میں واقعتاً اس کی جانب سے فکر مند تھا اللہ آپ کو ہمیشہ شادو آباد رکھے کتنا عرصہ ہوا آپ کی شادی کو؟" ابراہیم احمد اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر گفتگو کررہا تھا۔ فاطمہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا ہمارے دو بچے ہیں ماشاء اللہ فاطمہ بچوں کو ان کے ماموں سے نہیں ملوائیں گی آپ؟" عباس حیدر کے جواب نے فاطمہ کو ششدر کرڈالا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ اس پر بھی دوسری شادی والا معاملہ عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عجیب تھا یہ شخص بھی مہربان تو کبھی سرے سے ہی ناآشنا۔

"سلیم سے چائے کا بھی کہہ دیجیے گا۔" عباس نے نرمی سے ٹوکا۔

❋ ❋ ❋

"ہم کل چل رہے ہیں گاؤں، وہیں سے باقاعدہ تمہاری رخصتی ہوگی سکندر کے ہمراہ۔ بابا جان نے بتایا ہے مجھے کہ تم بہت پرابلم کری ایٹ کرتی رہی ہو ان کے لیے۔" ایمان کے کہنے پر وہ سر جھکائے بیٹھی انگلیاں مسلتی رہی، سکندر کل بھی آیا تھا یہاں ایمان کی خیریت دریافت کرنے وہ دانستہ یا نادانستہ سامنے نہیں آئی۔ اب پتا نہیں یہ جھجک گریز اور حیا تھی یا پھر شرمندگی کا کوئی تاثر، اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا سکندر اس کے متعلق کیا تاثر لے کر یہاں سے گیا ہوگا۔

"وہ اچھا انسان ہے لاریب، سب سے بڑھ کر بہت محبت کرتا ہے تم سے، محبتوں کی قدر تو کرنی چاہیے نا یا پھر میں سمجھوں کہ تم ابھی تک......!"

"پلیز باجو...... مجھے مزید کانٹوں پر مت گھسیٹیں۔" اس نے کہا تو ایمان نے سرد آہ بھری۔

"چلو تمہاری وجہ سے ہی سہی مگر سکندر کو اس کی اصل پہچان اور مقام تو مل گیا لیکن سن لو اب تم انہیں ہرگز بھی تنگ نہیں کروگی۔" ایمان اس کے ہمراہ مارکیٹ آئی تھی ضروری شاپنگ کے بعد اب اس کی برین واشنگ جاری تھی مگر اس آخری بات پر لاریب جھنجلا گئی تھی۔

"ہاں بالکل ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دو مجھے اس شخص کے آگے تاکہ وہ پرانے بدلے تو چکا سکے۔" اسے پتا نہیں کیوں اتنا غصہ آنے لگا تھا دل الگ بھرا جاتا تھا عجیب کیفیت تھی جسے وہ خود سمجھ نہ پاتی۔ غم نہ خوشی بس ایک خالی پن تھا، ایمان اس کی کیفیات سے بے خبر تھی جبھی دھیرے سے ہنس دی۔

"یہ بات تم سکندر کے علاوہ کسی اور کے لیے کہتیں تو میں یقین کرسکتی تھی۔" اس اندھے یقین پر لاریب کے دماغ میں انگارے سے سلگے، اس نے بھنا کر اسے دیکھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی آخر اس شخص نے کیا گھول کر پلا دیا ہے آپ سب کو؟"

"محبت کو سمجھتے ہیں ہم بس اتنی سی بات ہے بہتر ہے اب تم بھی سمجھ لو، ویسے ایک بات ہے سکندر بہت بدل گیا ہے ریئلی، کل آیا تھا نا، میں تو حیران رہ گئی۔ اتنا گڈ لکنگ لگ رہا تھا کہ پہلی نظر میں پہچان ہی نہ پائی، خیر شاندار تو وہ ہمیشہ سے تھا مگر شخصیت پالشڈ ہونے کے باعث مزید چارمنگ ہوگئی ہے۔" ایمان کے لہجے میں سچی ستائش کے رنگ تھے۔ لاریب نے دانستہ خاموشی اختیار کیے رکھی۔ ایمان کی اس بات سے تو وہ بھی سو فیصد متفق تھی۔ واقعی سکندر بہت تبدیل ہوگیا تھا ہر لحاظ سے اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھا تھا جانے کس جذبے سے مغلوب ہوکر بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس سانولی نکھری رنگت اور تیکھے کھڑے نقوش کے ساتھ غضب کی اسمارٹنس اسے پہلے سے بہت منفرد بہت الگ بنارہی تھی۔ سب سے اہم چیز اس کی آنکھوں کی سرد مہری اور چہرے کی بے نیازی کا تاثر تھا۔ بہت سے منفی خیال تھے جو اسے بے چین کرتے تھے مگر وہ ہر بار سر جھٹک جاتی تھی۔

"ویسے ہے نا یہ مزے کی بات کہ ہم دیورانی جٹھانی بن گئی ہیں۔ شرجیل بتارہے تھے سکندر کی خواہش ہے ہم سب مل کر ایک گھر میں رہیں۔" ایمان کے مسکرا کر کہنے پر لاریب محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں، اب وہ اس قابل تو ہے کہ دوسروں کے فیصلے کرسکے۔" اس نے سلگ کر سوچا۔

"مجھے بھوک محسوس ہورہی ہے آؤ پہلے کچھ کھاتے ہیں۔" ایمان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور قریبی ریسٹورنٹ کی جانب بڑھ گئی۔ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوتے لاریب سے کوئی بہت عجلت میں باہر آتا زور سے ٹکرایا تھا کچھ ایسے کہ اس کے کان سے لگا ہوا سیل فون اس تصادم میں چھوٹ کر دور جاگرا۔ لاریب نے جھلا کر غصے میں سر اونچا کیا مگر منجمد ہوکر رہ گئی سکندر اس کے سامنے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی اس پرتپش نگاہوں کا ہی احساس تھا کہ لاریب کی لانبی پلکیں لرز کر حیا بار انداز میں جھکی اور چہرے پر تمتماہٹ کی دھنک بکھرتی چلی گئی ایمان کی شرارت آمیز کھنکار پر سکندر صرف چونکا ہی نہیں خفت زدہ ہوکر رہ گیا تھا۔

"بھئی اب کیا کریں، ہم ہماری کوشش تو پوری تھی دلہن کو اچھی طرح سے دلہا سے چھپایا جائے مگر سارا کام ہی چوپٹ ہوگیا۔" ایمان کی مچلتی مسکان اور شریر نظریں لاریب کو پوری طرح کنفیوژ کرنے کا باعث تھیں جبھی اس نے غیر محسوس انداز میں ایمان کے وجود کی آڑ لی تھی۔ البتہ اس کے برعکس سکندر اس وقتی کیفیت سے نکل کر بے حد نارمل بلکہ بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا وہی گمبھیر سنجیدگی جس میں کل بھی اس نے سکندر کو پایا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے اب؟" ایمان سے محو گفتگو وہ بہت خوبی سے لاریب کو نظرانداز کررہا تھا جس کی پلکیں لرزتی تھیں اور اوپر نہیں اٹھتی تھیں ایمان دھیرے سے ہنس پڑی۔

"یہ سوال تو تمہیں میرے بجائے لاریب سے کرنا چاہیے تھا کل بھی تم اس سے نہیں مل پائے تھے۔ موقع اچھا ہے کرلو اس سے دو باتیں۔" سکندر نے دیکھا ایمان کی آنکھیں بھرپور شرارتی انداز میں جگمگا رہی تھیں وہ کم از کم اسے ہرٹ نہیں کرسکتا تھا۔

"ایسے تو بہت مواقع آئے بھی اور آئیں گے بھی آپ

اپنا خیال رکھیے گا چلتا ہوں کچھ جلدی ہے۔'' وہ گھڑی دیکھ رہا تھا ایمان نے بھنویں اچکا کر لاریب کی طرف نظر کی جو جھکے سر جھکی پلکوں کے ساتھ گریزاں سی کھڑی تھی۔ اسے اپنی اس کیفیت پر جھنجلاہٹ بھی ہو رہی۔

''کیوں نہیں، لیکن بہتر ہوتا تم ہمارے ساتھ ٹھہرتے، سکندر میں لاریب کا ویڈنگ ڈریس بھی لے رہی ہوں اپنی پسند کا کلر ہی بتا دو۔'' ایمان نے پھر اسے گفتگو میں گھسیٹا تو وجہ یہی تھی اسے ان کے معاملات کی گمبھیرتا کا اندازہ نہیں تھا سکندر جو معذرت کرنے والا تھا اس آخری فقرہ پر چونک کر متوجہ ہوا۔

''ان تکلفات میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے ہماری باقاعدہ شادی ہو چکی ہے شاید آپ کو پوری بات معلوم نہیں۔'' لاریب پر ایک جھنجلائی اور جھلستی نظر ڈال کر وہ بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہا تھا تو ایمان کا ہی لحاظ تھا ورنہ اس کے لہجے میں جو سرد مہری تھی وہ لاریب ضرور محسوس کر سکتی تھی۔

''لیکن میں نے لاریب کو دلہن بنے نہیں دیکھا تھا اب ہم باقاعدہ دلہن بنا کر دیں گے تمہیں اپنی لڑکی۔'' وہ اسی مگن و سرشار انداز میں ہنس کر کہہ رہی تھی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچ لیے ایک بار پھر معذرت چاہی اور پلٹ کر چلا گیا۔ لاریب پر کوئی خصوصی نگاہ ڈالے بنا۔ لگتا ہی نہیں تھا یہ وہی سکندر ہے لاریب کے اندر پہلے حیرانی پھر سناٹے اترنے لگے۔

''دیکھا تم نے کتنا گریس فل اور شاندار ہو رہا ہے اپنا سکندر، اب بالکل جچے گا تمہارے ساتھ، یہاں تک کہ تم پورے فخر سے اسے عباس حیدر سے بھی متعارف کرا سکتی ہو۔'' ایمان کی بات پر لاریب نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے بے دردی سے ہونٹوں کو کچلا تھا۔

❁ ❁ ❁

عباس کھڑکی میں کھڑا لاؤنج میں بچوں کے ساتھ مصروف فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔ دیا اس کی گود میں تھی جبکہ اسامہ اپنے کھلونوں میں مصروف، صاف ستھرے بے حد پیارے بچے وہ خود نیٹ اینڈ کلین، ابھی کچھ دیر پہلے نہائی تھی غالباً جبھی ہلکی نمی لیے بالوں کا سیاہ آبشار پشت پر سیدھا گرتا اس کی دلکشی و سحر انگیزی میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ کیا تھی وہ بے حد عجیب و منفرد کم از کم اس کی سمجھ سے تو بالاتر تھی۔ اگر محض اس کی خاطر وہ ہر نقصان جھولی میں ڈال کر راستے کی ہر مشکل کو عبور کر آئی تھی تو دریا کے پاس پہنچ کر یہ قناعت یہ صبر انوکھا تھا سمجھ میں قطعی نہ آنے والا کم از کم اس میں تو اتنا صبر نہیں تھا۔ اسے عجیب سا احساس گھیرنے لگا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو اس نے رخ پھیرا اور کھڑکی سے ہٹ کر الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔ مہرون مخملیں جلد کے سنہرے رنگ سے مزین البم میں عریشہ کی لاتعداد تصویریں یادگار کی صورت میں موجود تھیں۔ اس کے دل کے داغ لو دینے لگے۔ اس کی سحر طراز آنکھیں سے آنسو گرنے لگیں۔

''میں تمہیں نہیں بھول سکتا عریشہ میں تمہاری جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتا۔'' عریشہ کی ایک ایک تصویر کو بار بار چومتا وہ پھر حال سے بے حال تھا وہ پھر خود کو فراموش کر رہا تھا۔

''میں تم سے شرمندہ ہوں میں نے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا وہ میری خوشی کبھی نہیں تھی۔ وہ میری خوشی کبھی بن بھی نہیں سکے گی۔ وہ جیسے میری مجبوری تھی جیسے ہے ویسے ہی رہے گی۔ عریشہ پلیز میرے اس عمل پر مجھ سے خفا نہ ہونا۔'' وہ اسی وحشت کے حصار میں تھا جب اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ عباس نے توجہ نہیں کی دل درد سے بوجھل تھا اور وجود میں نارسائی اور دائمی جدائی کا احساس اپنے نوکیلے پنجے گاڑھ رہا تھا۔ فون پانچویں بار پھر بجنا شروع ہوا، اسے نا چاہتے ہوئے بھی اٹھانا پڑا۔

''السلام علیکم!'' اس نے کال ریسیو کی مگر لہجے کی نمی اور تھکن پر قابو نہیں پا سکا نمبر انجان تھا۔

''وعلیکم السلام، ساحر کیسے ہو، ملنے آ رہا ہوں تمہیں گھر پر ہی ہونا۔'' دوسری جانب سے بڑے نخوت بھرے انداز

اور روکھے لہجے میں گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ عباس نے بے طرح الجھ کر سیل فون کان سے ہٹا کر از سرے نو نمبر دیکھا۔

"آپ..... معذرت خواہ ہوں آپ..... پلیز اپنا نام بتانا پسند فرمائیں گے۔" اس کے بھاری لہجے میں ہچکچاہٹ در آئی تھی۔ دوسری جانب یکلخت گمبھیر سناٹا چھا گیا۔

"میں سعید احمد ہوں، عریشہ کا بھائی۔" لہجے کے طنز میں سرد مہری بھی شامل ہوگئی۔ عباس کے چہرے کے تاثرات میں بہت تیزی سے تبدیلی رونما ہوئی تھی۔

"فرمایئے کیسے یاد کیا آپ نے؟" اس کا لہجہ روڈ تھا۔ عریشہ کی موت اور اس کی غفلت کے بعد جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد ان رشتوں کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے ملازموں کے بتانے پر کہاں یقین کیا تھا۔

عریشہ کے ساتھ ساتھ اس کا ہر حوالہ بھی اس کے لیے معتبر اور اہم تھا۔ ہر عیب ہر شک سے پاک، جبھی فاطمہ سے بچے واپس چھین کر اس نے اسی مان اسی زعم میں انہیں ننھیال کے حوالے کرنا چاہا تھا۔ تب وہ باتیں تمام تر حقیقت کی تلخی کے ساتھ اس پر واضح ہوگئی تھیں۔ جنہیں کسی اور کی زبانی سن کر اسے یقین نہ آسکا تھا۔ پھر اب دوبارہ سے بحال کیا جانے والا یہ رابطہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"آرہا ہوں تمہارے پاس، پھر بتا بھی دیتا ہوں۔" اب کہ انہوں نے کسی قدر بے تکلف انداز اور صلح جو لہجے میں کہا تھا عباس نے سیل فون کان سے ہٹا کر رابطہ منقطع کیا اور فون میز پر ڈال دیا۔ سگریٹ سلگا کر کش لگاتے ہوئے وہ سعید صاحب کی اس اچانک آمد کے مقصد کو سوچنے پر مجبور ہوا تھا آدھے گھنٹے بعد ہی ملازم نے سعید کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ عباس نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکا اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم، کیسے مزاج ہیں۔" اسے ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر سعید احمد اس سے بہت تپاک سے ملے اس کے برعکس عباس کا انداز لیا دیا اور سپاٹ تھا۔

"تشریف رکھیے۔" سلام کا جواب دیتے اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"اللہ کا شکر ہے تم اب ٹھیک ہو ساحر ورنہ چند ماہ قبل تو تمہیں دیکھ کر یہ کہنا محال تھا کہ تم پھر سے نارمل زندگی کی طرف پلٹ آؤ گے۔" سعید صاحب کے انداز میں اس کے سحر انگیز سراپے کے لیے واضح ستائش کا رنگ تھا۔ عباس خاموش رہا اسے ان کی اس بات کے ساتھ بہت کچھ ایک ساتھ یاد آیا۔ اپنی دیوانگی بھری وحشتیں، ان لوگوں کی خود غرضی، بے حسی اور سفاکی اور کسی نازک سے وجود کی ہمدردی و محبت سے لے کر توجہ و بساط سے بڑھ کر قربانیاں بھی اس کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت جلیں، کس جذبے کے ساتھ سرخ تر ہوئیں، وہ منتظر رہا کہ وہ خود ہی اپنی آمد کے بارے میں بتانے کی زحمت کریں۔

"مجھے بچوں کی بہت فکر تھی ساحر، دراصل بچے اتنے چھوٹے ہیں کہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے گورنس جتنی بھی اچھی سہی مگر بہرحال ملازمہ ہوتی ہے اور کبھی ماں ثابت نہیں ہوسکتی۔" وہ تمہید باندھ رہے تھے۔ عباس ہونٹ بھینچے سنجیدہ نظروں سے انہیں تکتا رہا۔ حالانکہ اس کے اندر بہت کھولن تھی۔ اس کے پاس ان کی سنگدلی اور بے حسی کو جتلانے کا یہ بہترین موقع تھا مگر عباس کے مزاج میں سطحی پن نہیں تھا وہ شروع سے اعلیٰ ظرفی کا قائل تھا یہ عادت اسے بہت سے مقامات پر شرمندگی سے بچا کر ایک ممتاز درجہ عطا کرتی رہی تھی۔

"میں علینہ کے متعلق سوچ رہا ہوں، دونوں بچے بہن کی اولاد ہیں اس کے گویا اپنے ہی بچے سیانوں نے کہا ہے ماں مرے ماسی جیے، تمہارا کیا خیال ہے؟" اپنی بات کہہ کر وہ اسے تکنے لگے، ان کی بے شرمی، ڈھٹائی کمال درجے کی تھی عباس کا ضبط ہارنے لگا۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخیاں گہری ہو رہی تھیں مگر وہ خاموش تھا سعید صاحب کو اس کی اس خاموشی سے الجھن ہوئی تھی۔

"کچھ کہو نا ساحر۔" وہ اپنی جگہ جز بز ہونے لگے۔

''آئی تھنک آپ کو میری اور بچوں کی اتنی فکر کرنے کی اول تو ضرورت نہیں ہے پھر بھی آپ کی تسلی کے لیے بتا دوں کہ میں شادی کر چکا ہوں فاطمہ میرے بچوں کی بہترین ماں ثابت ہو رہی ہے آپ کو غالباً اور تو کچھ نہیں کہنا ہوگا۔'' سعید صاحب کے رنگ بدلتے چہرے کو اطمینان آمیز نظروں سے تکتا وہ جتنا پرسکون تھا سعید صاحب کو اسی قدر بے چینی نے آن لیا تھا۔

''کب کی تم نے شادی؟'' وہ شدید طیش میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئی تھنک یہ میرے پرسنل میٹر ہیں مسٹر سعید ضروری نہیں کہ میں انہیں تفصیلاً آپ سے ڈسکس کروں۔ سلیم مہمان کو چائے پیش کرو اور ان کے جانے کے بعد گیٹ اچھی طرح بند کر لینا۔'' اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اس نے سعید صاحب کو ایک ساتھ بہت کچھ جتلایا تھا۔ پھر خانساماں کو مخاطب کیا جو اس وقت چائے کے لوازمات سمیت پہنچا تھا ہتک اور ذلت کے شدید احساس نے سعید صاحب کو دہکا کر رکھ دیا۔

''بات سنو ساحر، تم ایسے نہیں جا سکتے۔'' عباس کو اٹھ کر دروازے کی سمت جاتے دیکھ کر سعید صاحب ایک طرح سے اس پر جھپٹے تھے اور اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر کچھ ایسے جارحانہ انداز میں کھینچا کہ عباس جہالت کے اس مظاہرے پر گرتے گرتے بچا تھا۔

''واٹ نان سینس مسٹر سعید، آپ کو ایٹی کیٹس کا بھی لحاظ نہیں ہے۔'' وہ زور سے دھاڑا سعید صاحب نے جیسے سنا ہی نہیں حقیقتاً ان کی ذہنی حالت بگڑ سی گئی تھی۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے اللہ جانے کس عورت کو نکاح کر کے اٹھا لائے ہو ہم اپنے بچے کسی ناقابل بھروسہ انجان عورت کے سپرد کیسے کر سکتے ہیں۔ تم ذرا تو عقل سے کام لو ساحر، چھوڑ دو اس عورت کو اور......!''

''ایکسیوز می مسٹر سعید ڈونٹ کراس یور لمٹس او کے، میں بتا چکا ہوں کہ یہ خالصتاً میرے ذاتی معاملات ہیں، اطلاعاً عرض ہے کہ وہ میرے بچے ہیں، میں ان کا باپ اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق ہر فیصلہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں بہتر ہے اب آپ تشریف لے جائیے۔'' سعید صاحب کا تحکم بھرا مداخلت کرتا انداز اسے بھڑکا گیا۔ جبھی وہ طیش کو دبائے اتنی تلخی سے بات کر رہا تھا۔

''تم نے بہت غلط کیا ساحر، مزید غلط تمہارا رویہ ہے میں بخشوں گا نہیں تمہیں، بتا رہا ہوں بہت برا انجام سامنے آئے گا تمہارے یاد رکھنا۔'' سعید کے لہجے میں سفاکی در آئی تھی۔ مگر عباس متاثر نہیں ہو سکا۔

''بہتر ہے آپ یہ دھمکیاں کسی اور کو دیں، جائیے یہاں سے۔'' عباس ان کے انداز و اطوار پر بپھر سا گیا تھا۔ سعید صاحب تن فن کرتے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے رخصت ہو گئے تھے عباس پلٹا تو اس کی سبز آنکھوں میں ہلکا سا تفکر چھلک آیا تھا۔ عریشہ کی فیملی کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے کسی بہتر حکمت عملی اور احتیاط کو اپنانا ضروری تھا۔ وہ اب مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

جس طرح نازک حالات میں ان لوگوں نے یہاں لوٹ مار کی تھی اس سے وہ اندازہ تو کر سکتا تھا ان لوگوں کے نزدیک رشتوں سے زیادہ دھن دولت اہم تھی۔ عریشہ سے بھی وہ اسی دوران مہنگے ترین تحائف وصول کرتے تھے۔ آئے دن منعقد ہونے والی برتھ ڈے اور اینورسری، نیو ایئر اور دیگر فضول پارٹیز میں۔ عریشہ اپنے بہن بھائیوں اور ماں کو نہ صرف ہوٹلنگ کراتی بلکہ تحائف میں گولڈ کی چیزیں فراخدلی سے دے دیا کرتی عباس نے کبھی ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

عریشہ اس کے لیے سب کچھ تھی وہ معمولی گھر کا فرد نہیں تھا کہ ان باتوں کو ایشو بنا کر اس سے جھگڑا کرتا مگر اس وقت اسے برا ضرور لگا تھا جب عریشہ نے وہ قیمتی نیکلس بھی علینہ کو صرف اس وجہ سے دے دیا تھا کہ علینہ کو وہ پسند آ گیا تھا اس روز وہ عباس کے کہنے پر تیار ہوئی تھی تو عباس نے اسے وہی نیکلس پہننے کا کہا تھا۔

''یار چیزیں الماریوں میں بند کر کے رکھنے کو تو نہیں

دیتا تمہیں، کم از کم ایک بار تو پہن کر دکھایا کرو مجھے۔‘‘ اور جواب میں وہ کیسے بے فکرے انداز میں ہنسنے لگی تھی۔

’’اب میں کیسے پہن سکتی ہوں عباس، وہ تو علیزے نے لے لیا ہے۔‘‘ اور عباس ٹھٹک گیا تھا وہ سلور گولڈ کا نیکلس تھا جس میں ڈائمنڈ لگے ہوئے تھے عباس نے کتنی چاہت سے اس کے لیے دبئی کے مہنگے ترین شاپنگ مال سے خریدا تھا اور عریشہ کے نزدیک اس کے لاکھوں کی مالیت کے محبت سے خریدے گئے تحفے کی اتنی سی قدر تھی کہ بہن کو تھما دیا تھا۔

’’واٹ؟‘‘ وہ حیرت سے چیخا تو عریشہ آنکھیں پھیلا کر اسے کتنے غصے سے تکنے لگی تھی۔

’’اس کی مالیت کا شاید اندازہ نہیں تھا تمہیں عریشہ کہ تم......!‘‘ مگر عریشہ نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔ کتنا بھڑک اٹھی تھی وہ یکدم۔

’’کتنی ہلکی بات کررہے ہیں آپ عباس، آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے میں تو شرمندہ ہوکر رہ گئی ہوں علینہ سنے گی تو کیا سوچے گی بھلا میرے بارے میں کہ میرا شوہر جتنا مالدار ہے دل کا اتنا ہی کنجوس ہے۔ اف...... میری تو ساس نندیں بھی ساتھ نہیں کہ میں سمجھ لیتی یہ ان کے پڑھائے اسباق ہیں۔‘‘ عریشہ کا ردعمل اتنا شدید تھا کہ بجائے خود شرمندہ ہونے کے اس نے عباس کو خوامخواہ کی شرمندگی میں مبتلا کرڈالا اور صرف یہیں پر اکتفا نہیں کیا تھا الٹا خود منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔ عباس کو ہی اسے جتن کرکے منانا بھی پڑا تھا۔

یہ عریشہ کا رویہ ہی تھا کہ چند ماہ بعد عریشہ کی والدہ نے چالیس لاکھ روپے ادھار مانگے داماد کو کاروبار کرانے کے بہانے تو عباس کو تمام تر ناگواری کے باوجود صرف عریشہ کی ناراضی سے بچنے کی خاطر رقم کا انتظام بھی کرنا پڑا تھا اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ بھی۔ اس کے باوجود اس کے دل میں عریشہ کی جانب سے بدگمانی نہیں آسکی تھی تو وجہ یہی تھی کہ اس کی خالص اور کھری محبت بدگمانی شکوک اور تلخی کی گنجائش نہیں رکھتی تھی لیکن وقت اور حالات نے ثابت کیا تھا کہ اس کی تمام تر اعلیٰ ظرفی کے باوجود کم حوصلہ مفاد پرست لوگ اپنی روش سے باز نہیں آتے۔

’’پپا...... پپا۔‘‘ اسامہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے بھاگتا اس سے آکر لپٹا تو عباس اپنی اذیت ناک سوچوں کے حصار سے نکلا اور خفیف سا چونکتے ہوئے اسامہ کو دیکھا پھر جھک کر نرمی سے اسے بانہوں میں بھرلیا۔ جو اپنی توتلی زبان میں جانے کیا کہنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ ابھی ایک سال کا ہوا تھا اور مما پپا کے سوا کوئی لفظ بولنا نہیں سیکھ سکا تھا۔ عباس نے جھک کر اس کا گال چوما۔

’’اسامہ بیٹے چپس بن گئے ہیں آپ کے آجایئے۔‘‘ فاطمہ اسے پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی مگر اسے عباس کی گود میں پاکر وہیں دروازے کے پاس تھم گئی۔

’’بچوں کو پارک لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے چاہے کتنی بھی ضد کریں اس کے علاوہ گھر پر بھی محتاط رہنا، اوکے؟‘‘ عباس اسامہ کو اٹھائے اس کے پاس آگیا۔ اسے دیکھے بغیر اسامہ کو اسے تھماتے وہ سنجیدہ لہجے میں ہمکلام تھا۔ فاطمہ چونکی اور پریشان کن نظروں سے اسے دیکھا۔ یوں جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر حوصلہ ناپید تھا۔

’’کوئی آکر بچوں سے ملنے کا کہے تو منع کردینا چاہے وہ کوئی بھی رشتہ دار ہو، سمجھ لیا۔‘‘ عباس کی اگلی تنبیہ ایسی تھی کہ فاطمہ کے الرٹ ہوجانے والے حواس اضطراب بھی سمیٹ لائے اس نے بے چین ہوکر پھر عباس کو دیکھا۔

’’سب خیریت ہے ناں؟‘‘ عباس کو یہ سوال ناگوار گزرا تھا۔ جبھی تیز نظروں سے اسے گھورا۔ فاطمہ کو فی الفور اپنی غلطی اور بے مائیگی کا احساس ہوا تھا۔

’’مجھے فضول سوال پسند نہیں ہیں جو کچھ کہا جائے بہتر ہے اس سے غرض رکھا کرو۔‘‘ فاطمہ نے خفت زدہ چہرے کے ساتھ سر کو اثبات میں ہلایا اور اسامہ کو لیے پلٹ گئی۔ عباس کسی متفکرانہ سوچ میں مبتلا سگریٹ سلگا رہا تھا۔

❁......❁......❁

چمن و باغ سب ہنس پڑے گل مسکرائے
بہت بہت شکریہ آپ تشریف لائے

اس کا استقبال امامہ نے بے حد پر جوش اور شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کیا تھا سکندر کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔

"کیسی ہیں آپ چھوٹی بی بی؟" بابا سائیں سے ملنے کے بعد وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو اس کی روشن آنکھوں میں تبسم اتر رہا تھا۔

"الحمدللہ، آپ کے سامنے ہوں فٹ فاٹ، آپ سنایئے، ماشاءاللہ بہت جچ رہے ہیں۔" امامہ نے اسے سر تا پا دیکھا بلیک ٹو پیس میں اس کا دراز وجیہہ سراپا بے حد اٹریکٹیو دکھائی دیتا تھا وہ محض انکساری سے مسکرانے لگا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں بابا سائیں کہ میری غیر موجودگی میں آپ نے بابا اور اماں کا خیال رکھا۔" سکندر کا بات کرنے کا وہی سابقہ انداز تھا۔ ویسا ہی قابل احترام لہجہ وہی جھکی ہوئی مودب نظریں وہ اب بھی ہر لحاظ سے وہی تھا۔ بابا سائیں کے ہر انداز سے اس کے لیے محبت چھلک رہی تھی وقت نے ثابت کیا تھا خدا کا یہ انتخاب بہترین تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں، یہ لاریب کی ذمہ داری تھی جو اس نے نبھائی میرا اس میں کردار بس اتنا ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں، میں نے بچی کو وہاں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا۔" بابا سائیں کے پر رسان انداز میں امامہ شرارتی انداز میں کھنکاری اور بھنوؤں کو جنبش دے کر اسے تکنے لگی۔

"تو اب آپ کو اگر شکریہ ادا کرنا ہے تو بجو کا کریں یا پھر گھر والی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے؟" وہ ہنس رہی تھی سکندر محض مروتاً مسکرایا تھا پھر اماں اور بابا سے ملنے کا کہتا وہاں سے اٹھ کر آ گیا اماں بابا کے قیام کے کمرے کی جانب بھی امامہ نے ہی اس کی رہنمائی کی تھی اور وہیں سے پلٹ گئی۔ دستک کو اٹھا سکندر کا ہاتھ اسی زاویے پر تھم گیا نیم وا دروازے سے اندرونی منظر نظر آ رہا تھا۔

"میں نے آپ کا بیگ تیار کر دیا ہے اماں، بابا جان بتا رہے تھے سکندر آپ کو لینے آ رہے ہیں بابا نہا لیں تو آپ بھی تیار ہو جایئے گا۔" بیگ کی زپ بند کر کے سیدھی ہوتی وہ جیسے ہی پلٹی دروازے کی چوکھٹ پر سکندر کو کھڑے دیکھ کر جو رنگ اس کے چہرے پر اترے تھے وہ سکندر کو اپنی نظر کا دھوکہ محسوس ہوئے۔ بھلا اس کے روبرو وہ کیوں شرمانے لجانے لگی۔ اس کا تنفر اپنی جگہ قائم تھا۔ جبھی کچھ خاص تاثر دیے بغیر وہ بڑھ کر اماں سے ملنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"آپ خفا تو نہیں ہیں نا اماں کہ اتنا عرصہ میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکا۔" لاریب کو نظر انداز کیے وہ پوری طرح سے انہی میں مگن تھا لاریب جھکی نظروں اور جھکے سر کے ساتھ ماں بیٹے کے لاڈ کا مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ اماں کے والہانہ انداز میں محبت بھی تھی خوشی و انبساط بھی وہ بار بار سکندر کی پیشانی چومتی اور دعاؤں سے نوازتی تھیں۔

"بابا کہاں ہیں؟" سکندر کے سوال پر اماں نے واش روم کی سمت اشارہ کیا پھر لاریب پر نظر ڈال کر سکندر سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"بچی بھی چلے گی نا ہمارے ساتھ؟"

"آپ کی طبیعت ٹھیک رہتی ہے نا اماں اور بابا کیسے ہیں؟" سکندر نے دانستہ اس سوال کو نظر انداز کر ڈالا تو لاریب کو عجیب سے توہین آمیز احساس نے جکڑ لیا۔ اسے پورا یقین ہوا وہ دانستہ ایسا کر رہا ہے اس نے نگاہ بھر کے اس کے پرکشش مگر سرد مہر چہرے کو دیکھا اور ہونٹ بھینچے تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

"بی بی جی۔" راہداری عبور کرتے ہوئے اس نے ملازمہ کی پکار پر تھم کر گردن موڑی۔

"جامعہ کی معلمہ عفیفہ خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں، ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔"

لاریب نے گہرا سانس بھرا گاؤں میں لڑکے اور لڑکیوں کے ہائی اسکول کے ساتھ دینی تربیت کے لیے مدرسہ کی بھی تعمیر جاری تھی۔ یہ سب کام لاریب نے ہی شروع کرائے تھے۔ عفیفہ خاتون جامعہ کی معلمہ تھیں گاؤں کی وہ بچیاں جو قرآن پاک ناظرہ یا حفظ کرنے کی خواہش مند تھیں ان کے لیے عارضی طور پر کسی کرائے کے گھر میں

باقاعدہ آغاز کیا جاچکا تھا عفیفہ اسی سلسلے میں لاریب سے اکثر ملنے آتی تھیں۔

"تم چائے بنا کر بھیجو اماں کے کمرے میں سکندر آئے ہوئے ہیں اور ادھر عفیفہ آپی کے لیے بھی۔" ملازمہ نے سر کو اثبات میں ہلایا اور مڑ گئی۔ عفیفہ خاتون کے ہمراہ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جو عربی ٹیچر کے طور پر اپلائی کرنا چاہ رہی تھی۔ لاریب کو پندرہ بیس منٹ وہاں لگے تھے جس وقت وہ انہیں رخصت کرکے واپس اپنے کمرے میں جارہی تھی اماں کے کمرے سے نکلتا سکندر ایک دم اس کے پھر سامنے آ گیا۔

"بات سنو لاریب۔" لاریب نے جیسے قدم بڑھانے چاہے سکندر نے ٹوکا تھا چہرے پر سنجیدگی کا مخصوص تاثر تھا۔ لاریب کا دل اچانک معمول سے ہٹ کر دھڑکا اور چہرے پر جانے کس جذبے کے تحت سرخی پھیل گئی۔ اس کی نظریں مستقل لاریب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لاریب کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

"باباسائیں کے اس فیصلے سے بے خبر تو نہیں ہوں گی آپ وہ آپ کو پھر میرے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں۔" سکندر کا لہجہ اس کے چہرے کی مانند دبیز سنجیدگی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا البتہ تمام تر اعتماد کے باوجود لاریب کنفیوژ ہورہی تھی۔ حیا کا بہت زور آور ریلا اسے خود میں سمٹنے اور سرخ پڑنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"میں اس مرتبہ آپ پر ہرگز جبر نہیں چاہتا، الحمدللہ میری حیثیت پہلے کی مانند نہیں ہے کہ میں کوئی بات نہ منوا سکوں آپ بتائیں اگر آپ کو اس فیصلے پر اعتراض ہے تو......!" سکندر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اس کے باوجود لاریب کو اس پل اس کا سامنا دشوار محسوس ہونے لگا وہ فطری طور پر حجاب کے حصار میں گھر گئی تھی۔

"مجھے ہرگز بھی کوئی اعتراض نہیں ہے شادی تو ہوچکی ہے ہماری، اب تو ایسا فارمیلٹی کے طور پر بھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے جھکی نظروں کے ساتھ بے حد حقیقت پسندی سے جواب دیا تھا۔ وہ کہہ کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی کہ سکندر نے اس کا راستہ پھر روک لیا لاریب نے ایک پل کو حیران نظریں اٹھائیں۔

"باباسائیں نے تمام جائیداد آپ تینوں کے نام کردی ہے آپ کا حصہ مجھے دے رہے تھے مگر میں انکار کرچکا ہوں لینے سے، کیا اتنی سے بات یہ ثابت کرچکی ہے کہ مجھے آج ہی نہیں کبھی بھی آپ کی دولت و جائیداد سے کوئی غرض کوئی مقصد نہیں تھا۔"

سکندر جیسے ٹھان کر آیا تھا وہ اسے جتلا کر رہے گا ہر بات، اس کے خوفناک لہجے کی سنجیدگی نے لاریب کو صرف ہک دک نہیں کیا تھا ماضی کی کس شدت پسندانہ یاد نے وجود پر کوئی چابک بھی رسید کیا تھا وہ کسی قدر گم صم ہوکر یوں سکندر کو تکنے لگی جیسے اس سے اس بات کی توقع نہ کررہی ہو۔ سکندر نے جواباً سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی مجھے اس موقع پر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے احسان مند ہونا چاہیے یا نہیں بہرحال آپ کی بدولت میں آج اس قابل ہوا ہوں کہ سر اٹھا کر آپ کے سامنے کھڑا ہوسکوں، مزید یہ کہ آپ مجھے باخوشی قبول کرسکیں۔" اس کا لہجہ گہرا طنز سموئے ہوئے تھا۔ لاریب ہونٹ بھینچے منجمد کھڑی رہ گئی۔ وہ ہرگز بھی اسے اس رویے میں غلط نہیں سمجھ سکتی تھی۔ شعوری یا لاشعوری طور پر سارا اعقاد ساری تلخی سکندر کے اندر اس کے بے جا اور شدید سلوک نے بھرا تھا۔ اسے ان آخری لمحوں میں سکندر کی مایوسی و دلگیری نہیں بھولی تھی۔ جب وہ اسے چھوڑ کر اپنی شناخت پانے کو جارہا تھا۔

"ابھی وقت گزرا نہیں ہے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اگر میرے لیے گنجائش نہ نکلے تو اپنے وعدے کے مطابق آپ کی پسند کا فیصلہ کردوں گا اچھی طرح سوچ کر مجھے آگاہ کردیجیے گا۔" اپنی بات اس سرد مہر انداز میں کہہ کر وہ پلٹ کر مضبوط قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔ لاریب دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔ نقصان کا احساس بہت شدید تھا۔ جن آنکھوں میں اس نے ہمیشہ نرم جذبے دیکھے تھے ان میں حقارت و تلخی پانا بہت کٹھن تھا مگر اب یہ بھی طے تھا کہ اس

نے راستہ تبدیل نہیں کرنا تھا اگر یہ قدرت کا انتخاب تھا تو اسے قبول کرنے میں ہرگز کوئی قباحت نہیں تھی۔

❀......❀......❀

فاطمہ نے اپنے آس پاس گونجتے سناٹے کو محسوس کیا اور بے دم سی ہوکر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے دونوں گال ایسے دہک رہے تھے جیسے کسی نے آگ سلگا دی ہو۔ ابھی کچھ دیر قبل عباس حیدر کا ہاتھ پھر اس پر اٹھا تھا کتنا وحشت آمیز غیض بھرا مگر بے بس انداز تھا اس کا۔

''کہا تھا نا کہ کیئر فل رہنا مگر تم......!'' اس نے سرخ رنگت سمیت دانت بھینچے۔

''یاد رکھنا اگر میرے بچوں کو معمولی سا بھی گزند پہنچا تو تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' اسے زور سے جھنجوڑتا ہوا وہ کتنا حواس باختہ لگ رہا تھا۔ فاطمہ تو اتنی سہمی ہوئی تھی کہ جواب میں کوئی وضاحت کوئی صفائی بھی نہیں دے سکی۔ جبکہ عباس جیسے آندھی طوفان کی طرح آیا تھا۔ ویسے ہی راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکروں سے اڑاتا چلا بھی گیا فاطمہ تھر تھر کانپتی وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

کچھ دیر قبل اس کے گمان تک میں یہ بات نہیں تھی کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ عباس کے جانے کے بعد اس نے معمول کے مطابق دونوں بچوں کو کھلانے کے بعد نہلایا اور انہیں لیے کچن میں آ گئی تھی۔ اپنے لیے ناشتہ تیار کرتے وہ سلیم سے دوپہر کے کھانے کا مینو سیٹ کر رہی تھی جب یکدم باہر شور برپا ہو گیا تھا۔

جس میں فائر کی آوازیں بھی شامل تھیں اس سے قبل کہ فاطمہ کچھ سوچ سمجھ سکتی ایک ہٹا کٹا آدمی ہاتھ میں ریوالور لیے وہیں گھس آیا تھا فاطمہ کی خوفزدہ چیخوں پر وہ حقارت زدہ تاثرات کے ساتھ اسے تکتے ہوئے سرد انداز میں غرا کر بولا۔

''سائیڈ پر کھڑی ہو جاؤ لڑکی، ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔'' فاطمہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ جو خیال ان کے حوالے سے ذہن میں آیا وہ ڈکیتی کا تھا لیکن اس خوفناک مونچھوں والے کو بچوں کی جانب لپکتے دیکھ کر فاطمہ کے وجود میں بجلیاں بھر گئیں۔

''چھوڑو میرے بچوں کو، خبردار جو ہاتھ بھی لگایا انہیں۔''

وہ چیل کی طرح جھپٹی تھی مگر اس آدمی کا کھینچ کر مارا ہوا طوفانی تھپڑ فاطمہ کو کسی بے جان شے کی مانند اچھال کر کئی فٹ دور پھینک گیا۔ وہ کچھ اس طور تیورا کر گری تھی کہ حواس بحال نہیں رکھ سکی۔ پھر جب تک اس کے مختل حواس قابو میں آئے نقصان ہو چکا تھا۔ وہ وحشی انسان روتے بلکتے بچوں کو لے کر غائب ہو چکا تھا تمام ملازمین سراسیمہ جبکہ فاطمہ کی تو حالت ہی غیر ہونے لگی تھی۔ چند لمحے پتھرائی ہوئی نظروں سے اطراف میں دیکھتے رہنے کے بعد وہ ہذیانی انداز میں چلاتی ہوئی باہر کی جانب دوڑی تو ملازمہ نے بڑی مشکلوں سے اسے پکڑا تھا۔

''چھوڑو، وہ بچوں کو پتا نہیں کہاں لے گئے ہیں۔'' وہ حلق کے بل روتے ہوئے چیخی اس کا چہرہ سراسمیگی کا اشتہار بنا ہوا تھا اور لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ خدشات جھلکتے تھے۔

''سر کو فون کیا ہے میم، آتے ہوں گے وہ۔'' ملازمہ نے اپنے تئیں اسے تسلی سے نوازا مگر اس کا ہولتا دل کسی طور بھی قرار نہ پا سکا عباس کی متوقع خفگی کا خیال ہی سوہان روح تھا۔

''گارڈ کی موجودگی میں وہ غنڈے اندر کیسے گھس آئے؟'' آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی خوف ہر لمحہ اس کے وجود میں اپنے پنجے گاڑ رہا تھا۔

''وہ گارڈ کو بھی زخمی کر گئے ہیں گولیاں لگی ہیں اسے احسان بابا اسپتال لے کر گئے ہیں۔'' فاطمہ کو ملازمہ کی اطلاع پر قدموں تلے زمین سرکتی محسوس کرنے لگی اگلے چند لمحوں میں جب عباس اس کے سامنے پہنچا تو اس کے فولادی چہرے کا خوفناک تلخ اور زہریلا تاثر دیکھ کر فاطمہ کی رہی سہی ہمتیں بھی جیسے جواب دینے لگی تھیں۔

''کیسے ہوا یہ سب تمہاری موجودگی میں کیسے لے گئے وہ میرے بچوں کو کہا بھی تھا میں نے کہ......!'' وحشت آمیز جنونی انداز میں اس نے فاطمہ کی سنے بغیر اس کے

چہرے پر پے در پے تھپڑ رسید کیے تھے فاطمہ اس کی ناراضی کی توقع تو رکھتی تھی مگر اس درجہ اشتعال آمیز تنفر کی نہیں۔ اگر مسلح گارڈ کچھ نہیں کرسکا تھا تو فاطمہ تو پھر ایک نازک سی بے حیثیت لڑکی تھی مگر یہ بات عباس کو کون سمجھاتا۔ اس کی نظروں کا دہکتا آتش فشاں فاطمہ کو لمحوں میں جلا کر خاکستر کر گیا تھا۔

"یاد رکھنا اگر میرے بچوں کو کچھ ہوا تو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی سرد غراہٹ میں چھپی وحشت سختی، تلخی اور جنوں خیزی فاطمہ کے حواس چھین کرلے گئی تھی۔ عباس کے چلے جانے کے بعد وہ کچھ دیر سراسیمہ کھڑی رہی تھی۔ آنکھوں میں موجود خوف جسم وجاں میں وحشت بھر رہا تھا۔ اس پل بات صرف خوف کی نہیں تھی وحشت بھی تھی بات اس طرح اس پر آئی تھی کہ تمام تر بے گناہی کے باوجود وہ مجرم گردانی جارہی تھی۔

عباس واقعی اسے بچوں کے حوالے سے محتاط کرچکا تھا۔ وہ جتنی بھی لاچار بے بس تھی مگر مجرم تو تھی۔ خوف کے عالم میں وہ دیوار کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹتے وہ کانپ رہی تھی۔ بے بسی کا یہ ایسا عالم تھا کہ ایک بار پھر چہار سو اندھیرا چھانے لگا۔ ایک تاریک دلدل، جس میں وہ ہر لحہ نیچے دھنستی جارہی تھی معاً اس کی آنسوؤں سے چھلکتی متوحش نظریں ٹھٹک گئیں۔ سامنے دیوار پر سنہری سینری میں آویزاں آیت کریمہ اس کی توجہ اس اندھیرے میں چمک کر اپنی جانب مبذول کرانے لگی۔

"اور مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے، بے شک یہ بہت دشوار ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر نہیں۔"

یہ تو اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور ترغیب تھی اسے یکدم خدا یاد آیا وہ اللہ جو ہر مشکل میں ہر تکلیف میں ہی اسے یاد آتا تھا تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کے دربار میں حاضر ہوتی رہی تھی اور کامران لوٹتی رہی تھی۔ وہ اللہ تو اب بھی موجود تھا اور یقیناً اس کا منتظر بھی وہی ہر بار اسے بھول جاتی تھی اس کے اندر ایک نئی توانائی اترنے لگی۔ وضو کے ارادے سے اٹھ کر واش روم میں جاتے وہ ایک بار پھر اللہ سے مدد مانگنے اللہ سے فریاد کرنے والی تھی۔

❀......✿......❀

ایک بار پھر اسے بہت دھوم دھام سے رخصت کیا جارہا تھا۔ عداوتیں مٹ گئی تھیں تو دلوں میں پھر سے گنجائش نکل آئی۔ بڑی حویلی سے اماں جان کے علاوہ ان کی بیٹیوں نے بھی اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ اس تقریب میں شرکت کی۔ لاریب سادگی چاہتی تھی مگر یہاں اس معاملے میں ایمان اور امامہ نے اس کی ایک بھی نہیں سنی جبھی اسے مہندی بھی لگائی جارہی تھی اور دیگر سنگھار بھی۔

ہر آسائش پوری تھی مگر لاریب کا دل خوشیوں اور واہموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سکندر کا رویہ اسے تشویش کے ساتھ خوف میں بھی مبتلا کررہا تھا۔ ایمان شرجیل کے ہمراہ جبکہ امامہ وقاص کے ساتھ موجود تھی۔ وقاص کا گریز اس کی جھکی نگاہیں اور شرمسار انداز امامہ کی سب باتوں کی صداقت کی گواہی دیتے تھے مگر وہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو وہ ایمان بھی مضطرب تھی مگر دونوں میں سے کسی نے بھی وقاص کو کچھ جتلانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

اس کے ہاتھوں پیروں پر بنے مہندی کے نقش ونگار خشک ہوگئے تو لاریب ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔ تولیے سے ہاتھ خشک کرتی وہ باہر آئی تو کمرا خالی تھا۔

اس کا سر بھاری سا ہورہا تھا۔ چائے کی طلب محسوس کرکے وہ خود کچن کی جانب آگئی تاکہ کسی ملازمہ کو چائے کا کہہ سکے مگر اس سے پہلے ہی راہداری کے موڑ پر وقاص سے بالکل غیر متوقع سامنا ہوگیا تھا۔ اسے روبرو پاکر لاریب کے چہرے پر تلخی وناگواری ابھری جسے محسوس کرتا وقاص بے اختیار ہونٹ بھینچ گیا۔

"پلیز لاریب میری بات تو سنیں۔" لاریب تیزی سے واپس مڑی تھی جب وقاص نے بے حد اذیت سے گزرتے اسے پکارا مگر وہ ان سنی کرتی تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ وقاص اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا کہ اپنے دھیان

میں کمرے کا دروازہ کھول کر ایمان زارون کو اٹھائے باہر آئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو یوں آمنے سامنے پاکر ٹھٹکے ایمان کے چہرے پر گھبراہٹ کے ساتھ ناگواری کا بھی تاثر ابھرا تھا جبکہ وقاص کی اضطرابی کیفیت بڑھتی چلی گئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ، امامہ بتا رہی تھی آپ کی طبیعت......!"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں، ایکسکیوزمی۔" رکھائی کا بھرپور مظاہرہ کرتی وہ سائیڈ سے ہو کر گزرنا چاہتی تھی کہ وقاص نے پھر اسے بے چینی سے پکارا تھا۔

"مجھے آپ سے معذرت کرنی تھی ایمان اس سب پر جو......!"

"اب اس کی اتنی خاص ضرورت نہیں ہے، وقاص حیدر، میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں جو ہمارا نقصان کرنا تھا کر چکے میں نہیں سمجھتی اس سیاہی کو اپنے منہ پر مل کر بھی میں اپنا بچاؤ کر پائی، امامہ کی صورت وہ نقصان دوگنا ہو کر پھر میری جھولی میں آن گرا۔" اس کا لہجہ جتنا بھی تلخ سہی مگر اس میں آنسوؤں کی نمی کا تاثر غالب آ گیا تھا۔ وقاص کی رنگت واضح طور پر پھیکی پڑی اور چہرے پر تغیر چھا گیا۔

"آپ حق بجانب ہیں یہ سب سوچنے پر، مگر مجھے صرف ایک التجا کرنی ہے آپ سے ایک موقع تو دیں نا مجھے میں پوری کوشش کروں گا ان تمام شکایات کو دور کرنے کی۔" اس کے ملتجی لہجے میں کسی درجہ نرمی و خفت تھی۔ ایمان کو پہلی بار اس کے لہجے و انداز کی تبدیلی کا احساس ہوا تو چونک کر اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ تو سرتاپا تغیرات کی لپیٹ میں تھا۔ لباس سے لے کر بولنے چلنے اور تاثرات سمیت۔ اسے یاد تھا وہ کس طرح گردن اور سینہ تان کر کھڑا ہونے کا عادی تھا۔ اس کی ایکسرے کرتی نظروں سے وہ پناہ مانگا کرتی تھی۔ جو اس وقت مستقل جھکی ہوئی تھیں۔ اس کا لباس قیمتی ضرور تھا مگر اس میں سادگی تھی، چہرے کے تاثرات میں نرمی و حلاوت نے اس کی وہ خوب صورتی جو کرختگی اور تنفر کے باعث دب جاتی تھی اجاگر ہو گئی تھی۔ وہ اس تبدیلی کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہ کر بھی اس کے لیے دل میں گنجائش رکھ کر سوچ رہی تھی۔

"موقع تو آپ کو مل گیا ہے وقاص صاحب امامہ سے شادی کر کے خود بخود۔ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اطمینان کی بات نہیں ہو سکتی کہ آپ امامہ کو خوش رکھیں اسے ہم سب نے نازک کلی بنا کر اپنے پاس رکھا تھا اب اگر وہ آپ کے پاس ہے تو ہماری امید اور خواہش کا مرکز آپ کو اللہ نے بنا دیا۔ یہی ریکویسٹ ہے خدارا اسے کبھی ہرٹ نہ کیجیے گا۔" ایمان کے الفاظ نے وقاص کو گویا زندگی کی خوش خبری دی تھی وہ بے حد ممنون و مشکور انداز میں مسکرانے لگا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں اللہ نے چاہا تو میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا، ان شاء اللہ۔"

"تھینکس وش یو گڈ لک۔" ایمان نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گئی۔ وقاص کا دل اللہ کے حضور تشکر سے بھر گیا۔

❀......✿......❀

بارہ گھنٹے کی مسلسل بھاگ دوڑ اور دردسری کے بعد جا کر پولیس سعید احمد کی تحویل سے دونوں بچوں کو نکلوانے میں کامیاب ہو سکی تھی۔ اس دوران عباس کے اعصاب مسلسل کشیدگی کی زد پر رہے تھے۔ جیسے ہی ایس پی صاحب نے بچوں کو اس کے حوالے کیا وہ بے اختیار ریلیکس ہوا تھا باری باری دونوں بچوں کو اٹھا کر پیار کرتے وہ پولیس آفیسر کا شکریہ ادا کرتا کچھ ضروری کارروائی کے بعد واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

بچے باپ کے پاس آ جانے کے باوجود سہمے ہوئے نظر آ رہے تھے عباس نے راستے میں گاڑی روک کر بچوں کو چپس چاکلیٹ اور جوس کے پیکٹ دلائے تھے تب جا کر وہ ذرا بہلے۔

"رضیہ بچوں کو ان کے کمرے میں لے جاؤ اور فیڈ کرانے کے بعد سلا دو۔" عباس کمرے میں آیا تو فاطمہ اس وقت بھی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی اجلے دلکش چہرے پر ان چند گھنٹوں کے اندر زردیاں کھنڈ گئی تھیں عباس کو بچوں کے ساتھ آتے دیکھ کر اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں جیسے دیے جھلملا گئے تھے وہ تیزی سے اٹھ کر جیسے ہی بچوں

کی جانب آئی عباس نے اس پر تندو تیز نظر ڈالتے ہوئے ملازمہ کو مخاطب کیا تھا جو وہیں موجود تھی اور فاطمہ کو کچھ کھانے پر اصرار کررہی تھی جس نے خود پرتب سے پانی کا ایک گھونٹ بھی لینا حرام کرلیا تھا۔ فاطمہ عباس کے لہجے و انداز کی سرد مہری و بے رخی کو محسوس کرتی اپنی جگہ پر ہی پتھر کی ہوگئی۔

''ان کا خصوصی خیال رکھیے گا، میں مزید کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرسکتا۔'' بچوں کو فاطمہ کے پاس جانے سے روکتا وہ قطعیت بھرے تحکم انداز میں رضیہ سے ہی مخاطب تھا۔ عباس کے تیوروں سے خائف ہوتی رضیہ روتے بلکتے بچوں کو لے کر چلی گئی جو فاطمہ کے پاس آنے کو مچلے رہے تھے۔

''تم کیوں کھڑی ہو اب یہاں؟ میں اور میرے بچے بھی تمہارے بغیر بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔'' کوٹ اتار کر پھینکتے ہوئے عباس نے اس کے سکتہ زدہ چہرے کو دیکھ کر تنفر آمیز انداز میں کہا اور گویا اس کو ایک بار پھر اس کی اوقات یاد کرائی فاطمہ نے آنسوؤں سے چھلکتی نظروں سے اسے ایک نظر دیکھا مگر اس کی کٹیلی نظروں کو محسوس کرتی ہونٹ بے دردی سے کچلتی رہی۔

''مجھے معاف کردیں پلیز میرا قصور......!'' اس کی بات ادھوری رہ گئی اس کا سیل فون گنگنانے لگا تھا عباس نے اس پر قطعی توجہ دیے بغیر کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم اماں جان۔'' فاطمہ نے وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس سے، اس کی کیفیات و اذیت سے آج بھی اتنا ہی بے نیاز تھا جتنا ہمیشہ نظر آتا تھا۔ تمام فاصلے آج بھی برقرار تھے۔

''یہاں میں کچھ مسائل میں گھرا ہوا ہوں اماں جان آئی ایم سوری میں نہیں آسکوں گا۔ بلکہ میرا وہاں نہ آنا ہی زیادہ بہتر ہے۔'' وہ بری طرح سے جھنجلایا ہوا نظر آنے لگا۔ فاطمہ آنسو پونچھتی اسے دیکھے گئی۔

''آپ اتنی سی بات پر خفا کیوں ہوتی ہیں اماں جان، آپ کو کم از کم میرے مسائل کو تو سمجھنا چاہیے۔'' اس نے جھلا کر کہا پھر کچھ دیر دوسری جانب کی بات سنتا رہا ایش گرے سوٹ میں غضب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ اپنے نپے تلے انداز میں محو گفتگو یہ شخص ابھی بھی دل کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔

''یہ بھی ممکن نہیں تھا اماں جان، پلیز اسے آخری کوتاہی سمجھ کر معاف کردیں۔'' تھکے ہوئے انداز میں کہتا وہ بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''اوکے فائن، تھینکس اماں جان۔ جی جی، السلام علیکم!'' اس نے سلسلہ منقطع کیا اور سیل فون بستر پر پھینکا اور خود شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا جیسے ہی مڑا فاطمہ کو ہنوز وہاں موجود پاکر اس کی آنکھوں کی سرخی جیسے لہو میں بدلنے لگی۔

''تم......!'' اس نے دانت کچکچائے۔

''آخری بار معاف کردیں عباس، وعدہ کرتی ہوں آئندہ اپنی جان پر بھی کھیل کر......!''

''ان ڈائیلاگ کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں، اور یہ آنسو بھی مجھے رام نہیں کرسکتے تمہارے حسن کے ہتھیار کی طرح یہ بھی بے کار ہے اندازہ تو ہو جانا چاہیے تھا تمہیں۔'' کتنا کاٹ دار لہجہ تھا اس کا فاطمہ شرم سے کٹ مری تھی رنگت بالکل فق ہوگئی۔ پتا نہیں وہ ہمیشہ اس کا نظریہ اس کے جذبات سمجھنے میں کیوں اتنا قاصر رہا تھا۔

''اب جاؤ یہاں سے کب تک یونہی سر پر سوار رہوگی؟ جانتا ہوں جو حماقت کی ہے تم نے اس میں سب کشتیاں جلا آئی ہو، مستقل عذاب بن کر مسلط رہوگی مجھ پر مگر فی الحال تو جان چھوڑ دو۔'' وہ اتنا ذہنی طور پر اپ سیٹ تھا کہ اس کی ہستی کو تاراج کرکے رکھ دیا اور احساس تک نہ کرسکا یہ تذلیل فاطمہ کو اندر تک ادھیڑ کر رکھ گئی تھی۔ ہر روز ایک نیا انداز اذیت کا ہر شب ایک نیا طریقہ سبکی کا ایجاد کرتا تھا یہ شخص کیا واقعی وہ اتنی ہی بھاری تھی اس پر؟

کیا واقعی وہ اتنا ہی بے زار تھا اس سے...... کیا وہ اس قدر نفرت کرتا تھا فاطمہ سے؟ وہ سوچتی رہی اور روتی ہوئی بے جان قدموں سے باہر آئی اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ عجیب خالی پن تھا اس کی نظروں میں جیسے کچھ لمحے قبل

آخری پونجی بھی لٹادی ہو۔

تہی دست، تہی داماں ایسے لاچار انسان کی طرح جس کے سر پر آسمان ہو نہ ہی پیروں تلے زمین، کیا حماقت تھی کیا جنون تھا جس میں سب کچھ داؤ پر لگا دیا...... ہستی کا غرور، عزت نفس، وقار اور...... اور اپنے سب پیارے بس اس ایک شخص کی خاطر جس نے اسے ہمیشہ اپنے جوتے کی نوک پر رکھا تھا اور بار بار ٹھوکریں کھائی تھیں، اس کے لیے سب کچھ تباہ کرلیا احساس زیاں اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ بہنے لگا۔

سب سے بڑھ کر اللہ کے احکامات اللہ کی خوشنودی، اللہ کی رضا عباس اور اللہ کے درمیان چناؤ کا جب بھی موقع آیا اس نے اپنی اس نادانی اس حماقت و جذباتیت میں جنون خیزی میں ہر بار اللہ کے بجائے عباس کو چن لیا تھا کیسا گھاٹے کا سودا تھا یہ پھر بھی بھلا ذلت اس پر مسلط نہ ہوتی؟ اس کی آنکھیں زار و قطار بہنے لگیں۔ اسے یاد آیا جب مسلمان ہونے کے بعد اس نے زینب سے نماز اور کلام پاک سیکھنے کا آغاز کیا انہی دنوں اس پر عباس کے بچوں کی ذمہ داری آپڑی تھی اس نے نماز اور قرآن کو چھوڑا اور سرخوشی کی کیفیت میں بچوں کو سنبھال لیا۔ یہ اس کے نزدیک بہترین کامیابی تھی صدیوں کا ہجر بھولنے کے بعد وصل کی جانب بڑھتا ہوا رستہ۔

پھر دوبارہ جب عباس کی جانب سے ذلت و رسوائی پانے کے بعد اس نے اللہ کی طرف پلٹ جانا چاہا، ایک بار پھر اس پر آزمائش آپڑی، چاؤ کی آزمائش، اس نے پھر دنیا کو چنا اور دین کو چھوڑ دیا۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی اس کے لیے کوئی خوشی کامیابی اور کامرانی کی دلیل ہوسکتی تھی کہ عباس حیدر اس سے شادی کی خواہش لے کر آگیا تھا وہ سپنا پورا ہونے جارہا تھا جسے اس کی آنکھیں بھی دیکھنے سے ڈرتی تھیں وہ کیسے اچانک پورا ہونے جارہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے اللہ کی راہوں سے قدم واپس موڑ لیے ایک بار پھر اس کے ہاتھ میں اللہ کی رسی آئی مگر وہ گرفت مضبوط کرنے کے بجائے اسے چھوڑ بیٹھی...... مگر جب اللہ کی طرف سے بندے کو آگاہی ملتی ہے تو پھر گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھی جگنو جگمگانے لگتے ہیں۔ شمعیں جل اٹھتی ہیں۔ فاطمہ کے دل میں بھی یہی آگہی جاگ اٹھی تھی جبھی وہ ایسے چونک اٹھی جیسے گہری نیند سے جاگ گئی ہو۔

تاخیر سے سہی مگر بہرحال اس نے اپنی حقیقت پہچان لی تھی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی رب نے اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہونے دیا تھا جو ٹھوکر کھا کر گرنے والوں میں شامل ہوجایا کرتے ہیں۔

❀......◉......❀

ہر سو گہما گہمی تھی، مختلف رسومات کی ادائیگی کے بعد اریبہ اور سمعیہ اسے سکندر کے بیڈ روم میں چھوڑ گئی تھیں، وسیع و عریض شاندار بیڈ روم جس کا ماحول بے حد خوابناک لگ رہا تھا اس کے وجود کی روشنی سے بھی جگمگا اٹھا تھا گویا۔

لاریب نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہوکر رہ گئی۔ رسموں کے دوران بھی اپنی کزنز کی ہنسی مذاق میں سکندر بے حد لیا دیا اور سنجیدہ محسوس ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی منہ پھٹ کزن نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں لگتا اور لاریب اس پل کتنی خائف ہوگئی تھی۔

لاریب نے سکندر کے بھی رشتہ داروں اور ایمان کے سسرالیوں کو عجیب و غریب محسوس کیا تھا۔ ناک بھوں چڑھاتیں غیبتیں کرتیں عورتیں اور بدمزاج غصیلے مرد، وہ اب اندازہ کرسکتی تھی ایمان نے وہاں کس قدر کٹھن وقت گزارا ہوگا۔ وہ تو یہ سوچ کر خائف ہوئی جاتی تھی اگر سکندر نے ان عجیب و غریب لوگوں کو یہاں بھی اپنے ساتھ اس گھر میں رکھ لیا تو کیسے فیس کرے گی وہ ان سب کو جنہوں نے ایمان کو اس نوبت تک پہنچا دیا تھا مگر ان کو ذرا بھی جو شرمندگی یا ملال ہو، ایمان تندرست ہونے کے بعد ابراہیم احمد کے سمجھانے پر شرجیل کے یہاں ملنے گئی تھی مگر وہاں انہوں نے ٹھیک طرح بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا، مگر ابراہیم احمد کی تاکید تھی کہ انہیں ان اہم رشتوں سے قطع تعلقی اختیار نہیں کرنی چاہیے اور ان کے حقوق بھی ادا

کرنے چاہیے۔ خود ابراہیم سریتا دیوی کی اتنی شدید نفرت کے باوجود ان سے ملنے جاتا تھا اور فون پر بھی خیریت دریافت کیا کرتا سریتا دیوی کے تمام تر ناروا سلوک کے باوجود وہ سمیعہ کو بھی وہاں ان کے پاس لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

یہ سب باتیں لاریب کو ایمان سے ہی پتا چلی تھیں۔ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ کو پا کر لاریب کا دل ہی اچھل کر حلق میں نہیں آیا ہتھیلیاں بھی پسینے میں بھیگ گئیں۔ اگلے لمحے سکندر اندر آگیا مگر اس کی جانب نگاہ ڈالتے ہی وہ یکدم بھڑک اٹھا تھا کچھ ایسے کہ اسے بھی اس آگ میں گھسیٹ لیا۔

"یہ روایتی شادی نہیں تھی جو آپ اس طرح بیٹھی ہیں میں حیران ہوں آپ میں اتنی تبدیلی کی وجہ کیا ہے آخر، آپ تو تب بھی میری اس طرح منتظر نہیں ہوئی تھیں جب آپ کو ہونا چاہیے تھا یاد ہے آپ کو ہماری شادی کی پہلی رات؟" اسے بیڈ پر اپنے انتظار میں پا کر وہ تمام ضبط گنوا چکا تھا لاریب کی آنکھیں ایسے جل اٹھیں جیسے ان میں کسی نے مٹھی بھر مرچیں جھونک دی ہوں وہ خاموش تھی۔ اس کا خوب صورت چہرا ہر گزرتے لمحے متغیر ہوتا جارہا تھا مگر سکندر کو ہرگز بھی اس سے کسی قسم کی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی یہ لڑکی بہر حال کبھی بے بس نہیں ہوسکتی تھی کبھی ہار نہیں سکتی تھی وہ بھی اس کے آگے ابھی تو اس نے اسے بے بس کرنا تھا اسے ہرانا تھا۔

"میں جب تک باتھ لیتا ہوں تم اٹھ کر میرے لیے کافی بنا کر لاؤ میں سونے سے قبل کافی پینے کا عادی ہوں۔" اسے پلکیں جھکائے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان پا کر وہ زہر خند لہجے میں بولا جس نے ایک لمحے کو سہی مگر لاریب کو بھی ہونق کر دیا تھا۔ سکندر نے اس حیرانی اور استعجاب کو محسوس کر لیا تھا جبھی بولا تو اس کے خشونت زدہ لہجے میں تلخی و تنفر سمٹ آیا تھا۔

"کیوں، کچھ انوکھا کہہ دیا میں نے، یا پھر شادی میں کوئی گستاخی ہوگئی ہے؟" اس کے لہجے کی برہمی اور حقارت ایسی تھی کہ تمام تر ضبط کے باوجود بھی لاریب کا دل اس درجہ بکی پر بھرا سا گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ اٹھی تو زیورات بج اٹھے۔ سکندر نے ناگواریت سمیت اسے دیکھا۔

"یہ چوڑیاں وغیرہ ابھی اتار کر رکھ دینا مجھے ان کی جھنکار سے ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ایک اور آرڈر جاری ہوا نخوت بھرا حتمی انداز لاریب کی بے بسی کو اشتعال میں ڈھالنے لگا مگر ہونٹ بھینچے وہ ضبط کے کڑے مراحل طے کرتی چوڑیاں اتار کر رکھنے لگی۔ وہ سکندر کا بدلا ہوا رویہ محسوس کر چکی تھی اور سوچ کر آئی تھی اگر وہ انتقام پر اترا ہے محبت کو بھلا کر تو اب اس کی باری ہے۔ اپنی محبت سے اپنا ضبط آزمانے کی وہ اس انتقام کو لازمی سہہ جائے گی۔ اس محبت کی خاطر جس کا ابھی آغاز ہی ہوا ہے اور جسے ابھی بہت دور تک سفر کرنا تھا۔ اب یہ اس کی قسمت تھی کہ یہ سفر کتنا سہل یا پھر کٹھن ہوتا ہے۔

وارڈ روب سے اپنے لیے نسبتاً سادہ لباس منتخب کرنے کے بعد اس نے ڈریسنگ روم میں جا کر اس دلہناپے کے تمام آثار مٹا دیے تھے جن سے سکندر کو کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی اور ایسا کرتے اس کا دل خون کے کتنے آنسو رویا تھا۔ بے توقیری اور بے وقعتی کے احساس سمیت، یہ یکسر الگ قصہ تھا۔ وہ کچن کی سمت آئی تو اس کے چہرے پر اس کے اندر کی بربادی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ رات کے اس پہر بھی خانساماں کچن میں مستعدی سے مصروف عمل تھا تو یہ یقیناً شادی کا موقع ہونے کی بنا پر ہی تھا۔

"جی میم آپ کو کچھ چاہیے تھا تو انٹر کام پر آرڈر کیا ہوتا میں حاضر کر دیتا۔" خانساماں چند گھنٹوں قبل بیاہی دلہن کو کچن میں خدمت پر مامور پا کر تمام حیرانی بامشکل ہضم کر کے اپنے فرائض کو چابک دستی سے نبھانے میں مصروف ہوا تھا لاریب بوجھل دل سے مسکرائی۔

"نہیں شکریہ آپ کا کافی میں خود بنالوں گی۔" وہ آگے بڑھ آئی۔ دس منٹ میں کافی تیار تھی لاریب ٹرے اٹھائے کچن سے نکلی اور دل ہی دل میں دعا گو ہوئی تھی خانساماں کے بعد اس کا یہ راز اور کسی پر آشکار نہ ہو

سکندر کو تو شاید ان نزاکتوں کا خیال تک نہیں تھا۔ اسے زیر کرنے کو اور بھی ایک سو ایک طریقے تھے جن سے بھرم بھی قائم رہ سکتا تھا۔

"میں نے تمہیں صرف جیولری اتارنے کو کہا تھا وہ بھی چوڑیاں تم نے......!" وہ جھک کر ٹرے رکھ رہی تھی جب فریش ہو کر آنے والے سکندر نے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیر کر نمی جھٹکتے ہوئے اس پر گہری پر حدت نگاہ ڈالی اور دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ لاریب نے ہونٹ کچلے اور سیدھی ہو کر خاموشی سے پلٹنے کو تھی جب اچانک سکندر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی لو دیتی سفید کلائی پکڑ لی۔

"کسی کو سراہنے کے لیے آرائش و سنگھار کچھ اتنا بھی ضروری نہیں یہ کام ویسے بھی باخوبی نبھایا جاسکتا ہے۔" ہلکے سے جھٹکے سے اسے اپنے پہلو میں گراتا ہوا وہ کسی قدر سرد آواز میں کہتا گویا اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ لاریب کا رنگ پھیکا پڑا اور آنکھیں جھلملانے لگیں لیکن وہ بولی اب بھی کچھ نہیں تھی۔

"صرف ایک کافی کا مگ کیوں؟" اس نے بھنویں اچکا کر سرد نظریں اس پر جمائیں، پھر ہنکارا ابھرا۔

"محترمہ اگر آپ کو میرے ساتھ جاگنا ہے تو پھر اس کا انتظام بھی ہونا چاہیے تھا۔" وہ اسے لمحہ لمحہ سلگا رہا تھا جیسے باقاعدہ پلاننگ کر کے میدان میں اترا ہو۔ دھیمے لہجے سے بھی اشتعال پھوٹ پڑتا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹتی تھیں چہرے کی سرد مہر کیفیت لاریب کو منجمد کیے جارہی تھی مگر وہ پھر بھی چپ تھی۔ یہاں تک کہ سکندر نے ہاتھ بڑھا کر استحقاق آمیز انداز میں اس کی کمر کے گرد حمائل کیا اب وہ اس سے نزدیک تھی نزدیک تر، اس کی کمر کے گرد سکندر کا بازو کوئی آہنی شکنجہ تھا جو بے رحم ہوتا ہے یہ لمس کوئی انگارہ تھا جس کی دہکتی آگ لاریب کا پور اوجود جلا کر خاکستر کررہی تھی۔

"اب تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا آخر اپنی مکمل رضا مندی سے آئی ہو اب کی بار؟" وہ مسکرایا تو لاریب کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔

شاید نہیں یقیناً سکندر اس کی جانب سے کسی مزاحمت یا پھر احتجاج کی توقع کررہا تھا مگر ایسی کوئی صورت حال نہ پا کر اس کے اندر جلتی آگ میں اضافہ ہوا جبھی اس کے ہر عمل میں جارحیت اور تلخی گھلتی چلی گئی تھی۔

❀......✿......❀

اسے اچھی طرح سے یاد تھا زینب نے کہا تھا کہ پریشان ہونا انسان کے انسان ہونے کی دلیل ہے لیکن پریشان رہنا انسان کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسے اس اعتراف میں اب عار نہیں تھا کہ وہ اللہ پر اعتماد یقین اور بھروسے کو کامل نہ کرپائی صرف شرمندگی ہی تو نہیں تھی دکھ و ملال بھی تھا۔ اس نے آخر کس سراب کے پیچھے زندگی تباہ کرڈالی تھی۔ اسے زینب سے سنی بات پوری جزئیات سے یاد آئی تو ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے بلک پڑی۔

"مجھے معاف فرمادے مالک دو جہاں، مجھے معاف فرمادے۔" دیر تلک آنسو بہانے کے بعد بھی دل پر دھرا بوجھ ہلکا نہ ہوا تھا آج یہ کیسا غم آن لگا تھا اسے، یہ تاسف اس پر مزید گہرا ہوا جب اس نے بے حسی اور بے اعتنائی کے سابقہ انداز کو بحال رکھے عباس کو اپنے پاس سے گزر کر وہاں سے جاتے دیکھا وہ دھندآلود نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی اور اپنے غم کو شدت سے محسوس کرتی اور بھی تڑپ گئی تھی۔

"جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے اور اسے اپنے جیسے انسانوں پر رعب جمانے اور جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہر نقلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکہ ہے اور غرور انسان میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو، نصیب والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔" عباس حیدر کے ہر لمحہ فاصلہ بڑھاتے قدموں کو دھندآلود نظروں سے تکتے اس کے ذہن میں کبھی کی پڑھی ہوئی ایک بات روشن ہو کر جگمگانے لگی تو جیسے ہڑبڑا سی گئی۔

"مجھے اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا۔" اس نے

سوچا اور وضو کے ارادے سے واش روم میں چلی گئی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کو ہاتھ پھیلائے تو ایک بار پھر اس کی سماعتوں میں زینب سے سنے التجائیہ الفاظ گونجنے لگے جو وہ ہر نماز کے بعد مناجات کے طور پر پڑھا کرتی تھی۔

"اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری سماعت و بصارت میں نور ہو۔" اس کی آواز کی دلکشی سوز اور گداز جیسے اس پل اس کا بھی دل رقت سے بھرنے لگا۔ آنکھوں میں مچلتی نمی مچل مچل کر گال بھگونے لگی اس کے ہونٹ باقاعدہ لرزنے لگے۔

"اور میرے دائیں اور بائیں نور ہو اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو اور میرے آگے اور پیچھے نور ہو اور میرے لیے نور بنا دے۔" ملازمہ دیا کو لے کر اس کے پاس آئی تو اسے جائے نماز پر بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے زار و قطار روتے پا کر حیران ہوئی۔ وہ دنیا و مافیا سے بے خبر لگتی تھی۔ اسے ڈسٹرب کیے بنا ملازمہ بچی سمیت پلٹ گئی جبکہ فاطمہ بدستور گڑگڑا رہی تھی۔

"اور میری زبان اور میرے اعصاب میں نور ہو اور میرے گوشت اور میرے لہو میں نور ہو اور میرے بال اور کھال میں نور ہو اور میرے نفس میں نور ہو اور میری ہڈیوں میں نور ہو اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔" اسے یہ بھی یاد آیا زینب کہتی تھی۔

"تیرا بہترین ہم نشیں وہ ہے جو تیرے عیب جان کر بھی تیرے ساتھ ہے اور وہ تیرے پروردگار کے علاوہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" اسے لگا اس مقام پر جب عباس اس کا بن کر نہیں دیتا تھا جب اس نے اپنا ہر رشتہ چھوڑ دیا تھا اس مقام پر بھی وہ اکیلی نہیں کوئی ہے جو اس کے ساتھ ہے اور وہ اللہ کے سوا کون ہو سکتا تھا۔ وہ جو اس کی لغزشوں اس کی کوتاہیوں اس کی برائیوں سے بے خبر نہیں مگر پھر بھی ہر بار جب بھی وہ جو مانگتی وہ اسے عطا فرماتا رہا تھا اس کا صاف مطلب تھا عباس کو اس کی ضرورت نہ ہو مگر اللہ کو اس کی ضرورت تھی وہ کسی کے لیے اہم نہیں ہو سکتی تھی مگر وہ اللہ کے لیے اہم تھی۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ روتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ مگر بے قرار دل کو کہاں قرار نصیب ہونا تھا۔ جائے نماز پر بیٹھی نومسلم فاطمہ میں بالآخر اس تبدیلی کا آغاز ہو گیا جس کی بدولت برسوں قبل اس سے طلب اور خواہش کا یہ سفر شروع کرایا گیا تھا...... ایسی تبدیلی جو وحشت کے صحراؤں سے نکال کر آغوش محبت میں سمٹ جانے والے کے اندر اترتی ہے۔ وہی تبدیلی جو اندھیارے منہ بند غاروں میں آبلہ پا بھٹکنے والوں کو روشنی و آزادی نصیب ہونے پر سرخوشی بخشتی ہے۔ وہ وعدوں کو پورا کرنے والا رب ایک بار پھر اپنا وعدہ نبھا رہا تھا اس کے ایک قدم کے جواب میں ستر قدموں کا فاصلہ گھٹائے آج وہ اس سے کتنا قریب تھا کتنا نزدیک تھا کاش وہ دیکھ......

❁......❁......❁

وہ جھک کر بستر کی چادر بچھا رہی تھی اور اسے تکتی سکندر کی آنکھیں غضب کی حدتیں سمیٹ لائیں۔ لاریب کا کتنا نارمل انداز تھا۔ حالانکہ سکندر نے اس پر محض اپنی بڑائی اور نفرت جتلانے کو کسی بھی ستم ظریفی سے گریز نہیں برتا تھا پتا نہیں وہ ایسا منتقم مزاج کیوں ہو رہا تھا کبھی لاریب کی اکڑ اور نخوت سے اس کی جان جلتی تھی اور اب اس کی خاموشی و فرمانبرداری گراں گزر رہی تھی۔

(یہ سمجھوتے کے سوا اور کیا تھا سمجھوتہ جو ہر اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں محبت نہیں ہوتی) اس کے دل سے کثیف دھواں اٹھنے لگا۔

"ناشتہ یہیں لے آؤں آپ کے لیے؟" لاریب نے اس کا پھیلاوہ سمیٹتے ہوئے اس سے نگاہ چار کیے بنا پوچھا تھا۔ اس کی سحر طراز آنکھوں کے حساس حصوں پر اتری سرخی اس کی شدت گریہ کی گواہی دیتی تھی۔

سکندر کے دل پر عجیب سی جھنجلاہٹ اترنے لگی۔ ایسا مجرمانہ احساس جس کو قبول کرنے سے ہی خائف تھا۔ وہ اب بھی بنا کوئی جواب دیے اس پر سلگتی نگاہ ڈال کر ایک جھٹکے سے باہر چلا گیا اور لاریب ہونٹ بھینچے ساکن کھڑی

رہ گئی اتنی ساکن کہ اسے ایمان کے وہاں آنے کی بھی خبر نہیں ہوسکی تھی۔

"کیسی ہو سوئٹ ہارٹ؟" ایمان نے بے حد محبت سے کہتے اسے پیچھے سے اپنے بازوؤں کے حصار میں جکڑا تو لاریب نے گھبراتے ہوئے باسرعت پلکیں جھپک کر ساری نمی اندر اتارلی۔

"سکندر کہاں چلا گیا، ناشتے کا بتاؤ یہیں لے آؤں؟" ایمان کے سوال پر لاریب نے سر جھکالیا۔

"بہو اب باہر آجاؤ سب ناشتے پر تمہارے ہی منتظر ہیں ٹائم دیکھو ذرا، دس بج گئے ہم نے تو سنا تھا شہر کی لڑکیاں صبح دیر تک سونے کی عادی ہوتی ہیں مگر یہاں گاؤں کی تو اس سے بھی آگے نکلیں۔" یہ تائی ماں تھیں اپنے مخصوص کرخت لہجے اور پاٹ دار آواز میں بات کرتی ہوئی اچانک مداخلت کرگئیں۔ ایمان تو خفت زدہ ہوئی ہی لاریب بھی سٹپٹا گئی۔

"آپ چلیے تائی ماں میں لاریب کو لارہی ہوں۔" ایمان نے گھبرا کر ان کی تشفی کرانی چاہی تھی۔ وہ لوگ جتنے بھی کرخت اور بے حس سہی مگر ایمان پہلے کی طرح اب بھی ان کے ساتھ نرمی و فرمانبرداری کا رویہ رکھ رہی تھیں۔ حالانکہ اس کی صحتیابی اور اتنی بڑی بیماری کے بعد پھر سے جی اٹھنے کو تائی ماں سمیت کون تھا جس نے خوشی واطمینان کا اظہار کیا ہو۔

"اونہہ، لے کر آتی ہوں، بچی ہے یہ جسے گود میں اٹھا کر لاؤ گی دیکھو ذرا چونچلے۔" تائی ماں نے ناک بھوں چڑھانی ضروری سمجھی اور دونوں کے پھیکے پڑتے چہروں پر زہر آلود نظر ڈالتی پلٹ گئیں۔ ایمان نے شرمندگی چھلکاتی نظروں سے لاریب کو دیکھا جو خود بھی مضمحل سی کھڑی تھی اور خجل سی مسکرادی۔

"تم مائنڈ نہیں کرنا ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے۔" لاریب کے پاس اس بات کا بھلا کیا جواب تھا ایمان کے کہنے پر اس نے نسبتاً شوخ لباس پہنا تھا اور ہلکا پھلکا میک اپ کرنے کے بعد ٹیبل پر آئی تو ایمان کے علاوہ وسیع

اقتباس

"جب اپنا بہت عزیز بہت پیارا بچھڑ جائے تو انسان اپنے جینے کے جواز اپنے زندہ رہنے کے بے معنی ہی سہی لیکن بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے تاکہ اگر ان سے بھی وہ بچھڑنے والا ملے تو ان سے جینے کا جواز ان کی زندگی کا استفسار نہ مانگے اور مانگے تو وہ جھٹ سے بتائیں تیری یادیں تھیں، کچھ نشانیاں تھیں، کچھ وعدے تھے، کچھ ذمہ داریاں تھیں جن کو نبھانے کے لیے جینا پڑا مجبوری تھی سمجھا کرو۔"

اقصیٰ اشمل وفا......

ڈائننگ ٹیبل پر سکندر سمیت سبھی کو موجود پایا تھا۔

"آیئے بھابی، صبح بخیر۔" فراز نے اس کا پرتپاک استقبال کیا جبکہ شرجیل کے ہونٹوں پر حوصلہ افزاں پر شفقت مسکان جھلکی تھی۔

"ابھی تک سینگ سلائی ہے کوئی امید تو نہیں لگتی سکندر بیٹا تمہاری بیوی کو، ارے یہ اب تو رخصتی کا چونچلا ہی تھا ورنہ پتا ہے ہمیں بھی تمہارے ساتھ کئی مہینے کی ازدواجی زندگی گزار چکی ہے۔" لاریب پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے تائی ماں نے استفسار تو سکندر سے ہی کیا تھا مگر بلاشبہ ان کی اصل مخاطب مما ہی تھیں جہاں سکندر جز بز ہوا وہاں لاریب کا چہرہ ایسے جل اٹھا جیسے وہاں کسی نے یکلخت آگ کا الاؤ روشن کردیا ہو۔

"آپ کو آخر اعتراض کس بات پر ہے تائی ماں، یہ سکندر یا پھر لاریب بھابی کا شوق نہیں تھا۔ ہم سب نے دانستہ اس چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کیا تھا ملے گلے کی خواہش میں، جہاں تک سکندر کے باپ بننے کی بات ہے تو اللہ نے چاہا تو ہم یہ خبر بھی جلد ہی سن لیں گے کیوں سکندر؟" لاریب کو سر جھکائے ہونٹ کچلتے آنسو ضبط کرتے پاکر فراز ہی اس کی مدد کو میدان میں کودا تھا اور بہت خوب صورتی سے اس کا دفاع کرتے کرتے آخر میں اپنے ساتھ بیٹھے سکندر کے کاندھے سے اپنا کاندھا ٹکراتے ہوئے گویا اس کی تائید چاہ کر مسکرانے لگا۔ جس کے سپاٹ چہرے پر ابھی تک کوئی خاص تاثر نہیں اترا تھا۔

''ارے میں کب کچھ اور کہہ رہی ہوں میں نے بھی یہی پوچھا ہے کہیں دلہن بیگم ہمارے لیے پہلے سے ہی تو کوئی خوشخبری نہیں سنبھال کر بیٹھی ہوئی۔ جس طرح بے زار اور گم صم نظر آتی ہے ایسی حالت تو انہیں دنوں میں ہوتی ہے عورت کی۔'' تائی ماں ہار ماننے والوں میں بھی شامل نہیں ہوا کرتی تھیں اس بار بھی معنی خیزیت سے کہہ گئیں تو لاریب کا سرخ چہرہ ضبط غم کے باعث کچھ مزید سرخ ہو کر لہو چھلکانے لگا۔ اس کا دل اس حبس زدہ ماحول سے کچھ اس طور گھبرایا کہ وہاں سے بھاگ جانے کی خواہش شدید تر ہونے لگی۔ سکندر کی موجودگی میں اس انداز کی سبکی اسے روہانسا کر گئی تھی۔ اس پر اس کی خاموشی ستم پر ستم ہی تو تھا۔

''تو آج یہ بھی طے ہوا سکندر اعظم کہ تم اتنے ہی سنگدل بے حس اور ظالم ہو جتنا کہ تمہارے نام کا وہ بادشاہ جس نے اپنے شہر کو آگ لگا کر روشنی دیکھنے کی خواہش پوری کی تھی۔'' سکندر کو اسی بے اعتنائی و بے نیازی سے ناشتہ مکمل کر کے اٹھتے دیکھ کر فراز جو بے حد تلخ ہو چکا تھا اس کے پیچھے آ کر اسے جتلائے بغیر نہیں رہ سکا، سکندر نے سگریٹ سلگاتے بے حد سرد نظروں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

''اصولاً تو آج تمہارا ولیمہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ سہی کم از کم گھر پر تو رک جاؤ یار، بھابی بے چاری کہاں تک اپنا بھرم رکھیں گی۔'' فراز نے اندر کی کھولن دباتے ہوئے بے حد جھنجلا کر کہا تب سکندر کا ضبط بھی جیسے ہارنے لگا اور چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔

''تم چپ نہیں رہ سکتے؟'' اس پھٹکار زدہ تنبیہ پر فراز نے شاکی نظریں اس کے بے گانہ چہرے پر جما دیں۔

''اور کچھ نہیں تو کم از کم ان فسادی لوگوں کو ہی یہاں سے چلتا کر دو، سکندر تمہیں اندازہ نہیں ہے اس سے قبل ان لوگوں نے ایمان بھائی بھابی کی زندگی کو کیسے عذاب سے دو چار کیا ہوا تھا۔ ابھی تم نے دیکھا بھی کہ تائی ماں بھابی کو کیسے کہہ رہی تھیں تمہاری خاموشی نے گویا شہہ دی ہے انہیں۔'' فراز عاجز ہو چکا تھا وہ ہمت ہارنے والوں میں سے بھی نہیں تھا اس کی ناراضی کو خاطر میں لائے بغیر اگلا مقدمہ لڑ رہا تھا۔ سکندر کو شاید اس کی یہ حمایت ہی پسند نہیں آئی تھی جبھی بری طرح برہم ہوا۔

''عین ممکن ہے فراز کہ مسز لاریب شاہ یہی ڈیزرو کرتی ہوں بہتر ہے تم خاموش رہو۔'' اور فراز سکندر کے منجمد چہرے کے سپاٹ تاثر کو دیکھتا کچھ دیر کو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا اور سکندر اس بے اعتنائی سمیت گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تھا مگر اس سے اگلی شام جب تائی ماں اور تاؤ جی کے ہاتھوں اماں اور بابا کو اپنی سادگی اور مخصوص دیہاتی انداز و اطوار کے باعث سبکی و حزیمت اٹھانا پڑی تو سکندر بہر حال یہ برداشت نہیں کر سکا اور کھلے صاف لفظوں میں انہیں اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم سنا دیا تھا جس کے نتیجے میں جتنا بھی ہنگامہ ہوا تاؤ جی نے اس بات کی جتنی بھی توہین محسوس کی مگر وہ لوگ وہاں سے بکتے جھکتے چلے ضرور گئے تھے۔

''سکندر پتر تجھے ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا وہ بھی ہماری خاطر۔ وہ غلط تھوڑی کہہ رہی تھی ہم ساری زندگی پنڈ میں رہے ہیں اتنے اچھے گھر میں رہنے اسے برتنے کا ڈھنگ کہاں ہے ہمیں۔'' اماں جو تاؤ جی کی دھمکیوں اور تائی ماں کی واشگاف بد دعاؤں اور کوسنوں سے سراسیمہ ہو چکی تھی صورت حال کو اتنا بگڑا ہوا پا کر روہانسی ہونے لگی۔ خود سکندر کی بھی غیض بھری ناراض اماں کے ساتھ ساتھ لاریب کو بھی وحشت کے سپرد کرنے لگی۔

''آپ لوگ جیسے ہیں اماں مجھے آپ پر فخر ہے اور یہ بات کوئی بھی نہ بھولے کہ آپ ان لوگوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔'' سکندر کا انداز قطعی اور دو ٹوک تھا اس کے بعد وہ وہاں رکا نہیں تھا اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا ان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

''تو ہی کچھ سمجھا اسے دھیے وہ تو پاگل ہوا ہے۔'' اماں نے بے چارگی میں مبتلا ہو کر لاریب کی جانب دیکھا جس کے ہونٹوں پر اس مطالبے نے مجروح قسم کی مسکان بکھیر دی تھی تو آنکھوں میں بکھری ٹوٹے کانچ کی کرچیاں اپنی

سفاکیت کے ساتھ اسے مزید لہولہان کرنے لگیں کل رات جب وہ سونے سے قبل اس کے لیے بنا کہے کافی بنا کرلانے کے بعد مگ اس کے سامنے رکھ رہی تھی تب اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نگاہ ہٹا کر کٹیلی نظروں سے اسے سرتاپا دیکھا اور زہر خند لہجے میں بولا۔

''یہ پوچھ کر بنائی ہے؟'' وہ پھنکارا لاریب کس قدر گھبرائی، تب سکندر مزید حقارت سے گویا ہوا تھا۔

''ضروری نہیں ہے لاریب صاحبہ کہ میرا ہر رات آپ کے حسن کو خراج پیش کرنے کا ارادہ ہو۔'' سکندر کی پرکشش آنکھوں میں تحقیر وطنز کے زہریلے تاثرات در آئے تھے۔ دوسری جانب لاریب تھی جو اس درجہ ہتک و ذلت اور توہین کو سہتی شرم، غم وغصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ جیسے خود کو زمین میں گڑھا ہوا محسوس کرتی سکتہ زدہ ہوگئی۔ عزت نفس اور انا پر لگایا گیا یہ تازیانہ اس کے وجود کے ساتھ ساتھ روح پر بھی ہر سو آبلے ڈال گیا تھا۔ جبھی شدت غم و رنج سے اس کی تمام صلاحیتیں ہی سلب ہوکر رہ گئی تھیں۔

سکندر تو اپنے اندر کی آگ نکال کر پرسکون ہوگیا تھا مگر لاریب لحہ لحہ تڑپتی سسکتی رہی اسے یقین ہی نہ آتا تھا یہ وہی سکندر ہوسکتا ہے اتنا شقی القلب، ایسا منتقم مزاج اور اس حد تک سطحی سوچ رکھنے والا اس کی روح پر آبلے پڑ گئے تھے تو رگ رگ میں محشر برپا تھا۔ ایسے میں یہ سکندر کی بے رحمی کی انتہا یا پھر ڈھٹائی کی حد تھی کہ وہ پھر اس کی جانب پیش رفت کرچکا تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ اس لمس میں نرمی تھی یا احساس میں بے پناہ دلکشی کا رنگ، اسے اس احساس سے محروم کرنے والا بھی وہ خود تھا۔ جب تک وہ جاگتا رہا تب بھی جب سوگیا اس کے بعد بھی لاریب نے منہ سے حرف شکایت نکالے بغیر بس خاموشی سے آنسو بہائے تھے۔

اگلی صبح جب سکندر کی آنکھ کھلی تو اسے جائے نماز پر دعا میں اس طرح سے سسکتے پا کر پھر وہی مجرمانہ انداز سکندر کے اندر سر اٹھانے لگا تھا جس سے خائف تھا اور

خوب صورت دعا

اے اللہ!

جو میرے مقدر میں نہیں لکھا اس کی کوشش اور تمنا میں مجھے مبتلا نہ کر

جو تقدیر میں لکھ دیا ہے اسے آسان بنادے۔

یا اللہ! مجھے اس کام کے لیے فرصت فراہم کردینا جس کام کے لیے تُو نے مجھے پیدا کیا اور اس کام میں مشغول نہ ہونے دینا جس کی ذمہ داری تُو نے خود لی ہے۔

مجھے شکر کرنے کی توفیق فرما اور ایمان پر زندگی اور ایمان پر موت عطا فرما آمین۔

ایمان بٹ......لودھراں

نظم

وہ جس نے
اس معصوم سی لڑکی کو
محبت کے نام پر لوٹا تھا
وہ انسان تھا
یا پھر کوئی
وحشی درندہ تھا

کوثر ناز......حیدرآباد

وہ جس سے پیچھا چھڑانے کو وہ اس سے خوامخواہ الجھ پڑتا تھا۔ اس وقت بھی اس کیفیت کا شکار خوامخواہ اس کے گلے پڑنے لگا۔

''مجھے کیوں نماز کے لیے نہیں جگاتی، تمہاری ذمہ داریوں میں ایک یہ بھی ذمہ داری شامل ہے۔'' لاریب جو جائے نماز کو تہہ لگا رہی تھی اس اعتراض پر تحیر آمیز سرخ آنکھیں لحہ بھر کو اٹھائیں اور پھر ریشمی پلکوں کو دوبارہ جھکا دیا۔

''صبح سے جگا دیا کروں گی۔''

ایک بار پھر نہ گلہ نہ شکایت اور فرمانبرداری کا مظاہرہ، یہ انوکھا دل ربا انداز جیسے لوٹ لے جانے والا تھا۔ سکندر چند ثانیوں کو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا یہ تو اس نے کبھی

نہیں چاہا تھا کہ اس کا تعلق ایسا سپاٹ سرد مہر اور جامد ہو یہ کس ڈگر پر چل پڑا تھا وہ، بدلہ اتنا ضروری تھوڑی تھا انا کو سر بلند رکھتے وہ محبت کو کیسی پستی میں گرا رہا تھا اسے یہ سوچیں جیسے چابک رسید کرنے لگیں مگر یہ محض لمحاتی کیفیت تھی پھر اس کی سوچیں زہر سے بھرنے لگیں۔

(یہ اتنی نیک پروین اور ستی ساوتری نہیں ہے ہرگز بھی، نہ اس کا ضبط و حوصلہ اتنا بلند ہے میں دیکھتا ہوں کب تک خود کو مضبوط رکھتی ہے، دوسروں کی طرح اس نے بھی خود کو میرے سامنے اس لیے سرنگوں کیا ہے کہ آج میرے پاس حسب نسب کے ساتھ بے تحاشا دولت بھی ہے اس نے بھی مجھے یا میری محبت کو نہیں قبولا اس نے بھی جاہ و حشمت کے آگے سر جھکایا ہے اور حسب و نسب میں برابری کا شوہر تو بیوی کے ساتھ ہر طرح کا رویہ رکھ سکتا ہے اور بیوی کو برداشت کرنا پڑتا ہے)

وہ خود کو پھر صحیح سمجھنے لگا اس کی سوچیں پھر آتشیں ہو رہی تھیں۔

''آج پارلر جا کر بالوں کی کٹنگ کرا آنا مجھے پسند نہیں تمہارے اتنے لمبے بال۔'' آفس کے لیے تیار ہوتے اس نے جو بات کہی تھی اور جن تیوروں کے ساتھ کہی تھی اس نے لاریب کی اس بے نیاز یا دوسرے لفظوں میں اس کی جانب سے اختیار کیے صبر کو بھی لمحہ بھر کو ہی مگر بکھیر دیا تھا۔ اس نے چونک کر نظر اٹھائی۔ سکندر کی سرد نظروں میں کسی تلخ یاد کی چنگاری کی سلگن ابھی باقی تھی۔

لاریب اذیت کا شکار ہوتی نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔ اسے یاد تھا بہت اچھی طرح سے کہ وہ اس کے ریشمی سیاہ گھنیرے بالوں کا کیسا دیوانہ تھا اور لاریب نے محض اسے اذیت دینے کی خاطر بال کٹوا دیے تھے اس کے احتجاج پر وہ اپنی تلخی اس پر انڈیلنے سے باز نہیں رہ سکی۔

''بات یہ نہیں تھی سکندر حیات کہ مجھے اپنے بال پسند نہیں تھے مگر اس کا کیا ہو کہ مجھے ہر وہ کام کر کے تسکین ملتی ہے جو تمہیں دکھ دینے کا باعث ہوتا کہ اندازہ تو کر سکو تم کہ تکلیف کیا ہوتی ہے وہ تکلیف جس میں تم نے اپنی خود غرضی کے باعث گرفتار کر ڈالا ہے مجھے۔''

اور سکندر کا صرف چہرہ ہی دھواں دھواں نہیں ہوا تھا آنکھوں میں بھی اذیت کے رنگ بکھر گئے تھے تب وہ اسے بتا نہیں سکا تھا کہ وہ اس کی خود غرضی نہیں محبت کی انتہا تھی اور اب بالکل ایسے ہی لاریب بھی اس کے سامنے وضاحت کرنے سے لاچار رہی تھی۔

''تمہیں کچھ کہا تھا میں نے یا تمہارے نزدیک آج بھی میری بات کی سرے سے اہمیت نہیں ہے۔'' شام کو وہ آفس سے لوٹا تو نارمل تھا حالانکہ صبح جاتے ہوئے وہ ہرگز اتنا پرسکون نہیں تھا کہ اماں کو اس کا تائی ماں کی فیملی کے لیے کیا گیا فیصلہ ہرگز پسند نہیں تھا سمجھانے بجھانے کی کوشش کو ناکام دیکھ کر وہ اس پر جذباتی دباؤ ڈالنے لگی تھیں۔ تب اس نے ناچار ہار مان لی تھی۔ جب اماں نے کہہ دیا تھا کہ اب وہ انہیں یا ان کی بات کو بھلا کیوں کچھ گرداننے لگا ظاہر ہے اب اس کے نزدیک ان کی اہمیت ہی کہاں ہے۔'' تب کتنا جھنجلا گیا تھا وہ اور بے بس نظر آنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے میں معافی مانگ لوں گا ان سے اب خوش ہیں آپ؟'' وہ کتنا چڑچڑا ہو رہا تھا اور اماں اسی قدر مطمئن اور آسودہ لاریب کو اب اس نے کچن میں آن لیا تھا اس وقت وہ یہاں کھڑی سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ لاریب نے پلٹ کر دیکھا وہ اسے برہم نظروں سے گھور رہا تھا مگر یہاں آ جانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ نہ وہ اس سے خائف ہوئی نہ اعتماد متزلزل ہوا۔

''اس لیے کہ مجھے بال نہیں کٹوانے تھے۔'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا سکون تھا وہ ذرا بھی خوفزدہ نظر نہیں آ رہی تھی سکندر کا چہرہ اس صاف انکار پر بے تحاشا سرخ پڑتا چلا گیا جبکہ فشار خون بڑھتا دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔

(جاری ہے)

مجھے ہے حکم اذاں
اُم مریم

ایک مدت سے مری سوچ کا محور تُو ہے
ایک مدت سے میری ذات کے اندر تُو ہے
میں تیرے پیار کے ساحل پہ کھڑا ہوں تنہا
میری چاہت' مری الفت کا سمندر تُو ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ابراہیم احمد اور فاطمہ کو بہن بھائی کے بندھن میں دیکھ کر عباس اپنی بدگمانی پر نہایت شرمندگی محسوس کرتا ہے جبکہ دوسری طرف ابراہیم اپنی بہن کو محفوظ ہاتھوں اور مسلم گھرانے میں دیکھ کر نہایت خوش ہوتا ہے ایمان اور امامہ زبردستی لاریب کی رخصتی کی تقریب منعقد کرلیتی ہیں جبکہ سکندر کا سرد مہر رویہ لاریب کو خدشات میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ عباس فاطمہ کے ساتھ اپنی زندگی میں مطمئن ہونے کی کوشش کرتا ہے جب ہی عریشہ کا بھائی سعید احمد عباس پر دوسری شادی کے لیے دباؤ ڈالتا ہے اور اپنی بہن علینہ کا پروپوزل پیش کرتا ہے دوسری طرف عباس کے منہ سے انکار اور فاطمہ سے اس کی شادی کا سن کر شدید اشتعال میں آتے وہ نہ صرف دھمکیوں پر اتر آتا ہے بلکہ گن پوائنٹ پر فاطمہ سے بچوں کو چھین کر بھی لے جاتا ہے۔ ایسے میں عباس کا تمام غصہ فاطمہ پر اترتا ہے بچوں کے نہ ملنے پر وہ اسے زندہ نہ چھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے جبکہ فاطمہ اس صورت حال پر اپنی غلطی تسلیم کرتے نہایت اذیت کا شکار رہتی ہے۔ سکندر نہایت برہم انداز میں لاریب کو فیصلے کا اختیار سونپتے سوچنے کی مہلت دیتا ہے تاکہ اس زبردستی کے رشتے کو مزید طول دینے کے بجائے یہیں ختم کیا جاسکے جبکہ سکندر کے منہ سے یہ باتیں سن کر لاریب ششدر رہ جاتی ہے سکندر کا یہ روپ اسے تفکرات میں مبتلا کردیتا ہے۔ عباس اپنے اثر و رسوخ کی مدد سے بچوں کو چھڑانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ عریشہ کے گھر والوں کے اس رویے پر وہ انتہائی غیض و غضب کا شکار نظر آتا ہے عریشہ کی موت کے بعد بھی اس کے گھر والوں نے ایسے ہی اس کا اعتماد ریزہ ریزہ کیا تھا۔ مگر اب کے وہ تمام تعلقات ختم کرتے اپنے بچوں کو ان کی حاسدانہ نظروں سے محفوظ کرلیتا ہے۔ دوسری طرف فاطمہ کے ساتھ اس کا رویہ بچوں کے لوٹ آنے پر بھی وہی بدصورتی لیے ہوتا ہے وہ اس غلطی پر اسے معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اپنی ذات کی اس تحقیر پر فاطمہ اپنے رب سے رجوع کرتی ہے اور اپنے رب کو بھول جانے پر صدق دل سے معافی کی خواست گار بن کر ایک نئی فاطمہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جس کے دل میں اب صرف اپنے رب کی محبت ہے۔ وقاص اپنے گزشتہ رویوں پر ایمان سے معذرت کرتا ہے دوسری طرف ایمان بھی اس کے یکسر بدلاؤ کو دیکھ کر سابقہ رویوں کو درگزر کردیتی ہے۔ رخصتی کے بعد لاریب ایک نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے جس میں ہر صورت وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن پہلے ہی موقع پر سکندر کا بدلا انداز اسے بہت کچھ باور کرادیتا ہے۔ سکندر کسی طور اس کے گزشتہ رویوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہی لگتا ہے کہ آج بھی لاریب کا بدلاؤ اس کا حسب نسب بدل جانے پر صرف ایک سمجھوتہ ہے۔ لاریب کی اس تبدیلی میں اسے محبت کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔ اپنی انا کو بلند رکھنے کی خاطر وہ اسے تحقیر کا نشانہ بناتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے ضبط کو آزماتے اس کے ناروا سلوک کو خاموشی سے برداشت کرتی ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

"یہ آپ کی نافرمانی نہیں ہے، سکندر! میں اللہ کی حکم عدولی سے بچنا چاہتی ہوں، میں اللہ سے جو وعدے کرچکی ہوں ان میں یہ بھی شامل ہے مجھے یقین ہے آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔ یہ یہ معاملہ اللہ کا ہے۔" اگر وہ چند لمحوں کو نہ بولتی تو یقیناً سکندر کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا مگر اب وہ ساکن، متحیر غیر یقین کھڑا تھا۔ حواس جامد اور ہونٹ جیسے سل گئے تھے۔ ایک جھماکا سا ہوا تھا جیسے اور لاریب کی تبدیلی کا اسرار کھل کر واضح ہوگیا۔

سکندر وہاں سے پلٹا تو اس کا سر شرمندگی کے احساس سے جھکا ہوا تھا۔ لاریب نے اس کی خاموشی پر بے اختیار سکھ کا سانس لیا جب وہ چائے لے کر آئی سب کے ہنستے مسکراتے خوش باش چہروں میں سکندر اسے گم صم نظر آیا تھا گاہے بگاہے اس پر نگاہ ڈالتی وہ اس خاموشی کے پیچھے اصل وجہ کھوجتی رہی۔

"ارے.....ارے.....اس طرح بار بار بھابی کو کیوں گھورتے ہو، سیدھی طرح سے کرلو جو بھی بات کرنی ہے۔" سکندر کی لاریب پر اٹھتی نظر کو گرفت میں لیتا ہوا فراز یک دم شوخی بھرے انداز میں کہہ گیا جب کہ سکندر نے خفیف ہوتے رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔

"ٹائم بہت ہوگیا ہے میرا خیال ہے سونا چاہیے۔"

لاریب نے ایک نظر ڈالی، اسے سکندر کی آنکھوں کے زیریں کنارے بے تحاشہ سرخ ہوتے محسوس ہوئے فراز معنی خیزی سے مسکرانے لگا۔

"تو جاؤ، سو جاؤ، منع کس نے کیا ہے، بھابی البتہ یہاں رہیں گی ہم ایک بار پھر ان سے کافی بنوا کر پئیں گے کیوں بھابی؟" فراز نے آنکھیں نچا کر کہتے لاریب کو بھی اپنا ہمنوا کرنا چاہا تو وہ بس بے دلی سے مسکرادی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو تمہاری چاکری پر مامور کردوں گا، اٹھو لاریب۔" سکندر نے صرف کہا نہیں ہاتھ بڑھا کر لاریب کی کلائی بھی تھام لی تو وہاں اسے محبت کا بے باک مظاہرہ سمجھتے ہوئے ہر سمت ہاہو کار مچ گئی تھی۔

نیوی بلیو سوٹ میں بے تحاشا دمکتی لاریب کی رنگت سکندر کی اس حرکت پہ کندن کی مانند دہک کر جگمگاتی اسے کچھ اور بھی حسین اور دلفریب بنا گئی تھی۔

"ہوں.....ہوں چاکری کے تو بہانے ہیں ورنہ اصل مقصد تو اپنی مسز کو یہاں سے اڑانے کا تھا۔" فراز نے ہنستے ہوئے پھر ٹکڑا لگایا تو سکندر دلکشی و دل آویزی سے مسکرادیا۔

"نئی نویلی دلہن کے بغیر بیڈروم کیسے کاٹنے کو دوڑتا ہے اندازہ تو ہوگا تمہیں۔" اس فقرے میں سکندر نے فراز کو جیسے ایک ساتھ بہت کچھ جتلایا تھا اور لاریب کی جزبز کیفیت حجاب آمیز جھنجلاہٹ کو خاطر میں لائے بغیر یونہی ہاتھ پکڑے ہال کمرے سے نکال لایا تھا مگر اس کے بعد وہ ایسا اجنبی تھا جیسے لاریب سے کوئی تعلق تھا نہ ہی وہ اسے جانتا تک ہو۔

"کب سے ہے تمہاری خراب طبیعت؟" وہ باتھ لینے کے بعد واش روم سے نکلا تھا لاریب کو بیڈ پر بیٹھتے چھینکتے پا کر قدرے چونکا۔

"ابھی کچھ دیر قبل اچانک ہی زکام ہوگیا ہے۔" رومال سے ناک پونچھتی لاریب ایک بار پھر چھینکی تو سکندر نے آئینے میں سے ہی اس کی ڈبڈبائی نظروں اور سرخ ہوتی ناک کو دیکھا تھا۔

"تم صوفے پر لیٹو فلو کے جراثیم بہت تیزی سے پھیلتے ہیں اور میرا بیمار پڑنے کا موڈ نہیں۔" نخوت زدہ انداز میں کہتا وہ لاریب کو صرف خفت زدہ نہیں کر گیا تھا۔ عجیب سی یاسیت سے بھی دوچار کر گیا۔ کچھ کہے بغیر وہ بیڈ سے اٹھی تو سکی کا کاٹ دار انداز اس کے اندر وحشت بھر رہا تھا۔

(مجھ سے اتنا دور مت جاؤ سکندر حیات کہ یہ فاصلے پاٹنا میرے بس کی بات نہ رہے) صوفے پر لیٹنے کے بعد سکندر کی جانب سے کروٹ بدلتے آنسوؤں پر باندھے بند ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

عباس حیدر نے سرد آہ بھرتے تصویروں کا البم بند کر کے رکھ دیا۔ جہاں ہر سو عریشہ کے حوالے سے یادیں بکھری ہوئی تھیں۔ آج اسے بچھڑے اک سال پورا ہوا تھا

ایک سال..... کتنی صدیاں قید تھیں ان تین سو پینسٹھ دنوں میں وہ صبح سے ہی بے حد وحشت زدہ پھر رہا تھا اور لقمہ بھی کل شام سے اس کے حلق سے نہیں اتر سکا تھا۔

"صاحب فون ہے آپ کا۔" ایزی چیئر پر جھولتے بے کل سے عباس کو ملازمہ نے آ کر مخاطب کیا۔ ہاتھ میں کارڈلیس تھا جو وہ اس کی جانب بڑھائے ہوئے تھی۔

"جو کوئی بھی ہے منع کردو اسے مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔" وہ بولا تو اس کی آواز بھنچی بھنچی ہوئی تھی۔

"سر یہ آپ کی مدر کی کال ہے، بہت خفا ہو رہی تھیں مجھ پر کہ آپ کا فون کیوں بند جا رہا ہے مسلسل۔" ملازمہ کے ہکلا کر کہنے پر عباس کو ناچار فون لینا پڑا تھا۔

"السلام علیکم اماں جان۔" وہ جیسے بادل ناخواستہ بولا۔

"وعلیکم السلام بیٹے کہاں گم ہو آپ، کتنے فون کیے مگر.......!"

"خیر اماں جان؟" ان کی متوقع ناراضی کے آگے بند باندھتے ہوئے اس نے اگلی بات چھیڑی۔

"بیٹے ایمان کی صحت یابی کی خوشی میں تمہارے چاچا سائیں نے اپنے گھر میں ختم القرآن کروایا ہے رشتہ داروں کی دعوت بھی ہے۔ تم آجاؤ، دیکھو اب یہ مت کہنا کہ نہیں آسکتا لاریب کی شادی پر بھی تم شریک نہیں ہوئے بالکل مناسب نہیں ہے یہ رویہ، نئی نئی تعلق میں بحالی آئی ہے وہ لوگ سمجھیں گے تم ملنا ہی نہیں چاہتے۔" ان کے انداز سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کا انکار انہیں گوارا نہیں ہوگا عباس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"کب ہے دعوت؟" وہ بے بس سا ہوا تھا۔

"کل شام کو اور سنو بیٹے اکیلے ہی نہ چلے آنا بہو اور بچوں کو ساتھ ضرور لانا ٹھیک ہے۔" اپنی سنا کر اب وہ اس کی تائید کی بھی خواہش مند تھیں۔ عباس نے محض ہنکارا بھرا اور فون بند کر دیا وہ شام اور رات بھی گزر گئی۔ عباس صرف نماز کی ادائیگی کے لیے گھر سے نکلا تھا۔

"یہ دیا اتنا کیوں رو رہی ہے؟" اگلے دن وہ ظہر کی نماز کے بعد گھر لوٹا تو بری طرح سے بلکتی دیا کی آواز سن کر اسی سمت آ گیا جسے ملازمہ سنبھالنے میں ہلکان بلکہ بیزار نظر آ رہی تھی۔

"بچے فاطمہ میم کے بغیر نہیں رہتے ہیں سر، اسامہ بابا بھی خاصا تنگ کر کے بڑی مشکلوں سے سوئے ہیں۔"

"کیوں، فاطمہ کہاں ہے، طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟" دیا کو ملازمہ سے لیتا وہ یہی قیاس کر سکا تھا۔

"سر! فاطمہ میم اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہیں۔" ملازمہ کی فراہم کردہ اطلاع نے عباس کو ہک دک کر کے رکھ دیا۔

"کب...... اور بچوں کو چھوڑ کر؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"آج ہی، بچوں کے بارے میں تو میم نے کچھ ہدایت نہیں دی۔" ملازمہ کے جواب سے عباس کی تسلی نہیں ہو سکی۔ دیا کو چاکلیٹ تھما کر بہلانے کی کوشش کی مگر وہ مما مما کی گردان کیے جا رہی تھی۔ عباس چند منٹ میں ہی جھنجلانے لگا کچھ سوچ کر اس نے فاطمہ کا نمبر ڈائل کیا مگر اس پر جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ ابراہیم احمد سے بھی رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس کا کانٹیکٹ نمبر اس کے پاس تھا اس نے دیا کو واپس ملازمہ کے حوالے کیا۔

"جاؤ بیٹے اچھے والے کپڑے پہنو آپ کو مما کے پاس لے کر چلتا ہوں۔" دیا کا گال نرمی سے تھپتھپا کر اس نے بچی کو تسلی دی تھی اور خود سیل فون سے وہ فراز کا نمبر ملا رہا تھا۔

❁......❁......❁
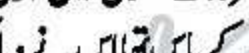
اس نے نرم مسکان کے پیچھے اپنا ہر دکھ پوشیدہ کر لیا تھا یہی وجہ تھی کہ سمعیہ کے ساتھ ساتھ ایمان بھی اس کے اندر کا بھید نہیں پا سکی۔ ابراہیم کچھ عجلت میں تھا۔ جبھی اسے اپارٹمنٹ میں سمعیہ اور ایمان کے پاس چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا سمعیہ کے انداز میں فاطمہ کے لیے بے حد محبت تھی وہ بہت پیار سے پیش آ رہی تھی۔

"مجھے اسی روز انہوں نے بتا دیا تھا جب وہ آپ سے مل کر آئے، میں خود بھی آپ سے ملنے آنا چاہ رہی تھی مگر لاریب کی شادی کی مصروفیت کی وجہ سے آنا نہیں ہو سکا

بہت اچھا ہوا آپ چلی آئیں۔ لیکن بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں، ابراہیم احمد بتارہے تھے آپ کے دونوں بچے ماشاء اللہ بہت کیوٹ ہیں۔" یہ آخری والی بات ایسی تھی جس کے متعلق فاطمہ کے پاس جواب نہیں تھا۔ جبھی اپنی جگہ پر بے چین ہوکر پہلو بدلا اور ایمان کو دیکھا جو قدرے گم صم نظر آرہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے دانستہ مسکرانے کی کوشش کی اس کالودیتا حسن اس سوگوار تاثر کے ساتھ کچھ اور بھی سحر انگیزی سمیٹ لایا تھا ایمان نے ہڑبڑا کر خود کو بامشکل سنبھالا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہو فاطمہ؟" کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے میں مخصوص بشاشت اور خوشدلی نہیں بھرسکی، فاطمہ نے مسکرا کر اس کی بات کا جواب دیا اور چند مزید رسمی باتیں کی تھیں۔

"لاریب کی بہن ہیں ایمان بھابی، اس طرح تو آپ کا ان سے ڈبل رشتہ بنتا ہے۔" سمعیہ جو پوری حقیقت سے بے خبر تھی بے تکلفی سے بولی فاطمہ کے حسین خدوخال میں خوشگواریت کا تاثر ابھر آیا یا اس نے شعوری طور پر پیدا کیا ایمان سمجھنے سے قاصر رہی، البتہ وہاں سے راہ فرار ڈھونڈنے کو یکدم اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے مردتاً ہی مسکرا کر کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے اندر کی گھٹن بڑھ رہی تھی۔

لاریب سکندر کے ساتھ خوش ہے ایمان کا یقین اس وقت بکھر گیا تھا جب بات بے بات ایمان نے لاریب کی آنکھوں کا بھیگنا اور وحشت سے بھرنا محسوس کیا تھا گم صم خاموش اور حراساں نظر آنے والی یہ وہ لاریب تو کہیں سے بھی نہیں تھی جس کی کھلکھلاہٹوں اور نازک مزاجی کے وہ سب گواہ تھے۔ اس نے صاف محسوس کیا تھا کہ وہ ایک سمجھوتے سے بھری زندگی گزار رہی ہے۔ اس جذباتیت میں اٹھائے گئے قدم کے بعد مستقل سمجھوتہ جو ناگزیر ہو چکا تھا وہ لاریب جو مزاج اور پسند کے برخلاف جوتے استعمال نہیں کرسکتی تھی اسے زندگی میں کیسے بڑے اور گھٹن سمجھوتے کی چکی میں خود کو پیسنا پڑ گیا تھا۔ ایمان سے یہ سب دیکھا نہیں جاسکا تو سکندر کے گھر سے واپس یہاں چلی آئی تھی۔ حالانکہ بابا سائیں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔

"سکندر اور لاریب نے حویلی اور میری ذمہ داریوں کو بہت بہتر طریقے سے انجام دیا ہے بیٹا، اب وہ اپنی زندگی اپنے طور پر گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔ امامہ کو میں یہاں اس لیے بلوانا نہیں چاہتا کہ تمہارے تایا جان اور تائی جان اکیلے ہوجائیں گے کہ عباس تو مستقل شہر میں ہی رہتا ہے۔ ہاں تم سے ضرور کہوں گا کہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی اس بیٹی کے ساتھ میں نے دانستہ یا نادانستہ بھی بہت زیادتی کی تھی لیکن میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرنا چاہتا آپ اپنی مرضی کا فیصلہ کرسکتی ہو۔" اور جواب میں ایمان سسکیاں دباتی ان کے بازوؤں سے لگ گئی تھی۔

"میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھاؤں گی بابا جان، وہ ذمہ داریاں جنہیں میں لاریب کے کاندھوں پر ڈال گئی تھی۔ آپ کے ساتھ بہت سارا وقت گزارنے آپ کی خدمت کرنے اور آپ کی محبتیں پانے کی میرے اندر بھی بہت پیاس ہے شرجیل سے بات کرنے اور ان کی اجازت پانے کے بعد میں مستقل آپ کے پاس آجاؤں گی۔" اور بابا سائیں نے مسکرا کر اس کا سر تھپکا تھا شرجیل سے یہ معاملہ ڈسکس کرنے کے بعد جب اس نے اجازت مانگی تو شرجیل نے اسے اپنی رضا کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار سونپ کر گویا اس کا مان بڑھا دیا تھا۔ یہاں ایمان اپنا ضروری سامان لینے ہی رکی ہوئی تھی مگر اب فاطمہ سے ہونے والا سامنا اسے بکھیرنے اور مزید توڑنے کا باعث بن گیا تھا۔

"مجھے صاف لگتا ہے بھابی، میں مذہب سے بہت دور ہوں، یہاں آنے کا مقصد ہی بھائی سے گائیڈنس لینا ہے سچ پوچھیں تو مجھے ابھی صحیح سے نماز بھی پڑھنی نہیں آتی۔" ایمان چائے لے کر لوازمات سے سجی ٹرالی لیے اندر آئی تو اس نے فاطمہ کو کہتے سنا تھا۔ ایمان کچھ کہے بغیر

صوفے پر بیٹھ کر چائے بنانے اور دونوں کو پیش کی۔

"جزاک اللہ امی باجو۔" ایمان نے چائے کا مگ اس کی جانب بڑھایا تو اس نے بہت پیاری سی مسکان سے اسے نوازا تھا ایمان اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ کتنی حسین تھی وہ، لمحوں میں دل جیت لینے کی صلاحیت سے مالا مال۔ اسے یقین ہوا اگر اس نے مزید ایسی ہی چند مسکراہٹوں سے اسے نوازا تو وہ لمحوں میں پگھل جائے گی تو کیا اس لیے عباس اتنا دیوانہ ہوگیا اس کا؟" وہ سوچتے ہوئے گم صم ہوگئی تھی۔

"ہمارا بہت کم وقت ایک ساتھ گزرا ہے، میں ہمیشہ ممی کے پاس رہی جبکہ بھائی ڈیڈ کے ساتھ ہوتے تھے میں تو کبھی کبھار ڈیڈ کے پاس چلی جاتی تھی مگر بھائی کبھی انڈیا نہیں آئے اس کے باوجود ہماری بہت اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی بھائی بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔" وہ کتنے مان و یقین سے کہہ رہی تھی۔

"آپ لنچ میں کیا لیں گی فاطمہ، مجھے بتادیں میں وہی بنالیتی ہوں۔" مزید کچھ دیر کی گفتگو کے بعد سمعیہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تھنک اسپیشل بھابی پلیز، جو کچھ پکا ہے میں وہی کھالوں گی آپ میرے پاس بیٹھیں نا اور مجھے بتائیں آپ کی شادی بھائی سے کیسے ہوئی۔" فاطمہ کے چاہت بھرے انداز میں کچھ ایسا اشتیاق تھا جس نے سمعیہ کو گلنار کردیا۔ وہ سرخ پڑی اور ایک نظر ایمان کو دیکھا۔

"یہ سب ان کے شوہر نامدار کا کارنامہ ہے، انہی کے دوست ہیں آپ کے بھائی، بس پھر ہوگئی شادی۔" سمعیہ جاننے کے باوجود بھی فاطمہ کے آگے وہ تفصیلات نہیں رکھ سکی جسے اپنے والدین اور دیگر فیملی ممبرز کے سامنے فخر سے دہرانے پر اسے ملامت کے نشتر اپنے جسم و روح پر سہنے پڑے تھے۔

ان کے نزدیک گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی جو حیثیت تھی وہی سمعیہ کی حیثیت تھی اس کے ان سے ملنے اور ان کے ہاں جانے پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ لاریب اور سکندر کی شادی کی تقریب میں تاؤ جی نے ابراہیم احمد کو دیکھ کر ایک ہنگامہ برپا کردیا تھا۔ ان کے نزدیک یہ سراسر بے حیائی کا مقام تھا کہ وہ لونڈا اٹھ کر کھلے عام ان کے گھر میں دندناتا پھرے جوان کی لڑکی کو در پردہ بھگانے کا باعث بنا تھا۔ شرجیل کے وضاحت وصفائی میں دیے گئے بیان بھی سمعیہ پر عائد جرائم مٹانے میں ناکام رہے تھے۔

"یہ آپ کا گھر نہیں ہے تاؤ جی جہاں آپ کے اندھے قوانین چلیں گے، یہاں ابراہیم احمد کی اتنی ہی عزت ہے جتنی ایک گھر کے داماد کی ہونی چاہیے، مجھے ہرگز پسند نہیں کہ آپ ابراہیم صاحب کے لیے اس طرح گرج کر بات کریں۔" سکندر کے برہم انداز پر تاؤ جی چپ تو ہوگئے تھے مگر ناگواری اپنی جگہ پر قائم ودائم رہی تھی۔ ابراہیم احمد اپنی وجہ سے ہرگز بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ جبھی وہاں سے جانا چاہ رہا تھا مگر شرجیل نے اسے زبردستی روک لیا۔

"نہیں ابراہیم احمد، تم یہاں سے اکیلے نہیں جاؤ گے، اس لیے کہ سمعیہ سے شادی تم نے اپنی پسند سے نہیں میری خواہش کے احترام میں کی تھی تاؤ جی اگر ابراہیم احمد اور سمعیہ کے لیے یہاں جگہ نہیں ہے تو میں بھی یہاں نہیں رکوں گا نہ کبھی پلٹ کر یہاں آؤں گا۔ سمعیہ میری بہن اور ابراہیم احمد میرا قابل احترام دوست ہے۔" شرجیل کا غصہ اس پل نقطہ عروج پر تھا۔ وہ اس بات پر نالاں تھا کہ تاؤ جی نے اپنی فطرت کا شر پھیلا کر اچھا بھلا ماحول مکدر کر کے رکھ دیا تھا۔

"شرجیل! آپ یہاں سے نہیں جاؤ گے، ابراہیم صرف آپ کے لیے نہیں ہم سب کے لیے اتنے ہی قابل احترام ہیں جنہیں ان کی یہاں موجودگی پسند نہیں انہیں کھلی آزادی ہے، جانے کی۔" سکندر جو ضبط اور برداشت کا دامن بہت کم چھوڑتا تھا اس پل بے حد طیش میں آچکا تھا۔ البتہ ابراہیم کو اس کے بات کرنے کا انداز پسند نہیں آسکا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی سکندر بھائی، کنٹرول یور سیلف۔ بزرگوں کے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرتے۔" اس کا بات کرنے کا مخصوص نرم خو انداز تھا۔ پھر یہ ابراہیم احمد کا تحمل اور اعلیٰ ظرفی تھی کہ بگڑا ہوا معاملہ بتدریج سلجھنے لگا تھا ابراہیم

احمد نے خود آگے بڑھ کر تائی جی سے معذرت کی تھی اور سکندر و شرجیل کے سخت رویوں پر انہیں سمجھانے کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔

"یار اس قسم کے لوگوں کے ساتھ نرمی و رسان کا فائدہ ہی نہیں ہے۔" شرجیل ابراہیم کے تحمل و بردباری کے آگے پہلی بار جھنجلاہٹ کا شکار نظر آیا تو ابراہیم احمد نے جواباً اسے اسی نرمی و ملائمت سے ٹوکا۔

"یہ بہت غلط طریقہ ہے شرجیل بزرگوں کے متعلق بات کرنے کا دوسری اہم بات یہ کہ کسی کی برائی کو دیکھ کر اگر آپ خود بھی اچھائی کا دامن چھوڑ دیں گے تو اچھائی کا فقدان ہوتے ہوتے خاتم ہو جائے پھر آپ میں اور برائی کرنے والے میں فرق بھی کیا رہ جائے گا۔ بلکہ گہرائی سے سوچا جائے تو برائی کو دیکھ کر اچھائی سے دستبردار ہو جانے والے کا درجہ تو برائی پر قائم رہنے والے سے بھی کم تر سطح پر نظر آئے گا۔ کیونکہ ضروری نہیں برائی والا علم والا بھی ہو آگہی سے فیض بھی پا چکا ہو مگر اچھائی والے کو اللہ نے علم کی دولت سے ہی نہیں عمل کی سعادت سے بھی نوازا ہے، پھر بعد میں اگر ایسا رویہ اختیار کیا جائے تو خدا ہم سے راضی رہے گا؟" وہ سوال کر رہا تھا اور شرجیل خفت زدہ کھڑا رہ گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ابراہیم احمد ہمیں کبھی بھی کسی کو نچلے درجے کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ اچھی سوچ بہتر عمل ہماری ذاتی خوبی و کارکردگی نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کی عطا ہے اسی کا کرم ہے۔" شرجیل نے اپنی غلطی تسلیم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور ابراہیم احمد بے ساختہ مسکرانے لگا تھا۔

"بالکل امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ سب انسان مردہ ہیں زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں۔ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔ تمام عامل والے گھاٹے میں ہیں فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں۔ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں صرف وہ کامیاب ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔"

"تو شرجیل احمد کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ابھی تو ہمیں خود اپنے سدھار کے لیے بہت ریاضت و محنت درکار ہے۔" وہ جب بات کر رہا تھا سمعیہ نے ایک ایک حرف سنا تھا اور جیسے مبہوت ہو کر رہ گئی تھی اسے لگا تھا فاطمہ کا یہاں آنا اور ابراہیم احمد کی محبت میں علم کی دولت حاصل کرنا بالکل درست فیصلہ ہے کال بیل کی آواز ابھری تو ایمان معذرت کرتی اٹھی تھی مگر چند لمحوں کی تاخیر کے بعد وہ پھر واپس آ گئی۔

"فاطمہ عباس بھائی آئے ہیں۔" یہ اطلاع ایسی تھی جس پر تمام تر غیر یقینی کے باوجود فاطمہ کا دل اتنی شدت سے دھڑکا کہ اس کی آواز فاطمہ نے خود سنی۔

"عباس......!" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی ایمان اور سمعیہ نے دیکھا ایک لمحے میں جیسے اس کے چہرے پر ہزاروں بلب روشن ہوں لیکن ساکت و سامن ایسے کھڑی تھی جیسے خود بھی اس بات کا یقین نہ آیا ہو اگلے لمحے وہ کانپتی ٹانگوں اور تمتماتے چہرے کے ساتھ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی تو اس کے روئیں روئیں میں انوکھی ترنگ اور سرمستی پھیلتی چلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز میں ایک جوش و خروش اور بھرپور زندگی کا احساس تھا۔ عباس پر اس نے محض ایک نگاہ ڈالی تھی پھر اس کی لرزتی پلکیں جھک گئیں۔ اندر ایسا سکون واطمینان پھیلا تھا جیسے کہ گم شدہ چیز کے مل جانے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ تب ہی عباس اس کی جانب متوجہ ہوا دونوں بچے ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں باپ کو چھوڑ کر فاطمہ کی جانب لپکے تھے۔

"بنا بتائے منہ اٹھا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، وہ بھی بچوں کو چھوڑ کر۔" وہ بری طرح تپا ہوا تھا۔ اندر کا وہ سارا غصہ اس نے لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر فاطمہ پر نکالا جس کوفت سے وہ پچھلے چند گھنٹوں کے اندر گزر رہا تھا۔ اس نے فاطمہ پر جو نگاہ ڈالی تھی وہ بے حد سنگین تھی۔ چہرے پر ایسا قہر اور تلخی و درشتی تھی کہ فاطمہ لمحہ بھر میں سرد پڑنے لگی۔ اسے اپنی اس بے اختیاری و کمزوری پر طیش سا آیا۔ جس کا مظاہرہ ابھی اس کا دل کر چکا تھا۔ تو یہ طے پایا تھا کہ ابھی بھی عباس کی صرف ایک معمولی سی کوشش اس کے دل و دماغ اور پورے وجود کو زیر و زبر کر سکتی تھی۔ یعنی وہ آج بھی اس پر اسی

شاہانہ انداز میں حکمران تھا وہ یعنی عباس حیدر۔ جبکہ وہ اللہ کی خاطر اس شخص سے پلٹ آنا چاہتی تھی اس کی اجارہ داری اس کی حکومت سے نکل جانا چاہتی تھی کیا وہ ایک بار پھر اس جرم کی مرتکب ہونے جارہی تھی جو اس سے بارہا مرتبہ نادانی میں جنون اور دیوانگی میں سرزد ہوتا رہا تھا؟

"نہیں۔" اس نے وحشت زدہ انداز میں خود اپنی سوچ کی نفی کی اور بچوں کو اپنی گود سے اسی وحشت بھری کیفیت میں نکال دیا وہ پہلے بے وقوف تھی لاعلم تھی جنونی تھی اب وہ باشعور تھی لاعلم بھی نہیں تھی اور جنون...... اس شخص سے وابستہ اب ہر جنون ختم ہوجانا چاہیے تھا اس نے صرف سوچا نہیں فیصلہ بھی کرلیا۔

"اٹھو، ابھی چلو میرے ساتھ، مس فاطمہ تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ میری زندگی میں میرے گھر میں انہی بچوں کی بدولت جگہ ملی تھی۔ اس ذمہ داری سے کوتاہی برداشت نہیں کرسکتا ہوں میں۔" عباس اس کی سوچوں، اس کے فیصلے سے لاعلم تھا جبھی اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کررہا تھا اس کا لہجہ پھنکار زدہ تھا۔ مگر اس نے خود کو سنبھالے رکھا وہ اب کسی قیمت پر ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ جبھی اس نے یکسر بدلے انداز اور لہجے میں کہا۔

"مجھے کچھ دن یہاں رہنا ہے، بھائی کے ساتھ۔" اس نے پہلے عباس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی پھر مدہم مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ اب وہ اپنے دل کو اپنے پیروں تلے کچلنے کا عزم رکھتی تھی۔ اس دل کے ہاتھوں بہت خواری سہہ لی تھی اب اور نہیں، عباس بھونچکا رہ گیا مگر اگلے لمحے وہ پھٹ پڑا تھا۔

"بکواس بند کرو فاطمہ، انکار کی ہمت بھی کیسے ہوئی تمہیں، اپنی اوقات بھول گئی ہو کیا تم؟" وہ سراپا قہر و غضب تھا۔ فاطمہ کی رنگت چوکھٹ پر کھڑے ابراہیم احمد کو پاکر ہی متغیر ہوئی تھی اور کچھ نہ سہی مگر وہ عباس کی آخری پھنکار ضرور سن چکا تھا۔ ایسی ذلت...... وہ بھی برسوں بعد ملنے والے ہر معاملے سے انجان بھائی کے سامنے فاطمہ کو جیسے زمین میں گاڑھ کر رکھ گئی تھی اور بے مائیگی کا احساس نمی بن کر اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔

"السلام علیکم، کیسے ہیں عباس صاحب، فاطمہ جاؤ بیٹا اپنی چادر لے آؤ۔" ابراہیم احمد سب کچھ سن لینے کے باوجود اسی تحمل و رسان سمیت کہتا عباس سے ملا تھا جو اس کے مزاج اور طبیعت کا خاصہ تھا فاطمہ دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکلی تھی۔ جبکہ عباس بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدل کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"آپ جتنی بھی جلدی میں ہیں مگر چائے پیے بغیر میں ہرگز آپ کو جانے نہیں دوں گا۔" اسامہ کو گود میں لے کر پیار کرتا ہوا ابراہیم عباس کے مدمقابل بیٹھ گیا۔ عباس اس کی غیر متوقع اچانک آمد سے صرف بے زار ہی نہیں جز بز اور خائف بھی ہوا تھا کہ اس چپقلش کے متعلق فاطمہ کے بھائی ہونے کے ناطے اس کے سوال جواب سے گریزاں تھا ابراہیم احمد کے اتنے نارمل انداز پر بے ساختہ ٹھٹک کر اسے بغور تکنے پر مجبور ہوا۔

چھوٹی چھوٹی ریشمی سنہری داڑھی، سنہری سی آنکھیں اور بے تحاشا سرخ و سفید رنگت کا مالک مضبوط و توانا سراپا اور مخصوص لباس۔ وہ وجاہت خوبروئی اور مردانہ دلکشی کا شاندار بے مثال نمونہ لگتا تھا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی تمکنت وقار اور جاذبیت تھی کہ عباس کو اپنا سارا تناؤ زائل ہوتا محسوس ہوا۔

"بہت شکریہ آپ کا ابراہیم احمد میں کچھ جلدی میں ہوں تو......!"

"چائے بالکل تیار ہے آپ کو پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے ویسے میں شرمندہ ہوں بنا آپ کی اجازت کے فاطمہ کو لے آیا غلطی فاطمہ سے بھی ہوئی اسے آپ کی......!"

"اٹس او کے۔" بنا غلطی و قصور کے ابراہیم احمد کی معذرت اسے اتنا خفت زدہ کرچکی تھی کہ وہ مداخلت کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ ابراہیم احمد کی اعلیٰ ظرفی کا بے مثل ثبوت تھا جو اس پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ جبھی اس نے اپنے رویے کے ازالے کے طور پر اس کی وضاحت ضروری

خیال کی تھی اس کے باوجود کہ یہ اس کے شاہانہ مزاج کا حصہ کبھی نہیں رہا تھا۔

"دراصل مجھے فاطمہ اور بچوں کو ہمراہ لے کر اپنے پیرنٹس کے پاس گاؤں جانا ہے ارجنٹ، فاطمہ بھی اس پروگرام سے آگاہ نہیں تھیں گاؤں سے واپسی پر میں خود فاطمہ کو آپ کے پاس کچھ دن قیام کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔" اس کا لہجہ وانداز معذرتی تھا۔

"ضرور، مجھے خوشی ہوگی۔" عباس کے اٹھنے پر ابراہیم احمد نے الوداعی مصافحہ کیا فاطمہ وہاں آچکی تھی۔

"مجھ سے ملنے آتے رہیے گا بھائی، مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔" جس لمحے ابراہیم نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی اس کے شانے سے لگ کر آنسو بہانے میں کچھ ایسی مصروف ہوئی تھی کہ ابراہیم احمد بھی بوکھلا گیا تھا۔

"ارے رے خود کو سنبھالو، دو بچوں کی اماں بن کر بھی تم ایسے رو رہی ہو جیسے شادی کے بعد پہلی بار رخصت کر رہا ہوں تمہیں۔" ابراہیم احمد کا لہجہ بظاہر جتنا بھی خوشگوار سہی مگر اس کی سحر طراز سنہری آنکھوں میں اضطراب صاف کروٹیں لیتا نظر آیا تھا۔ یہ وہی اضطراب تھا جو ایک بھائی کو بہن کی گرہستی کے غیر پائیداری کے یقین کے بعد گھیرتا ہے۔ عباس کی ڈانٹ اور فاطمہ کے بہتے آنسو صاف ظاہر تھا اندر کوئی نہ کوئی کہانی ضرور تھی۔

"مما کیوں رو رہی ہیں، پاپا؟" اسامہ نے بے قرار ہوتے باپ سے پوچھا۔ عباس نے ایک پرتپش نگاہ ہنوز ابراہیم کے ساتھ لگی کھڑی آنسو بہاتی فاطمہ پر ڈالی اور گہرا سانس بھرا۔ ابراہیم نے ہی بچوں کی پریشانی کا احساس دلا کر فاطمہ کو سنبھلنے پر اکسایا۔

"میرے خیال میں کسی کا ہاتھ پکڑ کر مشکل وقت میں ساتھ نبھانے کا عہد کر کے اس سے بے پروائی برتنا بالکل مناسب بات نہیں ہوتی۔" جس وقت ابراہیم احمد پارکنگ میں موجود ان کی گاڑی میں انہیں بٹھا کر الوداع کہہ کر خود چلا گیا عباس نے ترچھی نگاہ سے فاطمہ کو تکتے بالخصوص کہا اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ لہجہ گمبھیر تھا جس میں فاطمہ کو ہلکے سے شکوے کی جھلک بھی محسوس ہوئی تھی۔ فاطمہ جو رخ پھیرے ہوئے تھی جہاں کی تہاں رہ گئی اس نے بے اختیار گردن موڑی، عباس اس کی جانب متوجہ تھا اس وقت اس کی نظروں میں وہ مخصوص سختی تھی نہ کھردرا پن۔

"بچوں کی ذمہ داری کو تم نے بخوشی قبول کیا تھا میں نے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا تم پر۔" اس کی حیران نظروں کے جواب میں عباس نے گویا اس پر اپنی بات کی وضاحت کی اس کا لہجہ نرم تھا فاطمہ نے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا وہ اس کے لہجے کی نرمی میں کھونے لگی جو آج خصوصیت سے محسوس ہو رہی تھی وہ سرد پن، وہ سپاٹ وخشک انداز لیا دیا اسلوب غرض نہ رکھنے والی بے پروائی۔ بےگانا تیور جو اس کے مزاج کی پہچان تھے مگر اس وقت سب کچھ نیا تھا انوکھا تھا اس کی نظروں میں ملائم کیفیت تھی۔ یہی اپنائیت یہی دل آویزی اسے پھر سے گھیرنے پھر سے جکڑنے کا باعث بننے لگی۔ مگر اب وہ اس دام فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

"مسلمان ہونے کے بعد مجھ پر صرف حقوق العباد نبھانے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوئی میں اللہ کے حقوق کو بھی بااحسن نبھانے کی خواہش مند ہوں اور یہ اس صورت ممکن ہو سکے گا اگر میں اس کے متعلق معلومات حاصل کروں، بھائی کے پاس آنے کی اہم وجہ یہی تھی۔" وہ پہلی بار عباس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اتنے مضبوط اتنے واضح اور مدلل انداز میں گویا ہوئی تھی کہ عباس پہلے حیران ہوا پھر نرمی سے مسکرانے لگا۔

"میں نے آپ کو منع نہیں کیا، مگر آپ کو بتانا چاہیے تھا مجھے اور بچوں کو ساتھ لے جاتیں۔" جبکہ عباس کی بات کے جواب میں فاطمہ کے چہرے پر زہر خند سا پھیل گیا تھا۔

عباس اسے اور بچوں کو گھر کے گیٹ پر اتار کر خود کسی کام سے چلا گیا مگر فاطمہ کی سوچیں ہنوز اپنی جگہ پر قائم و دائم تھیں۔

٭......٭......٭

ختم القرآن کی مقدس محفل اپنے اختتام کو پہنچی تو اس

کے بعد دعا مانگی گئی۔ مردوں کا انتظام مردانے میں تھا جبکہ خواتین کی طرف کا سارا انتظام ایمان دیکھ رہی تھی۔ فاطمہ کی خصوصی دعوت پر زینب بھی مدعو تھی اور اس نے واعظ بھی کیا تھا زینب سے مل کر سب سے زیادہ امامہ خوش نظر آتی تھی۔

کھانے کے بعد جب چائے کا دور چلا تو مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے تب ہی سکھاں بابا سائیں کے پیغام کے ساتھ چلی آئی۔

"بی بی صاحبہ بڑے سائیں آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"ہاں آرہی ہوں۔" ایمان نے چائے کا مگ واپس رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کے اصرار پر لاریب اس کے ساتھ ہوئی تھی کہ ایمان اکیلی وہاں جاتے گھبراہٹ محسوس کررہی تھی۔ جیسے ہی وہ دونوں ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچیں اسی لمحے سکندر باہر نکلا تھا آف وائٹ کلر کے نفیس کڑھائی کے شفون لباس میں سلیقے سے اوڑھے دوپٹے میں لاریب کا بیلے کی کلیوں سے بھی نازک سراپا اپنی تمام تر جاذبیت اور دلکشی کے ساتھ اتنا مکمل نظر آرہا تھا کہ اس پر اٹھی سکندر کی نظر واپسی کا راستہ بھولنے لگی۔

"اندر کون کون ہے سکندر؟" ایمان نے اسے دیکھ کر استفسار کیا۔

"سب ہیں، قابل احترام عباس حیدر سمیت۔" سکندر نے بے حد سنجیدگی سے کہتے جس طرح لاریب کو دیکھا تھا وہ یکدم کنفیوز ہوگئی تھی۔

"آپ ذرا میری بات سنیں۔" سکندر نے صرف کہا نہیں ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی بھی پکڑی تو لاریب نے گڑبڑا کر ایمان کو دیکھا جو نظر اندازی کا تاثر دیتی آگے بڑھ کر اندر داخل ہوگئی تھی۔

"میں ہرگز نہیں چاہتا ان دونوں بھائیوں کی موجودگی میں تم وہاں جاؤ، صرف ابھی نہیں، کبھی بھی ان سے تمہارا سامنا پسند نہیں کروں گا۔ یہ بات بہتر ہے کہ تم اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھالو کیا بہتر ہوتا کہ جو وعدے تم نے اللہ سے کیے ان میں اس اہم بات کو بھی شامل کرلیتیں۔" ایمان کی نگاہ سے اوجھل ہوتے ہی وہ اس کا بازو چھوڑ کر تحکمانہ انداز میں کہتا آخر میں طنز بھی سمیٹ لایا تھا۔ لاریب کی رنگت پہلے متغیر ہوئی تھی پھر پھیکی پڑتی چلی گئی ایک لفظ کہے بغیر اس نے ہونٹوں کو بے دردی سے کچلا تھا۔ سکندر اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کرتا خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا دوسری جانب نکل گیا۔ لاریب کے واپسی کو اٹھتے قدموں میں کرب اور ملال لپٹا ہوا تھا۔ اسے سکندر کا یہ اجنبی بے گانہ رویہ کند چھری سے کاٹتا تھا مگر وہ شاکی نہیں ہونا چاہتی تھی اسے وہ سب بھی یاد تھا جو اس نے سکندر کے ساتھ کیا تھا۔ وہ بہتے آنسو پونچھتی واپس زنان خانہ کی طرف چلی گئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
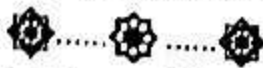
عباس اماں جان کے کمرے میں آیا تو دیا کو ان کی گود میں لیٹے دیکھ کر چونکا۔

"بیٹی تو تمہاری سوگئی، اسے لے جانا اب کمرے میں مما مما کی گردان کرتے بڑی مشکل سے سوئی ہے۔ دونوں بچے ماں کے ہی زیادہ عادی ہیں۔ فاطمہ پر بہت ذمہ داریاں عائد کردی ہیں تم نے بیٹا گھر میاں بیوی کی باہم ذمہ داری اور توجہ کا متقاضی ہوتا ہے۔" اماں جان دیا کو نرمی سے بستر پر لٹاتیں اسے سمجھانے لگیں۔ عباس نے بھنوئیں اچکا کر انہیں دیکھا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اتنے چھوٹے جڑواں بچوں کو سنبھالنا اور دیکھ بھال کرنا جان جوکھم میں ڈال دیتا ہے حوصلہ ہے بچی کا اتنی کم عمری میں ماں بنی اور بچوں کو ایسے سنبھالتی ہے جیسے پتا نہیں کتنا تجربہ ہو اس کام کا۔ دراصل بہت محبت ہے بچوں سے۔" اماں جان فاطمہ کے انداز واطوار سے صرف مطمئن ہی نہیں بے حد خوش بھی نظر آرہی تھیں۔ عباس پتا نہیں کس جذبے سے خائف ہوتا جز بز نظر آنے لگا۔

"ہر ماں اولاد کی کیئر کرتی ہے اماں جان کیا وہ کچھ انوکھا کررہی ہے؟" اس کا انداز ایسا تپا ہوا تھا کہ اماں جان نے چونک کر اسے دیکھا پھر رسانیت سے ٹوکا۔

"ہر ماں ایسی نہیں ہوتی عباس بیٹے زیبی کو تم نے دیکھا ہے بچوں کی پروا تک نہیں کرتی یہاں آئی ہے تو ملازمہ ساتھ ہے۔" ان کا انداز شاکی تھا عباس یوں نظریں چرا گیا

جیسے بری طرح لاجواب ہوگیا ہو۔

"تم کیا فاطمہ سے خفا ہو کسی بات پر؟" ان کے سوال پر عباس صرف چکرایا نہیں تھا پریشان ہوکر انہیں تکنے لگا۔ ایسے جیسے ان کے چہرے سے اصل بات کھوجنا چاہتا ہو اچھی خاصی خائف نظریں تھیں۔

"یہ بات کیوں کہیں آپ نے؟" اس کے محتاط قسم کے سوال میں کتنے خدشے تھے اماں جان مسکرا دیں۔

"اس لیے کہ جو لڑکا اپنی پسند سے کسی لڑکی سے شادی کرتا ہے وہ اتنی جلدی اس سے اتنا لاتعلق اور بے نیاز نظر نہیں آتا جتنا تم اس سے لگتے ہو، بیٹا! فاطمہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح نہ تو فیشن کی شوقین ہے نہ ہی ہنس مکھ اور شوخ لگتی ہے مجھے تو وہ ہر بار سہمی ہوئی اور گم صم سی لگی کوئی تو مسئلہ ہے نا، کہیں تمہیں اب کوئی اور لڑکی تو پسند نہیں آگئی؟" اماں جان کا آدھا قیاس بالکل درست تھا اذیت میں مبتلا کردینے والا تھا وہ ہونٹ بھینچتا ہوا نظریں چرا گیا۔ اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی اس موقع پر اپنے ساتھ فاطمہ کا بھی پردہ کیسے قائم رکھے۔

"آپ کو مغالطہ ہوا ہے اماں جان، ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے، اب میں اٹھارہ بیس سال کا نوعمر لڑکا تو ہوں نہیں جو سرعام عشق و عاشقی کا مظاہرہ کرتا پھروں فاطمہ کا مزاج بھی کچھ سنجیدہ ہے دوسرے وہ بھی بچوں کی وجہ سے بہت مصروف رہتی ہے۔" محض ان کی تسلی کی خاطر عباس کو ٹوٹے پھوٹے جملوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ اماں جان جو اسے بغور دیکھ رہی تھیں اس کا کاندھا تھپک کر مسکرانے لگیں۔

"ایسی کوئی بات اگر ہے بھی بیٹے تو تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تم اب صرف شادی شدہ ہی نہیں ہو دو بچوں کے باپ بھی بن چکے ہو، فاطمہ کا خاص طور پر خیال رکھا کرو، بچوں کو لے جاؤ، نماز پڑھ لی ہوگی اس کی ماں نے۔" اماں جان نے نصیحت کرتے ہوئے دیا کو اسے تھما دیا۔ عباس اپنے بیڈروم میں آیا تو فاطمہ موجود نہیں تھی دیا کو بستر پر لٹانے کے بعد وہ سگریٹ سلگاتا بالکنی کا دروازہ کھول کر ٹیرس پر آگیا حویلی کے باغ کی آرائشی لائٹس روشن ہوچکی تھیں۔ اس کی نظریں سرسبز چمکتی گھاس پر ابراہیم احمد کے ہمراہ سست قدموں سے ٹہلتی فاطمہ پر جا ٹھہری۔ ایک بے اختیاری کی کیفیت میں وہ کش لینا بھول کر اسے تکتا چلا گیا وہ چلتے ہوئے رکی تھی اور اپنا سر ابراہیم احمد کے کاندھے سے ٹکا دیا۔

ابراہیم کچھ کہتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ عباس نے جلتی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ کیا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر کمرے میں آگیا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تھی اس میں قابل گرفت بات کوئی بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود عباس کے اندر طیش بڑھتا جارہا تھا اگلا آدھا گھنٹہ مسلسل ٹہل کر اس نے اس کا لحہ لحہ انتظار کیا تھا اور اپنا خون جلایا تھا جبھی فاطمہ کے آنے پر وہ خود پر اختیار کھو بیٹھا۔

"مل گئی تمہیں فرصت اپنے بھائی سے لگائی بجھائی کرکے یہاں آنے کی۔" اس وقت بھی فاطمہ کی پلکوں پر نمی کا احساس تھا اس کا فشار خون بڑھا چکا تھا۔

"بچے کیسے ہیں کس حال میں ہیں تمہیں اس سے کیا غرض بھلا، ہے نا؟" وہ پھنکارا اور فاطمہ نے گہرا متاسفانہ سانس بھر کے سر جھکا۔

"میں بچوں کے ساتھ ہی تھی تھوڑی دیر ہوئی مجھے بھائی کے پاس گئے ہوئے۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ ہر قسم کی گھبراہٹ سے پاک تھا۔ اعتماد سے بھرپور کسی خوف سے بے نیاز عباس کو اسی یکسر تبدیل انداز و اطوار نے حیران کیا تھا۔ وہ حیرانی سے نکلا تو آگ بگولہ ہونے لگا۔

"بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری، تم کیا سمجھتی ہو تمہارا بھائی آگیا ہے تو بہت طاقت آگئی ہے تم میں، اب مقابلہ کروگی تم میرا؟" عباس کچھ ایسے بھرا تھا کہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی پکڑ کر بے حد طیش کے عالم میں اسے اپنے مقابل کیا۔ فاطمہ نے حسب سابق خائف ہوئے بغیر کچھ دیر بے حد عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر کسی قدر سرد مہر انداز میں اس کے اپنے کاندھے پر جمے مضبوط ہاتھ ہٹا دیے۔

"میں انسانوں پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کی حماقت سے

نکل آئی ہوں حیدر عباس صاحب مجھے نماز پڑھنی ہے جانے دیں مجھے۔" اس کے تاثرات کی طرح اس کا لہجہ و انداز بھی سرد تھا۔ عباس حیدر تو صحیح معنوں میں دم بخود ہو گیا۔

۞......۞......۞

سکندر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا رسٹ واچ کلائی پر باندھ رہا تھا جب اس نے کمرے کی چیزوں کو ترتیب دیتی لاریب کو منہ پر ہاتھ رکھے واش روم کی سمت بھاگتے دیکھا۔ سکندر کے ہاتھ اسی زاویے پر ساکن ہوئے تھے۔ اس نے بھنویں اچکا کر گردن موڑی، واش روم کے کھلے دروازے سے وہ واش بیسن پر جھکی نظر آئی تھی اور قے کرتے ہوئے حال سے بے حال بھی۔

سکندر نے بے اعتنائی کے بھرپور تاثر کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدلا اور اپنی تیاری مکمل کرنے لگا۔ لاریب کچھ توقف سے نڈھال سی کمرے میں لوٹی تو سکندر کو وہاں نہ پا کر ایک یاسیت بھرا احساس اس کے اندر گھر کرتا چلا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اس کی حالت اور کیفیت سے لاعلم رہا ہو مگر اس کے باوجود اتنی نظر اندازی اور کٹھور پن درد میں اضافے کا باعث بنتا تھا اس وقت بھی اس کی آنکھیں پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھیں۔

"لاریب...... جلدی آؤ بھئی...... ناشتہ بالکل ریڈی ہے۔" ایمان نے دروازہ تھپتھپا کر باہر ہی سے آواز لگائی تھی۔ لاریب نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔

"میرا ناشتہ یہیں بھجوادیں باجو۔"

"ہائیں وہ کیوں؟ ایسے مواقع روز روز تھوڑی آتے ہیں، سب جمع ہیں آ جاؤ شاباش۔" ایمان اس کی بات سن کر ہی اندر آئی تھی۔ لاریب نے سر جھکا لیا تھا۔ مزید انکار کا مطلب اسے مشکوک کرنا تھا۔ وہ کم از کم اب اسے مزید اپنی وجہ سے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آپ چلیں، میں آتی ہوں۔" اور ایمان مطمئن ہونے کا تاثر دیتی پلٹ کر چلی گئی۔ لاریب وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ روی سے باہر نکل آئی۔ اپنے دھیان میں سیڑھیاں اترتے وہ ایک دم کسی کے سامنے آ جانے پر بری طرح ٹھٹکی وقاص بھی کتنا حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں لاریب؟" وقاص کے شائستہ و مہذب انداز میں خلوص کی چاشنی تھی مگر لاریب کو اسے روبرو پانا ہی برزخ میں دھکیل گیا تھا پھر وہ اس کے اپنے آگے احتراماً جھکی نگاہیں ہوں یا پھر لب و لہجے کی تبدیلی پر غور کیسے کر سکتی تھی۔

"میرا راستہ چھوڑو، یہ میری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ بچاؤ کی ہزار کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں تم سے ٹکراؤ ضرور ہو جاتا ہے لیکن بہتر ہوگا کہ تم ایسی صورت میں مجھ سے کلام نہ ہی کیا کرو۔" ناگواری و سرد مہری چھلکاتا انداز وقاص حیدر کا چہرہ متغیر کر کے رکھ گیا۔

"میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں اور آپ سے معافی......!"

"ایسا سوچنا بھی مت وقاص حیدر کہ میں معاف کر دوں گی تمہیں۔" اس کی بات کاٹ کر وہ بے حد درشتی و نفرت سے پھنکاری، وقاص حیدر کا چہرہ دھواں ہونے لگا۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں لاریب اور جانتا ہوں جب تک آپ معاف نہیں کرو گی اللہ بھی......!" وقاص جیسے روہانسا ہوتا بات ادھوری چھوڑ گیا۔ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی اور نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں جن پر طنزیہ نگاہ ڈالتی وہ کاٹ دار انداز میں بولی تو لہجے میں از حد حقارت سمٹ آئی تھی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم بدل گئے ہو، یہ چکر تم امامہ کو تو دے سکتے ہو مگر مجھے نہیں، میں جانتی ہوں کتے کی دم سو سال تک بھی نلکی میں رہے تو بھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔" معاً اس کی نگاہ ہال کمرے کے دروازے میں کھڑے سکندر پر پڑی تو وہ سب کچھ بھلائے اس کی جانب لپکی مگر سکندر تنفر زدہ انداز میں اسے کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے راہداری کا موڑ مڑ گیا۔ اس کے پیچھے بھاگ کر آتی سٹپٹاتی سی لاریب کی آنکھوں میں جیسے یکدم گھپ اندھیرے چھا گئے تھے سکندر کو وہاں سے جاتے پا کر جبھی بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔

"ارے دھیان سے، سب خیریت ہے نا؟" اسے پکڑ کر سہارا دینے والی ایمان تھی جس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں اس کے لیے کتنی تشویش تھی۔ لاریب نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی اور پھیکی مسکان کے ساتھ راہداری کو جانے کس آس میں مبتلا ہو کر دیکھا جو سرے تک سنسان پڑی تھی۔ سکندر جانے کہاں تھا اور اس کے متعلق اللہ جانے کیا سوچ رہا تھا اسے اس خیال سے بھی رونا آنے لگا۔

"تم ناشتہ کرنے نہیں پہنچی تو مجھے پھر تمہاری تلاش میں دوڑنا پڑا۔ تمہاری طبیعت مجھے اب بھی ٹھیک نہیں لگ رہی ہے لاریب۔" ایمان اس کی کمر میں بازو حمائل کیے اسے پھر سے کمرے میں لے آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں باجو آپ پریشان نہ ہوں۔" ایمان اسے بستر پر بٹھانے کے بعد کمر پر تکیہ رکھ رہی تھی جب لاریب نے بوجھل آواز میں اسے تسلی دی۔

"تمہارا ناشتہ یہیں لے آتی ہوں ویسے تم نے چیک اپ کرایا، مجھے لگتا ہے ہم دونوں کے بعد اب تمہاری باری ہے اماں بننے کی۔" ایمان نے مسکرا کر کہتے اس کا رخسار چھوا، لاریب کا دل اس بات پر اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایمان نے بے حد حیرانی سے اس کی فق ہوتی رنگت دیکھی۔

"یہ گھبرانے کی نہیں خوش ہونے کی بات ہے پگلی، خاص طور پر پہلی مرتبہ ماں بننے کی خبر سن کر تو ہر لڑکی گلاب بن کر کھلتی ہے شرماتی ہے ایک تم ہو کہ...... اچھا بتاؤ سکندر کو پتا ہے؟" ایمان اس کے سرد پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت پاش انداز میں دبائی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ لاریب کی آنکھوں میں جانے کس احساس کے تحت نمی اترنے لگی۔ ایمان کی بات کے جواب میں اس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ وہ اضطراری کیفیت کے زیر اثر مسلسل ہونٹ کچل رہی تھی۔

"آئی ایم شیور، وہ بہت خوش ہوگا سن کر تم پہلی فرصت میں اس کے ساتھ جا کر ضروری ٹیسٹ کراؤ پھر کنفرم ہونے پر ہی ہم یہ خبر بابا جان کے علاوہ باقی سب کو سنائیں گے۔" ایمان جتنی مطمئن اور سرشار لگ رہی تھی لاریب کا دل اسی قدر تیزی سے ڈوبا جا رہا تھا ایمان نے جو ناشتہ بھجوایا وہ بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکی۔

"سکندر کہاں ہیں، انہیں بلانا پلیز۔" ملازمہ برتن اٹھانے آئی تو لاریب نے اس بے کلی میں مبتلا رہتے ہوئے کہا اور ایمان کے کہنے پر اس سمت آتا ہوا سکندر اس کے منہ سے اپنا نام سن کر زہر خند ہونے لگا۔

"سکندر......!" لاریب کی جیسی ہی اس پر نظر پڑی وہ اپنی جگہ تیزی سے چھوڑتی بے قراری سے اس کی جانب بڑھی تھی کہ سکندر نے سرد سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اس کی پیش قدمی کو روکا۔

"اگر تم کوئی آرگومنٹ دینا چاہتی ہو تو اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" سکندر کا پتھریلا لہجہ سابقہ سرد مہری لیے خوفناک حد تک سنجیدہ تھا۔ لاریب نے ہراساں ہوتے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ وہ پھر اسی شدید انداز میں اسے ٹوک گیا۔

"میں نے کہا نا کچھ مت کہو کہے بغیر بھی میں جانتا ہوں کہ تمہارے نزدیک میری کتنی اہمیت ہے۔" سکندر کا برفیلا لہجہ لاریب کو اندر تک توڑ کر رکھ گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے سکندر میری بات تو سنیں۔" بے بسی کی انتہا کو چھوتی وہ بلا آخر رو پڑی۔ سکندر نے پرشکن پیشانی کے ساتھ ایک نظر اسے دیکھا۔ بے قراری سے سسکتی تڑپ تڑپ کر روتی یہ لڑکی ہرگز بھی اتنی بے مایا نہیں تھی کہ اس کے دل میں جمی برف کو نہ پگھلا پاتی۔ مگر وہ پگھلنا نہیں چاہتا تھا جبھی رخ پھیر کر تیزی سے پلٹ گیا۔ لاریب بستر پر گری اور زار و قطار رونے لگی۔

❁......❁......❁

جس وقت فاطمہ ابراہیم احمد کے کمرے میں داخل ہوئی اسے ایک جذب اور سرور کی کیفیت میں نعتیہ اشعار پڑھتے پایا۔

"السلام علیکم بھائی صبح بخیر۔" اس کے متوجہ ہونے پر وہ دل سے مسکرائی اور ابراہیم احمد نے بڑھ کر اس محبت و تپاک سے اس کے سر پر بوسہ دیا دن میں دس بار ان کا آپس میں

سامنا ہوتا تو اس کا انداز یہی ہوتا تھا اتنی شفقت اتنی محبت دے رہا تھا اسے ابراہیم احمد کہ فاطمہ جو والدین سے لے کر عباس تک کی محبت کے لیے جنم جنم کی ترسی ہوئی تھی ابراہیم کی پرشفقت قربت نے ساری تشنگی مٹاڈالی تھی۔

"وعلیکم السلام، اللہ پاک تمہیں دین و دنیا میں بھلائی و عافیت اور کامرانی نصیب فرمائے، آمین۔" ابراہیم احمد کی دعاؤں کے جواب میں وہ مسکرائی اور صوفے پر ٹک گئی۔

"بھابی نظر نہیں آرہی۔" اس نے کمرے میں نگاہیں دوڑانے کے بعد سوال کیا۔

"سمعیہ ایمان بھابی کے ساتھ ہیں دراصل دونوں میں محبت بہت زیادہ ہے اور دوستی بھی سمعی کہہ رہی تھی بھابی اب یہیں رہیں گی تو جتنا وقت ساتھ گزار لوں کم ہے۔" ابراہیم احمد کی مسکرا کر دی گئی وضاحت پر فاطمہ نے محض سر ہلایا پھر جیسے کسی خیال کے تحت بولی۔

"میں نے جب اسلام قبول کیا بھائی تو یہ حقیقت ہے میں اس کی کاملیت اور دلکشی سے واقف نہیں تھی مگر اب دھیرے دھیرے مجھ پر انکشاف ہورہے ہیں بلاشبہ اسلام ہی بہترین مذہب ہے قابل عمل بھی، قابل تقلید بھی، قابل تحسین بھی۔" ابراہیم احمد نے مسکرا کر اس کی تائید کی پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کا گال تھپکا۔

"جب ممی نے مجھے بتایا تھا کہ تم کسی مسلم لڑکے کی وجہ سے انہیں چھوڑ گئی ہو تو مجھے یقین نہیں آسکا تھا لیکن تمہارا یہاں اس حیثیت سے ملنا ان کی بات کی صداقت کو ثابت کرگیا مجھے بے حد خوشی ہے فاطمہ کہ تمہیں تمہاری منزل مل گئی عباس حیدر واقعی ایسا شخص ہے کہ اسے چاہا جائے لیکن میں فیل کررہا ہوں جیسے تم دونوں کے بیچ کچھ مسنگ بھی ہے، اس دن......!"

"اس دن عباس کچھ غصے میں تھے بھائی اور غصے میں وہ یونہی بنا سوچے سمجھے بولتے ہیں۔" فاطمہ نے پردہ ڈالا وہ ہرگز بھی ابراہیم احمد کو کچھ بتا کر اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی ابراہیم نے بغور اسے دیکھا ضرور مگر کریدا نہیں کیوں کہ فاطمہ نے جس طرح نظریں چرائی تھیں یہ انداز اسے ڈسٹرب کرگیا تھا۔ ملازمہ اندر آئی اور دونوں بچے فاطمہ کے حوالے کردیے جن کے چہرے ماں کو دیکھتے ہی کھل گئے تھے۔ فاطمہ نے دونوں کو پیار کیا اور اپنے دائیں بائیں بٹھا لیا مگر دیا اس کی گود میں چڑھ آئی تھی۔

"آپ کا مما سے کانٹیکٹ ہے بھائی؟" فاطمہ نے ابراہیم سے سوال کیا۔ ابراہیم جو اسامہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کررہا تھا اس بات پر چونک کر متوجہ ہوا بلکہ کنفیوژ ہونے لگا۔

"ہوں...... خیریت......؟" اس کے انداز میں گریز تھا جسے فاطمہ نے فوری نوٹ نہیں کیا تھا۔ فاطمہ دیا کے ریشمی بال سہلاتی آنسو ضبط کررہی تھی۔

"کچھ دنوں سے بہت یاد آرہی ہیں مجھے دل میں انہیں دیکھنے اور ملنے کی تڑپ سی اٹھتی ہے۔ آپ کو پتا ہے بھائی ہم ڈیڈ کے لیے نہ کچھ ایصال ثواب کرسکتے ہیں نہ مغفرت کی دعا، وہ ڈیڈ تھے ہمارے، حقیقی باپ۔ دل میں یہ جان کر بہت وحشت جاگتی ہے بھائی کہ اگلی دنیا میں وہ ناکام انسان ہیں ان کی بھی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ ڈیڈ کے لیے ہم کچھ نہیں کرسکتے مگر ممی...... ممی کو تو سمجھا سکتے ہیں نا؟" کیا کچھ نہیں تھا اس کے روہانسے لہجے میں، خواہش، شوق، حسرت، بے بسی، ابراہیم احمد بہت اچھے انداز میں اس کی کیفیات کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ خود بھی اس کیفیت سے گزر چکا تھا۔ اس نے بھی بالکل اسی انداز میں سوچا تھا مگر سیریتا دیوی اس موضوع پر بات سننے کی بھی روادار نہیں تھیں۔ کجا اسے سوچنا اس پر عمل کرنا وہ تو جان کر کہ ان کے بیٹے کے بعد بیٹی نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے ہسٹریائی کیفیت کا شکار ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے مکمل طور پر ابراہیم سے قطع تعلقی اختیار کرلی تھی وہ صحیح معنوں میں اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھیں۔

"بی بی صاحبہ آپ کو عباس سائیں بلارہے ہیں۔" ملازمہ ایک بار پھر آئی تھی ابراہیم احمد نے نگاہ کا زاویہ بدل کر فاطمہ کو دیکھا جو آنسو پونچھ رہی تھی۔

"بات صرف سمجھانے سے نہیں بننے والی، اس مقام

پر صرف دعا پر تکیہ ہے۔ بے شک اللہ بہتر ہے اپنے بندوں کے لیے مراتب و مقام طے کرنے والا اس کے گھر میں منظوری ہوئی تو ہماری یہ خواہش ضرور پوری ہو جائے گی۔ ہمیں بہر حال اللہ کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھنا چاہیے۔ اب جاؤ عباس بھائی منتظر ہیں تمہارے۔" ابراہیم احمد کا لہجہ مخصوص ٹھہراؤ اور رسان لیے ہوئے تھا۔

"مجھے ممی سے بات کرنی ہے بھائی، پلیز میری ان سے بات تو کرا سکتے ہیں آپ۔" اس کا گلا بھرا رہا تھا۔ ابراہیم احمد نے نرمی سے اس کا گال سہلایا۔

"ان شاء اللہ ضرور مگر تم ان سے اس حوالے سے کوئی بات نہ کرنا یونو وہ بہت اسٹریس لیتی ہیں۔ میں نے کہا نا اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو، وہ اپنے بندوں کے لیے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔" ابراہیم کے سمجھانے پر وہ سر ہلاتی اٹھی اور ابراہیم احمد کو سلام کرتی دیا کو اٹھائے اسامہ کی انگلی پکڑے کمرے سے باہر آ گئی۔

"کہاں کی سیر ہو رہی ہے محترمہ، میں یہاں گھومنے پھرنے کے لیے نہیں آیا مجھے اور بھی کام ہیں اپنی تیاری کرو ہمیں فوری واپس چلنا ہے۔"

عباس جو کمرے میں ٹہل رہا تھا اسے دیکھ کر کش لینا ترک کر کے گہرے طنز سے بولا اس کی یہ سحر طاری کرتی ہوئی نظریں کبھی فاطمہ کو سلگاتی پگھلاتی تھیں مگر اب وہ نارمل نظر آ رہی تھی کسی حد تک بے نیاز، عباس کو اس کا یہی گریز یہی لاتعلقی خار بن کر چبھنے لگی، وہ جھنجلایا کیوں کہ اب وہ فاطمہ کے سامنے بے بس ہو رہا تھا وہ اس کی جانب آخر کیوں متوجہ ہو رہا تھا؟ اس روز جب اسے پتا چلا تھا فاطمہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہے تو کیسی بے چینی اور عجیب سا خوف اسے گھیرنے لگا تھا یہ بے چینی، یہ خوف اس کے چھوڑ کر چلے جانے کے سوا اور بھلا کیا تھا وہ عریشہ کے بعد اسے کھونے سے کیوں خائف ہونے لگا، اسے اپنا آپ اس پل ایسے بچے کی طرح لگا تھا جو میلے میں تنہا رہ جانے کے خیال سے حراساں ہو۔ یہ اس کی عدم موجودگی کا ہی خیال تھا کہ اک عجیب سی بے چینی اس کے اندر سرایت کرنے لگی تھی اندر کے اضطراب سے گھبرا کر وہ کھڑا ہوا تھا۔

یہ کیا ہونے جا رہا تھا اس کے ساتھ، فاطمہ.....؟ فاطمہ بھلا کیوں اس کے لیے اہمیت اختیار کرنے لگی۔ اس کا دل اس خیال سے ہی تھمنے لگا ذہن بار بار بھٹک کر اس کی جانب جاتا تھا۔ یہ تیور بھلا کب اچھے تھے۔

پھر جب ابراہیم احمد کے گھر کے ڈرائنگ روم میں وہ اس کے سامنے آئی تو عباس کی بے چینی سے منتظر نگاہ اس پر اٹھی اور ٹھہر گئی اندر ایسا سکون و اطمینان پھیلا جیسے کسی گم گشتہ چیز کے مل جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ وہ کیسے گم صم رہ گیا تھا۔ ایک بار اٹھنے والی نظر بے ساختہ اور بار بار اٹھ رہی تھی۔ ایسا اس سے قبل اگر ہوا تھا تو اسے خبر نہیں تھی وہ اپنے بدلتے احساس پر ششدر اور غیر یقین ہو چکا تھا۔ ایک عجیب سی دل شکستگی سی تھی جو اسے جکڑ رہی تھی۔ جبھی اس نے بلاوجہ اس پر برس کر اسے ذلیل کیا تھا۔ اس طرح وہ خود اپنی اسی کیفیت کی نفی کر رہا تھا خود کو کچھ باور کرا رہا تھا جو ہو کر نہ دیتا تھا اور اس کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی ایسے میں سب سے زیادہ اس کے قہر کا نشانہ فاطمہ ہی بنتی تھی۔

اس کے لیے یہ ناقابل قبول تھا اس کے نزدیک یہ عریشہ سے بے وفائی تھی اس نے تمام عہد عریشہ سے باندھے تھے اس نے فاطمہ سے کب کوئی عہد باندھا تھا پھر بھی وہ اس کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ وہ اسے دیکھتا تو اس کے چہرے پر اٹھنے والی نگاہ کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ جیسے خود پر قادر ہی نہیں تھا اس کے دل میں انوکھے احساس جنم لیتے تھے جو دل و روح پر رنگ نچھاور کرتے تھے۔ فاطمہ کا زور آور عشق کرشمہ سازی دکھلا رہا تھا عباس کو اس سے محبت ہو رہی تھی۔

"وہ کنگن کدھر ہیں جو اماں نے پہنائے تھے تمہیں کچھ خیال ہے کہ انہیں تمہاری کلائیوں میں نہ پا کر کتنی تکلیف ہوئی ہوگی انہیں۔" وہ اسے متوجہ کرنے، اسے مخاطب کرنے کو اس قسم کے بے معنی سوال اٹھایا کرتا تھا۔

"میں کبھی نہیں اتارتی لیکن بچے ڈسٹرب ہوتے ہیں انہیں اٹھاتی ہوں تو چبھتے ہیں انہیں۔" فاطمہ نے اس سے

نظریں چار کرنے کا بہانہ ملا۔

وہ ہمیشہ سے قسمت پسند تھی وہ اب بھی اسی شدت سے سوچ رہی تھی عباس اسے یک ٹک گھورتا رہا پھر انہی تلخ تاثرات کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ فاطمہ کا یہ انداز اسے سراسر توہین آمیز محسوس ہوتا تھا۔ جس طرح اس نے عباس سے بات کی تھی وہ جتنا سوچتا اس قدر حیران ہوتا کڑھتا اور ہرٹ ہوتا تھا یعنی سراسر تذلیل تھی اس کی۔ جسے وہ ہرگز بھی برداشت کرنے سے قاصر تھا۔

آج تک ایسا ہوا ہی نہ تھا کہ کوئی لڑکی اسے نظر انداز کر جائے۔ وہ بھی فاطمہ.....؟ اس کی آنکھوں میں ہی نہیں اس کے ہر انداز میں عباس نے ہمیشہ اپنے لیے ایک وارفتگی اور بےخودی محسوس کی تھی وہ بہت آغاز میں فاطمہ کے رنگ ڈھنگ سے جان گیا تھا کہ وہ اس لڑکی کے لیے کس درجہ اہمیت رکھتا ہے وہ اس کی کتنی بڑی کمزوری ہے مگر وہ اس سے بدکتا رہا تھا۔ پھر وہ یہ کب بدلا اسے خبر ہی نہیں ہوسکی وہ اس انوکھے احساس کو ہی قبول نہ کر پا رہا تھا کہ فاطمہ کے بدلتے انداز و اطوار نے اسے سرتاپا سلگا ڈالا تھا۔ یہ توڑ پھوڑ اتنی شدید تھی کہ وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا واپس آیا تو فاطمہ بستر پر بچوں کو سلانے میں مصروف تھی۔ بیڈ کے داہنی جانب اسامہ تھا پھر وہ تھی سینے پر دیا کو لٹا رکھا تھا۔ عباس اس وقت خود سے نبرد آزما تھا اور نڈھال بھی جبھی چپ چاپ آ کر اپنی جگہ لیٹ گیا۔ اب فاطمہ چند انچ کے فاصلے پر اس کے پہلو میں تھی۔ وہ بےخیال سی تھی مگر جیسے ہی اس کی موجودگی کو محسوس کیا یکدم اس کے چہرے پر تغیر سمٹ آیا عباس کے لیے یہ توہین و ہتک کا باعث تھا مگر اس وقت انتہا ہوگئی تھی جب فاطمہ بستر سے اتر کر صوفے پر جا بیٹھی۔

عباس کو لگا اس کے وجود کو کسی نے دہکتے انگاروں سے داغنا شروع کردیا ہو ہونٹ بھینچے وہ کچھ لمحوں کو سکتہ زدہ رہ گیا۔ یہ ذلت و توہین کی گویا انتہا تھی اس کی مردانہ انا پر پڑنے والی نظر اندازی و گریز کی یہ چوٹ بہت کاری تھی۔ وہ اس صدمے سے باہر آیا تو اس نے نائٹ بلب کے ہلکے نیلے غبار میں اپنے بائیں جانب صوفے پر نیم دراز گلابی لباس میں اس جیتی جاگتی قیامت کو ایک نظر دیکھا اور دہشت آمیز غیض بھرے انداز میں اٹھ کر بےحد تنفر زدہ جھٹکے سے دیا کو اس سے چھین لیا اور اس کی کلائی جھپٹ کر گھسیٹ کر کھڑا کردیا۔

"نکل جاؤ اس کمرے سے باہر، مجھے دوبارہ تمہاری شکل نظر نہیں آنی چاہیے۔" وہ واقعی حواسوں میں نہیں تھا بھڑ بھڑ جاتا اسے بھی اسی آگ میں جلا کر خاکستر کردینے کے درپے۔ خشونت برساتا ہوا تلخ ترین لہجہ فاطمہ کے اعصاب خوف سے منجمد کر کے رکھ گیا وہ جو پہلے دھچکے سے ہی نہیں سنبھلی تھی اس حکم پر جیسے سناٹوں کی زد پر آ گئی، اس اچانک افتاد کی وجہ کیا خاک سمجھتی۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ ہڑبڑائی اور بےحد خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا جس کے خوبرو مگر تنفر چھلکاتے چہرے پر پہچان کا کوئی رنگ نظر نہیں آتا تھا۔

"تم نے سنا نہیں، دفع ہوجاؤ یہاں سے۔" عباس عجلت میں دیا کو بیڈ پر تقریباً پھینک کر پھر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اسے زور سے دھکا دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ لڑکھڑا کر دروازے سے جا ٹکرائی اور اس ہراسگی کے عالم میں رو پڑی۔

"مم..... میں کہاں جاؤں گی عباس یہ آپ کا گھر تو نہیں ہے، مجھے یہاں اس طرح دیکھ کر سب کیا سمجھیں گے کچھ تو خیال کریں۔" اس کے بےرحم بر فیلے درشت تاثرات فاطمہ کو اس کے آگے گڑگڑانے پر مجبور کر گئے باقی صرف ہاتھ جوڑنے کی کسر تھی۔

"یہ میرا نہیں تمہارا مسئلہ ہے۔" وہ حلق کے بل چیخا۔ فاطمہ کی حالت ہر لحظہ غیر ہوتی گئی۔ بستر پر جانا تو کجا اس سے اٹھ کر صوفے پر بھی نہیں بیٹھا جاسکا ذلت و رسوائی کا یہ سلسلہ پتا نہیں کتنا دراز تھا۔ گھٹنوں میں سر دیے وہ بےآواز آنسو بہائے گئی۔

❁......❁......❁

اس دھوپ میں ہوتا رہوں تحلیل کہاں تک

اے عشق تیرے حکم کی تعمیل کہاں تک
بکھرا ہے بدن گردِ رہِ شوق کی صورت
لے آئی مجھے خواہش تکمیل کہاں تک
لو آنکھ کا یہ آخری قطرہ بھی ہوا خشک
صحراؤں سے بھلا لڑتی یہ جھیل کہاں تک

اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا لینڈ کروزر پوری رفتار سے سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اس کی سفید مرمری سی انگلیاں گود میں سوئی دیا کے ریشمی بالوں میں سرسرا رہی تھیں اور دل میں عجیب سے سناٹے کا راج، کیسے یقین کرتی بھلا وہ وقت کے پلٹنے کا ایسا کم از کم اس کی زندگی میں ممکن نہ تھا۔ عباس کی نظروں کا بے قراری و اضطراب کی کیفیت میں بار بار اس پر اٹھنا اور واپسی کا راستہ بھولنے لگنا اس کی توجہ بار بار بھٹکتی وہ بار بار غوطہ کھاتے دل کو سنبھالتی۔

(یا اللہ! یہ مجھے اس طرح کیوں دیکھتے ہیں اب، اب کیوں...... جبکہ مجھے ان کی طرف پلٹنا نہیں ہے اگر یہ ایک بار پھر میری آزمائش ہے تو مجھے بچالے اللہ پاک، اگر تو اپنے بدلے پھر سے مجھے یہ شخص دینا چاہتا ہے تو مجھے نہیں کرنا یہ سودہ، میں کمزور ضرور ہوں مگر تجھ سے محبت تو کرتی ہوں نا، مجھے نہیں معلوم یہ محبت اب بھی عباس کی محبت سے زیادہ ہے یا نہیں لیکن میں...... میں اب دھوکہ کھانا نہیں چاہتی ناکام ہونا نہیں چاہتی مجھے اس مزید خواری سے بچالے مجھے اکیلا نہ چھوڑ) وہ دل ہی دل میں سسکتی تھی اور خود اپنے آگے ہار جانے سے ہراساں تھی۔

"دیا سو چکی ہے لاؤ اسے میں سیٹ پر لٹا دوں تھک گئی ہوگی تم بھی۔" عباس نے اچانک گاڑی روکی تھی فاطمہ کے حیرانی سے متوجہ ہونے پر بولا اس کا لہجہ اپنائیت آمیز اور نرم تھا۔ ایسی نرمی لیے جس سے وہ آشنائی ہی نہ رکھتی تھی مگر بھی بہت خواہش مند ضرور تھی فاطمہ جواب میں کیا اعتراض کرتی خاموش رہی دیا کو اس سے لیتے عباس کا ہاتھ اس کے بازو سے ٹکرایا پھر ہاتھ سے مس ہوا۔

تب وہ خصوصیت سے اس کی جانب ہی متوجہ تھا فاطمہ کی رنگت میں گھلتی سرخی اور ہونٹوں کا بھینچنا محسوس کرتا مدھم سا مسکرایا۔ فاطمہ کا دل ڈوبنے لگا یہ جان کر یہ سوچ کر اس کی مسکان فاطمہ کے لیے آج بھی اتنی جان لیوا تھی۔ بے اختیار وہ صرف نظر ہی نہیں رخ بھی پھیر گئی۔ وہ ہرگز بھی خود کو کمزور کرنا اس آگ میں جل کر بھسم ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"تم ابھی تک مجھ سے خفا ہو، سوری فاطمہ میں پریشانی و اضطراب میں مبتلا ہو کر اکثر تمہیں ہرٹ کر دیتا ہوں۔" دیا کو پچھلی سیٹ پر سوئے ہوئے اسامہ کے ساتھ لٹا کر وہ واپس اپنی جگہ پر آیا تو گاڑی اسٹارٹ کرنے سے قبل پوری توجہ اس پر مرکوز کردی فاطمہ کا دل سینے میں ایسے پھڑپھڑانے لگا جیسے باہر آ گرنے کو بے تاب ہو وہ سکتہ زدہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

کمال کی مقناطیسیت رکھنے والا مرد جسے عورت کے حواسوں پر چھانے کے لیے ذرا سی بھی محنت نہ کرنی پڑتی ہو جس کے نرم لہجے اور خوش گوار نظر کو خوش قسمتی کا پیمانہ سمجھا جاتا ہو اس کی جانب سے اس قسم کا اظہار حواس سلب کرلے تو عجب کیا ہے۔

"معاف نہیں کروگی مجھے؟"

عباس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے صبیح گال کو چومتی بالوں کی لٹ پکڑ کر نرمی سے اپنی انگلی پر لپیٹی۔ فاطمہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کی حواس باختگی کا عالم بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا وہ شاید اب اس طرح اسے جھکانا چاہتا تھا وہ یقیناً ہر صورت خود کو سربلند رکھنا چاہتا تھا فاطمہ کو خود اپنے آپ سے خوف محسوس ہوا اس کا دل چاہا وہ زور زور سے روئے اسے کہے بلکہ باور کرائے اب اس شخص کو کوئی حق نہیں اسے راہ سے بھٹکانے کا۔

"اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے، یار شوہر ہوں تمہارا۔" وہ بہت مطمئن قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا یوں جیسے وہ اندر کی جنگ کے سامنے شکست تسلیم کر کے کسی حتمی نتیجے پر پہنچ گیا ہو اور اس کے سامنے اس جھوٹی انا کو سرنگوں کردینا چاہتا ہو۔

"اتنا عرصہ ہوگیا ہماری شادی کو اور مجھے اندازہ ہی نہ

ہوسکا میری بیوی کے ہاتھ اتنے خوب صورت ہیں۔" عباس
نے مزید پیش رفت کی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے دھیمے
لہجے سے وارفتگی کی آنچ سی پھوٹ رہی تھی فاطمہ کی جان پر
بننے لگی۔ یہ وارفتگی اسے نہال کرنے کے بجائے سراسیمگی
کی انتہاؤں تک لے جارہی تھی وہ روہانسی ہونے لگی۔

یہ توجہ، یہ لوٹ لینے والا انداز یہ سحر انگیز قربت اور تنہائی
وہ تو ازل سے اس کی شیدائی تھی جان دیتی تھی اس کی ایک
ایک ادا پر اسے اپنی ہار کا یقین کامل ہوا تو روح آنسوؤں کی
روانی میں بہنے لگی۔ عباس کی وارفتگی نے کیا کیا نہ یاد دلا دیا
تھا۔ تمام زخموں سے ٹانکے ادھڑے تھے۔ اب تو وہ اپنی
محرومیوں اور تشنہ لبی پر راضی ہونے جارہی تھی پھر وہ کیوں
ابر رحمت بن رہا تھا۔

کل جب لاریب کے ہاں سے وہ لوگ گھر جانے کی
بجائے بڑی حویلی آگئے تھے۔ تب بھی عباس کے یکسر
بدلے رنگ ڈھنگ نے اس کے لیے ایسے ہی حواس سلب
کیے تھے۔ بابا جان نور کے عقیقے کے ساتھ اسامہ اور دریا کے
بھی اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے جبھی عباس کو
بھی روک لیا تھا۔ ایسے میں اس تقریب کے موقع پر اماں
جان نے انوکھی خواہش کا اظہار کر ڈالا تھا اس کے سامنے،
وہی مہرون ساڑھی پہننے کی فرمائش جس کے متعلق عباس کی
قہر آمیز تنبیہ اچھی طرح یاد تھی اسے جبھی وہ اماں جان کے
سامنے بہانے بناتی تھکنے لگی تھی اور بات بن بھی جاتی اگر
انہی لمحوں میں عباس بھی کمرے میں نہ پہنچ جاتا۔

کچھ کہے بغیر وہ خاموشی و رسان سے ساری بات سنتا
رہا تھا فاطمہ کو گمان تک نہ تھا اس کی ساری توجہ انہی کی گفتگو
کی جانب ہے وہ تب حیران بلکہ ہونق رہ گئی تھی جب اس
نے خاموشی سے وہ ساڑھی بیگ سے نکال کر فاطمہ کے
سامنے بیڈ پر رکھ دی۔

"جھوٹ بولنا بہت غلط بات ہے فاطمہ اماں جان کی
خواہش اتنی بے ضرر ہے کہ آپ کو ہرگز کوئی فرق نہیں
پڑے گا اگر آپ اسے پورا کردیں گی۔" فاطمہ کو جیسے سکتہ
ہوگیا اور اماں جان نہال، اسے جلدی تیار ہونے کا کہتیں
خود باہر چلی گئیں کہ آج ان کی مصروفیت عام دنوں سے
کہیں زیادہ تھی۔

"میں نے اگر اس وقت یہ بات کہی تھی تو وہ حرف آخر
تو نہیں ہونی چاہیے، خفا نہیں ہوئیے پلیز۔" وہ سر جھکائے
خاموش اور غیر یقین بیٹھی تھی جب عباس نے اگلی بات کہہ
کر اسے مزید گم صم کردیا وہ حواسوں میں لوٹی تو پھر اس سے
ہی نہیں خود سے بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔ ساڑھی
باندھ کر بالوں کو سمیٹتی وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو عباس
حیدر کی اپنی تیاری آخری مراحل میں تھی۔ خود پر پرفیوم کا
اسپرے کرتے ہوئے اس نے فاطمہ کو خصوصی نظروں سے
دیکھا۔ ایسی نظریں جو اسے رنگ جایا کرتی تھیں۔ دل
دھڑکانے کا سبب بنا کرتی تھی۔ وہ کہاں کہاں کس کس
مقام پر خود کو مضبوط کرتی۔ اس وقت وہ بالکل حواس باختہ
ہوگئی تھی جب عباس نے اس کے کپکپاتے ہاتھوں کی ڈھیلی
گرفت سے بار بار نیکلس کی ہک کو پھسلتے دیکھ کر خود اس
کام کو کردیا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ وہ سرتاپا دہک اٹھی۔

اس نے دیکھا وہ آئینے میں اس کے مقابل کھڑا تھا
آئینے نے گواہی دی ان دونوں کی جوڑی چاند سورج کی
جوڑی ہے نک سک سے تیار وجاہت و مردانگی کا شاہکار
اس پر امارت کا تڑکا اور سب سے بڑھ کر اپنی خوبیوں سے
آشنائی نے آنکھوں میں ایک احساس تفاخر ثبت کردیا تھا
وہ آج بھی بجلی کا لپکا تھا جو بھسم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا
ایک ایسا کوندا تھا جو دل ہی نہیں جلاتا تھا روح بھی خاکستر کر
ڈالتا تھا آج بھی اس کے چہرے پر نظر ٹکانا ایک امتحان تھا
آج بھی ان آنکھوں میں نظر جمانا ایک انعام تھا۔ اتنا
سب کچھ ہوجانے کے باوجود دل میں اس کی محبت زندہ تھی
اس کی آنکھوں میں دھند چھانے لگی۔

"آپ جائیے میں آجاؤں گی۔" اس نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا، عباس مبہم سا مسکرایا اس کی گہری متبسم نظر اس
کے تغیر زدہ چہرے پر تھی وہ آج اسے پوری توجہ سے دیکھ رہا
تھا وہ اس کی بیگانگی سے اس کے آگے نہیں جھکی تھی۔ وہ اس
کی توجہ سے کیسے نہ پگھلتی۔ اس کی مردانہ انا ہر صورت اس

خود دار انا پرست لڑکی کو اپنے قدموں پر جھکے اس کی توجہ کی بھیک مانگتے دیکھنے کی متمنی تھی۔ وہ اس کے سامنے پتے پھینک رہا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا اس کی ناکامی کا۔

عباس نے تامل نہیں کیا ابھی کے لیے اتنا ہی کافی تھا مگر اسے دوبارہ بہت جلد موقع مل گیا پھر فاطمہ کا امتحان لینے اس کے حواس سلب کرنے اور سراسیمگی کی انتہاؤں پر لے جانے کا سیڑھیاں اتر کر آتے پیروں کو چھوتی ساڑھی میں اس کی نازک ہیل الجھ گئی تھی وہ گرتے گرتے بچی تھی اسے پکڑنے والا عباس حیدر تھا جو اس کا ہی منتظر تھا اس کے کمرے سے باہر آتے وہ اس کے ہمراہ ہولیا تھا محض چند قدم پیچھے مگر فاطمہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ آگاہ نہیں ہوسکی تھی۔ لیکن جب عباس نے اسے بروقت سنبھالا تب وہ گھبرا کر اسے تکنے لگی تھی عباس نے اسے اپنی پرحدت پناہیں بخش دی تھیں گھبراہٹ کا باعث یہ بات نہیں تھی کہ عباس نے اسے سنبھالا تھا اصل گھبراہٹ اس بات پر تھی کہ عباس نے اسے سہارا دینے کے بعد اس کے سنبھل جانے کے بعد بھی نہ اسے چھوڑا تھا نہ فاصلہ بڑھایا حالانکہ اس سے قبل وہ جتنی بار بھی مجبوراً اس قسم کا اقدام کرچکا تھا ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا تھا مگر اب وہ جانے کیا ٹھانے ہوئے تھا۔ اتنی قربت اور اس کی جسم وجاں کو سلگاتی حدت وتپش وہ جان سے جانے لگی جبھی کسمسائی مگر عباس نے دھیان کہاں دیا تھا وہ اسے یونہی تھامے ایک ایک سیڑھی اطمینان سے اتر رہا تھا۔

''ارے ارے..... خیریت، چوٹ لگ گئی انہیں کیا؟'' ہال کمرے تک پہنچتے زینی سے ٹکراؤ ہوگیا جو اپنے بچوں کے پیچھے بھاگتی دوڑتی یہاں پہنچی تھی مگر عباس کو اس طرح فاطمہ کو سہارا دیے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ فاطمہ کا حجاب اور کوفت سے جھنجلایا سرخ چہرہ دہک کر انگارہ ہوا اس نے پوری قوت صرف کرکے خود کو اس کی گرفت سے زبردستی نکال لیا۔

''ہاں لگ ہی جاتی اگر میں نہ پکڑ لیتا۔'' عباس کا لہجہ متبسم تھا زینی کھلکھلائی۔

''پھر تو آپ نے نیکی کی ان کے ساتھ، لگ بھی تو بہت پیاری رہی ہیں اس کلر میں نظر نہ لگ جائے میں اماں جان سے کہتی ہوں ان کی نظر اتاریں۔'' فاطمہ جتنی خفت زدہ اور جزبز تھی زینی کو اسی قدر شرارت سوجھ رہی تھی۔

''لوگ صرف میرون رنگ میں ہی حواسوں پر طاری نہیں ہوتے وائٹ کلر میں بھی کم نہیں جچتے۔'' عباس کی فاطمہ کو تکتی نظریں یکا یک لودینے لگیں۔ فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ عباس کی ساحر آنکھوں میں بھی وہ لمحہ جگمگا رہا تھا فاطمہ نے ہونٹ بھینچ لیے وہ لمحہ تو اس پر بھی بھاری رہا تھا جب بلال صاحب کے ہاں دعوت کے لیے فاطمہ نے ہر انجام کی پروا کیے بغیر کتنے دل سے خود کو اس ستم گر کے لیے سنوارا تھا محض اس کی ایک ستائشی نگاہ کی چاہ میں لیکن وہی نہیں مل سکی تھی اسے، عباس کا اسے وہاں ساتھ لے جانا ایک مجبوری ہی تھی کہ وہ بلال صاحب کو انکار نہیں کرسکا تھا وہ ان کا اتنا ہی احترام کرتا تھا لیکن فاطمہ کو دیکھ کر اس کا موڈ یکلخت سوا نیزے پر جا پہنچا تھا حالانکہ یہ دوسری نظر تھی جس میں قہر وغیض تھا پہلی نگاہ اس پر ڈال کر وہ بھی حواس کھونے سا لگا تھا۔

بالوں کو سمیٹ کر جھلیے کیچر میں جکڑتی فاطمہ نے آئینے میں اس کی جھلک دیکھی تو بے اختیار اس کی جانب گھوم گئی تھی تو اس کا فرش کو چھوتا سفید رنگ کا فراک بھی ساتھ چکر لگا گیا تھا۔ عباس کو لگا تھا اس کا وجود ہی روشنی سے بنا ہو۔ صحیح معنوں میں مبہوت کردینے والا منظر تھا گویا چاندنی زمین پر اتری ہو وہ حیران سحر زدہ سا اس کے سامنے کھڑا اسے دیکھتا تھا اور فاطمہ وہ جیسے اپنی کامیابی پر نازاں ہوتی چلی گئی تھی اس کی خواہش پوری ہوگئی تھی۔

عباس چونک گیا اپنی بے خودی پر خفت زدہ اس کی اس جہت پر قہر وغیض سے بھرنے لگا۔ اس کے بعد جو منہ میں آیا وہ وہی بولا تھا۔ ہر لفظ آتشیں تھا جس نے ایک بار پھر فاطمہ کو بکھیرا توڑا اور ریزہ ریزہ کرکے پیروں میں پھینک دیا۔ وہ اس کے آرڈر پر جاکر کپڑے بدل آئی تھی اور چاندی کے جیسی نازک ہیل مخملیں سفید پیروں سے الگ کرکے

رکھدی پھر کبھی نہ پہننے کے لیے۔
اس کی آنکھوں کی سرخی بتاتی تھی وہ رو کر آئی ہے، عباس کی ہمراہی کا فخر اس کی سنگت کے جبر نے معدوم کر ڈالا تھا اس روز اس کے الجھے ہارے بے بس نڈھال انداز نے اس پر واضح کردیا تھا۔ اس نے جان لیا تھا پورے ماحول پر سحر طاری کرتا سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ شخص پورے کا پورا اس کا ہو کر بھی اس کے لیے نہیں تھا کبھی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

"آیئے، میں اماں جان کے پاس لے چلوں آپ کو، کچھ پڑھ کر دم کردیں گی۔" زینی اسے اماں جان کے پاس لے آئی انہوں نے اس پر آیۃ الکرسی کا دم کیا۔ کتنے چاؤ تھے اس کے کتنے ارمان مگر وہ گم صم نظر آتی تھی اور عباس لحہ بہ لحہ اس کے ساتھ اس کی جانب متوجہ اور اس کی توجہ کا طالب مگر وہ کسی اور ہی جہاں میں گم لگتی تھی اس کی اس عدم توجہی کو سب کے ساتھ اماں جان نے بھی محسوس کرلیا تھا۔ جبھی تو کتنا پریشان ہوگئی تھیں وہ شاید اس لیے انہوں نے اسے تنہائی میں بالخصوص سمجھایا بھی تھا۔

"تمہیں تو اپنی اولاد اور شوہر پر حق جتلانا بھی نہیں آتا بیٹے، یہ غلط ہے۔" وہ اس سے پہلے کتنا اس سے پوچھتی رہی تھیں اس کا عباس سے جھگڑا تو نہیں ہوا کوئی اور ایسا معاملہ مگر وہ ہر بات کے جواب میں سر نفی میں ہلاتی تھی۔ تب اماں جان نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"عباس بہت شدت پسند ہے بیٹے، میں ماں ہوں اس کی جانتی ہوں وہ اس وقت تمہاری توجہ کا طالب ہے تمہیں اس پر توجہ دینی چاہیے دیکھو بیٹے بیوی اگر شوہر کی پروانہ کرے اپنا حق نہ جتلائے پیار کی لڑائی نہ لڑے تو شوہر اپنے اندر کوئی خامی ڈھونڈنے لگتا ہے۔ وہ خود کو ایسے یتیم بچے کی طرح محسوس کرتا ہے جس سے اس کی ماں اور باپ کی محبت و شفقت چھن گئی ہو عباس میں بھی میں نے یہی کیفیت محسوس کی ہے میں مانتی ہوں تمہارے بچے چھوٹے ہیں تم بہت ذمہ دار ہو مگر بیٹے شوہر کو بھی نظر انداز نہ کرو۔" وہ ہر بات سے انجان تھیں وہ انہیں بتاتی بھی کیا سو خاموش رہ ہی رہی۔ مگر عباس کا یہ انداز یہ اطوار اب اس کے لیے کم از کم قابل قبول نہیں تھا جبھی وہ سب ضبط گنوا کر بے قراری و وحشت بھرے انداز میں رو پڑی۔ اس کے آنسو بے تابی سے ٹوٹ کر بکھرے اور عباس ششدر ہونے لگا۔

"کیا ہوا؟" اسے لگا اس کے سارے پتے بے کار گئے ہیں اسے حیرت کے بجائے غیر یقینی گھیرنے لگی کیا اس کے سارے قیاس غلط تھے؟ اس نے خود سے سوال کیا بلکہ قیاس کیا اسے یقین تھا فاطمہ مرتی ہے اس پر جان دیتی ہے پھر اب......؟

"گھ...... گھر...... چلیں پلیز۔" عباس کے ہاتھ اپنے کاندھے پر محسوس کر کے دہشت بھری جھرجھری لے کر بولی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے فاطمہ۔" عباس سب کچھ بھول کر پریشان نظر آنے لگا۔ فاطمہ کی گھبراہٹ اس کے لہجے پر دہری ہونے لگی۔ وہ لمحوں میں زرد پڑ رہی تھی۔ عباس کی تشویش میں اضافہ ہونے لگا۔ اس نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی۔ مگر اس سے پہلے فاطمہ کو بوتل تھمائی۔

"چند گھونٹ تو لو طبیعت سنبھلے گی تمہاری۔"

اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ اصرار کہہ رہا تھا فاطمہ مزید انکار نہیں کرسکی مگر اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ اس کی بگڑتی حالت پر ہی عباس نے شہر کے مضافات کے نزدیک گاڑی کو روک دیا تھا۔

"باہر آؤ تھوڑی دیر کھلی ہوا میں سانس لو، بہتر محسوس کرو گی خود کو۔" عباس نے صرف کہا نہیں باہر نکل کر اس کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے سہارا دے کر باہر آنے میں مدد بھی دی۔ مگر وہ اس کے ہاتھوں میں ہی بکھرتی چلی گئی کب سے ان کا تعاقب کرتی بلیک گاڑی سے فائر ہوئے تھے اور فاطمہ خون میں نہاتی چلی گئی......!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مجھے حکم ہے اذاں
اُم مریم

ہیں رنگ کئی ان کے پر پختہ نہیں ہوتے
یہ لوگ بھی کیا شے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے
گل کے رخ رنگیں پہ بھی آنسو ہیں صبح دم
یہ کس نے کہا ہنستے ہوئے چہرے نہیں روتے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بدلے کی آگ میں جلتا سکندر لاریب کو بھی اپنے طنزیہ جملوں کی بدولت جھلسائے دیتا ہے جبکہ لاریب اس کے ہر ستم کو اپنی غلطیوں کا ازالہ تصور کرتے خاموشی سے برداشت کرجاتی ہے۔ فاطمہ اپنے بھائی ابراہیم احمد کے گھر عباس کو بنا بتائے چلی آتی ہے اس کا مقصد ابراہیم سے دین کی آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے عباس اپنے بچوں اور خود سے برتی گئی یہ بے نیازی قطعاً برداشت نہیں کر پاتا اور وہاں پہنچ کر اسے سخت سناتا ہے جبکہ ابراہیم احمد عباس کا یہ روپ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ ایسے عالم میں وہ فاطمہ کو اپنے ہمراہ حویلی لے جانا چاہتا ہے جہاں گھر والوں نے انہیں مدعو کیا ہوتا ہے۔ ایمان کا فاطمہ سے سامنا ہونے پر وہ اپنی بہن لاریب کے لیے مضطرب ہوتی ہے اسے لگتا ہے کہ اس لڑکی کی خاطر عباس نے اس کی بہن کو نظر انداز کیا تھا جبکہ فاطمہ کی خوش اخلاقی ایمان کی رائے بدل دیتی ہے۔ اس کی صحت یابی کی خوشی میں بابا جان حویلی میں چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کرتے ہیں۔ جس میں سب لوگ ہی شرکت کرتے ہیں۔ سکندر وہاں عباس کو دیکھ کر مشتعل ہوجاتا ہے وہ لاریب پر عباس اور وقاص دونوں کے سامنے جانے پر پابندی عائد کرتا ہے جبکہ نا چاہتے ہوئے بھی لاریب کا سامنا وقاص سے ہوجاتا ہے وہ اپنے گزشتہ رویوں کی معافی طلب کرتا ہے لیکن سکندر یہ منظر دیکھ کر اشتعال میں آجاتا ہے دوسری طرف لاریب اس کی بدگمانی پر ہلکان ہوجاتی ہے۔ جبکہ ایمان اس کی حالت دیکھ کر اسے ڈاکٹر سے رجوع کرنے اور کسی خوشی سے تعبیر کرتی ہے جبکہ لاریب مزید بوکھلا جاتی ہے۔ فاطمہ اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتے عباس کی ہر بات کو اور اس کی ذات کو نظر انداز کردیتی ہے جبکہ فاطمہ کی جانب سے یہ بے نیازی کا رویہ عباس کو اشتعال دلاتا ہے۔ حویلی میں بھی فاطمہ اپنا سارا وقت اپنے بھائی ابراہیم کے ساتھ گزارتی ہے جبکہ عباس فاطمہ کے اس سلوک پر سلگتا رہتا ہے۔ فاطمہ ابراہیم سے اپنی ماں کی بابت استفسار کرتی ہے اور اس سے بات کرنا چاہتی ہے اس کی خواہش ہے کہ ان دونوں کی طرح اس کی ماں بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے لیکن ابراہیم اسے فی الحال اس موضوع پر بات کردیتے سے منع کردیتا ہے۔ فاطمہ کے گریز کو محسوس کرتے عباس اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی توجہ اور محبت کے ذریعے فاطمہ کو اپنی جانب جھکاؤ پر مجبور کرتا ہے لیکن فاطمہ اب کسی طور اس کے دام الفت میں آنے کو تیار نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اماں جی ان دونوں کے رویوں میں تلخی محسوس کرتے عباس اور فاطمہ دونوں کو الگ الگ سمجھاتی ہیں انہیں لگتا ہے کہ عباس شاید کسی اور کو پسند کرنے لگا ہے۔ اسی لیے فاطمہ کی جانب سے غیر ذمہ دار ہے۔ جبکہ اماں بی کی اس سوچ پر عباس بے حد نادم ہوتا ہے۔ وہ اماں جی کی باتوں پر عمل کرتے فاطمہ سے ایک نیا رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ جس کی بنیاد محبت پر ہو اپنی انا کو ایک طرف رکھتے وہ فاطمہ سے برملا اظہار بھی کرتا ہے جبکہ فاطمہ اس کے والہانہ انداز محبت پر حیران رہ جاتی ہے حویلی سے گھر واپسی پر ان کی گاڑی پر فائرنگ کردی جاتی ہے جس میں فاطمہ شدید زخمی ہوجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀❀......❀

یہ سب کچھ اچانک اور اتنا غیر متوقع تھا کہ عباس کسی طرح بھی اپنے حواس قائم نہیں رکھ سکا۔ بلیک کرولا دھول اڑاتی سڑک کا موڑ مڑ چکی تھی۔ ایک دلخراش چیخ کے بعد فاطمہ کے ہونٹوں سے دم توڑتی سی چند کراہیں نکلی تھیں پھر وہ مکمل طور پر حواس کھوگئی تھی۔ عباس سکتہ زدہ کھڑا تھا اسے سکتے میں مبتلا کرنے کو یہی کافی تھا کہ عین موقع پر نشانے کی زد سے اسے دھکیل کر فاطمہ خود کیوں سامنے آگئی تھی۔ یعنی وہ اس سے قبل اس گاڑی اور اس گاڑی سے فائر کرنے والوں کو دیکھ چکی تھی۔ یعنی وہ جاتے جاتے بھی آخری احسان اس پر کرگئی تھی۔

❀......❀❀......❀

”سکندر۔“ دودھ کا گلاس اس کے پاس میز پر رکھتے لاریب نے اسے پکارا۔ سکندر نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی۔ اس کا نزاکت سے بھرا سراپا اس کا وجود جیسے چاندنی کی کرنوں سے گندھا تھا۔ وہ ہرگز نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی مگر وہ کررہا تھا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے باجو کہتی ہیں چیک اپ کرانا چاہیے۔ صبح ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے؟“ اس کی نظریں یہ سوال کرتے جھکی ہوئی تھیں صرف نظر ہی نہیں وہ تو اپنا دل بھی جھکا چکی تھی مگر سکندر کا دل اب ہر جذبے سے گویا عاری تھا۔

”میرے پاس ان چونچلوں کے لیے وقت نہیں ہے محترمہ، دل چاہے تو اماں کو ساتھ لے جانا، ورنہ مرضی ہے تمہاری۔“ آف موڈ کے ساتھ اس نے زور سے کتاب بند کرکے سائیڈ پر رکھ دی۔ لاریب لمحہ بھر کو شرمندگی کے باعث گڑھ سی گئی مگر خود کو جلد سنبھال لیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔“ اس کے مدھم لہجے میں کہنے پر سکندر نے بھنوئیں اچکا کر اسے دیکھا اور زہر خندہ سے مسکرایا۔

”یہ بھی بتا دینا کہ ان کا بیٹا اب اس قابل ہوچکا ہے کہ تم اسے منہ لگانا پسند کرتی ہو۔“ اس کے سرد لہجے میں چھپی پھنکار لاریب کی پور پور کو زہریلا کرکے رکھ گئی۔ اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگی تھیں وہ انہیں چھلکنے سے کس طرح بھی روک نہیں سکی تو انتہائی بے بسی کا شکار ہوتے رخ پھیر لیا اس کے باوجود سکندر بھڑک کر چیخ اٹھا تھا۔

”میرے سامنے یہ مگرمچھ کے آنسو نہ بہایا کرو۔“ وہ جیسے مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ لاریب کے اعصاب شل ہونے لگے۔ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ جیسے ہی اٹھنے لگی سکندر نے تیزی سے حرکت میں آتے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے اس جارحیت بھرے جھٹکے کے نتیجے میں وہ دوبارہ بستر پر گری تھی تو حواس جھنجھنا اٹھے تھے۔

”بہت مظلوم بنتی ہوتا، یاد کرو کبھی اس سے بھی زیادہ برا سلوک تم کرچکی ہو میرے ساتھ۔“ اس کی خوف سے پوری کھلی آنکھوں میں اپنی طنزیہ سفاک نظریں گاڑھتا ہوا وہ بے رحم لہجے میں بولا تھا۔ لاریب کے چہرے پر بے بسی اور غم کی شدید کیفیت کا غلبہ چھانے لگا۔

”میں آپ سے شکایت نہیں کررہی آپ کو حق حاصل ہے ہر طرح کا۔“ وہ بولی تو آواز میں بھراہٹ اتری ہوئی تھی۔ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے دیکھتا رہ ہی گیا۔ وہ سرتاپا نئے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی۔

خاموش...... لب بستہ...... راضی بارضا...... نہ گلہ نہ شکایت...... وہ ایسی کب تھی؟ وہ ایسی کبھی نہیں تھی پھر......؟

سکندر کے اندر عجیب سے سوال اٹھے جن کا انتشار و اضطراب چہرے و آنکھوں سے چھلکنے لگا۔ وہ ہونٹ بھینچے اپنے اندر ہونے والی جنگ سے نبرد آزما تھا۔ لاریب اٹھ کر واش روم میں گئی۔ کچھ توقف سے وہ کمرے میں لوٹی تو انداز پھر پہلے کی طرح نارمل تھا۔ سکندر نے اسے صبح کے کام نمٹاتے دیکھا۔ وہ اس کے

کپڑے استری کررہی تھی جوتے بھی خود پالش کرتی تھی۔ ناشتا بنا کر پیش کرتی، وہ عجیب سی نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا مگر وہ کلس رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جوار بھاٹے کی طرح پکتا تھا اور ایسی کیفیت میں وہ ہمیشہ اپنے ساتھ لاریب کو بھی جھلسانا فرض سمجھا کرتا۔

"اگر تم بہتر فیصلہ کرلیتی تو اس طرح تختہ مشق نہ بننا پڑتا۔" اس کا لہجہ مدہم مگر چبھتا ہوا تھا۔ لاریب نے چونک کر اسے دیکھا اس کی نظروں میں کیسی بے بسی تھی۔

"اب کی بار میں نے خالصتاً اپنی مرضی سے فیصلہ کیا ہے، بغیر کسی جبر کے۔" اس کا مدلل دوٹوک لہجہ ہر قسم کے شک و بناوٹ سے پاک تھا۔ سکندر کو پھر سے جھنجلاہٹ نے گھیرا۔

"اپنے ان مظالم کا ازالہ کرنا چاہتی ہوگی۔" وہ اسی تنفر سے بولا۔

"اس کے علاوہ بھی ایک وجہ تھی۔" لاریب نے کھڑکیاں بند کرکے پردے برابر کیے اور اسی مضبوطی سے بولی۔ سکندر ٹھٹک کر اسے تکنے لگا۔

"اور وجہ؟" اس کا انداز مستفرانہ تھا۔ مگر لاریب اس کا سوال نظر انداز کر گئی، سکندر کو جیسے یہ نظر اندازی آگ لگانے لگی۔

"بتاؤ کیا وجہ تھی؟" وہ تلملا اٹھا اور اس کی کلائی پکڑ کر بے رحمی سے مروڑی، لاریب نے ساری تکلیف کو ہونٹوں کو باہم بھینچ کر برداشت کیا البتہ کوئی مزاحمت نہیں کی اس کی نظروں میں ہنوز سوال تھا۔

"اس بات کو چھوڑ دیں۔"

"بکواس بند کرو سمجھیں، جو پوچھا ہے اس کا ہر حال میں جواب چاہیے۔" وہ تیوری چڑھا کر بے حد رکھائی سے بولا۔ لاریب بے بس سی نظر آنے لگی۔

"میرے جیسی لڑکی محض ازالے یا سمجھوتے کی بنا پر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی، اس کی وجہ محبت ہی......!" اس کی بات سکندر کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی بدولت ادھوری رہ گئی۔ لاریب محض ایک پل کو بھونچکی ہوئی تھی گال پر ہاتھ رکھے وہ اگلے لمحے نظریں اور چہرا جھکا کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جبکہ سکندر شعلہ جوالہ ہی نہیں جنونی بھی نظر آنے لگا تھا۔

"بہت خوب، تو یہ ڈرامہ کروگی اب تم میرے ساتھ اپنا مقصد نکالنے کو۔" وہ حلق کے بل غرایا۔ لاریب کا پورا وجود آنسو بن کر بہنے لگا۔

"میں اسی باعث تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی سکندر، جانتی تھی تم یقین نہیں کرو گے۔ بالآخر اس جذبے کی تذلیل بھی میں نے خود ہی کرلی۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"کیا مقصد ہے اب تمہارا مجھ سے؟" لاریب وہاں سے جانے کو جیسے ہی پلٹی سکندر نے ہیجان زدہ انداز میں کہتے اسے کاندھوں سے دبوچ کر اپنے مقابل کیا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں اس پل کتنی وحشت تھی لاریب کو عجیب سے دکھ نے آن لیا۔ اس کا بھی کا شدید رویہ سکندر کے لیے کتنے نقصان کا باعث بن گیا تھا۔ اس کی اچھائیاں اس کی خوبیاں اسی طیش و تلخی کی نذر ہوتی جارہی تھیں۔ وہ ذہنی اعتبار سے کم از کم اس کے حوالے سے تباہ ضرور ہوچکا تھا۔ نفرت و انتقام کے ساتھ بدگمانی کی آگ اسے بری طرح جلا کر خاک کررہی تھی۔

"کیا مقصد ہوسکتا ہے، آپ بہت جینئس ہیں خود سوچ لیں جو کچھ آج آپ کے پاس ہے وہ الحمدللہ مجھے ہمیشہ میسر رہا ہاں البتہ ہدایت نہیں تھی۔ عقل کا استعمال نہیں آتا تھا۔ وہ سیکھا تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔ غلطی کا احساس جاگا تو محبت کا وہ نوخیز پودا بھی سر اٹھا کر لہلہانے لگا جو ہمیشہ سے تھا مگر میں ہی محسوسات سے بے بہرہ رہی تھی۔ جس سکندر کو میں عزیز رکھتی تھی وہ میرا غم گسار، میرا ہم نوا اور دوست تھا۔ جسے میں بطور شوہر قبول نہیں کرسکی، کیوں؟ وجہ سے آپ لاعلم تو نہیں ہوں گے۔ ان دنوں میں کسی ذہنی پسماندگی اور اذیت کا شکار تھی یا اس کیفیت کے برعکس تھا سکندر آپ نے جس طرح مجھے سمجھا مجھے سنبھالا اور مجھے سنبھلنے کا موقع دیا یہ چیزیں ہی میرے دل میں آپ کی محبت اور اس رشتے کی گنجائش پیدا کر

گئیں۔ میں نے آپ کے ساتھ جو آخری جھگڑا کیا اس پر سب سے زیادہ پچھتائی ہوں میں بہت روئی ہوں، آپ کی کامیابی، آپ کی واپسی میرے لیے ایک انعام تھا۔ میں نے آپ کو شوہر کے طور پر قبول کیا تو پوری آمادگی کے ساتھ۔ جبھی آپ کے تمام حقوق سے بھی آپ کو نوازا لیکن اب مجھے اندازہ ہوا اس روز جو بات میں نے جذباتیت میں کہی تھی مگر سچ کہی تھی۔ شوہر دوست نہیں ہوتا کبھی نہیں۔ میں نے پہلے اپنا دوست کھویا تھا۔ جبھی میں اب اپنا شوہر نہیں کھونا چاہتی میری خاموشی میں بس یہی مصلحت یہی خوف ہے میں انتظار کررہی ہوں اس وقت کا جب آپ کو میری باتوں کا یقین آجائے گا۔" اپنی بات مکمل کرکے وہ رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی تو فراز کو دروازے کے باہر سکتہ زدہ کیفیت میں پا کر اسے شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ خفت اور شرمندگی جو بھی وہ الگ۔ اس سے ہی نہیں وہ اپنے آپ سے بھی نظریں چراتی وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ فراز نے متاسفانہ سانس بھرا اور کھلے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ سکندر بیڈ کی پائنتی کی جانب دونوں ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھا نظر آیا۔

"پچھتا رہے ہو؟" فراز کے کاٹ دار طنز پر چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اگلے لمحے خفت و خجالت کے شدید ترین احساس سمیت نظر چرانی پڑ گئی تھی۔

"تم کب آئے؟" وہ خود کو سنبھالنے کی سعی میں مصروف تھا۔

"تمہیں نہیں لگ رہا تم وقت برباد کررہے ہو؟" فراز کا لہجہ ناصحانہ تھا جو سکندر کو آگ لگا گیا۔

"بکواس نہیں کرو، اس کی فیور کرنے آئے ہو تو جاسکتے ہو۔"

"ذرا سی گنجائش رکھ کر بھی سوچا جاسکتا ہے سکندر۔" وہ متلجی ہوا اور سگریٹ سلگاتا سکندر خود بھی سلگ گیا۔

"نہیں ہے گنجائش بالکل بھی وہ جھوٹ بولتی ہے، میں جانتا ہوں ابھی بھی عبا......!" معاً یکدم ہونٹ بھینچ گیا فراز نے چونک کر اسے دیکھا کتنی اذیت تھی اس کے چہرے پر۔

"اگر تم پیچھے مڑ کر ہی دیکھتے رہے تو کبھی آسودہ اور خوش نہیں رہ سکو گے اگر بھابی نے کمپرومائز بھی کیا ہے تو تمہیں ان کے اس جذبے کی قدر کرنی چاہیے۔ یاد کرو جب وہ تمہاری زندگی میں آئیں عباس بھائی تب بھی ان کی زندگی میں تھے۔ اگر تب انہیں درمیان میں رکھنے والی وہ تھیں تو اب انہیں فراموش کرکے بھی وہ تمہارے پاس آئی ہیں سکندر اگر تم اس وقت اتنے اعلیٰ ظرف تھے تو یہ اعلیٰ ظرفی اب کہاں چلی گئی؟ کیوں اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں زہر گھولتے ہو بھابی کو غور سے دیکھا ہے تم نے...... یقیناً نہیں محض چند ہفتوں میں وہ آدھی بھی نہیں رہی ہیں اگر یہی صورت حال رہی تو عین ممکن ہے یہ شدت پسندی تمہیں کسی پچھتاوے میں مبتلا کردے کیا تم کوئی نقصان افورڈ کرلو گے؟ یا تمہیں اقتدار کا نشہ اتنا زیادہ ہے کہ اس پر بہت آسانی سے محبت قربان کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ہے۔" فراز ایک کے بعد ایک تیکھا اور سلگتا سوال اس کے سامنے رکھ رہا تھا اور وہ بھڑکتا جارہا تھا۔

❀......❀❀......❀
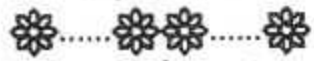
جب تک فاطمہ کو ہوش نہیں آگیا اور اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہوگئی عباس کتنا حواس باختہ نظر آتا رہا تھا۔ پولیس کو اپنا اسٹیٹمنٹ ریکارڈ کراتے اس نے صاف لفظوں میں سعید احمد کا نام لکھایا اور اس کی فوری گرفتاری پر اصرار کرتا رہا تھا۔

"آپ کو یقین ہے آپ نے خود دیکھا نہیں؟" سب انسپکٹر کے سوال پر عباس نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

"اس کے علاوہ میرا اور کوئی دشمن نہیں ہے۔ وہ میرے گھر پر کھڑے ہوکر مجھے شوٹ کرنے کی دھمکی دے کر گیا تھا۔ میں نے بتایا تھا آپ کو وہ میرے بچوں کو بھی گن پوائنٹ پر کڈنیپ کرچکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ میرے گھر کا قیمتی ساز و سامان لوٹ چکے ہیں کیا کچھ بتاؤ آپ کو؟" عباس اتنا مشتعل تھا کہ وہ ساری باتیں بھی کھول دیں جن کے متعلق اس سے قبل وہ کسی سے بھی سننا پسند نہیں کیا کرتا تھا۔

الوداع دسمبر

الوداع......
الوداع......اے دسمبر
ایک بار پھر
لوٹ گیا
وہی تنہائیاں
وہی وحشتیں
وہی دکھ
وہی آس کے لمحے
پھر سے سونپ گیا
دسمبر......!
یاد رکھنا تم
بہت وحشت ہے
تیرے نام سے اب
بس! اتنا یاد رکھنا
کہ جب لوٹو دوبارہ
اپنے دامن میں
تنہائیاں
وحشتیں
دکھ
آس
اور......
انتظار کے لمحے
مت لانا
اے دسمبر الوداع......!

تحریم اشرف......خانیوال

پولیس نے سعید احمد کے خلاف ایف آئی آر درج کی اور عباس کو انصاف ملنے کی روایتی یقین دہانی کرانے کے بعد وہاں سے رخصت ہوگئی۔ تب ہی محمد شرجیل اور ابراہیم احمد پریشان چہروں کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ تب وہ کتنا ہراساں اور خود کو سنبھالتا ہوا کتنا نڈھال لگ رہا تھا۔

"فاطمہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ابراہیم احمد، عریشہ کے بعد اسے بھی کھونے کا مجھ میں ہرگز حوصلہ نہیں ہے۔ میں خود بھی مرجاؤں گا اگر اب کچھ بھی غلط ہوا۔" وہ تمام حوصلے اور ضبط گنواتا ابراہیم احمد کے گلے لگ گیا تھا۔ ابراہیم احمد اتنا اپ سیٹ تھا کہ عریشہ کے نام پر اگر الجھا بھی تو کوئی سوال کرنے کا خیال نہ آسکا۔

"حوصلہ کریں عباس بھائی، دعا کریں اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ۔" ابراہیم نے کاندھا تھپک کر جبکہ شرجیل نے الفاظ سے ڈھارس بندھائی تھی دوسری جانب عباس تھا جس نے بلآخر ہار مان لی تھی۔ خود سے بھاگتے اور نظریں چراتے بھی تھک گیا اس نے تسلیم کرلیا وہ اسے کھونا نہیں چاہتا۔ ہاں وہ اس سے محبت بھی کرنے لگا ہے ہار جیت، ہر انا وزعم بے معنی تھا جبھی اس کا ذہن شرجیل کے الفاظ میں اٹکا۔

"دعا......!" وہ ٹھٹک گیا۔

"ہاں مجھے دعا کرنی چاہیے، جب عریشہ مجھ سے چھنی میں اس قابل کہاں تھا کہ خدا سے اسے مانگ سکتا مگر تمہیں میں دور نہیں جانے دوں گا فاطمہ، اب کی بار میں اللہ کو منالوں گا۔" وہ نم آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے وہ ایک نئے عزم کے ساتھ وضو کر کے رب کے دربار میں حاضر ہوا۔

تو دعا کو ہاتھ پھیلاتے ہی دل کی کیفیت میں عاجزی و خشوع وخضوع اتر آیا۔

"اے سب فریادیوں کی فریاد سننے والے، میری فریاد سن لے۔" وہ گڑگڑاتا ہوا سسکتا ہوا دعا مانگ رہا تھا۔

فاطمہ کو ہوش آیا تو سب سے پہلے اس کے پاس وہ بھاگا بھاگا گیا، گولیاں فاطمہ کے کاندھے اور بازو پر لگی تھیں۔ زیادہ خون بہہ جانے کے باعث وہ بالکل زرد ہو رہی تھی۔ عباس اس کے بستر پر ٹک گیا اور اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا مگر فاطمہ کو منہ پھیرتے دیکھ کر وہ کیسے دھک سے رہ گیا تھا فاطمہ نے آنکھوں کی نمی کو بہنے دیا۔

"میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتی، میں کمزور ہونا نہیں چاہتی۔" عباس کا بجھا ہوا چہرا اس کا شکن آلود لباس، از خود اس کی پریشانی واضطراب کا گواہ تھا۔ وہ اب ان احساسات کو ہی تو نہیں محسوس کرنا چاہتی تھی اسے سب سے بڑا خطرہ

اپنے ہار جانے کا ہی تو تھا۔

"بھائی۔" وہ سسکی۔

"مجھے بھائی سے ملنا ہے۔" وہ یونہی رخ پھیرے بولی تھی آواز میں کتنی بے چینی اور بھراہٹ تھی اس نے اپنا ہاتھ بھی عباس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا اور عباس کے اندر زور کا چھناکا ہوا تھا اور سب کچھ ٹوٹتا چلا گیا وہ بہت کچھ کھو چکا تھا اب مزید کچھ کھونے کا تصور ہی اسے وحشت میں مبتلا کرتا تھا۔

"تم ٹھیک ہو اب فاطمہ آئی ایم سوری میری وجہ سے۔"

"بھائی نہیں آئے کیا؟" وہ نقاہت سے چور آواز میں پوچھ رہی تھی عباس کے حوصلے پھر مسمار ہوئے جنہیں وہ دقتوں سے سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ چپ سا ہوگیا اور اسے دیکھتا رہ گیا جو شاید اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ ہاں، اس نے اس لڑکی کی تذلیل کی انتہا بھی تو کردی تھی لیکن وہ تو بہت باحوصلہ تھی۔ بہت اعلیٰ ظرف بھی اور......اور اس سے محبت بھی تو کرتی تھی۔ پھر کیا ہوا کیا وقت اتنی تیزی سے گزر گیا کہ وہ اس کی جانب سے مایوس ہوگئی۔ یا اتنی خفا کے اب از خود کوئی گنجائش نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ جبکہ وہ خود گواہ تھا کہ وہ اس شعر کی عملی تفسیر تھی۔

جانے کس کس پر پڑی ہوں گی نگاہیں تیری
میں نے چن چن کے تیرے شہر کے پتھر چومے

ایسی ہی دیوانگی کا شکار تھی وہ اس کے معاملے میں مگر یہ بھی تو سچ ہے ناں کہ ہر جذبہ ہر احساس جواباً ویسی ہی پذیرائی چاہتا ہے یہاں پذیرائی کیا ہونا تھی۔ یہاں تو ذلت کے لاتعداد قصے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آسکی فاطمہ کے اس رویے کی یہ بے دلی تھی، مایوسی تھی یا پھر واپسی کے راستوں پر قدموں کا مڑنا۔ جو بھی تھا عباس کے اندر زیاں کے احساس کو گہرا کرنے لگا۔

دوسری جانب فاطمہ نے محض ایک نظر میں اس کے چہرے کے کرب واذیت کو پالیا تھا اور بے حد یاسیت میں گھرتے آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔ اس کا دل کراہنے لگا تھا عباس کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھ کر مگر وہ اسے روک نہیں سکی۔

"مجھے معاف کردیں عباس، میں آپ سے ہرگز انتقام نہیں لے رہی، لے ہی نہیں سکتی مگر یہ زندگی کا ایسا مقام ہے کہ میں آپ کو چن کر اپنے اللہ کی نظروں سے نہیں گرسکتی۔" اس نے دل میں کہا۔ وہ ایسا ہی کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ اب بھی عباس کو اللہ کے مقابلے پر جیتنے نہیں دے گی۔ وہ اس کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھی۔ وہ خوش نہیں تھی مگر وہ خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو گڑیا! کہیں درد تو نہیں ہو رہا؟" ابراہیم احمد کی آواز پر اس نے اپنی سرخ آنکھیں کھولیں تو تب سے جمع شدہ آنسو کناروں سے پھسل کر بالوں اور تکیے میں جذب ہونے لگے۔

"مجھے گھر لے چلیں بھائی۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کتنی بے قراری سے رو پڑی تھی۔ ابراہیم احمد حیران ہونے لگا۔

"ابھی......؟ ڈاکٹر اجازت نہیں دیں گے۔"

"ان سے نہ پوچھیں لیکن مجھے لے جائیں، وہ سب غیر محرم ہیں میرے لیے۔ جب مجھے ہاتھ لگاتے ہیں تو بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آپ کو تو پتا ہے کہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ زینب نے بتایا تھا کہ غیر محرم سے ایسے بچنا چاہیے جیسے غلاظت سے، جیسے آگ سے۔" اس کے انداز میں جتنی بھی شدت تھی مگر اس کی ضد بے جا نہیں تھی۔ ابراہیم احمد کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

"آپ زینب کو مطلع کردیں بھائی۔ وہ میری ڈریسنگ کردیا کریں گی۔" گھر آنے کے بعد اس نے مزید کہا تھا ابراہیم احمد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"زینب یہ کام کہاں کرتی ہیں اپنی ویز میں کسی فی میل ڈاکٹر کا انتظام کروں گا عباس بھائی سے کہہ کر۔"

"آپ گھر کا چکر لگالیں بھائی بہت تھکن ہوگئی ہے آپ کو میری وجہ سے۔" اس کی تمام تر توجہ کا مرکز وہی تھا۔ عباس کو عجیب سا احساس گھیرنے لگا۔ وہ واقعی بدل گئی تھی۔

اس نے اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں پر بھی توجہ نہیں دی تھی جو اس کے دائیں بائیں آ کر لپٹ گئے تھے اور ماں کی حالت دیکھ کر خاصے ہراساں تھے۔

"سیما بچوں کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔" اس سے برداشت نہ ہوسکا تو بول پڑا۔ ملازمہ کی تعمیل پر بچے اینٹھ گئے تھے اور فاطمہ سے چپکے جانے لگے۔ تب فاطمہ نے اشارے سے سیما کو منع کیا اور بچوں کو مزید خود سے قریب کرلیا تھا۔

"مجھے ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے سیماں، نو مینشن۔" سیما سر ہلاتی پلٹ گئی تھی۔

"میں شام میں آؤں گا فاطمہ سمعیہ کو لے کر اپنا خیال رکھنا فی امان اللہ۔" ابراہیم احمد عباس سے مصافحہ کر کے رخصت ہوگیا۔

"سیما ان کے لیے سوپ لے آؤ۔" عباس کے کہنے پر ملازمہ جیسے ہی باہر جانے کو مڑی فاطمہ نے ٹوک دیا۔

"نہیں فی الحال تم مجھے وضو کرادو، مجھے ابھی نماز پڑھنی ہے۔" اس کی بات نے عباس کو بے حد حیران کیا اور جبھی وہ بے اختیار بول پڑا۔

"نماز؟" سوالیہ انداز میں فاطمہ نے پہلی بار اسے براہ راست دیکھا۔

"کیوں، کوئی اعتراض ہے آپ کو؟" اس کا لہجہ اس کا انداز کس قدر روٹھا تھا۔ عباس گڑبڑا سا گیا۔

"میرا مطلب ہے کہ ابھی تمہاری طبیعت بہتر نہیں ہے تو بعد میں قضا نمازوں کی ادائیگی......!"

"میں ہرگز اتنی بیمار نہیں کہ نماز چھوڑ دوں، نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو بھی پتا ہوگا۔" اس کا لہجہ گو کہ طنزیہ نہیں تھا اس کے باوجود عباس شرمندہ نظر آنے لگا۔ وضو کرنے سے لے کر نماز ادا کرنے کا مرحلہ بہت گہرے ضبط اور تکلیف کا مرحلہ تھا مگر فاطمہ نے ہمت نہیں ہاری۔ عباس اسے دیکھتا اور داد دیتا رہ گیا تھا۔

"آؤ، یہاں لیٹ جاؤ اور کچھ کھالو۔" وہ جائے نماز سے اٹھی تو عباس نے تیزی سے بڑھ کر اسے اپنی نرم گرفت میں لے کر اپنی پرحدت پناہوں میں لے لیا۔ وہ یونہی نرمی اور احتیاط سے تھامے اسے بیڈ تک لایا تھا۔ فاطمہ سن ہوکر رہ گئی۔ کس حد تک اور کہاں تک وہ خود کو سنبھالے رکھتی اور بچاتی جبکہ عباس نے تو جیسے طے کرلیا تھا اس کی ہمتیں توڑنے کا شکست سے دوچار کر کے اسے بے بس کرنے کا عباس جو اسی کی سمت متوجہ تھا اس کی اسی حیرانی اور بے یقینی کے ساتھ جزبز ہونے والے انداز کو سمجھ کر مسکرانے لگا۔

"میں چاہتا ہوں تم بہت جلد ٹھیک ہوجاؤ، اس کے لیے مجھے تمہاری کیئر تو کرنا پڑے گی نا؟" عباس کے مدہم گمبھیر لہجے کا حصار اس کے گرد نہ ٹوٹنے والا دائرہ بنا رہا تھا۔ وہ اس کی آنچ دیتی نظروں سے بہت سرعت سے پگھلنے لگی۔ جبھی بہت زیادہ گھبراہٹ محسوس کرنے لگی اور اس کا حصار توڑنے کی کوشش کی۔

"میں خود چل سکتی ہوں ہٹ آپ چھوڑیں مجھے۔" وہ جتنی وحشت اور بے چارگی میں مبتلا ہوکر بولی عباس اسی قدر ہرٹ ہوا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں فاطمہ، بیوی ہو تم میری۔" فاطمہ نے دیکھا اس کے خوبرو بے حد پرکشش چہرے پر سرخی چھانے لگی تھی۔ پتا نہیں وہ اسے سمجھا رہا تھا یا احتجاج کررہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قطعی قاصر رہی۔

"میں نے انکار نہیں کیا مگر میں آپ کے اس رویے کی عادی نہیں ہوں۔ مجھے یہ توجہ نہیں چاہیے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ کسی بھی طریقے سے اسے ہرٹ کر کے ہی سہی مگر اس کشمکش سے نکلنا چاہتی تھی۔ عباس گنگ ہونے لگا۔ حیرت ہی حیرت تھی۔ یہ توہین و سبکی کی انتہا تھی اس کے خیال میں وہ اسے جھٹلا رہی تھی اسے ٹھکرا رہی تھی جس کی خاطر اس نے خود در در کی خاک چھانی تھی اور ہرزیاں بہت حوصلے اور ہمت سے بڑھ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے خفا ہو، میں نے سلوک بھی ایسا کیا مگر فاطمہ مجھے ازالہ تو کرنے دو اس رویے کا۔" عباس حیدر کے مخصوص دبنگ لہجے میں التجا اور عاجزی اتر آئی تھی۔ فاطمہ گھائل ہوتی چلی گئی اور دل جیسے بے اختیار سسک پڑا تھا سجدے میں گرتا ہوا۔

"اللہ، تجھ سے بڑھ کر بھی اپنے وعدوں میں کوئی سچا ہوسکتا ہے۔ ابھی میں پوری طرح تیری ہوئی نہیں اور دنیا کو تو نے میرے قدموں میں بھی بچھانا شروع کردیا...... یہ شخص...... بھلا سوچا تھا کبھی میں نے ایسا لیکن یہ ہو رہا تھا بلکہ ہوگیا تھا معجزہ ہی تو تھا اور کرنے والا کون تھا اللہ کے سوا، کس غفلت میں ہے دنیا۔ اللہ کو چھوڑ کر ذلت کے کس خرابوں میں پڑی ہوئی ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور پھر اس کے آنسو بہنے لگے اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔ عباس اسی قدر بے چین اور بے قرار ہوا۔

"آپ پریشان نہ ہوں، اللہ گواہ ہے، مجھے آپ سے کوئی شکوہ کوئی ناراضگی نہیں ہے۔" وہ جھکے سر کے ساتھ بے حد عاجزی سے کہہ رہی تھی عباس پہلے حیران نظر آیا پھر کسی قدر مطمئن۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ رکا اور ایک آسودگی سے بھرپور طویل سانس کھینچا۔

"بس اب جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ، پھر مجھے بھی تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔" اس نے جھک کر فاطمہ کے ہاتھ پر ایک مہکتا بوسہ ثبت کیا اور اٹھ گیا فاطمہ تو مبہوت ہی بیٹھی رہ گئی۔

❁......❁❁......❁
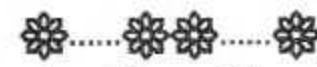
"لاریب......!" سکندر نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے سرگوشی سے ذرا بلند آواز میں اسے پکارا۔ کمرا نیم تاریک تھا اور ایئر فریشنر کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا، سکندر کے پرسکون اعصاب پر خوشگواریت غالب آنے لگی۔

"شاید فراز گھامڑ پہلے ہی آگاہ کرچکا ہے اسے کہ میں منانے آرہا ہوں اسے۔" وہ اپنی سوچ پر مسکرایا اور پھر لاریب کو آواز دی تھی اور آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ سے کئی بٹن دبائے۔ نیم تاریک کمرا یکلخت روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ وہ اپنے دھیان میں پلٹا مگر اپنے روبرو صالحہ کو پا کر اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بھلا اس کے بیڈ روم میں کیا کررہی تھی وہ بھی لاریب کی غیر موجودگی میں۔

"وہ نہیں ہے یہاں، مجھے حکم کریں، کیا خدمت کروں آپ کی؟" صالحہ کے انداز مخصوص بے باکی لیے تھے گفتگو سے لے کر انداز و اطوار تک، خصوصی تیاری کے ساتھ نوک پلک سنوارے، سکندر نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کررہی ہیں؟" اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا۔

"لاریب...... کہاں ہیں لاریب!" وہ زور سے پکارا مگر اس کی آواز مارے صدمے و غیر یقینی سے حلق میں گھٹ گئی۔ صالحہ نے لپک کر صرف اس کا راستہ نہیں روکا بلکہ سارے فاصلے مٹا کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔ سکندر کے اعصاب کھنچنے لگے۔ اس نے ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے قہر بار نظروں سے اسے دیکھا اور خود سے الگ کرنا چاہا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ وہ یہ سب یقیناً کسی منصوبے کے تحت ہی کررہی تھی۔

جبھی نہ صرف اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا حلیہ بگاڑا بلکہ پلٹ کر دروازہ بھی بند کردیا۔ اس کے بعد وہ سکندر کو نوچتے کھسوٹتے اس سے لپٹ کر ہسٹریائی انداز میں چیخنے اور شور مچانے لگی تھی۔ سکندر کے لیے چونکہ یہ سب کچھ بہت غیر متوقع تھا جبھی اسے صورت حال کو سمجھنے اور حواس بحال کرنے میں کچھ وقت لگا اور پھر اس کے بعد وہ طیش میں آ کر ایسے بپھرا کہ صالحہ کی نسوانیت کی پروا کیے بغیر اسے دھنک کر رکھ ڈالا کچھ دیر بعد وہ اس کی اصلی چیخیں سن رہا تھا جن سے در و دیوار لرزے جاتے تھے مگر سکندر کے ہاتھ دروازے کے پار ہونے والی دستک اور سراسیمہ شور کو سن کر بھی نہیں رک سکے۔

"جان سے ماردوں گا تمہیں فاحشہ گھٹیا عورت، مجھ پر الزام لگاؤ گی، مجھ پر جو تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا تم پر۔" اس کی غراہٹوں میں وحشت درندگی، غم و تاسف کے علاوہ ایسا غضب ناک تاثر تھا کہ اس ڈرامے کا حصہ تائی ماں جو اپنے دیوہیکل وجود کے دو چار دھکوں سے لاک توڑ کر دیگر اہل خانہ کے ساتھ اندر گھس آئی تھیں اور واویلا کرتے

ہوئے باقاعدہ سکندر کو کوسنے لگیں۔

''ارے کوئی تو روکے اس کو مار ڈالے گا میری بچی کو۔'' ان کے شور مچانے پر فراز اور نبیل جو سرخ چہرے لیے کھڑے تھے نا چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھ آئے اور بامشکل بے قابو سکندر کو قابو کیا۔

''بس کرو سکندر، اتنا سبق کافی ہے۔'' فراز کی سرگوشی پر سکندر نے لہو چھلکاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری، میں ابھی بلواتی ہوں تیرے ابا کو، ارے ہم تو ملنے کے واسطے آئے تھے کیا پتا تھا گھر کے محافظ ہی نقیب نکلیں گے۔'' تائی ماں کی فریاد جاری تھی۔ صرف وہی تھیں جو صالحہ کے زخم سہلا کر چیخ چلا بھی رہی تھیں۔ باقی تو ہر سو سناٹا تھا۔ سکندر نے لاریب کی جانب دیکھا جس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ سخت مضطرب ہوتا اس کی جانب لپکا۔

''لاریب میں......!'' لاریب نے سہم کر اس کی جانب نگاہ کی تھی پھر اگلے لمحے سسکیاں دباتی پلٹ کر بھاگی اور کمرے سے نکل گئی۔ سکندر نے اضطراب بھری نظروں کا رخ فراز کی جانب پھیرا جو تسلی آمیز انداز میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی، میں دلاؤں گا بھابی کو تمہاری بے گناہی کا یقین۔'' اس کی تسلی کے باوجود سکندر کو گھیرتی وحشت میں اضافہ ہونے لگا۔ لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بھینچے۔ وہ پلٹ کر تیزی سے کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا زندگی کو شاید ابھی اس کی اور آزمائش درکار تھی۔

❁......❁❁......❁

وہ بتدریج ٹھیک ہو رہی تھی۔ گاؤں سے اماں جان بابا جان کے علاوہ زیبی، مہرو اور امامہ بھی اس کی خیریت دریافت کرنے آچکی تھی۔ چھوٹی حویلی سے بھی ایمان بابا سائیں کے ہمراہ کل ہو کر گئی تھی۔ عباس ان دنوں بہت کم دکھائی دیتا البتہ اس نے فاطمہ کو کسی سے بھی کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ کراچی میں اس قسم کے واقعات عجیب لگتے بھی کہاں تھے۔ عباس اس کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ میں مصروف تھا۔

''آپ کو اتنا انوالو نہیں ہونا چاہیے اس معاملے میں، ان لوگوں کا مقصد آپ کو ہی تو نقصان پہنچانا تھا۔'' فاطمہ چپ رہ نہیں سکی تھی یہ کہنے سے اس کی جانب سے آج کل ہر دم دل ہولتا ہی رہتا جب تک وہ گھر سے باہر ہوتا۔ فاطمہ کا دھیان اس کی جانب لگا رہتا۔ وہ گھر آجاتا نظر کے سامنے ہوتا تو جیسے پوری دنیا کا سکون و امن آبستا تھا اس کے دل میں اس وقت بھی وہ وارڈ روب کے سامنے کھڑا اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔ فاطمہ کی اس بات پہ کام ادھورا چھوڑ کر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ پھر وارڈ روب کا دروازہ کھلا چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی فاطمہ مجھے سامنے سے ہٹا کر خود کو ان بلٹس کا نشانہ بنانے کی اگر تمہیں اس دن کچھ ہو جاتا۔'' عباس نے بات روک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہونٹوں سے چومنے کے بعد نم آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم نے یہ کیوں نہ سوچا فاطمہ کہ میرا کیا بنے گا، عریشہ کو کھو کر میں دیوانگی کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔ مگر تمہیں کھو کر واقعی ہی......!'' اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث فاطمہ کا بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے ہونٹوں پر رکھا ہاتھ تھا۔ کیسی تڑپ اور بے قراری تھی اس انداز میں آنکھوں میں جو وحشت ابھری تھی اس کا کیا شمار عباس نے اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں کو دیکھا۔ کپکپاتے ہونٹوں کو پھر کچھ کہے بغیر تھوڑا سا اس کی جانب سرکا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ یہ ایسی پیش رفت تھی جس نے فاطمہ کو سکتہ زدہ کر ڈالا۔

بھلا کبھی سوچا تھا اس نے...... یہ بے مہر شخص جس کی آنکھوں میں اس کے لیے صرف بیگانگی نفرت یا پھر تلخی ہوتی تھی۔ کبھی اس طرح اس کا قدردان بھی بن جائے گا۔ اس کا دل رو پڑا۔ رواں رواں فریاد کناں ہونے لگا۔ وہ جتنا اس آزمائش سے بچنے کو ہاتھ پیر مارتی تھی اس قدر اس دلدل میں دھنس رہی تھی۔ اس کا دل پانی بن کر پگھلنے لگا تھا...... اب اس مقام پر وہ اس شخص کو جھٹلا سکتی تھی اسے ہرٹ کر سکتی تھی؟

اس کے پورے وجود میں نہیں...... نہیں کی پکار مچنے لگی۔ شاید وہ اس قابل نہیں تھی کہ اللہ کے لیے کچھ کر سکتی۔ عباس جانے اسے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سنتی تو سمجھتی نا، اس کا دل تو رنج و غم اور آزمائش کے احساس سے دوچار تھا۔ اس سے بھی بڑا احساس خوف کا احساس تھا۔ معاً اس کے نڈھال بے جان ہوتے جسم میں توانائی آ گئی۔ اس کے وجود میں تحریک پیدا ہوئی۔ وہ ایک جھٹکے سے تڑپ اٹھنے کے انداز میں عباس کے بازو جھٹک کر تیزی سے پیچھے ہوئی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مگر وہ بولنا چاہتی تھی اس کے باوجود کہ شدت غم کے باعث آواز بہت بھاری تھی۔

''میں آپ کی غلط فہمی دور کرنا چاہوں گی۔ اس دن یہ سب بائی چانس ہوا، میں ہوش و حواس میں ایسا کیوں کرنے لگی؟'' اس نے دانستہ عباس کو دکھ سے دوچار کیا۔ ایسا دکھ جو نسبتاً بڑے غم سے معمولی تھا۔ وہ بس اب اس کے لیے اتنا ہی کر سکتی تھی۔ بات ایسی تھی کہ جس نے عباس کے چہرے کی رنگت ہی تبدیل نہیں کی ہونٹوں پر بھی چپ کی مہر لگا دی تھی۔ اس نے عباس کی صدمہ زدہ کیفیت کو دیکھا پھر اس بدگمانی کے سلسلے کو کچھ اور دراز کرنے لگی۔

''میری بات سنیں عباس، آپ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں، مجھے کبھی بھی آپ سے ایسی جنونی محبت نہیں رہی کہ جس کی بیس پر میں کوئی ایسا جنونی قدم اٹھاتی۔'' اس نے عباس سے نگاہ چار کیے بنا کہا۔ عباس اسے دیکھتا رہا۔ وہی جلن تھی اس پل اس کی سحر طراز آنکھوں میں۔ وہی بے خبری، وہی اجنبیت، وہی بے نیازی و لاتعلقی جو کبھی عباس نے اس کے لیے روا رکھی تھی۔

آج وقت نے پلٹا کر اس پر مسلط کر دی تھی۔ اس کی پیش رفت، پیش قدمی پھر بے کار گئی۔ اس کی قربت اس کی نگاہ عنایت نے بھی فاطمہ کو اسیر نہیں کیا کوئی فرق نہیں پڑا تھا اسے جیسے۔ عباس کچھ کہے بغیر ہونٹ بھینچے اٹھ گیا۔ باہر بالکونی میں آ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کے ذہن پہ فاطمہ کی آواز خنجر بن کر ضرب کاری لگانے لگی۔ وہ ایک ایک لمحہ اس کی یادداشت کے پردے پر ڈولنے لگا۔ جب جب اس کی دیوانگی اس کی آنکھوں اس کے چہرے اور ہر ہر حرکت سے چھلکتی نظر آئی تھی...... مگر اب وہی فاطمہ تھی جو کچھ اور رویے کچھ اور انداز میں اس کے سامنے تھی کل صبح جب وہ کمرے میں آیا دیا اس کے پاس جانے کو رو رو کر ہلکان تھی۔

''اسے لے جاؤ یہاں سے سیما، میں تلاوت کے دوران ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی۔'' وہ ٹی وی آن کیے اسلامک چینل دیکھ رہی تھی۔ جہاں قرأت سکھائی جارہی تھی فاطمہ باقاعدگی سے اس وقت قرأت سیکھتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی عباس اور بچوں سے بے رغبتی کے کئی مظاہرے تھے جو وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ چکا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا وہ بچوں سے بے زار نظر آیا کرتی زیادہ وقت جائے نماز پر گزارتی یا پھر قرآن پاک کھولے اپنا سبق دہرایا کرتی۔ جو ٹائم بچتا اس میں اسلامی کتب کا مطالعہ کرتی رہتی۔

عباس کے لیے سب سے تکلیف دہ امر بچوں کا نظر انداز ہونا تھا۔ جو ماں کی اس بے پروائی کے نتیجے میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ڈسٹرب ہوتے اور بجھتے جا رہے تھے۔

''کیا میں نے تمہاری طرف رجوع کرنے میں اتنی دیر لگا دی فاطمہ کہ باقی کچھ نہیں بچا۔'' اس کے مضطرب ذہن نے تکلیف دہ سوچ کو جگہ دے کر اضطراب کو اور بڑھاوا دیا تھا۔ وہ وہیں ٹہلتا ہوا سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

مغرب و عشا ادا کر کے وہ واپس گھر لوٹا تو فاطمہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ سر کے نیچے کشن اور گود میں دیا، اسامہ بیڈ پر سو رہا تھا۔ عباس کو سکون محسوس ہوا۔ کچھ کہے بغیر وہ آہستگی سے بڑھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ فاطمہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ اسے محض ایک نظر دیکھا تھا۔

''اپنے کمرے میں چلو فاطمہ۔'' اس نے بے حد نرمی سے اسے مخاطب کیا تھا۔ فاطمہ نے اچنبھے میں گھور کر اسے

دیکھا پھر سر کو نفی میں ہلانے لگی۔

"میرا کمرا یہی ہے۔"

"یہ ہمارے بچوں کا کمرا ہے۔" عباس کی مسکراہٹ بھی نرم تھی جو اس کے چہرے کو مزید نکھار رہی تھی۔ مزید حسین بنا کر دکھا رہی تھی مگر اب فاطمہ اسے دیکھا ہی کہاں کرتی تھی۔

"یہ بچے بھی آپ کے ہی ہیں، میں تو نہیں......!"

"فاطمہ پلیز...... پلیز لیو دس حالانکہ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے دیکھو میری بات سنو۔" وہ رکا اور پھر اس کے قریب جا بیٹھا۔ پھر سرک کر اس کے لیے بھی اپنے قریب گنجائش نکالی۔

"یہاں میرے پاس آؤ۔" فاطمہ اٹھی مگر اس کے پاس جانے کے بجائے واش روم میں بند ہوگئی۔ عباس اس کی ہر دم تیز ہوتی سسکیاں سنتا اپنے آپ کو الاؤ میں دہکتا محسوس کررہا تھا۔

❁......❁❁......❁

اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ہونٹوں میں دہکتا ہوا سگریٹ، وہ کسی کام سے باہر جارہا تھا مگر پورچ میں آکر بے خیال سا کھڑا رہ گیا۔ یاد کرنے کے باوجود اسے سمجھ نہیں آسکی اسے کہاں جانا تھا۔ گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں تھی اور چہرے پر بے بسی کا تاثر چھلکتا تھا۔ فاطمہ کا رویہ اسے اتنا ہی ڈسٹرب کرچکا تھا وہ یہ سوچ کر وحشت زدہ تھا وہ کیوں بدل گئی۔ وہ یہ سوچ کر خائف ہوتا اگر وہ بھی اسے چھوڑ گئی؟ اس کی مثال اس بے سمجھ بچے کی تھی جو توجہ کا طالب بن کر ماں کے آنچل میں پناہ ڈھونڈتا ہے ایسے میں اگر اسے مہربان گود میسر نہ آئے تو بے امانی کی کیفیت وارد ہوتی ہوگی اس پر۔

وہ اتنا ہی غائب دماغ تھا جب آہنی گیٹ کے پار کسی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا۔ عباس نے گردن موڑی سلور گرے ہنڈا سوک کھلے گیٹ سے اندر آتی اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔ عباس کی نظریں لاریب پر تھمنے لگیں۔ فیروزی لباس میں اس کی گلابی رنگت کا نکھار نگاہ کو چکا چوند کرتا تھا۔ عباس نے نظر کا زاویہ بدل ڈالا۔ اس کے باوجود کہ اسے یہاں پا کر وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"السلام علیکم! ہم لوگ فاطمہ کی عیادت کے سلسلے میں آئے ہیں۔ یہ سکندر کی والدہ ہیں میری ساس۔" نزدیک آنے پر اس نے ہی سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"اندر تشریف لائیے، آپ کیسی ہیں آنٹی؟" سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے مشفق و بزرگ خاتون کو ہاتھ کا سہارا دینے کی غرض سے تھام لیا۔

"جیتے رہو بیٹے، بچی کی طبیعت تو ٹھیک ہے اب؟" اماں اس غیر معمولی حسن و جمال کے حامل امیر کبیر اور با رعب شخصیت کے مالک شاندار نوجوان کے اخلاق سے متاثر نظر آئیں بے حد محبت بھرے انداز میں گفتگو شروع کررہی تھیں۔

"الحمدللہ بہت بہتر ہے پہلے سے، آپ ٹھیک ہیں لاریب۔" عباس نے نرم روی سے جواب دیتے اچانک لاریب کو مخاطب کیا۔ جو خاموشی اور لیے دیے نظر آتی تھی۔ اس سوال پر چونک کر متوجہ ہوئی اور اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کر نگاہ کا زاویہ پھر بدل لیا۔ اب وہ اس شخص کے سامنے سے اسے دیکھنے سے اس لیے گریزاں رہا کرتی تھی کہ وہ سکندر کے حق میں بددیانتی نہیں چاہتی تھی۔

"الحمدللہ ہر لحاظ سے کرم ہے اللہ کا مجھ پر۔" اس کا انداز کچھ جتلاتا ہوا محسوس کرکے عباس اندر ہی اندر وحشت کا شکار ہوا۔ جتنا بھی خود سے بھاگتا یہ احساس دامن چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ تھا کہ بہرحال وہ اس لڑکی کا دین دار تھا مگر اس پل وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا بھی قائل ہوا تھا جبھی اظہار میں ممانعت نہیں سمجھی۔

"مجھے اچھا لگا ہے لاریب کہ آپ نے مجھے معاف کرکے کشادہ دلی کا ثبوت پیش کیا، جزاک اللہ۔" اس کا اشارہ یہاں اس کے گھر آنے اور سابقہ باتوں کو فراموش کرنے کی جانب ہی تھا۔ وہ اتنا مدہم بولا تھا کہ لاریب بامشکل ہی سن سکی۔ اس نے بے اختیاری کی کیفیت میں عباس کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں ممنونیت تھی تشکر تھا لاریب نے ہونٹ باہم سختی سے دبائے اور جل اٹھنے والی نظروں کو جھکا لیا۔ زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں مگر وہ ضبط اور حوصلے میں اب ماہر ہوچکی تھی۔

"میں اب واپس پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی، عباس حیدر، ورنہ اللہ گواہ ہے تم تو آج بھی وہی ہو کہ قافلے راہ بھول جائیں میں نے جانا میں نے مانا کہ جو ہونا تھا ہو چکا یہ بھی تسلیم کرلیا کہ تم میری بہت کڑی آزمائش تھے۔ جس نے میری ہستی تاراج کرکے رکھ دی۔ دوبارہ تعمیر کا عمل جاری ہے۔ ایسے میں بس نہیں چلتا تھا تمہارا سامنا نہ ہو۔ میں خوفزدہ ہوں کہ پھر سے ہار نہ جاؤں، یہ صبر اور برداشت بڑی دقت کے کام ہیں۔ ان دقتوں سے میں کیسے گزری کہ روح پر پڑے آبلوں سے ابھی تلک ٹیسیں اٹھتی ہیں۔" عباس لاریب کی سوچوں سے بے خبر انہیں فاطمہ کے پاس اپنے بیڈ روم میں لے آیا تھا۔ تعارف کراتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مطمئن قسم کی مسکان تھی جبکہ لاریب ہنوز گم صم اور غائب دماغ لگتی تھی۔ جس روز صالحہ والا ہنگامہ ہوا اس روز سے ہی وہ حد سے زیادہ ذہنی دباؤ میں تھی جبھی ایمان کی ایسی کیفیت میں ہی کال ریسیو کرکے وہ خود پر مزید خول نہیں چڑھا سکی۔

اور اسے کہہ دیا ڈرائیور بھیج دے وہ ملنے آنا چاہتی ہے۔ سکندر کو بتائے بغیر وہاں جانے کے بعد اسے اس جذباتی حرکت کا احساس ہوا تھا۔ بگڑا ہوا معاملہ مزید بگڑ سکتا تھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی فراز کا فون اس کے لیے آگیا تھا۔

"آپ کیوں اس طرح چلی گئی بھابی، آپ کو اندازہ ہے سکندر کن کرائسس سے گزر رہا ہے کتنا اپ سیٹ ہے وہ۔"

"مجھے ان سے اور ان کے معاملات سے ہرگز کوئی غرض نہیں ہے۔" وہ پھٹ پڑی تھی وہ سب کچھ برداشت کرسکتی تھی سوائے اس ایک بات کے۔

"دس از ناٹ فیئر بھابی، کن لوگوں کی باتوں میں آرہی ہیں آپ، جن کا مقصد ہی یہی ہے۔" فراز کتنا عاجز ہوچکا تھا۔ پھر صالحہ کے حوالے سے ایک ایک بات کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے آخر میں وہ بے حد عاجز ہوگیا تھا جواب میں لاریب خاموش تھی۔ فراز کو یہی خاموشی ٹینشن میں مبتلا کررہی تھی۔

"آپ کو اگر میری باتوں کا بھی یقین نہیں تو امی بھابی سے پوچھ لیں، بڑی اماں اور صالحہ کے ہر کارنامے سے وہ بھی آگاہ ہیں صالحہ کی یہ کوششیں نئی نہیں ہیں نہ ہی حرکتیں۔ بھلا کون محفوظ رہا اس کے شر سے میں یا پھر شرجیل بھائی، سکندر کی جان تک کو خطرہ ہے ان لوگوں سے بھابی، یہ تو بہت معمولی واقعہ ہے جو کچھ میں ان سے ایکسپیکٹ کررہا تھا۔" اور پہلے سے مضطرب لاریب یہ سنتی مزید بے چینیاں بے قراریاں سمیٹ لائی، اب واقعی اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ وہ ایمان سے اپنی سب حماقتیں کہہ ڈالتی اور جواب میں ایمان سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

"فراز بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے لاریب، مجھے حیرانی ہے تم میں اتنی سی بھی عقل نہیں ہے۔ سکندر کو ایسے حالات میں مورل سپورٹ دینے کے بجائے تم نے اسے اور بھی تنہا کر ڈالا۔" وہ اسے ڈانٹنے پر مجبور ہوئی اور لاریب بجائے ہمدردی کے ڈانٹ سن کر روہانسی ہوگئی۔

"مجھے الہام تھوڑی ہوتے ہیں۔" اس کے روٹھے پن سے کہنے پر ایمان نے اسے بے دریغ گھورا۔

"نہیں الہام ہوتے تو گھر سے اس طرح منہ اٹھا کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب تم شادی شدہ ہو لاریب، کچھ خیال رکھا کرو، فوراً واپس جاؤ، پتا نہیں کتنا ٹینس ہوگا سکندر۔" اور لاریب گڑبڑا کر رہ گئی یعنی سارا کیس ہی اس پر الٹ گیا تھا۔ ایمان نے اسے واپس بھجوا کے دم لیا تھا۔ جس وقت وہ گھر پہنچی اماں اور اریبہ ہی گھر پر تھیں۔ دونوں ہی اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھیں اور اٹھ کر اس کا پرجوش انداز میں ماتھا چوما۔

"میری بچی، شکر ہے آگئی تو۔"

"سکندر ٹھیک ہیں؟" اس کے سوال پر اماں نے سرد

آہ بھری۔

"بہت پریشان لگتا ہے عجیب عورتیں ہیں اللہ معاف کرے ایسی بے حیائی ہم نے تو دیکھی نہ سنی۔" اماں کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔ لاریب انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کو سکندر پر اتنا یقین ہے اماں؟" اس کے سوال پر اماں کتنی طمانیت سے مسکرائی تھیں۔

"میری بچی اس کا لمحہ لمحہ میرے سامنے گزرا ہے۔ اس کے کردار کی تو میں قسم بھی اٹھا سکتی ہوں۔ تمہارے علاوہ اس نے تو کبھی ثانیہ کو بھی اس نظر سے نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ ہماری خواہش یہی تھی۔" اور لاریب ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی تھی۔

"امامہ دھی کے دیور کی گھر والی کو سنا ہے گولیاں لگ گئی ہیں۔ تمہارے سب رشتہ دار پتا لے آئے مجھے گھر ہی معلوم نہ تھا۔ سکندر سے جتنی بار کہا ٹال گیا تم لے چلو بیٹی مجھے وہاں جانا تو تمہارا بھی بنتا ہے۔" لاریب ابھی کھانا کھا چکی تھی جب اماں نے آ کر اپنا مدعا بیان کیا لاریب سوچ میں پڑ گئی۔ سکندر کی اجازت کے بغیر وہ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی تھی۔

"آپ سکندر سے پوچھ لیں پہلے میں تب تک نماز پڑھ لوں۔"

"وہ منع تھوڑی کرے گا، خیر فون ملا کر بات کرا دو میری۔" لاریب نے نا چاہتے ہوئے بھی نمبر ملایا جو بند جا رہا تھا دو تین بار ٹرائی کرنے پر بھی وہی صورت حال لاریب نے آفس رابطہ قائم کیا مگر وہ آفس میں نہیں تھا۔

"آئے گا تو بتا دیں گے پتر، تو چل اس نے کیا کہنا ہے بھلا۔" وہ نماز پڑھ چکی تو اماں کا اصرار پھر سے شروع ہوا بلکہ اتنا بڑھا کہ اسے ٹالنا مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔

"لاریب چائے لیں نا پلیز۔" فاطمہ کی آواز پر وہ جو سکندر کے متوقع ردعمل کو سوچ کر خائف ہو رہی تھی بری طرح چونکی۔ فاطمہ اس کی جانب ہی متوجہ تھی۔ نگاہ چار ہونے پر مسکرائی۔ اس کے چہرے و آنکھوں میں سابقہ ملاقات کی کسی تلخی کا شائبہ نہیں تھا لاریب البتہ اپنے اس شدید ردعمل کو یاد کر کے خفت سے دوچار ہوئی۔

"شکریہ آپ کا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر مگ لے لیا۔

"فاطمہ بہت اچھی کافی بناتی ہیں اگلی بار آپ آئیں گی تو فاطمہ خود کافی بنا کر آپ کو پلائیں گی ہے نا فاطمہ۔" عباس کے گمبھیر لہجے میں مستقبل کے حوالے سے خوش آئند احساس تھا۔ لاریب نے دیکھا وہ فاطمہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ چائے لاریب کے حلق سے پھنس کر گزری، لاریب نے بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"یہ دوسری بار شادی کر کے بھی کتنا مطمئن اور مگن لگتا ہے اور میں...... مجھ سے اپنا ایک معاملہ بھی نہیں سنبھالا گیا۔ کوئی ہو گا مجھ سے بڑھ کر بھی کج فہم۔" زیاں اس کے اندر بارش برسنے لگا۔

عباس کی نظریں فاطمہ پر تھیں اور فاطمہ تب سے چہرے کا رخ دانستہ پھیرے ہوئے تھی۔ عباس کے دل کی عجیب کیفیات ہونے لگیں۔ یہ سچ تھا اب کہ اسے فاطمہ کی یہ بے رخی ہرٹ اور دکھی کرنے لگی تھی ذہن میں کبھی کی پڑھی نظم تلاطم برپا کرنے لگی۔ الٹ ہی کھیل ہوا تھا اس کے ساتھ بھی، انوکھا، غیر یقین اور عجیب تر اس کی نظریں عجیب سی یاسیت اور بے بسی لیے فاطمہ کے خدوخال میں الجھنے لگیں۔

عجیب سنجوگ ہے جاناں\
یہ کیسا روگ ہے جاناں\
بڑے بوڑھے بتاتے تھے\
کئی قصے سناتے تھے\
مگر ہم مانتے کب تھے\
یہ سب کچھ جانتے کب تھے\
کہ بہت پختہ ارادے کس طرح سے\
ٹوٹ جاتے ہیں\
ہمیں ادراک ہی کب تھا\
ہمیں کامل بھروسہ تھا\
ہمارے ساتھ کسی صورت بھی ایسا ہو نہیں سکتا\
یہ دل قابو سے باہر ہو نہیں سکتا

مگر پھر یوں ہوا جاناں\
نہ جانے کیوں ہوا جاناں\
جگر کا خوں ہوا ایسا\
تیرے ابرو کی جنبش پر\
تیرے قدموں کی آہٹ پر\
گلابی مسکراہٹ پر\
تیرے سر کے اشارے پر\
صدائے دلبرانہ پر\
چہرائے معصومانہ پر\
نگاہ قاتلانہ پر\
جفائے مجرمانہ پر\
ادائے کافرانہ پر\
گھائل ہو گئے ہم بھی\
بڑے بے باک پھرتے تھے\
مائل ہو گئے ہم بھی\
سخاوت کرنے آئے تھے\
سائل ہو گئے ہم بھی\
بڑے بوڑھے کی ان باتوں کے\
قائل ہو گئے ہم بھی

اس کی نظریں بے خود تھیں وارفتہ تھیں اور جذبات کے شدید احساس سے دہکتی ہوئی تھیں۔ فاطمہ بنا دیکھے بھی ان کی تپش کا احساس رکھتی تھی۔ جبھی حد سے زیادہ کنفیوژ نظر آنے لگی۔ اس کی بدلتی متغیر ہوتی رنگت لاریب سے ہوتی گفتگو دونوں میں بوکھلاہٹ اترنے لگی۔ عباس نے محسوس کیا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔ یہ مسکراہٹ دل کی گہرائیوں سے آسودگی کے بھرپور احساس سمیت اٹھی تھی جبھی اس کی کشش کا سحر سر چڑھ کر بولتا تھا۔ فاطمہ کے بجائے لاریب کی نظر پڑی تھی اور دل جیسے دھک سے رہ گیا اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں نگاہ کا زاویہ بدلا۔

"سر...... سکندر صاحب تشریف لائے ہیں۔" ملازمہ پیغام لے کر آئی تھی عباس کے ساتھ ساتھ فاطمہ اور اماں بھی خوش گوار حیرت میں گھر گئیں جبکہ لاریب کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

"میرے خدا...... سکندر یہاں کیوں آ گئے کیا انہیں پتا تھا کہ ہم یہاں ہیں اور اب......؟"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میں خود لے کر آتا ہوں انہیں۔" عباس کے انداز میں خوشی تھی وہ مسکرا کر کہتا اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"مجھے لگتا ہے سکندر بھائی کو پتا چل گیا تھا یہیں ہیں آپ بہت اچھی بات ہے اس بہانے میں بھی مل لوں گی ان سے آپ کی شادی پر بھی نہیں آ سکے تھے ہم۔" دوپٹہ اچھی طرح پھیلا کر اوڑھتی ہوئی فاطمہ اپنے مخصوص معصومیت بھرے دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لاریب کو زبردستی کی مسکراہٹ دانستہ، ہونٹوں تک لانی پڑی، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اندر تک خائف ہو چکی تھی۔

"یہ لیجیے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیجیے کہ آپ کی مسز یہیں ہیں مگر ان کے انداز دیکھ کر ضرور یہ لگتا ہے کہ آنٹی انہیں گن پوائنٹ پر یہاں لے کر آئی ہیں۔" عباس کا لہجہ اپنائیت آمیز بے تکلفی لیے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے سکندر نے ایک نظر لاریب کے جھکی پلکوں والے گلابی چہرے پر ڈالی اور فاطمہ سے خیریت دریافت کرنے لگا۔

"پتر تجھے بھی آنا تھا تو بتا دیتے ہم اکیلے نہ آتے۔" اماں کو اختلاج قلب ہونے لگا تھا۔ سکندر مبہم سا مسکرایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے اماں جی پریشانی تو نہیں ہونے دی نا آپ کی بہو کو ڈرائیونگ آتی ہو تو خود بخود بہت سے مسائل حل ہو جایا کرتے ہیں۔" اس نے سرد انداز میں لاریب کو دیکھا، چہرے پر پتھریلا جمود اور لہجہ برف میں ڈھلا ہوا تھا۔ لاریب کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑا۔ اس میں اس لمحے اتنی تاب بھی نہ رہی کہ سر اٹھا کر اسے ایک نگاہ دیکھ لے کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد سکندر چائے کا خالی مگ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عباس اور فاطمہ کے روکنے کے باوجود وہ جانے کو تیار تھے۔

"بات سنیں سکندر۔" عباس کے مخاطب کرنے پر

سکندر جو کسی سوچ میں گم تھا چونک کر متوجہ ہوا عباس ان کے ہمراہ ہی کمرے سے آیا تھا انہیں الوداع کہنے کے لیے۔

"جی عباس بھائی۔" سکندر ہر لحاظ سے اس سے متاثر نظر آرہا تھا۔ چاہے وہ عباس کی رواداری ہو یا بہترین اخلاق وملنسار انداز، حالانکہ وہ مرو تا بھی یہاں آنے کا سوچ کر کتنا اپ سیٹ ہورہا تھا اب عباس کے دوستانہ اپنائیت آمیز انداز نے اس کے ہر خدشے کو بے بنیاد کرڈالا تھا۔

"یہ کارڈ رکھ لیں، سالانہ اجتماع ہے دنیا بھر سے علماء اس میں شرکت کرکے اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے آپ اس نورانی محفل سے محروم نہ رہیں۔" اس نے ایک کارڈ اس کی جانب بڑھایا۔ وہ اپنے مخصوص نرم خو انداز میں بات کررہا تھا۔ سکندر نے بے اختیار کارڈ لے کر اسی وقت کھول کر دیکھا۔

"جی میں ضرور حاضر ہوجاؤں گا۔"

"انشاء اللہ کہو سکندر، قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "نہ کہو میں کل یہ کام کرنے والا ہوں اور کہو ان شاء اللہ۔" عباس کا لہجہ ہنوز متوازن اور نرم تھا سکندر نے بے حد حیرت میں ڈوب کر اسے دیکھا وہ اسے یکسر تبدیل لگا تھا۔

"ان شاء اللہ...... ویسے آپ بہت بدل گئے ہیں۔" سکندر کے لہجے و انداز سے ستائش چھلک رہی تھی عباس کے انداز کی عاجزی کچھ اور بھی گہری ہوگئی۔

"شاید...... میں اللہ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش و جدوجہد میں مبتلا ہوں اور یہ خواہش صرف اپنے لیے ہی نہیں بقول شاعر

حق نے کی ہیں دہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے
خود سراپا نور بن جانے سے بھلا چلتا ہے کام
تم کو اس ظلمت کدے میں نور پھیلانا بھی ہے

"سکندر، اللہ نے ہمیں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور ہم بھولے بیٹھے ہیں وہ مقصد اس دنیا کی رنگینی میں کھو کر مقصد کی تکمیل ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔"

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔" ان کے ہمراہ پورچ تک آتا وہ کتنے خوب صورت الفاظ میں بول رہا تھا۔ وہ باتیں جو کم از کم لاریب نے اس کے منہ سے کبھی نہیں سنی تھیں نہ کبھی وہ اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی۔

"آپ بالکل بدل گئے ہیں۔" بے اختیاری کیفیت میں اس کے ہونٹوں سے یہ فقرہ پھسل گیا تھا۔ جس پر عباس چونکا پھر آہستہ سے مسکرانے لگا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں لاریب، مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں صدیوں تک کسی بند گھٹن زدہ کمرے میں قید رہ کر اب کھلی فضاؤں میں آیا ہوں۔ شاید نہیں یقیناً غم برداشت کرنے سے جسم و روح میں توانائی آجاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے صرف غم نہیں دیا برداشت کرنے کی ہمت سے بھی نوازا۔ اس خالق کائنات کا احسان مند ہوں کہ اس نے ٹھوکر لگانے کے بعد سنبھالا دے دیا۔" اس کا لہجہ و انداز تشکرانہ تھا۔ سکندر ہاتھ ملا کر رخصت ہوا تب بھی عباس وہیں گول ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا وہاں ہلتے پتوں کی آواز کو سنتا آسمان کی وسعتوں میں کچھ کھوجتا رہا تھا۔

"وہ غم باعث رحمت ہے، جس کے عوض ہدایت نصیب ہوا گر تمہیں کھو کر مجھے اللہ ملا ہے عریشہ تو آج مجھے یہ ملال بھی ختم ہوا۔ میں نے جان لیا کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت اور ہماری بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکا تھا تمہارے جانے سے کتنے اہم کام منسوب تھے مجھے ہدایت ملنی تھی اور فاطمہ کو نور ایمان کی روشنی۔ میں نے خود کو اللہ کی رضا میں راضی کرنے کی کوشش کی ہے اللہ بھی ضرور مجھے میری خوشی سے نوازے گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو وہ تمہیں مجھ سے الگ نہیں رکھے گا۔ اس دنیا میں ہمارا ساتھ اتنا ہی تھا مگر اگلی زندگی میں تمہارا مجھ سے ساتھ ان شاء اللہ دائمی ہوگا اور اللہ سے زیادہ کوئی اپنے وعدوں میں سچا نہیں۔"

❀......❀❀......❀

مہک میں سارے حروف دھو کے کر
ثنائے رب جلیل لکھوں
طویل تر سے طویل لکھوں
جمال لکھوں جمیل لکھوں
اسی کو اس کی دلیل لکھوں
کہاں نہیں تھا کہاں نہیں ہے
مجھے بتا وہ جہاں نہیں ہے
ازل سے ہے تا ابد رہے گا
وہ آپ اپنی سند رہے گا
وہی تو ہے لاشریک و یکتا
وہ سب کا خالق وہ سب کا آقا
وہ سب کے اندر وہ سب کے باہر
وہ سب سے اعلیٰ وہ سب سے برتر
رحیم و رحمان صفات اس کی
بڑی کریم ہے ذات اس کی

چینل سرچ کرتے فاطمہ کے ہاتھ تھمے تھے۔ حمد باری تعالیٰ پیش کی جارہی تھی۔ وہ پوری توجہ سے سننے لگی۔ پھر کوئی دینی پروگرام شروع ہوا تھا۔ ہوسٹ اپنے مہمانوں کا تعارف کرارہا تھا۔ اسکرین پر جو چہرے تھے ان میں ایک صورت جانی پہچانی تھی۔ سانولی رنگت میں کھلی سرخیاں صحت مند باریش چہرا خوبروئی کے ساتھ انوکھی چمک لیے ہوئے تھا۔ اس کا ذہن الجھنے لگا شناسائی کا احساس شدت سے دامن پکڑ رہا تھا۔

"جی ہارون صاحب سب سے پہلے آپ کو دعوت دی جاتی ہے حق کی بات کی۔" اینکر کہہ رہا تھا مخاطب وہ ہی شناسا صورت تھی۔ فاطمہ کا ذہن اس قطعی اجنبی نام میں الجھا۔

"ہارون......؟" جبکہ وہ گلا کھنکار کر محو کلام ہوا تھا۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ رحمان وہ ذات جس نے تمہیں مٹی سے انسان بنایا...... وہ ذات جو تمہارے گناہوں کے باوجود تمہیں رزق دیتا ہے اور تم پر اپنی عنایتیں برساتا ہے۔ پھر وہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

"تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟"

اسی رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر احسان عظیم کی انتہا کردی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصول کا مکمل نمونہ پیش کیا۔

بحیثیت اک قانون ساز...... بحیثیت ماہر معاشیات و اقتصادیات...... بحیثیت اک جج اک کمانڈر ان چیف...... بحیثیت اک معلم اخلاق...... بحیثیت اک مصلح معاشرہ

غرض کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیے انہیں کمال کی انتہائی بلندیوں پر دیکھے گی۔ بلکہ مقام نبوت کی وسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی ترقی کے لیے دامن کھلا رکھیں گی۔" یہ لہجہ بھی ہرگز انجان نہیں تھا وہ سن چکی تھی وہ بارہا سن چکی تھی مگر کب، کیسے، یہ سمجھ نہیں آئی تھی اس کی الجھن بڑھنے لگی گرہ تھی کہ کھل کر نہ دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ اس کی توجہ الفاظ سے ہٹ کر اس شناسائیت رکھنے والے لب و لہجے شکل و صورت میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی جبکہ وہ کہہ رہا تھا۔

"چودہ سو سال کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لیے اس سے بہتر سانچہ نہ تیار ہوا نہ ہوسکتا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے بگڑتے رہے۔ خطہ ارض مختلف رنگ و روپ مختلف تہذیب و تمدن اور مختلف انداز معاشرت میں تبدیل ہوتا رہا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آئی سب کی ضرورت کی تکمیل ہوئی۔"

اسے دھیان و الجھن کے ساتھ سنتی فاطمہ کے ادراک نے بالآخر وہ الجھن سلجھالی۔ ذہن میں بنتے مٹتے دائروں نے آخر کار اس شبیہ کو شکل کا روپ دے دیا۔ اس نے جان لیا، اسکرین پر نظر آتا بارعب نورانی چہرہ دیو کا تھا وہ دیو جو مجھی

کا سوتیلا بیٹا تھا وہ دیو جو ہندو تھا۔ وہی دیو جو اس سے شادی کا خواہاں تھا۔ وہ دیو جو اس کی جنبش ابرو پر اپنی جان بھی لٹانے کو کمر بستہ نظر آیا کرتا تھا۔ ایک نئے انداز، ایک نئے رنگ روپ میں اس کے روبرو تھا مگر یہ کیسے ممکن تھا بھلا؟ اسے لگا اس کی بصارتوں نے اس کی سماعتوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ وہ دیو نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا اس کے سامنے ایک یکسر تبدیل حالت میں موجود وہ دیو کے علاوہ بھی کوئی اور نہ تھا۔ اسے ماننا پڑا اسے تسلیم کرنا پڑا مگر وہ گنگ ہوگئی تھی وہ سکتہ زدہ تھی۔ اس کی پتھرائی ہوئی نظروں کا مرکز اسکرین پر نظر آتا دیو تھا۔ وہ یک ٹک اسے گھورتی رہی اس کی نظروں میں انڈین آرمی یونیفارم میں سینہ اور گردن تانے ہوئے دیو کی شبیہہ ابھی بھی تازہ تھی۔

"سب کی کارسائی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔" فاطمہ کی آنکھوں میں اترتی دھند نے سامنے کا ہر منظر دھندلا دیا۔ وہ جانے کس جذبے کے تحت گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ دیو یعنی ہارون احمد کی بھرپور آواز ابھی بھی اس کی سماعتوں میں اتر رہی تھی وہ کتنے یقین کیسی بھرپور طمانیت سے گویا تھا۔

"وہ میرا ہی ہے جسے میں نے حالت مرض میں پکارا تو شفاء دے دی ذلت میں پکارا تو عزت سے نواز دیا۔ جہالت میں پکارا تو نور ہدایت سے منور کرکے رکھ دیا۔ راہ میں جب بھی بھٹکا صحیح راستہ دکھایا۔ غربت میں پکارا تو سخی کردیا۔" فاطمہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ کیسا احساس ندامت احساس ملال جاگ اٹھا تھا ابھی کے ابھی جو اسے اندر ہی اندر کاٹے جاتا تھا اس نے پشیمانی میں گھر کر سوچا۔

"دیو کتنے بڑے اور اعلیٰ مقام تک جا پہنچا کیا اس نے محبت نہیں کی تھی۔ یا اس نے ہجر نہیں کاٹا تھا مسلمان تو وہ بھی ہوا اور منزل پالی۔ مسلمان میں بھی ہوئی اور محض چند بے دھیان سجدوں اور اٹک اٹک کر پڑھے قرآن پاک کے چند لفظوں کے سوا دامن میں کچھ بھی قابل فخر نہیں ہے۔ کیسا ایمان ہے میرا، کیسی تلاش سب بے کار گیا۔ مجھ میں اخلاص تھا ہی نہیں، میں آگے بڑھتی بھی تو کیسے۔"

وہ پہلی بار اس شدت سے اس بے قراری سے اللہ کے سامنے نہیں روئی بلکہ اپنی نااہلی اور ناعملی پر رو رہی تھی۔ اور رب کی بارگاہ میں تو ایک آنسو بھی خوف خدا سے بہہ جائے تو وقعت سے خالی نہیں ہوتا۔ سب سے جلدی راضی ہوجانے والی ہستی اللہ کی ہی پاک ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو بھی اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو اس کا کوئی کام کیسے رک یا بگڑ سکتا ہے۔

❁ ...... ❁❁ ...... ❁

"چیک اپ کے لیے گئی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس؟" لاریب نے جس وقت دودھ کا گلاس لاکر اس کے پاس رکھا سکندر کے سوال نے اسے چونکا ڈالا۔ اس نے گردن موڑ کر سکندر کی جانب دیکھا۔ لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ لیے کسی مہنگے بوتیک کا شلوار سوٹ پہنے جس کی آستین کہنیوں تک فولڈ تھی۔ لاریب کے لیے سکندر کا یہ روپ غیر شناسا مگر سحر انگیز تھا اتنا سحر انگیز کہ وہ کسی کے بھی سر چڑھ کر بول سکتا تھا۔ خاص طور پر صالحہ کے جبھی تو......!" اس نے ہونٹ بھینچ کر سر جھٹکا بلکہ سوچ جھٹکی۔

"خاموش کیوں ہو، کچھ پوچھا ہے تم سے میں نے۔" اس کی خاموشی کے جواب میں سکندر جھنجلانے لگا۔ جبھی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس نے قہر بھری نظروں کو اس پر جمایا۔ لاریب نے نگاہ کا زاویہ بدلنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کی۔

"گئی تھی۔" وہ جیسے ناچار بولی اور پلٹ کر صوفے پر جا بیٹھی۔ جانتی تھی سکندر کا اگلا سوال کیا ہوگا۔ اس کی سوالیہ نظروں سے نظریں کتراتے وہ مضطرب بیٹھی رہی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" سکندر کا ضبط جواب دینے لگا تھا جیسے وہ دانت کچکچا کر ہی بولا تھا۔

"پازیٹیو ہے رپورٹ۔" وہ اسی مشینی انداز میں بولی سکندر اس کے اس سپاٹ انداز پر ہونٹ بھینچنے پر مجبور ہوا تھا کچھ دیر اس کی جانب یونہی جھلستی نظروں سے تکتا رہا پھر

اپنی جگہ چھوڑ کر اس سے کچھ فاصلے پر آن ٹھہرا اور دونوں بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"یقیناً تمہارے لیے یہ خوشی کی خبر نہیں ہوگی؟" اس کا لہجہ بلا کا سرد اور طنزیہ تھا۔

لاریب نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا مگر کچھ بولی نہیں تھی سکندر کا طیش اور دکھ بڑھنے لگا۔

"اگر تم خوش نہیں ہو، تمہیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں ہے تو تمہیں پلٹ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا میں نے نہیں بلوایا تھا اپنی مرضی سے اگر جاسکتی ہو تو واپس......!"

"میں اس وجہ سے نہیں گئی تھی جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" سکندر کو اشتعال آمیز انداز میں بولتے پاکر لاریب نے ایمان کے الفاظ دہرائے تھے یہی سمجھایا تھا اس نے اسے بقول اس کے اس طرح بات زیادہ نہیں بگڑتی۔ مصلحت کا تقاضہ یہی تھا مگر اس وقت سکندر پر اس کے نرم الفاظ و عاجزی کا اثر دکھائی نہیں دیا تھا۔ جبھی ہونٹوں پر پھیلی زہر آلود مسکان گہری ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر تلملاتے ہوئے انداز میں لاریب کو بازوؤں سے پکڑ کر جارحانہ انداز میں جھنجوڑا۔

"پھر کیوں گئی تھیں تم بولو؟" وہ چیخا تھا اس کی آنکھیں اس پل کتنی سرخ ہورہی تھی۔ لاریب کو بہانہ بنانا مشکل ثابت ہوا۔

"بابا جان سے ملنے کو......!"

"بکواس نہیں کرو، جھوٹ مت بولو مجھ سے حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں بھروسہ ہی نہیں ہے، مجھ پر کبھی بھی نہیں تھا تم پہلے بھی بے بنیاد مجھ پر شک کرچکی ہو اور اب تو......!"

"ہاں...... کیا ہے میں نے شک یہی سچ ہے اس لیے کہ مجھے دکھ ہوا تھا، بہت کرب سے گزری ہوں میں بھی اس بات کو لے کر......!" وہ چیخ پڑی۔ آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔ اس نے سسکی بھری اور منہ پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے دانستہ سکندر کے چہرے سے نگاہ ہٹالی جو اس پل بے تحاشہ سرخ ہورہا تھا۔

"میں کم از کم یہ بات ہضم نہیں کرسکتی، نہ برداشت اس سے قبل یاد کریں میں نے آپ کی ہر ناانصافی ہر زیادتی پر خاموشی اختیار کی ہے اس لیے کہ میں واقعی ازالہ کرنا چاہتی تھی اس زیادتی کے لیے جو کبھی آپ کے لیے تکلیف کا باعث بن چکی تھی۔" اس کی بات کاٹ کر وہ گھٹے ہوئے انداز میں کہہ کر پھر رونے لگی۔ وہ خود پر جیسے تمام ضبط گنوا چکی تھی۔

"کیوں برداشت نہیں کرسکتیں، جب تمہیں مجھ سے کوئی سروکار نہیں تو اس بات سے کیا غرض کہ میں کتنا باکردار ہوں۔" سکندر لہو رنگ اسے گھور رہا تھا وہ دکھ شکستگی اور اذیت سے چور ہورہا تھا۔ لاریب نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کیوں غرض نہیں ہونی چاہیے محبت کبھی بھی اپنے نقصان سے بے غرض نہیں ہوا کرتی۔" وہ شاید جذباتیت کی کسی رو میں کہہ گئی مگر سکندر سناٹے کی زد پر آگیا تھا وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتا رہا۔

"کون سی محبت؟" اس کے سرسراتے لہجے میں کتنی تلخی کتنی رکھائی تھی۔ جبھی لاریب بے تحاشا اذیت کا شکار ہوئی۔ اس نے غضب ناک نظروں کو سکندر کے تلخ چہرے پر ٹکا کر اسے دل گداز نظروں سے دیکھا۔

"آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی سکندر کہ اگر مجھے آپ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے اس سمجھوتے پر کبھی کوئی مجبور نا کر پاتا جو میں نے آپ کے ساتھ کو قبول کرکے کیا۔ طبیعت پر جبر کبھی میرے مزاج کا حصہ نہیں رہا اور اس بات کے آپ بھی گواہ ہیں۔" سکندر لب بستہ رہ گیا۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی۔ وہ اتنا انوکھا اور دل گداز تھا کہ اس کا دھوکہ سمجھ کر بھی سہی مگر ایمان لانے کو دل کرنے لگا تھا۔ لیکن ایسا ممکن ہی کہاں تھا۔ وہ اب خود فریبی کا ہی تو شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لاریب نے اسے تذبذب کا شکار پایا اور اس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ بے حد ملائمت بھرے انداز میں رکھ دیا۔

"میں جانتی ہوں آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا سکندر، میں ابھی اسی لیے اس اظہار کی قائل نہیں تھی۔ ویسے بھی میں زبانی کی بجائے عملی ثبوت دینے کو پسند کرتی ہوں مگر حالات کی تیزی سے تبدیل ہوتی صورت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔" وہ انتہائی عاجزی سے کہہ

رہی تھی۔ سکندر نے اس کی جانب دیکھے بغیر اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے جھٹک دیا۔ صاف ظاہر تھا وہ اس کی بات کا یقین نہیں کر پا رہا تھا لاریب کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ ہونٹ کچلنے لگی۔

"اب بھی تمہاری کوئی مجبوری ہرگز نہیں ہے کہ تم یہ غلط بیانی کرو۔" اس کے روٹھے انداز پر لاریب کی آنکھیں پھر سے پانیوں سے چھلک گئیں بے بسی کا کتنا گہرا احساس تھا اس وقت اس کے چہرے پر۔

"آپ بتائیں آپ کو یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے سکندر، وجہ یہی ہے کہ میں اپنی زندگی کو بدگمانی اور شک کی نذر نہیں کرنا چاہتی۔" وہ کس درجہ مضمحل تھی سکندر نے نا چاہتے ہوئے بھی ایک نظر اس پر ڈالی، آخر کیا مجبوری تھی کہ وہ اسے ہر صورت منا لینا چاہ رہی تھی۔ سکندر زچ ہونے لگا۔

"میری اجازت کے بغیر کیوں گئی تھیں تم عباس کی طرف؟" اصل غصہ بلآخر سامنے آ گیا تھا۔ لاریب چونکی۔

"تم جانتی ہوں میں تمہارا اس سے......!"

"آپ نہیں چاہتے تو میں آئندہ کبھی بھی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی، ویسے آپ کی تسلی کے لیے عرض کردوں کہ میں ماضی کی ہر بات کو فراموش کرچکی ہوں۔ عباس حیدر اس سے وابستہ ہر بات کو بھی اور مزید کہ یہ اماں نے مجھے بے حد اصرار سے چلنے کا کہا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ اماں ان تمام باتوں سے لاعلم ہیں سکندر میں انہیں منع نہیں کرسکی تو اس کے پیش نظر صرف ان کا احترام تھا اس کے باوجود میں آپ کی اجازت کے بغیر جانا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کا سیل آف تھا آفس میں آپ تھے نہیں۔" ایک کے بعد دوسری صفائی دیتی وہ اپنی بے گناہی اور سچائی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ سکندر نے اسے پہلی بار قدرے دھیان سے دیکھا نیوی بلیو جدید تراش خراش کا لباس جس کا دوپٹہ کاندھے سے اس پل ڈھلک رہا تھا۔ گلابی مائل بے حد گوری رنگت، سحر طاری کرتے ہوئے دلکش نقوش سے سجا چہرہ ریشمی لانبی پلکیں، نازک سراپا اور

نظم

یہ سال جو رخصت ہوا ہے
کون جانے......
ملن ہوا ہے کس کا کس سے
کون کس سے جدا ہوا ہے
گئے دنوں میں......
ٹوٹا ہے دل کس کا
کس سے حق محبت ادا ہوا ہے
یہ تمنا تھی ہماری کہ......
کسی حسین لمحے میں
کسی انمول گھڑی میں
تم ہمیں، ہم تمہیں اپنا لیتے
مگر......

اسی حسرت میں
دسمبر بھی بھیگی آنکھوں کے ساتھ الوداع ہوا ہے

عائشہ پرویز...... کراچی

مخملیں بال حسن و کشش کے جیسے جھرنے پھوٹتے تھے۔ اس کے وجود سے وہ آج بھی نظر انداز نہیں کی جاسکی تھی۔ بلکہ سکندر نے جانا وہ آج بھی اس کے لیے اتنی ہی اہم اسی قدر خاص تھی بلکہ خود کو اس کے لیے مخلص ظاہر کرتی۔ اس کی محبت کا دم بھرتی وہ اسے پہلے سے ہمیشہ سے کہیں بڑھ کر پرکشش اور چارمنگ لگی۔

"شک بھی وہیں ہوتا ہے سکندر جہاں محبت ہوتی ہے۔ کم ظرفی اور تنگ دلی کا جذبہ بھی وہیں جنم لیتا ہے جہاں محبت قائم ہو اور یہ کہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی پہلے کسی کو کسی حوالے سے ناپسند کرے تو ساری عمر پسند نہیں کرسکتا۔ اسے آپ میری نادانی بھی تو سمجھ سکتے ہیں نا سکندر، یاد تو کریں اب نہ سہی کبھی تو آپ کو مجھ سے محبت تھی۔ اس کے صدقے تھوڑی سی گنجائش نکال لیں میرے لیے؟" لاریب وضاحتوں اور صفائیوں میں اس حد تک مگن ہوئی کہ سکندر کی بدلتی نظروں کو محسوس نہ کرسکی۔

جن کا شاکی پن اور تلخی دم توڑ کر خوشگوار حیرت کے بعد شوخ رنگ اتر رہے تھے۔ اسے قولاً وفعلاً بدل جانے والی لاریب کا بلآخر یقین کرنا پڑا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو یہ ہرگز ضروری نہیں کہ کوئی ہمیشہ ایک جیسے جذبے رکھے ایک جیسی سوچیں سوچ حالات و واقعات کی تبدیلی فطری طور پر انسان پر اثر انداز ہوتی ہے مجھ پر ہوئی تم پر بھی ہوسکتی ہے تم میری ساری بدتمیزی اور زیادتی اس لیے برداشت کرتی رہیں میں سمجھتا رہا تم خود کو سزا دے رہی ہو۔" سکندر نے دھیمے لہجے میں کہتے اس کا رخسار سہلایا۔ لاریب جو اتنی جلدی شاید اس کے مان جانے ہموار ہونے کی توقع نہیں رکھتی تھی بری طرح چونکی اور یوں اسے تکنے لگی جیسے تاثرات سے اندازہ کرنا چاہتی ہو وہ کس موڈ میں بات کر رہا ہے۔

"تم بہت ہرٹ کرچکی تھیں لاریب، بہت زیادہ میں کہاں تک کس حد تک ضبط سنبھالنے رکھتا یہ پیمانہ لبریز ہوا تو وقتی طور پر ہی مگر وہ محبت اس غم و غصے اور انتقامی کیفیت کی نذر ہوگئی۔ جو میں تم سے کرتا تھا۔" وہ جیسے کسی عظیم نقصان سے دوچار کہہ رہا تھا۔ لاریب نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے انداز میں تسلی بھی تھی عقیدت و محبت بھی۔

"میں سمجھتی ہوں مجھے ہرگز بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" اس کے انداز میں رسان تھا نرمی تھی چاؤ تھا۔ سکندر اسے تکتا رہا پھر سر کو نفی میں جنبش دی۔

"مگر مجھے تم سے شکایت ضرور ہے لاریب تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تم نے چپ چاپ میرے ستم کیوں سہے، میں محبت کی بلندی سے پستی کی جانب عازم سفر ہوا تو خود کو بھی بھولے ہوئے تھا۔ اب تو جیسے خود سے نظریں چار نہیں کر پاتا ہوں محبت یہ تھوڑی ہوتی ہے لاریب۔" وہ ہنوز رنجیدہ و ملول تھا لاریب رواداری سے مسکرائی۔

"وہ سب وقت و حالات کے عین مطابق بالکل درست تھا کبھی میں بھی بہت ستا چکی تھی نا آپ کو۔"

"ہاں جبھی بہت غصہ تھا تم پر مجھے۔"

"مجھے معاف کردیں۔" لاریب کی آنکھیں جانے کیا کچھ یاد کرکے بھر آئیں سکندر پر قدرتی سا اثر ہوا تھا۔

"اس کا بہتر حل یہی ہے کہ ہم پلٹ کر نہ دیکھیں میں خود بھی ماضی میں ہونے والی سب دکھ دینے والی باتیں بھولنا چاہتی ہوں۔" اس نے سیدھی لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے ملکوتی چہرے پر ایسا ہی سکون اتر آیا تھا جیسے صدیوں کی مسافت طے کرنے والے مسافر کو منزل پر پہنچ کر نصیب ہوا کرتا ہے۔ سکندر کی اسے تکتی آنکھیں لو دینے لگیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے جوڑے سے کھل کر بکھر جانے والے بال سمیٹے۔

"خیر ماضی میں ہونے والی ساری باتیں ہی تو دکھی نہیں تھی تھوڑے بہت خوشگوار لمحات بھی تھے جب مختلف کیفیات کے زیر اثر تم نے اپنے مخملیں وجود سے میری ویران و بے رونق زندگی میں رنگ بھرے تھے، بتاؤں کب کب؟" اس کا انداز شوخ و شنگ تھا تو لہجہ بھرپور مردانگی کے تاثر سے بھرا ہوا۔ لاریب پہلے تو سمجھی نہیں جب سمجھی تو کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

"جب وقاص ہمارا پیچھا کر رہا تھا اور ہم کنویں میں گر گئے تھے اس کے علاوہ جب بھی تم مجھے غصہ دلاتی تھیں ایک بار سانپ کا بھی وہم ستانے لگا تھا تمہیں اور اس وقت تو کمال ہوگیا تھا جب ثانیہ کو جیلس کرنے کی خاطر تم......!" وہ پٹڑی سے اترا تو لاریب نے شرماتے ہوئے بے اختیار اس کے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ کر گویا اس کی بے باکی کو لگام ڈالنی چاہی۔

"مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا آپ اتنے بدتمیز بھی ہیں اس وقت تو بڑے غصیلے موڈ میں ہوا کرتے تھے جناب۔" حیا آمیز لہجہ سے کہتی وہ جھنجلا سی گئی کہ اس کی نظریں ہی ایسی تھیں کہ وہ ڈھنگ سے اسے گھور بھی نہ سکی تھی۔ سکندر نے پہلے سرد آہ بھری پھر شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یعنی غصے کی وجہ بھی محترمہ کو سمجھ نہیں آسکی تھی۔ وہ بھی اب میں بتاؤں۔" لاریب نے سر کھجایا اور شرارتی مسکان سمیت اسے دیکھا۔

"بتائیں نا پلیز، ریئلی مجھے اب تک سمجھ نہیں آسکی۔"

عجب بے چارگی تھی اس کے انداز میں سکندر نے ٹھنڈا اور طویل سانس بھرا۔

''محبت کرتا تھا تم سے ترستا تھا تمہارے لیے ظالم لڑکی تم میری کیفیات کو سمجھے جانے بنا میرے جذبات سے کھیلتی رہیں۔ خود ہی حد بندیاں لگاتی تھیں خود ہی بغاوت پر اکساتی تھیں۔ یعنی حد تھی نا بے نیازی کی بھی اور بے رحمی کی بھی اطلاعاً عرض کردوں محترمہ مجھے مکمل لاریب چاہیے تھی۔ وہ جو مجھ سے محبت کرتی ہو وہ جو مجھے قبول کرتی ہو۔''

''تو پھر مبارک ہو، اللہ نے آپ کے صبر کا بہترین پھل دیا۔ آپ کو حسب خواہش ملا ہے۔'' لاریب مسکرائی ہوئی کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ یہ سکندر نے اب جانا تھا۔

''آپ مجھ سے اب کبھی بدگمان نہ ہوئیے گا سکندر، مجھے واقعی آپ سے محبت ہے۔'' لاریب کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ سکندر کی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ لاریب کے چہرے پر قوس وقزح بکھرنے لگی۔

''مجھے تسلیم ہے، آپ کے ساتھ میرا سابقہ رویہ میری زیادتی ہے اور بدتمیزی کی انتہا بھی۔''

''نہیں لاریب، وہ تمہارا خالص پن تھا مجھے اس سے بھی محبت تھی۔ جبھی تو کبھی تمہارے ساتھ زبردستی کر کے تمہیں توڑا نہیں بکھیرا نہیں تم اتنی ہی عزیز تھیں مجھے۔'' سکندر کا لہجہ گمبھیر تر ہونے لگا اس پل وہ کتنا سنجیدہ تھا۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آتی آپ کی اس درویشانہ محبت کی۔'' اس نے ناز سے ناک چڑھائی۔

''پھر سمجھ آ گئی جب رنگ ڈھنگ بدلا؟'' سکندر کا انداز معنی خیز ہوا اور لاریب کا چہرہ حیا آلود ہوگیا۔

''مجھے پتا چل گیا تھا اگر مقصد اب سیدھی طرح حاصل نہ ہوا تو خود کو تھوڑا خراب کرلوں۔'' وہ چھیڑنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ لاریب اسی طرح سنجیدہ اسے دیکھے گئی تو سکندر کو مزید شرارت سوجھی۔

''ویسے اب سوچتا ہوں خوامخواہ ٹائم برباد کیا۔ یہ دیدہ دلیری مجھے پہلے دکھانا چاہیے تھی کیا کر لیتی تم بھلا؟''

''یہی غلطی ہوتی پھر آپ کی۔ میں تب شدت پسند تھی

سکندر انتہائی سوچ کی حامل ایسی لڑکی جسے کسی بھی غلط ترین انجام کی پروا نہیں تھی۔ ایسے میں یقیناً خود کو کوئی شدید نقصان پہنچاتی ابھی کہا نا آپ نے وہی میرا خالص پن تھا۔ تب پاگل تھی میں۔''

''یہ پاگل پن کبھی میرے لیے بھی دکھاؤ گی؟'' سکندر نے مصنوعی آہ بھری۔ لاریب کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوئی تھی۔

''آپ کے لیے ہی مخصوص ہے اب یاد کریں کتنے توہین آمیز انداز میں ہار ہا مجھے بہت کچھ باور کرا چکے ہیں آپ مگر میں حرف شکایت زبان پر نہیں لائی۔ سکندر میرے نزدیک یہی محبت ہے۔ محبوب کو اس کی سب خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنا۔ وہ کوئی الگ تھوڑی ہوتا ہے۔ اپنی خامی بھلا کون عیاں کرنا پسند کرتا ہے۔ اپنے عیب تو ہر کوئی ڈھکتا ہے۔'' اس کی آنکھیں آن کی آن میں بھر کر چھلک گئیں۔

''اس لیے تو سوری کر رہا ہوں غصے میں جنونی ہوتے میں بہت توہین کر گیا تمہاری۔'' اس کا لہجہ پر ملال تھا۔ لاریب نے ہونٹ بھینچ کر خود کو سنبھالا اور مسکرانے لگی۔

''آپ صحیح کہتے ہیں ہمیں پرانی باتوں کو یاد نہیں کرنا چاہیے۔ دیانت داری سے دیکھا جائے تو زیادہ غلطی میری ہی تھی۔''

''لیکن پھر بھی مجھے......!''

''جانے دیں سکندر بس آج سے ہمارے درمیان ان شاء اللہ اچھی باتیں ہی ہوں گی۔'' اس پل وہ شبنم میں نہائے گلاب کے پھول کی مانند شگفتہ اور کھلی کھلی لگ رہی تھی۔ سکندر اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ زندگی کا یہ رنگ خوب صورت تھا انمول تھا آسودہ تھا ماحول میں محبت رقص کرتی تھی۔ فتح کا احساس غالب تھا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم ہے اذاں لا الہ الا اللہ

ڈیئر قارئین السلام علیکم!

دعا ہے اللہ ہمیشہ آپ پر مہربان ہو آمین۔

اللہ کے فضل وکرم سے میں رب العزت کی مشکور ہوں عاجز ہوں کہ جس نے اس ناول کے ذریعے آنچل میں مسلسل پچیس ماہ تک مجھے آپ کے ہمراہ رکھا۔ آپ کی رائے میرے لیے بہت قیمتی اور خاص رہی ہے۔ جو بھی جو آنچل کے خطوط کے ذریعے مجھ تک پہنچی اور جو میری محترم ریڈرز بہنوں نے ساتھ ساتھ فون کے ذریعے مجھ تک پہنچائی۔ "مجھے ہے حکم اذاں" آپ پڑھ چکے حتمی رائے اگلے ماہ بھی مجھ تک پہنچ جائے گی اللہ نے چاہا تو۔ آج آپ سے مخاطب ہونے کا مقصد آپ کا اسپیشل تھینکس کہنا ہے آپ کی اس ناول کی پسندیدگی پر آنچل اسٹاف خاص طور پر قیصرآنی اور طاہر بھائی کو بھی جن کا تعاون رہا کہ میں اپنی اس تحریر کو مزید نکھارنے کے لیے اسے دوسری مرتبہ لکھنے کی خواہش پوری کرسکی۔

آج اس طرح آپ سے مخاطب ہونے کا ایک اور مقصد بھی ہے قارئین کرام اور وہ یہ کہ عین ممکن ہے اس طرح میں آپ سے آخری مرتبہ مخاطب ہوں تو وجہ میرے کیریئر کا اختتام ہے۔ 20 اپریل 2013 کو جب میں یہ سطور لکھ رہی ہوں تو میرے پاس سلسلے وار صرف ایک ناول بچا ہے۔ دو سال بعد آپ اس خط کو پڑھ رہے ہوں گے تو میری شدید خواہش ہے اللہ اس آخری ناول کے لیے بھی کوئی بہت اچھا اور بہترین سبب پیدا فرمادے اور یوں میں پوری خوش اسلوبی کے ساتھ اس کام سے کنارہ کش ہو جاؤں اس فیصلے کو لیتے ہوئے میرے اندر کوئی خلش کوئی کسک نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں میں جانتی ہوں اللہ نے مجھے اس سفر میں اس سے کئی گنا بڑھ کر عطا فرمایا ہے جتنا میں نے چاہ اور خواہش کی تھی۔

آنچل میں طویل تحریر کی صورت میں چھپنے کی خواہش بھی اللہ نے پوری کردی ہے احسان ہے مالک کا میرا آخری ناول "ہم مصطفوی ﷺ ہیں" تصوف کے موضوع پر ہوگا۔ میری تحریر کتابوں کی صورت آپ کو میری کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دے گی مجھے یقین ہے میں ان لوگوں کی مشکور ہوں جنہوں نے میری تحریروں کو پڑھا اور پسند کیا ان کی اور زیادہ مشکور ہوں جنہوں نے مجھے محض برداشت کیا۔

اپنی تحریروں کے ذریعے میرا شعوری مقصد اصلاح رہا ہے اگر اس کوشش میں ایک فیصد بھی کامیابی حاصل ہوئی تو قلم اٹھانے کا مقصد پورا ہوگیا ہے میری آپ سے التماس ہے آپ فاطمہ، عباس، وقاص یا ابراہیم نہیں ہیں آپ لاریب بھی نہیں ہیں مگر پھر بھی خود کو سنوارنا ضروری ہے کہ ہم ٹھوکر کھا کر سنبھلیں؟ ہمیں ویسے بھی اپنی اصلاح کا بیڑا اٹھا لینا چاہیے۔ یاد رکھیے تبلیغ بعد کا مرحلہ ہے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں بھی یہ ارشاد ربانی ہوتا ہے جس کا مفہوم ہے۔

"اور تم دوسروں کو جو حکم دیتے ہو خود نہیں کرتے ہو۔"

میری آپ سے گزارش ہے کہ زندگی میں ایک بار قرآن پاک کو ترجمہ سے ضرور پڑھیں۔ جہاں رہیں خوش

رہیں میرے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ ملک کی سلامتی کے لیے دعا ضرور کیجیے، والسلام

ام مریم

❁......❁❁......❁

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عباس پر چلائی جانے والی گولیوں کا نشانہ فاطمہ بنتی ہے جبکہ اسے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر عباس اپنے اوسان کھو بیٹھتا ہے۔ فاطمہ کو اپنی زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر عباس کو شدید زیاں کا احساس ہوتا ہے جب ہی اس کا دل فاطمہ کی محبت میں چور اس کی زندگی کے لیے دعا گو بن جاتا ہے۔ فاطمہ ہوش میں آنے کے بعد عباس کی وارفتگیوں کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے۔ دوسری طرف عباس اپنی بوکھلاہٹ میں ابراہیم احمد کے سامنے عریشہ کی بات کر بیٹھتا ہے جبکہ ابراہیم احمد اس معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیتا ہے۔ دوسری طرف سکندر کا تلخ رویہ لاریب کو گھائل کیے دیتا ہے۔ اسے لاریب کی تمام باتوں کے پیچھے کوئی اور مقصد نظر آتا ہے جبکہ لاریب کے منہ سے اپنے لیے محبت کا سن کر سکندر بھڑک اٹھتا ہے۔ جبکہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو اور سکندر کا جاہلانہ انداز فراز کے علم میں آ جاتا ہے جب ہی وہ سکندر کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سکندر فراز کی باتوں پر عمل کرنے کا عزم کرتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی صالحہ اپنے مکر و فریب کے جال میں سکندر کو الجھا دیتی ہے جبکہ وہ اس انتہائی عمل پر شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے صالحہ پر ہاتھ اٹھاتا ہے گھر والے تائی اماں اور صالحہ کی فطرت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جبکہ لاریب کو بدگمان کرنے میں تائی اماں یہ کرنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ لاریب اس صورت حال میں گھر چھوڑ کر ایمان کے پاس چلی آتی ہے اور دوسری طرف ایمان کی زبانی سکندر کی حمایت کا سن کر مجبوراً اسے واپس آنا پڑتا ہے جبکہ لاریب کی بدگمانی سکندر کو مزید شکست سے دوچار کر دیتی ہے۔ فاطمہ کی طبیعت رفتہ رفتہ ٹھیک ہونے لگتی ہے لیکن اب وہ کسی طور بندوں کی محبت میں اپنے رب کی محبت کو بھلا دینا نہیں چاہتی یہی وجہ ہے کہ وہ عباس کو یکسر نظر انداز کرتی ہے دوسری طرف عباس اپنے گزشتہ رویوں کی فاطمہ سے معافی مانگتے نئی زندگی شروع کرتا ہے۔ عباس عریشہ کی موت میں خدا کی مصلحت سمجھتے خدا کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔ لاریب اماں کے کہنے پر فاطمہ کی عیادت کے لیے آتی ہے جب ہی اس کا سامنا عباس سے ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف سکندر بھی عباس کی طرف پہنچ جاتا ہے جبکہ سکندر کو وہاں دیکھ کر لاریب شدید خوف و خدشات میں گھر جاتی ہے۔ عباس کا یکسر بدلا ہوا انداز سکندر کو بہت متاثر کرتا ہے۔ ٹی وی کوئی وی اسکرین پر عالم دین کی حیثیت سے وعظ کرتے دیکھ کر فاطمہ شدید حیرت کا شکار ہوتی ہے۔ اس کی نئی شناخت ہارون کے نام سے سامنے آتی ہے جبکہ فاطمہ خوشگوار حیرت میں مبتلا رہتی ہے۔ لاریب کے منہ سے خوش خبری سن کر سکندر ایک مرتبہ پھر اس سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اس کو لاریب کا اپنی ذات پر شک کرنا بالکل پسند نہیں آتا جبکہ لاریب اپنے شک کو محبت سے تعبیر کرتے اپنے دل کا تمام احوال سکندر کو بتا دیتی ہے۔ عباس کے ہاں جانے پر بھی وہ صفائی دیتے اماں کو لے جانے کا ذکر کرتی ہے جبکہ لاریب کے منہ سے تمام حقیقت جان کر سکندر کی دل کی کیفیت بھی بدلنے لگتی ہے جب ہی وہ سابقہ تمام رویوں کو بھلا کر ایک نئی زندگی کے آغاز کا فیصلہ کرتے ہیں ایسے میں لاریب پوری سچائی سے اپنے سابقہ رویوں کی معافی مانگ لیتی ہے جبکہ لاریب کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے رنگ دیکھ کر سکندر بھی لاریب کی محبت پر ایمان لے آتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁❁......❁

"اللہ تبارک وتعالیٰ "یاایھا الذین امنو" کہہ کر جن بندوں کو مخاطب فرما رہا ہے آخران میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ رب کائنات انہیں براہ راست مخاطب فرما رہا ہے۔ جبکہ وہ اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے پیغمبر، نبی، رسول مبعوث کرتا رہا ہے۔ اہل ایمان کو مخاطب کرنے کا مطلب

ہوا ایمان تھی وہ جوہر ہے۔ جس نے بندے کو اس کا اہل بنایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ براہِ راست مخاطب ہوکر اس کی رہنمائی فرما رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب پہلے یہ سمجھا جائے کہ ”ایمان“ کیا ہے اور ایمان کے لغوی معنی ماننے، اطمینان کرنے، تسلیم کرنے کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی کے نزدیک اس کا مطلب زبان سے اقرار کرنا، دل سے تسلیم کرنا اور اپنے عمل سے ظاہر کرنا ہے۔ ایمانی اصلاح میں ایمان کفر کی ضد ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کے مطابق اسلام اور ایمان دو الگ الگ مفہوم ہیں قرآن حکیم سے ایمان کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے ہم اسلام سے رجوع کریں گے کیونکہ ایمان لانے کے لیے دین اسلام کا قبول کرنا ضروری ہے۔“

ابراہیم احمد خطاب کررہے تھے ہزاروں کے مجمع پر اس وقت سکوت کا ایسا عالم طاری تھا کہ گویا سانس لینے کی آواز بھی سنائی دے سکے۔ عباس کے داہنی جانب وقاص حیدر جبکہ بائیں طرف سکندر حیات موجود تھا۔ سکندر کے ساتھ شرجیل پھر فرزند نظر آرہا تھا۔ یہ ایسا پلیٹ فارم تھا جہاں دلوں کے بغض وعناد بھلا کر کوئی آگاہی دین کے شوق میں کشاں کشاں چلا آیا تھا۔ ہر کسی کی توجہ کا مرکز ڈائس کے پیچھے نظر آتا ابراہیم کا چہرہ تھا جس کے آگے بے شمار مائیک تھے۔

”قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بنی نوع انسان کے مذہب کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ شروع سے انسانوں کا مذہب ”اسلام“ ہی رہا ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں حکم ہوا ہے۔

”بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے وہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و معبود تسلیم کرے اور اس کی ہی بندگی وغلامی اختیار کرے۔ اس کی بندگی واطاعت میں اپنی طرف سے کوئی اختراع وایجاد نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو ہدایت بھیجی ہے اس پر کمی بیشی کے بغیر اس طرح عمل کرنا اس کا نام اسلام ہے اور بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت و اطاعت کے لیے اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ عبادت اختیار نہ کریں۔

”اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلے سے بھی اور اس قرآن میں بھی سورۃ الحج 78 اس آیت مبارکہ کے مخاطب وہ تمام افراد ہیں جو آغاز تاریخ انسانی سے توحید، آخرت، رسالت اور کتب الٰہی کو ماننے والے رہے ہیں۔

دعوت حق کو ماننے والی ملت پہلے بھی نوحی، ابراہیمی، موسوی، یا مسیحی نہیں کہلاتی تھی بلکہ ان کا نام بھی مسلم یعنی اللہ کے تابع وفرمان ہی تھا اور آج بھی مسلم اللہ کے تابع و فرمان اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ ہر مذہب نے حسب ہدایت الٰہی سلامتی کی راہ کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر اس کوشش کی تکمیل ہوگئی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں رب کائنات نے یوں ارشاد فرمایا۔

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو میں نے پسند کیا۔“ سورۃ المائدہ 3

اس آیت مبارکہ میں تمام مسلمانوں اور تمام اہل ایمان کو یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ نبی آخری الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچایا ہوا دین یعنی اسلام آج مکمل ہوگیا۔ اس اعلان الٰہی کا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ دین جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جو مختلف اقوام اور مختلف ادوار سے ہوتا ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا اور اپنی تکمیل کو جا پہنچا۔

دین کو مکمل کردینے سے مراد اس نظام الٰہی کی تکمیل ہے جس سے انسانوں میں اللہ کی بندگی اور اس عارضی جائے قیام یعنی دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک مکمل نظام فکر، ایک مکمل نظام حیات سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔“ ابراہیم نے کچھ توقف کیا تھا اور ہاتھ اٹھا کر اس نوجوان کو اشارے سے منع کیا جو

مجمع سے اٹھ کر اپنے سیل فون پر اس کی مووی بنانے میں
مصروف تھا۔
"ہمارے مذہب میں تصویر بنانے، بنوانے اور
چھاپنے کی سختی سے ممانعت ہے۔" اس نے نرمی و رسان
سے آگاہ کیا تو نوجوان خفت زدہ نظر آیا جبھی مووی کیمرہ
آف کیا۔ سیل فون جیب میں رکھتا اپنی جگہ پر واپس جا بیٹھا
مگر فراز ٹھٹک سا گیا تھا اس کے چہرے پر واضح تغیر نظر
آنے لگا۔ اسے یاد آیا وہ کیسے مووئیز میں کام کرنے کے
جنون میں مبتلا تھا کتنا اچھا ہوا اللہ نے اسے اس گمراہی کے
راستے پر چلنے ہی نہ دیا۔ کیا ضروری تھا وہ بھی دیگر لوگوں کی
طرح ٹھوکر کھا کر زخم خوردہ ہو کر اللہ کی جانب راغب ہوتا
ہدایت اگر بغیر کسی نقصان کے مل جائے تو اور بھی غنیمت
ہے اس نے تشکر سے سوچا اور آسودگی سے مسکرانے لگا۔
"عباس بھائی کہتے ہیں اللہ نے اگر ہمیں ہدایت سے
نوازنا ہو تو پھر وہ خود ہی اپنے بندوں کے فیصلوں کا نگہبان
بن جایا کرتا ہے۔ برائی سے روک دیتا۔ اچھائی کی طرف
راغب کرنا اسی کا کام بن جاتا ہے اور یہ ایک عظیم خوش بختی
ہے کسی بھی انسان کی۔" اس کے اندر طمانیت کا احساس
مزید گہرا ہونے لگا اس نے پھر سے اپنی توجہ ابراہیم احمد کی
جانب مبذول کی جو واعظ کا سلسلہ وہیں سے جوڑ چکا تھا
جہاں چھوڑا تھا۔
"اب ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ دین یا مذہب اور اسلام ہے
کیا مذہب کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل اور اس کی
عبادت خالص ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ میں
ہم سے کہلوایا جا رہا ہے۔
"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد
مانگتے ہیں۔"
تمام مذاہب میں عبادت کا جو بھی طریقہ رائج ہو ان
میں مخاطب اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی کیا جاتا ہے۔
دراصل سب مذاہب کی اصل اساس اللہ تعالیٰ کی ہی
ذات واحد ہے۔ اس میں رد و بدل بعد کی بات ہے۔
اس میں حذف و اضافہ بعد میں لوگوں نے حسب منشا
کر کے مذہب کی شکل ہی بدل ڈالی۔ حضرت عثمانؓ
سے ایک حدیث مروی ہے کہ
"جو شخص اس حال میں مرا کہ اسے اس بات کا یقین تھا
کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا تو درکنار کسی اور
کو اللہ کی صفات میں شریک کرنے کو خود "قرآن مجید" نے
ظلم عظیم قرار دیا ہے شرک کو اس لیے ظلم کہا گیا ہے کیونکہ
اس طرح انسان خود پر ظلم کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا
موجب بن جاتا ہے۔
انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کے مرتبے
پر فائز کیا ہے۔ یہ اس کی اپنے بندوں سے بے پناہ محبت و
شفقت کی دلیل ہے اگر ہم احکام الٰہی سے کسی بھی طرح
کی بغاوت یا انحراف کرتے ہیں تو خود سے اپنے آقا و مالک
اپنے خالق سے بغاوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہی ظلم
عظیم ہے۔ قرآن حکیم میں تمام جن و انس کی تخلیق کی غرض
و غایت اور ان کا مقصد حیات اللہ کی عبادت و اطاعت ہی
بتایا گیا ہے۔
ایک مومن جب اسلام کی اس دعوت حق کو قبول کرتا
ہے تو وہ ایک ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جو امن کی دنیا
ہے۔ جو سلامتی و فلاح کی دنیا ہے۔ جس میں کوئی حیرانی و
پریشانی نہیں ہے۔ جس میں کوئی گمراہی و فساد نہیں ہے۔
یہاں ہر ذی روح کی تمام موجودات کے ساتھ ہم آہنگی
ہے ایمان ایک ایسا عالم ہے جہاں نفس انسانی کے خفیہ
ترین امور و پوشیدہ ترین گوشے بھی اطمینان و سکون پاتے
ہیں اور اجتماعی زندگی بھی پرسکون و مطمئن ہوتی ہے۔
سلامتی کے جس نظام میں مومن داخل ہوتا ہے اس سے
بندے اور اس کے رب کے مابین تعلق کا صحیح تصور ملتا
ہے۔ یہ نصاب مالک و بندے اور اس کائنات کے ساتھ
اس کے تعلق اور ہر ہر چیز کا حکمت کے ساتھ پورا ہونا
ثابت کرتا ہے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائناتی نظام کو ایسا بنایا ہے کہ
یہ سب کا سب اور اس کی ہر ہر چیز انسان کی فلاح و بہتری

کے لیے ہے اور مدحیات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر فرمایا ہے اس لیے اس کی آسائش و آرام کی ہر ہر چیز کو اس کے تابع بنایا تاکہ وہ پوری یکسوئی سے اطاعت و بندگی میں مصروف رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو نہایت مہربان نہایت شفیق ہے۔

گناہوں کو معاف کرنے والا...... توبہ قبول کرنے والا...... مصیبت زدوں کی پکار سننے والا ان کی مصیبتوں کو دور کرنے والا۔

وہ ذات باری تعالیٰ ہی ہے جس کے سایہ رحمت میں مسلمان مانوس و مامون رہتا ہے اللہ فرماتا ہے۔

"اے ایمان والو شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو جو شخص شیطان کے قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا ہی کہے گا اور اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک و صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے اور اللہ سب سننے والا جاننے والا ہے۔" النور

اس کا لہجہ خوش الحان اور انداز پر تاثیر تھا۔ سکندر یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سنہری اور کشادہ پیشانی جو سجدے کے واضح نشان سے دمکتی تھی یہ نوجوان اپنے اندر بلاشبہ کوئی انوکھی کشش رکھتا تھا اس کے منہ سے نکلی حق کی بات اس باعث بھی اچھی لگتی تھی کہ وہ باعمل نظر آتا تھا۔ ابراہیم احمد کے خطاب کے بعد دیگر علما نے بھی خطاب کیا اور آخر میں دعا ہوئی۔

"آج تمہاری اہم میٹنگ تھی۔" فراز نے اسے یاد دلایا سکندر نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

"یاد ہے مجھے۔" وہ الوداعی انداز میں سب سے مل رہا تھا جب وقاص نے بھی اپنی چوڑی ہتھیلی اس کی جانب مصافحہ کی غرض سے بڑھائی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے سکندر۔" سکندر نے مصافحہ بھی جبراً کیا تھا چہرے کے ناگوار تاثرات اس اگلی فرمائش پر گہرے ہوتے چلے گئے۔

"مجھے تم سے ہرگز بھی کوئی بات نہیں کرنی۔" اس کا جوابی لہجہ اہانت آمیزی کی تلخی سے بھرپور تھا۔ عباس جو کچھ فاصلے پر کسی سے بات چیت میں مصروف تھا سکندر کی بلند بے لحاظ آواز پر چونک کر متوجہ ہو گیا۔

"اوں ہوں سکندر حیات، بری بات ہے، بہت۔" اس نے نرمی سے ٹوکا اور دونوں کے قریب آ گیا۔ پھر اپنا ہاتھ نرمی و رسان آمیز انداز میں سکندر کے شانے پر رکھا۔

"ابھی ہمیں کس بات کی تاکید کی جارہی تھی۔ بات سننے میں کیا حرج ہے بھلا؟" اس کا انداز دباؤ ڈالتا ہوا تھا نہ ہی مجبور کرنے والا اور برتری جتلانے والا اس کے برعکس اس میں عجیب نرمی و رسان کے ساتھ ساتھ انوکھا وقار تھا جو قائل کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔ سکندر انکار کی پوزیشن میں نہیں رہا وقاص نے تشکرانہ نگاہ سے عباس کو دیکھا جو مسکرا کر اسے دیکھتا پلٹ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"مجھے معافی ہی مانگنی تھی تم سے سکندر، جس وقت میں نے تمہیں ہر وہ ناز یبا بات کہی تب میں کسی بہت بڑی غلط فہمی و گمراہی سے دوچار تھا مگر اب شرمندہ ہوں۔ دیکھو تم بھی جانتے ہو ناں کہ اللہ بھی اس وقت تک مجھے معاف نہیں کرے گا جب تک میں تم سے معافی نہ مانگ لوں۔" وہ کتنا عاجز نظر آ رہا تھا۔ کتنا بے بس، سکندر نے الجھنے میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔ کچھ عرصے سے اپنے بدلے ہوئے انداز و اطوار سے وہ حیران کر رہا تھا اسے مگر سکندر نے کبھی خاص دھیان ہی نہ دیا اور اس کی سابقہ حرکتوں کے باعث ہمیشہ کترا کر گزر گیا تھا اس سے یہاں تک کہ یہ نوبت بھی نہیں آنے دی تھی جس کا موقع اسے ابھی مل گیا تھا۔

"توبہ اور معافی وہی ہوتی ہے وقاص صاحب جو دائمی ہو۔" اس کا لہجہ صاف طنزیہ تھا وقاص کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا۔

"میں اللہ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے دل کو اب کبھی نہ پھیرنا بعد اس کے جبکہ تو نے مجھے ہدایت بخش دی ہے اور میرا خاتمہ بالخیر بالایمان فرمانا۔ آمین۔"

اس کا بھرایا ہوا مدہم لہجہ تھا مگر سکندر کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر گیا تھا۔ وہ پوری آنکھیں وا کیے خدا کی قدرت

کے اس مظاہرے کو ششدر سا دیکھے جا رہا تھا یہ وقاص تھا وہی......؟ جو غرور و تکبر کا مجموعہ ہوا کرتا تھا۔ اللہ نے اس پر عنایت کی انتہا کردی وہ سراپا تبدیل ہوا سامنے کھڑا تھا۔ سکندر کو بے انتہا بے حساب ندامتوں نے آن لیا۔ اب بھلا وہ کون ہوتا تھا اسے نہ معاف کرنے والا وہ بولا تو اس کی آواز پر بھی خفیف سی لرزش تھی اس کے دل پر اتری کپکپاہٹ کی طرح۔

"میں نے بھی تمہیں معاف کیا وقاص اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے میرے لیے بھی دعا کرنا ہدایت بلاشبہ ہر کسی کا نصیب نہیں بنا کرتی۔ اللہ مجھ پر بھی اپنی خاص عنایت فرمائے آمین۔" وہ اس کا کاندھا تھپک رہا تھا اس کے ہاتھوں میں بھی لرزش تھی اس کے دل اس کی آواز کی طرح بھلا کون جانتا تھا۔ وہ ان چند لمحوں میں تغیر کے کیسے عمل سے گزر گیا تھا۔

❁......❁❁......❁

دروازہ کھلنے کی آواز پر فاطمہ نے بے اختیار گردن موڑ کر دیکھا مگر عباس کو اندر آتے پا کر اس نے تیزی سے رخ بدل لیا تھا۔ اس بات کو سرے سے نظر انداز کیے لمحہ بھر کو ہونے والے نگاہ کے تصادم نے عباس کے ہونٹوں پر دوستانہ اور پرخلوص مسکان بکھیر دی تھی۔ جو خالصتاً اس کے لیے تھی مگر وہ اب پیچھے نہ پلٹ کر دیکھنے کا ہی تہیہ کر چکی تھی۔

"السلام علیکم! فاطمہ طبیعت کیسی ہے اب؟" عباس کا لب و لہجہ انداز مہربانہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ کمرے میں داخل ہوا فاطمہ ملازمہ پر برسنے میں معروف تھی وہ آخر دیا کو وہاں سے کیوں نہیں لے جاتی۔

"یہ چپ ہی نہیں ہو رہی ہے میم، آپ کے پاس آنے کی ضد لگا رکھی ہے۔" فاطمہ نے عباس کا سلام اور سوال دونوں نظر انداز کیے تھے اور اپنی سرد نظروں کو ملازمہ پر جمایا۔

"کتنی بار کہا ہے تم سے، جب میں نماز پڑھ رہی ہوں بچوں کو دور رکھا کرو مجھ سے ڈسٹرب ہوتی ہے۔" اس کے لہجے کی بے لحاظی اور کھردرا پن میں مجال ہے عباس کی موجودگی محسوس کرنے کے باوجود فرق آیا ہو بلکہ عباس کو ایک لمحے کو لگا یہ اسے ہی خصوصیت سے جتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبھی عباس حیدر کے پرکشش و جیہہ چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر رہا تھا۔

"آپ جائیں یہاں سے یہ ما سامہ کا دھیان رکھیے گا پلیز۔" عباس نے آگے بڑھ کر خود دیا کو لیا اور اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

"آپ اطمینان سے نماز پڑھ لیں فاطمہ، مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" ملازمہ کے جانے کے بعد وہ دیا کو کاندھے سے لگائے تھپکتے ہوئے تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ فاطمہ نے ایک نگاہ اس کے سنجیدہ نظر آتے چہرے کو دیکھا اور کوئی تاثر دیے بغیر جائے نماز بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئی۔ عباس دیا کو لے کر کمرے سے نکل کر ٹیرس پر ٹہلتا رہا۔

"آپ کہیں جو بھی بات کرنی ہے نماز پڑھ چکی ہوں میں۔" اس کے لہجے میں معمولی سی ہی تبدیلی تھی بے نیازی و رکھائی کا البتہ وہی عالم تھا۔ عباس نے سوئی ہوئی دیا کو جھک کر بستر پر لٹا دیا۔ سیدھا ہونے سے قبل ایک نظر اسے دیکھا۔ آتشی گلابی سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ نماز کے اسٹائل میں لپیٹے شعاعیں بکھیرتے رنگ و روپ اور جکڑ لینے والی جاذبیت کے ہمراہ وہ اتنی من موہنی لگ رہی تھی مگر اس کو بھی عباس کی نظروں میں ستائش کی بجائے فکر نظر آ رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر تاخیر کا ملال گھیرنے لگا۔ اتنی تاخیر کہ اس بیلے کی نازک کلی کا انتظار شاید مرجھا گیا تھا۔

اس کی نظروں نے فاطمہ کو جز بز کر دیا۔ اس نے بے اختیار لانبی پلکیں جھکا کر ہونٹ بھینچے وہ اسے کیسے کہتی کہ

مجھے معاف کر میرے ہم سفر تجھے چاہنا میری بھول تھی
کسی راہ پر جو کبھی نظر تجھے دیکھنا میری بھول تھی
کوئی نظم ہو یا کوئی غزل کہیں رات ہو یا کہیں سحر
وہ گلی گلی وہ شہر شہر تجھے ڈھونڈنا میری بھول تھی
میرے غم کی کوئی روا نہیں مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں

میرا کوئی تیرے سوا نہیں یہی سوچنا میری بھول تھی

اس کی آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔ وہ اسے نظرانداز کرتی بھی بے بس ہونے لگی تھی۔ کتنا مشکل تھا یہ سب، بہت کٹھن، اس کا رونے کو دل کرنے لگا۔

"بازو کا زخم کیسا ہے اب؟ موومنٹ تو ٹھیک سے ہوتی ہے نا؟" عباس نے اس کی جانب پیش رفت کی اور اس کے مقابل صوفے پر آ بیٹھا۔ فاطمہ کے چہرے کی رنگت میں تہہ وبالا آئی۔ پہلے وہ خود میں سمٹی پھر یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس پل وہ خود سے ہی سب سے زیادہ خائف تھی۔ جانتی تھی عباس کی مزید کوئی پیش رفت اسے ہرا دے گی، وہ اس شخص کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی تھی۔ وہ اب اللہ کے آگے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ یہ بچاؤ ضروری تھا، مگر اس وقت وہ دھک سے رہ گئی جب عباس نے بہت نرمی و ملائمت سے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"بہت خفا ہو فاطمہ؟ آئی ایم سوری مجھے اسی موضوع پر تم سے کچھ کہنا ہے۔" اس کے لمس اور نظروں کی طرح اس کا لہجہ بھی نرم اور لو دیتا ہوا تھا۔ فاطمہ کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ گوشت پوست کا بدن گویا موم کا مجسمہ تھا جو اس ساحر کی تپش کے آگے ہر لمحہ گھلتا جا رہا تھا۔ عجیب بدحواسی بھری مشکل آ پڑی تھی اس نازک مرحلے پر۔

"مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے، خیر آپ بتایئے؟" لرزتی پلکوں کو اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتے فاطمہ نے جان لڑا دی تھی لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پانے میں، عباس نے اس کے ہاتھ چھڑانے اور پھر سے فاصلہ بڑھانے کو گہری نظروں سے دیکھا اور چہرے پر دانستہ کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔

"مجھے تم سے معذرت کرنی ہے فاطمہ اپنے رویے پر اپنی بدسلوکی کی جن دنوں یہ سب ہوتا رہا تم جانتی ہو میں کس درجہ پریشان اور ذہنی طور پر بکھرا ہوا تھا۔ اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر اکثر تم سے مس بی ہیو بھی کرتا رہا جو مجھے بہرحال زیب نہیں دیتا تھا۔" اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا اور گہرا سانس بھر کر خود کو ڈھیلا چھوڑتے خفت زدہ نظر اس پر ڈالی۔

"دراصل جن دنوں تم سے عریشہ کی ملاقات ہوئی وہ بہت ڈسٹرب تھی کچھ باتوں کو لے کر تمہیں میرے ساتھ دیکھنا اور ساتھ کام کرتے پانا اس کی برداشت کا بہت بڑا امتحان تھا وہ بہت پوزیسیو تھی میرے معاملے میں پھر تمہاری بے تحاشا اور غیر معمولی خوبصورتی بھی اسے خائف کرنے میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔" عباس نے لمحہ بھر کا توقف کر کے اس کے چہرے کو دیکھا جو سپاٹ تھا سر جھکا ہوا وہ کچھ بھی نتیجہ اخذ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

"مجھے اس کے خدشات پر غصہ آتا تھا۔ اس کے خدشات میرے نزدیک غیر اہم اور بے بنیاد تھے۔ اس باعث متعدد بار ہماری تلخ کلامی بھی ہوئی، فاطمہ...... عریشہ کی ڈیتھ کے بعد ٹائم گزرنے پر ہی جب مجھے تم سے شادی کرنا پڑی تو مجھے لگنے لگا تھا میں عریشہ کے ساتھ شدید قسم کی بے وفائی کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ تمہارے ساتھ شدید رویے کے پیچھے یہی سوچ کارفرما تھی۔ تم کہہ سکتی ہو مجھے ان دنوں خود پر اپنے جذبات واحساسات پر بالکل اختیار نہیں رہا تھا۔ لیکن اب مجھے اپنی غلطی کے ساتھ اپنی زیادتی کا بھی احساس ہو چکا ہے اور......!"

"اٹس او کے، مجھے آپ سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے۔" فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ عباس جو اسے بغور دیکھ رہا تھا آہستگی سے مسکرایا۔

"اگر شکایت نہیں ہے تو پھر خفا کیوں رہتی ہو مجھ سے؟" اس کا انداز جتلاتا ہوا نہیں تھا۔ صلح جو تھا چھیڑتا ہوا اپنائیت آمیز بھی۔ اس کے باوجود فاطمہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آ سکا۔

"میں خفا نہیں ہوں کسی سے بھی آپ سے تو بالکل نہیں کیوں کہ میں سمجھتی ہوں یہ سب احساس وہاں ہوتے ہیں جہاں محبت ہو، جہاں رشتوں کی اہمیت ان کی ضرورت کا احساس باقی ہو۔ ہمارے رشتے میں کبھی بھی ایسا کوئی مان کوئی استحقاق قائم ہی نہیں ہوا۔ میں نے مان لیا کہ وہ جذبہ میری حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔" وہ کہہ رہی تھی اور

عباس جیسے گم صم ہوتا جا رہا تھا۔ معاً وہ چونکا اور جیسے ایک دم سے اس کے دونوں ہاتھ بے قرار سے انداز میں تھام لیے۔

"ایسا نہیں ہے فاطمہ، تم غلط سوچتی ہو ہمارے رشتے میں مان اور استحقاق قائم نہیں ہوا مگر ہو تو سکتا ہے نا، بلکہ میں کرنے کا خواہش مند بھی تو ہوں۔ میری بات سنو فاطمہ میں پوری دیانت داری سے آج اعتراف کرتا ہوں کہ تمہاری ہمراہی میرے لیے بہت بڑا فخر ہے تم اتنی ہی باوقار اور مکمل لڑکی ہو میں بھی پہلی نظر میں ہی تم سے متاثر ہوا تھا۔ تمہاری دلکشی تمہارا رکھ رکھاؤ تمہارے انداز و اطوار سے تمہاری بے تحاشہ خوب صورتی سے بھی۔ تم کسی بھی مرد کا خواب ہو سکتی تھیں فاطمہ میرا بھی آسانی سے تب ہی ہو جاتیں اگر تب میری زندگی میں عریشہ نہ آ چکی ہوتی۔ وہ تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی۔ عام سی سوچیں اور خیالات رکھنے والی صرف ظاہر پر جان دینے والی مگر اس کا کیا ہوتا کہ مجھے صرف اسی سے محبت تھی۔ ساری دنیا سے بھی زیادہ اہم اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں مجھے کبھی کوئی اور عورت بھلی لگ ہی نہ سکی اور لگ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس دل کا تقاضا اور خواہش ہی صرف عریشہ سے منسوب تھی۔ پھر اسے کھونے کا مرحلہ دیوانگی کی آخری حدیں تھیں۔ تمہارا اس سے موازنہ کروں تو میں خود حیران ہوتا ہوں حیرانی تو یہ بھی ہے کہ میں آج بھی اسے اپنے دل میں موجود پاتا ہوں میں جانتا ہوں میں تمہیں اذیت دے رہا ہوں مگر یہ دل آج بھی پُرملال جیتا اور غم کی مار سہتا ہے لیکن فاطمہ تمہاری الگ جگہ الگ مقام ہے میرے دل میں۔ میں نے جیسے جیسے تمہیں سمجھا تمہیں جانا تب مجھے اندازہ ہوا۔ کیا تم اتنی گنجائش بھی نہیں رکھتی فاطمہ کہ ماضی کی میری کوتاہیوں سے صرف نظر کر کے میرے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرسکو؟ میں تمہیں تمہارا مقام تمہارے حقوق پورے انصاف کے ساتھ فراہم کروں گا میں تم سے اتنی محبت کروں گا فاطمہ کہ تم سب تلخیاں بھلا دو گی۔" وہ کہہ رہا تھا وہ آس مندانہ نظروں سے اسے دیکھ بھی رہا تھا وہ، جس کی طرف خود فاطمہ نے ہمیشہ آس اور امید سے دیکھا تھا اور تھک گئی تھی وہ...... جس کی آنکھوں میں فاطمہ کے لیے کبھی کوئی جذبہ نہ ابھرا تھا ہاں مگر نفرت و بغض اور اہانت کے جذبوں کے سوا۔ اس نے سنا تھا وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے وقت کو پلٹتے آج دیکھ بھی لیا تھا۔ آج صرف وہ بے بس نہیں تھی عباس بھی اس کے ساتھ خواہش و طلب کی اس کٹھن سرحد پر کھڑا تھا۔ اس کا دل بھر آیا اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں اس کا دل چاہا اس شخص کو اپنا آپ دان کردے وہ تو ازل سے دیوانی تھی اس کی مگر یہ زندگی کا ایسا مقام تھا جہاں اسے ہارنا نہیں تھا۔ ایک بار پھر اس شخص کی جیت کا سامان کر کے ازلی و ابدی بربادی اپنے دامن میں نہیں سمیٹنی تھی۔

"میں سمجھتی ہوں اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے عباس صاحب میں واپس انڈیا جانے کا فیصلہ کرچکی ہوں میرا نہیں خیال آپ مجھے روکنے کا کوئی حق رکھتے ہیں مجھے پوری امید بھی ہے کہ آپ کو اپنے بچوں کے لیے کوئی اور بہت اچھی گورنس میسر آجائے گی۔" اس نے جیسے تیسے بھی سہی مگر اپنی بات مکمل کرلی۔ اپنا مدعا اس تک پہنچا دیا۔ اس نے اس پل دانستہ عباس کی جانب نہیں دیکھا۔ اس نے کہا تھا وہ اپنا دل اپنے پیروں تلے کچل ڈالے گی اس نے ایسا کرلیا تھا اس نے سوچا تھا اللہ کے مقابلے میں وہ کبھی عباس کو اب جیتنے نہیں دے گی اس نے اپنی سوچ پر عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ اس نے نگاہ پھیر لی۔ ہر احساس ہر اذیت سے دانستہ روئی کی مانند دھنک کر بکھرتی روح سے۔

لہولہان ہو کر تڑپتے بلکتے دل سے
ریت سے بھرتی فگار ہوتی آنکھوں سے بھی
رگ رگ میں دوڑتی نارسائی کی دائمی وحشی احساس
سے بھی

اس نے کسی کا خیال نہیں کیا۔ بہت جی لی تھی وہ اپنی خواہش خاطر اس پر کچھ اللہ کا بھی حق تھا۔ اسے بہرحال مزید اپنے رب کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا تھا۔

ایک قربانی ابراہیمؑ نے دی تھی۔ ایک قربانی اسے بھی تو دینا چاہیے تھی۔ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی سب سے عزیز ترین ہستی کو اللہ کی راہ میں قربان کرڈالا تھا آج وہ بھی سمجھ سکتی تھی اس کا شمار مسلمانوں میں ہوا ہے۔

اب اسے کبھی ہارون کے سامنے اپنا آپ بیچ نہیں لگ سکتا تھا۔ اس نے بالآخر خود کو مسلمان ثابت کرکے دکھادیا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو زمین اس کے قدموں تلے گویا دلدل تھی۔ آسمان جیسے اس کے سر کے اوپر سے اٹھ گیا تھا۔ مگر اسے ہمت ہی تو نہیں ہارنی تھی۔ اسے ثابت قدم ہی تو رہنا تھا۔ جبھی اس نے پلٹ کر عباس حیدر کے قوت گویائی سے سلب ہوجانے والے تاثرات کو نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھا۔ وہ پتھر کی نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ابھی وہ اتنی کامل کہاں تھی وہ اپنی ریاضت زائل ہوجانے فیصلہ بدل جانے کے خیال سے ہی تو شدید خائف تھی۔

❁......❁❁......❁

"آپ کا فون ہے سر......!" لاریب کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ جب سکندر جینز پر بنیان پہنے اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں اس کا سیل فون تھا لاریب نے ابلتے قہوے کے نیچے آنچ دھیمی کرکے ٹوسٹر سے سلائس نکال کر دوسرا ڈالا اور خود تیزی سے انڈا اپھینٹنے لگی۔

"باجو کیسی ہیں؟"

"الحمدللہ بالکل ٹھیک تمہاری البتہ فکر ہورہی تھی۔ طبیعت کیسی ہے؟ دوویمنٹنگ میں کوئی فرق پڑا؟" ایمان کے لہجے وانداز میں بڑی بہن سے زیادہ ماں کی سی شفقت ومحبت تھی۔ لاریب بے ساختہ مسکرائی۔

"جی، جی بالکل آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں زارون اور شرجیل بھائی بابا جان سب ٹھیک ہیں؟"

"کرم ہے اللہ کا زارون یاد کرتا ہے تمہیں میں نے اسے بتایا اس کا چھوٹا بہن بھائی آنے والا ہے۔" ایمان کے لہجے میں اس کے حوالے سے شرارت رچی بسی تھی۔ لاریب کی رنگت گلابی ہونے لگی۔ اس نے فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالنے کے بہانے سکندر سے فاصلہ بڑھایا جس کی جسارتیں بڑھ رہی تھیں۔ اس نے جوڑے میں لپٹے اس کے بال کھول دیے تھے۔

"سکندر تو ٹھیک ہے نا تمہارے ساتھ؟" ایمان کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا تفکر تھا۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن محترم رعب بہت جماتے ہیں مجھ پر دیکھیں ناشتہ مجھ سے بنواتے ہیں باقاعدہ آرڈر کرکے۔" وہ مصنوعی آہ بھر کر بولی۔ سکندر نے کانوں کو ہاتھ لگائے پھر فون کے نزدیک منہ کرکے چیخا۔

"ہرگز نہیں یہ خود بناتی ہیں ضد کرکے کہتی ہیں محبت کا حق ادا کرنے دیں۔" ایمان ہنسنے لگی جبکہ لاریب اس کے یوں منہ پھاڑ کر اندر کی بات اگل دینے پر بے تحاشہ سرخ ہوگئی۔

"مگر وہ تم پر رعب جما بھی لے تو خیر ہے یاد کرو تم نے بھی دبا کر رکھا ہے۔" ایمان کے ٹوکنے پر لاریب نے سرد آہ بھری۔

"پرانے ہی بدلے چکا رہے ہیں جناب، بس انداز محبت اپنا رکھا ہے تاکہ میں شکایت بھی نہ کرسکوں۔" اس نے منہ پھلایا ہشاش بشاش خوب صورت کھنکتا لہجہ اس کی مکمل آسودگی کا گواہ تھا ایمان کو بے پناہ تقویت ملی۔

"اللہ پاک تم دونوں کو ہمیشہ یونہی شادوآباد رکھے، آمین۔" ایمان نے ایسی ہی دعاؤں کے ساتھ فون بند کردیا تھا۔ سکندر اسے ناز بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"کچھ اور شکایتیں لگانی تھیں میری۔"

"آپ کو کیا بھئی، میں اپنی بہن سے جیسے مرضی بات کروں۔" لاریب نے کاندھے اچکائے گویا اسے اور زیادہ تاؤ دلانا چاہا مگر سکندر مسکراہٹ دبائے اسے شوخ بے حد روشن نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نروس ہوئے بغیر نہیں رہی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

یہ عادتیں یہ تبسم یہ مست نگاہیں
حجاب اوڑھو کہیں کوئی اور پاگل نہ ہوجائے

سکندر کا لہجہ سرگوشی سے مشابہہ تھا۔ لاریب اتنا

جھینپی تھی کہ بے اختیار اس کے کاندھے پر مکا دے مارا۔ تب تک لاریب کو گمان بھی نہیں تھا کہ اگلے چند گھنٹوں میں وہ سکندر کی مذاق میں کہی گئی بات کو اتنی سنجیدگی سے لے لے گی۔ اگر وہ قیمتی الفاظ اس کی سماعتوں میں اتر کر اثر نہ چھوڑ جاتے۔

لڑکیاں سمندر کی ریت کی طرح ہوتی ہیں۔ عیاں پڑی ریت، اگر ساحل پر ہو تو قدموں تلے روندی جاتی ہے اور اگر سمندر کی تہہ میں ہو تو کیچڑ بن جاتی ہے لیکن وہ ذرا جو خود کو ایک مضبوط سیپ میں ڈھک لے وہ موتی بن جاتا ہے۔ جوہری اس ایک موتی کے لیے کتنے ہی سیپ چنتا ہے اور پھر اس موتی کو مخملیں ڈبوں میں بند کرکے محفوظ تجوریوں میں رکھ دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی جوہری اپنی دکان کے شوکیس میں اصلی جیولری نہیں رکھتا مگر ریت کے ذرے کے لیے موتی بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔ وہ ڈوبے بغیر سیپ کو کبھی نہیں پا سکتا۔ یہی مثال عورت کی ہے۔ اللہ نے عورت کو پردوں میں ڈھکی ہوئی چیز بنایا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عیاں کرکے خود کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنا لیتی ہے۔ قرآن حکیم کی آیت کا مفہوم ہے۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بی بیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر اس طرح پھیلا لیں کہ ان کی زینت ظاہر نہ ہو۔"

خطیب کی آواز اس کو ہر لحظہ فاصلہ پر جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ میں موجود وی کارہ سورٹ اس کی کمزور ہوتی گرفت سے پھسل کر گود میں گر گیا اور سماعتیں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ بات ساری دل کی ہوتی ہے اگر دل گداز ہے تو اثر ہے اگر دل میں گداز نہیں تو کسی شے کا اثر لینا ممکن ہی نہیں صد شکر اسے گداز دل عطا ہوا تھا۔

اس نے جانا قدرت کے مرتب کردہ نظام اور اس کے قوانین میں ہی بقا اور سلامتی کے سارے راز محفوظ ہیں اگر وہ انہی مرتب کردہ قوانین کو اپناتی تو کبھی بھی عباس حیدر کے طلسمی سحر سے جل کر خاک نہ ہوئی ہوتی۔ نہ وقاص حیدر اس کی دلکشی کا اسیر ہو کر اس کی زندگی کو مشکل بناتا کتنی عجیب تر بات ہے۔ انسان خود ہی اللہ کے احکامات سے روگردانی کرتا ہے اور خواری و ذلت نصیب بننے پر شاکی بھی اس کا ہوا پھرتا ہے۔ اپنی کوتاہی اپنی گمراہی اپنی بے حجابی سے آگاہی حاصل کیے بنا اور قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے۔

"بہت کم ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔"

اس کا دل ایک ایک بات پر ایمان لاتا گھل کر آنسو بننے لگا اور جب وہ پہلی بار سکندر کے ہمراہ حجاب اوڑھ کر گھر سے نکلی تو سکندر نے خوشگوار ریت میں جتلا ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"لیکن میں نے مذاق نہیں کیا اللہ کے احکامات کو بے پروائی اور مذاق کا نشانہ بننا بھی نہیں چاہیے۔" جواباً وہ کتنی سنجیدہ تھی اور سکندر کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی تو تھی ہی توقیر اور ستائش بھی اتر آئی اور حویلی میں ہونے والے وقاص سے سامنے نے لاریب کو اتنا بے مزہ نہیں کیا تھا۔ جتنا سکندر کا اس سے مصافحہ کرکے خیریت دریافت کرنے نے کر دیا لاریب کے خیال میں اس وقت الجھا ہوئی تھی جب وقاص نے اسے بھی مخاطب کیا۔

"میں اپنے سابقہ تمام رویوں پر شرمندہ ہوں لاریب پلیز مجھے معاف......!" اس کا ہر بار یہی سوال ہوتا تھا وہ عاجز ہوتی تھی وہ مشتعل ہوئی تھی جبھی قدم بڑھا دیے تھے کہ اپنا ہاتھ سکندر کی گرفت میں محسوس کرکے چونک اٹھی۔ سکندر نا صرف متوجہ تھا بلکہ اس کی نرم نگاہوں میں وقاص کو معاف کر دینے کا بھی تقاضا تھا لاریب چند لمحوں کو کچھ بول نہیں سکی۔ اب کیا کرتی وہ؟ سکندر کے کہنے پر معاف کر دینا اسے یہ ضروری تھا۔

"میں تمہیں اللہ کے لیے معاف کرتی ہوں وقاص حیدر لیکن بہتر ہے آئندہ تم میرا راستہ کبھی نہ روکنا۔" اس نے پرسان انداز اختیار کیا اور آگے بڑھ گئی۔ وقاص کی جھکی نظریں سکندر کے چہرے پر اٹھیں جن میں تشکرانہ چمک تھی۔ سکندر کچھ کہے بغیر اس کا کاندھا تھپکتا لاریب کے پیچھے چلا گیا۔

"کہا تھا نا میں نے آپ سے، مسٹر بہت رعب جماتے ہیں مجھ پر ابھی ابھی کا کارنامہ سن لیں وقاص کو زبردستی معافی دلوائی ہے۔" وہ اندر آیا تو لاریب کو چلبلا کر ایمان سے کہتے سنا۔ سکندر نے سرد آہ بھری اور دھپ سے اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اسے رعب نہیں، عاجزانہ التجا کہا جاسکتا ہے مادام، ویسے بھی اگر ہم مذہب کو اختیار کریں تو اسے مکمل طور پر اپنانا چاہیے نہ کہ جو جتنا من بھائے۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا۔ ایمان نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تو لاریب خفیف سی ہوگئی۔

"معاف کرنا خدائی وصف ہے لاریب اور اللہ معاف کرنے والوں سے درجات کی بلندی کا وعدہ کرچکا ہے۔" وہ بے حد نرمی سے کہتا گیا اور لاریب کی خفت بڑھنے لگی۔

"اللہ پاک مجھے معاف فرمائے اور دین میں داخل ہونے کی توفیق بخشے آمین۔"

"ثم آمین۔" سکندر نے صدق دل سے کہتے اضافہ کیا تو تینوں ہی مسکرادیے۔

❁......❁❁......❁

"مما بھوک لدی۔" جس وقت زینب نے ہلکی سی دستک دے کر اندر قدم رکھا، بستر پر سوتی ہوئی دیا نے ہی سب سے پہلے اس کی توجہ حاصل کی تھی۔

"لوہ میری جان، بھوک لگی ہے آؤ خالہ کے پاس۔" اس نے لپک کر معصوم پیاری ننھی سی بچی کو بازوؤں میں بھر کر اس کے آنسوؤں سے بھیگتے رخساروں کو چٹاچٹ چوم لیا۔ تب ہی نگاہ فاطمہ پر جاپڑی تھی جو اس کی آواز سن کر وارڈروب سے سر نکال کر متوجہ ہوئی تھی اور اسے روبرو پاکر گویا فاطمہ کے زرد چہرے پر بجھتی آنکھوں میں ہلکا سا زندگی کا احساس پھر سے جاگا تھا۔

"کیسی ہو فاطمہ؟ میں معذرت خواہ ہوں دوبارہ تمہاری عیادت کو نہیں آسکی۔ مجھے لگتا ہے طبیعت ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے بہت کمزور ہورہی ہو۔" فاطمہ لپک کر جس بے تابی ۔بے قراری سے اس کے گلے لگی۔ زینب اس قدر شرمندگی سے بولنے لگی تھی وہ یاسیت ودلگیری سے مسکرائی۔

"مما پاس جانا، مما پاس۔" بچی فاطمہ کو قریب پاتے ہی مچل اٹھی زینب نے مسکراتے ہوئے بچی کو فاطمہ کی جانب بڑھایا تو فاطمہ نے جیسے بادل ناخواستہ ہی بچی کو لیا تھا۔

"آپ کیسے ہو اسامہ بیٹے؟" زینب فاطمہ کو انٹر کام کی جانب جاتے دیکھ کر کارپٹ پر کھلونوں میں مگن اسامہ کے پھولے گال پیار سے چھو کر مسکائی تھی بچہ مسکرایا اور جھینپ کر نظریں بدل گیا۔

"سیما فوراً یہاں آکر بچوں کو لے کر جاؤ۔" انٹر کام پر سیما سے رابطہ بحال کرنے سے قبل فاطمہ نے دیا کے رونے کے متعلق پروا نہ کرتے ہوئے اسے صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ ملازمہ کو مخاطب کرتے بھی اس کا لہجہ درشت تھا۔ زینب کچھ حیرانی کے عالم میں اسے تکنے لگی۔

"کتنی مرتبہ کہا ہے بچوں کی کیئر کرنا سیکھو، مگر تم دن بدن ہڈ حرام ہوتی جارہی ہو۔ لے جاؤ دونوں کو یہاں سے اور خانساماں سے چائے کا کہہ دینا۔" ملازمہ کی جھاڑ کے بعد وہ زینب کی سمت متوجہ ہوئی تو اسے حق دق پاکر جانے کس احساس کے زیر تحت نظریں چرالیں۔

"بی بی جی بچے آپ کے پاس سے......؟"

"یہ بہانہ بہت فضول ہے، بھیجیں جاؤ یہاں سے۔" وہ حلق کے بل چیخی تھی۔ ملازمہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ خائف ہوتی روتے بسورتے بچوں کو لیے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ زینب تو بھونچکی بیٹھی رہ گئی۔ یہ سب کچھ اس کے لیے جتنا حیران کن تھا اس سے کہیں بڑھ کر تکلیف کا باعث تھا۔

"تمہارے زخم کیسے ہیں اب فاطمہ؟" زینب خاصی تاخیر سے بولی تو اس کا لہجہ از حد مدہم اور بجھا ہوا تھا۔

"ہوں ٹھیک ہیں تم نے بہت عرصے بعد چکر لگایا زینی۔" وہ دانستہ مسکرائی تھی۔ زینب اسے خالی نظروں سے تکنے گئی۔

(فاطمہ ایسی کیوں ہورہی ہے، کیا یہ بھی وہی عام سی روایتی سوچ رکھنے والی لڑکی نکلی، جو بچوں کو سیڑھی بنا کر اپنے

مطلوب تک پہنچی اور پھر...... نہیں یہ وہم ہے میرا۔ فاطمہ ایسی بالکل نہیں، میں اس کی ان راتوں کی بھی گواہ ہوں جب انمی بجوں کی ہلکی سی تکلیف پر یہ ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیا کرتی تھی۔ اگرچہ پیش نظر تب عباس کی محبت تھی تو اب بھی وہ محبت دم نہیں توڑ سکتی) اس نے اپنی ہر سوچ کو جھٹلا کر خود کو تسلی سے نوازا۔

"ہاں دراصل زندگی میں بہت کچھ تیزی سے تبدیل ہوا فاطمہ کہ میں چاہنے کے باوجود وقت نہیں نکال سکی۔" زینب کے چہرے و انداز میں کچھ ایسا انوکھا تاثر تھا کہ فاطمہ چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔

"میں سمجھی نہیں؟" وہ الجھن کا شکار لگتی تھی۔ زینب نرمی سے مسکرانے لگی۔

"یک ہفتہ قبل بہت سادگی سے میرا نکاح ہوگیا ہے فاطمہ، میں تمہیں لازمی بلواتی مگر تمہاری طبیعت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔" فاطمہ پہلے جتنی حیران تھی پھر اسی قدر خوشگوار تاثر اس کے صبیح چہرے پر پھیلتا چلا گیا تھا۔

"امیزنگ، بہت مبارک ہو آپ کو، ارے آپ مٹھائی کے بغیر چلی آئیں۔" وہ چہکی زینب جھینپ گئی۔

"مٹھائی ضرور لاتی مگر محمد ہارون نے منع کردیا ان کی خواہش ہے فاطمہ کہ آج رات کا کھانا تم اور عباس بھائی ہمارے ساتھ کھاؤ۔" زینب کی شرمیلی مسکان نے اس کے نرم لودیتے خدوخال کے حسن کو اجاگر کرکے کیسا سحر انگیز تاثر دے دیا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کون ہارون، ہمارے دُلہا بھائی؟" وہ شریر مسکان کے ساتھ بولی۔ زینب کے گلابی گال دہک اٹھے تھے۔

"ہاں وہی فاطمہ مجھے ایک اور بات بتانی تھی تمہیں ہارون ماضی کے وہی "ڈیو" ہیں جو تمہاری مما کے اسٹیپ سن تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ماشاء اللہ سے مذہبی اسکالر ہیں پاکستان آنے کے بعد انہوں نے بڑی دقتوں سے مجھے ڈھونڈا اور نکاح کا پیغام دیا۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی فاطمہ مگر ہارون کی کوششیں ہار آور ثابت ہوئیں انہوں نے امی اور بابا کے ساتھ مل کر مجھے قائل کرکے ہی دم لیا۔ میں نے بھی اس امر کو اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے قبول کیا ہے۔" زینب تفصیلات بتا رہی تھی اور فاطمہ کی کیفیت عجیب تر ہوتی چلی جارہی تھی۔

"آپ نے پوچھا نہیں وہ آپ سے کیوں شادی کررہا ہے۔" وہ اس انکشاف سے نکلی تو حیرت بھرا سوال کیے بغیر نہیں رہ سکی۔ زینب آہستگی سے ہنس دی تھی۔

"پوچھا تھا فطری بات ہے مجھے بھی یہی خیال آیا تھا کہ وہ ازالہ کرنا چاہتے ہوں گے۔" اسے جواب دیتی زینب جیسے انہی لمحوں میں گم ہونے لگی۔ جب اس نے ہارون اور امی بابا کے اصرار کے بعد یہی سوال کچھ رد و بدل سے ہارون احمد سے کیا تھا۔

"انڈیا میں جو کچھ ہوا ہارون صاحب اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا میں جانتی ہوں اور اس حادثے کو میں قبول کرچکی ہوں آپ ان میرڈ ہیں بہتر ہوگا کسی کنواری لڑکی سے شادی کرلیں۔" زینب نے پردے کے پیچھے سے اپنی والدہ کی موجودگی میں بات کی تھی۔

"آپ ایسا ہرگز نہ سوچیں زینب کہ میں کسی ازالے کی نیت سے آپ سے شادی کا خواہاں ہوں میں تو نومسلم ہوں جبکہ آپ اللہ کے فضل و کرم سے علم کی دولت سے مالا مال ہیں میرے لیے یہ بندھن ہرگز اعزاز یا کسی سعادت سے کم نہیں ہوگا اگر مجھ جیسے عام انسان کو آپ کی سنگت نصیب ہوجائے آپ کے انکار کی صورت ظاہر ہے میں آپ کو فورس نہیں کرسکتا نہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ ساری عمر شادی نہیں کروں گا ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے آپ کا انکار بہت ہرٹ کرے گا میں سمجھوں گا آپ نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا۔" جواب ایسا نپا تلا تھا کہ زینب کے روئیں روئیں میں عاجزی و انکساری بکھرتی چلی گئی اس نے جانا یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس کے لیے اسے اللہ کے فیصلے سے بھلا کیونکر انحراف ہوسکتا تھا۔ استخارہ میں واضح اشارہ ملنے کے بعد اس نے انکار نہیں کیا تھا۔ عثمان کی رفاقت میں اس نے جتنا حسین وقت گزارا تھا۔ اس کی یاد پھر سے ہارون احمد کی سنگت میں تازہ ہوکر مجسم ہونے لگی۔ ہارون احمد کا رکھ رکھاؤ

تحمل درسان اور عبداللہ کے لیے محبت کچھ بھی تو عثمان سے مختلف اور الگ نہیں تھا اور بے شک اللہ ہی بہتر سے بہترین سے نوازنے والا ہے۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ جان کر میں ضرور آؤں گی دیو...... میرا مطلب ہے ہارون کو مبارک باد دینے اچھا ہے یہاں سے جانے سے قبل اس سے بھی مل لوں گی۔" فاطمہ کے آخری فقرے نے زینب کو ٹھٹکا کے رکھ دیا۔

"تم کہیں جا رہی ہو فاطمہ، مگر کہاں؟" یہی وہ سوال تھا جو فاطمہ کے سارے ضبط اور حوصلے بہا کر لے جایا کرتا تھا مگر جواب تو دینا تھا زینب کی نظروں کا سوال کتنی بے قراری لیے ہوئے تھا الجھن سے بھرا ہوا۔

"انڈیا، ممی کے پاس۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"واپس کب تک آؤ گی؟ بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جاؤ گی کیا، کہیں اس لیے تو نہیں خود سے دور نہیں رکھ رہی ہو؟ تمہاری ممی تو ٹھیک ہیں نا فاطمہ، ہارون احمد نے تو مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔" وہ اب حیران ہو رہی تھی۔ گویا اس اچانک فیصلے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہو۔

"میں اب بھی واپس نہیں آؤں گی زینب، تم ٹھیک سمجھی ہو میں بچوں سے فاصلہ بڑھا رہی ہوں۔" بات کے مکمل ہونے سے بھی پہلے اس کے آنسو بے تابانہ مچل کر گالوں پر اتر آئے تھے۔ یہ سچ تھا وہ زینب سے کوئی بات نہیں چھپا سکتی تھی۔ پھر دل پر بوجھ بھی اتنا تھا کہ حد نہیں، وہ اس بوجھ میں ضرور کمی چاہتی تھی۔ زینب اس کی بات کے جواب میں ششدر تھی۔ جبکہ فاطمہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اپنی نظروں میں گر چکی تھی۔ میں جانتی تھی میرا رب مجھ سے راضی نہیں ہے۔ اس مجنونانہ سفر میں اندھا دھند بھاگتی اللہ کو میں مکمل طور پر فراموش کر گئی تھی۔ حالانکہ اللہ نے آگہی کی خاطر ہی تو مجھے تمہارا ساتھ دیا تھا۔ تم ہر موقع پر اس کے احکامات مجھ تک پہنچاتی تھیں مگر میرے تو دل پر مہر اور آنکھوں پر پردہ تھا۔ میں سمجھتی اور جانتی بھی تو کیسے؟" وہ سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان رندھی ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔ زینب نے تحیر آمیز الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھا مگر ٹوکا نہیں۔ وہ اس کی ساری بات سن لینا چاہتی تھی۔

"پھر اسی رب نے مجھے آگاہی بھی بخش دی زینب، جس نے بہت پہلے طے کر رکھا تھا کہ اس نے مجھ سے کب کیا کام لینا ہے۔ میں نے دیو کو ہارون کے روپ میں دیکھا تو میری آنکھوں کا بھی پردہ سرک گیا۔ اندھیرے چھٹے اور روشنیاں جگمگانے لگیں۔ میں نے جانا زینب صرف میں ہی گھاٹے میں تھی صرف میں...... ورنہ باقی سب تو رحمان کی پکار پر لبیک کہہ رہے تھے عباس کی محبت...... اس کی سحر انگیز قربت کی چکا چوند نے میری آنکھیں ہی چندھیا ڈالی تھیں مگر میں خود کو مزید فریب نہیں دینا چاہتی۔ تم نے ہی مجھے بتایا تھا نا زینب کہ جب تک ہم اپنی سب سے قیمتی اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں صدقہ نہیں کریں گے ہمارا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ میرے پاس عباس سے بڑھ کر کچھ بھی قیمتی نہیں تھا خرچ کرنے کو قربان کرنے کو۔" وہ خاموش ہوئی تو اس کی ہچکیاں بڑھنے لگیں۔ زینب نے گہرا سانس کھینچا پھر اس کے لرزتے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"بلاشبہ تمہارا جذبہ قابل قدر ہے فاطمہ مگر تم دین کو اب بھی پوری طرح سے نہیں سمجھ سکی ہو۔ اپنی حالت کو دیکھو کیا ضرورت ہے بھلا خود پر اتنا جبر کرنے کی۔" زینب کے الفاظ ایسے تھے کہ فاطمہ نے تڑپ اٹھنے کے انداز میں اسے دیکھا۔ وحشی دل کچھ مزید ہراساں ہو کر دھڑکا بے چینی بے تابی و اضطراری کیفیت میں اس نے آنسو چھلکاتی سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

"میں سمجھی نہیں زینب؟" اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور جواب میں زینب نے بے حد محبت سے اس کا گال تھپتھپایا۔

"مطلب یہ ہے فاطمہ کہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عباس اور بچوں کو چھوڑ کر تم راہبانہ زندگی کی

جانب ہی قدم بڑھا رہی ہو۔ بلکہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پہلو تہی کی مرتکب بھی ہو رہی ہو۔ جو اس رشتے میں بندھ جانے کے بعد اللہ نے تم پر لازم کردیے۔ یہ قربانی نہیں ہے حقوق العباد سے چشم پوشی ہے۔ میں حیران ہوں تمہیں عباس بھائی نے کچھ نہیں کہا؟ فاطمہ اسلام تو بہت پیارا دین ہے مکمل ضابطہ حیات اس میں جائز اور حلال خواہشوں سے منہ موڑنے کا کہیں بھی حکم نہیں دیا گیا بلکہ یہاں ایک ایسا عالم ہے جہاں نفسِ انسانی کے خفیہ ترین امور اور پوشیدہ ترین گوشے بھی اطمینان و سکون پاتے ہیں اور اجتماعی زندگی پرسکون و مطمئن ہو جاتی ہے۔ سلامتی کے جس نظام میں تم داخل ہوئی ہو اسلام قبول کرکے فاطمہ اس میں تمہارا اور اللہ کے مابین تعلق کا صحیح تصور ملتا ہے۔ یہ نصاب اللہ اور تمہارے ساتھ اس دنیا کے ساتھ ہر ہر چیز کا حکمت کے ساتھ پورا ہونا ثابت کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو ایسا بنایا ہے کہ یہ سب اور اس کی ہر ہر چیز انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ قرآن حکیم کی آیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ "تم سکون حاصل کرتے ہو اپنے جوڑے سے۔" فاطمہ اللہ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ تمہارا جوڑ عباس تھا یہ حکم خداوندی ہی ہے عباس کے حقوق تم پر فرض ہوئے حدیث کا مفہوم ہے۔

"اگر بیوی شوہر کے بلاوے پر انکار کرے تو ساری رات رحمت کے فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں۔" اندازہ کرلو تمہارا طریقہ کار کتنا غلط تھا اور یہ بچے...... فاطمہ یہ بہت معصوم ہیں اور تمہاری توجہ و محبت کے محتاج بھی اللہ نے ان کی تمام ذمہ داریاں تمہیں سونپ دی ہیں ماں بنی ہو تم ان کی ان کے حقوق ادا کرنا تم پر فرض ہے اور اللہ نے عورت کو مرد کی طرح باجماعت مسجد میں نماز کا حکم نہیں دیا اللہ جانتا ہے عورت کی ذمہ داریوں کو، عورت کو گھر سنبھالنا بچے پالنا ہے جبھی اس مالک نے سہولت عطا فرمادی۔ مسجد جانے کی بھاگ دوڑ سے بچا کر گھر میں اطمینان سے نماز کی ادائیگی کا حکم عطا فرمایا۔ ان بچوں کی دیکھ بھال، شوہر کی فرمانبرداری اور اس کی موجودگی و غیر موجودگی میں اس کے مال و عزت کی حفاظت دیانتداری سے کرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز اور جتنا سہولت سے ہو سکے قرآن پاک پڑھ لو گی فاطمہ تو وہی تمہارے لیے بہترین عبادت ہوگی۔ اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ پھر آخر تم کیوں اضافی بوجھ لادنا چاہتی ہو خود کو ریلیکس کرو فاطمہ اور دین کو سمجھنے کی کوشش بھی۔" زینب کا لہجہ ویسا ہی تھا اثر انگیز دل موہتا ہوا اور ٹھہراؤ لیے ہوئے۔ فاطمہ مسحور بیٹھی تھی۔ دل کا بوجھ یکلخت سرک گیا تھا۔ اس نے بھیگتی نم آنکھوں میں غیر یقینی بھر کے زینب کو دیکھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں؟ اللہ ایسا کرنے پر مجھ سے خفا تو نہ ہوگا، میں عباس سے محبت کرتی رہوں اللہ اس بات پر خفا تو نہ ہوگا؟" اس کی آواز میں پھر سے خدشات لرزنے لگے زینب بے اختیار مسکرادی۔

"ہرگز نہیں فاطمہ میں نے کہا نا یہ قوانین اللہ کے ہی مرتب کردہ ہیں اللہ اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کے بعد شوہر کی اطاعت و محبت کو عورت پر لازم کرتا ہے۔ اللہ کے حقوق کے بعد شوہر کے حقوق اہم ترین ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو فاطمہ دنیا کے اندر دین نہیں مگر دین کے اندر دنیا ضرور ہے۔ کوئی شخص اللہ کو منانے کی غرض سے پہاڑوں میں جا نکلا اور عبادات میں مشغول ہو گیا۔ اپنے پاس ایک خشک ٹہنی گاڑھ لی اس کا خیال تھا جب یہ ہری ہو جائے گی تو سمجھ لوں گا اللہ مجھ سے راضی ہوا۔ برسہا برس بیت گئے مگر اللہ کے راضی ہونے کی خوش خبری نہیں ملتی تھی۔ ایک روز عبادت میں مشغول تھا کہ کسی مصیبت زدہ کی پکار پر دل میں خیال آیا اس کی مدد کرنی چاہیے اور چل پڑا مقصد میں کامیابی کے بعد لوٹا تو یہ دیکھ کر حیرت و خوشی کی انتہا نہ رہی کہ خشک ٹہنی ہری ہو چکی تھی۔ سویٹ ہارٹ اس واقعہ سے بھی سبق ملتا ہے اللہ دنیا میں اپنے بندوں کو بھیج کر ان کی آزمائش کرتا ہے اگر صرف عبادت کی جائے اور دنیا کو ترک کر دیا جائے یعنی حقوق العباد سے چشم

پوشی تو اس میں بھی رضائے الٰہی کا اشارہ نہیں ہے کامیاب و کامران وہی ہے جو دونوں میں توازن رکھے ہاں یہ بھی فراموش نہیں کرنا کہ اللہ کی محبت پر کسی اور محبت کو غالب نہیں آنا چاہیے۔ فرض نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے نفلی عبادات سے بہتر مخلوق اللہ کی خدمت و مدد ہے۔" زینب کے ایک ایک لفظ نے فاطمہ کے ذہن کے ہر تاریک گوشے کو گویا جگمگا ڈالا تھا۔

"اور ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اگر تو نے نہ بخشا ہمیں اور نہ ہم پر رحم فرمایا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے...... اے ہمارے رب نہ پھیرنا ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں عطا فرمایا اپنے پاس سے رحمت اور ہم پر رحم فرما بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔" زینب کتنی عاجزی سے دعا مانگ رہی تھی اور فاطمہ کا دل پوری آمادگی سے آمین کی مہر لگا رہا تھا۔ کیسا قرار اترا تھا اس کے اندر ہر الجھن ہر پریشانی کا آج مکمل خاتمہ ہو گیا تھا اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے مگر وہ جانتی تھی یہ تشکر کے آنسو ہیں۔

دل خدا کے حضور سجدہ ریز تھا۔ بلاشبہ اللہ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں بے شک اسلام سے بڑھ کر کوئی اور مذہب مکمل ضابطہ حیات نہیں رکھتا۔ اس کا دل گواہی دیتا جا رہا تھا۔ اللہ کے حضور سجدہ شکر بجا لاتا ہوا۔

❁ ...... ❁❁ ...... ❁

"صالحہ یاد کر رہی تھی سب کو میں نے سوچا ملا لاتی ہوں حالانکہ یہاں کوئی سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا مگر میری بچی کا دل ہی اللہ نے محبت کی مٹی سے بنایا ہے۔" تائی ماں کی آمد پھر سے ہو چکی تھی اور گویا لاریب کو ہی سنایا جا رہا تھا۔ لاریب گہرا سانس بھرتی شاکی نظروں سے سکندر کو دیکھنے لگی جس نے اس کا ہاتھ دبا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گویا یہ برداشت کرنے کی خاموش التجا کی تھی۔

"یار ریلیکس رہا کرو نا تم۔" وہ چائے بنوانے کو اٹھی تو سکندر جو اب تک تائی ماں سے خوش اخلاقی سے بات چیت کرنے میں مصروف تھا کچھ دیر بعد ہی اس کے پیچھے آیا تھا۔ لاریب نے اسے عاجز نظروں سے دیکھا۔

"کیا کہوں میں آپ سے کل ایسا گھٹیا الزام لگایا آنے والے دنوں میں کوئی اور ڈرامہ۔"

"تمہیں مجھ پر اعتماد ہے نا لاریب پھر......؟" سکندر پر جہاں بے اثر ہوا ہو، لاریب اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں کوئی مزید نقصان نہیں سہہ سکوں گی سکندر، ماضی میں جو ہوا وہی کافی ہے۔" اس کا اشارہ ایمان اور سکندر کے والدین کے ساتھ تاؤ جی اور تائی ماں کا سلوک تھا۔

"لیکن لاریب لازمی تو نہیں جو ان کا نصیب تھا وہ ہی ہمارا بھی ہو۔"

"یعنی آپ انہیں وار کرنے کا پھر سے موقع فراہم کر رہے ہیں۔" اس کا انداز روٹھا ہوا تھا۔ سکندر مسکرا دیا۔

"نہیں میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی پیروی کرنا چاہتا ہوں جس میں انہوں نے ہمیں تعلق اور رشتوں کو جوڑے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔" بات ایسی تھی کہ اس کے بعد لاریب اپنی بات سامنے رکھنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ بے بسی سے اتنا ضرور کہا۔

"چاہے وہ جتنے مرضی دکھ دیں۔"

"یہ ان کی فطرت ہے لاریب ہمیں وہ کرنا ہے جس فطرت پر اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے جس کی ہمیں توفیق بخشی۔ الحمدللہ اللہ نے ہمیں فہم عطا فرمائی ہے ہم برائی کا بدلہ اچھائی سے دے کر اچھائی سے برائی کا خاتمہ کیوں نہ کریں۔ بدلہ لے کر تو ہم کوئی کارنامہ انجام نہیں دیں گے۔" سکندر کے پاس ہر بات کا کاملانہ جواب موجود تھا۔ لاریب کو چپ ہونا پڑا مگر اس کے خدشات غلط نہیں تھے کہ اس رات تائی ماں نے اپنی آمد کا گھناؤنا مقصد ظاہر کر دیا۔ دودھ میں انہوں نے زہر ملا کر سکندر کو ختم کرنا چاہا تھا۔ یہ ان کی چالاکی اور بہت مہارت سے چال چلنے کی سازش تھی کہ بیٹی کو بھی اس میں شامل کرنا ضروری نہ سمجھا گلاس تیار کر کے انہوں نے رکھا ہی تھا کہ پیٹ میں اٹھتے مروڑ نے انہیں واش روم تک جانے پر مجبور کر دیا اور اس

صورت حال سے بے خبر صالحہ نے کمرے میں آ کر دودھ کا گلاس اٹھالیا وہ دودھ کی شائق تھی اور ہمیشہ بہت رغبت سے پیتی تھی مگر اس گلاس کو پیتے ہوئے اس کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کی یہ خواہش آخری بار پوری ہو رہی ہے۔

زہر اتنا تیز تھا کہ جب تک تائی ماں واپس کمرے میں آئیں صالحہ کو اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی کئی منٹ بیت چکے تھے۔ انہوں نے پتھرائی ہوئی سکتہ زدہ آنکھوں سے اپنی مردہ بیٹی کو دیکھا جس کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی اور جسم ہر لمحہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ یہ سکتہ ٹوٹا تو ان کی ہذیانی چیخوں نے اتنے بڑے بنگلے کے در و دیوار لرزانے شروع کر دیے تھے۔

❁......❁❁......❁

فاطمہ نے دیا کو تھپکتے ہوئے وال کلاک پر نگاہ ڈالی نو بج کر پینتالیس منٹ ہو چکے تھے اسامہ ابھی تک جاگ رہا تھا فاطمہ کو ابھی عشا کی نماز ادا کرنی تھی۔ آج اسے معمول سے بھی کچھ تاخیر ہوئی تھی تو وجہ دیا کی طبیعت کی خرابی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ احسان بابا کے ساتھ دیا کو ڈاکٹر کے پاس سے لے کر آئی تھی۔

ابراہیم احمد بھی ساتھ تھے اور فاطمہ کے اطمینان دلانے پر ہی واپس گئے تھے۔

"بیٹے آپ بھی سو جاؤ اب۔" اس نے اٹھتے ہوئے دیا پر چادر درست کی جو سو چکی تھی۔ اسامہ گھر بھر کے کشنز کارپٹ پر ڈھیر کیے ان پر قلابازیاں لگانے میں مصروف تھا ماں کی پکار پر وہ بسورتا تھا اور اپنا کھیل جاری رکھا۔ فاطمہ نے جھک کر اسے پیار کیا اور مسکرا دی۔

"بہت مزہ آیا۔" اس نے اسامہ کو یقین دلایا تھا اسامہ چہکا اور خود بھی بے حد پیارے انداز میں چٹاچٹ اس کا گال چوم لیا اور ننھی منی دونوں بانہیں پھیلا کر کھلکھلایا تھا۔

"بوت مجا آیا۔" فاطمہ نہال ہو اٹھی تھی اور اسے بانہوں میں بھر کے والہانہ قسم کا پیار کیے گئی۔ زندگی میں کتنی ترتیب کتنا حسن آ گیا تھا اس نے کتنے دکھ سے سوچا تھا یہ راہیں

بہت کٹھن اور دشوار ہیں مگر آج وہ پورے یقین سے کہتی تھی ان راہوں سے بڑھ کر دلکشی و طمانیت اور کہیں نہیں تھی اللہ کے راستے ہی سیدھے راستے تھے اور آسودگی سے بھرپور بھی۔ اس نے گہرا سانس بھر کر اس احساس کو دل سے محسوس کرنا چاہا۔

"پپا تب (کب) آئیں دیں (گے) مما۔" اسامہ اس کی بانہوں میں مچلا تھا فاطمہ کا دل بہت زور سے دھڑکا اس ستمگر کا تذکرہ بھی اس کے دل اور خون کی رفتار کو کئی گنا بڑھا دیا کرتا تھا۔

"بہت جلد آئیں گے جانو، ان شاءاللہ۔" اس کا چہرہ حیا سے گلابی پڑنے لگا۔ اس روز جب اس نے عباس کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا وہ کتنا حیران و پریشان ہو گیا تھا اور اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کم و بیش وہی باتیں جو بعد میں زینب نے بھی کہی تھیں اس سے لیکن تب وہ اتنی بدگمان تھی عباس سے کہ اسے لگنے لگا تھا وہ انا پرست انسان اسے اللہ کے راستے سے روک کر اپنی محبت کے جھوٹے دام میں پھانس کر رکھنا چاہتا ہے۔ جبھی تو اس نے کوئی بات بھی ڈھنگ سے اس کی نہیں سنی تھی اور عباس اس کے تاثرات سے ہی سمجھ گیا تھا جبھی مزید اصرار نہیں کیا۔

"ایز یو وش فاطمہ میں آپ سے اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق اور آزادی نہیں چھینوں گا نہ میں جبر کرنا چاہوں گا آپ پر، مگر یہ بات کبھی نہیں بھولنا کہ اس گھر کے ہی نہیں عباس حیدر کے دل کے دروازے ہمیشہ تمہیں اپنے لیے کھلے ملیں گے۔ میں اور میرے بچے اور یہ گھر تمہارے بغیر ادھورے رہیں گے۔" اس نے اپنی بات کتنی آسانی کتنی سہولت سے کہہ دی تھی مگر فاطمہ کے اندر سرسراتی دہشت کا کہاں کوئی کنارہ تھا۔

(بھول جاؤ عباس حیدر، بھول جاؤ کہ اب تم مجھے ٹریپ کر لو گے میں اس سحر سے نکل آئی ہوں تمہارے اور میرے راستے اب جدا ہی رہیں گے)

وہ بھاگ کر دوسرے کمرے میں آ گئی تھی اور روتی رہی

تھی۔ اسے یاد تھا کبھی وہ وقت تھا جب وہ ان اشعار کی عملی تفسیر تھی۔

(میں تیری تلاش میں نکلوں یا اپنی تلاش میں جاؤں میری عقل، دل اور نظر سب کے سب تیرے کوچے میں کھو گئے ہیں)

اور اس نے تب یہ بھی جانا تھا کہ گم ہوئی چیزیں ڈھونڈنا ہرگز آسان کام نہیں۔ صحیح معنوں میں وہ خوار ہوئی تھی۔

زندگی کے ماہ وسال میں صرف وہی لمحے اس کے دل و نظر میں ٹھہر گئے تھے جب اس سے سامنا ہوا تھا جب اسے دیکھا تھا باقی زندگی تو اکارت تھی بے کار تھی۔ اسے کھویا تو یہ کالی رات جیسا وقت ٹھہر گیا۔ وہ حیران پریشان ہر شے کو خالی نظروں سے تکتی خود بھی خالی ہوتی رہی۔

کیسی ہوگئی تھی اس کی زندگی۔ کوئی دن اہم تھا نہ کوئی موسم خاص۔ اس کی تمنائیں ہی مرگئی تھیں جیسے کوئی احساس ہی دکھ کے سوا باقی نہ رہ گیا ہو۔ کسی سکھ کا دور تک سایہ نظر نہ آتا تھا کھونے کے عمل کا دکھ ہی اتنا شدید تھا جو اسے پاکر بھی تمام نہ ہوسکا۔

''اللہ گواہ ہے میں نے اللہ کے لیے عباس کو چھوڑا ہے۔'' اپنے ساتھ ساتھ وہ در و دیوار کو بھی یہ یقین سونپنا چاہتی تھی آنسو پھر بھی جانے کیوں دیوانہ وار بہے چلے جاتے تھے وہ بار بار ہچکیاں بھرتی تھی۔

میں نے جان لیا یہ سفر شروع ہی اس لیے ہوا تھا کہ اللہ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ عباس تو ایک ذریعہ تھا ایسا عارضی ٹھکانہ جہاں کچھ عرصہ ستانے کے بعد مجھے بالآخر آگے بڑھ جانا تھا ہاں اگر دنیا میں جنت مل جائے تو پھر مزید سفر سے کیا غرض۔ کچھ رویے کچھ فاصلے اس لیے بھی ہوتے ہیں کہ ہمیں نیند سے جگایا جائے اب تو جاکر مجھے محبت کا فلسفہ سمجھ میں آیا ہے۔ وہ بار بار خود کو برحق اور صحیح باور کرائے جاتی تھی لیکن پھر اللہ نے ہی زینب کے ذریعے سے پھر اسے درست دین سے آگاہی بخشی تو جیسے بے کلی کو سکون میسر آیا تھا۔ ہر وحشت نے ہی قرار پائی۔

فاطمہ کا دل ایمان لے آیا تھا حرف با حرف سچائی تھی حکمت تھی فطرت بھی اس نے جان لیا اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اب اسے عباس حیدر کا انتظار تھا جو اس روز سے کسی تبلیغی جماعت میں گیا ہوا تھا اور جسے خبر نہیں تھی فاطمہ کے کسی بھی نئے فیصلے کی۔

''انہیں پتا لگے گا تو کیسا لگے گا؟'' وہ سوچتی اور لجا جاتی۔ عباس کی قربتوں کے متعلق سوچ کر ہی اس کے وجود میں سنسنی دوڑنے لگتی تھی۔

کیسا آسودگی سے لبریز اور کیف آگیں احساس تھا مکمل طور پر اس شخص کو پالینے کا اس کے اطراف میں دور دور تک خوشبوئیں بکھر جاتیں ستارے جگمگانے لگتے۔

❀ ...... ❀❀ ...... ❀

سکندر لاج میں ہر سو سوگواری اور یاسیت کے بادل منڈلاتے تھے صرف تائی ماں کی ہی نہیں تاؤ جی کی بھی حالت تشویشناک تھی وہ بات جو کسی پر بھی عیاں نہیں تھی غم و اشتعال اور صدمے کی شدت میں مبتلا تائی ماں بین ڈالتی ہوئی خود اپنی زبانی بیان کرتی رہی تھیں۔

جس وقت جنازہ اٹھ رہا تھا ان کے حواس پر ایک ہیجان طاری ہوتا چلا گیا تھا۔ تبھی انہوں نے غم سے نڈھال تاؤ جی کا گریبان پکڑ کر طوفانی جھٹکے دیے تھے۔

''تم نے کہا تھا مجھے، تم نے...... سکندر کو زہر دے کر کام مکا دو وہ نہیں مرا، میری بچی مرگئی، دیکھو...... دیکھو وہ جا رہی ہے مجھے چھوڑ کر تم نے مار ڈالا اسے۔'' وہ خود اپنے بال نوچ رہی تھیں گال پیٹتی تھیں اور وہ سب کچھ کہہ رہی تھیں جو بقائمی ہوش و حواس کبھی منہ سے نہ نکالتیں۔

''اگر کارنامہ انجام دے ہی لیا تھا تو کم از کم بیٹی کو بھی راز میں شریک کرلیتی دودھ اس نے خود کیسے پی لیا سالوں پہلے اس کے ماں باپ کو راستے سے ہٹایا آج تک بھانپ نہیں سکا مگر تو......!'' تاؤ جی کے ہذیانی انداز و لہجے نے بھی ثابت کردیا تھا کہ یہ کیفیت رنج و غم صرف تائی ماں کے ہی حواس سلب نہیں کرگئے لاڈلی اکلوتی بیٹی انہیں بھی ذہنی طور پر وقتی سہی مفلوج ضرور کرگئی تھی۔ ان کی آنکھوں سے لہو

ٹپکتا تھا اور شناسائیت کا کوئی رنگ ڈھونڈنے پر نہیں ملتا تھا۔ چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ ایک نگاہ ان پر ڈالنا بھی امتحان تھا جیسے۔

اور ان انکشافات کی زد پر آئی لاریب چہرے پر اضطراب، وحشت اور گھبراہٹ سجائے ہراساں تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی سکندر کے بچ جانے پر شکر ادا کرے یا صالحہ، تائی ماں وغیرہ کے انجام پر آنسو بہائے۔ تاؤجی اور تائی ماں اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے تھے کہ وہ اوپر والا بہرحال بہترین منصف ہے، بہت بڑا محتسب ہے یہ مقام عبرت تھا مگر اس کے باوجود اس پل سکندر شرجیل اور فراز سمیت سب یاسیت کا شکار تھے۔

تائی ماں کی ذہنی حالت کے پیش نظر انہیں مستقل سکون آور ادویات کے زیر اثر سلایا جارہا تھا مگر جب بھی جاگتیں ہسٹریائی انداز میں چیختیں اور صالحہ کو آوازیں دیتی تھیں۔ تاؤجی ایسے چپ تھے جیسے سکتہ میں آگئے ہوں۔ سوئم کے بعد زندگی دھیرے دھیرے معمول پر آنے لگی تھی مگر تائی ماں اور تاؤجی کی حالت و کیفیت کا عالم ہنوز تھا۔

"انہیں میں لے جاتی ہوں اپنے ساتھ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" تاؤجی اور تائی ماں جن کی حیثیت بے کار فالتو پرزوں کی سی ہوگئی تھی ایمان نے ایسے میں خوش اسلوبی سے ان کی ذمہ داری قبول کرنی چاہی تو سکندر نے ٹوک دیا تھا۔

"نہیں ایمان یہ لوگ یہیں رہیں گے۔ میں نہیں چاہتا اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور انہیں عزت نفس مجروح ہونے کا خوف ستائے۔ مجھے امید ہے لاریب تمہیں اعتراض نہیں ہوگا میرے فیصلے سے میں مستقل طور پر ان کی خدمت پر ملازم مامور کردوں گا۔" سکندر کے لہجے میں رسان بھی تھا ٹھہراؤ بھی اور فیصلہ کن انداز بھی۔ لاریب نرمی سے مسکرادی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں انہیں مجھ سے ہرگز کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی، ان شاء اللہ۔" لاریب کے جواب نے فراز کے چہرے پر تفاخرانہ مسکان بکھیر دی۔ اس نے جتلائے انداز میں سکندر کو دیکھا گویا کہہ رہا ہو میں کہتا تھا نا تو بہت خوش نصیب ہے ہر لحاظ سے۔

"آپ کا شکریہ زوجہ مگر میں تم پر یہ بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ مجھے پورا یقین ہے تم یا اریبہ بھابی کبھی ان لوگوں سے اکتاہٹ یا بےزاری محسوس نہیں کروگی۔ میں نے اپنے سگے والدین کو نہیں دیکھا میرے لیے تاؤجی اور تائی ماں کی حیثیت اپنے والدین کی ہے۔" اس کے الفاظ نے اماں اور بابا کے چہرے پر روشنی پھیلا دی تھی۔ یہ اللہ کا فضل اور ان کی بہترین تربیت کا اثر تھا کہ آج سکندر پر ہر کوئی فخر کرسکتا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں سکندر بھائی ان شاء اللہ آپ کو ہم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اریبہ کی تسلی پر سکندر نے نرمی سے اس کا سر تھپکا اور رسان سے مسکرادیا۔

"مجھے معاف کردو بیٹی تم پر ظلم کرنے والوں میں شامل رہی ہوں اللہ مجھے معاف فرمائے اور سکندر بیٹے آپ بھی مجھے معاف کردو ماضی میں جو کچھ ہوا اس میں زیادہ نہ سہی تھوڑا میرا بھی حصہ رہا ہے۔" مما تائی ماں کے انجام سے اتنی خائف تھیں کہ پیروں میں گر کر معافی طلب کرتی تھیں۔ ان کا کمزور وجود خزاں زدہ پتے کی مانند کانپتا تھا۔ سکندر اور ایمان نے گڑبڑا کر انہیں سنبھالا تھا۔

"ایسی بات کرکے ہمیں گناہ گار نہ کریں مما آپ اللہ سے معافی طلب کریں ہمارے دل میں ہرگز آپ کے لیے کوئی کدورت نہیں ہے۔" ایمان نے انہیں گلے لگا کر ان کے آنسو پونچھے تھے مگر صورت حال یہ تھی کہ جتنا وہ انہیں تسلی دیتی آنسو صاف کرتی وہ اس قدر بکھرتیں اس شدت سے آنسو بہتے تھے۔ انہیں قرار آتا تھا نہ سکون۔

"مجھے اپنے ساتھ لے چلو بیٹا، میں یہاں رہی تو لازمی بھابی بیگم کی طرح پاگل ہوجاؤں گی۔" وہ ایمان کے ہاتھ پکڑ کر سسکی تھیں شرجیل نے بڑھ کر انہیں ساتھ لگالیا۔

"میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز کی بات نہیں ہے مما کہ آپ ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں آپ چلیے ہمارے ساتھ پپا آپ بھی چلیں گے ناں۔" شرجیل نے

خاموش کھڑے باپ کو مخاطب کیا جن کے چہرے پر زہر خند پھیل گیا تھا۔

"میں ابھی اتنا لاچار اور فقیر نہیں ہوا اولاد کے در پر جا پڑوں دو وقت کی روٹی کی راہ تکنے کو..... اونہہ۔" انہوں نے تنفر سے کہا اور پیر پٹختے وہاں سے چلے گئے۔ شرجیل نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا تھا اور جھک کر ماں کے ہاتھوں پر بوسہ لیا۔

"آپ فکر نہ کریں مما ہم پپا سے ملنے آتے رہیں گے۔" ایمان نے مما کی ڈھارس بندھائی تھی وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں، یہ سچ ہے ہدایت جیسی انمول نعمت بھی ہر کسی کا نصیب نہیں بنا کرتی پتا نہیں پپا کا شمار بھی ان چنے ہوئے لوگوں میں ہونا تھا یا.....؟"

عباس حیدر کو فون کے ذریعے صالحہ کے انتقال کی خبر مل چکی تھی۔ جبھی واپسی پر وہ گھر آنے کے بجائے پہلے سکندر کے ہاں گیا تھا۔ تعزیت اور عشا کی نماز کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹا تو وجود میں فاطمہ کے فیصلے کے تمام تر سمجھوتے کے باوجود یاسیت کا احساس گہرا ہوتا جارہا تھا۔ فون پر بچوں سے بات ہوتی یا ملازموں سے اسے فاطمہ کے چلے جانے کی اطلاع کسی نے نہیں دی تھی۔ شاید وہ اس کی واپسی کے بعد یہ قدم اٹھانا چاہتی تھی۔

احسان، با اور دیگر ملازمین کے سلام کا جواب دیتا وہ اپنے بیڈروم میں آ گیا تھا ارادہ فریش ہونے کے بعد بچوں سے ملنے کا تھا مگر اندر داخل ہوتے ہی اسے خوشگواریت کے احساس نے چھولیا۔ دونوں بچے صاف ستھرے تھے اور بیڈ پر سو رہے تھے۔ فاطمہ البتہ اسے نظر نہیں آئی اس نے گہرا سانس بھرا اور کوٹ اتار کر ایک طرف رکھا۔ پھر بچوں کو جھک کر پیار کیا تھا تبھی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر جائے نماز پر سجدے میں سر رکھے فاطمہ پر پڑی تو دل آسودگی و طمانیت کے انوکھے و دلفریب احساس سے ہمکنار ہوتا چلا گیا۔

فاطمہ کا خشوع وخضوع اور بے خبری قابل رشک تھی۔ عباس کی نگاہیں گاہے بگاہے اس پر اٹھتی تھیں پھر

شہزادی کومل

آنچل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! جناب کیا حال چال ہے، پچھلے چار سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں اب سوچا انٹری دوں تو جناب کو شہزادی کومل کہتے ہیں۔ تاریخ پیدائش 14 اپریل ہے، اسٹار پر یقین نہیں کرتی۔ دوست بنانا اچھا لگتا ہے، آنچل میں دو فرینڈ ہیں ایک سلمیٰ گوری خان اور مائی کیوٹ سویٹ سسٹر جاناں! یہ میری دوست کم بہن زیادہ ہے۔ بارش پسند نہیں، آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اگر ہم سب ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں تو دنیا و دین وآخرت میں بھی سرخروئی حاصل کرسکتے ہیں۔ ٹی وی بہت کم دیکھتی ہوں، سبزیوں میں کدو، کریلے، بھنڈی پسند ہے اور چاول بھی بہت پسند ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں میں تیسرے نمبر پر ہوں، میں اپنے بھائیوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ نازی آپی، عشنا کوثر، سمیرا شریف طور پسند ہیں۔ اچھائیاں اور برائیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اور عذاب قبر سے بہت ڈر لگتا ہے، اپنی مما سے بہت ڈرتی ہوں۔ عمرہ کرنے کا بہت شوق ہے، اللہ ہر مسلمان کو عمرہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔ اریبہ شاہ، کرن وفا، نیناں شاہ کو بہت بہت سلام او کے جی اللہ حافظ۔

شدید تھکان غالب ہوئی اور اگلے چند لمحوں میں وہ غنودگی میں چلا گیا۔ فاطمہ نے نماز مکمل کی۔ دعا مانگی اور اٹھتے ہوئے جیسے ہی رخ پھیرا عباس کو موجود پا کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

ایک بے اختیار قسم کی شرمیلی مسکان نے اس کے شنگرفی لبوں کا احاطہ کرلیا تھا۔ جائے نماز تہہ کرکے رکھتے اس نے مدہم آواز میں سلام کیا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ وہ حیران رہ گئی اور دھیان سے اسے دیکھا غضب کی مردانگی سمیٹے لمبا چوڑا شاندار وجیہہ تندومند سراپا۔ نیم وا آنکھیں ذرا سے کھلے ہونٹ اور ہلکے خراٹے وہ اسے سوئے ہوئے

شیر کے ہی مشابہہ لگا تھا۔ فاطمہ اسے تکتی رہی اور یونہی تکتے آنکھوں میں اترتی نمی کے باعث اس کا وجیہہ خوبرو چہرہ اس کی نظر میں دھندلانے لگا تھا۔

کچھ کہے بغیر وہ جھکی اور بے حد محبت اور نرمی سے اس کے پیر جوتوں اور موزوں سے آزاد کرنے لگی۔ ہلکی نمی لیے سنگ مرمر جیسے سفید مضبوط پیروں پر فاطمہ کے مومی ہاتھوں کی گرفت سخت پڑنے لگی۔ آنکھ سے بہتے شفاف موتیوں نے ایک بار پھر اس دل کے شہنشاہ پر نذرانہ عقیدت لٹانا شروع کیا تھا۔ اگلے لمحے اسے جانے کیا ہوا، بری طرح سے سسکتی ہوئی اس کے پیروں پر اپنا چہرہ رکھ چکی تھی۔

عباس کی غفلت مٹانے کا باعث اس کے لرزتے نم ہونٹوں کا لمس ہی تھا جسے اپنے پیروں پر محسوس کرکے وہ چونکا تھا اور خمار آلود گلابی ڈوروں والی آنکھیں کھول کر کسی قدر اچنبھے سے گردن اٹھائی اور جیسے فاطمہ کو اس حیران کن پوزیشن میں پاکر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

"فاطمہ.....!" وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور اسے شانوں سے تھام کر اٹھانا چاہا مگر وہ روتی ہی رہی تھی اور گویا اس کے پیروں سے سر نہ اٹھانے کا تہیہ کرچکی تھی۔ عباس کا اضطراب بڑھا تو اس نے زبردستی اسے اٹھا کر اپنے مقابل صوفے پر بٹھالیا۔

"کیوں رو رہی ہیں فاطمہ، کچھ بتائیں تو مجھے۔" وہ کتنا پریشان تھا وہ کتنا حیران نظر آتا تھا جبکہ فاطمہ کی ہچکیاں اور سسکیاں نہ تھم رہی تھیں۔

"مجھے معاف کردیں..... میں نے بہت بدتمیزی کی آپ سے۔" اس کے رونے میں شدت آئی، عباس ایک گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔

"مم..... میں غلط فہمی کا شکار تھی عباس، مجھے لگتا تھا میں اللہ کو ناراض کردوں گی۔" آنسوؤں اور آہوں کے درمیان وہ ایک ایک بات بتا گئی۔

"اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کی شان میں گستاخی کرتی بھلا؟" اس نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھیں اور چہرہ اٹھا کر کتنی معصومیت سے اس کی تصدیق چاہی تھی۔

عباس نے مسکراہٹ دبا کر فی الفور سر کو نفی میں ہلایا۔

"مجھے بھی یقین تھا کہ اگر یہ لڑکی مجھے نظرانداز کررہی ہے تو اس کے پیچھے کوئی اہم ہستی ہوسکتی ہے ورنہ میری فاطمہ مجھے کبھی ہرٹ نہیں کرسکتی۔" عباس نے نرمی و محبت سے کہتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا اور مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ فاطمہ جھینپ سی گئی اس کی توجہ اس کی قربت، اس کا لمس ابھی پوری طرح جیسے سر چڑھ کر بولا تھا۔ وہ دہک کر مشک بو ہی نہیں ہوئی تھی گویا سرتاپا رنگوں میں نہانے لگی۔

"بہت تھک گئے ہیں آپ؟ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی جو اس کے حجاب اس کی گھبراہٹ کی گواہ تھی عباس پہلی بار یوں اپنائیت تمام تر توجہ اور استحقاق آمیز انداز میں اتنا قریب تھا۔ یہ گھبراہٹ اور راہ فرار کی کوشش میں فطری سی تھی جسے عباس نے سمجھا تھا اور انجوائے کیا تھا۔

"میں بالکل بھی نہیں تھکا ہوا بلکہ تمہیں اتنے پیارے روپ میں دیکھ کر بہت فریش ہوچکا ہوں۔" فاطمہ کی لانبی پلکیں حیا بار انداز میں لرز اٹھیں اور تن بدن میں اس کی توجہ کے ارتکاز کے باعث سنسنی دوڑتی چلی گئی تھی۔

"میں بہت بری ہوں عباس خود کو اس مرتبے کے قابل نہیں پاتی۔ میں نے بہت تنگ کیا آپ کو۔" وہ ایک بار پھر جانے کیا کچھ یاد کرکے روئی۔

"پلیز فاطمہ مجھے بہت خاص سمجھنا چھوڑ دو یہ درجہ یہ مقام تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ اللہ بہتر ہے درجات طے کرنے والا ایک بات اور مجھے اپنی بیوی بار بار روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگ رہی۔ یار کچھ دن میری اماں کے ساتھ گزار کر ان سے شوہر کی اتنے دنوں بعد واپسی پر استقبال کا کوئی اچھا سا طریقہ ہی سیکھ لیتیں۔ اگر تم مان گئی ہو تو آج ہماری گولڈن نائٹ ہوگی۔" اس کی سرعت سے بہتی آنکھوں کو ایک جذب سے ہونٹوں سے چھوتا وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر شریر انداز میں ہنسا تھا۔ فاطمہ کو جیسے ہی اس

کی بات سمجھ آئی وہ حیا سے دوہری ہوتی چلی گئی، اگلے پل اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ عباس نے مسکراہٹ دبا کر اس جھینپی اور بے حد حسین فطری حجاب کے حصار میں گھری لڑکی کو دیکھا تھا اور ہنستے ہوئے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹانے چاہے۔

"زہی سچ کہتی تھی تمہاری یہ شرم و حیا اتنی خوب صورت ہے کہ میں چاہوں بھی تو ان قاتلانہ اداؤں کے حصار سے باہر نہیں جاسکتا۔" فاطمہ محبت و مان بھری گرفت میں اس رشتے کے احساس کے تحت بوکھلائی تو تھی ہی اس بات پر حیرانی کا غلبہ ایسا چھایا جس نے اسے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔

"آ......آ......آپ......؟" کتنی حیرانی و غیر یقینی تھی اس کے چہرے پر عباس بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"میں اتنا بھی غافل نہیں تھا تم سے جتنا تم سمجھتی رہی ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے فاطمہ کہ میں شروع دن سے ہی تم سے غافل نہ ہوسکا۔ وہ توجہ اگر محبت کی نہیں بھی تھی تب بھی کچھ تو ایسا تھا کہ میں عام لوگوں کی طرح تمہیں فراموش نہ کرسکا۔"

فاطمہ کچھ نہیں بولی، وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس کی بھرپور زندگی میں اسی اظہار کی کمی تھی جسے وہ بھی آج اللہ نے پوری کردی تھی۔ وہ کس کس نعمت کا شکر ادا کرتی۔ عطا فرمانے والے نے تو اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے تھے اس پر وہ مسحور تھی دوسرا یا عاجز تھی۔

"آپ فریش ہوجائیں میں کھانا لاتی ہوں۔" اس نے خود کو اس دل طلسمی قربت سے نکالنا چاہا مگر عباس آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

"کھانے کے بہانے جان چھڑانا چاہتی ہو مجھ سے؟" اس کا انداز چھیڑتا ہوا تھا۔ اس کے باوجود فاطمہ کی آنکھوں میں اس کے چہرے پر ایک ہیجان سا در آیا تھا۔

"ایسا کیوں سوچا آپ نے؟ آپ جانتے ہی نہیں ہیں عباس آپ کا ساتھ کتنا قیمتی اور انمول ہے میرے لیے۔" عجب مدھ بھرا اور بے خود انداز تھا اظہار کا۔ فاطمہ

> **مشاہدات**
>
> یادیں: انسان کی بہترین دوست ہیں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کرسکتی۔
>
> زندگی: مانگا ہوا تحفہ ہے جسے واپس کرنا اذیت ناک خیال ہے۔
>
> چاند: رات کا وہ خاموش مسافر ہے جو خود تو اندھیروں میں سفر کرتا ہے مگر دوسروں کے لیے قدم قدم پرنور بکھیرتا ہے۔
>
> انتظار: بے قراری کا دوسرا نام ہے اور انتظار کی لذت سے وہی لوگ آشنا ہوتے ہیں جو شب الم سے لے کر طلوع سحر تک اس میں جلتے ہیں۔
>
> امید: ایک ایسی ٹھنڈی اور سکون بخش وادی ہے جو اپنے پرسکون دامن میں انسان کو پناہ دے کر اسے مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔
>
> فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال

نے اس کے چہرے کو اپنے نازک موی ہاتھوں کے پیالے میں لے کر یقین دہانی سونپی تھی۔ عباس اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا کتنی آسودگی اور سرشاری اتر آئی تھی اس کے اندر۔

"تھینکس فاردس آنر، داد دوں خود کو اپنی ذہانت پر کہ تم سے اتنی آسانی سے اظہار کرالیا۔ ایسے تو جتنا تم شرمانی ہو قیامت تک بھی شاید ممکن نہ ہوتا۔" وہ ہنستا ہوا گویا اپنے کارنامے کو بیان کررہا تھا۔ فاطمہ پہلے جھینپی پھر خفت سے سرخ پڑتی تیزی سے اس سے الگ ہوئی۔ حجاب آمیز کوفت اور ناراضی کا عکس اس کے خدوخال کو انوکھی دلکشی بخشتا گویا جگمگا کے رکھ گیا تھا۔

"میں کھانا لاتی ہوں۔"

"ایسے نہیں فاطمہ، پہلے مسکراؤ۔" عباس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا فاطمہ کے چہرے پر خود بخود حجاب آلود مسکان کا سنہرا عکس بکھرتا چلا گیا۔ وہ گریزاں تھی شرما رہی تھی۔ جبھی اپنا ہاتھ اس کی گرم جوش پرتپش گرفت سے نکالنا چاہا عباس کھل کر مسکرایا اور کسی قدر شوخ انداز

میں گویا ہوا تھا۔

جھکاؤ نظریں، چھڑاؤ دامن
بدل کے رستہ بڑھاؤ الجھن
تمہیں دعاؤں سے پھر بھی میں نے
جو پالیا تو کیا کرو گے؟

فاطمہ کانوں کی لوؤں تک بے تحاشا سرخ پڑتی چلی گئی۔ عباس کی مسکراہٹ اور شرارت نے بھی اس کی اسی کیفیت کے باعث طول پکڑا تھا۔

"میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوش بختی کی علامت ہوسکتی ہے میرے مولا کہ تو نے فاطمہ کی ہدایت کا ذریعہ مجھے بنایا ہے۔ مجھے اب ہرگز بھی تیری رضا سے اختلاف نہیں۔ اگر دکھ تو نے دیا تھا تو صبر واستقامت اور پھر بھرپور زندگی بھی تیری ہی عطا ہے۔" لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ وضو کرنے واش روم میں چلا گیا۔ فاطمہ کے ساتھ نئی زندگی کے آغاز سے قبل وہ اپنے مالک کا شکر بجالانا خود پر لازم سمجھتا تھا۔

❀......❀❀......❀

"لاریب دوڑ لگاؤ گی میرے ساتھ؟" حسب معمول وہ علی الصبح چہل قدمی کو باہر نکلے ہوئے تھے جب کلمہ طیبہ کا ورد کرتی لاریب نے سکندر کی بات پر حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

سکندر نے کچھ توقف کیا اور ہمہ تن گوش لاریب کو دیکھ کر نرمی سے مسکرایا تھا۔

"یونو ایک مرتبہ بلال بھائی نے عباس حیدر سے پوچھا تھا تم نے اپنی بیوی سے دوڑ لگائی۔ ان کے جھینپنے اور مجل ہونے کے انداز سے ہی میں جان گیا تھا ایسا نہیں ہوا میں نہیں چاہتا مجھ سے سوال کیا جائے تو ایسی ہی شرمندگی سے میں بھی دوچار ہوں اس لیے دوڑ تو تمہیں میرے ساتھ لگانا پڑے گی۔" اس کے انداز میں حکم تھا نہ جبر اس کے برعکس مان تھا، استحقاق تھا، محبت تھی۔ لاریب جھینپ کر رہ گئی۔ سکندر نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا پھر اس کے سراپے پر بھرپور اور معنی خیز نگاہ ڈالی تھی۔

"اس بار تو پکی بات ہے میں ہی تم سے جیتوں گا۔" اس کا بوجھل سرگوشیانہ لہجہ لاریب کو اس کے فقرے کی معنی خیزیت سے آگاہ کرتا خفت وحجاب سے لبریز کر کے رکھ گیا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، گو۔" سکندر نے کہا اور دونوں ہی ایک ساتھ ہنستے ہوئے بھاگے تھے۔ اسی پارک کے دوسرے کونے پر عباس حیدر فاطمہ کے ہمراہ تھا۔

"مجھے واقعی بہت شرمندگی ہوئی تھی فاطمہ جب میں بلال بھائی کے اس سوال کا مثبت جواب نہیں دے سکا تھا۔ میرا خیال ہے میری بیوی کو اتنا تو میرا خیال ہوگا کہ اگلی بار شرمندگی سے دوچار نہیں ہونے دے گی اور اس پیاری سنت کی ادائیگی میں میرا ساتھ نبھائے گی۔" وہ مسکرا کر کہتا اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ فاطمہ کی ریشمی لانبی جھکی لرزتی پلکوں پر سب حسین رنگ حجاب کے رنگ تھے۔ عباس کی محبتوں کی بارشوں میں بھیگنے کے بعد وہ اب کہاں نگاہ بھر کے دیکھنے کی تاب رکھتی تھی۔ اس شخص نے تو ایک رات میں ہی سابقہ تمام کوتاہیوں کے ازالے کردیے تھے۔ اس کی وارفتگیاں یاد کر کے وہ حجاب اور حیات سے سمٹتی تھی۔ پلکوں پر جیسے منوں بوجھ دھرا تھا اور دل اس مالک کائنات کے حضور سربسجود تھا۔

"پہلے میری ایک بات سن لیں بلکہ پلیز مجھے اجازت دیں تاکہ میری یہ خواہش پوری ہوسکے۔"

"کون سی خواہش؟" عباس نے نرمی سے استفسار کرتے اس کا نرم روئی کے گالے جیسا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جب میں قرآن پاک کو مکمل پڑھ لوں گی تو آپ اس کا علم پھیلانے کی مجھے اجازت دیں گے۔ حدیث کا مفہوم ہے نا 'بہترین لوگ اللہ کے نزدیک وہ ہیں وہ خود قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔' میں بھی یہی مرتبہ یہی سعادت پانے کی خواہش رکھتی ہوں۔" اس کے لہجے میں لجاجت تھی عباس کھل کر مسکرا دیا۔

"میں روکنے کی جرأت کروں ایسا وقت خدا نہ لائے اللہ سے دعا ہے اللہ تمہیں یہ سعادت نصیب

فرمائیے آمین۔"

"ثم آمین۔" فاطمہ نے جذب سے کہا اور بھرپور طمانیت سے مسکرانے لگی۔

"اب دو ڑیں؟" عباس کے مسکرا کر پوچھنے پر فاطمہ سر کو اثبات میں ہلانے لگی۔ اگلے لمحے دونوں بھاگ رہے تھے مسکراتے ہوئے آسودہ مطمئن مطلوبہ جگہ پر پہنچنے سے قبل مخالف سمت سے آتے لاریب اور سکندر کے سامنے دونوں کو رکنے پر مجبور کردیا۔ چاروں کے درمیان سلام دعا کا تبادلہ ہوا تھا۔ عباس اور سکندر نے باہم قدموں کو بڑھایا تو وہ کچھ پیچھے رہ جانے والی لاریب کے مقابل آ گئی تھی۔ جس نے عباس کی موجودگی کے باعث چہرے کو چادر کے نقاب میں چھپالیا تھا اس کی تقلید میں فاطمہ نے بھی یہی عمل دہرایا اسے اس پل زینب کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔

"عورت چاند کی طرح نہیں ہونی چاہیے جسے ہر کوئی بے نقاب دیکھے۔ بلکہ مسلمان عورت سورج جیسی ہونی چاہیے جسے دیکھنے سے پہلے ہی آنکھیں جھک جائیں۔"

"آپ ٹھیک ہیں لاریب؟" فاطمہ نے خود اس کی جانب پیش رفت کی تو لاریب مسکرانے لگی۔

"الحمدللہ، اللہ پاک کا ہر لحاظ سے احسان ہے، آپ کیسی ہیں؟"

"مجھے ہر بار ملاقات پر ایسا لگا جیسے آپ خفا ہیں مجھ سے اور......" لاریب کے نرم اور صلاح جو انداز نے ہی آج فاطمہ کو یہ سوال کرنے کا حوصلہ دیا تھا جواباً لاریب روا داری سے مسکرانے لگی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر میرے عمل سے آپ کو تکلیف پہنچی جس کی معذرت چاہتی ہوں، اللہ نے چاہا تو آپ کو آئندہ ایسی شکایت کبھی نہیں ہوگی۔" وہ مسکرائی اور فاطمہ جھینپ گئی تھی۔

"آپ آیئے نا لاریب کسی دن ہمارے گھر۔" فاطمہ کی پُرخلوص پیشکش پر لاریب نے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"شیور واے نات، بلکہ آپ کی کافی ڈیو ہے، جو آپ کے شوہر نامدار نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے ہمیں

غزل

ہاتھ سہلاتے ہوئے بہن بولی
چاند بھتی ہے تو ساری رات اوی
آنکھیں مٹکاتے ہوئے میں نے کہا
خود کو ہی دیکھتی ہوں اس پار اوی
دیکھنے کو تو دور لگتا ہے
جو نہی چلتی ہوں تو چلتا ہے ساتھ اوی
گھڑی، دو پل جو لوگ سوتے ہیں
کھلتے ہیں ان پر عجب اسرار اوی
جیسے دن رات کو بدلتا ہے
راز ہوتے ہیں یونہی فاش اوی
وجود اس کا تو اک طلسم ہے
اور جادو وہ کیا جو آئے ہاتھ اوی
کہاں قیام کا متحمل ہے وہ
یہی نسبت ہے اس سے خاص اوی
میری منزل نہیں ٹھکانہ اس کا
وہ جان لے گا کبھی یہ بات اوی

انتخاب: شائستہ خان...... بصیر پور

پلانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔" لاریب کے انداز کی بے تکلفی و دوستانہ اپنائیت نے نا صرف فاطمہ کو مطمئن کیا بلکہ اس سے چند قدم آگے چلتے عباس کے ذہن و دل سے بھی آج جیسے پہلی بار بھاری بوجھ سرکا دیا تھا کہ اس کی وجہ یہی تھی جو طمانیت جو آسودگی آج عباس نے لاریب کے انداز میں محسوس کی تھی وہ اس سے قبل ناپید تھی۔

(اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ یہ بات جاننے میں مجھے بہت وقت ضرور لگا مگر صد شکر جان گئی ہوں مجھے آج ہرگز کوئی شکوہ نہیں ہے تمہیں کھونے کا عباس سکندر جو اللہ کا منتخب کردہ تھا۔ میرے لیے مجھے دل و جان سے قبول ہے)

خود سے کچھ فاصلے پر چلتے عباس کو جھکی نظروں سے ایک نظر دیکھ کر لاریب نے سوچا تھا اور سکندر کے ہمراہ

اپنے الگ راستے پر ہولی۔ عباس نے قدموں کو روک کر فاطمہ کو اپنے ہمراہ کیا اور مسکرا کر اسے روشن آنکھوں سے دیکھا۔ فاطمہ کی جھکی پلکیں اس توجہ پر پھر لرزنے لگیں۔

"وہ کہہ رہی تھیں وہ ضرور آئیں گی میرے ہاتھ کی کافی پینے۔" عباس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم نے کہا تھا فاطمہ تمہیں رونمائی کے گفٹ کی ضرورت نہیں مگر میں تمہیں یہ گفٹ دینا چاہتا ہوں جانتی ہو وہ کیا گفٹ ہے؟" فاطمہ نے چلتے ہوئے تھم کر اسے دیکھا۔ پھر سر کو اثبات میں ہلاتے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جگنوؤں کے قافلے اترنے لگے تھے۔

"عمرہ کے ٹکٹ، ہم دونوں اماں جان اور بابا جان کے ہمراہ بیت اللہ شریف کی حاضری کو اگلے ہفتے جارہے ہیں ان شاء اللہ کیسا لگا یہ گفٹ جان عباس۔" اس کے متبسم لہجے میں دلکشی کا رنگ اتر رہا تھا فاطمہ نے عقیدت مندانہ نم نظروں سے اسے دیکھا اور عاجزانہ انداز میں انکساری سے مسکرائی تھی۔

"اپنی خوش بختی کا مجھے یقین تو آرہا تھا حیدر مگر اب جیسے اس پر تصدیق کی پختہ مہر ثبت ہوگئی ہے جزاک اللہ۔" وہ سراپا مشکور تھی عباس نے اس کا سر تھپکا اور قدم گھر کی جانب بڑھا دیے۔

"فاطمہ تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں کہ میں تبلیغی مصروفیات کی بنا پر تمہیں پراپر ٹائم نہیں دے پاؤں گا اور بچوں کی ذمہ داریاں بھی تمہیں ہی نبھانی پڑیں گی۔" فاطمہ نے بغیر کسی رد و کد کے پورے اعتماد کے ساتھ سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں حیدر، انشاءاللہ کبھی بھی نہیں یہ زندگی عارضی پناہ گاہ ہے اور سب سے اہم ہے وہ کام جس کی توفیق اللہ رب العزت نے آپ کو بخشی ہے۔ یہ حکم اللہ ہے اس سے روگردانی میں نجات ممکن نہیں۔" اور عباس نے ایسے ایمان افروز جواب پر مطمئن ہو کر سرشار ہوتے اس کا ہاتھ تھام کر بوسہ ثبت کیا تھا۔ وہ دونوں یونہی ایک دوسرے کی ہمراہی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ جبکہ فضا میں گونجتی آواز ہر لمحہ پورے ماحول پر چھائی جارہی تھی۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

عباس نے سنا اور خود بھی اپنی آواز کو اس آواز کے ساتھ شامل کر لیا اس پر ایک جذب کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

یہ مال و دنیا یہ رشتہ پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل و گل کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ

اب فاطمہ بھی عباس کے ساتھ مل کر دہرا رہی تھی دونوں کے انداز میں عقیدت بھری ہوئی تھی۔

ٹھوکر کھا کر ہی مگر وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پہچان کر اشرف المخلوقات کے درجے کو پا گئے تھے۔ وہ درجہ جو اللہ نے اپنے بندے کو خاص طور پر عطا فرمایا ہے مگر اسے نبھاتا کوئی کوئی ہے کہ بلاشبہ اللہ کو مان لینا اصل بات نہیں کیونکہ اللہ اپنی شان اور قدرت سے خود کو منوا ہی لیتا ہے۔ اصل بات تو اللہ کو منا لینے میں ہے انہوں نے اللہ کو منانے کی کوشش کی تھی اب ان کی یہی خواہش دوسرے مسلمانوں کے لیے تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اللہ کے احکامات کو دنیا میں پھیلا دیتے تا کہ مقصد انسانیت پورا ہو سکے۔

(ختم شد)